تجدیدی اور انقلابی جدو جہد کا جامع تذکرہ
برصغیر میں تجدیدِ دین کی تاریخ
[التّمهيد لتعريف أئمّة التّجديد]
تصنیف
امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ
اردو ترجمہ
مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

تجدیدی اور انقلابی جدوجہد کا جامع تذکرہ

برصغیر میں تجدیدِ دین کی تاریخ

[التّمهيد لتعريف أئمّة التجديد]

تالیف

امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ

اردو ترجمہ

مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

رحیمیہ مطبوعات

رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئنز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

عرضِ ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برصغیر کے مجددین علمائے ربانیین اور ولی اللّٰہی علوم و افکار کے جامع تذکرے اور تاریخ پر مشتمل امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی عظیم الشان کتاب ''التّمهيد لتعريف أئمّة التّجديد'' علما و مشاہیر سے خراجِ تحسین حاصل کرچکی ہے۔ یہ کتاب مجددین اُمت کے تاریخی تسلسل اور اُن کے تجدیدی اور انقلابی کردار کے جامع تعارُف پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا اُردو ترجمہ وقت کی ضرورت اور اہم ترین تقاضا تھا۔ عرصۂ دراز سے اہلِ علم وفکر کے حلقوں میں اس ضرورت کو محسوس کیا جارہا تھا۔

اس اہم علمی ضرورت کو پورا کرنے کا عزم سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے چوتھے مسند نشین حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہٗ کی ایما، سرپرستی اور نگرانی میں اس سلسلۂ عالیہ کے موجودہ صدر نشین حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے کیا۔ چناں چہ انھوں نے شبانہ روز محنت کرتے ہوئے نہ صرف اس اہم کتاب کو اُردو کے قالب میں ڈھالا، بلکہ اس پر تحقیقی حواشی اور حوالہ جات کا مفید اضافہ بھی کیا۔ انھوں نے مفید عنوانات قائم کرکے کتاب کے مضامین کو قاری کے سامنے کھول کر رکھ دیا ہے۔ اس طرح اُردو دان طبقے کے سامنے حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے علوم و افکار کا ایک ایسا خزانہ سامنے آیا ہے، جس سے اب تک اردو پڑھنے، لکھنے اور سمجھنے والے محروم تھے۔

حضرت سندھیؒ کے حوالے سے اگرچہ اردو زبان میں بہت سا لٹریچر موجود ہے، لیکن اُن کے انقلابی فکروعمل کے بنیادی نکات وعملی کردار کے جامع پہلو اس کتاب سے واضح ہوتے ہیں۔ اس کتاب میں انھوں نے اپنے انقلابی فکروعمل کا مرکز اور منبع' مجددین اُمت کے تاریخی تسلسل بالخصوص حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہما کو قرار دیا ہے۔

حضرت مترجم مدظلہٗ نے کتاب کے شروع میں پیش لفظ اور مقدمہ لکھتے ہوئے ولی اللّٰہی نظریۂ تاریخ کی روشنی میں اس کتاب کی اہمیت، اس کا پورا تعارف اور خلاصہ تحریر کردیا ہے۔ کتاب کا حرفِ تعارف حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی سعیدالرحمٰن نے تحریر کیا ہے۔ اس کام پر وقیع رائے گرامی کا اظہار حضرت مولانا سراج احمد دین پوریؒ (تلمیذ امام عبیداللہ سندھیؒ وسجادہ نشین خانقاہِ عالیہ دین پور) نے کیا ہے۔ اُمید ہے کہ قارئین اس کتاب سے خوب استفادہ کریں گے۔

ناظم رحیمیہ مطبوعات لاہور

انتساب

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس سرہٗ اور

خانوادۂ ولی اللّٰہی کے انقلابی علما کے فکر و عمل

کے جامع تعارف پر مبنی

اس کتاب کے اردو ترجمہ اور تحقیق کا کام

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری

قدّس سرّہٗ السّعید

کی زیرِ سرپرستی و نگرانی پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

اس لیے اس کا انتساب انھیں کی جانب کیا جاتا ہے۔

فہرست عنوانات

تحديث العبد الضّعيف بنعمة ربّه اللّطيف

سرگزشتِ حیات

سبیل الرّشاد کالزّیل علیٰ الإنتباہ و الإرشاد

رُشد و ہدایت کا تاریخی تسلسل

☆

تعارُف شخصیات (حواشی)

نمبر شمار	اسمائے گرامی	صفحہ نمبر
	(الف)	
1	شیخ سید آدم بن اسماعیل کاظمی بنوری قدس سرہٗ	699
2	شیخ ابراہیم بن احمد بن ابراہیم بن داؤدؒ	694
3	شیخ ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد بن احمد بن بیریؒ مفتیٔ مکہ	678
4	شیخ ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن محمد اسماعیل کرکیؒ	683
5	امام ابراہیم بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علیؓ بن ابوطالب	738
6	شیخ سید ابراہیم بن معین الدین بن عبدالقادر حسینی ایرجی ثم دہلویؒ	717
7	امام ابراہیم بن میمون صائغ مروزیؒ	736
8	امام ابراہیم بن یزید بن قیس بن اسود نخعیؒ	697
9	شیخ ابواحمد محمد بن عیسیٰ جلودی نیشاپوریؒ	389
10	شیخ الاسلام ابواسماعیل عبداللہ بن ابومنصور محمد انصاری ہرویؒ	725
11	امام ابوبکر احمد بن علی جصاص رازیؒ	731
12	علامہ ابوبکر بن مسعود بن احمد علاؤ الدین ملک العلما کاسانیؒ	691
13	امام ابوبکر محمد بن ابراہیم کلاباذی بخاریؒ	727
14	شیخ امام ابوالبرکات حافظ الدین عبداللہ نسفیؒ	690
15	شیخ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاویؒ	732
16	شیخ، امام ابوجعفر محمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر بلخی، ہندوانیؒ	733
17	امام ابوحامد محمد بن محمد غزالی طوسیؒ	724
18	شیخ ابوالحسن (صغیر) بن محمد صادق سندھیؒ	673

(ب)

(س)

(ش)

(ص)

(ط)

(ع)

(غ)

(ن)

☆

حرفِ تعارف

کسی بھی خطے کی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ وہاں کے باشندے بالعموم اور اہل دانش بالخصوص اپنی قومی شناخت سے آ گاہ ہوں۔ ان کی قومی حمیت محض ردّ عمل پر استوار نہ ہو، بلکہ اس کی فکری و عملی صالح بنیادیں ہوں۔ قومی ترقی کے لیے علمی و تجزیاتی اساس پر ایک مربوط نظامِ فکر کی ضرورت ہوتی ہے، جو ایک طرف زندگی کے متنوع شعبوں کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ بناتا ہے تو دوسری طرف قومی ارتقا کے لیے ماضی اور حال کے باہمی تسلسل کی کڑیاں ایک دوسرے سے جوڑتا ہے۔ چناں چہ قوموں کی ترقی محض سائنس و ٹیکنالوجی کی رہین منت نہیں ہوتی، بلکہ سماجی افکار ہی ترقی کی راہ متعین کرتے ہیں۔ صحت بخش نظامِ فکر، معاشرے کے لیے آکسیجن کی حیثیت رکھتا ہے۔ کسی معاشرے کا زوال ایسے نظامِ فکر سے پہلوتہی کے سبب ہوتا ہے۔

آج ہمارے معاشرے کا پڑھا لکھا طبقہ ملکی مسائل کی نشان دہی تو کرتا ہے۔ علمی دانش کی محفلیں بھی آباد ہیں۔ ایوانِ سیاست میں بھی حب الوطنی اور حب الدّینی کے غلغلے بھی بلند ہوتے رہتے ہیں، مگر مسائل کے حل کا سِرا ہاتھ میں نہیں آتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ افکار کی دنیا میں بھانت بھانت کی بولیاں ہیں۔ نفاذِ اسلام کی تحریکات برپا کرنے والے بھی امتِ مسلمہ کے ماضی کی ایسی داستان سرائی کرتے ہیں کہ موجودہ دور میں اسلامی نظام کے لیے ان کی جدوجہد، سادہ لوحی یا کاروباری ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ پاکستان میں اصلاحِ احوال کی خواہش رکھنے والے اور اس کے لیے اپنی اپنی چال چلنے والے بہتیرے ہیں، مگر اس کے لیے مربوط سوچ اور درست تجزیے کی اہمیت شناسی مفقود نظر آتی ہے۔ حال آں کہ ان میں سے کئی ایک افراد نے دنیا کے کونے کونے سیر کی ہوئی ہے۔ وہ مغرب کی تعریف میں رطب اللسان بھی رہتے ہیں اور کچھ مغرب سے مرعوب بھی نظر آتے ہیں، مگر کسی کو اس بارے میں ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ وہ وہاں کے حالات کے پس منظر و پیش منظر پر غور کر کے کسی مناسب لائحۂ عمل کی نشان دہی کرے۔

اس تناظر میں جب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ (م 1944ء) کے قلم سے صفحۂ قرطاس پر منتقل ہونے والی کتاب "**التّمهيد لتعريف أئمّة التّجديد**" کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ دین کے

مربوط نظامِ فکر کی اہمیت کیا ہے؟ انھوں نے دین کے اہم شعبوں میں تاریخی تسلسل کی نشان دہی کرتے ہوئے دینی فکر کے ماضی و حال کے باہمی تعلق کو اجاگر کرتے ہوئے عصری تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے فکری منہج کا تعین کیا۔ اسی بنا پر وہ عصرِ حاضر کے ''امامِ انقلاب'' قرار پاتے ہیں۔

مولانا سندھیؒ کہتے ہیں کہ جب بیرونِ ہند جلاوطنی کے دوران انھیں افغانستان کے علاوہ یورپ کے مختلف ممالک روس، اٹلی، سوئٹزرلینڈ اور ترکی کے اسفار کا موقع ملا تو انھوں نے دیکھا کہ وہاں کی اقوام کو اپنے فلاسفرز اور شعرا پر فخر ہے۔ اسی وجہ سے انھیں ''**التّمهيد لتعريف أئمّة التّجديد**'' کی تصنیف کی ضرورت محسوس ہوئی، تاکہ وہ تیرہ سو سالہ مسلم عہد بہ شمول برعظیم ہند کی ان شخصیات کا تعارف کرائیں، جنھوں نے اپنے اپنے ادوار میں تجدیدی کام کیا۔ ان کی یہ تصنیف اپنے اندر علم و فکر کی بہت سی تہیں رکھتی ہے اور اہلِ علم و دانش اس کے مطالعے سے ایک مربوط جہانِ فکر کی تفصیلات طے کر سکتے ہیں۔ حضرت سندھیؒ کی یہ تصنیف درحقیقت اپنے اندر ایک دائرۃ المعارف رکھتی ہے۔

اس ضمن میں مولانا سندھیؒ نے بڑی تفصیل کے ساتھ پہلی ہزاری ہجری کے ائمہ تجدید کے تاریخی ارتقا کا تعارف کرایا ہے۔ اسی طرح دوسری ہزاری ہجری کی تجدیدی و انقلابی کاوشوں کے ضمن میں شیخ احمد سرہندیؒ (مجدد الف ثانی) سے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ تک، پھر ان سے چودھویں صدی ہجری کے مجددین کی جماعت کے سرخیل شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ تک کی تاریخی جدوجہد کی عصری معنویت سے روشناس کرایا ہے۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ کہتے ہیں کہ: ''ہماری سوچی سمجھی ہوئی مستقل رائے ہے کہ اگر مسلمانانِ ہند اپنا تعلق حکیم الہند امام ولی اللہ کے مجددانہ پروگرام سے قائم نہ کر لیں گے تو ان کی قومی تاریخ اپنی عظمت کھو بیٹھے گی۔ اگر مفکرین کا کوئی طائفہ ہمارے اس فکر کو قابلِ قبول سمجھے تو اس کے بعد ہم دنیا کو منوا سکتے ہیں کہ ہمارے دور کو فتاویٰ عالمگیری کے تدوینی زمانے سے ملانے کے لیے کوئی **عروۂ وُثقیٰ** (مضبوط کڑی) مل سکتا ہے تو وہ فقط حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی ہو سکتے ہیں۔''

زیرِنظر تصنیف میں چودھویں صدی ہجری کے معروضی تقاضوں کے پس منظر میں حضرت شیخ الہندؒ اور ان کی جماعت کی تاریخی جدوجہد کا بھی نہایت مربوط و عمیق تجزیہ کیا گیا ہے، جو صاحبِ تصنیف حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے شایانِ شان ہے کہ وہ نہ صرف صاحبِ قلم ہیں، بلکہ مردِ میدان بھی ہیں۔ انھوں نے اپنے دور کی تاریخ کو محض رقم ہوتے نہیں دیکھا، بلکہ وہ تاریخ بنانے والوں کی صفِ اوّل میں تھے۔ وہ برعظیم کی حالیہ تاریخ کی وہ منفرد شخصیت ہیں، جنھوں نے اپنے دور کے انقلابات کو کسی کی زبان سے نہ سنا اور نہ کسی لکھنے والے کی تحریر سے سمجھا، بلکہ ان کو اپنی نظروں کے سامنے تشکیل پاتے دیکھا۔ انقلاب برپا کرنے والوں سے براہِ راست گفتگو کی۔ ان کے اچھے پہلوؤں کی ستائش کی تو ان کے عروج، بلکہ بپھرے ہوئے زمانے میں ان کی کوتاہیوں

اور خامیوں کی بھی نشان دہی کی۔ اپنے دور کے ناقابل شکست تصور ہونے والے انقلابات کے بانیوں کے ساتھ حضرت سندھیؒ کے براہِ راست رابطوں اور مکالموں نے ان کو اپنے استاد ـــــ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ ـــــ کی ذات اور مشن پر اعتماد میں حددرجہ اضافہ کیا اور پھر وہ تاحیات امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی فکر و بصیرت کے ابلاغ میں حددرجہ یکسو ہو گئے، تا آں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت میں ڈھانپ کر جنت نشین کر دیا۔

مولانا سندھیؒ اپنے استاذ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے ذریعے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے متعارف ہوئے۔ اس طرح کہ انھوں نے نہ صرف ان کی فکر کو سمجھا، بلکہ ان کے بعد کی بزرگ شخصیات کا بھی مطالعہ کیا اور ان تمام حضرات کے فکر کا عصری تقاضوں کے پس منظر میں تجزیہ کیا۔ یوں انھوں نے ایک مربوط منہجِ فکر کے خدوخال واضح کیے۔ انھوں نے تاریخ کی نامور شخصیات کے اَحوال و اَفکار تلاش کر کے انقلابی فکر کے سوتے دریافت کیے اور اس حقیقت کو بے نقاب کیا کہ دینِ حق کی بنیادی اٹھان ہی فرسودگیٔ فکر کا خاتمہ ہے۔ قرآن حکیم، دیگر فرسودہ افکار اور فاسد نظاموں پر دینِ حق کے عادلانہ وحکیمانہ غلبے کو مقصدِ بعثتِ نبویؐ قرار دیتا ہے۔ چناں چہ ہر دور میں فرسودگی، رجعت پسندی، شعور دشمنی، جہالت، تذلیل انسانیت اور سماجی تفریق وتقسیم پر مبنی افکار اور نظاموں سے دینِ حق کی مزاحمت رہے گی۔ یہی وَجہ ہے کہ ہر دور کی خداپرست اور باصفا شخصیات اپنے دور کو اجتماعی نقطۂ نظر سے بہتر سے بہتر راستے پر گامزن رکھنے کے لیے کمربستہ رہیں۔ ان کی لغت میں اپنے لیے رخصت کی کوئی گنجائش نہیں تھی، وہ ہمیشہ راہِ عزیمت پر گامزن رہے۔

مولانا سندھیؒ کی استقامتِ فکر، ولی اللّٰہی سلسلۂ فکر کی رہینِ منت ہے۔ عصری مفادات سے مرعوب حلقے میں ان کو ہمیشہ تنقیص وتوہین کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے۔ موجودہ دور کے سرمایہ داری نظام میں اسلامی پیوندکاری کرنے والی شخصیات کی نظروں میں مولانا سندھیؒ کا 'غیرمعتبر قرار پانا' درحقیقت ان کو اس امر کا خراجِ تحسین ہے کہ وہ دینِ اسلام کی استحصال شکن اور ظلم دشمن تعلیمات کے شارحِ عصر ہیں۔ آج عالمِ اسلام میں ان شخصیات کو بااثر تصور کیا جاتا ہے، جو استحصال کے عالمی نظام کے دائرۂ اثر کے فروغ کا کردار ادا کرتے ہیں۔ مغربی استحصالی اداروں کی طرف سے تیسری دنیا اور بالخصوص مسلم دنیا کے کسی فرد کی اہمیت 'اُجاگر کرنا' بذاتِ خود ایک سوال ہے، جس کا درست جواب تلاش کرنا اہلِ دانش کی ذمہ داری ہے۔

ماضی کے اَدوار میں اہلِ فکر وبصیرت محض اس وقت میدان میں نہیں اُترے، جب حق و باطل اور عدل وظلم کے مابین معرکہ آرائی ہوئی، بلکہ وہ اس وقت بھی میدانِ سیاست میں اترے جب انھوں نے مجموعی صورتِ حال کے ناگفتہ بہ نہ ہونے کے باوجود یہ محسوس کیا کہ آگے بڑھنے والے قدم رُک گئے ہیں یا پیش قدمی سے قاصر ہو گئے ہیں۔ جب کہ ہمارے ہاں اصحابِ قلم کی اکثریت نے ماضی کی تاریخ کو اپنی پسند و ناپسند کی عینک سے دیکھا اور پھر اس میں افسانوی رنگ شامل کر کے اپنی خواہشات اور مرغوبات کے ساتھ

ساتھ اپنے خودساختہ تحفظات اور شخصی ناپسندیدگیوں کا بھرپور اظہار کیا۔ یوں تجزیاتی اندازِ فکر نہ ہونے کے باعث تاریخ، متضاد واقعات کا ملغوبہ بن کر رہ گئی۔

مولانا سندھیؒ نے تمام اہم اور بنیادی علوم میں تاریخی تسلسل کی نشان دہی کر کے اس امر کو واضح کیا کہ حال و مستقبل کے کردار کے لیے ماضی کے فکری وِرثے سے ربط ہی ارتقا کی نشان دہی کرسکتا ہے۔ چناں چہ وہ اسی تناظر میں ائمہ تجدید و انقلاب کی نشان دہی کرتے ہیں کہ جنھوں نے اپنے دور میں مجددانہ، مجتہدانہ اور مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ اس کردار کی نوعیت ان کے دور کے حوالے سے ہی متعین ہوگی کہ ان کے ادوار میں سماج کے کئی پہلو تسلی بخش تھے اور مجموعی طور پر معاشرہ رو بہ ترقی تھا، لیکن اس کے کچھ شعبے بالخصوص سیاسی شعبے میں اصلاحات کی ضرورت کو ان اہلِ عزیمت نے محسوس کیا اور اس کے مطابق اپنی بے لوث اور سرفروشانہ جدوجہد کا ڈول ڈالا۔

موجودہ دور کی سماجی سائنس میں بھی معاشرتی تبدیلی کے لیے تربیت یافتہ تنظیم اور بااعتماد قیادت کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت دی جاتی ہے اور یہ ایک مستقل علم کی حیثیت حاصل کر چکا ہے۔

مولانا سندھیؒ، امام ابوحنیفہؒ کے حوالے سے صحت بخش سماجی اصولوں کی اہمیت اجاگر کرتے ہیں:

1۔ سماجی تبدیلی کی جدوجہد کو انفرادی انداز سے آگے بڑھانے میں افراد مصائب و آلام کا تو شکار ہو جاتے ہیں، مگر ان کی محنت دنیوی حوالے سے رنگ نہیں لاتی۔

2۔ سماج کی تبدیلی کے لیے جدوجہد کے لیے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دوسرا نام ہے، بہترین صلاحیت کے حامل افراد کے مابین باہمی تعاون و مشاورت پر مبنی نظام ضروری ہے۔

3۔ ''نظامِ معروف'' کے قیام اور ''نظامِ منکر'' کے انسداد کے لیے ایسی متوازن اور مدبّر قیادت کا ہونا ناگزیر ہے، جس پر اللہ کے دین کے حوالے سے اعتماد کیا جا سکے۔

گویا فرسودہ سماج کی تبدیلی اور صالح سماج کی تشکیل کی جدوجہد کے اساسی اصول بھی اپنے اندر مسلمہ اور معلوم تاریخی تسلسل کے حامل ہیں اور اجتماعی تجدید کے انقلابی فکر کا سرچشمہ دین اسلام کی تعلیمات اور اس کی تاریخ سے ہی پھوٹتا ہے۔ اس کو ایک اجنبی تصور خیال کرنا تباہ کن نادانی یا سنگین بددیانتی کے سوا کچھ نہیں۔ کیوں کہ انسانیت کش، ظالم اور فاسد اجتماعیت کے مقابلے پر نظریۂ عدل کی دعوت کو از رُوئے حدیثِ نبویؐ سب سے اعلیٰ اور بہترین جدوجہد قرار دیا گیا ہے۔

مولانا سندھیؒ کی زیرِنظر تصنیف، علمائے شریعت ربانی، مشائخ طریقت ایمانی اور ماہرین سیاست دینی کے تاریخی تسلسل پر مبنی اساس کی علمی بنیادوں کی نشان دہی کرتی ہے اور اس تصنیف میں دین حق کی تاریخ کا ایک جہانِ فکر آباد ہے۔ اس تصنیفِ لطیف کے اشاروں اور حوالوں پر گہرے غور وفکر سے مستقبل کے

حوالے سے بنیادی رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

پاکستان میں اس ولی اللّٰہی منہجِ فکر پر شعوری و اجتماعی تربیت کا سہرا عظیم روحانی و علمی شخصیت اور عصر حاضر کے نبض شناس حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہ کے سر ہے، جو سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے چوتھے صدر نشین تھے۔ آپؒ نے قیامِ پاکستان کے بعد ہی اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی ایما پر یونیورسٹیز اور کالجز کے نوجوانوں میں پاکستان کی سماجی تشکیل نو کے حوالے سے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے نظریے کی دعوت کا آغاز کیا۔ بعد ازیں اس فکر سے وابستگی اختیار کرنے والوں کی دین حق کے تمام اہم شعبوں، شریعت، طریقت اور سیاست کے حوالے سے اجتماعی بنیادوں پر تربیت میں شبانہ روز مصروف رہے، تا آں کہ آپؒ کی اس جہدِ مسلسل و سعیٔ مشکور کے طفیل اہل علم و دانش کا ایک وسیع حلقہ اس وقت برعظیم پاک و ہند میں ولی اللّٰہی دینی نظامِ فکر کی دعوت و تربیت کا کام کر رہا ہے۔ اس کو اس وقت سلسلۂ عالیہ رحیمیہ کے موجودہ صدر نشین حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلۂ کی سرپرستی اور رہنمائی حاصل ہے۔ وہ عصر حاضر میں ولی اللّٰہی فکر پر عمیق اور وسیع نظر رکھتے ہیں۔

انھوں نے حضرت مولانا سندھیؒ کی اس تصنیفِ لطیف کے تین اہم مقالات کو مستند حوالوں اور وضاحتوں کے ساتھ اردو کا جامہ پہنایا۔ یوں اردو داں طبقے کی رسائی اس گنجینۂ فکر تک یقینی بنائی ہے۔ وہ اس پر ہدیۂ تبریک کے مستحق ہیں۔ ان کی اس کاوش کے ذریعے آج کے تعلیم یافتہ حلقے کو ولی اللّٰہی نظامِ فکر کی تاریخی بنیادوں سے آگہی حاصل ہوگی اور وہ سماج کی تشکیل نو کے حوالے سے ولی اللّٰہی فکر کی راسخ بنیادوں سے شعوری واقفیت سے بہرہ ور ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ فاضل مترجم مدظلہ کی اس کاوش کو قبولیت عطا کرے۔ ان کو صحت، عافیت اور برکت کے ساتھ درازیٔ عمر عطا کرے۔ دین حق کی شعوری دعوت و تربیت کے مشن کے لیے ان کی بے لوث خدمات کو مزید جلا بخشے۔ ان کی سرپرستی میں سلسلۂ عالیہ رحیمیہ کی دینی سعی و محنت کو اپنی رضا و خوشنودی کا ذریعہ بنائے اور ہم سب کو ولی اللّٰہی بصیرت سے نوازے۔ نیز اس کے عملی عصری تقاضوں کی تکمیل کی شعوری و اجتماعی جدوجہد کی ہمتِ مرداں نصیب کرے، تا کہ بصیرت کی روشنی کے بدولت چراغ سے چراغ جلتے جائیں اور معاشرے پر مسلط فکری و سماجی ظلمتوں کا دیس نکالا ہو۔ آمین!

ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

پروفیسر موسیٰ پاک شہید چیئر/ سابق چیئرمین، شعبہ علومِ اسلامیہ

بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

۱۰/محرم الحرام ۱۴۳۸ھ/ 12/ اکتوبر 2016ء

رائے گرامی

حضرت اقدس مولانا میاں سراج احمد دین پوری قدس سرہٗ

تلمیذِ رشید: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی قدس سرہٗ وسجادہ نشین خانقاہ عالیہ دین پور شریف

از جماعت مسجد درگاہِ عالیہ دین پور شریف، خان پور   یکم رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ (11/ جولائی 2013ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علٰی رسوله الکریم

الحمد للّٰه و کفٰی و سلام علٰی عبادہِ الّذین اصطفٰی.

اما بعد! عزیزی ارشاد احمد سے یہ چند سطریں لکھوا رہا ہوں۔

امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ گزشتہ صدی کی ایک نابغہ روزگار انقلابی شخصیت تھے۔ انھوں نے حضرت الامام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ سے لے کر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ تک اکابرین علمائے ربانیین کے نظریہ، فکر و عمل اور جہد و کردار کے تعارف کے لیے ایک عظیم کتاب "**التّمهید لتعریف ائمّة التّجدید**" عربی زبان میں تصنیف فرمائی ہے۔ آپؒ نے 1939ء میں ہندوستان میں تشریف لانے کے بعد خود اپنے دستِ مبارک سے اس کتاب کا ایک نسخہ مجھے پڑھنے کے لیے عنایت فرمایا تھا۔ اُس زمانے میں مَیں نے اس کتاب کا خوب مطالعہ کیا تھا۔

ایک عرصے سے یہ ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ اس کتاب کو اردو زبان کے قالب میں ڈھالا جائے۔ بحمد اللہ حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے ایما پر حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد مدظلہٗ رائے پوری نے اس کتاب کا اردو ترجمہ پوری تحقیق اور مفید حواشی کے ساتھ مکمل کیا ہے۔ امید ہے یہ ترجمہ امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے فکر و عمل اور اپنے اسلاف کے انقلابی کردار سے اردو دان طبقے کو متعارف کرانے کے لیے اہم کردار ادا کرے گا۔

اللہ تعالیٰ مترجم کو جزائے خیر عطا کرے اور قارئین کے لیے نفع بخش بنائے۔ آمین

آپ کا مخلص دعا گو فقیر سراج احمد دین پوری   سجادہ نشین دین پور شریف

(دستخط و مہر)

پیش لفظ

برعظیم پاک و ہند کی قومی تاریخ میں اُنیسویں صدی عیسوی بڑی اہمیت کی حامل رہی ہے۔ اس صدی میں اس خطے پر انگریزوں کے تسلط کی وجہ سے مسلمانوں کے تقریباً آٹھ سو سالہ نظامِ حکومت کا خاتمہ ہوا۔ اس صدی میں غاصبانہ تسلط رکھنے والی قوتوں کا دور دورہ شروع ہوا، جس کے نتیجے میں اس دھرتی کے قومی اور ملّی تقاضے نظرانداز ہوئے۔ اس دور میں برطانوی سامراج کے مفادات کے مطابق نہ صرف نظامِ حکومت قائم کیا گیا، بلکہ ایسے افکار و نظریات کو فروغ دیا گیا، جو قطعی طور پر غلامانہ ذہنیت پیدا کرنے کا باعث رہے ہیں۔ اسی تناظر میں اس دور میں برعظیم پاک و ہند میں جدوجہدِ آزادی کی تحریکات برپا ہوئیں۔ خاص طور پر اس خطے میں ولی اللّٰہی جماعت کے حاملین علمائے حق نے اس غاصبانہ تسلط کو نہ صرف یہ کہ قبول نہیں کیا، بلکہ اس کے خلاف واضح مؤقف اختیار کر کے جرأت و پامردی سے اقدامات کیے اور تحریکاتِ حریت و آزادی برپا کیں۔

تحریکاتِ آزادی کا تاریخی تسلسل

برصغیر پاک و ہند پر برطانوی سامراج کا تسلط بنگال میں سراج الدولہ کی شکست 1757ء کے بعد شروع ہوتا ہے اور 1803ء میں دہلی پر قبضہ کیا جاتا ہے۔ اس تسلط کے خلاف امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے نظریۂ فک کل نظام کی روشنی میں ولی اللّٰہی جماعت کا جدجہدِ آزادی پر مبنی تحریکات کا ایک پورا تسلسل رہا ہے۔ چناں چہ آزادی اور حریت کے لیے 1804 میں امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کا فتویٰ دار الحرب، حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کی مجاہدانہ اور سرفروشانہ تحریک اور ہندوستان کی پہلی عارضی حکومت کا قیام اور پھر 1831ء میں معرکۂ بالاکوٹ میں ان کی شہادت، حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کی جانب سے دہلی اور حجاز کے مراکز میں بیٹھ کر تحریکاتِ آزادی کے لیے رہنمائی، سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی 1857ء کی جدوجہدِ آزادی میں عظیم الشان شرکت، 1866ء میں حریت و آزادی کے لیے رجالِ کار تیار کرنے کے لیے دار العلوم دیوبند کا قیام، 1886ء میں امامِ ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا ہندوستان کی آزادی کے لیے کام کرنے والی قومی جماعت میں شرکت کا فتویٰ اور 1916ء میں

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کی برپا کی ہوئی تحریکِ ریشمی رومال، ایسی اہم انقلابی تحریکات ہیں جو اس دورِ غلامی میں آزادی اور حریت کے سنگ ہائے میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

ان تحریکات کی رہنمائی انبیا علیہم السلام کے سچے وارثین مجددین اولیاء اللہ علمائے ربانیین نے کی۔ ان تحریکات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کی مغلوبیت اور ہندوستان کی غلامی کے اس دور میں، دین اسلام کی اساس پر ان انقلابی علما نے پورے تسلسل کے ساتھ قومی اور ملّی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے عظیم جدوجہد اور کوشش کی ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں بسنے والے انسانوں کی آزادی اور دین کی تعلیمات کے غلبے کے لیے برپا ہونے والی ان تحریکات میں ان حضرات علمائے ربانیین نے نظریاتی اور فکری، معاشرتی اور سماجی، سیاسی اور معاشی حوالے سے بڑا انقلابی کردار ادا کیا ہے۔

برعظیم پاک و ہند کی غلامی اور زوال نے عام طور پر اس خطے کے باسیوں کو نہ صرف قومی تاریخ سے بے گانہ کیا، بلکہ سماجی تشکیل نو کے حریت پسندانہ افکار و خیالات سے بھی محروم کیا۔ ایسے میں اس خطے کے حریت پسند رہنماؤں نے بڑی جرأت و ہمت کے ساتھ نہ صرف غلامی کے خلاف آزادی و حریت کے لیے جدوجہد کی، بلکہ سماجی تشکیل نو کے بنیادی اور اساسی امور کی جانب بھی رہنمائی دی۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ تک برعظیم کے اس قافلے کا ہر ایک فرد اس حوالے سے حریت پسند حیثیت اور انقلابی شناخت رکھتا ہے۔

قوموں کی زندگی میں فلسفۂ تاریخ کی اہمیت

زندہ قومیں اپنے سماجی ارتقا کے تاریخی مراحل کا بھرپور ادراک رکھتی ہیں۔ اپنے سماج میں ابھرنے والے خیالات، نظریات و افکار، فلسفہ ہائے فکر و عمل کا تحلیل و تجزیہ کر کے بنیادی نظریے اور فلسفے کا تعین کرتی ہیں۔ زندہ اقوام کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ اپنے معاشرے کی سیاسی اور معاشی صورت گری کے اظہار پر مبنی نظامِ حکومت و معیشت کے ارتقا و تطور کا جائزہ لیتی ہیں اور معاشروں میں ہونے والی سماجی تبدیلیوں کا بھرپور فہم و ادراک رکھتی ہیں۔ اس طرح ہر قوم کی سیاسی، معاشی اور سماجی تاریخ کے مجموعی مطالعے سے قوموں کا ''فلسفۂ تاریخ''، متعین ہو کر سامنے آجاتا ہے، جو نئی سماجی تشکیل کے لیے بنیاد کا کام دیتا ہے۔

فلسفۂ تاریخ کا تعین ہر قوم کی سماجی زندگی اور اس کی تعمیر و تشکیل کا اساسی تقاضا ہوتا ہے۔ خاص طور پر زوال پذیر اقوام کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنی قومی خودمختاری برقرار رکھنے، سماجی اور تہذیبی شناخت کی بقا اور سیاسی و معاشی ساخت کو نئے خطوط پر قائم کرنے کے لیے اپنا قومی اور ملّی فلسفۂ تاریخ متعین کریں۔ وہ دورِ حاضر کے دریافت شدہ علوم و افکار کے مثبت پہلوؤں سے استفادہ کرتے ہوئے سماجی تشکیلِ نو کے لیے جدوجہد اور کوشش کریں۔ اس طرح کسی قوم کا فلسفۂ تاریخ اس کی سماجی ترقی اور ارتقا میں بڑا اہم اور

بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

اس خطے کے فلسفہ تاریخ کے تعین کی ضرورت اور اہمیت

برعظیم پاک و ہند کی آزادی اور حریت کے لیے برپا ہونے والی تحریکات میں سے تحریکِ ریشمی رومال ایک نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے سرخیل شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ تھے۔ اُن کے سیاسی ہم فکر، تحریکِ ریشمی رومال کے روحِ رواں اور اُن کے تربیت یافتہ معتمد امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ ہیں۔ وہ ایسی اولوالعزم اور عظیم انقلابی شخصیت ہیں، جنھوں نے برعظیم پاک و ہند کو غلامی سے نکالنے اور آزادی و حریت کے حصول کے لیے نہ صرف انتہائی تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کیں، بلکہ اس خطے کی نئی سماجی تشکیل کے اہم ترین مسائل پر بھی کھل کر بحث و گفتگو کی ہے۔

جنگِ عظیم اوّل میں خلافتِ عثمانیہ کی شکست کے بعد اس خطے کی سیاسی تشکیل اور قومی و ملّی تقاضوں کی تکمیل کیسے ممکن ہے؟ اس سوال کا تحلیل و تجزیہ کرتے ہوئے امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے یہ بات واضح کی کہ اس خطے کی نئی سماجی صورت گری میں یہاں کے قومی اور ملّی فلسفۂ تاریخ کو پیش نظر رکھا جانا ضروری ہے۔ اس دھرتی کی سماجی تشکیل کے لیے خطے کے تاریخی مراحل کا اِدراک اور اس دوران ہونے والے نظریاتی، فکری، سیاسی و معاشی تطورات اور تاریخی ادوار کا مطالعہ انتہائی ضروری ہے، تاکہ قوم کے ذہنوں میں موجود تاریخی تصورات، قومی افکار اور مذہبی عقائد و فلسفوں کے بنیادی حقائق سے علمی، فکری اور شعوری آگہی کا ادراک حاصل ہو۔ اس طرح ان انقلابی علمائے ربانیین کے انسانیت دوست ترقی کن افکار و نظریات اور فلسفوں کو اپنی سماجی تشکیلِ نو کی بنیاد بنایا جائے۔

اس سلسلے میں مولانا سندھیؒ کا کہنا تھا کہ اسلام کی آمد سے قبل اس برصغیر پاک و ہند میں حکما و عقلا نے ویدک دھرم کی اساس پر ایک سماجی نظام تشکیل دیا تھا۔ جس نے تقریباً ایک ہزار سال تک نہ صرف ہندوستان، بلکہ دنیا بھر کے عقلا کو علوم و افکار کے نئے پہلوؤں سے متعارف کرایا۔ پھر دنیا میں اسلام کی آمد کے بعد اس کی زندہ اور تابندہ روشنی سے ہندوستان متعارف ہوا۔ یوں تقریباً ایک ہزار سال تک اسلام کے توانا فکر و فلسفے اور اس کی سیاسی، سماجی اور معاشی تعلیمات نے اس خطے پر اپنے گہرے نقوش چھوڑے۔ چناں چہ اس ایک ہزار سالہ دور میں دینِ اسلام کی انقلابی تعلیمات پر مبنی سیاسی، معاشی اور سماجی نظام وجود میں لائے گئے۔ ہندوستان میں اسلام کے ارتقا اور تطور کے ان تاریخی مراحل اور ادوار کا مطالعہ نئی سماجی تشکیل کے حوالے سے نہایت ضروری ہے۔ خاص طور پر اس خطے میں اسلام نے اپنے دورِ حکومت میں سیاسی، معاشی اور سماجی حوالے سے کیا اثرات و نتائج پیدا کیے، معروضی تناظر میں اس کا بنیادی فلسفہ و فکر متعین شکل میں ہمارے سامنے آنا ضروری ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں قومی اور ملّی فلسفۂ تاریخ کا ابتدائی خاکہ

مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی رائے تھی کہ ہندوستان میں اسلام کے ارتقا اور تطور کے حوالے سے تاریخی ادوار کا تعین، ان میں پیدا ہونے والے تغیرات و تبدلات اور تجدیدی پہلوؤں پر تفصیلی کام کیا جائے۔ دین اسلام کی انقلابی تعلیمات کی روشنی میں ہجری ہزارۂ اوّل اور ہزارۂ دوم کے مجددین اُمت کے تجدیدی اور انقلابی کردار کا جامع تذکرہ مرتب کیا جائے۔ مکہ مکرمہ میں اپنے قیام کے دوران انھوں نے ابتدائی طور پر اپنے اس کام کے بنیادی نکات اور تمہیدی امور کے لیے ایک کتاب ''**التّمهيد لتعريف أئمّة التّجديد**'' لکھی۔

انھوں نے اس کتاب میں ہندوستان میں اسلام کی آمد ۳۱ھ/ 652ء سے لے کر ۱۳۴۰ھ/ 1922ء تک تقریباً 13 سو سال کے تاریخی مراحل اور ''اطوار'' کا تعین کیا اور ہر مرحلے کے ذیل میں تاریخی ادوار کی نشان دہی کی۔ ہر دور میں علمی، فکری اور عملی حوالے سے تجدیدی کردار کے حامل رہنماؤں کے مختصر حالاتِ زندگی اور تجدیدی حوالے سے ان کے انقلابی کام اور تسلسل کا تعارف کرایا۔ اس سلسلے میں انھوں نے ان تمام مراحل اور ادوار کی تاریخی ترتیب اور ان کے بنیادی نکات و اشارات متعین کیے۔ اگرچہ یہ کام ابتدائی اور تمہیدی نوعیت کا ہی ہوسکا، لیکن برعظیم پاک و ہند کی تاریخ کے حوالے سے کام کرنے والوں کے لیے اساسی نکات اور بنیادی اشارات کی نشان دہی کرتا ہے۔ ان خطوط پر مزید کام کرنے کی ضرورت ہے۔

بلاشبہ امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے اس کتاب میں برصغیر میں تاریخی تسلسل کے حامل جدوجہد کرنے والے ایسے انقلابی دینی رہنماؤں کے حالاتِ زندگی اور ان کے سرانجام دیے ہوئے کارناموں کے تسلسل کا مختصر مگر جامع تذکرہ مرتب کردیا ہے۔ خاص طور پر ولی اللّٰہی سلسلے کے علمائے ربانیّین کا تعارف انتہائی جامعیت کے ساتھ کرایا ہے۔ ان کے سلسلۂ اسناد کے تسلسل، اس کے پھیلاؤ اور وسعت اور گزشتہ دور کے علمائے حق سے ان کی نسبت اور تعلق کو خوب واضح کیا ہے۔ یہ کتاب بلاشبہ تاریخ اسلام کے تطور و ارتقا، اس کے تجدیدی اور انقلابی ادوار کے تسلسل کی جامع تاریخ ہے۔ ایسے علمائے ربانیّین کے حالات سے واقفیت بہم پہنچانا اور ان کی انقلابی جدوجہد کا شعوری مطالعہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے بیس ویں صدی کے تیسرے عشرے میں برِعظیم پاک و ہند کی سیاسی اور اقتصادی تشکیل نو کے لیے بڑے اہم افکار اپنی اس کتاب میں بیان کیے ہیں۔ اس خطے کے سیاسی، معاشی، سماجی مسائل کیا ہیں؟ نیز مسلمان ملکوں میں جماعتوں، گروہوں اور رہنماؤں کی حقیقی نوعیت کیا ہے؟ عوام کے بنیادی تقاضے اور مسائل کے حل کرنے کی کوشش کن خطوط پر کرنی چاہیے؟ یہ اور اس سے ملتے جلتے دیگر مسائل کو حل کرنے کے لیے دین اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں برِعظیم پاک و ہند کی سیاسی، سماجی اور اقتصادی تشکیل درست طور پر کیسے کی جاسکتی ہے؟ مولانا سندھیؒ نے ان سوالات کا جواب اس

کتاب میں دیا ہے۔ اس لیے کتاب کے مقالات کا مطالعہ اپنے اندر غور وفکر کے بہت سے پہلو رکھتا ہے۔

اس کتاب میں انھوں نے ولی اللّٰہی جماعت کی تشکیل اور اس کی جدوجہد کا عصری تقاضوں کے تناظر میں جائزہ لیا ہے۔ مولانا سندھیؒ نے یہ واضح کیا ہے کہ ہر دور میں ولی اللّٰہی طریقۂ فکر وعمل کی حامل جماعت نے بدلتے دور کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی حکمتِ عملی ترتیب دی۔ نیز انھوں نے یہ نشان دہی بھی کی ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنے دور کے معروضی تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے کس نوعیت کا تجدیدی کام کیا ہے۔ اس تجدیدی کام کے بنیادی اساسی اصول، اس کا نظامِ کار اور اس کے مقاصد و اَہداف کیا تھے۔ پھر ان تمام تجدیدی اُمور کو رُوبہ عمل لانے کے لیے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی جدوجہد کا رُخ کیا رہا۔ انھوں نے اس کے لیے کیا اقدامات کیے۔

اس کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سندھیؒ شریعت میں ایک پختہ کار عالم ربانی، طریقت کے میدان کے شناور اور بہت سے مشائخ کے خلیفہ اور اجازت یافتہ ہیں۔ نیز سیاست میں ایک سچے اور مخلصانہ کردار ادا کرنے والے بے باک انقلابی قائد، جرأت مند اور بہادر رہنما کے طور پر انقلابی کردار ادا کرنے والے اہم رہنما ہیں۔ اس کتاب میں مولانا سندھیؒ نے جو اپنی سرگزشتِ حیات بیان کی ہے، وہ اُن کی اُردو زبان میں لکھی ہوئی خودنوشت سوانح سے زیادہ جامعیت کی حامل اور ممتاز ہے۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی سوانح کا اشتیاق رکھنے والے لوگوں کے لیے اس میں بہت سی نئی اور مفید باتیں آ گئی ہیں۔ اُمید ہے کہ قارئین اسے دلچسپی سے پڑھیں گے۔

اس کتاب کے مطالعے سے یہ بات بھی عیاں ہوکر سامنے آتی ہے کہ مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی ذہنی تربیت اور فکری ساخت حضرت شیخ الہندؒ کی صحبت کے سانچے میں ڈھل کر تیار ہوئی تھی۔ ان کے سوچ وفکر کے سوتے اسی منبع سے پھوٹ کر سامنے آ رہے ہیں۔ ان کی سیرت و کردار کے بنیادی پہلو، اسی ماحول میں تیار ہوئے ہیں۔ بلاشبہ مولانا عبیداللہ سندھیؒ اہل اللہ کے ایسے ماحول میں اپنی تعلیمی وتربیتی زندگی بسر کرتے ہیں کہ جس کی گہری چھاپ ان کی زندگی کے تمام مراحل میں بہ خوبی دیکھی جاسکتی ہے۔

امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ تحریکِ آزادی کے ایک اہم فرد اور روحِ عصر کے نبض شناس ہیں۔ دوست اور دشمن سب اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہندوستان کی آزادی و حریت کے لیے مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے عظیم الشان جدوجہد کی ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے بے مثال قربانی پیش کی ہے۔ یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ وہ روحِ عصر کے ایسے نبض شناس تھے کہ ان کی گہری نظر برصغیر پاک و ہند کے سماج کی مستقبل بینی میں اپنی ایک منفرد اور جامع حیثیت رکھتی ہے۔ انھوں نے روحِ عصر کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اس خطے کے مسائل حل کرنے کے لیے جو افکارِ صالحہ پیش کیے، آج بھی ان کی تاب

نا کی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ خواہی ناخواہی یقیناً ہمارا خطہ انھیں راستوں پر چلنے کے لیے بے چین ہے، جنھیں مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور اُن کے ہم نوا بزرگوں نے تقریباً پون صدی قبل پیش کیا تھا۔ ایسے فردِ کامل کی لکھی ہوئی کتاب کا مطالعہ یقیناً سوچ وفکر کے بہت سے زاویوں کو درست کرنے میں مدد دے گا۔

حضرت سندھیؒ کی شخصیت اور اس کتاب کی اہمیت

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور اُن کی اس کتاب کی علمائے کرام اور مشاہیر کے نزدیک ہمیشہ سے بہت زیادہ اہمیت رہی ہے۔ اسی کے پیشِ نظر حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے بڑے اہتمام کے ساتھ 1955ء میں خاص طور پر دارالعلوم کے کتب خانے کے لیے اس کتاب کی قلمی نقل تیار کرائی تھی۔ اس موقع پر حضرت حکیم الاسلامؒ نے اس کتاب کو حضرت سندھیؒ کے ''افکارِ صالحہ کا ثمرہ'' قرار دیتے ہوئے درجِ ذیل الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

''التّمهيد لتعريف أئمّة التّجديد'' یہ کتاب ایک تاریخی اور علمی وسیاسی مرقع ہے، جو حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے افکارِ صالحہ کا ثمرہ ہے۔ اس کے جلد سے جلد طبع اور شائع ہونے کی ضرورت ہے۔ احقر نے بھی اس کی ایک نقل کتب خانہ دارالعلوم دیوبند کے لیے کرائی ہے۔

محمد طیب، مہتمم دارالعلوم دیوبند

وارد حال کراچی، 5 نومبر 1955ء'' (1)

اسی طرح حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ (مجاز حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ) نے ''نُزهة الخواطر'' میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا تذکرہ تحریر کیا ہے۔ انھوں نے حضرت سندھیؒ کو نادر روزگار شخصیت قرار دیتے ہوئے اس کتاب کی علمی اور تاریخی وقعت و اہمیت اور مولانا سندھیؒ کے فکر اور نظریے کی وسعت بیان کی ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

''كان الشّيخ عبيداللّٰه، من نوادر الرّجال في قوّة الإرادة، و شهامة النّفس، و اقتحام المخاطر، و البُعد في التّخيّل، و الاعتماد علىٰ النّفس، و العزوف عن الشّهوات. و كان مفرط الذّكاء، قويّ المناسبة في العلوم، جيّد النّظر في طبقات العلماء، و تاريخ العلوم و تدوين الحديث.

و كان مفرط الحُبّ و الانتصار لشيخ الإسلام ولي اللّٰه بن عبدالرّحيم الدّهلويؒ، عظيم الشّغف بكتبهٖ، و علومهٖ، و تحقيقاتهٖ، لايكاد يعدل بهٖ احداً من حكماء الإسلام و العلماء الأعلام، جعل كتابهٗ ''حجّة اللّٰه البالغه'' و تحقيقاته في كتبهٖ أساس فكرهٖ و جهدهٖ، يُطبّقها علىٰ عصر الجديد و نظمه....''

ومن أحسن ما كتب "التّمهيد لتعريف أئمّة التّجديد" بالعربية، الّفه بمكّة، و مقالة عن الشّيخ ولی اللّٰه الدّهلویؒ، فی العدد الخاصّ بذالک لمَجلّة "الفرقان" الشّهريه تدلّ علٰی سعة نظره، وعُمق فكرته." (2)

(حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نادر روزگار شخصیات میں سے تھے۔ ان کی قوتِ ارادی بلند تھی۔ اُن میں بزرگی اور عظمت تھی۔ انھیں اپنے اوپر مکمل اعتماد تھا۔ مشکل حالات کا چیلنج قبول کرنے کی صلاحیت بہت اونچے درجے کی تھی۔ ان کا فکری تخیل بہت بلند تھا۔ وہ ہمیشہ خواہشات اور لذات سے کنارہ کش رہتے تھے۔ انتہائی ذہین اور ذکی تھے۔ علوم سے بہت اونچی مناسبت رکھتے تھے۔ علوم کی تاریخ، علما کے طبقات اور تدوین حدیث پر ان کی گہری نظر تھی۔

ان کو شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم دہلویؒ سے بہت زیادہ محبت تھی۔ ان کے فکر کو پھیلانے کا جذبہ بہت زیادہ تھا۔ ان کی کتابوں، علوم اور تحقیقات سے ان کو بہت شغف تھا۔ ان کی کتاب "**حجّة اللّٰه البالغه**" اور ان کی دیگر کتابوں میں بیان کردہ تحقیقات کو انھوں نے اپنے فکر وعمل کی بنیاد قرار دیا ہوا تھا۔ وہ ان تحقیقات کی روشنی میں دورِ جدید اور اُس کے نظم ونسق کو سمجھنے اور تطبیق دینے کی کوشش کرتے تھے۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی تالیفات میں سب سے بہترین ایک تو عربی زبان میں لکھی گئی کتاب "**التّمهيد لتعريف أئمّة التّجديد**" ہے، جسے انھوں نے مکہ مکرمہ میں تالیف کیا تھا۔ اُن کی دوسری تحریر شاہ ولی اللہ دہلویؒ پر ایک مقالہ (بعنوان "شاہ ولی اللہؒ کی حکمت کا اجمالی تعارف") ہے، جو ماہنامہ "الفرقان" کے خاص (شاہ ولی اللہ دہلویؒ) نمبر کے لیے لکھا تھا۔ یہ دونوں تالیفات مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے وسعتِ نظر اور فکری گہرائی پر دلالت کرتی ہیں۔)

اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ولی اللّٰہی فکر کے فروغ میں امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی کدوکاوش شک و شبہے سے بالاتر ہے۔ انھوں نے انتہائی نامساعد حالات اور اپنوں اور بیگانوں کے تمام تر طعن وتشنیع کے باوجود علومِ ولی اللّٰہی کے فروغ اور پھیلاؤ کے لیے عظیم انقلابی جدوجہد اور کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رائے پوری سلسلے کے مشائخ نے ان کی اس مساعی کی بھرپور تائید کی اور اسے خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اس لیے کہ مشائخ رائے پور کے سلسلۂ عالیہ مجددیہ ولی اللّٰہیہ کے سرخیل حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ، حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ اور اُن کے سلسلے کے عظیم علمائے ربانیین کے تجدیدی علوم و افکار رہے ہیں۔ اس تناظر میں ولی اللّٰہی علوم و افکار کا فروغ اور اس کی اساس پر دینی تحریکات کی سرپرستی رائے پوری سلسلے کے مشائخ کی بنیادی ذمہ داری رہا ہے۔

چناں چہ سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے دوسرے مسند نشین حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ (پیر و مرشد حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ) نے حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے بارے میں اپنی ایک مجلس میں ارشاد فرمایا:

''شاہ (ولی اللہ) صاحبؒ متأخرین میں زبردست علوم کے حامل ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر معاملے میں بڑے بڑے علوم عطا فرمائے تھے۔ شاہ (ولی اللہ دہلوی) صاحبؒ کے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کوئی خواہ مخواہ معتقد نہ تھے۔'' (3)

اسی طرح حضرت رائے پوری ثانیؒ نے حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا اُس وقت بھرپور دفاع کیا، جب انھوں نے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے علوم کی اساس پر ولی اللّٰہی علوم و افکار کی نشر و اشاعت کی اور بعض نادان لوگوں نے اُن پر طعن و تشنیع کی زبان کھولی۔ بعض اصحاب نے حضرت سندھیؒ کے بارے میں کچھ نازیبا مضامین شائع کیے، بلکہ حضرت مدنیؒ کے نام سے بھی ایک مضمون ''مدینہ'' بجنور میں شائع کیا گیا تو اس کے جواب میں حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے ارشاد فرمایا:

''حضرت شیخ الہندؒ (مولانا محمود حسن) جس (مولانا عبیداللہ سندھی) کی تعریف کریں، مَیں تو ان کے متعلق نیک گمان ہی رکھتا ہوں۔ حضرت شیخ الہندؒ کی سمجھ اور علم بہت گہرا تھا۔ حضرت (مولانا سید حسین احمد) مدنی بے شک بڑے بزرگ ہیں، مگر جو بات حضرت شیخ الہندؒ میں تھی، وہ بہت گہری تھی۔ لہٰذا مولانا عبیداللہ (سندھی) کے متعلق حضرت شیخ الہندؒ کے اَقوال کو سامنے رکھتے ہوئے میں تو مولوی عبیداللہ (سندھی) صاحب کو ایسا نہیں سمجھتا جیسا عام نکتہ چیں یا بعض حضرات فرماتے ہیں۔'' (4)

اسی طرح حضرت رائے پوری ثانیؒ کے جانشین حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ نے بھی حضرت سندھیؒ کی پوری تصویب فرمائی۔ ایک دفعہ حضرت اقدس رائے پوری ثالثؒ کا جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں قیام تھا۔ ایک مجلس میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے اس زمانے کے ایک حکومتی مشیر ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی طرف سے مولانا سندھیؒ کے نام کو اپنی تائید میں غلط طور پر استعمال کی وجہ سے حضرت سندھیؒ کے بارے میں اپنے کچھ منفی تأثرات کا اظہار کیا تو اس موقع پر حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرّہٗ نے حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا:

''حضرت مولانا! حضرت (مولانا عبیداللہ) سندھیؒ ایسے نہیں تھے، جیسا کہ لوگ ان کے بارے میں تأثر دیتے ہیں۔ حضرت سندھیؒ بہت اونچی نسبت کے بزرگوں میں سے ہیں۔ ان کے بلند افکار و خیالات کسی کی سمجھ میں نہ آئیں، یہ اور بات ہے، لیکن حضرت سندھیؒ حضرت شیخ

الہندؒ کے ایسے اعتماد یافتہ بزرگ ہیں کہ جن کے بنیادی فکروعمل میں آخر دم تک کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔''

حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرّہٗ کی گفتگو کا حضرت بنوریؒ کے ہاں بڑا وزن اور اعتبار تھا۔ اس لیے جیسے ہی مولانا بنوریؒ نے حضرت رائے پوری ثالثؒ سے حضرت سندھیؒ کے بارے میں یہ بلند کلمات سنے تو انھوں نے فوراً اپنی بات سے رجوع فرمالیا۔

خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے چوتھے مسند نشین حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ اپنے شیخ و مرشد حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اور والدِ گرامی و شیخ ثانی حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کے انھیں ارشادات کی روشنی میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو علمائے حق کی جماعت کا ایک اہم فرد سمجھتے رہے اور ولی اللّٰہی علوم وافکار کی روشنی میں مولانا سندھیؒ کی پیش کردہ سیاسی تعلیمات کے فروغ کے لیے کام کرتے رہے۔ اور نوجوانوں کے دلوں میں ولی اللّٰہی جماعت کی حقانیت بٹھاتے رہے۔ چناں چہ ایک مکتوب گرامی میں حضرت سندھیؒ کے کام کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی زیادہ صلاحیت ان اُمور میں ہے کہ انھوں نے جلاوطنی کے ۲۵ سال میں فرعون خصلت قوم یورپ وامریکا کا مطالعہ کیا۔ یہ بات ہمارے دیگر اکابر میں نہیں ہے۔ (اُن میں) جذبہ انگریز وامریکا کے خلاف ہے، لیکن ان کے ملک میں جا کر ان کے نظاموں اور معاشرے کا مطالعہ نہیں ہے۔ نوجوان جدید تعلیم یافتہ کی نفسیات نہیں جانتے۔ اس لیے سامراجی ذہنیت وسیاست کا توڑ حضرت سندھیؒ کے (سیاسی) فکر وتعلیم میں ہے۔'' (5)

رائے پوری مشائخ اور حضرت قاری محمد طیب قاسمیؒ کی حضرت سندھیؒ کی شخصیت اور اس کتاب کے حوالے سے وقیع آرا کے پیشِ نظر ہم نے عربی زبان میں لکھی جانے والی اس کتاب **''التّمهيد لتعريف أئمّة التّجديد''** کا اردو ترجمہ ''مجددین اُمت کا تاریخی تسلسل'' کے عنوان سے کیا ہے۔ تا کہ حضرت سندھیؒ پر تنقید کرنے والے غفلت شعار اور نادان لوگوں کی غوغا آرائی کو نظر انداز کرتے ہوئے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور رائے پوری علمائے ربانیین کی مستند آرا کی قرار واقعی حیثیت کو تسلیم کیا جائے اور حضرت سندھیؒ کے ''افکارِ صالحہ کے ثمرات'' کو اردو دان حضرات کے سامنے بھی رکھا جائے۔ نیز برعظیم پاک و ہند کی عظیم مسلم تاریخ کے فلسفۂ تاریخ کو متعین کرنے کے حوالے سے مولانا سندھیؒ کے اس عظیم منصوبے کے بنیادی خدوخال واضح ہوجائیں اور نئے خطوط پر سوچنے والوں کے سامنے تاریخی فکر وشعور کے نئے دریچے کھلیں۔ وہ زوال کی اس حالت سے نکلنے کے لیے نئی سماجی تشکیل کے لیے اس پر غور وفکر کریں۔ یقیناً اس کتاب کا یہ اردو ترجمہ مولانا سندھیؒ کی زندگی کے نئے زاویے قارئین کے سامنے رکھے گا۔

کتاب کی پہلی اشاعت اور قلمی نسخے

اس کتاب ''التّمهيد لتعريف ائمّة التّجديد'' کو سب سے پہلے حضرت الاستاذ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ (تلمیذِ رشید مولانا عبیداللہ سندھیؒ) نے تحقیق و مقدمہ کے ساتھ ''سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد سندھ'' سے ۱۳۹۶ھ/ 1976ء میں شائع کیا تھا۔ اس کے شروع میں مولانا قاسمیؒ نے ایک مبسوط مقدمہ بھی تحریر کیا تھا، جس میں مولانا سندھیؒ کا مکمل سوانحی خاکہ پیش کیا اور اس کتاب کے قلمی نسخوں کا تعارف کرایا ہے۔

مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ نے اشاعت کے وقت اس کتاب کا تحقیقی متن تیار کیا تھا۔ انھوں نے کتاب کے متن کی تیاری کے لیے درجِ ذیل چار قلمی نسخوں کو اپنے پیش نظر رکھا:

پہلا قلمی نسخہ؛ مکتوبہ از حضرت مصنفؒ

یہ قلمی نسخہ وہ ہے جو حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ مولانا قاسمیؒ نے اسے حضرت سندھیؒ کے سفر و حضر کے خادم اور اُن کے ربیب حضرت مولانا عزیز احمدؒ سے حاصل کیا تھا، لیکن افسوس کی بات ہے کہ یہ نسخہ مسودے کی صورت میں ہے۔ مبیّضہ یعنی صاف طور پر لکھا ہوا نہیں ہے۔ نیز یہ آخر سے ناقص بھی ہے۔ مولانا قاسمیؒ لکھتے ہیں: ''اس نسخے کی یہ حالت نہ ہوتی تو اس کے ملنے کے بعد کسی اَور قلمی نسخے کی ضرورت نہیں تھی۔''

دوسرا قلمی نسخہ؛ مکتوبہ شیخ الحرم المکی شیخ عبداللہ خیاطؒ

یہ نسخہ حضرت سندھیؒ کے تلمیذِ رشید شیخ الحرم المکی شیخ عبداللہ بن عبدالغنی خیاطؒ کے قلم سے لکھا ہوا ہے، جسے انھوں نے حضرت سندھیؒ کے اصل نسخے سے مکہ مکرمہ میں نقل کیا تھا۔ یہ نسخہ 435 صفحات پر جدید عربی خط میں بہت عمدگی سے لکھا گیا ہے۔ مولانا قاسمیؒ کے بقول:

> ''اس وقت یہ نسخہ ''شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ'' کی ملکیت ہے۔ اکیڈمی نے حضرت مولانا عزیز احمدؒ (تلمیذ و ربیب حضرت سندھیؒ و برادرِ حقیقی حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ) سے باقاعدہ طور پر خرید کیا تھا۔ یہ نسخہ وہ ہے جو حضرت سندھیؒ کی ملکیت میں تھا اور جامعہ ملیہ دہلی اور دارالرشاد پیر جھنڈا میں ان کے زیر مطالعہ رہا ہے۔''

تیسرا قلمی نسخہ؛ مکتوبہ مولانا محمد صدیق سندھی بنوی

یہ قلمی نسخہ مولانا محمد معروف متعلوی سندھی کی ملکیت میں ہے۔ اس نسخے کا خط بھی بہت عمدہ ہے۔ یہ ادیبِ فاضل مولانا محمد صدیق بنوی سندھیؒ کے قلم کا لکھا ہوا ہے۔ بعض مقامات کو چھوڑ کر یہ نسخہ بھی بہت عمدہ اور تصحیح شدہ ہے۔ ان مقامات کی تصحیح مولانا قاسمیؒ نے مؤلف امام کے اصلی نسخے سے کی ہے۔ اس نسخے کا خط

بھی بہت عمدہ ہے۔ اسی لیے اس کتاب کی طباعت کے موقع پر اسی کو سامنے رکھا گیا۔

چوتھا قلمی نسخہ؛ مملوکہ کتب خانہ مدرسہ مظہرالعلوم کھڈہ کراچی

اس کتاب کا چوتھا قلمی نسخہ مدرسہ مظہرالعلوم کھڈہ کراچی کے کتب خانے کی ملکیت میں ہے۔ اشاعت کے موقع پر مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ نے اسے مدرسے کے مہتمم علامہ حافظ محمد اسماعیل بن مولانا محمد صادق سندھی سے عاریتاً لیا تھا۔ یہ نسخہ بھی عمدہ خط میں لکھا ہوا ہے۔

مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ نے ان چار قلمی نسخوں کو سامنے رکھ کر اس کتاب کا تحقیقی متن تیار کیا۔ کئی مقامات پر تحقیقی فٹ نوٹ لکھے۔ کتاب پر مقدمہ تحریر کیا، جس میں حضرت سندھیؒ کے حالات، کتاب کا مختصر تعارف اور قلمی نسخوں کی تفصیل بیان کی۔ پھر اسے سندھی ادبی بورڈ کے سیکرٹری غلام ربانی اور سندھ یونیورسٹی کے مطبع کے ناظم اعجاز محمد صدیقی کے تعاون کے ساتھ سندھی ادبی بورڈ سے شائع کیا تھا۔

پانچواں قلمی نسخہ؛ مملوکہ کتب خانہ دارالعلوم دیوبند

کتاب کے اس مطبوعہ نسخے کے علاوہ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ وہ ہے، جسے خاص طور پر حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے کتب خانہ دارالعلوم دیوبند کے لیے کتابت کرایا تھا۔ جس کے بارے میں حضرت قاری صاحبؒ نے ایک تحریر بھی لکھی ہے، جو گزشتہ اوراق میں نقل کی جا چکی ہے۔

یہ قلمی نسخہ دارالعلوم دیوبند کے کتب خانے کی فہرست مخطوطات میں ۸۰۷۴۸ نمبر پر درج ہے۔ اس نسخے کے کل صفحات 392 ہیں۔ اس کے بعد کے تین صفحات پر کتاب میں بیان کیے گئے سلسلۂ اسناد کی روشنی میں ''**الإمام الرّبانی عبدالله بن مسعود**'' سے لے کر ''**الإمام الأعظم ابو حنیفه**'' تک کے علمی شجرات دو تین صفحات پر مرتب کیے گئے ہیں۔

ہم نے حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی معیت میں 2006ء میں رائے پور کا سفر کیا تھا۔ اس موقع پر دارالعلوم دیوبند بھی جانا ہوا۔ حضرت مہتمم صاحبؒ کی مہربانی اور ایک دوست کی کرم فرمائی سے اس نسخے کا مکمل عکس ہمیں دستیاب ہوا۔ اس وقت یہ نسخہ ہمارے سامنے ہے۔ یہ نسخہ مولانا محمد صدیق سندھی بنویؒ کے قلم سے لکھا ہوا ہے۔ اس کے اختتام پر ترقیمۂ کاتب کی عبارت یہ ہے:

''قد تمّ نسخ الكتاب الكريم بيد أحقر الأثيم محمّد صدّيق السّندى البنوى بتاريخ ۲ ابريل ۱۹۵۶ء المطابق شعبان المعظّم ۱۳۷۵ھ يوم الاثنين ببلدة كراتشى عاصمة باكستان.''

(اس معزز کتاب کا نسخہ احقر گناہ گار محمد صدیق سندھی بنوی کے خط سے پاکستان کے دارالحکومت کراچی میں مکمل ہوا۔

بتاریخ 2/اپریل 1956ء مطابق شعبان المعظم ۱۳۷۵ھ، بروز پیر۔)

اس نسخے کی تصحیح اور مقابلے کا کام حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے ربیب اور خادم حضرت مولانا عزیزاحمدؒ (برادرِ گرامی حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ) کے ہاتھ سے ہوا ہے۔ تصحیح و مقابلے کے بعد انھوں نے اس نسخے کے آخری صفحے پر یہ تحریر لکھی ہے:

"تمّ التّصحیح و المقابلة فی یوم الجمعة ۳/ محرّم الحرام ۱۳۷۶ھ (10/ اگست 1956ء) بقدر الاستطاعة المیسرة من نسخة المنقول عنهٔ و النّسخة الأصلیة بید المصنّف فی جامعة ملیة جامع نگر دھلی. عزیز احمد ربیب المصنّف الإمام عبیداللّٰه السّندی رحمة اللّٰه علیه رحمة واسعة."

(حضرت مصنفؒ کے تحریر کردہ اصل نسخے کو سامنے رکھتے ہوئے اس نسخے کی تصحیح و مقابلے کا کام بہ قدرِ استطاعت ۳/محرم الحرام ۱۳۷۶ھ (10/اگست 1956ء) کو مکمل ہوا۔ حضرت مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا اصل نسخہ جامعہ ملیہ جامعہ نگر دہلی میں ہے۔

عزیز احمد۔ ربیب مصنف امام عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعہ۔)

اس کتاب کے ایک ابتدائی مسودے کی دستیابی

ہمارے سامنے اس کتاب کے مذکورہ بالا مطبوعہ اور قلمی نسخۂ دیوبند کے علاوہ حضرت سندھیؒ کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا کتاب کا ایک ابتدائی مسودہ بھی ہے۔ ابتدائی مسودہ ہونے کی وجہ سے اس پر حضرت مصنفؒ کے قلم سے کافی ترمیم و تنسیخ کی گئی ہے۔ یہ مسودہ حضرت سندھیؒ کے شاگرد حضرت مولانا محمد صدیق ولی اللّٰہی کی لائبریری میں موجود تھا۔ حسنِ اتفاق سے اس کتاب کے ایک ابتدائی مسودے کے تقریباً سو صفحات کا عکس ہمیں دستیاب ہوا ہے۔ اس میں حضرت سندھیؒ نے کتاب کا ابتدائی خاکہ مرتب اور مدوّن کیا ہے۔ نیز اس کے شروع کے کچھ صفحات پر "حجّة اللّٰه البالغه" کے کچھ حصے کی عربی شرح بھی ہے۔

کتاب کا پہلا مکمل اُردو ترجمہ اور اشاعت

علمی حلقوں میں اس کتاب کی اہمیت کے پیشِ نظر عرصے سے یہ ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ اردو دان حضرات کے لیے اس کا ترجمہ کیا جائے۔ بڑے عرصے سے احباب کا یہ تقاضا رہا کہ اس کتاب کو اردو کے قالب میں ڈھال دیا جائے۔ راقم سطور بیس بائیس سال سے اس کتاب کا ترجمہ کرنے کی آرزو رکھتا تھا، لیکن مصروفیات کے سبب اس کا موقع نہیں ملتا تھا۔ یہ کام اس لیے بھی تاخیر کا شکار رہا کہ ارادہ یہ تھا کہ ترجمے کے ساتھ کتاب کے اصل مآخذ اور ان کے حوالہ جات سامنے آنے چاہئیں۔ نیز اس میں بیان کردہ اہم شخصیات کے مختصر سوانحی خاکے اور تحقیقی حواشی بھی تحریر کیے جائیں۔ تاکہ زیادہ بہتر شکل میں اس کتاب

سے استفادہ کیا جاسکے۔ اس کام کے لیے ضروری تھا کہ اصل ماخذ پر مبنی حوالہ جات کی کتابیں دستیاب ہوں اور قدرے یکسوئی کے ساتھ شخصیات کے سوانحی خاکے لکھے جائیں۔

اس کتاب کے ترجمے کے کام کا ابتدائی آغاز اگرچہ 1999ء میں ہوگیا تھا، لیکن راقم سطور کی تعلیم و تدریس میں مشغولیت اور شیخ رائے پور حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ مسند نشین خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کی معیت میں تبلیغی اسفار کی کثرت کے سبب ترجمہ وتحقیق کا یہ کام التوا میں چلا آرہا تھا۔ 2001ء میں لاہور میں حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ کی زیرسرپرستی جب ''ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ)'' اور ان کے زیرنگرانی ایک بہترین لائبریری ''رحیمیہ لائبریری'' کا قیام عمل میں آیا تو اس کا موقع پیدا ہوا کہ اس کتاب کے ترجمے کی طرف توجہ دی جائے۔

2009ء میں جب ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ کی طرف سے سہ ماہی مجلّہ ''شعور وآگہی'' کا اجرا عمل میں آیا تو اس نے یہ موقع فراہم کردیا کہ اس کتاب کا اردو ترجمہ مجلّہ ''شعور وآگہی'' میں اقساط کی صورت میں شائع کردیا جائے۔ اس سے یہ سہولت پیدا ہوئی کہ ہر تین ماہ بعد اس کتاب کے اردو ترجمے اور تحقیق پر مشتمل ایک قسط تیار کر کے شائع کردی جائے۔ اس کتاب کے کل چار مقالات میں سے تین مقالوں ''مقامِ محمود''، ''تحديث النّعمة'' اور ''سبيل الرّشاد'' کے اردو ترجمے کا کام ۳؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ/ 29؍نومبر 2011ء کو بروز منگل کو مکمل ہوا۔ ہم نے ترجمے کے وقت ''التمهيد لتعريف ائمّة التجديد'' کے مطبوعہ اور قلمی نسخوں اور ابتدائی مسودے کو سامنے رکھا تھا۔

کتاب کا یہ اردو ترجمہ سہ ماہی مجلّہ ''شعور وآگہی'' لاہور میں 11 اقساط میں چھپ چکا ہے۔ اس کتاب کے چوتھے مقالے ''مواقف المسترشدين'' کے بھی ایک ''المَوقِف في الحديث'' کا اردو ترجمہ بالاقساط ''شعور وآگہی'' میں چھپ چکا ہے۔ باقی دو مقالے ''المَوقِف في الفقه الإسلامي'' اور ''المَوقِف في تطبيق الآراء'' کے ترجمے کا کام جاری ہے۔ البتہ ان میں ''المَوقِف في الفقه الإسلامي'' کا اصل عربی متن تحقیق وتخریج کے ساتھ رحیمیہ مطبوعات سے شائع ہوچکا ہے۔

زیرنظر اشاعت اور کچھ اس ترجمے کے حوالے سے

کتاب کے اردو ترجمے کی زیرنظر اشاعت اس کے درجِ ذیل تین مقالوں پر مشتمل ہے:

1۔ **مقامِ محمود** (حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کا سلسلۂ اسانید)

2۔ **تحديث العبد الضّعيف بنعمة ربّه اللّطيف** (سرگزشتِ حیات حضرت سندھیؒ)

3۔ **سبيل الرّشاد كالزّيل علىٰ الانتباه و الإرشاد** (رُشد وہدایت کا تسلسل)

کتاب کا اُردو ترجمہ کرتے ہوئے ہم نے درجِ ذیل پہلو پیش نظر رکھے ہیں:

1۔ ترجمہ کرتے وقت اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ نگاری کے اُس ولی اللٰہی اسلوب کی پابندی کی جائے، جسے حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے رسالے "**المقدّمہ فی قوانین التّرجمہ**" میں بیان کیا ہے۔ اصل عربی عبارت کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے بامحاورہ اور سلیس اُردو زبان میں ترجمہ کیا جائے۔ عبارت کا پورا مفہوم وضاحت کے ساتھ قاری کے سامنے آجائے۔ اس کے لیے بعض مقامات پر تشریح وتوضیح کے لیے زائد الفاظ بڑھائے گئے ہیں۔ متن سے زائد جتنے الفاظ بھی بڑھائے گئے ہیں، اُنھیں قوسین () کے درمیان لکھا گیا ہے۔

2۔ کتاب کے اقسام، ابواب، انواع اور فصول میں جہاں حضرت سندھیؒ نے خود عنوانات قائم کیے ہیں، ان کا اُسی طرح بدستور ترجمہ کردیا گیا ہے۔ جن مقامات پر عنوانات کی ضرورت تھی، وہاں ہم نے عنوانات قائم کردیے ہیں۔ ہمارے اضافہ کیے گئے عنوانات قوسین () میں لکھے گئے ہیں، تاکہ مصنف علام کے تحریرکردہ عنوانات سے ان کا امتیاز واضح طور پر سامنے رہے۔

3۔ کتاب کے ہرسہ مقالہ جات کے آخر میں بیان کردہ احادیث وعبارات کی تخریج وتحقیق کردی گئی ہے، جنھیں "حوالہ جات وحواشی" کے عنوان کے تحت لایا گیا ہے۔ نیز کتاب کے اصل مآخذ جہاں تک ہمیں دستیاب ہوسکے، حوالہ جات کی صورت میں تحریر کردیے گئے ہیں۔

4۔ کتاب میں ذکر کی گئی تقریباً تین سو اہم شخصیات کے بارے میں سوانحی معلومات' دستیاب تذکروں کی مدد سے تحریر کردی گئی ہیں۔ اس طرح ہر اہم شخصیت کا سوانحی خاکہ قارئین کے سامنے آنے سے سلسلۂ سند کی واقعیت پورے طور پر واضح ہوجاتی ہے۔

5۔ اس کتاب کے دوسرے مقالے "**تحدیث النّعمة**" کے ترجمے کے وقت ہم نے مولانا سندھیؒ کی اردو خودنوشت "ایک نومسلم کی انقلابی زندگی کا خاکہ" کو بھی سامنے رکھا ہے۔ حواشی میں اس حوالے سے متعلقہ فٹ نوٹ درج کردیے ہیں۔ اس سے بعض مقامات پر تاریخوں کی تعیین کا مرحلہ آسان ہوگیا۔

6۔ اس کے ساتھ کتاب کے شروع میں امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے مختصر حالاتِ زندگی بھی شامل کیے جارہے ہیں، تاکہ اُن کی جدوجہد کے اہم پہلو قارئین کے سامنے رہیں۔

7۔ کتاب کے شروع میں ایک مقدمہ بھی تحریر کیا گیا ہے، جس میں مجددین کے تاریخی تسلسل کی اہمیت اور کتاب کے ابواب وفصول کا اجمالی خاکہ اور مضامین کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔

ہم نے ہرممکن کوشش کی ہے کہ ترجمہ سلیس اور بامحاورہ ہو۔ عربی عبارت کا پورا مفہوم واضح ہوجائے۔ پھر بھی اگر ہم سے عبارت سمجھنے اور ترجمہ کرنے میں کوتاہی ہوئی ہوتو اہلِ علم سے درخواست ہے کہ وہ عفو و کرم

سے کام لیتے ہوئے ہمیں مطلع کریں۔ آئندہ ایڈیشن میں اُن کے قیمتی مشورے پیشِ نظر رکھے جائیں گے۔

راقم سطور یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ اس کتاب کا ترجمہ کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے اپنے قلم سے لکھے ہوئے کتاب کے مضامین سے ان کا اصل موَقف اور فکر وعمل نکھر کر سامنے آجائے۔ یوں حضرت سندھیؒ کے بارے میں فتنہ پرور اور گمراہ جماعتوں کے زیراثر آج کل جو کچھ افراط وتفریط کا سلسلہ چل رہا ہے، اس کی حقیقت طشت از بام ہوجائے۔ برطانوی حکومت کے زیراثر کام کرنے والی بعض نام نہاد اسلامی جماعتوں نے حضرت سندھیؒ کے خلاف اشتراکیت قبول کرنے کا جو پروپیگنڈا کیا ہے، اس کا لایعنی اور لغو ہونا واضح ہوجائے۔ اسی طرح ایک دوسرے نام نہاد قوم پرست طبقے کی کوتاہ فکری بھی واضح ہوجائے، جو اپنی ذاتی، گروہی اور لسانی فرقہ واریت پر مبنی سوچ کی بنا پر حضرت مولانا سندھیؒ کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی شخصیت اور جماعت سے الگ کر کے پیش کرتا ہے۔

اس کتاب کے مضامین کے مطالعے سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا فکر وعمل اوّل تا آخر دین اسلام کی صاف شفاف تعلیمات، صحابہ کرامؓ، فقہائے عظامؒ، بالخصوص امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ اور ائمہ اہل بیتؒ کے انقلابی افکار وتعلیمات کے عین مطابق ہے۔ مولانا سندھیؒ کے پیش کردہ افکار و تعلیمات کا سوشل اِزم کے مادی فلسفے اور نام نہاد قوم پرستی کے سرمایہ دارانہ نقطہ نظر سے کسی طرح کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ کی جماعت کے ایک فردِ فرید اور بلند مرتبت شخصیت ہیں۔ اس جماعت سے الگ کر کے حضرت سندھیؒ کے افکار وتعلیمات کا خودساختہ تصور اور تشریح و تفصیل کسی طور پر بھی درست نہیں ہے۔ انھیں بجا طور پر ولی اللّٰہی تجدیدی فکر کی روشنی میں سیاسی اور معاشی حوالے سے دین کی انقلابی تعلیمات پیش کرنے پر ''امامِ انقلاب'' کہا جاتا ہے۔

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی شخصیت کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ کی جماعت کے ولی اللّٰہی فکر وعمل کے تناظر میں ہی سمجھنے اور سمجھانے پر زور دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اس کتاب کے ترجمے کی اقساط سہ ماہی ''شعور وآگہی'' لاہور میں شائع ہونا شروع ہوئیں تو حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ اس پر بڑی ہی خوشی اور مسرّت کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ وہ انھیں پوری توجہ سے پڑھتے اور سنتے تھے اور لوگوں کو اس کے مطالعے کی ترغیب دیتے تھے۔

راقم نے حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی حیات میں انھیں کی زیرنگرانی حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی اس عظیم کتاب کا اردو ترجمہ کیا تھا۔ ترجمے اور تحقیق کا یہ کام انھیں کی حیاتِ مبارکہ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا تھا۔ ولی اللّٰہی علوم و معارف کے فروغ کے لیے اُن کی کوششیں یقیناً اس صدی کا اہم ترین کارنامہ ہیں۔ انھوں نے ان علوم و معارف پر نوجوانوں کی تربیت کر کے ایک ایسی کھیپ تیار کردی ہے، جو

دین اسلام کی انقلابی تعلیمات سے شعوری طور پر وابستہ ہوکر دُنیوی اور اُخروی کامیابی کے لیے کام کر رہی ہے۔ ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ کی انھی کاوشوں کا اہم مرکز ہے۔ انھیں کی دعاؤں اور توجہات کے صدقے اس کتاب کا ترجمہ مکمل ہوا۔ **فللّٰہ الحمد.**

مجھے اس بات پر بھی خوشی ہے کہ حضرت سندھیؒ کے تلمیذِ رشید اور اُن کے روحانی سلسلۂ قادریہ راشدیہ کے عظیم بزرگ حضرت مولانا میاں سراج احمد دین پوریؒ نے بھی اس کتاب کے ترجمے پر خوشی اور مسرّت کا اظہار کرتے ہوئے تحریری طور پر اپنی وقیع رائے کا اظہار فرمایا ہے۔ راقم سطور 2013ء کے اوائل میں اپنے سندھ کے تبلیغی سفر پر جاتے ہوئے حضرت مولانا سندھیؒ کے مزار پر حاضر ہوا۔ اس موقع پر خانقاہ دین پور میں حضرت میاں صاحبؒ کی خدمت میں بھی حاضری دی۔ جب انھیں بتایا گیا کہ راقم نے حضرت سندھیؒ کی اس کتاب کا اُردو ترجمہ کیا ہے تو انھوں نے نہ صرف اس پر بہت خوشی کا اظہار کیا اور خوب دعائیں دیں، بلکہ حضرات مشائخ رائے پور اور مشائخ دین پور کے فکر و عمل کی ہم آہنگی کے حوالے سے حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اور حضرت سندھیؒ کے بہت سے واقعات بھی سنائے۔

حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ کے خلیفہ اجل اور ہمارے محبِّ محترم و معظم حضرت مولانا ڈاکٹر پروفیسر سعید الرحمٰن مدظلہ العالی نے اس کتاب کا حرفِ تعارف تحریر فرمایا ہے۔ انھوں نے بڑی ہی جامعیت کے ساتھ کتاب کے بنیادی مضامین کی اہمیت واضح کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ اس موقع پر رحیمیہ مطبوعات کی ٹیم کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے کہ جنھوں نے اس کتاب کی کمپوزنگ، پروف ریڈنگ اور طباعتی معیار کو برقرار رکھنے کے لیے سعی اور کاوش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں بھی جزائے خیر عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اولیاء اللہ، علمائے ربانیین کے حالاتِ زندگی سے رہنمائی حاصل کرنے اور شعوری جدوجہد اور کوشش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ بالخصوص امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی یہ کتاب ہمارے لیے دین اسلام کے غلبے کے واضح شعور و فکر کو جلا بخشنے میں رہنمائی کا باعث بنے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمارے ان رہنماؤں کو آخرت میں درجاتِ عالیہ نصیب فرمائے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چل کر ان کے فیوض و برکات سے مستفید ہونے اور دُنیوی اور اُخروی کامیابی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

عبدالخالق آزاد رائے پوری
خادم سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور
ناظم اعلیٰ ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور
۱۲/محرم الحرام ۱۴۳۸ھ/ 14/اکتوبر 2016ء
بروز جمعۃ المبارک

مقدمہ

از مترجم

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

الحمد للّٰہ و کفٰی و سلام علٰی عبادہ الّذین اصطفٰی. اما بعد!

دین اسلام کی تعلیمات اپنے اندر جامعیت لیے ہوئے ہیں۔ ان میں جہاں عقائد و افکار کی درستگی اور فلسفہ وفکر کی بالیدگی کے لیے رہنمائی موجود ہے، وہاں انسانی زندگی کے عملی سیاسی اور معاشی نظام سے متعلق تعلیمات بھی موجود ہیں۔ اس طرح دین اسلام کی تعلیمات شریعت، طریقت اور سیاست کی جامع ہیں۔

حضرات انبیا علیہم السلام کی عظیم الشان جدوجہد

ہر زمانے میں مبعوث ہونے والے انبیا علیہم السلام اپنے دور کی شریعت کی اساس پر انسانی دلوں کے تزکیے، تربیت اور انسانی اجتماعیت پر مبنی سیاست کے لیے عظیم الشان کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ بالخصوص امام الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو دین اسلام لائے، اس کی اہم خصوصیت انھیں تینوں شعبوں؛ شریعت، طریقت اور سیاست میں پوری جامعیت کے ساتھ رہنمائی دینا ہے۔ چناں چہ دین اسلام کی تعلیمات بھی انھیں تینوں دائروں میں انسانیت کی رہنمائی کرتی رہی ہیں۔

موجودہ دور میں شریعت اور طریقت کی تعلیمات سے تو عام طور پر لوگ کسی درجے میں تعارف رکھتے ہیں، لیکن دین اسلام کی تعلیمات کی اساس پر سیاسی جدوجہد سے ناواقفیت ہمارے اہل علم میں بھی پائی جاتی ہے۔ حال آں کہ سیاسیات دین اسلام کی تعلیمات کا ایسا اہم شعبہ ہے کہ جس کے بغیر دین کا عملی نظام قائم نہیں ہوسکتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا درجِ ذیل فرمان انبیا علیہم السلام اور اُن کے خلفائے عظام کی سیاسی جدوجہد اور اُن کے عملی سیاسی کردار کی نشان دہی کرتا ہے:

''کانت بنو إسرائیل تسوسھم الأنبیاء، کلّما ھلک نبیّ خلفہٗ نبیّ آخر. و أنّہٗ لا نبیّ بعدی و سیکون خلفاء فیکثرون.'' (6)

(بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاؑ کرتے تھے۔ جب بھی ایک نبی وفات پاتے تو

دوسرے نبی اُن کے خلیفہ بن کر آجاتے تھے۔ بے شک میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ میرے بعد خلفا آئیں گے اور وہ کثرت سے ہوں گے۔)

اس حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ انبیاؑ کی بعثت کے مقاصد واہداف میں ایک اہم ہدف قوموں کی سیاست رہا ہے۔ حتیٰ کہ ایک نبی کے دنیا سے جانے کے بعد دوسرے نبی اُن کی نیابت اور خلافت کے طور پر سیاست کے اہم فریضے کو سرانجام دینے کے لیے تشریف لاتے رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انبیاؑ کا سلسلہ ختم ہوگیا تو آپؐ کے خلفا کا سلسلہ شروع ہوا۔ اسی تناظر میں خلفائے راشدین کی سیاسی جدوجہد اور ان کا حکومتی کردار ادا کرنا اہم دینی تقاضا سمجھا جاتا رہا ہے۔

مجددینِ اُمت؛ انبیا علیہم السلام کے وارثین

انبیا علیہم السلام کے حقیقی وارثین اور جانشین علمائے ربانیین ہوتے ہیں۔ یہی حضرات دینِ اسلام کے تمام شعبوں میں تجدیدی اور انقلابی کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ تقریباً ہر سو سال کے بعد تجدید و انقلاب کی اہمیت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیثِ مبارکہ سے واضح ہوتی ہے:

''إنّ اللّٰہ یبعث لھٰذہٖ الأمّۃ علٰی رأس کُلّ مائۃِ سنۃٍ، من یجدّد لھا دینھا.''(7)

(اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر سو سال کے شروع میں ایسے لوگ پیدا کرتے ہیں، جو اُمت کے لیے اُس کے دین کی تجدید کرتے ہیں۔)

چناں چہ ہر دور میں ایسے مجددین علمائے ربانیین تشریف لاتے رہے، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے خلفا میں شمار ہوتے ہیں۔ جنھوں نے شریعت، طریقت اور سیاست ان تینوں شعبوں میں تجدیدی اور انقلابی کردار ادا کیا۔ ان حضرات مجددین نے دور بدلنے کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش آنے والے مسائل کے حل کے لیے شریعت کی تشریح و تفہیم، انسانی روح کے تزکیے اور تربیت کے بدلتے طریقہ ہائے کار اور اجتماعی زندگی کے سیاسی، معاشی اور سماجی تقاضوں کی تکمیل کے لیے دینی سیاست کی رہنمائی کا انقلابی فریضہ سرانجام دیا۔ ایسے حضرات ہی ائمہ مجددین یا ائمہ انقلاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ امام اور مجدد کی حقیقت بیان کرتے ہوئے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''(معاشرے کی خرابی کے) وقت میں اللہ کی رحمتِ عامہ کسی بندے کو مخصوص فرما لیتی ہے اور اسے روحانی امراض کی بصیرت اور تشخیص عطا فرماتی ہے۔ اس زمانے میں اس شخص کے پیچھے چلنے میں ہدایت منحصر ہوجاتی ہے۔ جو شخص اس کے پیچھے لگ گیا، راہِ ہدایت پر پڑ گیا۔ ورنہ گمراہی کے گڑھوں میں گر کر ہلاکت سے دوچار ہوگا۔ ایسے شخص کو اس لحاظ سے کہ وہ اپنے زمانے کا پیش رَو ہوتا ہے، ''امام'' کہتے ہیں۔ اور اس اعتبار سے کہ اُس کے احکام زمانے کے

امراض کے حکم کے مطابق پچھلے لوگوں کے احکامات سے بہ نسبت ایک گنا نئے اور جدید دکھائی دیتے ہیں۔ اُس کو ''مجدد'' کہتے ہیں۔'' (8)

علومِ نبوت کے وراث ایسے حضرات ائمہ مجددین نے شریعت، طریقت اور سیاست کے میدان کی مشکلات کو حل کرنے کے لیے بڑی جدوجہد اور کوشش کی ہے۔ ہر خطے میں صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلنے والے متبعین یعنی عدل وانصاف قائم کرنے والے حکمرانوں، صوفیائے ربانیین اور شریعت کے علمائے محققین نے اپنے اپنے ممالک میں سماجی اور اجتماعی نظامِ حیات کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ خاص طور پر برصغیر میں اس خطے کی سیاسی، معاشی اور سماجی صورت گری میں ان حضرات کا کردار کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

چناں چہ حضرت امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ سے لے کر اب تک فقہائے کرامؒ، محدثین عظامؒ، ائمہ اہل بیتؒ، چشتی، قادری، سہروردی اور نقشبندی سلسلے کے بانیان و بزرگانؒ نے تجدیدی اور انقلابی کردار ادا کرتے ہوئے نہ صرف شریعت کی تعلیمات کے پھیلاؤ، تربیت اور تزکیے کا کام کیا، بلکہ ہر ایک نے اپنے اپنے دور کی سیاست کو درست راستے پر رکھنے کے لیے رہنمائی فرمائی۔ انھوں نے اس کے لیے ظلم اور ناانصافی کے خلاف آوازۂ حق بلند کیا۔ یوں شریعت، طریقت اور سیاست کی جامعیت کی اساس پر دین اسلام کی تعلیمات کے فروغ اور اس کی تجدید کے لیے اہم انقلابی کردار ادا کیا اور انقلابی فکر وعمل کو واضح کیا۔

تجدیدی اور انقلابی عمل کی اہمیت اور دین اسلام کی تعلیمات

بدلتے ہوئے دور کے تقاضوں کے مطابق انسانی ذہنیتوں کو سامنے رکھتے ہوئے سلجھے ہوئے افکار و خیالات اور نظریات کا شعور دینا، شعوری طور پر قبول کیے گئے افکار اور تعلیمات کے مطابق نئی سماجی تشکیل کے لیے حکمتِ عملی اور پروگرام تشکیل دینا اور اس کے لیے جانی و مالی قربانی پیش کرنا عصرِ جدید میں 'انقلابی جدوجہد' کہلاتا ہے۔ ہر وہ فرد اور جماعت 'انقلابی' کہلاتی ہے، جو ہر آنے والے نئے دور کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے نئی سیاسی، سماجی اور عمرانی تشکیل کے لیے بھرپور انقلابی کردار ادا کرتی ہے۔ یہ انقلابی عمل انسانی معاشروں میں تبدیلی کی ایک نئی لہر پیدا کرتا ہے، جو سوسائٹی کی سماجی تشکیل کو نئے اسلوب اور منہج پر ڈال دیتی ہے۔ دنیا بھر کی اقوام میں آنے والے انقلابات اسی حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں۔

دین اسلام کی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے تو وہ بلاشبہ انقلابی تعلیمات ہیں۔ ان تعلیمات کے حاملین نے اقوامِ عالم میں ایک عالم گیر انقلاب برپا کیا ہے۔ نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں دیگر تمام پہلوؤں کی جامعیت کے ساتھ، نمایاں ترین پہلو نئے سیاسی، سماجی اور معاشی تشکیل کے حوالے سے انقلابی جدوجہد کا ہے۔ قرآن حکیم کی شکل میں آپؐ پر نازل ہونے والا پیغامِ الٰہی بلاشبہ ایک انقلابی پیغام تھا۔ اس کی اساس پر آپؐ نے ایک اولوالعزم جماعتِ صحابہؓ بنا کر انسانیت میں ایک عالم گیر

انقلاب کی داغ بیل ڈالی۔ پھر آپؐ کے بعد جماعتِ صحابہ کرامؓ کی عظیم الشان قربانیوں اور ان کی اجتماعی جدوجہد نے دین کے اس انقلابی پیغام کو پوری دنیا میں غالب کرنے کے لیے بڑا روشن کردار ادا کیا ہے۔ اس حوالے سے خلفائے راشدین کا دور بلاشبہ ایک انقلابی دور تھا، جنھوں نے نئے نہج پر انسانی سماج کی تشکیل کے لیے انقلابی قوانین، سیاسی نظامِ حکومت، اقتصادی اور معاشی نظام قائم کیے۔ اور رہتی دنیا تک نمونے کا معیاری نظامِ زندگی قائم کر کے جریدۂ عالم پر نبویؐ اسوۂ حسنہ کے اَنمٹ نقوش ثبت کیے۔

قرآنی تعلیمات کے انقلابی پیغام کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ اس نے انسانی سوسائٹی کی تشکیل کے لیے بہترین قوانین پر مشتمل شریعت، ان قوانین پر منظّم انسانی اجتماعیت کے لیے تربیت اور تزکیے کے اصولِ احسان وطریقت، انسانیت کے مجموعی فائدے اور جان، مال، عزت آبرو کے تحفظ اور امن کے لیے بہترین نظامِ سیاست ومعیشت متعارف کرایا ہے۔ اس طرح دین کی تعلیمات؛ فقہی قانون، جماعتی تربیت اور عملی اجتماعی نظام کی شکل میں سامنے آتی ہیں۔ جنھیں اصطلاحی طور پر 'شریعت'، 'طریقت' اور 'سیاست' کہا جاتا ہے۔ قرآنی تعلیمات کے اس انقلابی پیغام نے ان تینوں جہتوں سے انسانی سوسائٹی پر بڑا انقلاب آفرین اثر کیا ہے۔

حضورؐ کی انقلابی جدوجہد کے نتیجے میں قریش کی اجتماعی طاقت نے قرآنی تعلیمات کی ان تینوں جہتوں کو بڑی جامعیت کے ساتھ قبول کیا۔ انھوں نے ان تعلیمات کو دنیا میں غالب کرنے کے لیے بڑی جدوجہد اور کوشش کی اور ان کے عملی نظام تشکیل دیے۔ قریش کی یہ انقلابی اور اجتماعی طاقت، بنواُمیہ کے آخری دور اور بنوعباس کے ابتدائی دور تک تقریباً ڈیڑھ سو سال قائم رہتی ہے۔ اس دور میں 'شریعت' کے قوانین کی بھی تشکیل ہوئی۔ طریقت اور احسان کے رہنما اصولوں کا بھی تعین ہوا۔ سیاست ومعیشت کے حوالے سے بھی نئے اجتماعی تقاضے پورے کیے گئے۔ قرآنی تعلیمات کے ان تینوں پہلوؤں کی روشنی میں عربوں نے دنیا بھر کے لیے ایک بہترین عالم گیر نظام قائم کیا۔

ہزارۂ اول میں مجددین و مجتہدین کے پہلے سرخیل؛ امامِ اعظم ابوحنیفہؒ

بعثتِ نبویؐ کے تقریباً سو سال بعد دور ایک نئی کروٹ لے رہا تھا۔ اس سو سالہ دور میں چہار دانگِ عالم سے اقوامِ عالم پر مشتمل انسانوں کی ایک عظیم الشان اجتماعیت نے دین اسلام کی انقلابی تعلیمات کو قبول کیا۔ دنیا بھر کی دیگر تمام اقوام کے فرسودہ نظام ختم ہوئے اور قرآنی تعلیمات کی اساس پر نئے بین الاقوامی نظام کی تشکیل ہونے لگی۔ اس دور میں اقوامِ عالم پر مشتمل اعلیٰ انسانی دماغ، دین اسلام کے نظریے کی حقانیت اور اس کی اساس پر اپنے معاشروں کی نئی سیاسی ومعاشی تشکیل کے لیے آمادہ نظر آتے ہیں۔ ایسے بین الاقوامی ماحول میں نئی عالمی سیاسی، معاشی اور سماجی تشکیل کے لیے دین اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں

عالمی اصول وقوانین کی تدوین وترتیب، ان اصولوں پرعمل درآمد کی انقلابی حکمتِ عملی اور نئے عالمی سیاسی اور معاشی نظام کے خدوخال واضح کرنے کی ضرورت اور تقاضے اُبھر کر سامنے آتے ہیں۔ اس طرح اقوامِ عالم پر مشتمل ایک نئی تشکیل اس دور کا تقاضا بن جاتی ہے۔

تاریخ عالم کے اس اہم موڑ پر امامِ اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ جیسی عظیم الشان مجتہدانہ شان رکھنے والی انقلابی شخصیت پیدا ہوئی۔ وہ ایسی بلند تر نظریۂ فکر وعمل کی حامل شخصیت ہیں، جنھوں نے شریعت، طریقت اور سیاست کی جامعیت کی اساس پر دینی علم وفکر اور قانونی نظام کو مربوط طور پر سمجھنے کی فقہی بصیرت کا اظہار کیا۔ اس طرح انھوں نے اپنے دور کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اجتماعی سطح پر بڑا انقلابی اور عظیم الشان کردار ادا کیا ہے۔

امامِ اعظمؒ نے نئی عالمی سماجی تشکیل کے لیے درجِ ذیل مجتہدانہ انقلابی اصول متعین فرمائے:

1۔ اجتماعیت کی اساس اور ادارتی بنیادوں پر قانون سازی کا طریقہ متعارف کرایا۔ اس کے لیے انھوں نے سیاسی و سماجی لہروں کو سمجھنے والے ہر علم وفن کے ماہرین فقہا، مجتہدین، ماہرینِ لسانیات اور اُدبا کی ایک مجلس قائم کی۔ اس طرح باہمی مشاورت سے دین اسلام کی تعلیمات کے اصول وکلیات متعین فرمائے۔

2۔ ان اصول وکلیات کی روشنی میں اپنے دور کے معروضی حقائق کے تناظر میں ذیلی اور فقہی قوانین پر مشتمل فروعی مسائل کی تخریج کی اور اس کے صحیح طریقے کی نشان دہی کی۔

3۔ ان قوانین کی روشنی میں سماجی تشکیل کے سیاسی اور معاشی امور واضح کیے۔

4۔ انھیں رُوبہ عمل لانے کے لیے حکومتی دباؤ سے آزاد اجتماعی جدوجہد کا انقلابی طریقۂ کار متعین کیا۔ فرد کی انفرادی کوشش کی بجائے جماعتی طاقت پیدا کرنے کا انقلابی نظریہ پیش کیا۔ جیسا کہ انھوں نے اپنے شاگرد امام ابراہیم صائغ کو اسی طرح کی ہدایات دی تھیں، جس کی تفصیلات امام ابوبکر جصاص رازیؒ کے حوالے سے مولانا سندھیؒ نے اس کتاب میں بیان کی ہیں۔

5۔ اپنے دور میں آزاد انقلابی حکمتِ عملی کے تحت حکومتی عہدہ قبول کیے بغیر جانی و مالی قربانی پیش کی اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔

اس طرح امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کی جدوجہد اور کوشش سے ایسی انقلابی شاہراہِ فکر وعمل قائم ہوگئی کہ اگلے تقریباً ایک ہزار سال تک حنفی فقہ اور قانون کی اساس پر اقوامِ عالم کے نظام ہائے حیات استوار ہوتے رہے۔ تجدیدی کردار ادا کرنے والی کسی انقلابی شخصیت اور اس کے انقلابی افکار وتعلیمات کے پھیلاؤ کا اتنا بڑا مظاہرہ شاید ہی انسانی تاریخ میں ہوا ہو۔ افریقا اور یورپ سے لے کر ایشیا کے دور دراز علاقوں تک میں

فقہ حنفی کے قانونی، سیاسی اور معاشی نظام کی اساس پر معاشروں کی تہذیب وتشکیل ہوتی رہی۔ یوں خلفائے بنوعباس سے لے کر خلافتِ عثمانیہ کے آخری خلیفہ تک حنفی قانون اور فقہ کے عالم گیر قوانین وضوابط معاشروں کی صورت گری کرتے رہے ہیں۔

یہی نہیں، بلکہ ہجری ہزار سالہ دور میں بہت سی ایسی مجددین شخصیات آئیں، جنھوں نے اپنے دور کے نئے تقاضوں کی تکمیل کے لیے انھی حنفی قوانین وضوابط کی نئی انقلابی تشریحات تجدیدی انداز میں کیں۔

الغرض! ہجری حوالے سے ہزارۂ اول میں انقلابی فکر وعمل کے حامل علمائے مجددین کا ایک تاریخی تسلسل پوری طرح برقرار رہا ہے۔

ہزارۂ دوم کے انقلابی علما اور مجددین

اسلامی تاریخ کا ہزارۂ دوم شروع ہوا تو امامِ ربانی حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ جیسی عظیم انقلابی شخصیات منصۂ شہود پر آتی ہیں۔ یہ حضرات بھی شریعت، طریقت اور سیاست کی جامع شخصیات تھیں۔ انھوں نے ہزارۂ دوم میں اُبھرنے والے نئے تقاضوں اور مطالبات کا ادراک کیا۔ ان حضرات نے گزشتہ ہزار سال کی دین اسلام کی انقلابی تجدیدی تاریخ کو سامنے رکھ کر نئے دور کے مطابق دین اسلام کی تجدید کرتے ہوئے انقلابی طریقۂ کار اور حکمتِ عملی متعین کی۔ انھوں نے مرورِ زمانہ کی وجہ سے جو خرابیاں انسانی سماج میں پیدا ہوچکی تھیں، انھیں دور کر کے دین اسلام کے چشمۂ صافی سے لوگوں کو سیراب کرنے کے لیے تجدیدی اور انقلابی اقدامات کیے۔ ان حضرات نے نئے دور کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کی متعین کردہ شاہراہِ فکر وعمل کی روشنی میں تجدیدی کام کیا۔ خاص طور پر برعظیم پاک و ہند میں حنفی قانون اور فقہ کو ایک نئے تجدیدی مرحلے سے گزار کر یہاں کے اجتماعی مسائل حل کرنے کا صحیح اور درست طریقۂ کار وضع کیا۔

حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کا تجدیدی کردار

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ نے شریعت، طریقت اور سیاست میں بڑی جامعیت کے ساتھ تجدیدی کام شروع کیا اور ان تینوں شعبوں میں نہ صرف رہنمائی دی، بلکہ اُن کی عملی جدوجہد سے ہندوستان کے معاشرے اور نظام میں بنیادی تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ حضرت مجدد صاحبؒ کے ''مکتوبات'' دین اسلام کے ان تینوں شعبوں میں اُن کے تجدیدی فکر وعمل کی بڑی خوبی کے ساتھ وضاحت کرتے ہیں۔ تاریخی حقائق یہ ہیں کہ حضرت مجدد صاحبؒ کے تجدیدی فکر وعمل کے بڑے گہرے اثرات ہندوستان کے قومی نظامِ حکومت اور معاشرت پر واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ مغل بادشاہ شاہ جہاں اور اَورنگزیب عالمگیر کا

دورِ حکومت جسے مولانا سندھیؒ "مثالی دور" کہتے ہیں، اس انقلابی تبدیلی کی واضح نشان دہی کرتا ہے۔

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا تجدیدی اور انقلابی کردار

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بعد ہزارۂ دوم میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ ہلوی قدس سرہٗ کی عظیم انقلابی شخصیت کا ظہور ہوتا ہے۔ آپؒ بھی دین اسلام کی تعلیمات کے ان تینوں شعبوں، یعنی شریعت، طریقت اور سیاست کے جامع تھے۔ اَورنگ زیب عالم گیرؒ کے دور کے بعد مسلمان معاشروں پر آنے والے سیاسی، معاشی اور سماجی زوال کے زمانے میں ان کا کردار نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ انھوں نے اپنے دور کے نظام ہائے معاشرت و سیاست کی خرابیوں کو بڑی گہری نظر سے جانچا اور پرکھا۔ پھر اپنے دور میں قائم فرسودہ نظاموں کی مزاحمت کے لیے نظریۂ "فکّ کلّ نظام" کی اساس پر تمام بوسیدہ نظاموں کو توڑنے کا انقلابی طریقۂ کار سمجھایا۔ یوں انھوں نے ایک عظیم انقلابی نظریہ دیا۔ پھر دین اسلام کی جامع تعلیمات کی روشنی میں انسانی سماج کی تشکیلِ نو کے سیاسی، معاشی اور سماجی اصول متعین کیے۔ اس طرح انھوں نے ایک ہمہ گیر سماجی تبدیلی کا مکمل دینی نظام قائم کرنے کی جانب واضح رہنمائی دی۔ ہزارۂ دوم کی ابتدائی صدیاں ولی اللّٰہی علوم و افکار کی روشنی سے منور ہیں۔

دورِ زوال میں ان حضرات کے تجدیدی اور انقلابی کردار کی اہمیت

دورِ زوال میں جب کہ مسلمانوں کا نظامِ حکومت ختم ہو چکا تھا، اور اغیار نے ان پر غلامی کا نظام مسلط کر دیا۔ ایسے حالات میں غلامی سے آزادی حاصل کرنا دین اسلام کے تجدیدی اور انقلابی کردار کا اہم پہلو ہے۔ اس لیے کہ آزادیٔ و حریت کی حفاظت، عدل و انصاف کا حصول اور امن و امان کی بنیاد پر ملکی نظام کا قیام انسانیت کا بنیادی جوہر ہے۔ زندہ قوموں کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ نہ صرف اس انسانی جوہر کی حفاظت کرتی ہیں، بلکہ اس کی بنیاد پر عملی نظام قائم کرنے کے لیے ممکن حد تک جدوجہد اور کوشش کرتی ہیں۔ سچے رہنمایانِ قوم وہی ہوتے ہیں جو اِن بنیادی انسانی امور کو سامنے رکھتے ہوئے قوم کے مسائل حل کرنے کا راستہ بتلاتے اور اُن پر عمل درآمد کرنے کا سلیقہ و طریقہ متعین کرتے ہیں۔ خاص طور پر جب قوم زوال اور غلامی میں مبتلا ہو جائے تو اسے آزادی و حریت کا راستہ بتلانے، اُن میں عدل و انصاف کے قیام کی جدوجہد کی جرأت و ہمت پیدا کرنے کے لیے اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ یوں قوم ان کے بتائے ہوئے راستے پر عمل کر کے کامیابی اور کامرانی کی منازل طے کرتی ہے۔

بلاشبہ برصغیر پاک و ہند کے زوال کے دور میں اس انسانی جوہر کی حفاظت کے لیے ہمارے رہنمایانِ ملک و ملت نے انتہائی جدوجہد و کاوش کی ہے۔ انھوں نے عدل و انصاف کے حصول کے لیے آزادی و

حریت کا راستہ اپنایا۔ اس خطے کی غلامی میں مبتلا زوال پذیر قوم میں آزادی کی اُمنگ پیدا کی۔ ظلم وستم اور جبر و استحصال کے خلاف مزاحمت کا مشکل راستہ اختیار کیا۔ غلامی کی زنجیریں توڑنے کا جذبہ بیدار کیا۔ آزادی وحریت اور عدل وانصاف کے کام کے لیے تن من دھن کی قربانی دی۔

قوموں کی ترقی کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے ان رہنمایانِ قوم کی جدوجہد کا طریقہ، ان کا فکر و فلسفہ اور عملی سیرت وکردار کو اپنے سامنے رکھیں۔ ان کے زندگی بخش افکارِ صالحہ کی اساس پر تعمیرِ نو اور تشکیلِ جدید کا راستہ اپنائیں۔ خصوصاً انتشار زدہ حالت میں افکار کی یکسوئی، اعمال کی وحدت اور کردار کی پختگی تبھی حاصل ہوتی ہے، جب قومی آزادی کے سچے رہنماؤں کا صحیح تعارف حاصل ہو۔

معاشروں کی درست خطوط پر تشکیل کے لیے جہاں انسانیت کی آفاقی اقدار و روایات اور صحیح فلسفہ وفکر سے آگہی اور ان سے شعوری وابستگی کی ضرورت و اہمیت ہوتی ہے، وہیں پر عصری تقاضوں کا فہم اور روحِ عصر کے مطابق صحیح حکمتِ عملی کی تشکیل بھی انتہائی ناگزیر حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے کہ زمینی حقائق اور معروضی تقاضوں کا صحیح ادراک، روحِ عصر کو سمجھے بغیر نہیں ہوسکتا۔ معروضی حقائق سمجھے بغیر کی جانے والی جدوجہد اور کوشش خواہ کتنے ہی مخلصانہ طریقے اور بلند و بالا افکار و خیالات اور اعتقادات کی بنیاد پر کی جائے، پورے طور پر نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوا کرتی۔ اس لیے قوموں کی کام یابی میں عصری تقاضوں کا شعور رکھنے والی قیادت ہی بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

اس حوالے سے اگر دیکھا جائے تو روحِ عصر کے تقاضوں کی تکمیل کے لیے دین اسلام کی تعلیمات سے رہنمائی لینے کے لیے ہر دور میں ''مجددین'' کی ضرورت رہی ہے۔ تجدیدی کام میں بنیادی اصول اور آفاقی اقدار تبدیل نہیں ہوا کرتے۔ بلکہ عصری تقاضوں کے مطابق اِن آفاقی اصولوں کی عملی صورت گری پر مبنی نظامِ فکر وعمل قائم کرنے کے لیے تجدیدی کردار ادا کیا جاتا ہے۔

برعظیم پاک و ہند میں علمائے ربانیین کی اولوالعزم جماعت نے اس آخری زمانے میں، جب کہ اس خطے کے انسان ظلم و جبر، غلامی اور پستی کا شکار ہوگئے تھے، عصری تقاضوں کو بہ خوبی سمجھا۔ انھوں نے روحِ عصر کو سامنے رکھتے ہوئے، اس خطے کی اقوام کو زوال سے نکالنے کے لیے دین اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں درست حکمتِ عملی اور صحیح طریقۂ کار وضع کیا۔ یوں بلاشبہ انھوں نے ایک تجدیدی کردار ادا کیا۔

ولی اللّٰہی جماعت کا تجدیدی اور انقلابی کردار

دورِ زوال کے کٹھن حالات میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ تک ولی اللّٰہی جماعت نے روحِ عصر کے تقاضوں کو سمجھ کر دین کی جامعیت اور تجدیدی اور انقلابی کردار کو برقرار رکھا۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، سید احمد شہیدؒ، شاہ

محمد اسماعیل شہیدؒ، شاہ محمد اسحاق دہلویؒ، سیّد الطائفہ حاجی امداداللہ تھانویؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، قطبِ عالم مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ، شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ وغیرہم مجددین کی اس جماعت کے عظیم الشان افراد ہیں۔

اس جماعت نے اس دو ڈھائی سو سالہ دور میں اس خطے کی انسانیت کو غلامی سے نجات دلانے اور آزادی اور حریت سے ہم کنار کرنے کے لیے بڑی عظیم جدوجہد اور کوشش کی۔ امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کا فتویٰ دارالحرب ہو یا حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کا مجاہدانہ کردار، معرکہ بالاکوٹ میں اپنی جانوں کی قربانی پیش کرنے کا عمل ہو یا 1857ء کی جدوجہدِ آزادی میں سیدالطائفہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ اسرارہم کی عظیم جدوجہد اور کوشش ہو۔ یہ سب دین اسلام کی سیاسی تعلیمات کا انقلابی اثر اور نتیجہ ہے۔ ان حضرات علمائے ربانیین نے اس خطے کی مظلوم اقوام کو غلامی سے نجات دلانے کے لیے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی عظیم انقلابی شخصیت

چودھویں صدی ہجری کے ابتدائی عشرے گزرتے ہیں تو دین اسلام کی تعلیمات پر قائم آخری حکومت، ’خلافتِ عثمانیہ‘ اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود زوال کا شکار ہوجاتی ہے۔ پُرانا معاشرتی اور سماجی ڈھانچہ ختم ہوجاتا ہے۔ جنگِ عظیم اوّل کے نتیجے میں عالمی سامراجی ممالک دنیائے انسانیت پر قابض اور مسلط ہوجاتے ہیں۔ اس عالم گیر جنگ کے نتیجے میں ہونے والی تباہی کے تناظر میں دین اسلام کی انقلابی تعلیمات کے حوالے سے اس دور میں نئے تقاضے سامنے آتے ہیں۔ خاص طور پر سیاسی، معاشی اور سماجی حوالے سے یہ سوال انتہائی اہمیت اختیار کرگیا کہ اس دور میں دین اسلام کی انقلابی تعلیمات کا عملی اظہار، قومی اور بین الاقوامی کردار کس نوعیت کا ہونا چاہیے۔

اس دور میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹاؒ کی عظیم انقلابی شخصیت اُبھرتی ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ علومِ شریعت کے پختہ کار عالم، سلوک وطریقت کے ماہر نباض اور اپنے دور کی سیاست کے اُتار چڑھاؤ اور اس کے تقاضوں کے مطابق جدوجہد اور کوشش کرنے والے بہترین قومی رہنما اور دینی رہبر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس طرح وہ دین اسلام کے تمام شعبوں شریعت، طریقت اور سیاست کے جامع ہیں۔ انھوں نے 1857ء کے ظلم وستم پر مبنی پُرآشوب دور کے بعد اس خطے میں جدوجہدِ آزادی کے لیے تحریک چلائی۔ اور علومِ نبوت کی اساس پر انسانوں کی سیاسی رہنمائی کے لیے بڑا بھرپور کردار ادا کیا۔ ایسے ماحول میں جب کہ ظلم و جبر کی وجہ سے آزادی اور حریت کی بات کرنا، جان جوکھوں کا کام تھا، حضرت شیخ الہندؒ اور ان

کے رُفقائے کار نے بڑی دلیری، جرأت مندی اور ہمت کے ساتھ تحریکِ آزادی کا علَم بلند کیا۔ اس تحریک ِ آزادی کا پس منظر، اس کی حقیقت و ماہیت اور اس کے اثرات ونتائج کیا رہے؟ اس کا مطالعہ کرنا' موجودہ دور کی بڑی بنیادی ضرورت ہے۔

شیخ الہندؒ اور ان کی تربیت یافتہ جماعت کے اولوالعزم افراد نے زمانے کے اُتار چڑھاؤ کا مشاہدہ کیا۔ روحِ عصر کے تقاضوں کا ادراک کیا۔ بدلتے ہوئے حالات کا جائزہ لیا۔ سیاسی، معاشی تغیرات وتبدلات اور سماجی وعمرانی معاہدات کی قرارواقعی نوعیت کا تجزیہ کیا۔ پھر دین اسلام کے آفاقی اصولوں اور نبویؐ فلسفہ و فکر کے اساسی نظامِ فکر وعمل کو سامنے رکھتے ہوئے برعظیم پاک و ہند میں بسنے والی اقوام کے لیے ایسا درست لائحۂ عمل اختیار کیا، جس سے خطے کی اقوام نے آزادی حاصل کی۔ اُسے غلامی سے نکل کر قومی اور ملّی تقاضوں کے مطابق نظام قائم کرنے کے مواقع حاصل ہوئے۔ اس طرح اس اولوالعزم جماعت نے عصری تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی طے کردہ حکمتِ عملی کے مطابق بلاخوف و خطرعظیم جدوجہد کی اور بڑی قربانیاں دیں۔ آج بڑی ضرورت ہے کہ ہماری نوجوان نسل اس دور کے مسائل حل کرنے کے لیے روحِ عصر کے تقاضوں کو سمجھے اور ان حضرات کی جدوجہد اور کوشش و کاوش کا شعور حاصل کرے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی انقلابی حکمتِ عملی کے بنیادی نکات

حضرت شیخ الہندؒ نے برطانوی سامراج کے خلاف اپنی انقلابی جدوجہد کے نتائج اور ثمرات کا جائزہ لیا۔ 1920ء کے بعد کے معروضی حالات کے تناظر میں کام کرنے کی حکمتِ عملی متعین کی۔ اس دور میں دین اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں سماجی تبدیلی کے انقلابی اصول اور ان پر عمل درآمد کی حکمتِ عملی متعارف کرائی، جس کی روشنی میں اگلے دور میں انسانیت کی آزادی و حریت اور اس کی بقا کی تعمیری جدوجہد نئے انقلابی رُخ پر آگے بڑھتی ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی متعین کردہ حکمتِ عملی کے بنیادی نکات درجِ ذیل ہیں:

1۔ اسلام ایک جامع دین اور مکمل نظامِ حیات ہے، جو تمام مذہبی، تمدنی، اَخلاقی اور سیاسی ضرورتوں کو پورا کرنے کا ایک کامل اور مکمل نظام رکھتا ہے۔ دینی تعلیمات کا یہ تقاضا ہے کہ آزادی کے بعد تمام انسانوں کے لیے پُراَمن سیاسی نظام، عدل و انصاف پر مبنی معاشی نظام اور خدمتِ انسانیت کی بنیاد پر سماجی نظام تشکیل دیا جائے۔ حضرت شیخ الہند تحریر فرماتے ہیں:

''اسلام صرف عبادات کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ تمام مذہبی، تمدنی، اَخلاقی، سیاسی ضرورتوں کے متعلق ایک کامل اور مکمل نظام رکھتا ہے۔ جو لوگ کہ زمانۂ موجودہ کی کشمکش میں حصہ لینے سے کنارہ کرتے ہیں اور صرف حجروں میں بیٹھے رہنے کو اسلامی فرائض کی ادائیگی کے لیے کافی سمجھتے ہیں، وہ اسلام کے پاک وصاف دامن پر ایک دھبہ لگاتے ہیں۔ ان کے فرائض صرف نماز

روزہ میں منحصر نہیں، بلکہ اس کے ساتھ اسلام کی عزت برقرار رکھنے اور اسلامی شوکت کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ان پر ہے۔'' (9)

2۔ مسلمانوں کی عزت وافتخار اور کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ عقل وشعور، صبر واستقامت اور دلیری کے حامل پختہ کار، بلند خیال، باشعور اور ہوش مند افراد تیار کیے جائیں۔

چناں چہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے تاسیسی خطبے میں ارشاد فرماتے ہیں:

''دو چار پھڑکتے ہوئے جملے بلاشبہ عارضی طور پر مجلس کو محظوظ کرسکتے ہیں، مگر میں خیال کرتا ہوں کہ میری قوم اس وقت فصاحت و بلاغت کی بھوکی نہیں ہے۔ اور نہ اس قسم کی عارضی مسرتوں سے اس کے درد کا اصلی درمان ہوسکتا ہے۔ اس کے لیے ضرورت ہے ایک قائم و دائم جوش کی۔ نہایت صابرانہ ثباتِ قدم کی۔ دلیرانہ مگر عاقلانہ طریق عمل کی۔ اپنے نفس پر قابو پانے کی۔ غرض! ایک پختہ کار، بلند خیال اور ذی ہوش محمدی بننے کی۔'' (10)

3۔ دینی اور عصری تعلیم وتربیت کے ایسے ادارے بنائے جائیں، جو سامراجی حکومت کی اعانت اور اُس کے اثر سے آزاد ہوں۔ جن میں قومی اور ملّی شعور پیدا کرتے ہوئے بلند خیالی، تدبر اور ہوش مندی سکھائی جائے۔ حضرت شیخ الہندؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''زمانے نے خوب بتلا دیا ہے کہ تعلیم سے ہی بلند خیالی، تدبر اور ہوش مندی کے پودے نشو ونما پاتے ہیں۔ اور اسی کی روشنی میں آدمی نجاح وفلاح کے راستے پر چل سکتا ہے۔ ہاں! ضرورت اس کی ہے کہ وہ تعلیم مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو اور اغیار کے اثر سے بالکل آزاد ہو۔ کیا بہ اعتبارِ عقائد و خیالات کے اور کیا بہ اعتبار اَخلاق و اعمال کے اور کیا بہ اعتبار اوضاع و اطوار کے، ہم غیروں کے اثرات سے پاک ہوں۔ ہماری عظیم الشان قومیت کا اب یہ فیصلہ نہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنے کالجوں سے بہت سستے داموں کے غلام پیدا کرتے رہیں۔...

اے نونہالانِ وطن! جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد (جس سے میری ہڈیاں پگھلی جا رہی ہیں) کے غم خوار مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور سکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور میرے چند مخلص احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا۔ اور اس طرح ہم نے ہندوستان کے دو تاریخی مقاموں (دیوبند اور علی گڑھ) کا رشتہ جوڑا۔ کچھ بعید نہیں کہ بہت سے نیک نیت بزرگ میرے اس سفر پر نکتہ چینی کریں اور مجھ کو اپنے مرحوم بزرگوں کے مسلک سے منحرف بتائیں، لیکن اہل نظر سمجھتے ہیں کہ جس قدر میں بہ ظاہر علی گڑھ کی طرف آیا ہوں، اُس سے کہیں زیادہ علی گڑھ میری طرف آیا ہے۔... آپ میں سے جو حضرات محقق اور باخبر ہیں، وہ جانتے

ہوں گے کہ میرے اکابر سلف نے کسی وقت بھی کسی اجنبی زبان کے سیکھنے یا دوسری قوموں کے علوم وفنون حاصل کرنے پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا۔'' (11)

4۔ قوموں پر غلامی مسلط ہونے کی صورت میں، سامراجی طاقتوں کے خلاف قومی آزادی کی جدوجہد، بلاتفریق رنگ،نسل، مذہب انسانی بنیادوں پر ہونی چاہیے۔

حضرت شیخ الہندؒ تحریر فرماتے ہیں:

''دونوں قومیں (مسلمان اور ہندو) مل کر ایک ایسے زبردست دشمن کے مقابلے کے لیے کھڑے ہوجاؤ، جو تمھارے ملک میں تمھاری آزادی کو پامال کر رہا ہے۔ جماعتِ علما جو حقیقتاً مسلمانوں کے مذہبی قائد ہیں، ان کا فرض ہے کہ اس وقت موقع کی نزاکت اور اہمیت کو نظر انداز نہ کریں۔ آپس کے نزاع اور اختلاف میں پڑ کر اصل مقصد کو خراب نہ کریں۔ ورنہ مسلمانوں کی خرابی اور بربادی کی تمام ذمہ داری انھیں پر عائد ہوگی۔'' (12)

5۔ آزادی وحریت کی ایسی قومی اور ملّی جدوجہد اجتماعی مشاورت اور تنظیمی قوت کے ساتھ ہونی چاہیے۔ اجتماعی مشاورت سے ہٹ کر انفرادی اور ذاتی مفادات کے تحت نہیں ہونی چاہیے۔

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں:

''حضرت حق جل شانہٗ نے آیت شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (13) (اور ان سے کام میں مشورہ لیجیے) میں اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حکم فرمایا کہ آپ اپنے اصحابِ کرام سے مشورہ فرمایا کریں۔ اور پھر مسلمانوں کی شان بھی یہی فرمائی کہ وہ اپنے اُمور کا آپس میں مشورہ کر کے فیصلہ کرتے ہیں۔ جس سے صاف طور سے ثابت ہوگیا کہ مسلمانوں کے تمام کام بالخصوص ایسے کام جن کا مسلمانوں کی جماعت سے تعلق ہے، آپس کے مشورے سے ہونا چاہئیں۔'' (14)

6۔ قومی جدوجہدِ آزادی کے لیے ضروری ہے کہ عدمِ تشدد کی حکمتِ عملی اختیار کرتے ہوئے عوامی طاقت کو بنیاد بنایا جائے۔ تشدد اور قتل و غارت گری قومی تباہی کا راستہ ہے اور اغیار کے ہاتھوں کھیلنے کے مترادف ہے۔ قومی اتحاد کی طاقت سے دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں:

''آپ کو معلوم ہے کہ علمائے ہند کی ایک کثیر جماعت یہ فیصلہ کرچکی ہے کہ چوں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے پاس مدافعتِ اعدا (دشمن سے مقابلے) کے مادّی اسباب نہیں ہیں۔ ...آج احتجاج اور مطالبۂ حقوق کے میدان صرف مظاہروں کے پلیٹ فارم ہیں۔ خلوتیں اور تنہائی کی راتیں اس کے لیے کافی نہیں ہیں۔ اگر موجودہ زمانے میں توپ، بندوق اور ہوائی جہاز کا

استعمال مدافعتِ اعدا کے لیے جہاد ہوسکتا ہے، باوجود یہ کہ قرونِ اولیٰ میں یہ چیزیں نہ تھیں، تو مظاہروں اور قومی اتحادوں اور متفقہ مطالبوں کے جواز میں بھی تأمّل نہ ہوگا۔'' (15)

حضرت شیخ الہندؒ نے ان نکات کی روشنی میں مسلمانوں کی اجتماعی قوت سے منظّم کیے گئے عصری تعلیم کے ادارے ''جامعہ ملیہ دہلی'' کی بنیاد رکھی، تاکہ اجتماعی اور قومی سوچ رکھنے والے افراد تیار ہوں۔ دینی جماعتوں کے نمائندوں پر مشتمل 'جمعیت علمائے ہند' کی بڑی عظیم الشان اجتماعیت قائم کی۔

یہی وہ بنیادی اشارات اور نکات ہیں، جن کے بارے میں مولانا سندھیؒ نے فرمایا ہے:

''مولانا شیخ الہندؒ چند اشارات مستقبل کے لیے دے گئے تھے۔ میں اپنی ذمہ داری پر تحریک کا تیسرا دور چلانا چاہتا ہوں۔ **و اللّٰہ المستعان و لا حول و لا قوّۃ إلاَّ باللّٰہ.**'' (16)

بلاشبہ آزادی اور حریت کے حوالے سے آنے والے دور میں کام کرنے کی حکمتِ عملی کے یہی اہم نکات تھے، جنھیں حضرت شیخ الہند مولانا محمودحسن قدس سرہٗ نے دین اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں انقلابی نقطۂ نظر سے بڑی خوبی کے ساتھ واضح کیا۔ مولانا سندھیؒ نے ان اشارات و نکات کے پیچھے کارفرما مسلمانوں کی تیرہ سوسالہ تاریخ کے انقلابی فلسفے کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

اس تناظر میں یہ ضروری قرار پاتا ہے کہ مجددین علمائے ربانیین کی جدوجہد پر مشتمل اس تیرہ سوسالہ تاریخ کا تحلیل و تجزیہ کرکے تاریخی ادوار کا تعین کیا جائے۔ ان تاریخی ادوار میں اسلام کے ارتقائی تطورات کس نشیب و فراز سے گزرے۔ اس مطالعے سے اسلام کے آفاقی اصولوں کی روشنی میں اس دور کے قومی اور ملّی تقاضوں کا کیاحل پیش کیا جاسکتا ہے۔

کتاب کے مضامین پر ایک نظر

اس پس منظر میں امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہؒ سے لے کر حضرت شیخ الہند مولانا محمودحسن قدس سرہٗ تک مجددین اُمت کے تاریخی تسلسل کے تعارف اور اُن کے تجدیدی اور انقلابی کردار کی وضاحت کے لیے یہ عظیم کتاب ''**التّمهيد لتعريف أئمّة التّجديد**''تحریر کی ہے۔ انھوں نے یہ عظیم الشان کتاب 1930ء میں اُس وقت لکھی تھی، جب وہ تحریکِ ریشی رومال کے سلسلے میں افغانستان، روس، ترکی، سوئٹزرلینڈ سے ہوتے ہوئے حجاز پہنچ کر حرمِ مکہ میں تشریف فرما تھے۔ اس کتاب میں انھوں نے سب سے پہلے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ اور حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ سے لے کر اپنے استاذ شیخ الہند حضرت مولانا محمودحسن قدس سرہٗ تک اس دور کے مجددین کے سلسلۂ افکار و تعلیمات، سلسلۂ اسناد اور تاریخی تسلسل کا تعارف پیش فرمایا ہے۔ اس کے بعد امامِ اعظم ابوحنیفہؒ اور خلفائے راشدین کے تاریخی تسلسل کا مرحلہ وار جائزہ لیا ہے اور ان کی اسناد بیان کی

ہیں۔ اس طرح ان حضرات کے فکر وعمل کے تناظر میں روحِ عصر کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے 1920ء کے بعد موجودہ دور میں کام کرنے کی حکمتِ عملی اور دینی غلبے کی جدوجہد کا صحیح راستہ متعین کیا۔

1۔ ولی اللّٰہی فکر کی روشنی میں مولانا سندھیؒ کا نظریۂ تاریخ

1920ء کے بعد مسلمانوں کا قومی اور بین الاقوامی نظامِ حکومت شکست و ریخت سے دوچار ہوا۔ زوال اور کمزوری کے اس دور میں مسلمانوں کی گزشتہ تاریخ کے مطالعے کی روشنی میں زوال سے نکلنے کے لیے ایک جامع فلسفۂ تاریخ کی ضرورت سامنے آتی ہے۔ چناں چہ گزری ہوئی تاریخ کے مراحل اور ادوار کا تعین کرنا، اُن کے مطالعے کی روشنی میں فلسفۂ تاریخ مرتب کرنا اور اس کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے آئندہ کی حکمتِ عملی بنانا ضروری ہوجاتا ہے۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے اس حوالے سے مکہ مکرمہ میں بیٹھ کر خوب غور و خوض کیا۔ پھر اپنے مطالعے کے نتائج اس کتاب میں جمع کردیے۔ اسی طرح مولانا سندھیؒ کا نظریۂ تاریخ مربوط طور پر سامنے آجاتا ہے۔ فلسفہ تاریخ متعین کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تاریخی ادوار کے اُتار چڑھاؤ اور نشیب و فراز کا مطالعہ انتہائی تحقیقی انداز میں کیا جائے۔ ایسے مطالعے کے لیے تاریخی ادوار و اطوار کا حقائق کی روشنی میں تعین کرنا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ مولانا سندھیؒ نے یہ تاریخی فریضہ سرانجام دیا اور نبوی تعلیمات کی روشنی میں ولی اللّٰہی نظریۂ تاریخ کو سامنے رکھا ہے۔

فلسفۂ تاریخ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

> ''جب انسانیت کا ایک حصہ کسی بڑے قطعۂ زمین میں لمبی مدت تک مل جل کر رہتا ہے اور قدرتِ الٰہیہ اس کی طبعی ترقی کے ساتھ عقلی اور اَخلاقی بلندی کا سامان بھی بہم پہنچاتی ہے۔ یعنی اس میں انبیائے کرام اور اولیائے عظام کے ساتھ اصلح سلاطین اور حکام بھی پیدا ہوتے ہیں، یا حکما اور شعرا کے ساتھ عدالت شعار بادشاہ اور بلند ہمت سپاہی برسرکار آتے ہیں۔ اس طرح وہ بڑی قوم ترقی کے تمام مدارج طے کرتی ہے۔ اپنی حکومت کا نظام بناتی ہے، جس سے ظلم کی بیخ کنی ہو۔ شہر بساتی ہے۔ علم و ہنر پھیلاتی ہے۔ جس سے رفاہیت عامہ کا سامان بہم پہنچتا ہے۔ اس کی ہمسایہ قومیں اس کی رفاقت اور سرپرستی میں اپنی فلاح سمجھتی ہیں۔ اگر اس کی اجتماعی تاریخ کو انسانیت کے عام پسند عقلی افکار و اخلاق پر مرتب کیا جائے تو اسے ''حکمت الادیان'' یا ''فلسفۂ تاریخ'' کہا جائے گا۔'' (17)

برعظیم پاک و ہند کے وسیع ترین علاقے میں اسلام کی آمد ۳۱ھ/ 652ء میں ہوئی۔ جنگِ عظیم اوّل کے نتیجے میں خلافتِ عثمانیہ کا زوال ہوا۔ اس کے اثرات اس خطے پر بھی مرتب ہوئے۔ اس طرح اس خطے میں اسلام کی آمد سے لے کر ۱۳۴۰ھ/ 1922ء تک تیرہ سو سال تک ہندوستان کے وسیع ترین علاقے میں

دین اسلام کی تعلیمات کے اثرات رہے۔ اسلام کی اساس پر اس خطے میں علمی ،فکری، سیاسی، معاشی، سماجی جس قدر بھی تبدیلیاں ہوئیں، انھیں مربوط طور پر سمجھنے کے لیے مولانا سندھیؒ نے برصغیر پاک و ہند کی تاریخ کو پانچ مراحل اور بارہ ادوار پر تقسیم کیا ہے۔ انھوں نے اس علاقے میں آنے والی تاریخی لہروں کو منضبط انداز میں سمجھا ہے۔ تاریخ کو اس طرح سمجھنے کے لیے مولانا سندھیؒ نے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے اسلوبِ فکر کو سامنے رکھا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا اسلوب یہ ہے کہ وہ قرآن حکیم کی نصوص، احادیثِ مبارکہ اور خلفائے راشدین کی عملی جدوجہد کی روشنی میں ہی کسی علم وفکر کے بنیادی نکات متعین کرتے ہیں۔ چناں چہ تاریخی ادوار کے تعین کے لیے بھی مولانا سندھیؒ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس حدیث کی ولی اللّٰہی تشریح کو پیشِ نظر رکھا ہے، جس میں آپؐ نے ''خیر القرون'' کی حقیقت بیان فرمائی ہے۔

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء'' میں خیر القرون کی تشریح کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کردہ یہ حدیث لائے ہیں:

''عن عبداللّٰه (بن مسعود) عن النّبیّ صلّی اللّٰه علیه و سلّم:

''خیر النّاس قرنی، ثمّ الّذین یلونهم، ثمّ الّذین یلونهم، ثمّ یجیء من بعدهم قومٌ: تسبق شهادتُهم أیمانَهم، و أیمانُهم شهادتَهم.'' (18)

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر وہ لوگ جو ان کے قریب تر ہوں، پھر وہ جو ان کے قریب تر ہوں۔ پھر ایسی قوم آئے گی کہ (مال و جاہ کے حصول کی جلد بازی میں) کبھی گواہی کے الفاظ، قسم اٹھانے سے پہلے ادا کرے گی اور کبھی قسم کے الفاظ گواہی دینے سے پہلے ادا کرے گی۔)

اس حدیثِ نبویؐ کی تشریح کرتے ہوئے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں:

''قرنِ اوّل از زمانِ ہجرتِ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم است تا زمانِ وفاتِ وے صلی اللہ علیہ وسلم۔ وقرنِ ثانی از ابتدائے خلافتِ حضرت صدیق تا وفاتِ حضرت فاروق رضی اللہ عنہما۔ وقرنِ ثالث قرنِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ۔ و در ہر قرنے قریب بہ دوازدہ سال بودہ۔

قرن در لغت: قوم ''متقارنین فی السّنّ''۔ بعد ازاں قومے کہ در ریاست وخلافت مقترن باشند، گفتہ شد۔ چوں خلیفہٗ دیگر باشد، و وزرا حضورِ دیگر، و امرائے دیگر، و رؤسا جیوشِ دیگر، و سپاہیانِ دیگر، و حربیانِ دیگر، و ذمیانِ دیگر، تفاوت قرون باہم مے رسد۔'' (19)

(ا۔ پہلا قرن (دَور) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے زمانے سے شروع ہو کر آپؐ کے وِصال تک ہے۔ (اھ/ 622ء تا ااھ/ 632ء)

۲۔ دوسرا قرن (دَور) حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے آغاز سے لے کر حضرت عمر فاروقؓ کی وفات تک ہے۔ (۱۱ھ/ 632ء تا ۲۴ھ/ 643ء)

۳۔ تیسرا قرن (دَور) حضرت عثمانؓ کا زمانہ ہے۔ (۲۴ھ/ 643ء تا ۳۵ھ/ 656ء)

ان میں سے ہر ایک ''قرن'' (دور) تقریباً بارہ سال کا ہوتا ہے۔

''قرن'' کا لفظ لغت میں ایسی قوم کے لیے بولا جاتا ہے، جو تاریخی سن کے حساب سے ہم عصر ہو۔ اس کے بعد یہ لفظ ایسی قوم کے لیے استعمال کیا جانے لگا، جو خلافت وحکومت اور ریاست کے نظام میں ہم عصر ہوں۔ چناں چہ جب کوئی نیا حکمران اور خلیفہ آ جائے، نئے لوگ اُس کے وزرا بن جائیں، عوام، فوج کے سپاہی اور سپہ سالارانِ لشکر تبدیل ہوجائیں اور دشمنوں کا نظام بھی بدل جائے تو ایسی صورت میں ایک دور دوسرے دور سے مختلف ہوجاتا ہے۔)

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ہندوستان کی تیرہ سو سالہ مسلم تاریخ کے مراحل اور ادوار کے تعین کے لیے حدیثِ نبوی کی اسی ولی اللّٰہی تشریح کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ چناں چہ جب بھی نظامِ حکومت کے طور طریقے بدلے، نئی حکمران جماعت آئی، اُن کے دشمنوں کا نظام بدلا تو مولانا سندھیؒ نے اُسے ایک نیا تاریخی مرحلہ اور نیا دور قرار دیا۔ اس طرح انھوں نے پوری مسلم تاریخ کے پانچ مراحل یا ''اطوار'' اور بارہ ادوار متعین کیے ہیں۔ اس کی مزید وضاحت مولانا سندھیؒ کی اُس عبارت سے بھی ہوتی ہے، جو انھوں نے ''التّمهيد'' کے ابتدائی مسودے میں کچھ اس طرح سے تحریر فرمائی ہے:

''**مبدأ أدوار التّاريخ لايكون إلاّ إنقلابًا عموميًّا، يتغيّر بهٖ ذهنية عامّة النّاس من الحالة السّيّئة إلىٰ الحالة الحسنة، أو فتنة إرتجاعية يفسد بها النّظام الإرتقائی، فالفتن الّتی حدثت فی الإسلام قبل تمكّن الحكومة فی الهند لانبحث عنها إلّا إجمالاً.**'' (20)

(تاریخ کے مختلف ادوار کا آغاز یا تو کسی ایسے عمومی انقلاب سے ہوتا ہے، کہ جس سے (سماجی زندگی میں) بری حالت سے اچھی حالت کی جانب طرف تبدیلی پیدا ہونے پر عام لوگوں کے ذہن وفکر میں تغیر وتبدل ہوجائے۔ یا ایسے رجعت پسند فتنے سے کسی دور کا آغاز ہوتا ہے، جس نے سوسائٹی کے ارتقائی نظام میں فساد برپا کردیا ہو۔ اسلام کی تاریخ میں ایسے فتنے، جو ہندوستان میں (اسلام کی) حکومت قائم ہونے سے پہلے پیدا ہوئے، ان سے ہم یہاں صرف اجمالی طور پر بحث اور گفتگو کرتے ہیں۔)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی تاریخ میں جب بھی کوئی مثبت انقلاب اور تبدیلی پیدا ہو یا کوئی منفی

تغیر آئے اور اس کے اثرات خاصے عرصے تک انسانی سوسائٹی پر مرتب ہوں تو وہ تاریخ کا ایک دور یا مرحلہ قرار پائے گا۔ حضرت سندھیؒ نے ''التــمهيــد'' کے اس ابتدائی مسودے میں دلیل کے طور پر حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی وہ عبارت پیش کی ہے، جو انھوں نے ''حجّة اللّٰه البالغه'' میں ایک حدیث کی تشریح میں بیان کی ہے:

''قال صلّی اللّٰه عليه و سلّم:

''إنّ هــذا الأمـر بدأ نبـوّةً و رحـمةً، ثـمّ يـكـون خـلافةً و رحـمةً، ثمّ مُلكـاً عضوضاً. ثمّ كائن جبريّةً و عتوّاً و فساداً فی الأرض..'' (21)

(حضورؐ نے ارشاد فرمایا: ''اس حکومت کا آغاز نبوت اور رحمت سے ہوا۔ پھر خلافت اور رحمت ہوگی۔ پھر سخت نظم و ضبط والی ملکی حکمرانی ہوگی۔ پھر ظلم و جبر اور زمین میں فساد ہوگا۔...)

اس حدیثِ نبویؐ کی تشریح میں امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''أقول:

(١) فالنّبوّة إنقضت بوفاة النّبیّ صلّی اللّٰه عليه و سلّم.

(٢) و الخلافة الّتی لاسيف فيها بمقتل عثمانؓ.

(٣) و الخلافة بشهادة علیؓ و خلع الحسنؓ.

(٤) و الملک العضوض مشاجرات بنی اُميّة و مظالمهم إلٰی ان استقر أمر معاويةؓ.

(٥) و الـجـبـرية و الـعتـوّ خـلافة بـنـی عبّاس، فإنّهم مهّدوها علٰی رسوم کسریٰ و قيصر.''(22)

(میں کہتا ہوں کہ:

(۱) ''نبوت'' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ختم ہوگئی۔

(۲) ایسی ''خلافت''، جس میں باہمی لڑائی جھگڑا نہیں تھا، حضرت عثمانؓ کی شہادت پر پوری ہوگئی۔

(۳) حضرت علیؓ کی شہادت اور حضرت حسنؓ کی دست برداری پر ''خلافت'' ختم ہوگئی۔

(۴) 'سخت نظم و ضبط کی حکمرانی' سے مراد بنواُمیہ کے جھگڑوں اور باہمی لڑائیوں کا سلسلہ، یہاں تک کہ حضرت معاویہؓ کی مستحکم طور پر حکومت قائم ہوئی۔

(۵) 'ظلم و جبر کی حکمرانی' سے مراد خلافتِ بنوعباس ہے کہ انھوں نے عام طور پر قیصر و کسریٰ کی رسوم اختیار کر لی تھیں۔)

اس حدیث اور اس کی ولی اللّٰہی تشریح سے پتا چلتا ہے کہ جب بھی تاریخ میں ایسے واقعات و حادثات

رونما ہوں اور حکمرانی کے نظام اور طور طریقوں میں تبدیلیاں پیدا ہو جائیں تو وہ ایک تاریخی دور کہلائے گا۔

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ان احادیثِ نبویہؐ اور ان کی ولی اللّٰہی تشریحات کی روشنی میں تاریخ کے مطالعے کا نظریہ متعین کیا۔ اس طرح انھوں نے اس کتاب میں ہندوستان میں اسلام کی آمد سے لے کر جنگِ عظیم اوّل میں خلافتِ عثمانیہ کے زوال تک کل پانچ مراحل اور بارہ ادوار کا تعین کیا۔ جس کی تفصیلات اس کتاب کے دوسرے مقالے "سبیل الرّشاد" میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

2۔ ہندوستان کی قومی تاریخ کے پانچ مراحل اور بارہ ادوار

مولانا سندھیؒ نے ولی اللّٰہی نظریۂ تاریخ کی اساس پر ہندوستان کی تاریخ میں اسلامی خلافت کے انقلاب سے لے کر ہندوستانیوں کی مستقل حکومت کے قیام اور اس خطے پر برطانوی سامراج کے تسلط تک درجِ ذیل پانچ مراحل (اَطوار) اور تاریخی ادوار متعین کیے ہیں:

1۔ پہلا تاریخی مرحلہ؛ ہندوستان کے کچھ علاقوں کا خلافتِ عربیہ (بنواُمیہ) میں شامل ہونا

پہلا دور: ہندوستان میں اسلام کی آمد کا پہلا دور
فتح کابل سے لے کر شہادتِ عثمانؓ تک
۳۱ھ تا ۳۵ھ/ 652ء تا مئی 656ء

دوسرا دور: ہندوستان میں اسلام کی آمد کا دوسرا دور
محمد بن قاسمؒ کی آمد سے لے کر ہارون الرشید عباسی تک
۹۲ھ تا ۱۹۳ھ/ 711ء تا 809ء

2۔ دوسرا تاریخی مرحلہ؛ خلافتِ عربیہ (عباسیہ) کے زمانے میں غیرعرب اقوام کی ہندوستان پر حکومت

تیسرا دور: غیرعربی اقوام کی ہندوستان پر حکومت کا دور
مامون الرشید سے لے کر سلطان محمود غزنویؒ کی فتح لاہور تک
۱۹۳ھ تا ۴۱۲ھ/ 809ء تا 1021ء

3۔ تیسرا تاریخی مرحلہ؛ خلافتِ عربیہ کے زمانے میں ہندوستانی اقوام کی ہندوستان پر حکومت

چوتھا دور: خلافت کے ماتحت ہندوستانی اقوام کی سلطنت کا دور
سلطان محمود غزنوی سے لے کر سلطان خسرو شاہ تک
۴۱۲ھ تا ۵۴۷ھ/ 1021ء تا 1152ء

پانچواں دور: خلافت کے ماتحت ہندوستان میں سلطنتِ اسلامیہ کا دور
سلطان خسرو شاہ سے سلطان فیروز شاہ تغلق تک

۵۴۷ھ تا ۷۹۰ھ/ 1152ء تا ستمبر 1388ء

4۔ چوتھا مرحلہ؛ ہندوستان میں مستقل ہندوستانی سلطنت کا قیام

چھٹا دور: خود مختار ہندوستانی سلطنت کے دور کا آغاز

سلطان فیروز شاہ تغلق سے لے کر سلطان بہلول لودھی تک

۷۹۰ھ تا ۸۵۵ھ/ ستمبر 1388ء تا نومبر 1451ء

ساتواں دور: خود مختار وطنی سلطنت اور حکومت کا دور

سلطان بہلول لودھی سے لے کر سلطان جلال الدین محمد اکبر تک

۸۵۵ھ تا ۹۸۷ھ/ نومبر 1451ء تا 1579ء

آٹھواں دور: ہندوستان کی وطنی سلطنت کا دورِ عروج

سلطان جلال الدین محمد اکبر سے لے کر سلطان نور الدین جہانگیر تک

۹۸۷ھ تا ۱۰۳۶ھ/ 1579ء تا 1627ء

نوواں دور: قومی سلطنت میں دین اسلام کی تجدید و تکمیل کا دور

سلطان شاہ جہاں سے لے کر سلطان اورنگزیب عالمگیر تک

۱۰۳۶ھ تا ۱۱۱۸ھ 1627ء تا 1707ء

5۔ پانچواں تاریخی مرحلہ؛ (مرہٹوں، انگریزوں اور مسلمانوں پر مشتمل) ہندوستانی ملتوں کا قیام

دسواں دور: مرہٹوں اور مسلمانوں کی کشمکش کا دور

سلطان اورنگزیب سے لے کر سلطان عالم گیر ثانی (جنگ پانی پت) تک

۱۱۱۸ھ تا ۱۱۷۴ھ/ 1707ء تا 1761ء

گیارہواں دور: انگریزوں اور مسلمانوں کی کشمکش کا دور

پانی پت کی جنگ سے لے کر سلطان بہادر شاہ ظفر تک

۱۱۷۴ھ تا ۱۲۷۴ھ/ 1761ء تا 1857ء

بارہواں دور: انگریز سامراج کی غلامی کا دور

دہلی پر برطانوی بادشاہ کے تسلط سے لے کر خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے تک

۱۲۷۴ھ تا ۱۳۴۰ھ/ 1857ء تا 1922ء

ہندوستان کی تاریخ کے مرحلہ وار تاریخی ادوار کی اس تقسیم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تاریخ میں جب بھی کسی اہم واقعے یا کردار کے سبب کوئی تبدیلی ہوئی اور اس کے نتیجے میں سماجی زندگی میں ایسا مثبت یا منفی تغیر

پیدا ہوا تو اس سے ایک نئے دور کا آغاز اور گزشتہ دور کا اختتام متعین کیا گیا ہے۔ چوں کہ حضرت سندھیؒ ہندوستان کی تاریخ کے ادوار اور مراحل متعین کر رہے ہیں، اس لیے صرف ہندوستانی سماج میں ہونے والے تغیرات و تبدلات کو انھوں نے اپنے پیش نظر رکھا ہے۔

اس کتاب میں مولانا سندھیؒ نے تاریخ کے ان اطوار و مراحل اور ادوار میں مرحلہ وار جو تبدیلیاں اور تغیرات ہوئے، انھیں بہت اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ انھوں نے ہر دور کے واقعات کا تحلیل و تجزیہ کرتے ہوئے اس تاریخی دورانیے کے علمی، فکری، سیاسی، سماجی اثرات کا خلاصہ چند جملوں میں نکات کی صورت میں بیان کر دیا ہے۔ اسی طرح ان بارہ ادوار میں آنے والے مجددین اُمت کا تعارف اور اُن کے فکر و عمل کے بنیادی نکات حضرت سندھیؒ نے بڑی خوبی کے ساتھ جمع کر دیے ہیں۔ اسی کے ساتھ ان حضرات کا سلسلۂ سند اور تاریخی تسلسل بھی مستند کتابوں سے اخذ کر کے یک جا مرتب کر دیا ہے۔

3۔ سنین کے تعین کے حوالے سے مولانا سندھیؒ کا نظریہ

انسانی معاشروں کی تشکیل کے لیے اوقات و ایام کی تاریخی ترتیب بڑی اہمیت کی حامل رہی ہے۔ ماہ و سنین کی صحیح ترتیب کی بنیاد پر ہی درست تقویمات اور کیلنڈر وجود میں آتے ہیں۔ اسی کے ذریعے سے انسانوں کی سماجی تاریخ کے اہم واقعات کا تعین کیا جاتا ہے۔ اس طرح تاریخی واقعات کا تحلیل و تجزیہ اور تاریخی ادوار کے ارتقا کے اہم پہلو آنے والی نوجوان نسل کے سامنے آتے ہیں۔ نیز تقویمات اور کیلنڈر کی بنیاد پر ہی حکومتی نظام ہائے حیات چلتے ہیں۔ اس طرح ہر سماجی تشکیل میں تاریخی حوالے سے مرتب کردہ تقویمات بنیادی اہمیت کی حامل رہی ہیں۔

ابتدائے زمانہ سے ہی اوقات و ایام کی گنتی اور شمار کے لیے اور ماہ و سال کے لیے سورج یا چاند کی گردش کو بنیاد بنا کر شمسی یا قمری کیلنڈر بنائے جاتے رہے ہیں۔ ان ایام و سنین میں ہونے والے اہم واقعات سے ہی عام طور پر تقویمات اور کیلنڈر شروع کی جاتی رہی ہیں، جیسا کہ حضرت مسیحؑ کی ولادت سے عیسائیوں نے شمسی کیلنڈر تشکیل دیا اور حضورؐ کی ہجرتِ مدینہ سے مسلمانوں نے قمری کیلنڈر تشکیل دیا۔ اس حوالے سے مولانا سندھیؒ نے اس کتاب میں چار طرح کے تاریخی سنین کا استعمال کیا ہے۔

”ہم نے اس کتاب میں چار طرح سے تاریخ کے سنین بیان کیے ہیں:

1۔ **سنِ ہجری**: ان کے مہینے چاند کے حساب سے ہیں۔

2۔ **سنِ بعثتِ نبوی**: یہ سنِ ہجری پر 13 سال کے اضافے کے ساتھ شروع کیے گئے ہیں۔ ان کے مہینے بھی چاند کے حساب سے ہیں۔

3۔ **سنِ حنیفی**: حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش سے اس کا آغاز ہوتا ہے۔ اس

کے مہینے شمسی حساب سے ہیں۔ جیسا کہ مشہور مسیحی مہینے ہوتے ہیں۔ ان کے عین مطابق
سن حنفی کے مہینے ہیں۔ یہ مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے سن سے 2000 سال پہلے ہے۔
چناں چہ یکم جنوری 1930 عیسوی کو یکم جنوری 3930 حنفی شمار کی جائے گی۔

4۔ **سنِ ولی اللّٰہی سرور اجی**: اس کی ابتدا 3651 حنفی (1651ء + 2000ء) سے
ہوتی ہے۔ اس کے مہینے بھی عیسوی سن کے مہینوں کے مطابق شمسی حساب سے ہیں۔ اس
سن کے آغاز کا حساب ہم نے سلطان شاہ جہاں کے زمانے میں جامع مسجد دہلی کی
(1651ء میں) بنیاد رکھنے سے کیا ہے۔ اس لیے کہ ولی اللّٰہی طریقے کے بانی امام ولی اللہ
دہلویؒ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ اس واقعۂ مبارکہ کے موقع پر موجود تھے۔'' (23)

سن ہجری اور سن بعثتِ نبوی تو واضح ہیں۔ چوں کہ مولانا سندھیؒ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر کی روشنی میں اسلام کی اساس حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملتِ ابراہیمیہ حنفیہ کو مانتے ہیں، مولانا سندھیؒ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ دنیا کی بین الاقوامی تشکیل کے اس زمانے میں امامِ انسانیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دنیا میں آمد سے ''سن حنفی'' کا آغاز ہونا چاہیے۔ حضرت ابراہیم کے بارے میں قرآن میں ارشاد ہوا:

''إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا'' (24)

(میں نے تمھیں انسانیت کا امام بنایا ہے)

انسانی بنیادوں پر بین الاقوامی نظام کے لیے ضروری ہے کہ میلادِ مسیح علیہ السلام سے عیسوی کیلنڈر کو اپنانے کی بجائے اس دور کا بین الاقوامی کیلنڈر سن حنفی کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔ اس پر عمل کا آسان طریقہ شمسی حوالے سے عیسوی کیلنڈر پر 2000 سال کا اضافہ کرنا ہے۔ اس لیے کہ مؤرخین کا کہنا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً دو ہزار سال قبل پیدا ہوئے تھے۔ سنّ حنفی کے استعمال سے دنیائے انسانیت کی اکثریت ایک عالمی کیلنڈر پر یکساں طور پر خوش دلی سے متفق ہوسکتی ہے۔

اسی طرح ہندوستان میں امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تعلیمات پر کام کرنے والی جماعت اگر ولی اللّٰہی سن شروع کرنا چاہے تو اس کا آغاز ہندوستان کی مسلم تاریخ کے مثالی دور کے حکمران شاہ جہاں کے زمانے میں جامع مسجد دہلی کے سن افتتاح (1651ء) سے کیا جاسکتا ہے۔

4۔ ہندوستان کی تاریخ میں مسلمانوں کا مثالی دورِ حکومت

مولانا عبیداللہ سندھیؒ ہندوستان میں مسلمانوں کے ان تاریخی ادوار میں سب سے مثالی اور اہم دور سلطان شہاب الدین شاہ جہاں اور سلطان اورنگزیب عالمگیر کے دورِ حکومت کو قرار دیتے ہیں۔ خاص طور پر سلطان محی الدین اورنگزیب عالمگیر کو وہ اس دور کا مجدد قرار دیتے ہیں۔ سلطان عالمگیر کی تمام تر تعلیم و

تربیت حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کے تجدیدی کام کے نتیجے میں ہوتی ہے۔ چناں چہ نوویں دور کے تاریخی حقائق بیان کرتے ہوئے مولانا سندھیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''ہندوستان میں بسنے والے لوگوں کی تاریخ میں یہ زمانہ (۱۰۳۶ھ - ۱۱۱۸ھ/ 1627ء - 1707ء) اسلام کے ادوار میں سب سے بہترین دور ہے۔ سلطان شہاب الدین محمد شاہ جہاں ''صاحبقرانِ ثانی'' نے تختِ سلطنت پر بیٹھتے ہی پہلے سال لوگوں کو بادشاہوں کے سامنے سجدۂ تعظیم کرنے سے منع کردیا تھا۔ یہ امامِ ربانی شیخ احمد سہرندیؒ کی تجدیدی کام کے اثر کو قبول کرنے کی سب سے بڑی ظاہری دلیل ہے۔ اس کے بعد سلطان شاہ جہاں ہمیشہ شریعتِ اسلام رائج کرنے اور جو کچھ پہلے فساد ہو چکا تھا، اس کی اصلاح کرنے میں لگے رہے۔ یہاں تک کہ اُن کے بعد ان کے بیٹے امام مجدد سلطان محی الدین محمد عالمگیر آئے اور انھوں نے اس تجدیدی کام کی تکمیل کی۔ اس طرح انھوں نے اپنی سلطنت کو — جو ہندوستان کے تمام علاقوں پر مشتمل تھی — علمی اور عملی حوالے سے دینی بنا دیا۔

علامہ (غلام علی بلگرامی) آزادؒ ''مآثر الکرام'' میں لکھتے ہیں کہ:

''حقیقت یہ ہے کہ اکبر بادشاہ کے زمانے میں اسلام کی بنیاد میں کمزوری اور کوتاہی نے راستہ پیدا کرلیا تھا۔ صاحبقرانِ ثانی (سلطان شاہ جہان) نے ازسرِنو قوانینِ شریعت کی بنیاد رکھی اور سلطان اورنگزیب عالمگیر نے اُسے مکمل کیا۔ اِن دونوں بادشاہوں — حق تعالیٰ انھیں اپنی پناہ میں رکھے — نے اسلامیانِ ہند پر اپنا ایک بہت بڑا حق ثابت کردیا ہے۔'' انتھیٰ

ہم نے اس دور (۱۰۳۶ھ تا ۱۱۱۸ھ) کے ائمہ میں سے امامِ ربانی (شیخ احمد سرہندیؒ) کو امام مانا ہے۔'' (25)

حضرت مجدد صاحبؒ کے تجدیدی کام کے نتیجے میں تقریباً سو سال تک کا یہ دور ایک سنہرا دور ہے۔

5۔ 1857ء کے بعد حضرت نانوتویؒ کے بیان کردہ اساسی اصول

بارھواں تاریخی دور (1857ء تا 1922ء) مسلمانوں کے لیے اس حوالے سے روح فرسا تھا کہ جنگِ آزادی 1857ء کے بعد انگریز سامراج کا اس ملک پر مکمل تسلط ہوگیا۔ حکومتی نظام سے چن چن کر مسلمانوں کو نکال دیا گیا۔ ان کی سیاسی اور معاشی حیثیت ختم کرکے رکھ دی گئی۔ ان کی علمی اور سرکاری زبان فارسی اور عربی ختم کردی گئی۔ ایسے موقع پر دین اسلام کی جامعیت کی اساس پر کام کرنے کے بنیادی اساسی اصول متعین کرنا بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

اس موقع پر علمائے دیوبند کے سرخیل حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دینی کام کرنے کے اساسی

اصولوں کا تعین کیا۔ ان اصولوں کی نشان دہی کرتے ہوئے مولانا سندھیؒ لکھتے ہیں:

''1857ء کے بہت بڑے انقلاب کے بعد، جب کہ ہندوستان کی حکومت سے مسلمان ذہنیت رکھنے والے تقریباً 300 ملین لوگ نکال دیے گئے۔ ہندوستان کی سرکاری اور علمی زبان، فارسی اور عربی سے تبدیل کر کے انگریزی بنا دی گئی۔...

ایسے حالات میں مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ (بانیٔ دارالعلوم دیوبند) نے دینی کام کرنے کا جو طریقہ دریافت کیا، اُس کے بنیادی اصول درجِ ذیل ہیں:

1۔ ولی اللّٰہی طریقے کی اساس پر دینی علوم وفنون کو حاصل کرنے کی دعوت دینا۔

2۔ کتاب وسنت کو مسلمانوں کے تمام طبقات میں پھیلانے کے لیے جدوجہد اور کوشش کرنا۔

3۔ اس کے لیے قابض اور مسلط حکومت سے تعاون نہ لینا، بلکہ اپنا مال اور جان خرچ کرنا۔

4۔ امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے میں تجدید کرتے ہوئے ہندوستان میں دین کے غلبے کی تحریک کو نئے رُخ پر ڈالنا۔

5۔ فلسفۂ ولی اللّٰہی کے اصولوں میں انتہائی گہرا غور و خوض کرتے ہوئے اُسے اس طرح آسان بنانا کہ ہندوستان کے لوگوں کی ذہنیت کے قریب ہوجائے۔

6۔ ماہرینِ فلسفہ کی طے کردہ ''مخصوص اصطلاحات'' کو چھوڑ کر عام ہندوستانیوں کی زبان (اُردو) میں اس فلسفہ وفکر کو سمجھانا۔

یہ وہ طریقہ ہے جسے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اختیار کیا۔ چوں کہ انتہائی مشکل اور نامساعد حالات میں ان اصولوں کے مطابق کام کرنا ایک آدمی کی جدوجہد اور کوشش سے نہیں ہوسکتا تھا، بلکہ اس کے لیے انسانوں کی ایک بڑی جماعت اور بیت المال کے قیام کی ضرورت تھی۔ اس کے لیے امام محمد قاسم نانوتویؒ نے (تعلیم و تربیت اور انتظامی اُمور چلانے کے) بنیادی اساسی اصول (ہشت گانہ) متعین کیے۔ اس کی بنیاد پر عملی نظام ترتیب دیا۔ اس طرح امام ولی اللہ دہلویؒ کی اتباع کرنے کے لیے جماعتوں کو ایک جگہ جمع کیا اور انھیں اس کام کے لیے اُبھارا۔ یہ ہے وہ جماعت، جس کا نام ہم نے ''دیوبندی جماعت'' رکھا ہے۔

چناں چہ شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ نے اپنی اکثر کتابیں خالص اُردو زبان میں لکھی ہیں۔ جن میں عام طور پر فارسی اور عربی زبان کے الفاظ استعمال نہیں کیے، حتیٰ کہ بعض اوقات وہ ''**الحمد والصّلوٰۃ**'' بھی اردو میں لکھتے ہیں۔ چناں چہ ہندوستان میں بسنے والے لوگ ان کی کتابوں میں ''**بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم**'' کے بعد کسی اجنبی زبان کا کوئی کلمہ نہیں پاتے۔

ان کا طرزِ خطاب، عام ولی اللٰہی افراد سے قطعاً مختلف ہے۔ وہ اُن سے بھی اسی طرح مخاطب ہوتے ہیں، جیسا کہ وہ عیسائیوں اور ہندوؤں کے علما سے عمومی خطاب کرتے ہیں۔ اسی لیے اُن کے بیان کردہ بنیادی اور اساسی اصول باقی لوگوں کے اندازِ گفتگو اور تحریرات سے مختلف ہوتے ہیں۔ حضرت نانوتویؒ کا طریقۂ کار یہ ہے کہ وہ ہر مسئلے کو بیان کرنے کے لیے پہلے اُس کے مقدمات (اور تمہید) بیان کرتے ہیں۔ پھر واضح دلائل کے ساتھ اُس کے وجدانی اُمور کی نشان دہی کرتے ہیں۔'' (26)

6۔ خلافتِ عثمانیہ کے زوال کے بعد کے دور کا تحلیل و تجزیہ

جنگِ عظیم اوّل کے بعد خلافتِ عثمانیہ کے زوال سے جو دور شروع ہوتا ہے، مولانا سندھیؒ نے اس کا بھی تحلیل و تجزیہ بڑی خوبی کے ساتھ کیا ہے۔ انھوں نے اس دور میں مسلمانوں کی مجموعی حالت کا تجزیہ اس لیے بھی ضروری سمجھا کہ اس کے ذریعے سے دین اسلام کی تعلیمات کی اساس پر انسانی فلاح و بہبود کا بہتر معاشرہ قائم کرنے کے لیے صحیح خطوط پر جدوجہد اور کوشش کی جائے۔

یہ دور مولانا سندھیؒ کی نظروں کے سامنے گزرا۔ مولانا سندھیؒ کو 1915ء تک ہندوستان کی علمی، فکری اور سیاسی قیادت سے ملنے کا موقع ملا۔ سات سال تک افغانستان کے حکمرانوں اور علم و دانش کے علم برداروں کے ساتھ واسطہ پڑا۔ چار سال تک خلافتِ عثمانیہ کے مرکز ترکی میں جمہوریت اور انقلاب کی دعوے دار مسلم قیادت سے سابقہ پڑا۔ اس طرح تقریباً تیس سال تک مسلم معاشروں میں موجود علمی، فکری اور سیاسی قیادت سے براہِ راست تعلقات، مکالمے اور مباحثات کے بعد مولانا سندھیؒ نے اس دور کے مسلمان حکمران طبقوں کے بارے میں جو حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا ہے، وہ درجِ ذیل ہے:

''میرا یہ تجزیہ ہے کہ مسلمان معاشروں میں جو کچھ اجتماعی طاقت باقی ہے، وہ بادشاہوں کی وراثت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ اس سے میری مراد وہ طبقات ہیں جن میں کچھ تو عیاش اور مفاد پرست حکمران طبقے اور مال دار جماعتیں ہیں، اور کچھ ان کے مفادات کی حفاظت کے لیے گمراہ کرنے والے ''علما'' اور حیلہ ساز ''انقلابی لیڈر'' ہیں، جن میں دورِ حاضر کی سیاست کی سمجھ بوجھ اور اس کا مزاج قطعاً موجود نہیں ہے۔ چناں چہ میرا تجزیہ ہے کہ:

1۔ بادشاہوں کی وراثت پر مبنی اس زوال پذیر قوت پر اعتماد کرنا۔

2۔ ''دین'' اور ''قوم'' کے نام پر اس وراثت کی حفاظت کی کوشش کرنا۔

3۔ ''جمہوریت'' یا ''بادشاہت'' کے عنوان سے ان میں سے کسی خاندان کی حکومت قائم کرنا۔

4۔ ان میں سے کسی ایک فرد کو ملتِ اسلامیہ کے کمانے والے طبقات پر زبردستی حکمران بنانا۔

5۔ ملتِ اسلامیہ کی اصلاح اور ترقی کو ان حکمرانوں کی اصلاح اور ترقی سے وابستہ کرنا۔
اپنے آپ کو دھوکہ دینے اور جہالت کو قبول کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔'' (27)

7۔ انقلابی اصولوں پر کام کرنے کی ضرورت واہمیت

مسلمان معاشروں پر مسلط مفاد پرست اور عیاش حکمران طبقوں، اُن کے کاسہ لیس علم و دانش کے علم برداروں کے اس شاہ پرستانہ کردار کے نتیجے میں دین اسلام کی اساس پر انسانیت کی ترقی اور فلاح و بہبود کا کوئی پروگرام شروع نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اسلام کی اعلیٰ اور ارفع اقدار اور تعلیمات پر عمل درآمد کے لیے اعلیٰ اَخلاق کی حامل مخلص اور باشعور قیادت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے عملی کام کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ دین اسلام کے اعلیٰ اصولوں کو اپنانے کے لیے ان فرسودہ طبقات سے جان چھڑائیں اور ان اصولوں کی روشنی میں ایک ایسی باشعور قیادت وجود میں لائیں، جو مسلمانوں کی نجات کا باعث ہو۔

مولانا سندھیؒ نے اپنے اس تجزیے کے بعد فرسودہ طبقات سے جان چھڑانے اور مسلمان معاشروں کی تشکیل نو کے لیے انقلابی اصول اپنانے کی دعوت دی ہے۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

''(اس تجزیے کے بعد) مجھے اس بات کا پختہ یقین ہوگیا کہ مسلمانوں کی نجات صرف اس میں ہے کہ وہ انقلابی اصولوں کو بڑی مضبوطی سے پکڑ لیں۔ یہ کام بے شک فوری نہ ہوسکے، بلکہ ہر ایک ملک میں جدوجہد کی نوعیت اور اس کے درجات میں فرق کی وَجہ سے اگرچہ کچھ زمانے کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن یہ بات طے ہے کہ نجات کا واحد راستہ انقلابی اصولوں کے اپنانے میں ہے۔ میرا خیال ہے کہ اہل علم علما میں سے سوائے حکیم الہند امام ولی اللہ دہلویؒ کے اور کوئی ایسا عالم نہیں ہے کہ جس کی پیروی اس جیسے عظیم (انقلابی) کام کے سرانجام دینے کے سلسلے میں کی جائے۔'' (28)

ایک ایسے وقت میں جب کہ مسلمان ممالک میں زوال کے نتیجے میں انگریزوں کے زیر اثر تیار ہونے والی قیادت کے ذریعے سے جدید دور کے تقاضوں کی تکمیل کا سامراجی منصوبہ بنایا جا رہا تھا، اور فرسودہ طبقات کو سامراجی مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی، مولانا سندھیؒ نے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ایسے عالم ربانی کے بنیادی فکر و عمل کی اساس پر جدید معاشروں کی تشکیل کی دعوت دی۔

8۔ دینی انقلاب کی جامعیت

مولانا سندھیؒ نے جس دینی انقلاب کی دعوت دی، اُس کے بنیادی خد و خال بھی واضح کیے۔ انھوں نے بڑی خوبی سے اس حقیقت کی وضاحت کی یہ انقلاب خدا پرستی اور انسان دوستی کی بنیاد پر وجود میں آنا ضروری ہے۔ اس کے لیے ایسی قیادت تیار کرنے کی ضرورت ہے جو ایک طرف سچی خدا پرست ہو اور

دوسری طرف انسانیت کی ہمدردی اور خیرخواہی اور اُسے دنیا اور آخرت میں کامیاب بنانے کا جذبہ بھی رکھتی ہو۔ چناں چہ مولانا سندھیؒ مسلمان انقلابیوں کو ایک تنبیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہم مسلمانوں میں سے ہر اُس آدمی کو جو انقلاب کے مسائل سے دلچسپی رکھتا ہے، ایک اہم بات پر متنبہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دینی تحریکات دنیا اور آخرت دونوں کی ترقی اور کامیابیوں کو باہم جمع کرنا چاہتی ہیں۔ جب ہم دنیاوی ترقی کو بہتر انداز میں سمجھنا چاہتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ دینی تحریک دراصل انقلابی تحریک ہوتی ہے۔ یعنی وہ مستضعفین اور کمزور لوگوں کو ظلم سے بچانا چاہتی ہیں۔ انھیں حکومت کا اہل اور اس کا وارث بنانا چاہتی ہیں۔

پھر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انبیاؑ میں سے شرائع الٰہیہ کے ائمہ اور ان کی اتباع کرنے والے لوگ یہ شرط لگاتے ہیں کہ ان کی انقلابی جماعت میں جو آدمی داخل ہو، وہ توحیدِ خداوندی کو ماننے والا ہو، مشرک نہ ہو۔ اس میں حکمت کیا ہے؟ جو بات میرے نزدیک تحقیقی طور پر ثابت ہوچکی ہے، وہ یہ ہے کہ جو آدمی فائدوں کے حصول اور نقصان دہ چیزوں سے بچنے کے لیے اپنے رب، خالق و مالک کو چھوڑ کر کسی دوسرے پر اعتماد کرے گا، اسے اپنے آپ پر بھی پورا اعتماد حاصل نہیں ہوسکتا۔ (29)

اس کتاب کے یہ وہ اہم اور بنیادی نکات اور مضامین تھے، جنھیں مولانا سندھیؒ نے بڑی خوبی کے ساتھ واضح کیا ہے۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے آج سے اسّی نوے سال قبل مسلمان ممالک اور معاشروں کا جو تجزیہ کیا تھا، آج بھی ان ممالک کے سیاسی اور معاشی نظام، علمی اور فکری کردار کے دیوالیہ پن سے عیاں ہے۔ یہ تجزیہ آج بھی اُتنا ہی درست اور صحیح ہے، جتنا تقریباً ایک صدی قبل سچائی پر مبنی تھا۔

آج ذرا مسلمان معاشروں کا جائزہ لیجیے! کہیں ''قومیت'' کے نام پر حکمران مسلط ہیں تو کہیں ''جمہوریت'' کا ڈھونگ رچایا گیا ہے۔ کہیں ''اسلامی حکومت'' کے نعرے ہیں تو کہیں بادشاہت اور ''امارت'' کے نام پر فرسودہ حکمران طبقات مسلط ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام ممالک عالمی سرمایہ داری نظام کے زیرِتسلط ہیں۔ ان ممالک میں بسنے والے عام اور مظلوم انسان ظلم و ستم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ ان کے مسائل گھمبیر تر ہوتے جاتے ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں ان حالات میں جہاں بڑا دخل ان حکمران طبقوں کا ہے، وہاں مولانا سندھیؒ کے انقلابی تجزیے اور معاشروں کی ترقی کے انقلابی اصولوں کو نہ ماننے کا بھی ہے۔ حیرت اور تعجب ہے کہ جس عظیم انقلابی مفکر اور مدبر نے ستر اسّی سال پہلے مسلمان معاشروں کی حالت کا صحیح تجزیہ کیا، یہاں کے مقتدر طبقات اُس کی بات کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، بلکہ ان کے بارے میں طعن و تشنیع کی زبان

کھولتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے۔ قرآن حکیم نے ایسے ہی لوگوں کے لیے یہ کہا ہے:

سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ (30)

(زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ سچوں کو جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہے۔)

کتاب کے مقالات اور ابواب کی ترتیب پر ایک اجمالی نظر

یہ کتاب ''التّمهيد لتعريف أئمّة التّجديد'' درجِ ذیل چار مقالوں پر مشتمل ہے:

1۔ مقامِ محمود

2۔ تحديث العبد الضّعيف بنعمة ربّه اللّطيف

3۔ سبيل الرّشاد كالزّيل علىٰ الانتباه و الإرشاد

4۔ مواقف المسترشدين

زیرِنظر اُردو ترجمہ ابتدائی تین مقالات کا ہے، جب کہ چوتھے مقالے کے ترجمے کا کام جاری ہے۔ انشاء اللہ وہ بھی مرتب ہوکر شائع ہوگا۔ اوّل الذکر تین مقالات کے اقسام، ابواب، انواع اور فصول کا اجمالی خاکہ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

پہلے مقالے ''مقامِ محمود'' میں کل تین ابواب ہیں، جن میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے اپنے استاذ اور مربی و مرشد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ کے علمی اور فکری تسلسل کی وضاحت کی ہے اور اُن کی تمام اسانید یک جا جمع کردی ہیں۔ ان سے آپؒ کے علمی اور فکری مقام کا صحیح اندازا ہوتا ہے۔ مولانا سندھیؒ کی جمع کردہ یہ اسانید کل چالیس ہیں۔

دوسرا مقالہ ''تحديث العبد الضّعيف بنعمة ربّه اللّطيف'' کے عنوان سے ہے، جس میں حضرت سندھیؒ نے اپنی خودنوشت سوانح لکھتے ہوئے ''ایک کمزور بندے پر اپنے مہربان ربّ کی نعمتوں کا شکریہ'' ادا کیا ہے۔ اس میں انھوں نے اپنے حالاتِ زندگی، اپنے فکر و عمل کی تشکیل اور اس کے تدریجی ارتقا کی تفصیل بیان کی ہے۔ اس مقالے میں حضرت سندھیؒ نے اپنی پیدائش ۱۲/محرم ۱۲۸۹ھ/ 10/ مارچ 1872ء سے لے کر یکم/ربیع الاوّل ۱۳۴۹ھ/ 27/جولائی 1930ء تک کے حالات و واقعات بیان کیے ہیں۔ یہ مقالہ ایک مقدمہ اور بارہ ابواب پر مشتمل ہے۔

یہ مقالہ نہ صرف حضرت سندھیؒ کی زندگی کے بہت اہم گوشوں کا نئے زاویوں سے غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے، بلکہ اس مقالے میں جو مضامین ہمارے سامنے آتے ہیں، ان کا تحریکِ آزادی اور اس دور کی سیاسی تعمیر و تشکیل کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے۔ اس مقالے میں انھوں نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور ہزارۂ دوم کے مجددین سے اپنے تعلق اور نسبت، ان حضرات کے تجدیدی اَفکار کی نشان دہی

اور ان کے بیان کردہ انقلابی اصولوں کی وضاحت کی ہے۔

تیسرا مقالہ ''**سبیل الرّشاد کالزّیل علیٰ الانتباہ و الإرشاد**'' کے عنوان سے ہے۔ برصغیر میں تاریخی اطوار و ادوار کی تقسیم پر مشتمل مقدمے کے بعد یہ مقالہ آٹھ اَقسام پر مشتمل ہے۔ ہر ایک ''قِســـم'' کے ذیل میں ''ابواب'' ہیں۔ ہر ''بـــاب'' کے ذیل میں ''انواع'' کا تذکرہ ہے۔ اور پھر ہر ''نـوع'' چند فصلوں پر مشتمل ہے۔ اس طرح اختصار کے ساتھ اس مقالے میں ولی اللّٰہی مشائخ کے تاریخی تسلسل کی وضاحت کی ہے۔ اور فقہا، محدثین، مفسرین، صوفیا، علمائے ربانیین، فلاسفہ وحکما وغیرہ کے تمام سلسلہ ہائے اسناد کا جامعیت کے ساتھ تسلسل بیان کیا ہے۔ یوں یہ مقالہ سینکڑوں علما و مشائخ اور مجتہدین کی سوانح اور سلسلہ ہائے اسناد کا مرقع ہے۔ یہ مقالہ ہندوستان میں اسلام کے غلبے کے تیرہ سو سال کے تاریخی تسلسل کو بڑی خوب صورتی کے ساتھ بیان کرتا ہے۔

یہ مقالہ ایک مقدمہ اور آٹھ اقسام اور اُن کے ذیل میں کئی انواع و ابواب اور فصول پر مشتمل ہے۔

☆ سب سے پہلے ایک مقدمہ ہے، جس میں کابل کی فتح ۳۱ھ / 652ء سے لے کر ۱۳۴۰ھ / 1922ء تک کے تیرہ سو سالہ دور کو پانچ تاریخی اطوار اور مراحل میں تقسیم کیا ہے۔ ہر ایک تاریخی مرحلے کے ذیل میں اہم تاریخی واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے بارہ ادوار کا تعین کیا ہے۔ یوں ہندوستان میں تاریخ اسلام کے کل پانچ اطوار (تاریخی مرحلے) متعین کیے ہیں۔ پھر ان کے ذیل میں تیرہ سو سال کے زمانے کے لیے بارہ ادوار کا تعین کیا ہے۔ اس سلسلے میں ہندوستان کی تاریخ کے گہرے مطالعے سے تمام تاریخی نشیب و فراز کو سامنے رکھتے ہوئے تاریخی مراحل و اَدوار کا دورانیہ متعین کیا ہے۔ اس طرح خلافتِ راشدہ کے زمانے میں ہندوستان ہی کے ایک شہر ''کابل'' کی فتح ۳۱ھ / 652ء سے لے کر ۱۳۴۰ھ / 1922ء تک کل 12 دور ہوتے ہیں۔

1۔ پہلی قسم میں پانچویں تاریخی مرحلے کے دسویں، گیارہویں اور بارہویں دور یعنی ۱۱۱۸ھ / 1707ء تا ۱۳۴۰ھ / 1922ء میں حکیم الہند امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے خانوادے سے وابستہ علما و مشائخ کا مختصر تعارف اور ان کا سلسلۂ سند بیان کیا گیا ہے۔ یہ قسم ایک مقدمے، دو ابواب اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے۔

اس قسم کے ''خاتمہ'' کی آٹھ فصلیں ہیں، جن میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے لے کر امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ترمذیؒ، امام ابوداوٗدؒ، امام محمد بن حسن شیبانیؒ، امام قاضی ابویوسفؒ اور امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ تک مختصر طور پر تمام فقہا، محدثین، مفسرین کے سلسلۂ ہائے اسناد کا تذکرہ کیا ہے۔ اس خاتمے کے مقدمے میں مولانا سندھیؒ نے یہ وضاحت کی ہے کہ:

''ہم نے قسم اول کے اس خاتمے میں فقہا اور محدثین کی ایسی دو سو اسناد جمع کی ہیں، جو ائمہ حنفیہ تک جاتی ہیں۔ تاکہ ایسے لوگ اس سے استفادہ کرسکیں، جو ہماری کتاب کی آنے والی تمام (باقی سات) اقسام کا پوری طرح مطالعہ نہیں کرسکتے۔ اور اجمالی طور پر ولی اللّٰہی جماعت کے اُس سلسلۂ اتصال کو سمجھنا چاہتے ہیں، جو کہ انھیں امام اعظم امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے صحبت یافتہ حضرات کے ساتھ ہے۔ یہی ائمہ احناف ہیں، جن کا فقہی مذہب ایک طویل مدت تک ہندوستان کی سلطنت اور (ترکی کی) خلافتِ عثمانیہ کا سرکاری مذہب رہا ہے۔''

2۔ دوسری قسم میں نوویں دور ۱۰۳۶ھ/ 1627ء تا ۱۱۱۸ھ/ 1707ء کے علما کی اسانید بیان کی گئی ہیں۔ اس قسم کے مقدمے میں اس دور کی بنیادی خصوصیات اور شخصیات کا تذکرہ کرکے دو باب قائم کیے گئے ہیں۔ پہلے باب میں امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی نوویں دور کے علما تک کی اسانید بیان کی گئی ہیں۔ جب کہ دوسرے دور میں خانوادۂ ولی اللّٰہی کے علاوہ دیگر سلسلوں سے وابستہ علما کی اسانید کا بیان ہے۔

3۔ تیسری قسم میں چوتھے مرحلے کے چھٹے، ساتویں اور آٹھویں دور یعنی ۷۹۰ھ/ 1388ء تا ۱۰۳۶ھ/ 1627ء کے علما، فقہا و محققین کی اسانید بیان کی گئی ہیں۔ اس قسم کے مقدمے میں اس دور کے نمایاں واقعات اور اہم علما کا تعارف کرانے کے بعد چار ابواب قائم کیے ہیں، جن میں ہندوستان میں دین اسلام کے اہم اساطین، محدثین و فقہائے احناف کے اہم رہنماؤں، فنونِ تحصیل، علم اصول اور علم کلام و فلسفہ کے اہم علما اور شافعی اور مالکی ائمہ کی اسانید کا بیان ہے۔

4۔ چوتھی قسم میں پانچویں دور ۵۴۲ھ/ 1152ء تا ۷۹۰ھ/ 1388ء کے علما، فقہا، حکما اور فلاسفہ کی اسانید کا بیان ہے۔ اس قسم میں پہلے ایک مقدمے میں اس دور کی خصوصیات بیان کی ہیں۔ پھر تین ابواب میں اس دور میں ہندوستان میں قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ سلاسل کے صوفیا، حنفی فقہا اور فنونِ تحصیل، علم اصول، مناظرہ اور فلسفہ کے اہم علما کی اسانید کا تذکرہ ہے۔

5۔ پانچویں قسم میں تیسرے مرحلے کے چوتھے دور یعنی ۴۱۲ھ/ 1021ء تا ۵۴۷ھ/ 1152ء کے رہنمایان، صوفیائے کرام، فقہائے مجتہدین کی اسانید کا تذکرہ ہے۔ پہلے ایک مقدمے میں اس دور کی اہم خصوصیات بیان کی گئی ہیں اور پھر دو ابواب میں اس دور میں سید الطائفہ حضرت امام جنید بغدادیؒ کے متبعین صوفیا اور فقہ حنفی کی فقہائے مجتہدین، صحاح ستہ کے مصنفین ائمہ محدثین کی اسانید کا تذکرہ ہے۔

6۔ چھٹی قسم میں دوسرے مرحلے کے تیسرے دور یعنی ۱۹۳ھ/ 809ء تا ۴۱۲ھ/ 1021ء کے ائمہ

مرشدین، فقہائے محققین کی اسانید کا تذکرہ ہے۔ اس قسم میں پہلے ایک مقدمے میں اس دور کی خصوصیات اور اہم تاریخی حقائق کا تذکرہ ہے۔ اور پھر دو ابواب میں طریقت کے حصول کے قوانین وضع کرنے والے ائمہ مرشدین، مجتہدین منتسبین اور فقہائے محققین کی اسانید کا تذکرہ ہے۔

7۔ ساتویں قسم میں پہلے مرحلے کے دوسرے دور یعنی ۹۲ھ/ 711ء تا ۱۹۳ھ/ 809 کے ائمہ، داعیین انقلاب اور فقہا، ائمہ مجتہدین، خاص طور پر امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا نظریۂ انقلاب اور ان کے سلسلہ ہائے سند کا تذکرہ ہے۔ اس قسم میں پہلے ایک مقدمہ ہے، جس میں اس دور کی اہم شخصیات کا تعارف ہے۔ اور پھر دو باب قائم کیے گئے ہیں۔

پہلے باب میں اس دور میں انقلاب کی دعوت دینے والے ائمہ کی اسانید کا تذکرہ ہے۔ جن میں امام جعفر صادقؒ، امام موسیٰ کاظمؒ، امام زید بن علی شہیدؒ، نفس زکیہ محمد بن عبداللہ شہیدؒ، امام ابراہیم بن عبداللہ شہیدؒ، امام حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب (حسن مثنیٰ) اور امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کی اسانید کا تذکرہ کرتے ہوئے امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کی انقلابی دعوت کی پوری تشریح امام ابوبکر جصاص رازیؒ کے حوالے سے بیان کی ہے۔ دوسرے باب کی پہلی نوع میں امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کے تربیت یافتہ اصحاب میں سے خلافتِ اسلامیہ میں قضا و افتا اور تعلیم و تدریس قائم کرنے والے فقہائے مجتہدین اور فقہائے محدثین کی اسانید کا تذکرہ ہے۔

8۔ آٹھویں قسم میں پہلے مرحلے کے دورِ اوّل یعنی آغازِ ہجرت سے لے کر ۳۵ھ/ 656ء میں خیر القرون تک امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ کے سلسلۂ سند اور اس دور میں شریعت، طریقت اور سیاست کی جدوجہد کا تاریخی تذکرہ بیان کیا ہے۔ اس میں بھی پہلے ایک مقدمے میں خیر القرون کی تشریح کی گئی ہے اور پھر دو باب قائم کیے گئے ہیں۔ پہلے باب میں امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ کی خیر القرون کے ائمہ تک کی اسانید بیان کی گئی ہیں۔ جن میں امام ابراہیم نخعیؒ، عامر بن شراحیل شعبیؒ، ائمہ اہل بیت اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے خانوادے کے ائمہ کی اسانید کا بیان ہے۔

دوسرے باب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک امام ابوحنیفہؒ کے سلسلۂ صحبت کا تذکرہ ہے۔ جس میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے واسطے سے امام ابراہیم نخعیؒ کے سلسلۂ صحبت کا تذکرہ کرتے ہوئے صوفیا کے سلاسل صحبت کے بارے میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بیان کردہ تصوف کے چاروں ادوار کے تذکرے پر مشتمل تحقیق کا بیان ہے۔

آٹھ اقسام پر مشتمل اس مقالے "سبیل الرّشاد" کی تکمیل مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ۸ر رجب

۱۳۴۹ھ/ 29/نومبر 1930ء کو مکہ مکرمہ میں کی ہے۔ اس طرح ان آٹھ قسموں میں انواع، ابواب اور فصلوں کے ذیل میں تیرہ سو سالوں میں آنے والے مجددین، فقہا، ائمہ مجتہدین، محدثین، مفسرین اور صوفیا کے علوم و معارف کی اسانید کا بہترین جامع تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے۔

علومِ اسلامی کے تاریخی تسلسل سے آگہی حاصل کرنے والوں کے لیے یہ مقالہ یقیناً بصیرت افروز ہے۔ اس کے مطالعے سے دینی فکر و شعور کے تاریخی تسلسل سے پوری آگہی ہو جاتی ہے۔ اس سے مختصراً ولی اللّٰہی سلسلے کا تاریخی تسلسل اور ان حضرات کے پورے سلسلۂ اسناد کا تعارف سامنے آجاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آئندہ آنے والی نسل میں دینی تعلیمات کی منتقلی کے حوالے سے تاریخی تسلسل کی بڑی اہمیت ہوا کرتی ہے۔ اس تناظر میں مولانا سندھیؒ کا یہ کام بڑا ہی وقیع اور نہایت اہمیت کا حامل ہے۔

اس کتاب کا چوتھا مقالہ ''مواقف المسترشدین'' کے عنوان سے ہے۔ مولانا سندھیؒ نے اس مقالے میں ہزارۂ دوم کے مجددین، خاص طور پر ولی اللّٰہی جماعت کے اُس تجدیدی کام کا تعارف کرایا ہے، جو انھوں نے علم حدیث، علم فقہ اور فن تطبیق الآرا کے حوالے سے کیا ہے۔ یہ مقالہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ تک علمائے ربانیین کے علوم و اَفکار کے تجدیدی پہلوؤں کی وضاحت کرتا ہے۔ اس مقالے میں ان حضرات کا تجدیدی مؤقف بڑی جامعیت کے ساتھ سامنے آتا ہے۔

کتاب کے دستیاب مطبوعہ اور قلمی نسخوں کے مطابق اس مقالے میں درجِ ذیل تین ''مَوْقِف'' ہیں:

[i] **المَوقِف الأوّل فی الفِقْہ**

[ii] **المَوقِف الثّالث فی تاریخِ شیوعِ الحدیث فی الھِند**

[iii] **المَوقِف السّادس فی ما یتعلّق بالتّطبیق**

اس تناظر میں دیکھا جائے تو اس مقالے میں ''المَوقِف الثّانی''، ''المَوقِف الرّابع'' اور ''المَوقِف الخامس'' بھی ہونے چاہئیں، لیکن کتاب کے مطبوعہ نسخے اور دارالعلوم دیوبند کی لائبریری سے دستیاب قلمی نسخے میں صرف اوّل الذکر تین ''مَوْقِف'' ہیں۔

حضرت سندھیؒ نے ہندوستان آنے کے بعد ''امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کا اجمالی تعارف'' کے نام سے ایک مقالہ لکھا تھا۔ جو ماہ نامہ ''الفرقان'' بریلی میں ۱۳۵۹ھ/ 1940ء میں چھپا تھا۔ اس مقالے میں مولانا سندھیؒ نے (۱) تفسیر، (۲) حدیث، (۳) فقہ، (۴) تصوف، (۵) فلسفہ اور (۶) فنونِ تحصیل و تطبیق کے چھ عنوانات پر بڑی جامعیت کے ساتھ ولی اللّٰہی علوم و افکار کے تجدیدی پہلوؤں کی نشان دہی کی ہے۔ اس مقالے کے مطالعے سے اندازا ہوتا ہے کہ غالباً مولانا سندھیؒ عربی زبان میں بھی

"المَوقِف فی التّفسیر"، "المَوقِف فی التّصوّف" اور "المَوقِف فی الفلسفة"

لکھنا چاہتے تھے، جو یقیناً مواقف المسترشدین کا حصہ ہوتے، لیکن کتاب کے مطبوعہ اور دستیاب قلمی نسخوں میں یہ موجود نہیں ہیں۔ اب یہ معلوم نہیں کہ یہ مواقف تحریر کیے گئے یا نہیں۔ واللہ اعلم!

اس کتاب کے مقالات کا اجمالی خاکہ اس حقیقت کی نشان دہی کرتا ہے کہ امام انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے اس کتاب کی صورت میں ہندوستان میں دینی علوم و معارف کا تاریخی تسلسل اور ان کے شریعت، طریقت اور سیاست کے حوالے سے اثرات و نتائج پر مشتمل فلسفہ تاریخ متعین کر دیا ہے۔ خاص طور پر ائمہ مجددین کے انقلابی اور تجدیدی کردار کے مختلف پہلوؤں اور ان کے سلسلہ ہائے اسناد کے تاریخی تسلسل کی خوب وضاحت ہے۔ اور علوم و معارف کے میدان میں جن علمائے ربانیین، محدثین، مفسرین اور بلند مرتبت سیاسی رہنماؤں نے جو انقلابی کارہائے نمایاں سرانجام دیے اور تجدیدی کردار ادا کیا، اس کو پورے تسلسل اور تاریخی ترتیب کے ساتھ ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ اس طرح پوری جامعیت کے ساتھ انقلابی علمائے ربانیین کے تاریخی تسلسل اور فلسفہ تاریخ کا تعارف قارئین کے سامنے آ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی کتاب "التمهيد لتعريف أئمّة التّجديد" کے ان تینوں مقالات "مقامِ محمود"، "تحديث العبد الضّعيف بنعمة ربّه اللّطيف" اور "سبيل الرّشاد كالزّيل علىٰ الانتباه و الإرشاد" کا اردو ترجمہ پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے، کم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دینی شعور و آگہی کے حوالے سے اس کتاب سے پورا پورا فیض حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ انشاء اللہ العزیز اس کتاب کے چوتھے مقالے "مواقف المسترشدین" کو بھی جلد اُردو قالب میں ڈھال کر قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔

اس موقع پر ہم اپنے مربی و مرشد حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہٗ مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے فیض نظر کا ضرور تذکرہ کریں گے کہ جن کے نفس قدسیہ کے فیوضات و برکات اور ان کی ہدایات و نگرانی کے نتیجے میں ہم اس قابل ہوئے کہ اس کتاب کو اردو کے قالب میں ڈھال سکیں۔ یقیناً یہ انھیں کی صحبتوں اور تعلیم و تربیت کا اثر ہے کہ اس خطے کے عظیم ولی اللّٰہی سلسلے کے بزرگوں کے افکار کو سمجھنے اور ان کی تعلیمات سے آگہی کا درس ہمیں ملا۔ بلاشبہ انھوں نے اپنی زندگی کے انتہائی قیمتی سال ولی اللّٰہی فکر کے فروغ میں صَرف کیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں ان علمائے ربانیین کے فکر و عمل کو شعوری طور پر سمجھنے اور اس کے مطابق علمی، فکری اور عملی جدوجہد اور کوشش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور دنیا و آخرت کی بھلائی نصیب فرمائے۔ آمین!

مختصر نقوشِ زندگی

امامِ انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ

درمیانہ قد، گول چہرہ، متوازن نقش و نگار، ذہانت کی آئینہ دار موٹی موٹی چمک دار آنکھیں، گورا رنگ، سفید داڑھی چہرے کے رنگ کے عین مطابق، ننگا سر بالوں سے بے نیاز، سفید کھدر کا لمبا کرتہ، سفید کھدر کی شلوار زیبِ تن، جاذبِ قلب و نظر شخصیت کے مالک اور بڑے متحرک، اسلوبِ کلام پر اعتماد اور شانِ جلالی ہر لفظ میں نمایاں۔

وِلادت

مولانا عبید اللہ سندھیؒ ۱۲؍محرم الحرام ۱۲۸۹ھ/ 10مارچ 1872ء بروز جمعۃ المبارک طلوعِ فجر سے پہلے، پنجاب کے مردم خیز ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں ''چیانوالی'' میں ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ بچپن سے ہی ذہانت وفطانت کے آثار ظاہر تھے۔ آپؒ کے والد آپؒ کی پیدائش سے چار ماہ پہلے فوت ہو چکے تھے۔ آپؒ کی پیدائش کے دو سال بعد دادا کا بھی انتقال ہوگیا۔ ان کی والدہ انھیں لے کر اپنے والدین کے گھر شہر ''جام پور'' ضلع ڈیرہ غازی خان (پنجاب) چلی گئیں۔

ابتدائی تعلیم

۱۲۹۵ھ/ 1878ء میں چھ سال کی عمر میں ''جام پور'' کے اُردو مڈل سکول میں تعلیم کا آغاز ہوا۔ آپؒ نے اپنے تعلیمی دور میں ریاضی، الجبرا، اُقلیدس اور تاریخ ہند سے متعلق علوم وفنون بڑی دلچسپی سے پڑھے۔ تاریخ و فلسفہ اور ریاضی آپ کے پسندیدہ موضوعات تھے۔ اسی دوران آپ کو کتابوں کے مطالعے کی عادت ہوگئی۔ جو کتاب بھی دستیاب ہوتی، اُسے پڑھ ڈالتے تھے۔

''تُحفۃُ الہِند'' سے اسلام کی حقانیت کا ادارک

۱۳۰۱ھ/ 1884ء میں کتاب ''تُحفۃُ الہِند'' آپؒ کے ہاتھ لگی، جو ایک ہندو برہمن سے مسلمان ہونے والے عالم مولانا مولوی عبید اللہ مالیرکوٹلوی المعروف ''مولوی پنڈت'' کی لکھی ہوئی تھی۔ اس میں

ہندوؤں کے عقائد کی کمزوری دلائل سے واضح کی گئی تھی۔ حضرت سندھیؒ خود تحریر فرماتے ہیں:

''میں نے اس کتاب کا مطالعہ بڑی پابندی سے کیا۔ یہاں تک کہ میں اسے اچھی طرح سمجھ گیا، بلکہ اسے حفظ کرلیا۔ اس کتاب کی بدولت اللہ تعالیٰ نے مجھے عقائدِ اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔'' (31)

''تقويةُ الإيمان'' سے ایمان کی مضبوطی

اس کے بعد تین سال تک خفیہ طور پر نماز روزہ اور شریعت کی ابتدائی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اسی دوران حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے پوتے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی کتاب **''تقويةُ الإيمان''** پڑھی۔ اس سے اسلام کے عقائد مزید پختہ ہوگئے۔ اسی دوران رمضان ۱۳۰۴ھ/ 1887ء کے کچھ روزے بھی رکھے، لیکن گھر والوں کی سختی کی وجہ سے اس رمضان کے باقی روزے ترک کرنا پڑے۔

اظہارِ اسلام اور ''عبیداللہ'' نام

۲۴؍ذی قعدہ ۱۳۰۴ھ/ 15 اگست 1887ء کو، جب کہ آپ مڈل کلاس کی تیسری جماعت میں پڑھتے تھے، اظہارِ اسلام کے لیے اپنے وطن سے نکلے اور ''کوٹلہ رحم شاہ ضلع مظفرگڑھ'' جا پہنچے۔

۹؍ذی الحج ۱۳۰۴ھ/ 29 اگست 1887ء کو سنتِ تطہیر ادا ہوئی۔ اس کے چند روز بعد آپ کے رشتہ دار آپ کا تعاقب کرنے لگے، تو سندھ میں جا کر اسلام کا اعلان کیا۔ کتاب **''تُحفةُ الهِند''** کے مصنف (مولانا عبیداللہ) کے نام پر آپؒ نے اپنا نام ''عبیداللہ'' پہلے ہی رکھ لیا تھا۔ اسی دوران عربی صرف ونحو کی کتابیں ایک طالب علم سے پڑھنا شروع کردیں۔

راشدیہ قادریہ طریقے میں بیعت

صفر ۱۳۰۵ھ/ 1888ء میں سید العارفین شیخ المشائخ حضرت حافظ محمد صدیق بھر چونڈی شریف (سندھ) کے ہاتھ پر بیعت کی۔ انھوں نے کلمہ طیبہ کی تلقین کی۔ وہ مشہور سلسلۂ طریقت ''راشدیہ قادریہ'' کے امام تھے۔ انھوں نے حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کی صحبت ورفاقت میں کچھ عرصہ گزارا تھا۔ جب وہ ہندوستان سے بالاکوٹ کی طرف جاتے ہوئے ''پیر جو گوٹھ'' سندھ میں اُن کے پیر حضرت پیر صبغت اللہ شاہ راشدیؒ (اوّل) کے پاس قیام فرما ہوئے تھے۔

ذکر اَذکار کی مجالس میں شرکت

مولانا سندھیؒ نے سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق صاحب کے پاس تقریباً دو ماہ قیام کیا، اور اُن کی مجالس اور حلقۂ ذکر میں بڑی پابندی سے شریک رہے۔ اور حضرت کی توجہ بھی آپ کی طرف انتہا درجہ

رہی۔ اس دوران اُن کی صحبت میں رہ کر آپؒ کی توجہ اور محبت سے خوب فائدہ اُٹھایا۔ انھوں نے حضرت سندھیؒ کو اپنا بیٹا بنا کر توجہ باطنی ڈالی۔ اس اجتماعِ صالح کی برکت سے مولانا سندھیؒ کے قلب میں معاشرتِ اسلامیہ راسخ ہوگئی۔ انھوں نے آپؒ کے لیے یہ دعا بھی کی کہ: ''خدا کرے عبید اللہ کا کسی راسخ عالم سے پالہ پڑجائے۔'' یہ اسی دعا کا اثر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی خدمت میں دیوبند پہنچا دیا۔

درسِ نظامی کی تعلیم کا آغاز

ربیع الثانی ۱۳۰۵ھ/ 1887ء میں سید العارفین کے خلیفہ اوّل حضرت مولانا ابوالسراج غلام محمد دین پوری کے پاس دین پور نزد خان پور (پنجاب) تشریف لے آئے۔ چھ ماہ تک یہاں قیام کیا اور "هِدايةُ النّحو" تک کی عربی صرف ونحو کی کتابیں یہیں مولانا عبدالقادر سے پڑھیں۔ حضرت خلیفہ صاحب نے ان کی والدہ کو خط لکھوایا۔ وہ آگئیں اور آپؒ کو جام پور واپس لے جانے کے لیے بڑا زور لگایا، مگر مولانا سندھیؒ ثابت قدم رہے اور والدہ کے ساتھ نہیں گئے۔

شوال ۱۳۰۵ھ/ جون 1888ء دین پور سے ''کوٹلہ رحم شاہ'' ضلع مظفر گڑھ چلے آئے، اور مولانا خدا بخش صاحب سے نحو کی مشہور کتاب "کافیہ'' پڑھی۔

دارالعلوم دیو بند میں درسِ نظامی کی تکمیل

صفر ۱۳۰۶ھ/ اکتوبر 1888ء میں دارالعلوم دیو بند میں داخل ہوئے اور پانچ چھ مہینے تک ''قُطبی'' تک منطق اور فلسفے کے رسائل، متفرق اساتذہ سے پڑھتے رہے۔ ایک فاضل استاذ سے عربی کتابوں کے مطالعے کا صحیح طریقہ سیکھ لیا اور ذاتی محنت سے علوم میں ترقی کا راستہ کھلتا چلا گیا۔ اس سال کے باقی کچھ مہینے ''رام پور'' میں مولانا احمد حسن کان پوریؒ (شاگرد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) کے مدرسے میں رہ کر منطق اور فلسفے کی اعلیٰ کتابیں مکمل کیں۔

صفر ۱۳۰۷ھ/ اکتوبر 1889ء میں دوبارہ دیو بند تشریف لائے اور ابتدائی دو تین ماہ مولانا حافظ احمد صاحب مہتمم دار العلوم دیو بند سے اصولِ فقہ اور علمِ کلام کی ابتدائی کتابیں پڑھیں اور فقہ اور اصولِ فقہ کی کتابیں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے پڑھیں۔ شعبان ۱۳۰۷ھ/ اپریل 1890ء میں سالانہ امتحان میں شریک ہوئے اور اپنی کلاس میں اوّل آئے۔ سالانہ امتحان میں مولانا سید احمد دہلویؒ مدرس اوّل دارالعلوم دیو بند نے حضرت سندھیؒ کے جوابات کی بڑی تعریف کی اور یہ فرمایا:

''اگر اس کو کتابیں ملیں تو یہ شاہ عبدالعزیز ثانی ہوگا۔''

مبشراتِ مبارکہ

اسی دوران حضرت سندھیؒ نے بہت اچھے خواب دیکھے۔ چناں چہ آپؒ نے خواب میں امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ کی زیارت کی اور پھر کچھ عرصے بعد خواب میں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوا۔

تصنیف وتالیف کا آغاز

رمضان ۱۳۰۷ھ/ اپریل 1890ء میں 'اصولِ فقہ' پر آپ نے ایک رسالہ لکھا، اس کا نام "**مَراصِدُ الوُصولِ إلٰی مَقاصِدِ الاُصول**'' رکھا۔ اپنے استاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے سامنے یہ رسالہ پیش کیا تو آپؒ نے اسے بڑا پسند فرمایا۔ اس رسالے میں ''**متشابھات**'' کے بارے میں یہ موٴقف اختیار کیا کہ "**راسخین فی العلم**" (علم میں رسوخ رکھنے والے حضرات) اپنے وہبی علم کے ذریعے ان کی تأویل اور تفہیم جانتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت

شوال ۱۳۰۷ھ/مئی 1890ء میں دارالعلوم دیوبند میں کتاب "**تفسیر بیضاوی**" پڑھی اور ۱۳۰۸ھ / 1890ء میں دورۂ حدیث کی تمام کتابوں میں شریک ہوئے۔ ''**جامع ترمذی**" حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے پڑھی۔ اسی دوران حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تمام کتابیں ازخود مطالعہ کیں اور حضرت شیخ الہندؒ سے انھیں خوب اچھی طرح سمجھا۔

گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت میں

۱۳۰۸ھ/ 1890ء میں ہی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے ''گنگوہ'' جاکر ''**سُنن ابو داؤد**" پڑھی۔ مولانا سندھیؒ خود تحریر فرماتے ہیں:

> ''میں نے حضرت شیخ الاسلام (گنگوہیؒ) سے "**سنن ابو داؤد**" کا ایک بڑا حصہ انتہائی فقہی تحقیق کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس طرح تحقیقی نقطۂ نگاہ سے ان سے پڑھنے سے مجھے بڑا نفع ہوا۔ میں نے آپؒ سے بہت زیادہ نفع اٹھایا اور یہ انھی کی صحبت کا میرے دل پر اثر ہے کہ اِس نے مجھے ہر طرح کے مشکل حالات میں اپنے نظریات تبدیل کرنے سے روکے رکھا۔ یہ انھی کی صحبت کا اثر ہے کہ ولی اللّٰہی طریقہ روشن ہوکر میرے سامنے آ گیا۔ اس طرح میں نے فقہ کے اہم مقامات، سلوک وطریقت کے بنیادی قاعدے، عربی زبان اور کتاب وسنت کی اصولی اور معقولی مباحث کو صحیح طور پر سمجھ لیا۔ میں نے اپنی ان آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے کہ آپؒ بلاشبہ مذہبِ امام ابوحنیفہؒ کے مجتہد اور ماہر امام تھے۔ بلاشبہ ہمارے شیخ (گنگوہیؒ) اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلویؒ کے طریقے پر استقامت کا پہاڑ تھے۔ آپؒ ولی اللّٰہی تھے اور صدرالحمید

حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔'' (32)

دہلی میں علاج اور سندھ واپسی

ربیع الثانی ۱۳۰۸ھ/ نومبر 1890ء میں بیمار ہوگئے اور علاج کے لیے دہلی تشریف لے گئے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی سفارش سے حکیم محمود خان سے علاج کروایا، جس سے بہت افاقہ ہوا۔ اسی دوران حکیم صاحب کے کتب خانے میں موجود بہت سی کتابیں مطالعہ کیں۔ صحت مند ہونے کے بعد حضرت شیخ الہند کی اجازت سے دہلی سے سیدھا سندھ تشریف لے آئے۔ رجب ۱۳۰۸ھ/ فروری 1891ء میں حضرت شیخ الہندؒ نے درس و تدریس کا اجازت نامہ تحریر فرما کر روانہ کر دیا۔

آپؒ کے شیخ طریقت کا انتقال اور تدریس کا آغاز

۲۰/ جمادی الثانیہ ۱۳۰۸ھ/ فروری 1891ء کو دہلی سے سیدھا سندھ میں ''بھرچونڈی شریف'' پہنچے۔ آپ کے پیر و مرشد حضرت سید العارفین حافظ محمد صدیقؒ آپ کے آنے سے 10 دن پہلے وفات پا چکے تھے۔ رمضان ۱۳۰۸ھ/ اپریل 1891ء تک آپؒ نے بھرچونڈی شریف میں قیام کیا اور اس دوران مولوی کمال الدین نے آپؒ سے ''سُنن ابو داؤد'' پڑھی۔

اِمروٹ شریف میں شادی اور تعلیم و تدریس

شوال ۱۳۰۸ھ/ مئی 1891ء سے سید العارفین حافظ محمد صدیقؒ کے دوسرے خلیفہ مولانا ابوالحسن تاج محمود امروٹی کے پاس ''اِمروٹ''، ضلع سکھر (سندھ) تشریف لے گئے۔ انھوں نے آپ کی شادی کرائی۔ ۱۳۱۵ھ/ 1897ء تک سات سال امروٹ شریف میں کتبِ حدیث، تفسیر اور اس کے تمام متعلقات کی درس و تدریس اور مطالعۂ کتب میں مصروف رہے۔ اور اس دوران سندھ سے تعلق رکھنے والے اہلِ علم کی بہت بڑی جماعت نے آپؒ سے تعلیم حاصل کی۔

ان سات سالوں میں مولانا سندھیؒ نے تفسیرِ قرآن کے حوالے سے امام ولی اللہ دہلویؒ کی کتابیں ''**فتح الرّحمٰن بترجمة القُرآن**''، ''**الفوز الکبیر فی اصول التفسیر**'' بڑی توجہ سے پڑھائیں۔ آیاتِ قرآنیہ کا ربط اور پھر سورتوں کے ابواب اور فصول مقرر کرنے کا کام کیا۔ علم حدیث اور فقہ کی تفہیم کے لیے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابیں ''**حجّة اللّٰه البالغه**''، ''**المسوّی فی احادیث المؤطّا**''، علم تاریخ و سیاست کی تفہیم کے لیے ''**إزالةُ الخِفاء عن خِلافة الخُلَفاء**'' پڑھائیں۔ اسی طرح شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی کتابوں کے منتخب مقالات بڑی پابندی سے طلبا کو پڑھائے۔ اس طرح آپؒ کو ان سات سالوں میں ولی اللّٰہی طریقے پر تعلیم و تدریس میں بڑا ملکہ پیدا ہوگیا۔ (33)

اس دور کی تصنیفات وتالیفات

اِمروٹ میں اپنے قیام کے دوران آپ نے درجِ ذیل کتابیں تصنیف فرمائیں:

(۱) **تعلیق علٰی معانی الآثار للإمام الطحاوی**
(علم حدیث پر امام طحاویؒ کی کتاب ''معانی الآثار'' پر تعلیق وحواشی)

(۲) **تعلیق علٰی فتح القدیر لمحقق ابن الھمّام**
(علم فقہ پر محقق ابن ہمامؒ کی کتاب ''فتح القدیر'' پر تعلیق وحواشی)

(۳) **فتح السّلام فی شرح بلوغ المرام**
(''فتح السلام'' کے نام سے ''بلوغ المرام'' کی شرح)

(۴) **شرح سفر السعادۃ للفیروز آبادی**
(علامہ فیروزآبادیؒ کی کتاب "سفر السعادۃ" کی شرح)

(۵) **تخریج مافی الباب للامام الترمذی** (علم حدیث کی مشہور کتاب "جامع ترمذی" میں ''ما فی الباب'' کے عنوان سے بیان کردہ تمام احادیث کی تخریج)

(۶) **تخریج احادیث غنیۃ الطالبین للشیخ عبد القادر جیلانی** (حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کتاب "غنیۃ الطالبین" میں بیان کردہ احادیث کی تخریج)

(۷) **ازالۃ الشبہ عن فرضیۃ الجمعۃ** (یہ رسالہ جمعہ کی فرضیت کے سلسلے میں چند شبہات کے ازالے کے لیے لکھا۔ یہ ایک مستقل تصنیف ہے۔)

(۸) **تھذیب رفع الیدین للإمام البخاری**
(امام بخاریؒ کے رسالے ''رفع الیدین'' کی تہذیب وترتیبِ جدید)

(۹) **تنسیق احادیث بدء الوحی من الجامع الصحیح** (امام بخاریؒ کی کتاب "الجامع الصحیح" کے ''باب بدء الوحی" کی احادیث میں ربط وتعلق پر ایک رسالہ)

(۱۰) حضرت مولانا تاج محمود امروٹی نے سندھی زبان میں قرآن حکیم کا ترجمہ کیا۔ اس میں آپ نے معاون کے طور پر کام کیا۔

''مطبع محمودیہ" کا قیام

اِمروٹ شریف میں قیام کے دوران نشر واشاعت کا ایک ادارہ ''مطبع محمودیہ'' قائم کیا۔ اپنے اس مطبع سے سندھی زبان میں ایک ماہنامہ ''ھدایت الإخوان" کے نام سے شروع کیا۔ اسی مطبع کی جانب سے امام طحاویؒ کی کتاب "العقیدۃ للإمام الطحاوی'' شائع کی۔

حضرت دین پوریؒ اور حضرت اِمروٹیؒ سے اجازت وخلافت

امروٹ شریف میں اس قیام کے دوران طریقۂ راشدیہ مجددیہ میں آپؒ نے سلوک واحسان کی منازل بھی طے کیں۔ اس کی تکمیل پر حضرت مولانا تاج محمود امروٹیؒ اور حضرت مولانا ابوالسراج غلام محمد دین پوریؒ نے آپؒ کو اجازت وخلافت عنایت فرمائی اور متعلقین کو طریقت کی تلقین کا حکم فرمایا۔ اسی طرح بعد میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے اپنے سلسلۂ چشتیہ، بلکہ تمام سلاسل کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔

حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے ''دارالرشاد'' کا قیام

رمضان ۱۳۱۵ھ/ نومبر 1897ء کو آپؒ دیوبند تشریف لائے اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی صحبت اُٹھائی اور حضرت کی خدمت میں اپنی تصانیف پیش کیں۔ حضرت شیخ الہندؒ نے انھیں بہت پسند فرمایا۔ اسی موقع پر حضرت شیخ الہندؒ نے سیاسی کام کرنے کا حکم دیا اور اُس کے لیے دارالعلوم دیوبند کے طرز پر سندھ میں ایک مدرسہ ''دارالرشاد'' قائم کرنے کا حکم فرمایا۔

شوال ۱۳۱۹ھ/ 1901ء کو آپؒ نے حیدر آباد سندھ کے قریب ''گوٹھ پیر جھنڈا'' میں ایک دینی مرکز ''دارالرشاد'' کے نام سے قائم کیا۔ اس مرکز میں بیٹھ کر آپؒ نے سات سال تک علمی اور سیاسی کام سرانجام دیے اور انقلابی نظریے پر علما تیار کیے۔ اس دینی مرکز میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور مولانا شیخ حسین بن محسن انصاری یمانیؒ بھی تشریف لائے۔ تعلیم وتربیت کے حوالے سے پورے نظامِ تعلیم کا جائزہ لیا اور اطمینان کا اظہار کیا۔ دارالرشاد میں قیام کے دوران آپؒ نے خواب میں امام مالکؒ کی زیارت کی نیز خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

دارالعلوم دیوبند میں آمد اور ''جمعیت الانصار'' کا قیام

رمضان ۱۳۲۷ھ/ 1909ء میں حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے آپؒ سندھ سے مستقل طور پر دیوبند تشریف لے آئے۔ ۲۷؍ رمضان ۱۳۲۷ھ/ 12؍ اکتوبر 1909ء کو آپؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کی زیرسرپرستی "جمعية الأنصار" قائم کی۔ آپؒ اس کے ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔ اس کے تحت آپؒ نے دارالعلوم دیوبند کے گزشتہ چالیس سال کے فاضلین کی تعلیم وتربیت کا نظام قائم کیا۔ نیز عوام میں تحریکِ حریت پیدا کرنے کے لیے اجلاس ہائے عام اور اجتماعات منعقد کیے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے حکم کے مطابق چار سال تک اس میں آپؒ نے بڑی محنت اور جدوجہد سے کام کیا۔

دیوبند سے دہلی اور ''نظارۃ المعارف القرآنیۃ'' کا قیام

1912ء میں جب حکومت برطانیہ نے اپنا دارالحکومت کلکتہ سے دہلی منتقل کرلیا اور دہلی ہندوستان کی

سیاسیات کا نیا مرکز بن گیا تو حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت سندھیؒ کو دیوبند سے دہلی بھیج دیا۔ (34) چناں چہ ۱۳۳۱ھ/ 1913ء کو آپؒ نے مسجد فتح پوری چاندنی چوک دہلی میں ''نظارۃ المعارف القرآنیہ'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا، جس کی سرپرستی حضرت شیخ الہندؒ، حکیم اجمل خان اور نواب وقار الملک نے کی۔ اس ادارے میں حضرت سندھیؒ نے قرآن حکیم کی تفسیر ''الفوز الکبیر'' کے اصولوں کی روشنی میں فن اعتبار کے تناظر میں پڑھانا شروع کی۔ اور حجۃ اللہ البالغہ کا درس سیاسیاتِ حاضرہ کو سامنے رکھ کر دینا شروع کیا۔ دہلی کے اس قیام میں حضرت شیخ الہندؒ نے آپ کا تعارف ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ اور مولانا محمد علی جوہرؒ سے کرایا۔

دہلی سے کابل اور ''جنود اللہ الربانیہ'' کا قیام

جمادیٰ الثانیہ ۱۳۳۳ھ/ 1915ء میں آپؒ حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے کابل افغانستان جانے کے لیے روانہ ہوئے۔ اور انگریز جاسوسوں سے بچنے کے لیے چار مہینے تک سندھ میں سفر کی خفیہ تیاری کرتے رہے۔ ۳؍شوال ۱۳۳۳ھ/ 15 اگست 1915ء کو سندھ سے قندھار کے لیے روانہ ہوئے۔ کوئٹہ بلوچستان ہوتے ہوئے ذی الحج ۱۳۳۳ھ/ اکتوبر 1915ء کے پہلے عشرے میں کابل پہنچے۔ آپؒ سات سال تک کابل میں قیام پذیر رہے۔ اس دوران آپؒ نے "جنود اللّٰہ الربانیہ" کے نام سے ایک جماعت قائم کی۔ یہ جماعت ہندوستان اور افغانستان کی آزادی کے لیے جدوجہد اور کوشش کرتی رہی۔ نیز اس جماعت نے جنگِ عظیم اول کے اختتام کے بعد افغانستان کی حکومت کے اہلکاروں کی تربیت کے لیے بھی کام کیا۔ اس کا کام یہ تھا کہ جمہوری اصولوں پر خلافتِ اسلامیہ چلانے کی اہلیت اُن میں پیدا کی جائے۔ اور تمام مسلمان جماعتوں کو اقتصادیات، سیاسیات اور علوم وافکار کی تعلیم وتربیت دینا بھی اس کے مقاصد میں شامل تھا۔

کابل میں عبوری حکومتِ ہند کا قیام

۱۳۳۴ھ/ 1916ء میں آپؒ نے ہندوستان کے لیے کابل میں ''عبوری حکومت ہند'' قائم کی۔ آپؒ اس حکومت کے وزیرِ خارجہ کے طور پر کام کرتے رہے۔ 1922ء میں آپؒ نے ''کانگریس کمیٹی کابل'' بنائی اور اس کے صدر مقرر ہوئے۔ اس کمیٹی کا الحاق نیشنل کانگریس آف انڈیا نے اپنے اجلاس منعقدہ '' گیا '' میں منظور کیا۔

کابل سے روس

۱۳۴۰ھ/ 1922ء میں کابل سے خفیہ طور پر ترکی جانے کے لیے براستہ روس روانہ ہوئے۔ اس دوران ماسکو میں سات ماہ قیام فرمایا۔ چوں کہ نیشنل کانگریس آف انڈیا سے تعلق سرکاری طور پر ثابت ہو چکا تھا، اس لیے سوویت روس نے اپنا مہمان بنایا اور روسی انقلاب کے مطالعے کے لیے ہر قسم کی سہولتیں بہم

پہنچائیں۔مولانا سندھیؒ لکھتے ہیں:

''میرے اس مطالعے کا نتیجہ ہے کہ میں اپنی دینی تحریک کو، جو امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے کی ایک شاخ ہے، اُس زمانے کے لادینی حملے سے محفوظ کرنے کے لیے تدابیر سوچنے میں کامیاب ہوا۔'' (35)

ترکی میں قیام اور ''آزاد برصغیر کا دستوری خاکہ'' کی تیاری

۱۳۴۱ھ/ 1923ء میں آپؒ انقرہ، ترکی پہنچے۔ یہاں چار ماہ قیام فرمایا۔ ترکی میں قیام کے دوران عصمت پاشا، رؤف بِک وغیرہ انقلابی رہنماؤں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ نیز مصر کے مشائخ میں سے شیخ عبد العزیز جاویش سے بھی ملاقاتیں رہیں۔ اس کے بعد ترکی کے دارالحکومت استنبول تشریف لے گئے اور تین سال وہاں قیام فرمایا۔ اس دوران یورپ کی تاریخ کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ فرمایا۔ خاص طور پر خلافتِ عثمانیہ، اس کے ادارے، قومی جمہوری تحریکات، برطانوی ترقیات اور فرانسیسی انقلاب کا مطالعہ کیا۔

15/ستمبر 1924ء کو آپؒ نے استنبول سے ہی ہندوستان کے مستقبل کے سیاسی اور معاشی اُمور حل کرنے کے لیے ''آزاد برصغیر کا دستوری خاکہ'' کے عنوان سے ایک سیاسی منشور جاری فرمایا۔ جس میں عوامی جمہوری نقطہ نظر سے ہندوستان میں غیر سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت وحکومت قائم کرنے کے خدوخال کی نشان دہی کی۔

ترکی سے مکہ مکرمہ کا سفر

۱۳۴۴ھ/ جون 1926ء میں مکہ مکرمہ میں موسم حج کے موقع پر ''المؤتمر الاسلامی'' کا اجلاس منعقد کیا جا رہا تھا۔ آپؒ ترکی میں تین سال قیام کے بعد مکہ مکرمہ میں منعقد ہونے والے اس عالمی اجتماع میں شرکت کے لیے آنا چاہتے تھے۔ چوں کہ براہِ راست آنے میں خطرات تھے، اس لیے آپؒ استنبول سے اٹلی اور پھر سوئٹزرلینڈ تشریف لے گئے۔ یہاں پر کچھ عرصہ قیام کر کے جدید اٹلی اور یورپ کی سیاسیات کا مطالعہ کیا۔ پھر افریقا کے ساحل پر اٹلی کے نوآبادیاتی شہر ''مصوّع'' آئے۔

مکہ مکرمہ آمد اور حرم میں درس و تدریس

صفر ۱۳۴۵ھ/ اگست 1926ء میں ''مصوّع'' سے روانہ ہو کر مکۃ المکرّمہ تشریف لائے۔ مکۃ المکرّمہ میں قیام کے دوران آپؒ نے مسجد حرام میں درس و تدریس کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا۔ حرمِ مکی کے علما نے آپؒ سے ''**مؤطّا إمام مالک**''، ''**مؤطّا إمام محمّد**''، ''**الرّسالة للإمام الشّافعي**''، ''**مسوّیٰ من أحادیث المؤطّا**''، ''**الفوز الکبیر للإمام شاہ ولی اللّٰہ دھلویؒ**''، ''**اصول الفقہ للإمام محمّد إسماعیل شہیدؒ**''، ''**شرح النُّخبة لابن حجر**''، ''**مقدمہ صحیح مسلم**''،

"کتاب العلل'' اور ''جامع ترمذی'' وغیرہ کتابیں پڑھیں۔

اسی طرح امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابیں: ''فتح الرّحمٰن''، ''فیوض الحرمین''، "إزالة الخفاء" اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی کتابیں: ''صراطِ مستقیم"، "منصبِ امامت"، ''عبقات''، "تقوية الإيمان" اور حضرت نانوتویؒ کی کتابیں بھی علما اور طلبا کو آپؒ نے پڑھائیں۔ آپؒ خود لکھتے ہیں:

''میں تقریباً تیرہ چودہ سال سے ''قرآن عظیم'' اور "حجة اللّٰه البالغه'' کا بنظرِ عمیق مطالعہ کرتا رہا۔ تفسیر قرآن میں جس قدر مقامات میرے لیے مشکل تھے، حرم کے قیام کے زمانے میں مَیں نے انھیں امام ولی اللہ دہلویؒ کے اصول پر بالاطمینان حل کرلیا۔......

مجھے اپنے اصول پر قرآن عظیم میں اس (موجودہ) زمانے میں قابل عمل تعلیم کا ایک اعلیٰ نصاب نظر آیا۔ اس میں اس تجلی ریز مقدس مقام کی تأثیر ضرور ماننا پڑتی ہے۔ میں نے امام ولی اللہ دہلویؒ کی مشہور کتابوں کا خاص طور پر مطالعہ جاری رکھا۔ مثلاً ''بدورِ بازغہ"، "خیر کثیر"، "تفهیماتِ الٰهیه"، ''سطعات''، ''لمحات''، "الطاف القدس" وغیرہ۔ ان کتابوں کے لیے بطورِ مفتاح (کنجی) میں نے مولانا شاہ رفیع الدین دہلویؒ کی "تکمیل الأذهان" اور مولانا اسماعیل شہیدؒ کی "عبقات" اور مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) کی "قاسم العلوم'' (مکتوبات)، "تقریر دلپذیر'' اور "آبِ حیات'' سے استفادہ کیا۔ مجھے ان کتابوں کے پڑھانے کا بھی موقع ملتا رہا اور ساتھ ہی قرآن عظیم کی درس و تدریس کا کام بھی جاری رہا۔ اس سے میرے نظریات بہت وسیع ہوگئے۔ لِلّٰهِ الْحَمْد" (اللہ ہی کے لیے حمد وثنا ہے) (36)

''التّمهيد لتعريف ائمّة التّجديد" کی تصنیف

حرم شریف میں قیام کے دوران مکہ مکرمہ میں آپؒ نے ولی اللّٰہی سلسلے کے علما کے تجدیدی کام، ان کے تاریخی تسلسل اور سلسلہ ہائے اسناد کے تعارف کے لیے عربی زبان میں ایک بڑی اہم کتاب لکھی۔ اس کتاب کا نام "التّمهيد لتعريف ائمّة التّجديد'' ہے۔ بڑے سائز کے تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب چار پُرمغز مقالوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی تصنیف و تالیف کا کام آپ نے ۸/ رجب ۱۳۴۹ھ/ 29 نومبر 1930ء کو مکمل کیا۔ اسی کتاب کے تین مقالوں ''مقامِ محمود''، تحديث العبد الضّعيف" اور ''سبيل الرشاد'' کا اردو ترجمہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

''الهام الرّحمٰن فی تفسير القرآن'' کا املا

حرم شریف میں قیام کے دوران آپؒ نے روس کے مشہور عالم دین علامہ موسیٰ جار اللہؒ کو قرآن حکیم کی مکمل تفسیر پڑھائی۔ انھوں نے اسے بڑے اہتمام کے ساتھ قلم بند کیا۔ ۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۶ھ/

26 جولائی 1937ء بروز پیر سے شروع کر کے ۱۳/ ذی قعد ۱۳۵۶ھ/ 13 جنوری 1938ء تک روزانہ صبح طلوعِ آفتاب سے لے کر ظہر یا عصر تک آپؒ نے یہ تفسیر لکھوائی۔ اس طرح تقریباً چھ ماہ میں مکمل تفسیر قرآن کا املا پورا ہوا۔ یہ تفسیر ابھی تک قلمی مخطوطے کی شکل میں تین جلدوں میں محفوظ ہے۔ اس کی ابتدائی چند سورتیں مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ نے "الھام الرّحمٰن فی تفسیر القرآن" کے نام سے شائع کی ہیں۔ علامہ موسیٰ جار اللہؒ نے حضرت سندھیؒ سے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اکثر کتابیں بھی اس دوران پڑھیں۔

واپس ہندوستان آمد

1936ء میں ہندوستان کی سیاسی جماعتوں خاص طور پر انڈین نیشنل کانگریس، جمعیت علمائے ہند اور ہندوستان کی سر برآوُردہ شخصیات، مثلاً مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا غلام رسول مہرؒ وغیرہ نے حضرت سندھیؒ کی ہندوستان واپسی کے لیے کوششیں شروع کیں۔ انھی حضرات کی کوششوں کا نتیجہ ہوا کہ مولانا سندھیؒ کو یکم نومبر 1938ء کو ہندوستان واپسی کی اجازت کی اطلاع ملی۔ یکم جنوری 1939ء کو ہندوستان آمد کے لیے آپؒ کو پاسپورٹ دیا گیا۔ حج کا موسم قریب آ گیا تھا، اس لیے حج ادا کر کے آپؒ ہندوستان واپس تشریف لائے۔

اہم ''خطبات و مقالات'' کی تصنیف و تالیف

۱۴/ محرم ۱۳۵۸ھ/ 7 مارچ 1939ء کو آپؒ کراچی کی بندرگاہ پر اُترے۔ حکومتِ سندھ کے وزیر اعظم اللہ بخش سومرو نے عمائدین شہر اور اپنے وزرا کے ساتھ آپؒ کا شان دار استقبال کیا۔ ہندوستان میں کراچی ساحل پر اُترتے ہی آپؒ نے دین کی اساس پر انقلابی فکر و عمل کی اہمیت کے حوالے سے ایک معرکۃ الآرا خطاب ارشاد فرمایا، جو آپؒ کے خطبات و مقالات کے مجموعے میں طبع شدہ ہے۔

۱۶/ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ/ 3 جون 1939ء کو اپنی واپسی کے بعد ''جمعیت علمائے صوبہ بنگال'' کے اجتماع منعقدہ کلکتہ میں آپؒ کو صدرِ اجلاس منتخب کیا گیا۔ اس اجلاس میں آپؒ نے ہندوستان آمد کے بعد اپنا پہلا خطبۂ صدارت پڑھا۔ آپؒ کی واپسی کے بعد پورے ملک میں آپؒ کا زبردست استقبال ہوا۔ جمعیت علمائے ہند، مجلس احرارِ اسلام وغیرہ اور تمام سیاسی وغیر سیاسی جماعتوں نے آپؒ کے اعزاز میں تہنیتی اجتماعات منعقد کیے، جن میں آپؒ کی خدمات کو شان دار خراجِ تحسین پیش کیا گیا۔

25/ اکتوبر 1941ء کو آپؒ نے ایک اہم مقالہ ''شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی سیاسی تحریک'' کے عنوان سے خود اپنے قلم سے تحریر فرمایا۔ آپؒ نے اِسے اپنے عزیز ترین شاگرد اور اَورنٹیل کالج لاہور کے پروفیسر مولانا نورالحق علوی کو پڑھایا اور اس کے مشکل مقامات سمجھائے۔ اس کے نتیجے میں مولانا نورالحق علویؒ نے اس مقالے پر حواشی لکھے۔ یہ مقالہ 11/ نومبر 1941ء کو سندھ ساگر اکیڈمی لاہور سے طبع ہوا۔ پھر پروفیسر محمد

سرور مرحوم نے کالج کے نوجوانوں کے لیے مولانا علویؒ کے عربی اور فارسی میں لکھے ہوئے حواشی کا اُردو ترجمہ کیا اور اصل مقالے کے ساتھ ملا کر ''شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک'' کے عنوان سے دوسری مرتبہ جنوری 1944ء میں لاہور سے شائع کیا۔

ذوالقعدہ ۱۳۵۹ھ/ دسمبر 1940ء میں ماہنامہ ''الفرقان'' کے شاہ ولی اللہ نمبر کے لیے مولانا سندھیؒ نے ''امام ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کا اجمالی تعارف'' کے عنوان سے ایک پُرمغز مقالہ تحریر اور املا کروایا۔ اس مقالے کو بھی مولانا نورالحق علوی، پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور نے قلم بند کیا اور اس کے حواشی و حوالہ جات عربی اور فارسی کی کتب سے لکھے۔ پروفیسر محمد سرور مرحوم نے ''الفرقان'' میں طبع شدہ اس مقالے کو عربی اور فارسی حواشی کا اردو ترجمہ کر کے ''شاہ ولی اللہؒ اور ان کا فلسفہ'' کے عنوان سے مئی 1944ء میں لاہور سے شائع کیا۔ یہ مقالہ پڑھ کر مولانا سید سلیمان ندویؒ نے مدیر ''الفرقان'' کو لکھا تھا:

''مولانا سندھیؒ کے مضمون کو میں نے بغور پڑھا اور اس یقین کے ساتھ ختم کیا کہ بے شک مولانا کی نظر حضرت شاہ ولی اللہ (دہلویؒ) کے فلسفے اور نظریات پر نہایت وسیع اور عمیق ہے۔''(37)

اسی طرح مدیر ''الفرقان'' مولانا محمد منظور نعمانی نے یہ مقالہ پڑھ کر لکھا تھا:

''چند مقامات میں تعبیر کی غرابت اور نکارت اور ایک آدھ جگہ مولانا کی منفرد رائے سے قطع نظر یہ مقالہ شاہ صاحب کی حکمت کا اجمالی تعارف ہی نہیں، بلکہ فی الحقیقت آپؒ کے علمی کام (تجدید فی العلوم الشرعیہ) سے واقفیت اور علیٰ وجہ البصیرت (بصیرت افروز) واقفیت کے لیے اس میں کافی سامان ہے۔ ولی اللّٰہی علوم و معارف کے لیے بجا طور پر اس مقالہ کو بنیادی لٹریچر قرار دیا جاسکتا ہے۔ نیز اس کے مطالعہ کے بعد ہی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ 'ولی اللہی حکمت'' پر مولانا سندھیؒ کی نظر کس قدر گہری ہے۔ اور شاہ صاحبؒ کے علوم و افکار کا انھوں نے کس قدر عمیق مطالعہ فرمایا ہے۔''(38)

اس دوران آپؒ نے بہت سے مقالات اور خطبہ ہائے صدارت لکھے۔ آخری تحریر اپنے انتقال سے بیس روز پہلے ''محمد قاسم ولی اللہ تھیالوجیکل سکول''، شہداد کوٹ ضلع لاڑکانہ کے لیے 2 اگست 1944ء کو ''خطبۂ افتتاح'' کے عنوان سے لکھی، یہ مولانا سندھیؒ کی آخری تحریر تھی۔ مولانا سندھیؒ کے چند ''خطبات ومقالات'' سب سے پہلے پروفیسر محمد سرور مرحوم نے مرتب کر کے شائع کیے تھے۔ پھر راقم الحروف نے تمام دستیاب مقالات و خطبات جمع کیے، جو ''خطبات و مقالات مولانا عبیداللہ سندھیؒ'' کے عنوان سے ستمبر 2002ء میں ضخیم کتاب کی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔

قرآنی سورتوں کی انقلابی شعور پر مبنی تشریح وتفسیر

رجب ۱۳۵۳ھ/ جولائی 1944ء میں بیماری کے باوجود حضرت سندھیؒ کراچی سے حیدرآباد، میر پور خاص اور نواب شاہ ہوتے ہوئے گوٹھ پیر جھنڈا میں تشریف لائے۔ اور مدرسہ دار الرشاد میں قیام فرما ہوئے۔ اس موقع پر مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ، مولانا سندھیؒ کی بیان کردہ سورتِ مزمل اور سورتِ مدثر کی تفسیر ''قرآنی دستورِ انقلاب'' کے عنوان سے مرتب کر کے حضرت سندھیؒ کو دکھانے اور اس کی تصحیح کرانے کے لیے لائے۔ مولانا دین محمد وفائی لکھتے ہیں:

''دار الرشاد (گوٹھ پیر جھنڈا) میں حضرت امام سندھیؒ کے ایک شاگرد مولوی بشیر احمد صاحب بی۔اے لدھیانویؒ قیام پذیر تھے۔ حضرت امام سندھیؒ نے ان سے سورۃ مزمل اور سورۃ مدثر کی تفسیر سُنی۔ جو کہ وہ کتابی صورت میں کتاب'' (قرآنی دستور) الانقلاب'' کے نام سے مرتب کر کے لائے تھے۔ مولوی بشیر احمد (لدھیانوی) نے حضرت امام سندھیؒ کی خدمت میں (یہ کتاب) پیش کی اور اس کی تصحیح کروائی......۔

دوسرے روز صبح کے وقت حضرت امام سندھیؒ نے قرآن شریف کا درس دیا۔ وہ آیات زیرِ درس آئیں، جن میں مکہ شریف کو قرآنی انقلاب کا مرکز بنانے کا ذکر تھا۔ قرآن شریف پر یہ آپؒ کی آخری تقریر تھی اور اتنی دلچسپ، فکر انگیز، عالمانہ اور بلند پایہ تقریر تھی کہ اس کا بیان نہیں ہوسکتا۔ وہ صرف ذوقِ سماعت سے تعلق رکھتی تھی۔ افسوس! کہ ہم اسے یاد نہیں رکھ سکے، لیکن میں نے دیکھا تھا کہ مولوی بشیر احمد لدھیانویؒ اس کو قلمبند کر رہے تھے۔'' (39)

۲۸ رشعبان ۱۳۶۳ھ (18 اگست 1944ء) کو آپؒ کے نواسے مولانا ظہیر الحق دین پوریؒ آپ کو دین پور لے جانے کے لیے دار الرشاد پیر جھنڈا پہنچے۔ مولانا ظہیر الحق دین پوریؒ کا بیان ہے کہ مولانا سندھیؒ آخری دم تک مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ کو قرآنی تفسیر قلم بند کراتے رہے۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

''(۲۸ رشعبان) دین پور شریف سے چند عزیزوں کے ساتھ ہم وہاں (دار الرشاد پیر جھنڈا) پہنچے، ہم نے دیکھا کہ آپؒ تکیوں کے درمیان (کمزوری کی وجہ سے) ایک گڑیا کی طرح دھنسے ہوئے (بیٹھے) تھے۔ حضرت (سندھیؒ) بولے جا رہے تھے اور ان کے سامنے جناب مولانا بشیر احمد بی۔اے لدھیانویؒ، جو کہ آپؒ کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے، قلم برداشتہ لکھتے جا رہے تھے۔ (40)

آخری وقت تک حضرت سندھیؒ کا حضرت شیخ الہندؒ سے عشق

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ واپس ہندوستان تشریف لائے اور حضرت شیخ الہندؒ کے مشن پر ولی اللّٰہی

علوم وافکار کے فروغ کے لیے کام کرنا شروع کیا۔ حضرتؒ کے مقالات اور تحریرات چھپنے شروع ہوئے تو یہاں کے بعض حلقوں نے حضرت سندھیؒ کے علوم وافکار پر تنقید شروع کی۔ اس موقع پر حضرت سندھیؒ نے اپنے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا:

''ہمارے خیالات کو کوئی صحیح یا غلط سمجھے، ہم آخر تک ملک کی ترقی اور آزادی کے لیے اپنے استاذ مولانا محمود حسن دیو بندی شیخ الہندؒ کے طریقے پر کام کرتے ہوئے مریں گے۔ اللہ ہمیں توفیق بخشے۔ بس اس طرح جینا عبادت ہے۔ اور اس دُھن میں مرنا شہادت ہے۔'' (41)

انتقال سے قبل ''دارالرشاد'' سے دین پور آمد

۲۹رشعبان ۱۳۶۳ھ/ 19راگست 1944ء کو مولانا ظہیر الحق دین پوری کے ہمراہ آپؒ دارالرشاد پیر گوٹھ جھنڈا سندھ سے اپنے پیر و مرشد کے خلیفہ اول حضرت مولانا ابوالسراج غلام محمد دین پوریؒ کی خانقاہ، دین پور ضلع خان پور، پنجاب تشریف لائے۔

وصالِ مبارک اور تدفین

۲ررمضان المبارک ۱۳۶۳ھ/ 21اگست 1944ء بروز منگل، بوقت ظہر، روزے اور سجدے کی حالت میں اسی خانقاہ میں آپؒ کی روح عالمِ بالا کی طرف پرواز کرگئی۔ اس طرح ہجری حوالے سے تقریباً بچاسی سال کی متحرک اور انقلابی زندگی بسر کر کے واصل بحق ہوئے۔

اسی روز آپؒ کو خانقاہِ راشدیہ قادریہ دین پور کے بانی حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کے قریب دین پور کے قبرستان میں سپُردِ خاک کردیا گیا ع

آسمان آپ کی لحد پر شبنم افشانی کرے

وصال سے قبل حضرت قاری محمد طیب قاسمیؒ کا حضرت سندھیؒ کے نام مکتوب

حضرت سندھیؒ کے وصال سے تقریباً ایک ماہ قبل 19رجولائی 1944ء کو حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم دیو بند نے امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے نام ایک خط تحریر فرمایا، جس میں اُن سے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے حالاتِ زندگی اور علوم و افکار سے متعلق واقعات قلم بند کرانے کی درخواست کی۔ حضرت قاری محمد طیب قاسمیؒ نے حضرت سندھیؒ کی ذات کو'' توثیق کی کافی دلیل'' قرار دیتے ہوئے درجِ ذیل خط تحریر فرمایا:

''حضرت المخدوم المعظّم مد فیوضکم

بعد سلام عرض ہے کہ میں عریضہ لکھنے ہی والا تھا کہ آں محترم کی طرف سے چند مطبوعہ فارم

''محمد قاسم ولی اللہ سوسائٹی (لاہور)'' کے پہنچے۔ یاد فرمائی اور شفقت کا شکر گزار ہوں۔ جس اہم ضرورت کی وجہ سے عریضہ لکھنے والا تھا، وہ یہ کہ دارالعلوم (دیوبند) اور علمائے جماعت پر ایک عظیم قرض ہے، جس کے ادا کرنے سے وہ یقیناً قاصر رہی ہے اور اس کا الزام پوری جماعت پر ہے۔ یعنی حضرت (مولانا محمد قاسم) نانوتویؒ کی سوانح حیات۔...

اس سلسلے میں عرض ہے کہ آں محترم بہت سے واقعات اور اصول و کلیات میں حضرت (نانوتویؒ) کے بالواسطہ امین ہیں۔ بالخصوص اُن کی سیاسی اور جہادی زندگی کے ترتیب وواقعات جس قدر جناب کے پاس ہوں گے، دوسرے سے یہ توقع نہیں باندھی جاسکتی۔ اس لیے جس قدر بھی حقائق اور وقائع خزانۂ قلب و دماغ میں محفوظ ہوں، انھیں مدوّن کرا دیں۔ آخر جناب نے ''الفرقان'' میں ''ولی اللہ نمبر'' کے لیے ایک جامع مضمون بھیجا تو اس کام میں آپ تقاعد (پیچھے رہنا) کیسے فرمائیں گے۔

اس کی ضرورت نہیں کہ واقعات مرتب اور منتسق (باہم مربوط) ہوں، یہ کام ہم کرلیں گے۔ آپ کو تو کیف ما اتّفق (جس طرح بھی ممکن ہو)، جو یاد آجائے، منتشر طریق پر کسی کو بتلا کر لکھا دیں۔ دس بیس دن اگر اس کو بہ طورِ فکر کے جناب کے ذہن میں رکھ کر جب بھی جو چیز یاد آتی جائے، کسی کو ارشاد فرما دیں کہ وہ لکھ لے، مگر ما یقرء (ایسا جو پڑھا جاسکے) ہو۔ بہرحال کچھ ذخیرہ فراہم ہوجائے گا۔

جس کی روایت سے ہو، مروی عنہٗ کے نام کی تصریح ہوجائے تو اَور زیادہ بہتر ہے۔ ورنہ یوں تو جناب کی ذات بھی اس حکایت کی توثیق کی کافی دلیل ہوگی۔ پھر واقعہ بھی شرط نہیں۔ کوئی کلیہ، کوئی اصول، کوئی حکمت کی بات جو یاد آجائے، وہ منتشر ہی قلم بند کرا دی جائے۔...

احقر محمد طیب از دارالعلوم دیوبند ۲۸/۷/۶۳ھ (19/ جولائی 1944ء)'' (42)

اس کے بعد حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم وافکار کے تعارف کے لیے ''حکمتِ قاسمیہ'' کے عنوان سے ایک جامع مضمون تحریر فرمایا۔ اس میں حضرت نانوتویؒ کے علوم وافکار کی اشاعت کرنے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی جدو جہد اور کاوشوں کو اس طرح خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

''اس طبقۂ ثانی میں خصوصیت سے حضرت علامہ مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے تو حکمتِ ولی اللّٰہی اور حکمتِ قاسمی کو اپنا موضوعِ زندگی ٹھہرا لیا تھا۔ اُن کا نظریہ یہ تھا کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں کا کما حقہ فہم اور شعور تصانیفِ قاسمیہ کے مطالعے کے بغیر میسر ہی نہیں آسکتا۔

اور اسی بنا پر انھوں نے لاہور میں ''محمد قاسم ولی اللہ سوسائٹی'' کی بنیاد ڈالی، جس کے ذریعے انھوں نے ان علوم کی اشاعت و ترویج میں پوری ہمت صَرف فرما دی۔

مولانا (سندھی) ممدوحؒ نے احقر کی عرض داشت پر دارالعلوم (دیوبند) میں اس ناکارہ کو ''**حجّة اللّٰه البالغه**'' بھی پڑھانی شروع کی اور مختلف اوقات میں احقر کے سوالات پر حکمت ِ قاسمی اور حکمتِ ولی اللّٰہی کے اصول و حقائق تشریح کے ساتھ نقل فرماتے تھے۔'' (43)

حضرت سندھیؒ کے وصال پر علامہ موسیٰ جاراللہ کا مکتوب

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے وصال پر مشہور روسی عالم، علامہ موسیٰ جاراللہؒ نے حضرت مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ کے خسر حضرت مولانا شیخ محمد سندھی مدنیؒ (شاگرد حضرت امام سندھیؒ) کے نام ایک مکتوب میں حضرت سندھیؒ کے بارے میں درجِ ذیل تأثرات تحریر کیے:

''امام، مجاہد، مجتہد عبیداللہ سندھیؒ نے اللہ کی جانب سے آنے والے بلاوے کو قبول کیا۔ آپؒ اپنے ربّ کے حضور راضی اور خوشی تشریف لے گئے۔ اس حال میں کہ آپؒ کا نفس مطمئن تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں جنت عطا کی اور انھیں اپنے اُن بندوں میں داخل کرلیا، جن کے بارے میں سورت الفجر میں ارشادِ ربانی ہوا ہے:

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ

فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ (44)

(اے وہ نفس جس نے اطمینان حاصل کرلیا، تو چل اپنے ربّ کی طرف۔ تو اُس سے راضی، وہ تجھ سے راضی۔ پھر شامل ہوجا میرے بندوں میں اور داخل ہوجا میری جنت میں۔)

امام سندھیؒ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ کے بندوں کی جماعت ''ملاءِ اعلیٰ'' میں ہوتی ہے۔ جس کا تذکرہ سورت ص کی اس آیت میں ہے:

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰۤى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ (45)

(مجھ کو کچھ خبر نہ تھی ملاءِ اعلیٰ کے علم کی، جب وہ آپس میں تکرار کرتے ہیں)

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''ملاءِ اعلیٰ'' (کے مرکز) کو ''حظیرۃ القدس'' کا نام بھی دیتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے میں ''حظیرۃ القدس'' کا عقیدہ رکھنا اساسی اصول کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عرش سے جتنے بھی فیوضات عالم انسانیت میں نازل ہوتے ہیں، وہ ''حظیرۃ القدس'' کے واسطے سے ہی آتے ہیں۔......

میں امام سندھیؒ کو بڑی اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ میں نے انھیں پہلی مرتبہ اس وقت

دیکھا تھا، جب کہ وہ سوویت یونین کی حکومت کے سربراہ لینن کی زندگی میں سوویت یونین کے دارالحکومت (ماسکو) تشریف لائے تھے۔ حکومت کے لوگوں نے آپؒ کا شان دار استقبال کیا تھا۔ اس موقع پر حکومت نے امام سندھیؒ کے ساتھ بڑے اہتمام اور احترام کا معاملہ کیا تھا۔ اس حکومت نے امام سندھیؒ کے افکار و خیالات اور بیانات سے نئی روشنی حاصل کی اور بڑی مستفید ہوئی تھی۔ سوویت یونین حکومت نے آپؒ کے بعض ارشادات انگریزی زبان میں شائع بھی کیے تھے۔ میرے پاس اس کا فارسی نسخہ موجود ہے۔

آپؒ کی آمد کے موقع پر مَیں بھی امام (سندھیؒ) کی زیارت کے لیے دارالحکومت (ماسکو) گیا تھا، تاکہ آپؒ سے استفادہ کرسکوں۔ چناں چہ میں وہاں آپؒ کی صحبت میں کچھ ایام تک ٹھہرا رہا۔ اکثر ایام میں ایسا ہوتا کہ آپؒ صبح کے وقت میری قیام گاہ پر تشریف لے آتے۔ پھر میں نے آپؒ کو دارالحکومت ''لینن گراڈ'' آنے کی دعوت دی۔ میں نے آپؒ کا وہاں استقبال کیا۔ حکومتِ وقت نے بھی آپؒ کا استقبال کیا اور سرکاری مہمان بننے کی دعوت دی، لیکن امام سندھیؒ نے میرے گھر قیام کرنے کو ترجیح دی۔ آپؒ میرے گھر پر ٹھہرے اور رمضان المبارک کے مہینے میں دو ہفتے تک میرے گھر کو اپنے قیام سے مشرف فرمایا۔

اس دوران آپؒ اور آپؒ کے ساتھیوں نے سفر کے عذر کی وجہ سے روزہ نہیں چھوڑا۔ گھر سنبھالنے والی میری اہلیہ سردیوں کے سخت ایام میں دن رات معزز مہمانوں کی خدمت کے لیے مستعد رہتی تھی۔ افطار کے وقت آپؒ کے اعزاز میں ایک لمبا دسترخوان بچھایا جاتا تھا۔ جس کی مرکزی نشست پر امام سندھیؒ تشریف فرما ہوتے اور آپؒ کے دونوں اطراف آپؒ کے شاگرد موجود ہوتے تھے۔ انھی دنوں میں بہت دفعہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ روس کے بڑے بڑے علما آپؒ کی زیارت اور صحبت کے لیے تشریف لاتے تھے۔

امام سندھیؒ اور آپؒ کے ہمراہ رہنے والی جماعت نے اس شہر کی ہر قابل سیاحت مقام کی سیر و سیاحت کی۔ آپؒ نے بعض ایسے مقامات بھی بڑی توجہ سے دیکھے، جنھیں بہت کم لوگ دیکھتے ہیں۔

میں اپنے گھر میں آپؒ کے قیام کے دوران سوائے آرام کے لمحات یا مخصوص اوقات کے آپؒ سے جدا نہیں ہوتا تھا۔ اس طرح میں نے آپ کو خوب اچھی طرح دیکھا اور آپؒ کی پوری معرفت حاصل کی۔ میں نے دیکھا کہ آپؒ پکے حنفی اور اپنے دین میں انتہائی مخلص آدمی ہیں۔ آپؒ کی عبادات میں ریاکاری کا کوئی اثر تک نہیں تھا۔ آپؒ کی گفتگو اور سیرت و کردار میں کسی قسم کا کوئی تکلف اور بناوٹ کا شائبہ تک نہیں ہوتا تھا۔ میرا یہ بھی مشاہدہ ہے کہ آپؒ اپنے علم میں

مجتہدانہ بصیرت رکھتے تھے۔ آپؒ اپنے عمل اور تحریک میں سچے مجاہد تھے۔ آپؒ کے عزائم بڑے بلند تھے۔ آپؒ نہایت پختہ ایمان کے مالک تھے۔ اپنے مقاصد کے حصول میں بڑے پُرامید رہتے تھے اور اپنی کامیابی کا پختہ یقین رکھتے تھے۔

آپؒ 1923ء میں روس سے تشریف لے گئے تھے۔ پھر 1926ء میں استنبول میں میری ان سے ملاقات ہوئی۔ پھر حرمین شریفین میں کافی عرصے تک میں نے ان کی زیارت کی۔ حرمِ مکی میں مَیں نے کئی مہینے ان کی صحبت اٹھائی۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے کی روشنی میں ان کی املا کردہ قرآنِ کریم کی تفسیر میں نے بڑے اہتمام سے منضبط کی۔ فرصت کے اس زمانے میں اجتماعیت سے متعلق ان کے افکار سے مَیں واقف ہوا۔ اور کتابِ کریم کے سلسلے میں ان کے حکمت پر مبنی مقاصد سے مجھے آگاہی ہوئی۔

بعض اوقات وہ فرمایا کرتے تھے کہ:

''جب ہم امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے کی روشنی میں کتاب اللہ الکریم کی تفسیر مکمل کرلیں گے تو اللہ جل جلالہ کے اس قول

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (46)

(آپؐ کہہ دیجیے اے لوگو! میں تم سب لوگوں کی طرف اللہ کا رسول ہوں)

کو سامنے رکھتے ہوئے، ہم تمام ادیان کے ماننے والوں کو اُن کی اپنی کتاب کی روشنی میں دینِ اسلام سمجھا سکتے ہیں۔''

آپؒ کی وفات ہندوستان کے لیے بڑا صدمہ ہے۔ بلکہ ایک بڑے عالم کی موت کی وجہ سے یہ پورے عالم اسلام کے لیے صدمے کا باعث ہے۔ اس لیے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (47)

(مرد اور عورت میں سے جس نے اچھا عمل کیا، اس حال میں کہ وہ مؤمن ہے، ہم اسے پاکیزہ زندگی عطا کرتے ہیں۔ اور انھیں ان کے اعمال کا اچھا بدلہ دیتے ہیں۔)

کو سامنے رکھتے ہوئے امت کے معزز لوگوں، خاص طور پر علمائے امت، رہنمایانِ قوم، صاحبِ استطاعت افراد اور حکمرانوں پر لازم ہے کہ وہ امام سندھیؒ کے حالاتِ زندگی کو سامنے رکھتے ہوئے امام سندھیؒ کے پُرامید فکر و عمل کو زندہ کرنے کی جدوجہد اور کوشش کریں۔'' (48)

حرمین شریفین کے خطیب اور امام شیخ عبداللہ خیاطؒ کی نظر میں

حرمِ مکی کے اُستاذ اور مسجدِ حرام کے امام و خطیب حضرت شیخ عبداللہ بن عبدالغنی خیاطؒ (تلمیذ حضرت سندھیؒ) نے اپنی کتاب ''لمحات من الماضی'' کی پانچویں فصل میں اُن شخصیات کا تذکرہ کیا ہے، جنھوں نے اُن کی تعلیم و تربیت پر خاص اثر مرتب کیا ہے۔ اس فصل میں وہ اپنے استاذ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''عرفت فضیلة شیخنا عبیداللّٰه السّندی منطویا علیٰ نفسهٖ، متواضعاً فی کلّ شیءٍ فی خلقهٖ و بزتهٖ، و فی معاملتهٖ للنّاس و مخاطبتهم، و فی مجامعهم أیضاً مع أنّ لهٗ من علمهٖ و فضلهٖ و شخصیتهٖ و کرم نفسهٖ من المحامد و الفضائل ما یجعله فی الطّلیعة، کان لهٗ مجلس فی المسجد الحرام بجوار باب الدّاؤدیة فی العهد القدیم، تراهٗ و هو ممسک بعباء ته المتواضعة و علیه قمیص و فوق رأسهٖ عمامة مکورة و کأنّهٗ من الفقراء الزّاهدین، و عند ما تقترب منهٗ أو تتحدّث إلیه أو تکون لک بهٖ صلة علمیة، تجد البحر ذاخراً یبز الأقران و یأخذ بمجامع القلوب.'' (49)

(میں نے اپنے استاذ مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو اپنی ذات، اپنی عادات و اطوار اور اَخلاق، نیز لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے اور ان سے مخاطب ہونے کے حوالے سے انتہائی متواضع پایا۔ وہ اپنے علم و فضل، بلند شخصیت اور بہت سے عمدہ احوال و فضائل اور اعزاز و اِکرام کے باوجود بڑے مجمعوں میں بھی ایسے ہی اَخلاق کا مظاہرہ کرتے تھے۔

اُن کی مجلس درس مسجدِ حرام میں پُرانے زمانے میں ''باب الدّاؤدیہ'' کے قریب ہوتی تھی۔ انھیں وہاں بیٹھے ہوئے دیکھا جائے تو وہ ایک سادہ سی قمیص پر عبا پہنے ہوئے اور سر پر پگڑی باندھے ہوئے تشریف فرما ہوتے تھے۔ گویا کہ وہ فقر اور زہد و تقویٰ کا نمونہ بزرگوں میں سے ہیں۔ جب آپ اُن کے قریب بیٹھیں یا اُن سے گفتگو کریں یا اُن سے کسی علمی موضوع پر رہنمائی درکار ہو تو آپ محسوس کریں گے کہ وہ ایک ٹھاٹھیں مارتے ہوئے علمی سمندر کی طرح ہیں، جو اپنے ہم عصروں کو پچھاڑنے اور مجمع میں موجود لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچنے والے ہیں۔)

حضرت مولانا محمد طاہر پنج پیریؒ کا خراجِ تحسین

حضرت مولانا محمد طاہر پنج پیریؒ (تلمیذ امام عبیداللہ سندھیؒ) اپنی سوانح عمری **"بقیة الآثار من الحیات**

المستعار''، میں لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا علامہ عبیداللہ السندھی رحمہ اللہ کی عظمت، بے پناہ ذکاوت، للّٰہیت اور کثرتِ مطالعہ سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ کیوں کہ ان کا اکثر حصۂ عمر بیرونِ ملک گزرا ہے۔ میں نے ان جیسا ذکی اور مختلف علوم کا ماہر، بلکہ امام نہیں دیکھا۔

آپؒ فقہ و حدیث میں امام تھے۔علومِ ادبیہ اور فنونِ مختلفہ کے موجد معلوم ہوتے تھے۔فلسفہ اور تصوف تو آپؒ کا (وِجدانی) ذوق تھا اور ان میں آپؒ مؤسّسِ اصول تھے۔آپؒ کے زمانے میں کتبِ امام ولی اللہ الدہلویؒ میں کوئی دوسرا عالم آپؒ کا ہم سر نہیں تھا۔ آپؒ ان کتابوں کے راوی ہیں۔ جب آپؒ **حجّة اللّٰـه البـالغه** (تصنیف امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ)، **عبقات** (تصنیف حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ)، **تکـمیل الأذهان** (تصنیف حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ) وغیرہ پڑھاتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپؒ ہی ان کے مصنف ہیں۔ ...

حضرت مولانا سندھیؒ جب تصوف اور فلسفہ پر گفتگو کرتے تو آپؒ فنون کے مجتہد معلوم ہوتے تھے۔متعدد اصولِ فلاسفہ پر جب آپؒ چاہتے، مدلل ردّ فرماتے اور اُن کے بجائے نئے اصول وضع فرماتے تھے۔ ...

جب آپؒ فن تاریخ میں کلام کرتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپؒ تاریخ کے ہر دور اور ہر واقعہ میں خود حاضر تھے۔مؤرّخین پر آپؒ زیادہ تنقید کرتے تھے کہ انھوں نے منشی کا کردار ادا کیا ہے۔صرف لکھنا اور واقعہ نقل کر دینا تو کوئی کام نہیں۔ اصل کام واقعہ نقل کر کے اُس کے اسباب اور نتائج پر لکھنا ہے۔مگر انھوں نے اسے چھوڑ دیا۔ البتہ بعض مؤرّخین جا بجا ایسا کرتے ہیں، گونا تمام۔ پھر آپؒ تاریخ قدیم کے چند واقعات ذکر کرتے، ان کے نتائج پر کلام کرتے اور مؤرّخین کی غلطیاں واضح کرتے تھے۔

جب آپؒ فن تاریخ کو بیان کرتے تو آپؒ کے بیان سے سامعین کے عقول دنگ رہ جاتے تھے۔سامعین آپؒ کے حافظہ سے قدرتِ الٰہی کا کرشمہ دیکھتے۔آپؒ اپنے حافظے کے ساتھ ساتھ فرطِ ذکاوت سے تاریخ کا تذکرہ کرتے ہوئے موتی اور جواہر بکھیرتے تھے۔ آپؒ کا بے نظیر حافظہ اور ذکاوت ضرب المثل اور احسانِ الٰہی کے مظہر تھے۔'' (50)

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی زندگی کے یہ نقوش غور و فکر اور سمجھنے والوں کے لیے ہدایت کا بڑا سامان رکھتے ہیں اور فکر و شعور کی بالیدگی کا باعث ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین!)

حوالہ جات

1۔ عکس تحریر، مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، بیک ٹائٹل التمھید، مطبوعہ سندھی اَدبی بورڈ، حیدرآباد، سندھ

2۔ نُزھة الخواطر، مولانا سید عبدالحئ لکھنوی، ج:8، ص 328، مطبوعہ مکتبہ دار العرفات، دائرۃ الشیخ علم اللہ رائے بریلی، ہند۔

3۔ ارشادات حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری، جمع کردہ مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ، ص: 196، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور، جولائی 2014ء۔

4۔ ایضاً۔ص: 132۔

5۔ مکتوب بنام مولانا عبدالمتین نعمانی، سہ ماہی ''شعور وآگہی'' لاہور، ج:7، ش: 2، اپریل تا جون 2015ء، ص: 56۔

6۔ صحیح بخاری. باب ما ذکر عن بنی إسرائیل. حدیث نمبر 3455، طبع بیروت۔

7۔ سنن ابو داؤد. کتاب الملاحم. باب ما یذکر فی قرن المائة. حدیث نمبر 4291، طبع: بیروت۔

8۔ قاسم العلوم از حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مکتوب بنام مولانا فخر الحسن، اُردو ترجمہ: پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی، ص: 138، طبع: خیابان پریس، اُردو بازار، لاہور۔

9۔ خطبہ صدارت جمعیت علمائے ہند، شیخ الہند مولانا محمود حسن ایک سیاسی مطالعہ از ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری، ص: 158، طبع: مجلس یادگارِ شیخ الاسلام پاکستان، 1988ء۔

10۔ ایضاً، خطبہ صدارت اجلاس تاسیسی جامعہ ملیہ اسلامیہ، منعقدہ علی گڑھ، ص: 134۔

11۔ ایضاً، ص: 39-138۔

12۔ ایضاً، ص: 107۔

13۔ القرآن: 159:3۔

14۔ ایضاً، ص: 142۔

15۔ ایضاً، ص: 152 و 160۔

16۔ خطبات و مقالات مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مرتبہ: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری، ص: 487، طبع: دار التحقیق و الاشاعت، 33/A کوئینز روڈ لاہور

17۔ خطبات ومقالات، ص: 394۔

18۔ رواہ البخاری، کتاب الرقاق، حدیث: 6429۔ و عن عمران بن حصین، حدیث: 2651۔

19۔ إزالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء. از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، المقصد الأوّل، فصل چھارم، أحادیثِ خلافت، مسند عبداللہ بن مسعودؓ، جلد: 1، ص: 87-286، طبع قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی۔

20۔ عکس قلمی مسودہ تحریر کردہ: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی، ص 55، شروع کردہ بتاریخ: ۸/ شوال ۱۳۴۷ھ / 19/ مارچ 1929ء۔

21۔ مشکوۃ المصابیح، رواہ البیھقی فی شعب الإیمان، حدیث: 5362، طبع: بیروت۔

22۔ حجّة اللّٰہ البالغہ، از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، باب الفتن، ج:2، ص: 533، طبع: دیوبند۔

23۔ التّمھید، از امام عبیداللہ سندھیؒ، مقالہ دوم، باب: 12، فصل: 1۔ دیکھئے! اسی کتاب کا صفحہ 296۔

24۔ القرآن: 124:2۔

25۔ ایضاً،مقالہ سوم:سبیل الرشاد، دوسری قسم،مقدمہ۔ دیکھئے!اسی کتاب کا صفحہ 455۔

26۔ ایضاً،مقالہ دوم: تحدیث العبد الضعیف ، باب : 11،فصل: 5۔دیکھئے!اسی کتاب کا صفحہ 288۔

27۔ ایضاً،باب: 7،فصل :1۔ دیکھئے! اسی کتاب کا صفحہ 215۔

28۔ ایضاً۔

29۔ باب: 7،فصل :5۔ دیکھئے! اسی کتاب کا صفحہ 226۔

30۔ القرآن: 11:6۔

31۔ **التّمهید لتعریف أئمّة التّجدید، از حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ص8۔**

32۔ ایضاً۔

33۔ ایضاً۔

34۔ ایضاً،ص 36۔

35۔ خطبات ومقالات مولانا عبیداللہ سندھیؒ،ص: 25-224۔

36۔ ایضاً،ص: 28-227۔

37۔ شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ۔مرتبہ: پروفیسر محمد سرور مرحوم،ص: 6،طبع: سندھ ساگر اکیڈمی لاہور۔

38۔ ایضاً۔

39۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ افکار و خدمات از مولانا دین محمد وفائی ،ص 25-24،مرتبہ: ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری،ص 25-24۔طبع: المحمود اکیڈمی، اردو بازار لاہور

40۔ شاہ ولی اللہ سے امام عبیداللہ سندھیؒ تک، از ڈاکٹر ظہیرالحق دین پوریؒ،ص: 125،طبع: دین پور، خان پور

41۔ خطبات و مقالات مولانا عبیداللہ سندھیؒ،ص: 330، خطبہ افتتاح ٹھٹھہ(سندھ)ضلع کانگریس کمیٹی کانفرنس، منعقدہ 12/جولائی 1940ء۔

42۔ مکتوبِ گرامی حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ بنام مولانا عبیداللہ سندھیؒ،مطبوعہ: سہ ماہی ''احوال وآثار''، جولائی اگست ستمبر 2007ء مرتبہ: مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی،ص:99-98،مطبوعہ حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی،محلّہ مولویان ،کاندھلہ،ضلع مظفر نگر (یوپی) انڈیا۔

43۔ حکمتِ قاسمیہ۔ تحریر از قاری محمد طیب قاسمیؒ، مہتمم دارالعلوم دیوبند،ص: 32، طبع: مجلس معارف القرآن، دارالعلوم دیوبند۔سن طباعت: 1387ھ/ 1967ء۔

44۔ القرآن 89:30-27۔

45۔ القرآن: 69:38۔

46۔ القرآن: 158:7۔

47۔ القرآن: 97:16۔

48۔ مکتوب علامہ موسیٰ جاراللہ بنام مولانا محمد سندھی مدنی ،نقل کردہ مقدمہ کتاب التمهید لتعریف ائمّۃ التّجدید،تحریر کردہ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ،ص: وتاح۔

49۔ **لمحات من الماضی، از شیخ عبدالله بن عبدالغنی خیاطؒ، الفصل الخامس؛ شخصیات لها اثرها فی نفسی، ص: 340، طبع: دار الملک عبدالعزیز، الرّیاض، الطّبعة الأولیٰ: ۱۴۲۵ھ/ 2004ء**

50۔ **بقیة الآثار من الحیات المستعار،** مصنفہ: شیخ القرآن مولانا محمد طاہر،مرتبہ: مولانا محمد طیب طاہری،ص:55 تا 57، ناشر: مکتبۃ الیمان،دارالقرآن، پنج پیر صوابی، پاکستان،طبع اوّل: رمضان ۱۴۲۱ھ/ دسمبر 2000ء۔

تالیف

امام الانقلاب العلامة عُبید اللہ السندیؒ

اردو ترجمہ

مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

بسم الله الرحمن الرحیم

[illegible]

بسم الله الرحمن الرحیم

[illegible]

امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے اپنے دستِ مبارک سے لکھے ہوئے قلمی نسخے کا عکس

امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے اپنے دستِ مبارک سے لکھے ہوئے قلمی نسخے کا عکس

۱

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى أما بعد فاني وفقت لسياحة من ١٣٢٢ فدرت بلاد الأفاغنة وإلى الصرقة والإستنبول وقطعت من اوربا كالروسيا والايطاليا والسويسرا. وادركت الأمم يفتخرون بشعرائهم وحكمائهم. فخطر خاطري الى تاليف كتاب . التمهيد لتعريف أئمة التجديد وأعني بائمة التجديد. سراج الهند الإمام عبد العزيز بن ولي الله الدهلوي ابنه المفسر المحدث وحكيم الهند الإمام ولي الله بن عبد الرحيم الدهلوي وسلطان الهند الإمام محي الدين محمد عالمگير وعارف الهند الإمام الربانى الشيخ أحمد بن عبد الأحد السرهندي مجدد الألف الثاني. فلما وصلت الى بلد المكة الحرام في ١٣٣٢ اردت أن أجمع نموذجا من ذلك الكتاب حسبما تيسر من الأسباب راجيا من لطف الله العظيم أن يجمع عمرا نقدا من الراسخين في العلم الى تكميل هذا الأمر الأهم ليسهل تدوين التاريخ لارتقاء المجتمع الإسلامي الهندي في المعارف والسياسة وغيرها والله الموفق والهادي.

ثم انه قد استقر الرأي على أنه لو قدمنا الأمور العامة مما يتعلق بالفرقة الولية اللهية من تفسير معنى الفقه ومراتب الفقهاء وما يرجع الى تطبيق مسالكهم وتعيين الجادة والترجيح المتين وتحقيق مذاهب اهل السنة وتجديد المسالك في الفقه الحنفي وتقرير فنون التحصيل والتطبيق واضفنا الى ذلك شيئا من تاريخ الحكومات الإسلامية في الهند وجهاد علماء الهند من الفقهاء والعارفين في إقامة الإسلام وشيوع علم الحديث والحكمة لكان خير معين في فهم المسائل العربية. فكتبنا مقالات تجمع ما يجب تقديمه على المقصد. ونرجو ممن وقف عليها العفو والإصلاح ان لم نقدر على رعاية الترتيب الأنسب. فأول ما قدمه منها لمطالعة مقام محمود ثم تحديث النعمة ثم تسبيل الرشاد ثم مواقف المسترشدين ونشكر الله على الفراغ من المقدمات رتمعين في

مولانا محمد معروف متعلویؒ کے قلمی نسخے کا عکس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عکس قلمی نسخہ کتب خانہ دارالعلوم دیوبند۔ صفحہ اوّل

مقدمہ کتاب

از مصنف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ و سلام علٰی عبادہٖ الّذین اصطفٰی، أمّا بعد!

سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں اور درود وسلام ہو اللہ کے اُن بندوں پر، جنھیں اس نے منتخب کرلیا ہے۔اس کے بعد عرض ہے کہ مجھے ۱۳۳۳ھ (1915ء) میں (مختلف ممالک کی) سیاحت کی توفیق ہوئی۔ چناں چہ میں (ایشیائی ممالک میں سے) افغانستان، ترکمانستان، استنبول اور یورپ کے کچھ ممالک مثلاً روس، اٹلی اور سوئٹزرلینڈ میں گھوما پھرا۔اس دوران جب میں نے مختلف اقوام کے بارے میں یہ مشاہدہ کیا کہ وہ بڑے فخر کے ساتھ اپنے شعرا، حکما اور فلسفیوں کا تذکرہ کرتے ہیں تو میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں (ہندوستان کے) ائمہ مجددین کے تعارف کے لیے بہ طورِ تمہید کے ایک کتاب لکھوں۔

ائمہ تجدید سے میری مراد درجِ ذیل حضرات ہیں:

1۔ ہندوستانی تحریک کے امام، سراج الہند امام عبدالعزیز بن (امام شاہ) ولی اللہ دہلویؒ
2۔ حکیم الہند امام (شاہ) ولی اللہ بن عبدالرحیم دہلویؒ
3۔ سلطان الہند امام محی الدین محمد (اورنگ زیب) عالم گیرؒ
4۔ عارف الہند امامِ ربانی شیخ احمد بن عبدالاحد سرہندی مجدد الف ثانیؒ

جب میں (صفر) ۱۳۴۵ھ (اگست 1926ء) میں مکہ مکرمہ کے محترم شہر پہنچا تو میں نے ارادہ کیا کہ جس قدر مجھے (علمی وفکری) اسباب میسر ہیں، انھیں سامنے رکھتے ہوئے اس کتاب کی چند فصلیں جمع کردوں، تاکہ علوم و معارف اور سیاست وغیرہ میں ہندوستان میں اسلامی سوسائٹی کے ارتقا کی تاریخ کی تدوین وترتیب آسان ہوجائے۔

اللہ کے لطف وکرم سے مجھے یہ امید ہے کہ (آئندہ چل کر) علوم میں مہارت اور رسوخ رکھنے والی ایک جماعت کی ہمتیں اس اہم کام کی تکمیل کے لیے ضرور اُٹھ کھڑی ہوں گی۔اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا

اور ہدایت دینے والا ہے۔

پھر ہماری رائے یہ ہوئی کہ ہم ولی اللّٰہی جماعت سے متعلق چند بنیادی ''امورِ عامہ'' (اساسی اُمور) پہلے بیان کردیں تو مشکل مسائل کے حل میں ایسا کرنا زیادہ ممد و معاون ہوگا۔

یہ بنیادی امور درجِ ذیل ہیں:

1۔ فقہ کے معنی و مفہوم کی تفسیر و تشریح

2۔ فقہا کے مراتب و درجات اور ان کے مسالک کی باہمی تطبیق

3۔ ''**الجادّة القويمة المحمدية**'' (محمدی اسوۂ حسنہ کی شاہراہِ فکر و عمل) کا تعین

4۔ اہل سنت کے فقہی مذاہب کی تحقیق

5۔ فقہ حنفی کے مسلک کی تجدید

6۔ صحیح علمی ذوق پیدا کرنے والے علوم وفنون کی تحصیل

7۔ مختلف آرا کے درمیان تطبیق سے متعلق فن کی تشریح و توضیح

8۔ ہندوستان میں اسلامی حکومتوں کے ارتقا و تطور کی تاریخ

9۔ ہندوستان میں اسلام کے پھیلاؤ کے لیے صوفیا اور فقہا کی جدو جہد کا تعارف

10۔ ہندوستان میں علم حدیث اور علومِ حکمت و فلسفہ کے پھیلاؤ کا تعارف

ہم نے (ان اساسی اُمور پر مشتمل) اپنے مقصد کی وضاحت کے لیے چند ایسے مقالات لکھے ہیں، جنھیں معرضِ تحریر میں لانا ضروری تھا۔

(۱) پہلا مقالہ ''**مقامِ محمود**'' ہے۔

(۲) دوسرا مقالہ '**تحديث النّعمة**'' ہے۔

(۳) تیسرا مقالہ ''**سبيل الرّشاد**'' ہے۔

(۴) چوتھا مقالہ ''**مواقف المسترشدين**'' ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ہم شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ان بنیادی امور کو بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ ہم اُسی سے مدد طلب کرتے ہیں کہ اُس نے ہمیں ''**التّمهيد**'' لکھنے اور اُس کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائی۔ وہی توفیق دینے والا اور رُشد و ہدایت دینے والا ہے۔

پہلا مقالہ

مقامِ محمود

یعنی

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ

کے علوم وافکار کا تاریخی سلسلۂ سند

مقالہ ایک نظر میں

مقدمہ

پہلا باب

دیوبندی جماعت کے بنیادی رہنماؤں کی اسانید

دوسرا باب

ولی اللّٰہی جماعت کے ائمہ کی اسانید

تیسرا باب

ہزارۂ دوم میں ہندوستان کے علما میں سے مجددین ائمہ کی اسانید

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ و سلام علٰی عبادہ الّذین اصطفٰی، أمّا بعد!

سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں اور درود و سلام ہو اللہ کے اُن بندوں پر، جنھیں اس نے منتخب کیا ہے۔اس کے بعد یہ مقالہ **''مقامِ محمود''** کے عنوان سے ہے۔ جس میں مَیں نے اپنے شیخ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی اسانید میں سے چالیس اسناد جمع کی ہیں۔ تاکہ ایسے لوگ اس سے مستفید ہوں، جو علمائے دیوبند اور اُن کے دہلوی مشائخ کے بارے میں اجمالی طور پر معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

میں نے اس مقالے کو تین ابواب میں مرتب کیا ہے:

1۔ پہلا باب: دیوبندی جماعت کے بنیادی رہنماؤں کی اسانید

2۔ دوسرا باب: ولی اللّٰہی جماعت کے ائمہ کی اسانید

3۔ تیسرا باب: ہزارۂ دوم میں ہندوستان کے علما میں سے مجددین ائمہ کی اسانید

و اللّٰہ الموفق۔ اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

پہلا باب

دیوبندی جماعت کے اہم رہنماؤں کی اسانید

(اہم رہنماؤں کا تعارف)

☆ شیخ الاجل مولانا (شاہ) عبدالرحیم بن وجیہ الدین دہلویؒ ۱۰۵۴ھ (1644ء) میں پیدا ہوئے اور ان سے ولی اللّٰہی جماعت کی نشو ونما ہوئی۔ وہ شہر شاہ جہان آباد (دہلی) کی جامع مسجد کے سنگِ بنیاد کے موقع پر موجود تھے۔ ان کا انتقال ۱۱۳۱ھ (1719ء) میں ہوا۔

☆ پھر ان کے صاحبزادے امام ولی اللہ دہلویؒ ہوئے، ان کا انتقال ۱۱۷۶ھ (1762ء) میں ہوا۔

☆ پھر ان کے صاحبزادے امام عبدالعزیز دہلویؒ ہوئے، ان کا انتقال ۱۲۳۹ھ (1824ء) میں ہوا۔

☆ پھر ان کے بھتیجے صدر الشہید مولانا محمد اسماعیل (شہیدؒ) ہوئے، انھیں ۱۲۴۶ھ (1831ء) میں شہید کر دیا گیا۔

☆ پھر ان کے نواسے صدرالحمید مولانا محمد اسحاق (دہلویؒ) اور ان کے بھائی مولانا محمد یعقوب (دہلویؒ) ہوئے، جنھوں نے ۱۲۵۷ھ (1841ء) میں حجاز کی جانب ہجرت کر لی تھی۔ صدرالحمید کا مکہ مکرمہ میں ۱۲۶۲ھ (1846ء) میں انتقال ہوا اور مولانا محمد یعقوب (دہلویؒ)، جو ولی اللّٰہی خانوادے کے باقی رہ جانے والے بہترین افراد میں سے تھے، ان کا انتقال ۱۲۸۲ھ (1866ء) میں ہوا۔

رضی اللّٰہ عنھم اجمعین۔ اللہ تعالیٰ ان تمام سے راضی ہوجائے۔

(بالاکوٹ میں) واقعۂ شہادت کے بعد امام ولی اللہ دہلویؒ سے نسبت رکھنے والے لوگوں میں اختلاف پیدا ہوا اور صدرالحمید (مولانا محمد اسحاق دہلویؒ) کی وفات کے بعد اس کی دو جماعتیں ہوگئیں:

ایک ''دہلوی جماعت'' اور دوسری ''عظیم آبادی جماعت''۔

۱۲۷۴ھ (1857ء) میں دہلی پر برطانیہ کے قبضے کے بعد یہ تقسیم مستقل بنیادوں پر قائم ہوگئی۔

مولانا محمد یعقوب دہلویؒ کی وفات کے بعد پہلی (دہلوی) جماعت نے اپنا مرکز دہلی کے قریب دیوبند

شہر میں قائم کیا۔ وہاں انھوں نے ۱۲۸۳ھ (1866ء) میں ایک دینی مدرسے کی بنیاد رکھی۔ اس طرح یہ لوگ ''دیوبندی جماعت'' کے نام سے مشہور ومعروف ہوئے۔ یہ حضرات دینی تحریک کے رہنماؤں کی اتباع کرتے ہوئے اِدھراُدھر جھکاؤ رکھے بغیر ولی اللّٰہی جماعت کے اصل طریقے پر پوری استقامت کے ساتھ قائم رہے۔ واللّٰہ المُستعان. اللہ تعالیٰ سے ہی اس سلسلے میں مدد طلب کی جاتی ہے۔

(اسانید حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن)

[1] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ سے، وہ قدوۃ العارفین امیر امداد اللہ تھانوی مکیؒ سے اور وہ امیر نصیرالدین دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

[2] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں مولانا محمد یعقوب (نانوتویؒ) دیوبندیؒ، مولانا محمد قاسم (نانوتوی) دیوبندیؒ، مولانا احمد علی (محدث) سہارن پوریؒ، مولانا محمد مظہر نانوتویؒ اور مولانا (قاری) عبدالرحمٰن پانی پتیؒ سے، اور یہ پانچوں حضرات پہلے (مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ) کے والد اور دوسرے (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) کے چچا استاذ الاساتذہ مولانا مملوک علی (نانوتوی) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

[3] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ سے، وہ قدوۃ الصالحین شیخ مظفر حسین کاندھلویؒ سے اور وہ بقیۃ السلف مولانا محمد یعقوب دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

[4] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ) سے، وہ متقی، صالح مولانا عبدالغنی (مجددی) دہلویؒ سے اور وہ شیخ الاسلام، عَلَمُ الجہاد مولانا احمد سعید (مجددی) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

[5] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد شیخ ذوالفقار علی دیوبندیؒ سے اور وہ صدرالصدور شیخ صدرالدین دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

دوسرا باب

ولی اللّٰہی جماعت کے ائمہ کی اسانید

فصل (1): اسانید مہدیٔ ہندی امیر المؤمنین سید احمد دہلوی شہیدؒ

[6] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں امیر امداد اللہ (تھانوی مہاجر مکیؒ) سے، وہ امیر

نصیرالدین (دہلویؒ)، شیخ نورمحمد جھنجھانویؒ اور صدرالحمید مولانا محمداسحاق (دہلویؒ) سے اور یہ تینوں حضرات امیرالشہید (سیداحمد شہیدؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): اسانید امیرالمؤمنین (سیداحمد شہیدؒ) کے وزرا

اس فصل میں امیرالمؤمنین (سید احمد شہیدؒ) کے وزرا، صدورِ ثلاثہ مولانا عبدالحئ (بڑھانویؒ)، مولانا محمداسماعیل (شہیدؒ) اور مولانا محمداسحاق (دہلویؒ) کی اسانید کا بیان ہے۔

[7] شیخ الہند (مولانا محمودحسنؒ) روایت کرتے ہیں اپنے زمانے کے حافظ الحدیث مولانا احمد علی (محدث) سہارن پوریؒ سے، وہ شیخ وجیہ الدین محسنی (سہارن پوریؒ) سے، وہ صدرالسعید مولانا عبدالحئ (بڑھانوی) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

[8] شیخ الہند (مولانا محمودحسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمدقاسم نانوتویؒ) سے، وہ امیر امداداللہ (تھانوی مہاجر مکیؒ) سے، وہ امیر نصیرالدین دہلویؒ سے اور وہ صدرالشہید مولانا محمداسماعیل (شہید) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

[9] شیخ الہند (مولانا محمودحسنؒ) روایت کرتے ہیں شیخ عبدالغنی (مجددی) دہلویؒ، شیخ احمدعلی (محدث سہارنپوریؒ)، شیخ محمدمظہر نانوتویؒ، شیخ (قاری) عبدالرحمٰن پانی پتی اور امیر امداداللہ تھانویؒ سے اور یہ پانچوں حضرات صدرالحمید مولانا محمداسحاق دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): امام ولی اللہ دہلویؒ کے تینوں صاحبزادگان کی اسانید

اس فصل میں ائمہ ثلاثہ: امام عبدالعزیز (دہلویؒ)، شیخ رفیع الدین (دہلویؒ) اور شیخ عبدالقادر (دہلویؒ) کی اسانید کا بیان ہے، جو اپنے والد امام ولی اللہ (دہلویؒ) کے طریقے میں مجتہدین کی حیثیت رکھتے ہیں۔

[10] شیخ الہند (مولانا محمودحسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمدقاسم نانوتویؒ) سے، وہ شیخ عبدالغنی (مجددی دہلویؒ) اور شیخ احمد علی (محدث سہارن پوریؒ) سے اور وہ دونوں حضرات صدرالحمید (مولانا محمداسحاق دہلویؒ) سے، وہ ائمہ ثلاثہ (امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، امام شاہ رفیع الدین دہلویؒ اور امام شاہ عبدالقادر دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

[11] شیخ الہند (مولانا محمودحسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمدقاسم نانوتویؒ) سے، وہ امیر امداداللہ (تھانوی) سے، وہ امیر نصیرالدین (دہلویؒ) اور صدورِ ثلاثہ (صدالحمید مولانا محمداسحاق دہلویؒ، صدرالشہید مولانا محمداسماعیل شہیدؒ اور صدر السعید مولانا عبدالحئ بڑھانویؒ) سے اور وہ تینوں ائمہ (امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، امام شاہ رفیع الدین دہلویؒ اور امام شاہ عبدالقادر

دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

[12] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) سے، وہ استاذ الاساتذہ مولانا مملوک علی (نانوتوی) دہلویؒ سے، وہ شیخ رشید الدین دہلویؒ سے اور وہ ائمہ ثلاثہ (امام شاہ عبد العزیز دہلویؒ، امام شاہ رفیع الدین دہلویؒ اور امام شاہ عبد القادر دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

[13] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں امیر امداد اللہ (تھانوی) اور شیخ (قاری) عبد الرحمٰن پانی پتی سے، وہ دونوں حضرات شیخ قلندر جلال آبادیؒ سے، وہ شیخ (مفتی) الٰہی بخش کاندھلویؒ سے اور وہ ائمہ ثلاثہ (امام شاہ عبد العزیز دہلویؒ، امام شاہ رفیع الدین دہلویؒ اور امام شاہ عبد القادر دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

[14] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، وہ شیخ الاسلام مولانا عبد الغنی (مجددی دہلوی) سے، وہ شیخ الاسلام مولانا احمد سعید دہلویؒ سے اور وہ ائمہ ثلاثہ (امام شاہ عبد العزیز دہلویؒ، امام شاہ رفیع الدین دہلویؒ اور امام شاہ عبد القادر دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4): ہندی (اردو) زبان کے امام المفسرین مولانا شاہ عبد القادر دہلویؒ کی اسانید

[15] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد شیخ ذوالفقار علی دیوبندیؒ سے، وہ (شیخ) صدر الدین دہلویؒ سے، وہ صدر الحمید (شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) سے اور وہ امام عبد القادر دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

[16] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں اپنے زمانے کے حافظ الحدیث مولانا احمد علی (محدث) سہارن پوریؒ سے، وہ شیخ وجیہ الدین محسنی (سہارن پوریؒ) سے، وہ صدر السعید (مولانا عبد الحیٔ بڈھانویؒ) سے اور وہ امام عبد القادر دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (5): علوم حاصل کرنے کے فنون اور حکمت و فلسفہ کے علوم کے اماموں کے امام مولانا (شاہ) رفیع الدین (عبد الوہاب) دہلویؒ کی اسانید

[17] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں مولانا محمد یعقوب (نانوتوی) دیو بندیؒ سے، وہ (اپنے والد) مولانا مملوک علی (نانوتویؒ) دہلویؒ سے، وہ شیخ رشید الدین دہلویؒ سے اور وہ امام رفیع الدین دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

[18] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں مولانا محمد قاسم (نانوتوی) دیوبندیؒ سے، وہ مولانا مملوک علی (نانوتویؒ) دہلویؒ سے، وہ شیخ رشیدالدین دہلویؒ سے اور وہ امام (شاہ) رفیع الدین دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

[19] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، وہ شیخ عبدالغنی (مجددی) دہلویؒ سے، وہ شیخ مخصوص اللہ دہلویؒ سے اور وہ اپنے والد امام رفیع الدین دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

[20] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) سے، وہ امیر امداداللہ (تھانویؒ) سے، وہ امیر نصیرالدین دہلویؒ سے، وہ صدرالشہید مولانا محمد اسماعیل (شہیدؒ) سے اور وہ اپنے تایا امام رفیع الدین دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (6): ہندوستانی تحریک کو منظّم کرنے والے (ہزارۂ دوم) کی تیسری صدی کے امام اور مجدد (امام الدین حضرت شاہ) عبدالعزیز دہلویؒ کی اسانید

[21] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) سے، وہ استاذ الاساتذہ مولانا مملوک علی (نانوتویؒ) سے، وہ شیخ رشیدالدین (دہلویؒ) سے، وہ شیخ رفیع الدین دہلویؒ سے اور وہ اپنے بھائی سراج الہند امام عبدالعزیز (دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

[22] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں شیخ (قاری) عبدالرحمٰن پانی پتیؒ سے، وہ شیخ حسن علی پانی پتیؒ سے، وہ شیخ عبدالقادر (دہلویؒ) سے اور وہ اپنے بھائی سراج الہند امام عبدالعزیز (دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

[23] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں امیر امداداللہ (تھانویؒ) سے، وہ امیر نصیرالدین (دہلویؒ) سے، وہ امیرالشہید (سید احمد شہیدؒ) اور ان کے تینوں وزرا (مولانا عبدالحئی بڈھانویؒ، مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ اور مولانا محمد اسحاق دہلویؒ) سے اور یہ سب حضرات سراج الہند امام عبدالعزیز (دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

[24] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) سے، وہ شیخ عبدالغنی (مجددی دہلویؒ) سے، وہ صدرالحمید (شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) سے اور وہ اپنے نانا سراج الہند امام عبدالعزیز (دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

[25] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) سے، وہ شیخ احمد علی (محدث سہارن پوریؒ) سے، وہ صدر الحمید (شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) سے اور وہ اپنے نانا سراج الہند امام عبد العزیز (دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

[26] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) سے، وہ (شیخ) مظفر حسین کاندھلویؒ سے، وہ بقیۃ السلف مولانا (شاہ) محمد یعقوب دہلویؒ سے اور وہ اپنے نانا سراج الہند امام عبد العزیز (دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

[27] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں شیخ عبد الغنی (مجددی) دہلویؒ سے، وہ اپنے والد شیخ ابو سعید دہلویؒ سے، وہ شیخ غلام علی عبد اللہ دہلویؒ سے اور وہ سراج الہند امام عبد العزیز (دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

[28] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں شیخ احمد طرابلسی اروادیؒ سے، وہ شیخ (علامہ محمد امین) ابن عابدین دمشقی (شامیؒ، مصنف ''فتاویٰ شامی'') سے، وہ شیخ خالد کردی (نقشبندیؒ) سے اور وہ سراج الہند امام عبد العزیز (دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (7): دینی تحریک کے بانی اور شریعت کے فکر و فلسفہ کی تدوین کرنے والے امام الائمہ حکیم الہند امام (شاہ) ولی اللہ دہلویؒ کی اسانید

[29] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں پانچ مشائخ (شاہ) عبد الغنی (مجددی دہلویؒ)، (مولانا) احمد علی (محدث سہارن پوریؒ)، (مولانا) محمد مظہر (نانوتویؒ)، (شیخ قاری) عبد الرحمٰن (پانی پتی) اور (شیخ) امداد اللہ (تھانوی مہاجر مکیؒ) سے، یہ تمام حضرات صدر الحمید (شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) سے اور وہ ائمہ ثلاثہ (امام شاہ عبد العزیز دہلویؒ، امام شاہ رفیع الدین دہلویؒ اور امام شاہ عبد القادر دہلویؒ) سے اور وہ (اپنے والد) امام (شاہ) ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

[30] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں شیخ عبد الغنی (مجددی دہلویؒ) سے، وہ شیخ محمد عابد ہندی (سندھیؒ) سے، وہ اپنے چچا (شیخ محمد حسین سندھیؒ) سے اور وہ شیخ ابو الحسن صغیر (سندھیؒ) سے، وہ شیخ محمد حیات ہندی (سندھیؒ)، وہ (شیخ مخدوم) محمد معین ہندی (سندھیؒ) اور وہ امام (شاہ) ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

[31] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں شیخ عبد الغنی (مجددی) دہلویؒ سے، وہ اپنے والد شیخ ابو سعید دہلویؒ سے، وہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ سے اور وہ امام (شاہ) ولی اللہ دہلویؒ سے

روایت کرتے ہیں۔

[32] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں پانچ مشائخ (شاہ عبدالغنی مجددی دہلویؒ، مولانا احمد علی محدث سہارن پوریؒ، مولانا محمد مظہر نانوتویؒ، شیخ قاری عبدالرحمٰن پانی پتیؒ اور شیخ امداداللہ تھانوی مہاجر مکیؒ) سے، یہ تمام حضرات صدرالحمید (شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) سے، وہ سراج الہند (امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ) سے، وہ شیخ محمد عاشق پھلتیؒ، اور شیخ محمد امین کشمیری (ولی اللّٰہیؒ) سے اور وہ (دونوں حضرات) امام (شاہ) ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (8): قرآن میں غور و فکر کی دعوت دینے والے (ہزارۂ دوم) کی دوسری صدی کے مجدد شیخ الاجل مولانا (شاہ) عبدالرحیم دہلویؒ کی اسانید

[33] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) سے، وہ شیخ عبدالغنی (مجددی دہلویؒ) سے، وہ صدرالحمید (مولانا شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) سے، وہ اپنے نانا سراج الہند (امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ) سے، وہ اپنے والد حکیم الہند (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) سے اور وہ اپنے والد شیخ الاجل مولانا (شاہ) عبدالرحیم دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

[34] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں شیخ عبدالغنی (مجددی دہلویؒ) سے، وہ شیخ مخصوص اللہ (دہلویؒ بن شاہ رفیع الدین دہلویؒ) سے، وہ اپنے تایا سراج الہند (امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ) سے، وہ شیخ محمد عاشق بن عبیداللہ پھلتی سے، وہ اپنے والد (شیخ عبیداللہ پھلتی) سے اور وہ شیخ الاجل مولانا (شاہ) عبدالرحیم دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

تیسرا باب

ہزارۂ دوم میں ہندوستان کے علما میں سے مجددین ائمہ کی اسانید

(ہزارۂ دوم کی پہلی صدی کے ائمہ مجددین درج ذیل حضرات ہیں:)

☆ محقق میر زاہد ہروی اکبر آبادیؒ: ان کا انتقال ۱۱۰۱ھ (1690ء) میں ہوا۔

☆ سلطان محی الدین محمد عالم گیرؒ: وہ ۱۰۲۸ھ (1619ء) میں پیدا ہوئے۔ وہ ۱۰۶۹ھ (1659ء) میں تختِ سلطنت پر بیٹھے اور ان کا انتقال ۱۱۱۸ھ (1707ء) میں ہوا۔

☆ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹیؒ: ان کا انتقال ۱۰۶۷ھ (1656ء) میں ہوا۔

☆ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ: ان کا انتقال ۱۰۵۲ھ (1642ء) میں ہوا۔

☆ امامِ ربانی (مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ): ان کا انتقال ۱۰۳۴ھ (1624ء) میں ہوا۔

☆ امام الائمہ رضی الدین (خواجہ) محمد باقی (باقی باللہ) دہلویؒ: ان کا انتقال ۱۰۱۲ھ (1603ء) میں ہوا۔

فصل (1): محقق علومِ عقلیہ وفقیہ میر زاہد اکبر آبادیؒ کی اسانید

[35] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں شیخ عبدالغنی (مجددی دہلویؒ) سے، وہ صدر الحمید (مولانا شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) سے، وہ سراج الہند (امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ) سے، وہ حکیم الہند (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) سے، وہ اپنے والد شیخ عبدالرحیم (دہلویؒ) سے اور وہ محقق میر زاہد اکبر آبادیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): حنفی فقہا کے سردار اور ہندوستان کے سلاطین میں مثالی شخصیت سلطان محی الدین محمد عالم گیر دہلویؒ کی اسانید

[36] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) سے، وہ (شیخ مولانا) مملوک علی (نانوتوی) سے، وہ (شیخ) رشیدالدین (دہلویؒ) سے، وہ سراج الہند (امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ) سے، وہ حکیم الہند (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) سے، وہ اپنے والد (شاہ عبدالرحیم دہلویؒ) سے، وہ سلطنتِ (مغلیہ) کے محتسب میر زاہد ہروی (اکبر آبادیؒ) سے اور وہ سلطان محی الدین محمد عالم گیر دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): علوم حاصل کرنے کے فنون کے محقق علامہ عبدالحکیم سیالکوٹیؒ کی اسانید

[37] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) سے، وہ (شیخ مولانا) مملوک علی (نانوتوی) سے، وہ (شیخ) رشیدالدین (دہلویؒ) سے، وہ سراج الہند (امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ) سے، وہ حکیم الہند (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) سے، وہ (شیخ) معمر محمد سعید لاہوریؒ سے، وہ (شیخ) محمد عارف لاہوریؒ سے اور وہ علامہ (عبدالحکیم) سیالکوٹی سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4): (ہزارۂ دوم کی) پہلی صدی میں علم حدیث کی بنیاد رکھنے والے مجدد شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی اسانید

[38] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) سے، وہ (شیخ مولانا) مملوک علی (نانوتوی) سے، وہ (شیخ) رشیدالدین (دہلویؒ) سے، وہ (شیخ) رفیع

الدین (دہلویؒ) سے، وہ (اپنے والد) حکیم الہند (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) سے، وہ اپنے والد (شاہ عبدالرحیم دہلویؒ) سے، وہ بھائی ابوالرضا محمد دہلویؒ سے اور وہ شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (5): ہزارۂ دوم میں علومِ ربانیہ کی بنیاد رکھنے والے امامِ ربانی (مجدد الف ثانی) شیخ احمد سرہندیؒ کی اسانید

[39] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) سے، وہ شیخ عبدالغنی (مجددی دہلویؒ) سے، وہ صدرالحمید (مولانا شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) سے، وہ اپنے نانا سراج الہند (امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ) سے، وہ اپنے والد (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) سے، وہ اپنے والد (شاہ عبدالرحیم دہلویؒ) سے، وہ شیخ عبداللہ بن محمد باقی دہلویؒ سے اور وہ امامِ ربانی (مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (6): ہندوستان میں امام ائمۃ التجدید امام رضی الدین محمد باقی کی اسانید

[40] شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) روایت کرتے ہیں حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) سے، وہ شیخ عبدالغنی (مجددی دہلویؒ) اور دیگر حضرات سے، وہ صدرالحمید (شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) سے، وہ اپنے نانا سراج الہند (امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ) سے، وہ اپنے والد (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) سے، وہ اپنے والد (شاہ عبدالرحیم دہلویؒ) سے، وہ شیخ عبداللہ بن محمد باقی دہلویؒ سے، وہ شیخ حسام الدین دہلویؒ، شیخ الہ داد دہلویؒ، (شیخ) تاج الدین سنبھلی مکی، شیخ رفیع الدین اور شیخ (امامِ ربانی مجدد الف ثانی) احمد سرہندیؒ سے، اور یہ پانچوں حضرات امام رضی الدین (خواجہ محمد باقی باللہ) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

یہ وہ چالیس اسانید ہیں، جن کا یہاں لکھنے کا ہم نے ارادہ کیا ہے۔

اس کا نام ہم نے ”**مقامِ محمود**“ رکھا ہے۔

دوسرا مقالہ

تحدیث العبد الضّعیف

بنعمة ربّه اللّطیف

(ایک کمزور بندے پر اُس کے مہربان ربّ کے انعامات کا تذکرہ)

سرگزشتِ حیات مولانا عبیداللہ سندھیؒ

مقالہ ایک نظر میں

مقدمہ

پہلا باب؛ تعلیم و تربیت

دوسرا باب؛ مطالعہ، تحقیق و تدریس اور تصنیف و تالیف

تیسرا تربیت باطنی اور رُشد و ہدایت کے حصول میں

چوتھا باب؛ علمی اور سماجی خدمات

پانچواں باب؛ ہجرتِ کابل

چھٹا باب؛ استنبول کی طرف سفر

ساتواں باب؛ استنبول میں قیام

آٹھواں باب؛ اُمّ القریٰ مکہ مکرمہ میں قیام

نوواں باب؛ مسجدِ حرام میں تدریس

دسواں باب؛ ولی اللّٰہی جماعت کا بیان

گیارہواں باب؛ ''اہل حدیث'' اور ''دیوبندی جماعت'' کا بیان

بارہواں باب؛ سلاطین ہند اور آئمہ علما کی وفیات کا بیان

مقدمہ

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہٖ الذین اصطفی!

اما بعد! ''**التمھید لتعریف ائمۃ التجدید**'' کے سلسلے میں یہ چند اوراق ہیں۔ جن میں کچھ اپنے اُن حالات کا تذکرہ کیا ہے، جو مجھ پر گزرے ہیں۔ اس مقالے میں ان افکار ونظریات کا ذکر ہے، جن کا میری زندگی کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے بیان کیا گیا ہے، تا کہ اس کتاب کے مطالعے میں بصیرت پیدا ہو اور عقل مند و باشعور لوگوں کے لیے مزید افادیت کا باعث بنے۔

میں نے اس مقالے کا نام ''**تحدیث العبد الضّعیف بنعمۃ ربّہ اللّطیف**'' رکھا ہے۔

یہ چند ابواب (۱۲) اور چند فصول پر مشتمل ہے۔

واللّٰہ الھادی.

پہلا باب: تعلیم وتربیت

فصل (1): (پیدائش اور ابتدائی تعلیم)

بندۂ ضعیف ابوالحسین عبید اللہ بن الاسلام ــــ جو پیدائش کے حوالے سے ہندوستانی اور سیالکوٹی ہے، تعلیم وتربیت کے حوالے سے دیوبندی ہے، اورسکونت کے حوالے سے سندھی اور پھر دہلوی ہے ــــ کہتا ہے کہ میں (جمعۃ المبارک کے دن، ۱۲رمحرم) ۱۲۸۹ ہجری بمطابق (10 مارچ) 1872 عیسوی میں پیدا ہوا۔

میں نے ۱۲۹۵ھ بمطابق 1878ء سے تعلیم کا آغاز کیا۔ ریاضی، حساب، الجبرا، اُقلیدس اور تاریخِ ہند میری دلچسپی کے خصوصی موضوعات رہے ہیں۔ ان موضوعات پرمَیں نے اس سے زیادہ مطالعہ کیا، جتنا کچھ عام طور پرسکولوں میں پڑھایا جاتا ہے۔ ان علوم پر میں نے دسترس حاصل کی۔ ادب عربی کی ابتدائی کتابیں میں نے صرف ایک سال میں پڑھ لیں، اردو زبان میں لکھی ہوئی ہراُس کتاب کا میں نے مطالعہ کیا، جو میرے ہاتھ لگی۔

(مطالعۂ اسلام)

۱۳۰۱ ہجری (1884ء) میں شیخ عبیداللہ (مالیرکوٹلی) ــــ جو ہندو سے مسلمان ہوئے تھے ــــ کی تحریر کردہ کتاب ''تحفۃ الہند' میری نظر سے گزری۔ میں نے اس کا خوب مطالعہ کیا۔ یہاں تک کہ میں نے اسے اچھی طرح سمجھ لیا۔ اور اسے اچھی طرح حفظ کرلیا۔ اس طرح اللہ پاک نے مجھے اسلام کے عقائد پر پختہ یقین وایمان کی توفیق بخشی۔ اور میں نے خفیہ طور پرطہارت، نماز اورروزہ وغیرہ شریعت کی بنیادی تعلیم حاصل کرنی شروع کردی۔ پھراس دوران میں نے الشیخ الجلیل مولانا محمداسماعیل شہیدؒ کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' اورشیخ محمد بن بارک اللہ لاہوریؒ کی کتاب ''احوال الآخرۃ'' کا مطالعہ کیا۔

(قبولِ اسلام)

مجھے جب بھی تنہائی ملتی، عبادت میں مشغول ہوجاتا۔ خاص طور پراندھیری راتوں میں، مَیں اکیلا نماز پڑھا کرتا۔ اوراس عبادت اور مناجات میں ایسی لذت پاتا کہ اس کے بعد بہت کم ایسی لذت نصیب ہوئی

ہے۔ میں نے ۱۳۰۴ ہجری (مئی 1887ء) کے رمضان المبارک میں چند روزے بھی رکھے۔ پھر گھر والوں کو پتہ چل جانے کے خوف سے روزے رکھنے چھوڑ دیے۔

اب مجھ پر اس بات کا غلبہ بڑی شدت سے بڑھتا جا رہا تھا کہ میں اپنے اسلام کا اظہار کروں، لیکن میں گھر چھوڑ کر ہجرت کرنے کا طریقہ نہیں جانتا تھا۔ ایسے حالات میں حضرت یونس علیہ السلام کی دعا لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ (1) کو میں پوری پابندی کے ساتھ پڑھنے لگا، چناں چہ ذوالقعدہ ۱۳۰۴ ہجری (15 اگست 1887ء) میں اللہ تعالیٰ نے میرے لیے ہجرت کے اسباب پیدا کردیے، اور میں خفیہ طور پر اپنے گھر اور شہر سے نکل کھڑا ہوا۔ سندھ میں جا کر میں نے اپنے اسلام کا اعلان کردیا۔ اور اپنا نام ''عبید اللہ'' رکھا۔ اس وقت میں اپنی عمر کے سولھویں سال میں تھا۔

(سندھ میں سید العارفین کی خدمت میں)

پھر میں سید العارفین (حضرت) الحافظ محمد صدیق قدس سرہٗ (2) (بھرچونڈی شریف والے) کی خدمت میں پہنچا۔ انھوں نے مجھے کلمۂ توحید (لاالہ إلاّ اللّٰہ) کی تلقین کی۔ صفر ۱۳۰۵ھ (اکتوبر 1887ء) کو میں اُن کے ہاتھ پر بیعت ہوگیا۔ یہ بزرگ ''سلسلۂ راشدیہ'' کے اماموں میں سے تھے۔ یہ سلسلۂ ''سلسلۂ قادریہ'' کی جیلانی شاخ اور ''نقشبندیہ مجددیہ'' کی شاخ ''آدمیہ حسینیہ'' کا جامع ہے۔ ہمارے شیخِ محترم سنی حنفی تھے۔ اور (حضرت) مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ کے طریقے کے مطابق شرک و بدعت سے ہمیشہ منع فرماتے تھے۔ ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے الصدر الشہید سید احمد شہید رحمہ اللہ کی صحبت میں بھی کچھ وقت گزارا تھا۔ جب کہ وہ جماعت مجاہدین کے ہمراہ سندھ (گوٹھ پیر جھنڈا، جو (''سلسلۂ راشدیہ قادریہ'' کا مرکز ہے) میں تشریف لائے تھے۔ اور وہاں سے افغانستان (آزاد قبائل) کی طرف ان کا جانا ہوا تھا۔ اس دوران ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے حضرت سید صاحبؒ اور ان کی جماعت کی صحبت سے اپنے دل کو خوب منور کیا تھا۔ رضی اللہ عنہم اَجمعین

(شیخ کی صحبت کے اَثرات)

میں اپنے شیخ کی صحبت میں دو ماہ کے قریب رہا۔ میں ان کے ساتھ نماز با جماعت پڑھتا۔ ان کے حلقۂ ذکر میں شریک ہوتا۔ ان کے ارشاداتِ عالیہ کو پوری توجہ سے سنتا تھا، جو وہ مختلف مجلسوں میں بیان فرماتے تھے۔ شیخ رحمہ اللہ میرے ساتھ ایک والد کی طرح پوری شفقت اور محبت سے پیش آتے تھے اور میری طرف متوجہ رہتے تھے۔

میں ان کی گفتگو کی چاشنی اور ان کی صحبت کی لذت کبھی نہیں بھلا سکتا۔ آپؒ کی صحبت کا اثر تب مجھ پر پوری طرح ظاہر ہوا، جب میں اُن سے جدا ہوا۔ گویا میں کھلی آنکھوں دیکھ رہا ہوں کہ ایک پر لطف اور باوقار

ہیبت کا حامل نور مجھ سے گم ہوگیا ہے۔ خاص طور پر مجھے اس کیفیت اور معرفت کا پورا یقین اُس وقت کامل طور پر حاصل ہوا، جب میں اپنے دوسرے شیخ، شیخ الاسلام حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی صحبت سے مشرف ہوا۔ بے شک میں نے ان کی صحبت میں ویسا ہی اثر اور نور محسوس کیا جیسا کہ سید العارفین کی صحبت سے حاصل ہوا تھا۔

بزرگوں کے اس صالح اجتماع میں رہنے کی برکت سے اسلامی معاشرت میری طبیعت کی گہرائیوں میں پوری طرح رَچ بس گئی اور میں اپنے آپ کو اسی اجتماعِ صالح پر مبنی خاندان کے ارکان میں سے ایک رکن سمجھنے لگا۔ لوگوں نے مجھے بعد میں بتلایا کہ سید العارفین کی صحبت سے جدائی کے بعد بھی شیخ محترم میرے حالات سے پوری طرح باخبر رہے۔ اور میرے لیے بڑی دعائیں فرماتے رہے۔ ان کی کچھ دعاؤں کو قبول ہوتے میں نے خود دیکھا ہے۔ مثلاً ان کی یہ دعا قبول ہوئی کہ

''اللہ تعالیٰ مجھے علم وفکر میں پوری طرح رسوخ رکھنے والے علماء پر ہی اعتماد کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔''

میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ اُمید رکھتا ہوں کہ اُن کی تمام دعاؤں کو اسی طرح قبول ومقبول فرمائے۔

فصل (2): (تعلیمی مراحل)

جب میں نے علومِ شرعیہ کی تعلیم حاصل کرنا شروع کیا تو سندھ اور ملتان کے بعض اساتذہ سے صرف و نحو کی چند ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اسی دوران سید العارفین (حضرت حافظ محمد صدیق) کے خلیفہ اَجل حضرت مولانا ابوالسراج غلام محمد دین پوری (3) کی خدمت میں چھ ماہ تک قیام پذیر رہا۔ (4)

(دارالعلوم دیوبند میں تعلیم کا حصول)

پھر میں نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ یہاں میں نے صفر ۱۳۰۶ھ (اکتوبر 1888ء) ابن حاجب کی کتاب ''کافیہ'' پڑھی۔ جب میں نے ''شرح جامی'' پڑھنا شروع کی تو دارالعلوم کے اساتذہ میں سے ایک فاضل استاذ سے کتاب کے مطالعہ کرنے کا طریقہ سیکھ لیا۔ اس کی مدد سے مختصر مدت میں مَیں نے مطالعہ کرنے میں ایسی مہارت حاصل کر لی کہ ایک فن کی یکے بعد دیگرے پڑھائی جانے والی اکثر کتابوں کو مجھے اساتذہ سے پڑھنے کی ضرورت نہیں رہی۔

میں نے ''تحفة الهند'' اور ''تقوية الإيمان'' میں پڑھا تھا کہ جاہل مسلمانوں میں ہندوؤں کی طرح مشرکانہ رسوم بہت زیادہ پھیلی ہوئی ہیں۔ پھر جب میں سندھ گیا تو وہاں سید العارفین کی جماعت کو دیکھا کہ وہ حنفی ہیں اور اس قسم کی رسومات سے قطعی پرہیز کرتے ہیں۔ اسی طرح میں نے اہل حدیث کے

ایک گروہ کو دیکھا کہ وہ ان رسومات کے ردّ میں بہت مبالغہ کرتے ہیں۔ وہ لوگ قریبی بستی سے سیدالعارفین کی مسجد میں آیا کرتے تھے۔ اور رکوع وغیرہ میں جاتے ہوئے رَفع یدین کرتے تھے۔ اور جہری نمازوں میں آمین بلند آواز سے کہتے تھے۔

میں نے دیکھا کہ یہ دونوں جماعتیں شرک و بدعت کے ردّ میں اور مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ کے احترام و عظمت کے بارے میں آپس میں ایک دوسرے سے اتفاق رکھتے تھے۔ پھر جب میں نے ملتان (کوٹلہ رحم علی، مظفر گڑھ) کی طرف سفر کیا، تو حنفیوں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ وہ شرک و بدعت میں ملوث ہیں۔ یہ لوگ مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ سے بغض ونفرت رکھتے ہیں۔

پھر جب میں دیوبند آیا اور دارالعلوم (دیوبند) کی جماعت کو دیکھا کہ وہ سید العارفین کے مسلک کے قریب ہیں۔ یعنی یہ لوگ حنفی ہیں، اور مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ کا تذکرہ بڑے اچھے انداز میں کرتے ہیں۔ اس طرح اس جماعت کے ساتھ ملنے پر مجھے پوری طرح شرح صدر حاصل ہوگیا۔

(منطق وفلسفہ کی تعلیم)

پھر میں منطق وفلسفے کی کتابیں پڑھنے میں مشغول ہوگیا۔ اس سلسلے میں مَیں نے کانپور اور رامپور کا سفر کیا اور وہاں میں نے مفتی لطف اللہ اور مولانا الفاضل عبدالحق (خیرآبادی) کے تلامذہ سے منطق و فلسفہ پڑھا۔ (5) اس مقصد کے لیے میں تقریباً چھ ماہ مدرسہ دیوبند سے غائب رہا۔ پھر صفرالمظفر ۱۳۰۷ھ (اکتوبر 1989ء) میں واپس (دیوبند) لوٹ آیا۔

میں نے اکثر اساتذہ کو دیکھا کہ وہ علومِ عقلیہ میں بھی عام طور پر شروح وحواشی پر اعتماد کرتے ہیں۔ یہ لوگ فلسفیانہ مشکل مسائل کو حل کرنے کے لیے اپنے غور وفکر کو استعمال میں نہیں لاتے۔ حقیقت یہ ہے کہ مَیں نے ایسے اساتذہ سے بہت تھوڑا نفع اُٹھایا۔ مجھے علوم کے حصول میں اللہ پاک نے دو وَجہ سے بہت نفع دیا۔

ایک یہ کہ میں نے غور وفکر کے استعمال کو اپنی عادتِ ثانیہ بنا لیا تھا۔

دوسرے یہ کہ میں نے ریاضی اچھی طرح پڑھی ہوئی تھی اور کتابوں کے مطالعے کا طریقہ خوب اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔

یہی وَجہ ہے کہ میں ان کا تمام باتوں میں اندھا مقلد نہیں بنتا تھا۔ ان لوگوں کے نزدیک مناقضات میں چند باتیں اس لیے مسلّمہ سمجھی جاتی تھیں کہ وہ اپنے اساتذہ کے لکھے ہوئے حواشی کے بارے میں بڑا حسن ظن رکھتے تھے۔ البتہ میں نے فاضل عبدالحق خیرآبادی کے شاگردوں کو دوسروں سے بہت زیادہ عقل مند پایا ہے۔

(اصولِ فقہ کی تعلیم)

فلاسفہ کی کتابوں کی تعلیم سے فراغت کے بعد مَیں نے علمِ اصولِ فقہ اور علمِ کلام کی تعلیم کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ ان علوم کی ابتدائی کتابیں میں نے دارالعلوم دیوبند کے اساتذۂ کرام سے پڑھیں۔ ان اساتذہ میں سے شیخ ابوالطیب احمد بن شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) بھی ہیں۔

(حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں)

پھر میں نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے پاس کتاب ''التوضیح و التلویح'' پڑھنی شروع کی۔ میں دورانِ درس روزانہ اُن سے ایک یا دو جملے ایسے سنا کرتا تھا، جو حواشی و شروحات میں نہیں ملتے تھے۔ پھر میں اُن جملوں پر غور وفکر کرتا تو اس سے مجھے بڑا اطمینان حاصل ہوتا۔ اس طرح میری نظر میں شیخ الہندؒ کی قدر و منزلت بڑھتی چلی گئی۔ پھر آہستہ آہستہ میرے اُس خیال میں تبدیلی آنے لگی، جو میں نے (دیگر اساتذہ کو دیکھتے ہوئے) اپنے سابقہ تجربات کی روشنی میں قائم کیا تھا کہ:

''میں کتابوں کو حل کرنے کے لیے فقط اپنے مطالعے پر ہی اعتماد کروں گا۔''

حضرت شیخ الہندؒ کو دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا کہ ایسے قابلِ قدر اُستاذ سے ہی علوم و افکار کا حاصل کرنا میرے لیے انتہائی ضروری ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ کی صحبت کو میں نے اپنے اوپر لازم کرلیا۔ میں نے فقہ کی کتاب ''**ھدایہ**'' اُن سے پڑھی، (اور علم معانی اور علم بیان کی کتاب) ''**مطول**'' اور ''**تفسیر بیضاوی**'' بھی انھی سے پڑھی۔ ''**شرح مواقف**''، ''**مسلّم الثبوت**'' اور ''**الإتقان فی علوم القرآن**'' کے مشکل مقامات میں اُن سے رجوع کرتا رہا۔

شعبان ۱۳۰۷ھ (مارچ 1890ء) میں سالانہ امتحان کے موقع پر دارالعلوم (دیوبند) کے تمام اساتذہ مجھ سے بہت خوش ہوئے۔ ان اساتذہ میں مولانا سید احمد دہلویؒ بھی تھے۔ (6) اساتذہ کرام نے مجھے انتہائی اعلیٰ درجے میں کامیابی کی سند لکھ کر دی۔ ایسی سند دارالعلوم دیوبند کی تاریخ میں ایک دو کے سوا کسی کو نہیں دی گئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر خاص فضل تھا۔ **فللّٰہ الحمدُ و الشُّکر**.

(تعلیمی دور میں تصنیف و تالیف)

۱۳۰۷ھ (1890ء) کے آخر (رمضان المبارک) میں مَیں نے اصولِ فقہ میں ایک کتاب ''**مراصد الوصول الی مقاصد الاصول**'' لکھی۔ جس میں (اصولِ فقہ کی کتاب) ''**مسلّم الثبوت**'' کی تلخیص کی تھی۔ جہاں تک میرے غور وفکر نے میرا ساتھ دیا، میں نے اس کتاب میں ''**تحریر ابن ھمام**''، ''**شرح المختصر للعضد**''، شیخ نظام الدین لکھنوی کی ''**شرح مسلم الثبوت**'' اور ''**شرح**

بحرالعلوم‘‘ میں سے مفید باتوں کا اضافہ کیا تھا۔ جب مَیں نے یہ کتاب اپنے استاذ حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں پیش کی، تو آپؒ نے اس کی بہت زیادہ تعریف فرمائی۔ اور متعدد مرتبہ میرے لیے تعریفی کلمات دُہرائے۔

(حضرت الامام نانوتویؒ کی کتابوں سے استفادہ)

جب میں علم اصولِ فقہ اور علم الکلام سے فارغ ہوا تو اپنے استاذ الاساتذہ شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ثم دیوبندی کی کتابوں کے مطالعے میں مشغول ہوا۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں نے ان کتابوں میں اپنی گم شدہ چیز کو پالیا۔ ان کتابوں کے مطالعے سے میرا سینہ کھل گیا۔

ان کی کتابوں کی وَجہ سے میرے بہت سے مشکل مسائل حل ہوئے۔ اس لیے کہ شیخ الاسلام حضرت نانوتویؒ (اپنے فکر کی وضاحت کے لیے) کوئی جملہ اس وقت تک معرضِ تحریر میں نہیں لاتے، جب تک اس پر عام طور پر مشہور ومعروف علوم سے استدلال نہ کرتے ہوں۔ وہ اپنی کتابوں میں بیان کردہ مشکل مسائل کو واضح کرنے کے لیے ریاضی کے اُصولوں کی روشنی میں مثالیں پیش کرتے ہیں۔ وہ اپنی دلیل کے مقدمات میں گزشتہ علما کی ایسی باتوں کو بالکل نقل نہیں کرتے جو ان کی اصطلاحات سمجھے بغیر سمجھ میں آنا مشکل ہوں۔ آپؒ سلیس اُردو زبان میں ایسی فصاحت کے ساتھ بات کرتے ہیں کہ جس میں کسی حاشیہ اور شرح کی ضرورت نہیں رہتی۔ حضرت نانوتویؒ بڑے دلائل اور شواہد کے ساتھ ہندوؤں، عیسائیوں اور مشرکین پر اپنی حجت اور دلیل پیش کرتے ہیں۔

مَیں چوں کہ ہندوؤں وغیرہ کے بعض عقیدوں سے بڑی اچھی طرح واقف ہوں۔ اس تناظر میں شیخ الاسلام حضرت نانوتویؒ کے دلائل وشواہد مجھے اپنے دل کی گہرائیوں میں اُترتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ اس طرح بحمداللہ حضرت شیخ الاسلام نانوتویؒ کی کتابوں کے مطالعے کی برکت سے فلاسفہ، متکلمین، ملحدین اور دہریہ لوگوں کے شکوک وشبہات سے مَیں اچھی طرح نجات پا گیا۔

میں اپنے ہم عصر دوستوں کو دیکھتا تھا کہ وہ شیخ الاسلام حضرت نانوتویؒ کی کتابوں سے بڑی محبت کرتے تھے اور ان کا بڑا اعزاز واکرام کرتے تھے، لیکن انھیں پڑھتے نہیں تھے۔ اس لیے کہ وہ ریاضی کے علوم سے واقف نہ تھے۔ یہ لوگ کسی ایسی کتاب کو پڑھنے کی قدرت نہیں رکھتے تھے، جس کا حجم کوئی دو سو صفحات پر مشتمل ہو اور اس میں نہ کوئی فصل ہو، اور نہ کوئی باب قائم کیا گیا ہو۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میرا حافظہ بڑا قوی تھا۔ اور مجھے مسلسل عبارات اور طویل مضامین پڑھنے کی عادت تھی۔ چناں چہ میں نے حضرت نانوتویؒ کی کتابوں سے علم کا بڑا وافر حصہ پایا۔

اسی دوران میں نے شیخ الاسلام حضرت نانوتویؒ کے حالاتِ زندگی کے بہت سے واقعات اپنے

اساتذہ سے بارہا سنے۔ خاص طور پر اپنے استاذ حضرت مولانا ابوالطیب احمد بن شیخ الاسلام (محمد قاسم نانوتوی) الدیوبندی مہتمم دارالعلوم دیوبند سے ان کے بہت زیادہ واقعات سنے۔ وہ ہر روز آپؒ کی زندگی کا کوئی نہ کوئی واقعہ ضرور ہمیں سناتے تھے۔ انھی واقعات سے مجھے اندازہ ہوا کہ حضرت نانوتویؒ کے استاذ، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا مملوک العلی (نانوتویؒ) اپنی فراست سے یہ سمجھ چکے تھے کہ

''مولانا نانوتویؒ مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کی طرح بنیں گے۔''

چناں چہ امام محمد اسماعیل شہیدؒ کے بعد شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو میں اپنا ''امام'' مانتا ہوں اور اس پر میں بہت خوش ہوں۔

(نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت)

انھیں دنوں میں نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی کہ ایک واقعے میں آپؐ مجھے خوش خبری سنا رہے ہیں کہ میں آٹھویں صدی کے اہلِ علم میں سے ایک بڑے مرتبے والے آدمی کے مرتبے تک پہنچوں گا۔

اسی (دیوبند میں تعلیم کے) دوران میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہٗ کی بھی خواب میں زیارت کی۔ مجھے امام ابوحنیفہؒ کا وہ خطاب بھی اچھی طرح یاد ہے جو انھوں نے امام ابویوسفؒ کو دیا تھا۔

میرے بعض دوستوں نے بھی میرے بارے میں بعض عمدہ خوابات دیکھے۔ جو اگرچہ انھوں نے میرے سامنے بیان نہیں کیے، مگر ایک خواب یہ ضرور بیان کیا کہ لوگوں کی ایک بڑی جماعت میری پیروی پر ضرور جمع ہوگی، یا اسی سے ملتا جلتا اُن کا خواب تھا۔

مجھے دارالعلوم دیوبند سے بڑی محبت ہے۔ خاص طور پر میرا وہ کمرہ جس میں مَیں نے یہ تمام خوابات دیکھے اور یہ واقعات مجھ پر گزرے ہیں۔ میری عادت ہے کہ میں اپنے گھر اور علاقے والوں سے محبت کرتا ہوں، پس اللہ کا شکر کہ جو کچھ اس نے میرے دل میں الہام کیا اور مجھے سکھلایا۔

فصل (3): (علم حدیث کا حصول)

۱۳۰۸ھ (1890ء) سے مَیں علم حدیث کے حصول کی طرف متوجہ ہوا، چناں چہ ''**جامع ترمذی**'' کا اکثر حصہ میں نے اپنے استاذ حضرت شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) سے پڑھا۔ ''**سنن ابوداؤد**'' کا اکثر حصہ شیخ الاسلام حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے پڑھا۔ اسی طرح اہلِ علم کی ایک جماعت سے مَیں نے علم حدیث پڑھا، جس کی تفصیل آگے چل کر بیان کرتا ہوں۔ البتہ یہاں پر اتنا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے شیخ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اس سلسلۂ تعلیم کے اساتذہ میں میرے باپ کا سا مقام

ومرتبہ رکھتے ہیں، جب کہ باقی اساتذہ چچاؤں اور اَجداد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ "ازالۃ الخفاء" میں لکھتے ہیں کہ:

''میرے شیخ ابوطاہر (مدنی) نے مجھے بتلایا کہ اُن کے استاذ شیخ حسن **العجیمی** المکی نے ایک مرتبہ فرمایا:

''ایک مرتبہ میں نے اپنے استاذ شیخ عیسیٰ المغربی سے پوچھا: آیا کسی طالبِ علم کا ایک شیخ اور اُستاذ ہو، جس سے وہ علم حاصل کر رہا ہوں، کیا اس کے لیے ایسی حالت میں کسی دوسرے استاذ اور شیخ کے پاس طلبِ علم کے لیے جانا مناسب ہے یا نہیں؟

انھوں نے فرمایا کہ: ''باپ بہرحال ایک ہی ہوتا ہے، البتہ چچے ایک سے زائد بھی ہوسکتے ہیں'' ۔انتھیٰ (7)

(شیخ الاسلام حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں)

میں نے "سنن ابوداؤد'' کا ایک بہت بڑا حصہ اپنے استاذ، شیخ الاسلام مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے پوری فہم و بصیرت اور تفقہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ پھر مجھے معلوم ہوا کہ شیخ عبدالکریم بائلی نے اُمہاتِ کتب حدیث کی تشریح کے سلسلے میں شیخ الاسلام حضرت گنگوہیؒ کی اُن تمام تحقیقات کو امالی کی صورت میں قلم بند کیا ہے، جو انھوں نے دورانِ درس سنی تھیں۔ ان کی امالی کا مسودہ اگرچہ تھوڑے صفحات پر مشتمل ہے۔ لیکن اُن میں پرمغز معانی بڑی کثرت سے بیان کیے گئے ہیں، چناں چہ شیخ (عبدالکریم) بائلی نے "جامع ترمذی''، "سنن ابوداؤد" اور 'سنن نسائی" پر جو کچھ لکھا تھا، وہ میں نے اُن سے لے کر مطالعہ کیا اور اُسے حفظ کرلیا۔ (8)

اور یہ شیخ عبدالکریم بائلی وہ ہیں، جنھوں نے ہمارے استاذ (حضرت شیخ الہندؒ) کے شیخ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ اور ہمارے شیخ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے تعلیم حاصل کی ہے۔ انھوں نے اپنے بھائی شیخ عبدالرحیم (بائلی) سے بھی پڑھا ہے۔ جو کہ شیخ الاسلام مولانا نذیر حسین دہلویؒ (شاگرد حضرت الامام شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ) کے شاگرد تھے۔ میں نے شیخ عبدالکریم بائلی سے بعض کتابیں پڑھیں، اور مجھے ان سے اجازتِ حدیث بھی حاصل ہے۔ نیز انھوں نے مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی کتابوں کے مطالعے اور فہم میں بھی میری بڑی مدد فرمائی۔ اسی طرح انھوں نے نواب صدیق حسن قنوجیؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرنے میں بھی میرے ساتھ بہت تعاون کیا۔ شیخ عبدالکریم بائلیؒ پختہ دیوبندی اور اہل حدیث کے طریقہ کے عالم تھے۔

(حضرت گنگوہیؒ کی صحبت کا اثر)

شیخ الاسلام حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے جو کچھ مجھے فہم و بصیرت حاصل ہوئی، اس نے مجھے بہت نفع دیا، میں نے حضرت اقدس گنگوہی سے بہت استفادہ کیا۔ میرے رَگ و پے میں انہی کی صحبت کے اثرات سرایت کیے ہوئے تھے۔ جس نے مجھے اِدھر اُدھر بھٹکنے سے باز رکھا اور انہی کی صحبت کی برکت سے ہی مجھ پر ولی اللّٰہی طریقۂ فکر و عمل خوب واضح اور روشن ہوگیا۔ میں نے اپنی اِن آنکھوں سے مشاہدہ کیا کہ بے شک حضرت گنگوہیؒ ایک ماہر امام تھے۔ آپؒ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں مجتہدانہ شان رکھتے تھے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ہمارے اُستاذ حضرت گنگوہیؒ صدر الحمید مولانا شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے، جیسا کہ ہمارے شیخ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ صدر الشہید مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔

لیکن مجھے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ سے تمام کتبِ حدیث کی عمومی اجازت نہیں مل سکی۔ چناں چہ میں نے اپنے اُن دوستوں اور ساتھیوں سے عمومی اجازت طلب کی، جنھیں حضرت گنگوہیؒ نے اسی طرح کی اجازت دی ہوئی تھی۔ ان میں سے شیخ عبدالرزاق کابلیؒ بھی تھے۔ انھوں نے مجھے اُن تمام کتب حدیث کی روایت کی اجازت دی، جن کی شیخ گنگوہیؒ نے انھیں اجازت دی تھی۔

یہ شیخ عبدالرزاق کابلیؒ وہی ہیں، جو امیر عبدالرحمٰن خان (شاہِ افغانستان) کے زمانے سے لے کے امیر حبیب اللہ خان کے آخر زمانے تک کابل میں ''مجلس تحقیقاتِ شرعیہ'' کے سربراہ رہے۔ اور سلطان امان اللہ (خاں) کے زمانے میں یہ اُس جنگ کے امیر المجاہدین رہے جو افغانستان نے ہندوستان کے انگریز حکمرانوں کے ساتھ لڑی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے اور ان سے راضی ہوجائے۔

(حضرت شیخ الہندؒ کی وصیت اور اجازتِ حدیث)

اس سال (۱۳۰۸ھ) کے آخر (شروع 1891ء) میں میرے مربی اور استاذ حضرت شیخ الہندؒ نے مجھے تمام کتب حدیث کی ''اجازتِ عامہ'' عنایت فرمائی، اور اس سلسلے میں آپؒ کی وہ تمام وصیتیں جنھیں میں نے حضرت شیخ الہندؒ سے سمجھا، اور انھیں ہمیشہ یاد رکھا، درج ذیل ہیں:

1۔ اُمہاتِ کتب (احادیث کی بنیادی کتابوں) کے لکھنے والوں نے احادیث کی صحت کے حوالے سے جو رائے قائم کی ہے، اس سے اختلاف و نزاع نہ کیا جائے۔ اس سلسلے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے والے متأخرین کی باتوں کی طرف قطعاً توجہ نہ دی جائے۔

2۔ متعارض احادیث میں ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح دینے کی بجائے، ان کے درمیان جمع و تطبیق کو مقدم سمجھا جائے۔

3۔ پوری ہمت اور عزم کے ساتھ احادیث میں فہم و بصیرت اور تفقہ حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس سلسلے میں علم حدیث کے پہلے طبقے کی کتابیں یعنی ''**مؤطا**'' اور ''**صحیحین**'' اور دوسرے طبقے کی کتابیں ''**سنن ترمذی**'' اور ''**ابو داؤد**'' اور ''**نسائی**'' کو ہی پیش نظر رکھا جائے۔ اور اگر ضرورت پیش آئے تو اس سے زائد احادیث کے لیے ''**مسند امام احمد**'' پر اکتفا کیا جائے اور اَحادیث کی شروح میں ''**فتح الباری**'' پر اعتماد کیا جائے۔ اور پھر ''**حجة اللّٰہ البالغہ**'' کی طرف رجوع کیا جائے۔

مجھے ہمیشہ علمائے مجتہدین اور شارحین حدیث کے باہمی اختلاف پر تشویش رہی۔ خاص طور پر وہ لوگ جو اپنے اپنے مذہب کے حوالے سے تعصب برتتے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان میں علمائے اہل حدیث اور حنفی علماء دیوبند کے درمیان اختلاف کا موجود ہونا بھی میرے لیے باعث تشویش رہا۔ مجھے ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ میں اپنے آپ کو علم حدیث پر غور و فکر کے لیے بالکل فارغ کرلوں، اور اس سلسلے میں جن کتابوں کی مجھے ضرورت پڑے، انھیں جمع کرلوں۔ لیکن اسی دوران مجھے ایک ایسا مرض لاحق ہوگیا، جس سے مجھے اپنی ہلاکت کا خوف محسوس ہونے لگا۔ چناں چہ حکیم محمود خان دہلوی کے پاس اس مرض کا علاج کرانے کے لیے مَیں مدرسہ دیوبند سے نکلا اور دہلی چلا گیا۔

فصل (4): (دہلی آمد اور مطالعہ کتب)

میں تین ماہ کے قریب دہلی میں رہا۔ اس دوران اللہ تعالیٰ نے یہ سہولت پیدا فرمائی کہ طبیہ کالج کے استاذ حکیم جمیل الدین سے میری ملاقات ہوگئی۔ موصوف حضرت شیخ الہندؒ کے خاص لوگوں میں سے تھے۔ جب تک میرا دہلی میں قیام رہا، انھوں نے میری مہمان نوازی فرمائی۔ وہ مجھے ہندوستان کے ملک الاطباء حکیم محمود خان کے پاس لے گئے اور علاج کے سلسلے میں بڑی پُرزور سفارش کی۔ اللہ تعالیٰ حکیم صاحب مرحوم کو میری طرف سے بہترین جزائے خیر عنایت فرمائے، کہ انھوں نے میرے علاج کے سلسلے میں خاص طور پر شفقت فرمائی اور بڑی توجہ سے تشخیص کی۔ جب انھوں نے صحیح تشخیص کے بعد علاج کرنے والوں کی اُس غلطی کا تذکرہ کیا، جس نے مرض کو مہلک بنا دیا تھا، تو مجھ سے اس مرض کا خوف اور اس کی دہشت دور ہوگئی۔ تقریباً بیس دن بعد اس مرض سے مجھے کچھ افاقہ محسوس ہونے لگا۔

(شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی کتابوں کا مطالعہ)

اس دَوران مَیں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (9) کی کتابوں کے مطالعے میں مشغول رہا، اور یہاں پر ہی مجھے حکیم مرحوم و مغفور کے کتب خانے سے شیخ ملا علی قاریؒ کی (**مرقات**) ''**شرح مشکٰوۃ**'' ملی، اس کا نسخہ

حکیم صاحب موصوف کے پاس وراثتاً چلا آرہا تھا، اس لیے کہ حکیم محمود خان کے خاندان کا رشتہ ناتا کسی نہ کسی طرح شیخ ملا علی قاریؒ کے ساتھ پایا جاتا ہے۔

چوں کہ میں نے علمائے دیوبند میں سے بعض اساتذہ سے دہلی کی جنگ (1857ء) کے متعلق بہت سی باتیں سن رکھی تھیں۔ اس لیے دہلی کے قیام کے دوران میں نے تاریخی معلومات کے حوالے سے دہلی کے تاریخی مقامات کا مشاہدہ بھی کیا۔ تاریخی دروس کے حوالے سے میرے لیے یہ انتہائی اہم ہوا۔

فصل (5): (اہل حدیث علما اور ان کی کتب سے استفادہ)

دہلی میں قیام کے دوران مَیں دو مرتبہ عظیم آبادی جماعت کے امام شیخ الاسلام سید نذیر حسین کی زیارت کے لیے گیا۔ اس جماعت کی تاریخ اور اس میں کام کرنے والے افراد کا تذکرہ ہم آگے چل کر کریں گے۔ میں ان کے ''صحیح بخاری'' اور ''جامع ترمذی'' کے بعض اسباق میں بھی حاضر ہوا۔ انھوں نے اپنے ہم عصر لوگوں کو علم حدیث کی جو اجازتِ عامہ دی تھی، اس میں مَیں بھی شامل ہو گیا۔ سید صاحب سے استفادہ کرنے والوں سے بھی میں نے استفادہ کیا۔ ان کی تصانیف کا بھی مطالعہ کیا۔ ان کے شاگردوں کی جماعت کے پہلے درجے میں شیخ امام عبدالجبار غزنوی اور شیخ الاجل، محقق استاذ عبداللہ غازی پوری ہیں۔ جب کہ دوسرے درجے میں شیخ الصالح محمد بن بارک اللہ لاہوری، امام المحقق ابوالطیب شمس الحق عظیم آبادی اور شیخ ابوسعید محمد حسین لاہوری جو کہ ہندوستانی اہل حدیث کے وکیل ہیں۔

شیخ الاسلام مولانا سید نذیر حسین صاحب نے ''امیر الشہید'' (سید احمد شہیدؒ) اور ''الصدر الشہید'' (شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ) کی زیارت کی ہے۔ اور انھوں نے پہلے علمائے صادق پور سے علم حاصل کیا۔ پھر علمائے دہلی یعنی ''الصدر الحمید'' مولانا شاہ محمد اسحاق اور آپؒ کے شاگردوں سے علم حاصل کیا۔

مولانا نذیر حسین اگرچہ اپنے استاذ ''الصدر الحمید'' کے طریقے پر رہے، مگر دہلی کی جنگِ آزادی (1857ء) کے بعد انھوں نے اس سے تھوڑا بہت انحراف ضرور کیا۔ البتہ ان کی طرف اپنی نسبت کرنے والے افراد مختلف گروہوں میں بٹ گئے۔ کچھ ان میں سے بہت غلو کرنے والے تھے اور کچھ اعتدال پر رہے۔ خاص طور پر وہ مسلک جسے شیخ ابوسعید نے اہل حدیث جماعت کے لیے اختیار کیا۔ ایسے ہی ہر ایک جماعت مختلف استعداد رکھنے والے افراد کی وَجہ سے تقسیم ہو جایا کرتی ہے۔

میں نے دہلی میں قیام کے دوران امیر قنوجی نواب صدیق حسن بھوپالیؒ کی تصانیف سے بھی استفادہ کیا، یہ بھی عظیم آبادی جماعت کے امام ہیں، لیکن یہ شیخ الاسلام نذیر حسین دہلویؒ کے مقابلے میں علمائے یمن کی طرف زیادہ مائل ہیں۔

☆

دوسرا باب: مطالعہ، تحقیق و تدریس اور تصنیف و تالیف

فصل (1): (سندھ واپسی)

منتشر خیالات کا غلبہ جب زیادہ ہوگیا، تو میں نے ارادہ کیا کہ میں (اپنے مرشد) سید العارفین (حضرت حافظ محمد صدیق) کی خدمت میں حاضری دوں اور ان کی صحبت سے اطمینان و سکون حاصل کروں۔ چناں چہ (۲۰/ جمادی الثانیہ/ فروری 1891ء کو) میں دہلی سے چلا اور تین سال کے بعد سید العارفین کی جگہ ''بھرچونڈی'' پہنچا۔ میرے آنے سے دس دن قبل میرے شیخ ــــ اللہ ان سے راضی ہو ــــ وفات پا چکے تھے۔ اس لیے میرے غموں میں مزید اضافہ ہوگیا۔ پھر یوں ہوا کہ آپؒ کے مخصوص خلفا ــــ مولانا ابوالسراج غلام محمد نظام الدین دین پوریؒ اور مولانا ابوالحسن تاج محمود علاؤالدین امروٹیؒ (10) ــــ میری ظاہری اور باطنی تربیت کی طرف متوجہ ہوئے۔

(اِمروٹ میں قیام)

میں سندھ کے علاقے ''اِمروٹ'' میں دس سال (شوال) ۱۳۰۸ھ (مئی 1891ء) سے ۱۳۱۸ھ (1900ء) تک مولانا ابوالحسن (تاج محمود امروٹیؒ) کی زیرِنگرانی رہا۔ میں نے اسی جگہ رہتے ہوئے شادی کی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد سے نوازا۔

شادی سے پہلے میں نے اپنی والدہ کو اپنے پاس بلا لیا تھا۔ وہ آئیں اور میرے پاس ٹھہر گئیں۔ وہ اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ (11) پھر جب میں ''دارالرشاد'' (گوٹھ پیر جھنڈا، نزد حیدرآباد، سندھ) منتقل ہوا، پھر دہلی گیا، وہ میرے ساتھ ہی رہیں۔ حتیٰ کہ مجھے ہجرت کر کے کابل جانا پڑا، تو میرے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔

(مطالعہ اور تحقیق میں مشغولیت)

اِمروٹ میں قیام کے دوران مَیں مطالعہ، تحقیق، تصنیف و تالیف اور تدریس میں مشغول رہا۔ مطالعے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت کچھ اس طرح پیدا کر دی کہ میرے شیخ ابوالحسن (تاج محمود اِمروٹیؒ) کی ہمت اور تعاون سے میرے استفادے کے لیے بہت سی کتابیں جمع ہوگئیں۔ پھر میرے مطالعے میں

اُس کتب خانے نے بھی بہت اضافہ کیا، جسے امام ابوالتراب رُشد اللہؒ ــــ جو پیر جھنڈا کے چوتھے جانشین تھے ــــ نے جمع کیا تھا۔ اسی طرح اپنے دوسرے شیخ ابوالسراج (غلام محمد دین پوریؒ) کی ہمت سے مجھے شیخ ابوالفیض احمدؒ احمد پوری کے کتب خانے کی کتابوں سے بھی بہت نفع ہوا۔ اس مطالعے کے نتیجے میں جو تفقہ اور بصیرتِ فقہی مجھے حاصل ہوئی، اس کی بنیاد پر مَیں نے علم فقہ کی کتابوں سے استفادے کے لیے چار قسمیں بنائیں:

1۔ پہلی قسم: امام ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے شاگردوں کی کتابیں۔

2۔ دوسری قسم: فقہائے حنفیہ میں سے محققین کی کتابیں۔

جیسے متقدمین میں سے امام طحاویؒ، ابوزید دبوسیؒ اور متأخرین میں سے جمال الدین زیلعیؒ اور کمال الدین ابن ہمامؒ کی وہ کتابیں جو انھوں نے "ھدایہ" کی شروحات کے طور پر لکھی ہیں۔

3۔ تیسری قسم: محققین شافعیہ کی کتابیں۔

جیسے متقدمین میں سے (امام) خطابیؒ اور بیہقیؒ، اور متأخرین میں سے امام نوویؒ اور حافظ ابن حجرؒ (عسقلانی)۔

4۔ چوتھی قسم: علمائے یمن کی کتابیں۔

جیسے محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانیؒ اور امام محمد علی الشوکانیؒ۔

میں نے قسم اول کی کتابوں کو اصل بنایا اور امام ولی اللہ دہلویؒ کے اُس طریقۂ تحقیق پر میں نے مہارت حاصل کی۔ جس میں وہ ''مؤطا امام مالکؒ'' کو تمام کتبِ حدیث وفقہ پر مقدم مانتے ہیں۔ دوسری قسم کی کتابوں کو میں نے اُس پہلی قسم کے تابع بنایا، پس اس طرح مجھے تحقیق پر پوری قدرت حاصل ہوگئی۔ اور اس نقطۂ نظر سے جتنا مجھے اطمینان مطلوب تھا، وہ مجھے حاصل ہوگیا۔

ایسے ہی مَیں نے تیسری قسم کی کتابوں کو اصل بنایا اور چوتھی قسم کی کتابوں کو ان کے تابع بنایا۔ اس طرح مجھے ان لوگوں کے طریقۂ علمِ حدیث پر پوری بصیرت حاصل ہوگئی، جو صحیح امام بخاریؒ کو تمام کتب حدیث پر مقدم مانتے ہیں۔ جیسے حافظ ابن حجرؒ وغیرہ۔ اس بنا پر میں نے شیخ عبدالحق دہلویؒ اور امام شوکانیؒ دونوں کے طریقے پر نقد وجرح کی ہے۔

مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری بڑی دست گیری کی کہ میں نے محققین کے طریقۂ فہم فقہ وحدیث کو سامنے رکھتے ہوئے امام شوکانی کی تصانیف کا مطالعہ کیا، لیکن ان کے مجتہدات میں سے اکثر کے ساتھ میں موافقت نہ کرسکا۔ البتہ میں یہ دیکھتا ہوں کہ وہ انصاف پسند زیدی عالم ہیں، جو سنت کی تائید کرنا چاہتے ہیں۔

ایسے ہی میں نے ابوالحسنات مولانا عبدالحئی بن عبدالحلیم لکھنویؒ کی تصانیف کا بھی مطالعہ کیا اور ان سے بھی میں نے بڑا نفع اُٹھایا۔

فصل (2): (تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعت)

جہاں تک تصنیف و تالیف اور کتابوں کی اشاعت کا معاملہ ہے، تو میں نے درج ذیل کتابیں تحریر کی ہیں:

1۔ ''**تعلیق علی معانی الآثار للامام الطحاوی**'' جس میں امام طحاوی کی کتاب "**معانی الآثار**'' پر حواشی اور تعلیقات لکھی ہیں۔

2۔ "**تعلیق علی فتح القدیر لابن الھمام**'' جس میں امام ابن الہمام کی کتاب "**فتح القدیر**" پر حواشی اور تعلیقات لکھیں۔

3۔ "**فتح السلام لابواب بلوغ المرام**'' جس میں ''**بلوغ المرام**'' کے ایک حصے کی شرح لکھی۔

4۔ "**شرح سفر السعادت**" امام فیروز آبادی کی کتاب "**سفر السعادت**" کے ایک حصے کی شرح لکھی۔

5۔ "**تخریج مافی الباب للترمذی**" جس میں امام ترمذی کی کتاب "**جامع ترمذی**" کے "**مافی الباب**" کی تخریج کے حوالے سے ایک حصے پر کام کیا۔

6۔ "**تخریج احادیث الغنیة للشیخ عبدالقادر جیلانی**" جس میں شیخ عبدالقادر جیلانی کی کتاب ''**غنیة الطالبین**" کی احادیث کی تخریج کا کام کیا۔

ان کتابوں کے علاوہ بعض مستقل رسائل بھی تالیف کیے:

7۔ **ازالة الشبهه عن فرضية الجمعه.**

8۔ **تهذيب رفع اليدين للامام البخارى.**

9۔ **تنسيق احاديث بدء الوحى من الجامع الصحيح.**

10۔ (**مراصد الوصول الى مقاصد الاصول.** یہ کتاب مولاناؒ نے اپنے تعلیمی دور میں لکھی تھی، جس کا تذکرہ پیچھے آچکا ہے۔)

(کتب کی اشاعت کے لیے ''محمود المطابع'' کا قیام)

میں نے کتابوں اور رسائل کی اشاعت کے لیے (محرم ۱۳۱۷ھ/ مئی 1899ء میں) ایک مطبع بھی

قائم کیا۔ جس کا نام ''محمود المطابع'' رکھا۔ جہاں سے سندھی زبان میں ایک ماہنامہ ''**هداية الاخوان**'' شائع کرنا شروع کیا۔ چند کتابیں بھی چھپوائیں، تاکہ عام سندھی مسلمانوں کو اس سے نفع ہو۔ خاص اہل علم کے لیے ''**عقيدة الامام الطحاوی**'' طبع کرائی۔ اس سے انتظامی اور مالی معاملات میں مجھے بڑے تجربات حاصل ہوئے۔

میں نے فصیح سندھی زبان میں قرآن حکیم کا ترجمہ بھی شروع کیا تھا، لیکن پھر ہمارے شیخ ابوالحسن (تاج محمود) اِمروٹیؒ نے اس عظیم کام کی طرف خود توجہ فرمائی۔ پھر اس کی تصحیح کے کام میں مَیں ان کے معاون کے طور پر کام کرتا رہا۔ چناں چہ چند سالوں میں یہ ترجمہ مکمل ہو کر طبع ہوگیا۔ (12)

(تدریس و تربیت)

جہاں تک تدریس کا معاملہ ہے، تو مجھ سے اہل علم کی ایک بڑی جماعت نے کتب حدیث وتفسیر اور اس کے متعلقات کا علم حاصل کیا۔ میرے شاگردوں میں سے بعض ایسے لوگ ہیں جو میرے مشائخ کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ (13)

امام ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں کو تو میں نے ہمیشہ ہی پڑھایا ہے، جیسے کہ ''**فتح الرّحمٰن**''، ''**الفوز الکبیر**'' وغیرہ۔ ان کتابوں کی درس و تدریس کے دوران میں نے قرآنی آیات کے باہمی ربط پر بڑی توجہ دی۔ قرآن حکیم کی طویل سورتوں کو بڑی ترتیب کے ساتھ ابواب و فصول میں تقسیم کیا۔ اس طرح اللہ کی توفیق سے یہ ایک منفرد علم مرتب اور مدوّن ہوگیا۔

اسی طرح (شاہ صاحب کی دیگر کتابوں) **حجة اللّٰه البالغه، مسوّٰی** اور شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تصانیف کے منتخب ابواب و مقالات کا میں نے ہمیشہ درس دیا۔ مسلسل سات سال تک میں نے ان تمام اُمور میں بڑی جدوجہد اور غور وفکر و اجتہاد سے کام کیا۔ پس الحمدللہ! مجھے مذہبِ حنفی میں طریقۂ ولی اللّٰہی پر اُصولی، فروعی اور عملی اعتبار سے پورا پورا اطمینانِ قلب حاصل ہوگیا۔

فصل (3): (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں پر مکمل اعتماد کے فوائد)

میں اس حقیقت کا واشگاف الفاظ میں اظہار کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ فقہا اور علما کے اختلافات کی وَجہ سے جو میرے ذہن میں تشویش پیدا ہوچکی تھی، اس سے میں اس وقت تک باہر نہ نکل سکا، جب تک میں نے امام ولی اللہ دہلویؒ پر ویسا ہی اعتماد نہیں کیا، جیسا کہ حنفی علما' امام ابویوسف، امام محمد بن الحسن اور امام طحاویؒ پر اپنے اعتماد کا اظہار کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے تفسیر قرآن کے سلسلے میں ''**الفوز الکبیر**'' اور

"**فتح الرحمٰن**" کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھا۔ حدیث وفقہ میں "**حجة الله البالغه**" اور "**مسوّٰی**" پر اعتماد کیا۔ جہاد وسیاست کے میدان میں مَیں نے "**ازالة الخفاء (عن خلافة الخلفاء)**" کو اپنے سامنے رکھا۔ علم کلام وتصوف وغیرہ دیگر فنون میں حضرت شاہ (ولی اللہ دہلویؒ) صاحب کی اِن فنون سے متعلقہ کتابوں پر اعتماد کیا۔

(شاہ ولی اللہؒ کی) ان کتابوں کے مشکل مقامات کو حل کرنے کے لیے میں نے بڑے صبر اور مجاہدے سے کام لیا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ولی اللّٰہی سلسلے کے علما کی کتابوں سے مدد حاصل کی۔ پہلے درجے میں امام عبدالعزیز دہلویؒ، پھر شاہ (محمد) اسماعیل (دہلویؒ) کے طبقے کے علما اور پھر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے طبقے کے علما کی کتابوں سے استفادہ کیا۔ دوسرے درجے میں وہ تمام معلومات جو متقدمین و متأخرین اور اہل عصر علما کی کتابوں سے حاصل ہوئیں، ان سے بھی استفادہ کیا۔

تیسرا باب: تربیت باطنی اور رُشد و ہدایت کے حصول میں

فصل (1): (مشائخ سے تعلق اور ان سے اجازت)

مَیں اپنے مطالعۂ علوم کے دنوں میں شیخ ابوالسراج غلام محمد دین پوریؒ کے زیرنگرانی ''طریقۂ راشدیہ'' میں سلوک کے حصول میں مشغول رہا۔ ''طریقۂ راشدیہ''، ''سلسلۂ مجددیہ'' اور ''سلسلۂ قادریہ'' کا جامع ہے۔ شیخ رحمہ اللہ نے مجھے کئی بار اس طریقے کا مخصوص لباس پہنایا (اور خلافت عطا کی) اور مجھے اپنے شیخ ابوالحسن تاج محمود امروٹیؒ سے بھی اس طریقے میں تلقین کی اجازت حاصل ہوئی ہے۔ میں نے شیخ الجلیل سید الامام رشیدالدینؒ کی صحبت سے بھی استفادہ کیا۔ یہ بزرگ مسلمانوں کی اجتماعیت کو قائم کرنے اور احیائے دین کی دعوت دینے والے پختہ کارلوگوں میں سے تھے۔ انھوں نے بھی مجھے اپنا سجادہ عنایت فرمایا۔ انھوں نے اشاروں اور کنایوں میں مجھے ایسی خوشخبریاں بھی دیں، جن کا مطلب میں ان کے پورا ہوجانے کے بعد صحیح طور پر سمجھ سکا۔

(حضرت شیخ الہندؒ سے نسبت کا حصول اور ان کی اجازت)

پھر اس کے کچھ عرصے بعد میرے شیخ حضرت شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) نے بھی مجھے کلمۂ توحید کی تلقین فرمائی اور اپنے مشائخ کے سلاسل کا مخصوص اور مبارک لباس مجھے عطا فرمایا۔ اس سے مجھے بڑی خوشی حاصل ہوئی کہ اس طرح میرا تعلق ہندوستان میں دوسرے ہزار سالہ دور کے آئمہ مجددین کے سلسلۂ تجدید کی لڑی سے قائم ہوگیا ہے۔ جیسا کہ امام ولی اللہ دہلویؒ، سلطان محی الدین محمد اورنگزیب عالمگیرؒ اور امام الربانی شیخ احمد سرہندیؒ اور امام رضی الدین محمد باقی (باللہ) دہلویؒ۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اسلام میں آنے کے بعد میرے آبا واَجداد کی حیثیت رکھتے ہیں اور دین و دنیا میں میرے رہبر و رہنما ہیں۔

عمومی فائدے کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ ان تمام مشائخ اور بزرگوں کے سلاسل کو الگ الگ فصول میں بیان کیا جائے۔ واللّٰہ الھادی.

فصل (2): (حضرت شیخ الہندؒ کے سلاسل مشائخ سے میرا تعلق)

(سلسلۂ اوّل)

میں نے صحبت اختیار کی اپنے شیخ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی۔ انھوں نے صحبت اُٹھائی شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ کی اور انھیں سے علوم بھی حاصل کیے۔ انھوں نے صحبت اُٹھائی شیخ الصالح التقی مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ کی اور بعض علوم انھی سے حاصل کیے۔ وہ شیخ الصالح التقی مولانا محمد یعقوب دہلوی مکی امام الطائفۃ الدیوبندیہ کی صحبت میں رہے۔ انھوں نے صحبت اختیار کی اپنے بھائی الصدر الحمید مولانا محمد اسحٰق دہلوی مکیؒ کی، جو **الجادة القويمة المحمدية** (محمدی اُسوۂ حسنہ کی شاہراہِ فکر و عمل) کو پھیلانے والی ہندوستانی تحریک کے اہم رکن ہیں۔

(سلسلۂ دوم)

ہمارے شیخ، حضرت شیخ الہندؒ نے دارالعلوم دیوبند کے ارکانِ اربعہ:

1۔ شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی دیوبندیؒ
2۔ شیخ العلامہ محمد یعقوب دیوبندیؒ
3۔ شیخ الصالح التقی مولانا رفیع الدین دیوبندیؒ
4۔ شیخ الاسلام مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے صحبت اور استفادہ کیا ہے۔

ان چاروں بزرگوں نے شیخ الاسلام مولانا عبدالغنی دہلوی مدنی امام الطائفۃ الدیوبندیہؒ اور شیخ الاسلام الامیر امداد اللہ تھانوی مکی امیر الطائفہ الدیوبندیہؒ سے صحبت اور استفادہ کیا۔ ان دونوں حضرات نے ''الصدر الحمید'' مولانا شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ سے استفادہ کیا ہے، جو کہ (جادۂ قویمہ کو پھیلانے والی) ہندوستانی تحریک کے رُکن رَکین ہیں۔

(سلسلۂ سوم)

ہمارے شیخ حضرت شیخ الہندؒ نے ان پانچ حضرات سے بھی صحبت اُٹھائی ہے:

1۔ شیخ الاسلام الامیر امداد اللہ امیر الطائفۃ الدیوبندیہؒ
2۔ شیخ (شاہ) عبدالغنی دہلوی مدنیؒ
3۔ شیخ احمد علی (محدث) سہارنپوریؒ
4۔ شیخ محمد مظہر نانوتوی سہارنپوریؒ
5۔ شیخ عبدالرحمٰن (محدث) پانی پتیؒ

یہ سب حضرات دیو بندی جماعت کے اہم رہنماؤں میں سے ہیں۔ ان تمام حضرات نے الصدر الحمید مولانا محمد اسحٰق دہلویؒ کی صحبت اُٹھائی، جو سراج الہند (شاہ عبدالعزیز دہلویؒ) کے قائم مقام اور ہندوستان کی تحریک کے رکن رکین ہیں۔

(سلسلۂ چہارم)

ہمارے شیخ حضرت شیخ الہندؒ نے اس سلسلۂ سند کے بزرگوں سے بھی صحبت اور استفادہ کیا ہے:

شیوخ الاسلام:

1۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

2۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

3۔ مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ

4۔ مولانا احمد علی (محدث) سہارنپوریؒ

5۔ مولانا محمد مظہر نانوتویؒ

6۔ مولانا عبدالرحمٰن پانی پتیؒ

8۔ مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ

یہ ساتوں بزرگ دیو بندی جماعت کے اہم رہنماؤں میں سے ہیں۔ ان تمام نے استاذ الاساتذہ، محقق، علامہ مولانا مملوک العلی نانوتوی دیوبندیؒ امام الطائفۃ الدیوبندیہؒ سے استفادہ کیا۔ انھوں نے علامہ محقق مولانا رشید الدین دہلویؒ کی صحبت اُٹھائی۔ انھوں نے الصدر السعید مولانا عبدالحئیؒ دہلویؒ سے استفادہ کیا، جو کہ ہندوستان (کی آزادی کی) تحریک کے ایک (اہم) رُکن ہیں۔

(حضرت گنگوہیؒ کے سلسلے سے تعلق)

میں نے صحبت اُٹھائی اپنے شیخ، شیخ الاسلام مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی۔ انھوں نے شیخ الاجل مولانا احمد سعید دہلویؒ سے صحبت اور استفادہ کیا، جنھوں نے ۱۲۷۳ھ (1857ء) میں دہلی میں جنگ آزادی کا علمِ جہاد بلند کیا تھا اور جو دیوبندی جماعت کے امام ہیں۔ انھوں نے علامہ محقق رشید الدین دہلویؒ کی صحبت اختیار کی۔ وہ ''الصدر السعید'' مولانا عبدالحئیؒ (بڈھانوی ثم) دہلویؒ کی صحبت میں رہے، جو ہندوستانی احیائے دین کی تحریک کے اہم رُکن ہیں۔ نیز شیخ احمد سعید دہلویؒ نے مولانا شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ سے بھی استفادہ کیا ہے، جو اسی تحریک کے اہم رُکن ہیں۔

اسی طرح شیخ الاسلام الامیر امداد اللہ امیر الطائفہ الدیوبندیہؒ نے امیر نصیر الدین الدہلوی سے بھی استفادہ کیا ہے، جو کہ بالاکوٹ میں واقعۂ شہادت کے بعد امیر المجاہدین بنے تھے۔ انھوں نے اس

ہندوستان کی تحریک کے چاروں ارکان:

1۔ الامیر الشہید سید احمد دہلویؒ

2۔ الصدر السعید مولانا عبدالحئیؒ دہلویؒ

3۔ الصدر الشہید مولانا محمد اسماعیل دہلویؒ

4۔ الصدر الحمید مولانا (محمد) اسحاق دہلویؒ سے صحبت اور استفادہ کیا تھا۔

نیز شیخ الاسلام الامیر امداداللہ (مہاجر مکی) امیر الطائفۃ الدیوبندیہؒ نے اپنے شیخ، شیخ نورمحمد جھنجانویؒ سے صحبت اور استفادہ کیا ہے۔ انھوں نے اپنے شیخ عارفِ کامل سید عبدالرحیم (ولایتی) شہیدِ بالاکوٹ کی صحبت اختیار کی۔ یہ دیوبندی جماعت کے لیے ارھـــاص (راستہ ہموار کرنے والے) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے تحریک کے ارکانِ ثلاثہ ''الامیر الشہید''، ''الصدر السعید'' اور ''الصدر الشہید'' کی صحبت اور رفاقت اختیار کی تھی۔

(سلسلۂ راشدیہ قادریہ سے تعلق)

مَیں شیخ ابوالسراج غلام محمد دین پوریؒ اور شیخ ابوالحسن تاج محمود امروٹیؒ کی صحبت میں رہا۔ اسی طرح میں ان دونوں حضرات کے شیخ حضرت سید العارفین الحافظ محمد صدیق سندھیؒ (بھرچونڈی) کی صحبت میں رہا۔ انھوں نے شیخ الاجل سید محمد حسن لاہوری سندھیؒ سے صحبت و استفادہ کیا ہے۔ انھوں نے امیر سید صبغت اللہ (14) بن امام محمد راشد (روضہ دھنی) سندھیؒ (15) سے صحبت و استفادہ کیا۔ وہ تحریکِ مجاہدین کے ارکانِ ثلاثہ یعنی الامیر الشہید، الصدر السعید اور الصدر الشہید کی صحبت میں رہے۔ نیز ہمارے شیخ سید العارفین (حافظ محمد صدیق صاحب) نے براہِ راست بھی الامیر الشہید اور الصدر الشہید کی صحبت اُٹھائی ہے۔

(ان تمام سلاسل کی آخری کڑی؛ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ)

احیائے دین کی ہندوستانی تحریک کے چاروں ارکان (۱: الامیر الشہید سید احمد شہیدؒ، ۲: الصدر الشہید مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ، ۳: الصدر الحمید مولانا شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ، ۴: الصدر السعید مولانا عبدالحئی بڈھانویؒ) نے تیرھویں صدی کی ابتدا کے امام اور مجدد، سراج الہند مولانا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی صحبت اُٹھائی ہے، جو **الجادۃ القویمۃ المحمدیۃ** (محمدی فکر و عمل کی سیدھی شاہراہِ فکر و عمل) کو زندہ کرنے کے لیے ولی اللّٰہی طریقے کو رائج کرنے والے ہیں۔ انھوں نے اپنے والد گرامی امام مجدد قطب الدین شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم الدہلویؒ کی صحبت اُٹھائی، جو ولی اللّٰہی طریقے کے مؤسس اور بانی ہیں۔

فصل (3): (شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سلاسل مشائخ)

امام ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے والد گرامی شیخ الاجل شاہ عبدالرحیم بن وجیہ الدین دہلویؒ سے صحبت و استفادہ کیا۔

انھوں نے امیر الاحتساب، امام محقق میرزاہد ہروی اکبر آبادی سے استفادہ کیا ہے۔ انھوں نے امثل سلاطین الہند (ہندوستانی بادشاہوں میں سے مثالی حکمران) سلطانِ مجدد، محی الدین محمد (اورنگزیب) عالمگیر سے استفادہ کیا ہے، جو کہ اپنے دور میں شریعتِ محمدؐیہ کی قانون سازی کے بانی اور مؤسس ہیں۔ وہ ہندوستانی سلطنت کو شریعتِ محمدیہؐ کے قانون کے مطابق منظّم کرنے میں مجدد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

فصل (4): (سلطان عالمگیرؒ کا سلسلۂ مشائخ)

امام مجدد سلطان (اورنگزیب) عالمگیرؒ نے شیخ الاجل سیف الدین سرہندیؒ سے صحبت و استفادہ کیا ہے۔

انھوں نے اپنے والد امام محمد معصومؒ (العُروۃ الوثقیٰ) سے استفادہ کیا ہے۔

اسی طرح سلطان عالمگیرؒ نے شاہ محمد یحییٰ بن امام ربانی (مجدد الف ثانیؒ) سے صحبت و استفادہ کیا ہے۔ انھوں نے اپنے دونوں بھائیوں: امام محمد سعیدؒ ''خازن الرحمۃ'' اور امام محمد معصومؒ ''العروۃ الوثقیٰ'' سے صحبت و استفادہ کیا ہے۔

ان دونوں حضرات نے اپنے والد گرامی امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ سے صحبت و استفادہ کیا ہے، جو کہ اُس طریقۂ احمدیہ (مجددیہ) کے بانی ہیں، جس کا مقصد فقہ اسلامی کے تناظر میں تصوفِ اسلامی کی اصلاح کرنا اور مصالحِ شریعت کو مصالحِ سلطنت (حکومتی مصالح) پر غالب کرنا تھا۔

(امام ولی اللہ دہلویؒ کا دوسرا سلسلۂ مشائخ)

امام ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے والد شیخ عبدالرحیم (دہلویؒ) سے صحبت و استفادہ کیا۔ انھوں نے شیخ عبداللہ بن محمد باقی (باللہ) دہلویؒ سے صحبت اختیار کی۔ وہ امامِ ربانی مجدد الف ثانیؒ کے صحبت یافتہ ہیں۔

(شاہ صاحبؒ کا تیسرا سلسلۂ مشائخ)

امام ولی اللہ دہلویؒ نے شیخ محمد افضل سیالکوٹیؒ کی صحبت اُٹھائی۔ وہ شیخ عبدالاحد اور شیخ صبغۃ اللہ کی صحبت میں رہے۔ اوّل الذکر نے اپنے والد امام محمد سعید سے اور ثانی الذکر نے اپنے والد امام محمد معصوم سے صحبت و رفاقت اختیار کی۔ ان دونوں نے اپنے والد امامِ ربانی کی صحبت اٹھائی اور ان سے استفادہ کیا۔

فصل (5): (سلسلۂ مجددیہ معصومیہ وسعیدیہ)

دارالعلوم دیوبند کے ''صدورِ اربعہ'' یعنی:

1۔ ہمارے شیخ، شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ)

اور شیوخ الاسلام:

2۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

3۔ مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ

4۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

نے شیخ الاسلام مولانا عبدالغنی دہلوی امام الطائفۃ الدیوبندیہ کی صحبت حاصل کی ہے۔ انھوں نے اپنے بھائی امام مولانا احمد سعید دہلویؒ امام الطائفہ الدیوبندیہ کی صحبت اختیار کی تھی۔ ان دونوں بھائیوں نے اپنے والد محترم شیخ اجل ابوسعید دہلویؒ سے استفادہ کیا ہے۔ انھوں نے شیخ الاسلام عبداللہ (شاہ غلام علی) دہلویؒ کی صحبت اختیار کی، جوکہ ''طریقۂ احمدیہ مجددیہ'' کو رائج کرنے والے ہیں۔ انھوں نے امام شمس الدین محمد مظہر شہید دہلویؒ کی صحبت اختیار کی، جوکہ **قيّم الطريقة الأحمديه المجدّديه** (طریقۂ احمدیہ مجددیہ کے قائم کرنے والے) ہیں۔

امام محمد مظہر شہیدؒ نے اپنے درجِ ذیل شیوخِ اربعہ سے استفادہ کیا ہے:

1۔ سید نور محمد بدایوانیؒ، جنھوں نے شیخ سیف الدینؒ اور شیخ محمد محسنؒ کی صحبت اختیار کی۔ ان دونوں نے امام محمد معصومؒ (**العُروۃ الوثقیٰ**) کی صحبت اُٹھائی۔

2۔ شیخ محمد افضل سیالکوٹیؒ، جنھوں نے شیخ عبدالاحد کی صحبت اُٹھائی ہے۔ انھوں نے اپنے والد امام محمد سعید سے استفادہ کیا۔ اسی طرح شیخ محمد افضل (سیالکوٹی) نے شیخ حجۃ اللہ کی صحبت بھی اُٹھائی ہے۔ انھوں نے اپنے والد امام محمد معصومؒ (**العُروۃ الوُثقیٰ**) سے صحبت اُٹھائی ہے۔

3۔ حافظ سعداللہ، جنھوں نے شیخ محمد صدیق کی صحبت اختیار کی، اور انھوں نے اپنے والد امام محمد معصوم (**العُروۃ الوُثقیٰ**) کی صحبت اُٹھائی۔

4۔ شیخ محمد عابد سنامی، جنھوں نے شیخ عبدالاحد کی صحبت اختیار کی۔ انھوں نے اپنے والد امام محمد سعید کی صحبت اختیار کی۔

دونوں حضرات: امام محمد سعیدؒ اور امام محمد معصومؒ (**العُروۃ الوُثقیٰ**) نے اپنے والد محترم حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی صحبت اختیار کی۔

فصل (6): (سلسلۂ مجددیہ بنوریہ)

میں نے اپنے ولی نعمت حضرت شیخ ابوالسراج غلام محمد دین پوریؒ کی صحبت اُٹھائی ہے۔ انھوں نے شیخ امام سیدالعارفینؒ (حافظ محمد صدیق) کی صحبت حاصل کی۔

مجھے حضرت شیخ الہندؒ اور شیخ ابوالحسن امروٹی اور سید رُشداللہ ہندی (پیر جھنڈا) سے مصاحبت حاصل رہی ہے۔

میں نے اپنے شیخ سیدالعارفین الحافظ محمد صدیق سندھیؒ کی بھی صحبت اُٹھائی ہے۔ انھوں نے شیخ اجل سید محمد حسن سندھیؒ (16) کی صحبت اختیار کی۔ انھوں نے امام محمد راشد (روضہ دھنی) کی صحبت اختیار کی، جو کہ اُس ''طریقۂ راشدیہ'' کے بانی اور مؤسس ہیں، جو قادریہ اور مجددیہ کا جامع ہے۔

اسی طرح میں نے سید ابوتراب رُشداللہ بن الامام رشیدالدین کی صحبت حاصل کی۔ انھوں نے اپنے والد امام رشیدالدین سندھی ''**مجدد الدعوة الإرشادیه**'' کی صحبت حاصل کی۔ ان سے پہلے میں نے براہِ راست بھی امام رشیدالدین سے استفادہ کیا ہے، جو کہ اپنے بھائی سید فضل اللہ شہید کی صحبت میں رہے۔

ان دونوں بھائیوں نے اپنے والد سید محمد یٰسین ''**صاحب العَلَم الأوّل**'' (پہلے پیر جھنڈا) سے استفادہ اور صحبت اُٹھائی ہے۔ انھوں نے اپنے والد محترم امام راشد سندھیؒ کی صحبت اُٹھائی۔ وہ اپنے والد محترم شیخ الاجل محمد بقا الحسینی لکیاری (17) کی صحبت میں رہے۔ انھوں نے شیخ الاجل محمد اسماعیل بریالوی سندھیؒ سے صحبت اُٹھائی۔ انھوں نے شیخ سعدی لاہوریؒ سے صحبت اُٹھائی۔ انھوں نے شیخ آدم بنوریؒ سے صحبت و استفادہ کیا جو ''طریقۂ حسنیہ'' کے بانی اور مؤسس ہیں۔

اسی طرح امام ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے والد شیخ اجل شاہ عبدالرحیم بن وجیہ الدین دہلویؒ سے استفادہ کیا۔ انھوں نے سید عبداللہ قاری سے، انھوں نے شیخ آدم بنوریؒ سے استفادہ کیا۔ انھوں نے امام ربانی مجدد الف ثانیؒ سے، انھوں نے امام رضی الدین محمد باقی (باللہ) دہلویؒ سے استفادہ کیا، جو کہ اسلام کے ہزارۂ اول کے بعد ہندوستان میں تجدید دین کے بانی اور مؤسس ہیں۔

فصل (7): (سلسلۂ حضرت باقی باللہ دہلویؒ)

امام ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے والدِ محترم شیخ عبدالرحیم بن وجیہ الدین دہلویؒ سے استفادہ کیا۔ انھوں نے اپنی والدۂ محترمہ، دخترِ شیخ رفیع الدین دہلویؒ سے اپنے نانا کی وصایا حاصل کی ہیں۔ شیخ عبدالرحیم (دہلویؒ) کی والدۂ محترمہ نے اپنے والد شیخ رفیع الدین کی صحبت اُٹھائی۔ جب کہ انھوں نے اپنی صاحبزادیٔ محترمہ کی اولاد کے لیے کچھ وصیتیں بھی فرمائی تھیں۔ شیخ رفیع الدین نے اپنے والد شیخ قطب عالم

بن بحر موّاج امام عبدالعزیز بن حسن دہلویؒ سے استفادہ کیا تھا۔ انھوں نے اپنے والد امام عبدالعزیز بن حسن دہلویؒ اور امام رضی الدین محمد باقی (باللہ) دہلویؒ سے صحبت اُٹھائی ہے۔

اسی طرح امام ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے والدمحترم حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ سے، انھوں نے شیخ عبداللہ بن محمد باقی (باللہ) دہلویؒ سے، انھوں نے شیخ رفیع الدین دہلویؒ اور اسی طرح شیخ اَللہ داد، شیخ حسام الدین اور شیخ تاج الدین سنبھلیؒ سے صحبت اُٹھائی۔ ان چاروں حضرات نے امام رضی الدین محمد باقی (باللہ) دہلویؒ سے استفادہ کیا۔

اسی طرح امام ولی اللہ دہلویؒ نے شیخ تاج الدین قلعی مکی سے، انھوں نے امام حسن بن علی عجمی مکی سے، انھوں نے ابراہیم بن حسین بن سری مکی سے، انھوں نے عبدالرحمٰن بن عیسیٰ مرشدی مکی سے، انھوں نے صبغۃ اللہ بن روح اللہ بروجی مدنی سے، انھوں نے تاج الدین سنبھلی مکی سے اور انھوں نے امام رضی الدین محمد باقی (باللہ) دہلوی سے صحبت و استفادہ کیا ہے۔

فصل (8): (سلسلۂ طاہریہ حقانیہ)

امام ولی اللہ دہلویؒ نے شیخ ابوطاہر مدنی شافعی سے، انھوں نے اپنے والدمحترم امام محقق شیخ ابراہیم کُردی شافعی سے، انھوں نے شیخ عبداللہ بن سعداللہ لاہوری مدنی حنفی سے، انھوں نے محقق عبداللہ لبیب سیالکوٹی سے، انھوں نے اپنے والد محقق علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی سے استفادہ کیا، جو کہ کتب درسیہ کی تعلیم و تعلّم میں "طریقۂ سیالکوٹیہ" کے بانی اور مؤسس ہیں۔

اسی طرح امام ولی اللہ دہلویؒ نے معمّر محمد سعید لاہوری سے، انھوں نے شیخ محمد اشرف لاہوری سے، انھوں نے شیخ عبدالحکیم سیالکوٹی سے، انھوں نے گیارہویں صدی ہجری کے مجدد، شیخ الاسلام والمسلمین، امامِ حقانی، شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ سے صحبت و استفادہ کیا ہے۔

اسی طرح امام ولی اللہ دہلویؒ نے تاج الدین قلعی مکی سے، انھوں نے امام حسن بن علی عجمی مکی سے، انھوں نے شیخ محمد حسین بن محمد مؤمن خافی سے اور انھوں نے امام حقانی شیخ عبدالحق (محدث) دہلوی سے استفادہ کیا ہے۔

اسی طرح امام مجدد سلطان (اورنگزیب) عالمگیرؒ نے شاہ محمد یحییٰ بن امام ربانی سے، انھوں نے شیخ الاسلام شیخ عبدالحق (محدث) دہلوی سے استفادہ کیا ہے، جو کہ "طریقۂ حقانیہ" کے بانی ہیں۔ یہ طریقہ ہندوستانی حنفی فقہا، امرا اور صوفیا میں حدیثِ نبویؐ کی ترویج و اشاعت کے لیے قائم کیا گیا تھا۔

فصل (9): (سلسلۂ رشیدیہ حقانیہ)

میں نے اپنے شیخ، شیخ الاسلام رشید احمد گنگوہیؒ کی صحبت اُٹھائی۔ انھوں نے صحبت اُٹھائی مفتی عنایت احمد کانپوریؒ کی، جوکہ ولی اللّٰہی عالم تھے۔ انھوں نے شیخ نورالاسلام رامپوریؒ سے، انھوں نے اپنے والد شیخ سلام اللہ دہلویؒ سے، جوکہ مؤطا امام مالکؒ کے شارح اور ولی اللّٰہی عالم تھے۔ انھوں نے اپنے والد شیخ، شیخ الاسلام دہلویؒ شارحِ صحیح بخاری سے، انھوں نے اپنے والد شیخ فخر الدین دہلویؒ سے، انھوں نے اپنے والد شیخ نورالحق دہلویؒ شارحِ صحیح بخاری سے اور انھوں نے اپنے والد امام مجدد شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ سے صحبت اُٹھائی۔

اسی طرح میں نے اپنے شیخ، حضرت شیخ الہندؒ کی صحبت اُٹھائی۔ انھوں نے شیخ عبدالرحمٰن پانی پتیؒ سے، انھوں نے شیخ حسن علی لکھنویؒ سے جوکہ ولی اللّٰہی عالم تھے۔ انھوں نے شیخ نورالحق بن انوارالحق لکھنویؒ سے، انھوں نے علامہ محقق بحرالعلوم عبدالعلی لکھنویؒ سے، انھوں نے اپنے والد امام محقق شیخ نظام الدین لکھنویؒ کی صحبت اُٹھائی، جوکہ کتب درسیہ کی تعلیم کے لیے طریقۂ نظامیہ (درسِ نظامی) کے بانی ہیں۔ انھوں نے شیخ غلام نقشبند لکھنویؒ سے، انھوں نے شیخ پیر محمد لکھنویؒ سے، انھوں نے امام محقق شیخ نورالحق دہلویؒ سے، انھوں نے اپنے والد امام عبدالحق (محدث) دہلویؒ بانی ''طریقۂ حقانیہ'' کی صحبت اُٹھائی۔

(طریقۂ حقانیہ کی خصوصیات)

یہ طریقہ حدیث کی ترویج و اشاعت کے لیے تھا۔

چناں چہ امیر قنوجی (نواب صدیق حسن) نے اپنی کتاب ''**الحطه**'' میں لکھا ہے کہ:

''یہ بات یاد رہے کہ جب سے مسلمانوں نے ہندوستان کو فتح کیا، اُس وقت سے یہاں علم حدیث کا رواج نہیں رہا۔ یہاں علوم میں عمدہ ترین چیز ''فقہ حنفی'' ہی رہی ہے۔ یہاں تک کہ ہندوستان پر اللہ نے احسان کیا اور یہاں کے بعض حنفی علما نے علمِ حدیث کی طرف توجہ فرمائی۔ جیسا کہ شیخ عبدالحق بن سیف الدین ترک دہلویؒ۔ پھر آپؒ کے صاحبزادے شیخ نورالحقؒ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ ایسے ہی آپؒ کے بعض تلامذہ نے اس طرف توجہ فرمائی۔ اگرچہ ان حضرات کے علم حدیث کے بیان کا انداز فقہائے مقلدین کے طریقے پر تھا، لیکن اس کے باوجود وہ دین میں بہت فائدے سے خالی نہ تھا'' انتھیٰ (18)

اسی طرح (غلام علی) آزاد بلگرامی نے اپنی کتاب ''**سبحة المرجان**'' میں (شیخ عبدالحق حقانی کے تذکرے) میں لکھا ہے:

''آپ عنفوانِ شباب میں حرمین شریفین تشریف لے گئے ..... اور فن حدیث میں کمال حاصل کیا.....۔ پھر وطن لوٹ آئے اور ظاہری اور باطنی دل جمعی کے ساتھ مسلسل 52 سال تک علوم کے پھیلانے میں مشغول رہے۔ خاص طور پر علم حدیث شریف کو اس طرح فروغ دیا کہ ہندوستان میں گزشتہ اور آنے والے علما میں سے کسی کو بھی اس طرح توفیق میسر نہ آئی۔ انھوں نے علوم میں تصنیف و تالیف کی۔ خاص طور پر علم حدیث میں بہت سی معتبر کتابیں تصنیف فرمائیں، جن کی طرف علمائے زمانہ نے خصوصی توجہ فرمائی اور انھیں اپنے عمل کے لیے دستورِ زندگی بنایا۔'' (19)

امام ربانی مجدد الفِ ثانی (اپنے مکتوبات کی جلد ثانی کے مکتوب نمبر 29) میں گیارہویں صدی کے مجدد امام عبدالحق دہلویؒ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ زمانہ دین کی اجنبیت کا زمانہ ہے۔ اس میں آپ کا وجودِ شریف مسلمانوں کے لیے بڑا غنیمت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر سلامتی نازل فرمائے اور آپ کو باقی رکھے۔'' (20)

فصل (10): (طریقۂ حقانیہ قادریہ)

حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ نے تین آئمہ دین کی صحبت اختیار کی ہے۔ ان میں سے ہر ایک نے دین کے تجدیدی کام کی بنیاد رکھی ہے:

اوّل: زین العابدین، و امام الصادقین، سید نقی تقی، علوی، علی مہدی، جمال الدین، ابوالحسن موسیٰ شہید ملتانی۔

دوم: شیخ علامہ، متقن فہامہ، ولی کبیر، شیخ عبدالوہاب بن ولی اللہ متقی قادری۔

(مولانا غلام علی) آزاد بلگرامی نے ''سبحۃ المرجان'' میں لکھا ہے:

''شیخ عبدالحق نے ۹۸۵ھ (1577ء) میں شیخ موسیٰ قادری کی خدمت میں حاضری دی۔ ان سے قادری خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ شیخ موسیٰ شیخ عبدالقادر اُچی (اُچ شریف والے) کی نسل میں سے ہیں۔ وہ شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی اولاد میں سے ہیں۔ نیز وہ ہندوستان کے مشاہیر اولیائے کرام میں سے ہیں۔ جب شیخ عبدالحق (محدث دہلویؒ) مکہ معظّمہ پہنچے تو شیخ عبدالوہاب متقی تلمیذ شیخ علی متقی کی صحبت اور شاگردی اختیار کی اور ان سے کتب احادیث نبویہ کی اجازت حاصل کی۔'' انتھیٰ (21)

میں کہتا ہوں کہ ہمارے مشائخ راشدیہ امام عبدالحق دہلویؒ کے ساتھ طریقۂ قادریہ میں جمع ہوجاتے ہیں۔ اس لیے کہ طریقۂ راشدیہ کی اساسِ اوّل ''شعبۂ جیلانیہ'' (سلسلۂ قادریہ) ہے۔ (ہندوستان میں)

اس سلسلے کا مرکز اور منبع شیخ عبدالقادر ثانی اُچی (اُچ شریف والے) ہیں۔ چناں چہ ہمارے مشائخ کے شیخ محمد بقا لکیاری نے شیخ عبدالقادر الخامس کی صحبت اُٹھائی تھی، جو کہ شیر گڑھ (پنجاب) کے رہنے والے تھے۔ ان کے آبا و اَجداد کا سلسلۂ صحبت سید حامد قادری تک جاتا ہے، جو کہ شیخ موسیٰ شہید (ملتانی) کے والد ہیں۔

سوم: تیسرے امام جن کی صحبت شیخ عبدالحق (محدث دہلویؒ) نے اُٹھائی ہے، وہ امام رضی الدین محمد باقی (باللہ) دہلویؒ ہیں۔ شیخ عبداللہ بن محمد باقی دہلویؒ اپنے والد محترم کے اصحاب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''شیخ الاسلام والمسلمین شیخ عبدالحق قادری نے میرے والد محترم سے طریقت اَخذ کی ہے۔ آپ کو اپنے شیخ سے بڑا تعلق اور بہت زیادہ محبت تھی''۔ انتہٰی

فصل (11): (مشائخ سے محبت؛ آغوشِ رحمت کا باعث)

ان سلاسل کے یہ تمام بزرگ ہمارے مشائخ ہیں۔ ہم ان سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں۔ ایسی محبت اور چاہت جیسا کہ اولاد کو اپنے آبا و اجداد سے ہوتی ہے، مگر اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم ان کے ہم عصر اہلِ علم یا ان سے پہلے کے بزرگوں پر کوئی نکتہ چینی کرنا چاہتے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ مسلمانوں میں ہمارے ان مشائخ کی جماعت کی مثال ایک ایسے گھر کی مانند ہے جو کہ ایک بڑے شہر میں واقع ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لیے بھی ہم عصمت اور معصومیت کے دعوے دار نہیں ہیں۔ ہاں! البتہ یہ بات ضرور ہے کہ ہم نے ان کی سیرت میں کہیں نہیں دیکھا کہ انھوں نے کسی مسئلے میں اپنی غلطی معلوم ہوجانے کے بعد بھی اس پر اصرار کیا ہو۔ پس ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے اُمید رکھتے ہیں کہ ان کے اچھے اعمال کو قبول فرمائے اور ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ان کی سیئات کو حسنات میں تبدیل فرمائے اور ہر اُس فرد کو اپنی آغوشِ رحمت میں لے لے، جو اِن بزرگوں کے ساتھ اپنے تعلق کو قائم کرنا چاہتا ہے۔ اللہ بڑے فضل والا ہے۔

چوتھا باب: علمی اور سماجی خدمات

فصل (1): (حضرت شیخ الہندؒ سے ملاقات اور ''دارالرشاد'' کا قیام)

۱۳۱۵ھ (نومبر 1897ء) میں سات سال کے بعد مَیں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی خدمت میں دارالعلوم دیو بند پہنچا۔ اور اپنی بعض تصنیفات ان کی خدمت میں پیش کیں ۔ (22) اور بعض اشکالات اور سوالات کا حل ان سے دریافت کیا۔ احادیث کی کتابوں کے اطراف سنا کر براہِ راست دوبارہ اجازتِ حدیث حاصل کی۔ ان کتابوں میں صحاح ستہ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ) کے ساتھ مسند امام احمد، امام طحاویؒ کی معانی الآ ثار، امام مالکؒ کی موَطا، جو امام یحییٰ (بن یحییٰ مصمودی) کے واسطے سے روایت شدہ ہے۔ امام محمدؒ کی روایت کردہ موَطا اور امام محمدؒ کی کتاب الآ ثار شامل تھیں ۔ احادیث کی ان کتابوں کو حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے پڑھنے میں کوئی سامع اور قاری میرے ساتھ شریک نہیں تھا۔

اس موقع پر ولی اللّٰہی علما کی کتابوں کے مشکل مقامات کے حل کے سلسلے میں بھی حضرت شیخ الہندؒ سے میں نے استفادہ کیا۔ خاص طور پر صدرالشہید (حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ) کی وہ تحریرات جو جہاد و سیاست کے بارے میں تھیں ۔ حضرت شیخ الہندؒ —— اللہ اپنی مغفرت کی چادر میں انھیں ڈھانپ لے —— نے مجھے سنت کے فروغ اور اس کی دعوت کا صحیح طریقہ کار بھی سمجھایا۔ اس حوالے سے مَیں نے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اور شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کے بعض افکار و خیالات کو اپنے کاموں کے لیے نشانِ راہ بنا لیا۔

میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اُس نے مجھے حضرت شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) سے استفادے کی توفیق دی۔ میں نے حضرت شیخ الہندؒ کو اپنے اوپر انتہائی شفقت کرنے والا نہایت مہربان شخص پایا۔ (23)

(''دارالرشاد'' کا قیام)

جب میں (دیو بند سے) سندھ واپس آیا تو دارالعلوم دیو بند کی ایک شاخ (سندھ میں) قائم کرنے کی فکر میں مشغول رہا۔ میں نے اپنی تمام تر توجہات اس جانب مبذول کرلیں۔ اس سلسلے میں مجھے بڑی تکالیف برداشت کرنی پڑی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ۱۳۱۹ھ (1901ء) میں میرے لیے آسانی پیدا

کردی۔ چناں چہ سندھ میں حیدر آباد کے قریب گوٹھ پیر جھنڈا میں امام ابوالتراب سید رُشد اللہ بن امام رشید الدین کے ساتھ مل کر میں نے ''دارالرشاد'' کی بنیاد رکھی۔

(دارالرشاد میں شیخ حسین انصاری یمنی کا قیام)

''دارالرشاد'' میں ہمارے استاذ حضرت حسین بن محسن انصاری یمنی (24) نے بھی ایک مدت تک قیام کیا۔ میں نے ان کے سامنے امام بخاری کی صحیح (بخاری)، فتح الباری شرح بخاری، نیل الاوطار کا کچھ حصہ اور حدیث کی بڑی کتابوں کے اطراف پڑھے۔ نیز میں نے ان سے امام شافعیؒ کی فقہ پڑھی۔ وہ شافعی مسلک کے مجتہد عالم تھے۔ انھوں نے مجھے حدیث اور فقہ کی تمام کتابوں کی روایت کی اجازتِ عامہ بھی عنایت فرمائی۔ نیز حدیث کی کتاب "مسلسلات'' کے روایت کی اجازت بھی عطا فرمائی۔

میں اگرچہ ان کی صحبت میں تھوڑا وقت رہا، لیکن استفادہ بہت زیادہ کیا۔ میں نے انھیں دیکھا کہ وہ حافظ ابن حجر (عسقلانی) پر اُسی طرح اعتماد کرتے تھے، جیسا کہ مَیں امام ولی اللہ دہلویؒ پر پورا اعتماد کرتا تھا۔ میں نے ان کی صحبت سے اُن لوگوں کے طریقۂ حدیث کو سمجھنے میں مہارت حاصل کی، جو صحیح بخاری کو دیگر حدیث کی کتابوں پر مقدم سمجھتے ہیں۔ چناں چہ میں نے اس طریقۂ کار کو سمجھنے میں کمال حاصل کیا۔ اس طرح میرے لیے دونوں طریقوں ـــ یعنی حافظ ابن حجر کے طریقے اور امام ولی اللہ دہلویؒ کے طریقے ـــ کے درمیان موازنہ کرنا آسان ہوگیا۔ اور میرے لیے عصری تقاضوں کے تناظر میں ان دونوں میں سے زیادہ بہتر طریقے کو ترجیح دینے میں سہولت پیدا ہوگئی۔

(دارالرشاد میں حضرت شیخ الہندؒ کی آمد)

اس دوران میں نے ایک خواب دیکھا کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ ''دارالرشاد'' میں تشریف لائے ہیں اور انھوں نے اس کے ایک کمرے میں قیام فرمایا ہے۔ (25) کچھ عرصے بعد ہمارے استاذ حضرت شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) ''دارالرشاد'' تشریف لائے اور اسی کمرے میں قیام فرما ہوئے۔ اس دن سے میں نے اپنے استاد کو امام مالکؒ سے تشبیہ دینا شروع کردیا۔ اسی کے پیشِ نظر (آئندہ سے) میں نے حضرت شیخ الہندؒ کا لقب ''نجم الائمہ'' رکھ دیا۔ اس لیے کہ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ: ''جب علما کا ذکر کیا جائے تو امام مالکؒ ان میں نجم (روشن ستارے) کی حیثیت رکھتے ہیں۔'' (26)

جب ہمارے استاذ (حضرت شیخ الہندؒ) دارالرشاد تشریف لائے تو آپؒ سے ملاقات کے لیے راشدیہ (قادریہ) سلسلے کے بہت سے مشائخ جمع ہوگئے۔ حضرت شیخ الہندؒ ان سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ پھر ہم نے ''جمعیت سوادِ اعظم'' کے عنوان سے سندھ کے علما کی تنظیم قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے مولانا محمد صادق سندھی (کھڈہ، کراچی والے) نے بہت زیادہ محنت اور جدوجہد کی۔

جب ''دارالرشاد'' سے فارغ ہونے والے علما نے امام ابوالتراب (رشیدالدین) کے زیرِنگرانی دارالرشاد کو منظّم انداز میں چلانے کی استعداد حاصل کرلی، تو حضرت شیخ الہندؒ نے مجھے ۱۳۲۷ھ (1909ء) سے دارالعلوم (دیوبند) میں قیام کرنے کا حکم فرمایا۔

فصل (2): (''جمعیت الانصار'' کا قیام)

۲۷/رمضان المبارک سن ۱۳۲۷ھ (1909ء) کو مدرسہ دیوبند میں ''جمعیت الانصار'' قائم ہوئی۔ اور میں دارالعلوم (دیوبند) کے شعبۂ دعوت وارشاد سے متعلق ہوگیا۔ دارالعلوم (دیوبند) اور اس سے ملحقہ اور وابستہ اداروں سے فارغ التحصیل علما کو'' جمعیت الانصار'' کے عنوان سے منظّم کرنے میں مشغول ہوگیا۔ تاکہ بظاہر طے شدہ پروگرام کی بنیاد پر ایک علمی اور فکری جماعت وجود میں آجائے۔

دارالعلوم اور اس سے ملحقہ اداروں سے گزشتہ چالیس سال (۱۲۸۳ھ تا ۱۳۲۷ھ/ 1866ء تا 1909ء) کے عرصے میں 20 ہزار سے زائد علما تعلیم حاصل کرکے فارغ ہوئے تھے۔ پانچویں دہائی میں ان کی تعداد تیس ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ ان کے ذریعے سے ولی اللّٰہی طریقۂ فکر وعمل ہندوستان کے تمام اطراف میں پھیل چکا تھا۔ ان میں بعض جماعتیں کابل، بخارا اور حجاز میں بھی موجود تھیں۔ یہاں تک کہ دیوبند کے تعلیم یافتہ علما' اس آباد دنیا کے بہت سے ممالک یورپ، چین، افریقا اور امریکا تک پہنچ چکے تھے۔

(''جمعیت الانصار'' کے اہم ترین کام)

اس علمی اور دینی جمعیت المؤتمر کے عمدہ کاموں میں سے درجِ ذیل دو کام ہیں:

1۔ ایک یہ ہے کہ اس کے تحت مدارسِ دینیہ سے فارغ ہونے والے علما اور عصری اداروں سے تعلیم یافتہ گریجویٹس دونوں کے لیے شرعی اور دینی علوم کی تکمیل کا نظام قائم کیا گیا۔

2۔ دوسرا اہم ترین کام اس جمعیت کا یہ تھا کہ ہلالِ احمر کے تحت (ترکوں کی امداد کے لیے) فنڈز اکٹھے کیے جائیں۔ اس کی تمام تر تفصیلات اس زمانے کے رسالوں اور کتابوں میں چھپی ہوئی ہیں۔ (27)

اس قسم کے کاموں میں مشغول رہتے ہوئے مجھے تقریباً چار سال کا عرصہ گزرگیا۔

(قیامِ دیوبند میں حضرت شیخ الہندؒ سے استفادہ)

اس دوران میں نے حضرت شیخ الہندؒ سے شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) کی کتاب "**حجة الاسلام**" اور (حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتاب) "**حجة الله البالغه**" کے اَطراف پڑھے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ میں نے اس دوران اس بات کو اچھی طرح سمجھا کہ ہمارا اُن مسلمان جماعتوں کے

ساتھ اتحاد کس طرح ممکن ہے، جو اپنے بعض کاموں میں ہمارے طریقے کے مخالف ہیں۔ نیز یہ کہ کن اُمور پر غیر مسلم اہلِ وطن سے اتفاق پیدا کیا جاسکتا ہے۔ کیوں کہ میں حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے اس قسم کے معاملات میں آزمائش سے دوچار ہوا تھا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے ـــ اللہ ان پر رحمت نازل کرے ـــ اس سلسلے میں میری اچھی طرح رہنمائی فرمائی۔

ہمیشہ آپؒ کی رہنمائی کا دارومدار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین کی مشہور ومعروف سنتِ صحیحہ سے اَخذ واستنباط پر مبنی ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں عام طور پر وہ اپنے استاذ شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا کوئی قول نقل کرتے تھے۔ اگر انھوں نے وہ بات خود استنباط کی ہوتی تو اس کی نشان دہی کر دیتے، لیکن وہ اپنے استنباط سے زیادہ اپنے استاذ کے اَخذ واستنباط کردہ قول پر اعتماد کرتے تھے۔

میں نے مسلمان جماعتوں کا بڑی اچھی طرح مشاہدہ کیا کہ جب تک کوئی طبقہ بدلتے دور کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر کتاب وسنت سے احکامات اَخذ واستنباط کرنے کی قدرت نہیں رکھتا تو ان کے لیے مذہب کی بنیاد پر سیاست کے میدان میں کام جاری رکھنا ممکن نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ سیاست کے تقاضے ہر روز بدلتے رہتے ہیں اور ہر گھڑی اس کے مختلف مظاہر سامنے آتے رہتے ہیں۔ اس طرح مجھے پورا یقین ہوگیا کہ مذہب کے بنیادی اساسی اصولوں کے دائرے میں رہ کر، بدلتے ہوئے حالات اور تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے علمی سطح پر اجتہاد واستنباط کا کام ایسا ہی ہے، جیسا کہ کسی قوم کی عملی سیاست کرنا اور کسی قوم کی دفاعی اور جنگی حکمتِ عملی طے کرنا۔ اگرچہ ان دونوں کاموں کے درمیان درجات کا فرق ضرور پایا جاتا ہے۔ لیکن یہ بات بڑی اہم ہے کہ کسی مملکت میں بسنے والے لوگوں کے لیے ایسے مذہب کی پابندی اختیار کرنا اپنے اندر بڑا خیر کا پہلو رکھتا ہے، جو حالاتِ حاضرہ کے حوالے سے مسائل حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

فصل (3): (دیوبند اور علی گڑھ کے اتحاد کی کوشش)

ہم نے علی گڑھ کی جماعت کے ساتھ اتحاد قائم کرنے کی بڑی کوشش کی۔ اس لیے کہ ہم ان کے ساتھ امام ولی اللہ دہلویؒ کی اتباع کرنے میں باہم شریک ہیں۔ اس بات کے باوجود کہ دوسرے درجے میں ہمارے درمیان علمی نقطۂ نظر سے مسلک کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ دیوبند اور علی گڑھ دونوں جماعتوں کے اساسی رہنما (سرسید احمد خان اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) اُن لوگوں میں سے ہیں جو دہلی کالج میں مولانا مملوک العلی نانوتویؒ سے علم حاصل کرنے میں باہم شریک رہے ہیں۔ (28) سیاسی طریقۂ کار کے اختلاف کے علاوہ ان کے درمیان کوئی ایسا اختلاف نہیں پایا جاتا کہ جس کے سبب مستقل دشمنی پیدا ہو۔

جب علی گڑھ سے تعلق رکھنے والوں میں ایک ایسی جماعت وجود میں آگئی، جس کا سیاسی میلان ہمارے سیاسی میلان کے مطابق ہوگیا، تو دونوں جماعتوں کے درمیان اتحاد پیدا کرنا مزید آسان ہوگیا۔

چناں چہ آہستہ آہستہ ہم نے اتحاد کی طرف پیش قدمی کی کوشش جاری رکھی۔ اس کے لیے ہماری جماعت نے بہت سے سخت مشقت والے کام بھی اپنے ذمے قبول کیے۔ چناں چہ ایسے معاملات میں ہم نے انھیں آگے رکھا، جہاں وہ آگے رہنا پسند کرتے تھے۔ اس طرح ہم اللہ کے شکر سے اپنے سیاسی مسلک کو محفوظ رکھنے میں کامیاب رہے۔ خواہ بعض کاموں میں ہم سامنے رہے یا پیچھے چلے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمارے استاذ حضرت شیخ الہندؒ اس قسم کے کاموں پر بڑی گرفت رکھتے تھے۔ میں نے قوموں اور جماعتوں کے قائدین میں ایسے لوگ نہیں دیکھے۔

(دیوبندی جماعت کی یک جہتی اور حضرت شیخ الہندؒ کا کردار)

ہمارے استاذ حضرت شیخ الہندؒ اس بات پر بڑا افسوس کا اظہار کیا کرتے تھے کہ دیوبندی جماعت میں ایک ایسا گروہ اُٹھ کھڑا ہوا ہے، جو اس (دیوبندی) طریقے کے رہنماؤں کے برعکس کردار ادا کر رہا ہے۔ انھوں نے مجھے ان لوگوں کے چند غلط کاموں کے بارے میں بھی بتلایا۔ ہمارے استاذ حضرت شیخ الہندؒ کی یہ عظمت ہے کہ انھوں نے اس زمانے میں اپنی حکمتِ عملی سے اس گروہ کو اپنی مخالفت کے اعلانیہ اظہار سے روکے رکھا۔

ان مخالفین میں سے بعض ذہین لوگوں کو میں نے دیکھا ہے کہ یہ لوگ سیاسی مسلک کے حوالے سے دیوبند کے رہنماؤں کے درمیان تفریق پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ مثلاً یہ کہ ایسے لوگ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے متبعین کو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے متبعین پر ترجیح دیتے تھے۔ اس تفریق سے ان کا غلط مقصد یہ ہوتا تھا کہ اپنے آپ کو اس کی آڑ میں چھپائیں۔ ہمارے استاذ حضرت شیخ الہندؒ نے مجھے بعض ایسے اُمور سے آگاہ کیا تھا، جن کا اظہار ممکن نہیں ہے۔ نیز ایسی باتیں بتائیں جو دونوں مشائخ (حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ) کے اتحادِ مسلک پر دلالت کرتی ہیں۔ اگر ان دونوں حضرات کے کام کرنے کے طریقۂ کار میں کوئی فرق تھا بھی تو وہ زمان و مکان کے تغیّر و تبدل اور حالات و واقعات میں تبدیلی کی وَجہ سے تھا۔ اس سے اِن لوگوں کو یہ دھوکا لگا۔ اس لیے کہ یہ لوگ خود اپنی شخصیات کے داخلی مزاج کی وَجہ سے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے طبعی مزاج کے درمیان فرق دیکھتے ہیں۔

ہمارے استاذ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ نے اپنے دونوں مشائخ کی اتباع کرنے پر اُبھارنے کے لیے ایک طویل قصیدہ لکھا ہے، جس میں ان دونوں مشائخ کے فضائل و مناقب بیان کیے ہیں۔ اس حوالے سے حضرت شیخ الہندؒ اپنے استاذ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی وفات کے بعد دیوبندی جماعت کے درمیان اتفاق و اتحاد کے ''قیوم'' ہیں۔ اس لیے کہ اگر حضرت شیخ الہندؒ جس طرح اپنے استاذ حضرت نانوتویؒ کی

پیروی کرتے تھے، اسی طرح اگر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی اتباع نہ کرتے تو حضرت نانوتویؒ سے خصوصی تعلق رکھنے والے لوگ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے کٹ جاتے۔ اس طرح جماعت میں اختلاف پیدا ہوجاتا ہے۔

(حضرت شیخ الہندؒ کی عظمت)

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا رفیع الدین دیوبندیؒ کے سامنے، ایک واقعے کے ضمن میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی روح متمثل ہوکر آئی۔ انھوں نے اس طرح کا اشارہ دیا کہ وہ ہمارے استاذ حضرت شیخ الہندؒ کو حکم دیں کہ:

''مدرسے کی مصلحت کا خیال رکھیں۔''

چناں چہ حضرت شیخ الہندؒ اس کے سامنے جھک گئے اور انھوں نے حضرت مولانا رشیداحمد گنگوہیؒ کو راضی رکھنے اور ان کی رائے کی مکمل اتباع کرنے کے لیے اپنی ذات اور شخصیت کو بالکل مٹا کر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ بعض کاموں میں حضرت گنگوہیؒ کی نظروں میں ان لوگوں پر سبقت لے گئے، جنھوں نے براہِ راست حضرت گنگوہیؒ سے علم حاصل کیا تھا۔ **رحمهم اللّٰه و قدّس أسرارهم** (اللہ ان پر رحم فرمائے، اور ان کی روحوں کو مقدس مقام تک پہنچائے)

فصل (4): (''نظارۃ المعارف القرآنیہ'' کا قیام)

جب حکومتِ برطانیہ نے اپنا ہندوستانی دارالخلافہ کلکتہ سے دہلی منتقل کرلیا اور تمام سیاسی جماعتیں اس نئے مرکز میں جمع ہوگئیں تو حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے مَیں ۱۳۳۱ھ (1913ء) میں دہلی میں قیام پذیر ہوگیا۔ وہاں میں نے (13 جون 1913ء کو) ''نظارۃ المعارف القرآنیہ'' کے نام سے ایک مدرسے کی بنیاد رکھی۔ اس مرکز میں ''**الفوز الکبیر**'' کے تفسیری اُصولوں کی روشنی میں ''**فنِّ اعتبار**'' کے طریقۂ کار کو سامنے رکھتے ہوئے ''**حجة اللّٰه البالغه**'' کا درس دیا جاتا تھا۔ اس ادارے میں مسلمان زُعما میں سے بڑے لوگ؛ جیسے علی گڑھ سے نواب وقار الملک، دہلی سے فصیح الملک حکیم محمد اجمل خان، دیوبند سے ہمارے استاذ حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ شریک تھے۔

(''نظارۃ'' کے مقاصد واَہداف)

اس ادارے میں نوجوان علمائے دین اور نوجوان مسلمان سیاسی رہنما ایک جگہ جمع ہو گئے تھے۔ اگر مستقل طور پر یہ کام کرنا ہمارے مقدر میں ہوتا تو اس سے مسلمانوں کو بڑا عظیم فائدہ پہنچتا۔ اگر آپ اس کی تفصیل معلوم کرنا چاہتے ہیں تو پھر امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفۂ شریعت کا خلاصہ سنیے:

شریعتِ اسلامی کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ انسانی زندگی کو اپنے تمام تر پہلوؤں کے ساتھ عقائد و اَخلاق اور سیرت و کردار میں منظّم انداز میں آگے بڑھایا جائے۔ یہ کام انفرادی سطح پر بھی ہونا چاہیے اور اجتماعی سطح پر بھی کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

جب اجتماعی سطح پر انسانی زندگی کو منظّم کرنے کی بات آئے گی تو انسانی اجتماع کی درجِ ذیل شکلیں ہوتی ہیں:

1۔ (اجتماعیتِ ناقصہ) یہ اجتماع کبھی ناقص اور ادھورا ہوتا ہے۔ جیسے گھر، گلی، محلّہ اور بستی کی سطح کی اجتماعیت۔

2۔ (اجتماعیتِ متوسطہ) یہ اجتماع کبھی درمیانے درجے کا ہوتا ہے۔ جیسے قومی سطح کی ایسی شہری حکومت جو بستیوں اور محلوں پر اپنی ہیئتِ حاکمہ قائم کرتی ہے۔

3۔ (اجتماعیتِ کاملہ) یہ اجتماع کبھی مکمل سماجی زندگی اور کامل حیثیت لیے ہوئے ہوتا ہے۔ جیسے بڑے بڑے شہروں اور ملکوں کے باہمی اشتراک پر مبنی بین الاقوامی سطح کا سیاسی و معاشی نظام وغیرہ۔

انسانی زندگی کے تمام انفرادی و اجتماعی اعمال کا پہلا نتیجہ ''دنیا'' کہلاتا ہے، جب کہ دوسرا نتیجہ اور پہلے نتیجے کا نتیجہ ''آخرت'' کہلاتا ہے۔

علم میں مشغول رہنے والوں میں سے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں، جن کی نظر عقائد اور اَخلاق پر زیادہ رہتی ہے۔ جب کہ سماج سے متعلق اجتماعی کاموں کو منظّم کرنے کی طرف ایسے لوگ صرف بقدرِ ضرورت اور ذیلی اور ضمنی طور پر ہی توجہ دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ''دینی فرد'' کہا جاتا ہے۔

جب اہلِ علم میں سے کسی فرد پر سماج سے متعلق اجتماعی کاموں کو منظّم کرنے کا فکر غالب ہو اور وہ عقائد و اَخلاق اور انفرادی اعمال کی طرف بقدرِ ضرورت توجہ دے، اسے ''سیاسی فرد'' کہا جاتا ہے۔

اس طرح ''دین'' اور ''سیاست'' کو مختلف سطحوں پر باہم ایک جگہ جمع کرنے سے اہلِ علم کے بہت سے طبقات وجود میں آجاتے ہیں۔ (29)

حالات و واقعات اور زمانے کے تغیرات کی وَجہ سے جدید تقاضے اُبھرتے ہیں اور سماجی حوالے سے نئے اختلافی پہلو سامنے آتے ہیں۔ اس تناظر میں جدیدیت کے اثرات' عقائد و اَخلاق کے مقابلے میں سماجی تشکیل کے اجتماعی کاموں پر زیادہ پڑتے ہیں۔ جب کہ تغیراتِ زمانہ کی وَجہ سے عقائد و اَخلاق پر اتنے اثرات نہیں پڑتے۔

اس حوالے سے عام طور پر ''دینی افراد'' کی طبیعت میں (عقائد و اَخلاق میں) تقلید کرنے اور

دوسروں کی اتباع کرنے کا زیادہ غلبہ ہوتا ہے۔

اس کے برعکس ''سیاسی افراد'' کو جدید تقاضوں کے تناظر میں سماجی، سیاسی مسائل حل کرنا ہوتے ہیں، اس لیےان کی طبیعت میں اجتہاد اور نئ تخلیقی صلاحیتوں کے اظہار کا زیادہ غلبہ ہوتا ہے۔

امت کو ان دونوں طرح کے افراد کی ضرورت رہتی ہے۔ اپنی مساجد میں (عقائد و اَخلاق کی درستگی کی) اور اپنے بازاروں میں (اقتصادی، معاشی اور سماجی اُمور کو حل کرنے کی)۔ جب دینی اور سیاسی طبقے کے سرکردہ رہنماؤں کے درمیان باہم مصالحت غالب ہوا اور یہ دونوں طبقے ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کا کام نہ کریں تو یہ بات دنیا و آخرت میں بہت ہی زیادہ خیر و برکت کے دروازے کھولنے کا باعث بنتی ہے۔

(''نظارۃ'' کا طریقۂ تعلیم وتربیت)

ہم نے ''مدرسہ نظارۃ المعارف'' میں دونوں طبقوں کے پانچ پانچ افراد اکٹھے کیے۔ اور ان کو ایک جماعت کی صورت دے دی۔ ان میں سے ہر ایک کا دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا معاہدہ کرادیا۔ ایک فرد اس (دینی) طبقے سے لیا تو دوسرا فرد دوسرے (یورپین سیاسی) طبقے سے لیا۔ اور ان دونوں کو ایک فردِ واحد کی طرح قریبی بھائی بنا دیا۔ پھر ان کو درجِ ذیل امور میں مشغول کردیا:

1۔ "فنِّ اعتبار" کے اصول پر قرآن حکیم اور کلام اللہ میں غور وفکر۔

2۔ تحقیقی نقطۂ نظر سے "حجة الله البالغه'' کی تعلیم۔

3۔ یورپ کی غالب سیاست اور مسلمانوں کے سیاسی اجتماعی تقاضوں کے درمیان باہمی موازنہ کرنے کی تربیت۔

اس کے نتیجے میں ان لوگوں میں نظم و ضبط کے اندر رہتے ہوئے اجتہادی اور تخلیقی صلاحیتوں کی نشو ونما بڑے ہی منفرد انداز میں پیدا ہوئی۔ ہم ایسے تربیت یافتہ افراد سے اس بات کی اُمید رکھتے ہیں کہ وہ دہلی کے تباہ ہوجانے والے امن اور اس کی خوش حالی کو دوبارہ زندہ کرنے کا سبب بنیں گے۔

(دہلی کے لیے) فصیح الملک دہلوی کی یہ دعا ضرور قبول ہوگی:

الٰہی پھر اسے حسبِ مراد دیکھیں ہم الٰہی پھر اسے آباد و شاد دیکھیں ہم

لیکن اس دوران جنگِ عظیم اوّل شروع ہوگئی اور حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے میں نے ۱۳۳۳ھ (1915ء) میں ہندوستان چھوڑ دیا اور ہجرت کرلی۔ اس کے بعد حکومتِ برطانیہ کے حکم سے سن ۱۳۳۵ھ (1916ء) میں ''مدرسہ نظارۃ المعارف'' اور سندھ میں ''مدرسہ دارالرشاد'' بند کردیے گئے۔

فصل (5): (جماعتوں سے اشتراکِ عمل کے اصول)

ہمارے استاذ حضرت شیخ الہندؒ اس بات کو درست نہیں سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کا مرکز ہندوستان سے باہر منتقل کیا جائے۔ لیکن یہ ضروری قرار دیتے تھے کہ ہندوستانی مرکز مسلمان شہروں اور ملکوں سے متصل ہو۔ پس ''نظارۃ المعارف (القرآنیہ دہلی)'' نے یہ قرار دیا کہ دین کی تبلیغ کے لیے ایک جماعت برطانیہ بھیجی جائے۔ نیز مسلمانوں کو تیار کیا جائے کہ وہ ان کے ساتھ تعاون اور مدد کریں، لیکن ہندوستانی حکومت نے اس سلسلے میں ہم سے تعاون کرنے والے بعض رہنماؤں پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔ (30)

چناں چہ ہمیں اس حقیقت کا علم ہوا کہ ہندوستانی لوگوں کا برطانیہ میں تبلیغ اسلام کے لیے جانا' برطانوی حکومت کے لیے صرف اس شرط پر قابل قبول ہوگا کہ ہندوستان پر اس کی حکومت کو ہمیشہ کے لیے قبول کرلیا جائے۔ اسی لیے برطانوی حکومت قادیانی جماعت کے مبلغین کو برطانیہ میں تبلیغ کرنے سے نہیں روکتی تھی۔ اس کی وَجہ یہ ہے کہ قادیانی جماعت کی سیاست برطانیہ کی سیاست کے تابع تھی۔

بعض صاحبِ رائے لوگوں نے ہمیں مشورہ دیا کہ اگر ہم اپنے مبلغ' قادیانیوں کے ساتھ شامل کرکے بیرونِ ملک بھیجیں تو ہمارے لیے وہاں کے غیر مسلموں میں تبلیغ کرنا آسان ہوجائے گا۔ اس پر ہمارے شیخ حضرت شیخ الہندؒ نے ہمیں اجازت دے دی کہ غیر مسلموں میں تبلیغ دین کے سلسلے میں قادیانیوں کے ساتھ جانے کا طریقہ اختیار کرلیا جائے۔ اس کے بعد مَیں قادیان گیا اور میں نے اُس جماعت کے رہنماؤں سے اس سلسلے میں بحث و گفتگو کی، لیکن انھوں نے ہماری شرائط کو صراحت کے ساتھ قبول نہیں کیا۔

اس سلسلے میں ہمارے استاذ حضرت شیخ الہندؒ نے ہمیں سمجھایا کہ اسلام کے نام پر کام کرنے والی جماعتوں کے ساتھ معاملہ اُسی وقت کیا جائے، جب کہ اشتراکِ عمل کے بنیادی اُمور، دائرۂ کار اور شرائط واضح طور پر متعین ہوں۔ چوں کہ معاملہ لازمی طور پر دین کا ہے، اس لیے گمراہ فرقوں کے ساتھ اشتراک کرنے والا فرد ایسا ہونا چاہیے، جس پر پورا اعتماد ہو کہ وہ ان کے غلط اثرات قبول نہیں کرے گا۔

جہاں تک غیر مسلموں کے ساتھ معاملہ طے کرنے کا تعلق ہے، اس سلسلے میں بھی صرف کسی ایک فرد کی اجتہادی رائے پر ہی اعتماد نہ کیا جائے، بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے مسلمان ملک کے حکمران سے مشورہ کیا جائے، جو سیاست میں اپنے مستقل (اور آزاد) کردار کا مالک ہو۔ اس سلسلے میں حضرت شیخ الہندؒ کابل کے سلاطین کو ترجیح دیتے تھے۔ اس لیے کہ ہندوستان کے ساتھ ان کے کئی طرح کے رشتے موجود ہیں۔ اور وہ ہندوستان کے حالات کو بہتر طور پر جانتے ہیں۔

پانچواں باب: ہجرتِ کابل

فصل (1): (کابل کا سفر)

ہمارے استاذ حضرت شیخ الہندؒ کی یہ عادت تھی کہ وہ براہِ راست حکم دینے کی بجائے مشورے کے طور پر بات کیا کرتے تھے۔ جنگِ عظیم اوّل سے دو سال پہلے آپؒ نے اسی انداز میں ہمیں کچھ کام کرنے کا حکم دیا۔لیکن ہم میں سے کسی کی بھی توجہ اس جانب نہ ہوسکی۔ جب ترکی کے خلیفۃ المسلمین نے اس جنگ میں شمولیت اختیار کرلی، تو اب ہم حضرت شیخ الہندؒ کا مقصد سمجھے۔حضرت شیخ الہندؒ کے مشورے کو سمجھنے میں ہم سے جو کوتاہی ہوئی، اس سے ہمیں بڑی تکلیف ہوئی۔ چناں چہ مجھے حضرت شیخ الہندؒ نے کابل جانے کا حکم دیا۔ پھر میں نے اپنے بہت سے دوستوں سے بھی حضرت شیخ الہندؒ کا حکم بتلائے بغیر مشورہ لیا تو تمام نے مجھے (کابل کی جانب) ہجرت کا ہی مشورہ دیا۔

جہاں تک میرا اپنا معاملہ تھا تو مجھے اپنے بارے میں ہرگز یہ توقع نہیں تھی کہ میں اس سلسلے میں کچھ کرنے کی طاقت اور قدرت رکھتا ہوں۔اس لیے بھی کہ کتاب و سنت کے علوم میں میری تحقیقی جدو جہد و کوشش اور سیاست کے میدان میں میرے افکار ایسے تھے کہ جو ملکوں کی مروّجہ سیاست اور عام افغانیوں کی طبیعتوں سے موافقت نہیں رکھتے تھے۔

ایسی حالت میں اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے میں نے دہلی سے (شروع اپریل 1915ء میں کابل ہجرت کے ارادے سے) سندھ کا سفر کیا اور وہاں چار مہینے رہا۔ معاملہ بڑا سخت تھا۔اس لیے کہ حکومت میری پوری نگرانی کر رہی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور توفیق سے میرے لیے راستہ آسان کردیا۔ میں نے ۳ ر شوال ۱۳۳۳ھ (15 اگست 1915ء) کو سندھ سے قندھار کا سفر شروع کیا۔ہم نے ریل گاڑی' کوئٹہ، بلوچستان میں ہی چھوڑ دی تھی۔اس کے بعد کا سفر پیدل، بیل، اونٹ اور گھوڑے پر سواری کے ذریعے کیا۔اس طرح مَیں ذی الحج ۱۳۳۳ھ کے پہلے عشرے میں (15 اکتوبر 1915ء) کابل پہنچا۔ (31) قریب زمانے میں ہی بیس سے تیس تک نوجوانوں نے (لاہور وغیرہ سے) ہجرت کی تھی۔اس طرح ہماری ایک جماعت بن گئی۔ سلطانِ کابل، اس کی حکومت اور عملے نے ہمیں خوش آمدید کہا۔ یہ تمام اللہ کے فضل سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

فصل (2): (''جنود اللہ الربانیہ'' کا قیام)

میں کابل میں تقریباً سات سال رہا۔ ہم نے مسلمانوں کے لیے ایک سیاسی، علمی اور تربیتی جماعت بنائی۔ اس کا نظام عسکری بنیاد پر کام کرتا تھا۔ (32) اس کا نام ہم نے "**جنود اللّٰہ الربانیہ**'' رکھا۔ ہم نے اسی کی ذیلی تقسیم کی، جو کہ سو [100] لشکروں پر مشتمل تھی۔ ان میں سے دس لشکر ہندوستان کے لیے تھے۔ دس لشکر دریائے سندھ کے پار علاقے اور افغانستان کے لیے تھے۔ ہم سندھ پار کے علاقے اور افغانستان کے لشکروں کو منظّم کرنے میں مشغول ہوگئے۔ اس لیے کہ ہمارے بھائیوں اور راشدی (قادری) مشائخ کی وساطت سے سندھ اور بلوچستان میں ہمارے لشکر "**دار الرشاد**'' (پیر جھنڈا) کی بنیاد رکھنے کے زمانے سے پھیلے ہوئے تھے۔

پشتانیہ اور پشاور کے علاقے میں افغانستان سے ہجرت کرنے والی ایسی جماعتیں موجود تھیں، جو ہمارے استاذ حضرت شیخ الہندؒ سے تصوف وغیرہ میں اپنی نسبت رکھتی تھیں۔ پھر دارالعلوم دیو بند کے فارغ شدہ علما کو میں ''جمعیت الانصار'' کے آغاز کے زمانے سے جانتا تھا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اس زمانے میں اپنے ان شاگردوں میں یہ بات اچھی طرح پھیلا دی تھی کہ وہ میرے احکامات کی اسی طرح اطاعت کریں، جیسا کہ وہ حضرت شیخ الہندؒ کی کرتے ہیں۔ جب میں اس بات سے واقف ہوا تو میں نے اپنے رب کا شکر ادا کیا۔ اس طرح میرے لیے کام کرنا آسان ہوگیا۔

(''جنود الربانیہ'' کے اہم کام اور مقاصد)

تنظیم ''**جنود اللّٰہ الربانیہ**'' کے چند اہم مقاصد یہ تھے:

1۔ ایک بڑا اہم کام حکومت افغانستان کے بعض افراد کی تعلیم و تربیت کرنا بھی تھا۔

2۔ اس کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ جنگِ عظیم اوّل کے بعد جمہوری اصولوں پر خلافتِ اسلامیہ کی اصلاح کی جائے۔

3۔ اس تنظیم کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کی ہر ایک جماعت اقتصادیات، سیاسیات اور علم و شعور کے حوالے سے اپنی زیادہ سے زیادہ اصلاح کرے۔

پھر ہم نے حکومتِ افغانستان کے ساتھ شریک ہوکر ہندوستان، ایران اور ترکستان میں اپنے وفود بھیجے۔ اس دوران ہمارے بعض افراد اتحادیوں کے ہاتھوں پکڑے گئے۔ جس کی وَجہ سے ہمارے لیے کام کرنا بہت مشکل ہوگیا۔ اسی طرح ۱۳۳۵ھ (1917ء) میں ان لوگوں پر بھی سختی شروع ہوگئی، جو ہندوستان میں ہمارے ساتھ تعلق رکھتے تھے۔

فصل (3): (جماعتِ مجاہدین کے ساتھ اشتراکِ عمل کی کوشش)

میں نے ۱۳۳۸ھ (1919ء) میں ''جماعتِ مجاہدین'' اور ان کے امیر شیخ عبدالکریم بن امیر مولانا ولایت علی عظیم آبادی سے ملاقات کے لیے سفر کیا۔ میں ان کے پاس چند ہفتے ٹھہرا۔ اس ملاقات سے جو ہمارا مقصد تھا، غلط فہمی کی وَجہ سے وہ پورا نہ ہوسکا۔ اس بنا پر ہم نے ایک اور طرح کی تنظیم قائم کرنے کا ارادہ کرلیا۔

کچھ دنوں کے بعد ''علمائے رحیم (غالباً عظیم) آباد'' (33) نے انھیں صحیح معلومات پہنچائیں تو اس غلط فہمی کا پردہ چاک ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ لیکن اب اس قدر تاخیر ہوچکی تھی کہ ہمارے لیے دوبارہ سے معاملات کو درست کرنا ممکن نہ رہا۔ البتہ ہمیں اپنی اس جدوجہد وکوشش سے پورا فائدہ حاصل ہونے لگا۔

اس طرح عظیم آبادی جماعت کے رہنماؤں نے اُن تمام اُمور اور کاموں میں ہمارے ساتھ پورا تعاون شروع کردیا، جن کا بھی ہم نے ان کے حوالے سے ارادہ کیا۔ اس طرح تمام کاموں میں ہمارے اہل حدیث بھائیوں کی قیادت کے تحت' ان کی جماعتِ مجاہدین اشتراکِ عمل کے لیے تیار ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے فائدے کے لیے ان میں برکت دے۔ اس لیے کہ انھوں نے اللہ کی توفیق اور اس کی مہربانی سے بڑے بڑے کام سرانجام دیے ہیں۔

فصل (4): (کابل میں ''ہندوستانی یونیورسٹی'' کے قیام کی کوشش)

ہندوستان کے سیاسی حالات کی مزید تفصیل بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔ ہم نے کابل میں جو کام کیے، ان کا تذکرہ یہاں صرف مجمل اشارات کی صورت میں ہم نے اس لیے بیان کردیا تاکہ واقعات کا تسلسل بتلادیا جائے۔

جب ہندوستان کی مسلم اور غیر مسلم حریت پسند جماعتوں نے اپنی اجتماعی طاقت افغانستان میں جمع کرلی، اس طرح وہاں ہمیں ایک طرح کی مرکزیت حاصل ہوگئی تو ہم نے کابل میں ایک ''ہندوستانی یونیورسٹی'' قائم کرنے کی کوشش کی۔ میں اس کا ناظم تھا۔ میں نے اس کا بنیادی پروگرام امیر امان اللہ خاں کے سامنے پیش کیا۔ میں نے افغان حکومت کے ساتھ یونیورسٹی کے ظاہری معاملات میں اشتراکِ عمل تجویز کیا تھا۔

اگر اس یونیورسٹی کا قیام اپنے پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتا تو (۱) ہندوستانی مسلمان، (۲) ہندو اور (۳) افغانیوں کی صورت میں افغانستان میں موجود مثلث کے درمیان اتفاق ہو جاتا، لیکن سیاسی رُکاوٹوں نے

ہمیں اس کام کو مکمل کرنے کا موقع نہیں دیا۔ اس کام میں ناکامی کی نتیجے میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان باہمی اختلافات پیدا ہوگئے۔ دراصل مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان اتفاق و اختلاف کا دارو مدار افغانیوں کے اس میں شامل ہونے یا نہ ہونے پر تھا۔

(کابل میں ''انڈین نیشنل کانگریس'' کا قیام)

افغانستان میں ہندوستانی حریت پسندوں کے اس مرکز کے تحفظ کے لیے میں نے کابل میں ''انڈین نیشنل کانگریس'' کے سیاسی شعبے کی بنیاد رکھی۔ میں اس کا پہلا پریذیڈنٹ بنا۔ ہم نے ہندوستان میں (انڈین نیشنل) کانگریس سے اپنے الحاق کی درخواست پیش کی، تاکہ جواب دہی کے عمل میں ہماری شرکت ہو جائے۔ چناں چہ کانگریس نے اپنے اُس سیشن میں ہمارا الحاق قبول کرلیا، جو عظیم ہندوستانی لیڈر چترنجن داس بنگالی کی قیادت میں ''گیا'' (بہار) میں ہوا تھا۔ کانگریس کی یہ پہلی شاخ تھی، جو برطانوی شہنشاہیت کے دائرے سے باہر قائم کی گئی تھی۔ (34)

فصل (5): (کابل میں ''ہندوستانی عارضی حکومت'' کا قیام)

جرمنی اور ترکی کی طرف سے ہندوستانیوں کی قیادت میں ایک سیاسی وفد ۱۳۳۴ھ (1916ء) میں افغانستان آیا تو میں نے کابل میں ''عارضی ہندوستانی حکومت'' قائم کی۔ میں اس کے حکومتی ڈھانچے کا ایک اہم رُکن تھا۔ جب ہم نے ۱۳۳۷ھ (1919ء) میں افغانوں اور انگریزوں کے درمیان ہونے والی جنگ میں افغان حکومت کے ساتھ اشتراکِ عمل اختیار کیا تو میں اس حکومت کا صدر تھا۔

عارضی صلح کے بعد ہم نے ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف بغاوت کرائی، تاکہ حکومتِ افغانستان کو اپنے خارجی مسائل کو برابری کی سطح پر حل کرنے کی سہولت حاصل ہو جائے۔ مسلمانوں کو افغانستان کی طرف ہجرت پر اُبھارنے کا مقصد بھی یہی تھا۔ چناں چہ سیاسی معرکوں میں مَیں نے حکومتِ افغانستان کی بڑی مدد کی۔

مَیں نے (حکومتِ افغانستان کے توسط سے) حکومتِ برطانیہ کے نائب سے اس بات کا معاہدہ کیا تھا کہ وہ ہندوستان کو آئندہ دس سالوں کے عرصے میں داخلی آزادی دیں گے۔ پھر جب اس عہد کو پورا کرنے کا وقت قریب آیا اور ہندوستانی لوگ آزادی کے مطالبے کے لیے تیار ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ افغانستان میں اُس حکومت کے خلاف انقلاب آ گیا، جس نے برطانیہ سے معاہدہ کیا تھا۔ اور جو ہندوستانی معاملات کے حوالے سے اس معاہدے میں شریک تھی۔

[illegible] (35)

(میری شکایت اور میرا غم اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے ہی ہے۔)

وهو أعلم بحقائق الواقعات و عواقب الاُمور

(اور وہ واقعات کی حقیقتوں اور کاموں کے نتائج کو زیادہ جانتا ہے۔)

فصل (6): (شیخ الہندؒ کی مالٹا میں گرفتاری اور رہائی)

جس سال میں ہندوستان سے کابل کی جانب روانہ ہوا، اُسی سال موسمِ حج میں ہمارے استاذ حضرت شیخ الہندؒ حجاز تشریف لائے۔ پھر ان کو (۱۸/ربیع الاول) ۱۳۳۵ھ (12 جنوری 1917ء) کو حجاز سے گرفتار کر کے مالٹا پہنچا دیا گیا۔ اس سلسلے میں کابل کے واقعات کا بڑا دَخل ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ ۲۲/جمادی الثانیہ ۱۳۳۸ھ (12 مارچ 1920ء) کو مالٹا سے رہا ہوئے۔ جب ہندوستان تشریف لائے تو انھوں نے ''جمعیت الانصار'' کے نقش قدم پر ''جمعیت علمائے ہند'' کی بنیاد رکھی۔ اسی طرح جامعہ ملیہ (علی گڑھ، بعد میں دہلی) کی بنیاد رکھی۔ اور مدرسہ ''نظارۃ المعارف القرآنیہ'' کو — جسے انگریزوں نے بند کر دیا تھا — جامعہ ملیہ میں مدغم کر دیا۔

اسی دوران میں نے ایک خواب میں دیکھا کہ ایک بہت ہی صاف ستھری اور عمدہ مسجد بنی ہوئی ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ مجھ سے فرما رہے ہیں کہ:

''میں نے یہ مسجد بنائی ہے اور اس میں تیرے سوا میرے ساتھ اور کوئی شریک نہیں۔''

میں اس پر بہت خوش ہوا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی اس کی توفیق دینے والے ہیں۔

جب حضرت شیخ الہندؒ کا ۱۳۳۹ھ/ اکتوبر 1920ء میں انتقال ہوگیا تو سلطان امان اللہ خاں نے دعا کے لیے مسلمانوں کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ اس لیے کہ حنفی لوگ غائبانہ نمازِ جنازہ نہیں پڑھتے۔ لوگوں کا بہت بڑا اجتماع ہوگیا۔ جمع ہونے والے لوگ بیس ہزار سے کم نہ ہوں گے۔ سلطان (امان اللہ خاں والیٔ افغانستان) نے بڑا عمدہ اور فصیح و بلیغ خطبہ دیا۔ اور اس میں یہ جملہ بھی کہا کہ:

''وہ کام جسے حضرت شیخ الہندؒ نے شروع کیا تھا، اِن شاء اللہ میں اُسے مکمل کروں گا۔''

اس موقع پر سلطان نے تمام لوگوں کو کھانا بھی کھلایا۔ اس دن (کابل میں) لوگوں کا بہت بڑا مجمع تھا۔

چھٹا باب : استنبول کا سفر

فصل (1) : (کابل سے براستہ روس سفر کا آغاز)

حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کی جانب سے مجھے یہ اجازت تھی کہ بوقت ضرورت میں کابل سے نکل کر استنبول چلا جاؤں۔ چناں چہ ۲۳ رصفر ۱۳۴۱ھ (15 اکتوبر 1922ء) کومَیں کابل سے نکلا۔ اس لیے کہ افغانوں اور انگریزوں کے درمیان جب مکمل صلح ہوگئی تو (ہندوستانی) مؤتمر کے سیاسی شعبے کے ارکان کے لیے افغانستان میں قیام کرنا بڑا مشکل ہوگیا۔ افغانستان میں قیام کی اس کے علاوہ اور کوئی شکل نہیں تھی کہ ان کے نظام کی خلاف ورزی کی جائے یا ان کے سیاسی مسلک میں تبدیلی آئے۔

ہم یہ ضرورت محسوس کر رہے تھے کہ مشرق قریب (روس) میں برپا ہونے والے انقلاب کے بعد کے حالات کا جائزہ لیں۔ ہم یہ بھی جاننا چاہتے تھے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اپنے اختیار کردہ پروگرام پر ہی چلیں یا اس میں کوئی تبدیلی ضروری ہے۔ نیز یہ کہ کیا ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی رُجحانات اور عام مشرقی لوگوں کے (انقلابی) رُجحانات میں کوئی تطبیق ممکن ہے۔ جس کی بنا پر مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان اتحاد پیدا کرنے اور انقلاب کے ارتقا کے لیے ہم کوئی نئی بنیاد دریافت کرسکیں۔

شمال کی جانب جانے کے سوا ہمارے لیے افغانستان سے نکلنے کے تمام راستے بند تھے۔ اس لیے ہم نے اشتراکی روس کے وکیل کے ساتھ اس سلسلے میں بات کی۔ اُس نے ہمیں خوش آمدید کہا اور جب ہم روس کی حدود میں داخل ہوئے اور ہم نے دریائے جیحون عبور کیا تو اُس نے راستے کی سہولت پیدا کرنے کے لیے ہماری بڑی مدد کی۔ (36)

فصل (2) : (اشتراکی انقلاب کا مطالعہ اور فلسفہ ولی اللّٰہی کی اہمیت)

اپنے علمی مطالعے کے دنوں (مئی 1891ء تا 1900ء) میں امام ولی اللہ دہلویؒ کے مسلک کی تحقیق کے لیے مَیں نے فلسفے کی بعض کتابیں پڑھی تھیں۔ ان میں ''شرح حکمت الاشراق''، ''اسفارِ اربعہ''، ''مقدمہ ابن خلدون'' شامل ہیں۔ نیز ہندوستان کی تاریخ کے حوالے سے ''تاریخِ فرشتہ''، ''آئینِ اکبری''، ''سیر المتأخرین'' اور ابن اثیرؒ کی ''تاریخ الاسلام الکامل'' کا میں نے مطالعہ کیا تھا۔

پھر جب میں نے (1901ء میں) ''دارالرشاد'' کی بنیاد رکھی تھی تو اردو زبان میں علی گڑھ کی جماعت نے اس سلسلے میں جو کچھ شائع کیا تھا، میں نے اس کا مطالعہ کیا تھا۔ اس زمانے کے بہت سے رسائل اور مجلّات کا بھی مطالعہ کیا تھا۔ اسی طرح دیگر ایسی کتابیں جو میرے مطالعے میں رہیں، ان میں سپنسر کی کتاب ''فلسفۂ تعلیم''، بکل کی ''**تاریخ التهذیب**'' اور جرجی زیدان کی ''**تاریخ التمدن الاسلامی**'' بھی تھیں۔

کابل میں جب سیاسی طور پر حالات خراب ہوئے تو میں نے اُس زمانے میں الیاس برنی کی کتاب ''**علم المعیشت**'' اور ''ہندوستان کی معاشی حالت'' پڑھی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ میرے دل میں اشتراکی انقلاب کے مطالعہ کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ چناں چہ میں نے اقتصادی نظریات میں گہرا غور و فکر کیا۔ اس طرح میرا رُجحان سماجی بھلائی کے ریاستی نظام کی طرف ہوا۔ میں نے اس بات کو پسند کیا کہ میں اس نظریے کو ہندوستانی ذہنیت پر مرتب کرنے کی کوشش کروں۔

میرے رُفقا میں کچھ لوگ ایسے تھے، جنھیں اشتمالی اور اشتراکی انقلاب کے مطالعے میں مہارت حاصل تھی۔ میں ان کے ساتھ بہت سے مسائل میں بحث کرتا تھا۔ اور وہ میرے لیے اُن بہترین کتابوں کا ترجمہ کرتے تھے، جو سوشل اِزم کے انتہا پسند اور معتدل لوگوں کے نظریات پر لکھی گئی تھیں۔

جب ہم ماسکو پہنچے تو میرے رفقا میں سے ایسے مسلمان اور ہندو نوجوان جو ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں پڑھتے تھے، اُن کے انقلابی کالج میں داخل ہو گئے۔ یہ لوگ یونیورسٹی میں جو کچھ پڑھتے تھے، اس پر ایک دوسرے سے روزانہ بحث و مباحثہ کرتے تھے۔ ایک (ہندو) اگر وطنیت کی بنیاد پر بحث میں شریک ہوتا تو دوسرا (مسلمان) دین اور اسلام کے نظریے کو سامنے رکھ کر اس بحث میں شامل ہوتا۔

اس (تمام مطالعے، غور و فکر اور بحث و مباحثے) کے بعد میں نے ایسے فلسفۂ اجتماعیت کو اپنے لیے اختیار کر لیا، جو ہمارے امام، حکیم الہند، شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفۂ سیاسیات کے ساتھ موافقت رکھتا تھا۔

فصل (3): (امام ولی اللہ دہلویؒ کے انقلابی افکار)

مکمل اور زیادہ فائدے کے لیے ضروری ہے کہ ہم حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی ''**حجة اللّٰه البالغه**'' کی اصل عبارت ذیل میں لکھ دیں۔

(1۔ معاشی وسائل کی تقسیم پر حکومتی کنٹرول کی اہمیت)

حضرت الامام ''**حجة اللّٰه**'' کے ''**أبواب إبتغاء الرزق**'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''واعلم! أنّه إذا اجتمع عشرة آلاف إنسان مثلاً في بلدة، فالسّياسة المَدنِية تبحث عن مكاسبهم:

1. فإنّهم إن كان أكثرهم مكتسبين بالصّناعات و سياسة البلدة، والقليل منهم

مکتسبین بالرّعیِ، و الزّراعة فسد حالهم فی الدّنیا.

2. و إن تکسبوا بعصارة الخمر، و صناعة الأصنام، کان ترغیبًا للنّاس فی إستعمالها علیٰ الوجه الّذی شاع بینهم، فکان سببًا لهلاکهم فی الدّین.

3. فإن وزعت المکاسب و أصحابها علیٰ الوجه المعروف الّذی تعطیه الحکمة و قبض علیٰ أیدی المکتسبین بالأکساب القبیحة، صلح حالهم.“ (37)

(جاننا چاہیے کہ جب کسی شہر کی آبادی دس ہزار کے قریب ہو جائے تو وہاں کی سیاسی حکومت پر لازمی ہے کہ وہ لوگوں کے اختیار کردہ پیشوں کے بارے میں تحقیق و تفتیش کرے۔ چناں چہ:

1۔ اگر شہر کی اکثر آبادی محض سیاست میں حصہ لینے اور (تعیّشات پر مبنی) صنعت کاری کو اپنا پیشہ بنالے اور بہت تھوڑی آبادی زراعت اور اس سے متعلقہ شعبوں سے وابستہ رہ جائے تو دنیا میں اس کی سماجی حالت خراب ہو جائے گی۔

2۔ اگر شہر کی اکثر آبادی سماجی زندگی کے غیر ضروری شعبوں سے دولت کمائیں۔ مثلاً شراب بنانے، صنم تراشی وغیرہ، تو اس سے لوگوں کو ایسی غیر ضروری چیزوں کے استعمال کی ترغیب ہو گی۔ یہ چیزیں ان سب میں پھیل کر ان کی معاشی تباہی اور دینی ہلاکت کا سبب بنیں گی۔

3۔ اگر شہری حکومت:

(ا) لوگوں کے معاشی پیشوں کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لے۔

(ب) حکمت و تدبر کے ساتھ ان میں معاشی پیشوں کی تقسیم کرے۔

(ج) اس سلسلے میں عدل و انصاف کا طریقۂ کار اختیار کرے۔

(د) لوگوں کو غلط پیشوں اور لوٹ کھسوٹ کرنے سے روک دے۔

ایسی صورت میں ان کی سماجی حالت درست ہوجائے گی۔)

(2۔حکمران طبقے کی لوٹ کھسوٹ اور تعیّشات کی وَجہ سے معاشی تباہی)

”و کذالک من مفاسد المُدن أن ترغب عظمائهم فی دقائق الحلیّ، والبناء، والمطاعم، وغید النّساء، و نحو ذالک، زیادة علی ما تعطیه الإرتفاقات الضّروریة الّتی لابد للنّاس منها، واجتمع علیها عرب النّاس وعجمهم.

فیکتسب النّاس بالتّصرّف فی الأمور الطّبیعیة، لتتأتّیٰ منها شهواتهم:

(أ) فینتصب قوم إلیٰ تعلیم الجواری للغناء، والرّقص، والحرکات المناسبة اللّذیذة.

(ب) و آخرون إلیٰ الألوان المطربة فی الثّیاب، و تصویر صور الحیوان، والأشجار العجیبة، والتّخاطیط الغریبة فیها.

(ج) و آخرون إلیٰ الصّناعات البدیعة فی الذّهب، والجواهر الرّفیعة.

(د) و آخرون إلیٰ الأبنیة الشّامخة وتخطیطها و تصویرها.

فإذا أقبل جمٌّ غفیرٌ منهم إلیٰ هٰذہ الأکساب، أهملوا منها من الزّراعات، و التّجارات.

وإذا أنفق علماء المدینة فیها الأموال أهملوا مثلها من مصالح المدینة، و جرّ ذالک إلیٰ التّضییق علیٰ القائمین بالأکساب الضّروریة کالزّراع، و التّجّار، و الصّنّاع، وتضاعف الضّرائب علیهم.

و ذالک ضرر بهذہ المدینة یتعدّیٰ من عضو منها إلیٰ عضوٍ حتّیٰ یعمّ الکلّ. و یتجاریٰ فیها کما یتجاریٰ الکلب فی بدن المکلوب. وهذا شرح تضرّرهم فی الدّنیا. و أمّا تضرّرهم بحسب الخروج إلیٰ الکمال الأخروی' فغنی عن البیان."

(اسی طرح ملکی نظام کی خرابیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس ملک کے حکمران طبقات بلندو بالا عمارتوں کی تعمیر، کھانے پینے کی لذتوں اور سونا چاندی کے زیورات جمع کرنے، اور نرم و نازک عورتوں سے شادی رَچانے وغیرہ اُمور کی طرف بہت زیادہ مائل ہوجائیں۔ اس طرح پر کہ یہ چیزیں عرب و عجم کے متفقہ اور انسانیت کے لیے لازمی حیثیت رکھنے والے ضروری ارتفاقات کے دائرے سے باہر نکل جائیں۔ چناں چہ لوگ حکمران طبقے کی خواہشات اور تعیّشات پورا کرنے والے پیشوں سے وابستہ ہوجائیں:

(أ) بعض لوگ لڑکیوں کو گانے بجانے اور انھیں رقص و سرود کی محفلوں کی لذتوں کو دوبالا کرنے کے طور طریقے سکھلانے کو اپنا پیشہ بنالیں۔

(ب) اسی طرح دوسرے کچھ لوگ کپڑوں کی طرب انگیز رنگائی کے کاموں میں مصروف ہوجائیں اور جانوروں اور عجیب وغریب درختوں کی تصویر سازی اور خطاطی کے لایعنی شعبوں میں مصروف ہوجائیں۔

(ج) اسی طرح کچھ لوگ سونے اور قیمتی جواہر کی تراش خراش کو اپنا پیشہ بنالیں۔

(د) دوسرے کچھ لوگ بڑی بلند و بالا عمارتوں کو بنانے اور سجانے اور تصویری نقوش بنانے کو اپنا ذریعہ معاش بنالیں۔

اگر کسی سوسائٹی کے اکثر لوگ اس قسم کے مہمل اور بے کار پیشوں میں مشغول ہوجائیں اور سوسائٹی کے پیداواری شعبوں، مثلاً زراعت، تجارت وغیرہ کو چھوڑ دیں اور ملک کے حکمران اور سرمایہ دار طبقے فضول اشیا پر بڑی بڑی رقومات خرچ کرنے لگ جائیں تو اس قسم کے کام مملکت کی اجتماعی مصلحتوں کو نقصان پہنچانے کا باعث بنتے ہیں۔

اس کے نتیجے میں سوسائٹی کے ضروری پیشوں سے وابستہ لوگوں پر تنگی کی حالت پیدا ہوجاتی ہے۔ چناں چہ زراعت، تجارت اور صنعت وحرفت سے وابستہ لوگ انتہائی پریشان حالی کا شکار ہوجاتے ہیں۔ حکمران طبقے کی جانب سے ان پر کئی گنا زیادہ ٹیکس مسلط کردیے جاتے ہیں۔

اس طرح قوم اور ملک کو بڑا نقصان ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ مرض ایک سے دوسرے کو لگتا چلا جاتا ہے۔ اور پورے معاشرے میں یہ مرض سرایت کرجاتا ہے۔ جیسا کہ خارشی کتے کی بیماری بڑھتے بڑھتے پورے جسم میں پھیل جاتی ہے۔ یہ تباہی و بربادی کی حالت تو دنیا میں ہوتی ہے۔ جہاں تک آخرت کے حوالے سے نقصان کا معاملہ ہے، وہ تو بیان سے باہر ہے۔)

(3۔ رسولؐ اللہ کی بعثت کا مقصد؛ سرمایہ پرستی کے نظام کا خاتمہ)

’’وکان هذا المرض قد استولیٰ علیٰ مدن العجم، فنفث اللّٰه فی قلب نبیّهٖ صلّی اللّٰه علیه وسلّم أن یداوی هذا المرض بقطع مادّتهٖ. فنظر رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم إلیٰ مظانّ غالبیة لهذهٖ الأشیاء کالقینات، و الحریر، و القسیّ، و بیع الذّهب بالذّهب متفاضلاً لأجل الصّناعات، أو طبقات أصنافه، و نحو ذالک.‘‘ (38)

(اور جب عجمی ممالک میں یہ مرض مکمل طور پر پھیل گیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں یہ بات ڈالی کہ اس مرض کو جڑ سے اُکھاڑ کر انسانیت کا علاج کیا جائے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اس قسم کے مسرفانہ تعیّشات پر مبنی اشیا پر پڑی۔ چناں چہ رقص و سرود کی محفلوں کی زینت بننے والی لڑکیوں، ریشم کے لباس وغیرہ پر آپؐ نے پابندی لگا دی۔ اسی طرح سونا چاندی کو کمی زیادتی کے ساتھ خرید وفروخت کرنے پر بھی پابندی لگا دی، تاکہ میناکاری کے کاموں میں ان کا استعمال نہ ہوسکے یا تعیّشات وغیرہ میں بروئے کار نہ آسکیں۔)

(4۔تعیش پسندی اور سرمایہ پرستانہ نظام کی خرابی)

اسی طرح "باب إقامة الإرتفاقات" میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:

یاد رکھیے! کہ جب عجم اور روم کے لوگوں کو کئی صدیوں تک حکومت کا موقع ملا۔ آخر وہ دنیاوی لذتوں میں ڈوب گئے۔ آخرت کو فراموش کردیا۔ ان پر شیطان غالب آ گیا۔ تو یہ لوگ دنیاوی زندگی کے اُمور میں غرق ہوگئے۔ کثرتِ دنیا پر فخر کرنے لگے۔ دنیا بھر کے حکما (دانش ور) ان کے پاس جمع ہوگئے، جو دنیاوی زندگی کی عیش وطرب کی باتیں سوچ کر بتاتے۔ یہ لوگ اسی حالت پر کاربند ہوگئے اور اس دنیاوی زندگی میں ایک دوسرے پر بڑھتے رہے اور ایک دوسرے پر فخر جتاتے رہے۔

آخر یہاں تک نوبت جا پہنچی کہ ان کے سرداروں میں سے جو سردار ایک لاکھ درہم سے کم قیمت کی پیٹی یا تاج پہنتا، اسے شرم دلاتے۔ یا اس کے پاس بلند تر محل، آبِ زن، حمام اور باغات نہ ہوتے اور اس کے پاس عمدہ عمدہ گھوڑے اور خوب صورت غلام نہ ہوتے تو اس پر طعنہ زنی کرتے۔ کھانوں میں جسے وسعت حاصل نہ ہوتی اور جس کے پاس خوب صورت لباس نہ ہوتے تو اسے شرم دلاتے۔

(5۔حکمران طبقات کا کردار)

غرض یہ ایک طویل داستان ہے جس کا ذکر فضول ہے۔ دیکھیے! آج اپنے زمانے کے حکام اور بادشاہوں کی حالت سامنے ہے۔ ان کو دیکھ کر سابق بادشاہوں کی داستانیں پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ یہ تمام تکلّفات اور ان کے اصول ان کی زندگی میں اس طرح جگہ پکڑ چکے تھے کہ اگر ان کے دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے بھی کردیا جاتا تو بھی نہ نکلتے اور اس کی وَجہ سے ایسا سخت مرض پیدا ہوا کہ جو تمام شہروں اور آبادی کے تمام اعضا میں سرایت کرگیا۔ اس صورت میں ایسی شدید آفت برپا ہوئی کہ کوئی دیہاتی، شہری، امیر اور غریب اس آفت سے نہ بچا۔ ہر ایک پر یہ پُرتکلف زندگی چھا گئی۔ سب کے دامن ان میں اُلجھ کر رہ گئے۔ سب لوگوں کو ان تکلّفات نے گھائل کردیا۔ یہ تکلّفات نہ ملنے کی صورت میں ان پر غم وحزن کی آندھیاں چل پڑیں، جن کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس کی وَجہ یہ ہے کہ یہ تمام عیاشیاں صرف اس صورت میں حاصل ہوسکتی ہیں کہ بہت سا مال خرچ کیا جائے۔

(6۔محنت کشوں پر ظالمانہ ٹیکس کا نفاذ اور اس کے اثرات)

اس قدر زیادہ مال صرف اسی صورت میں ہی حاصل ہوسکتا ہے کہ کسانوں، تاجروں اور دوسرے لوگوں پر بھاری ٹیکس عائد کردیے جائیں اور ان پر سختی کی جائے۔ اگر لوگ یہ ٹیکس ادا نہ کریں تو انھیں مارا جائے اور انھیں سزائیں دی جائیں۔ اگر وہ اطاعت کریں تو انھیں گدھے اور بیل کی طرح بنا لیا جائے، جو آبپاشی کرنے، جوتنے اور اَناج کی کٹائی کے لیے کام میں لائے جاتے ہیں۔ صرف اپنے کام میں لانے کے لیے ان کو کھانے پینے کے لیے کچھ دیا جاتا ہے۔ پھر ان کو محنت و مشقت سے ذرا بھر بھی آرام نہیں کرنے دیا جاتا۔ ان تکلّفات میں مبتلا ہوکر یہ لوگ اُخروی سعادت کی جانب بالکل توجہ نہیں کرتے اور نہ ہی اس قابل رہتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک بڑی سلطنت میں ایک بھی ایسا آدمی نہیں ہوتا جو اپنے دین کی فکر کرے۔

(7۔حکمران طبقوں کی لوٹ کھسوٹ اور نظام کی خرابی کے اثرات)

حکمران طبقات کے لیے یہ سب سامانِ تعیّشات صرف ان محنت کش لوگوں کی وَجہ سے حاصل ہوتے ہیں جو کھانے پینے سے متعلقہ پیشوں، لباس اور عمارات سے متعلقہ کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ ان حکمران طبقوں نے پیدائشِ دولت کے بنیادی پیشوں (زراعت، تجارت اور صنعت) کے اُن اصولوں کو چھوڑ دیا، جن پر دنیا کے نظام کا دار و مدار ہے۔

عام لوگ انھی حکمران طبقوں کا طواف کرنے لگے۔ وہ اپنے حکمران طبقوں کی ان چیزوں میں نقل کرنے لگے۔ اگر عوام یہ نہ کریں تو مال و دولت میں سے کچھ حصہ نہ پائیں اور حکمران طبقے ان کی کوئی پروا نہ کریں۔ اس طرح "**جمهور النّاس صار عیالاً علی الخلیفة یتکفّفون منه**" جمہورِ انسانیت حکمرانوں کے محتاج ہوکر رہ گئے۔ وہ ان کے سامنے ہر وقت ہاتھ پھیلائے رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ درجِ ذیل چند طبقات کے حامل ہوتے ہیں:

(۱) کچھ طبقے اس حوالے سے حکمرانوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں کہ وہ غازی اور مجاہد ہیں۔ (انھیں جہاد کا عوضانہ دیا جائے۔)

(۲) کچھ لوگ اس حوالے سے حکومت سے روپیہ بٹورتے ہیں کہ وہ شہر کا نظام چلانے والے انتظامی افسران ہیں۔ جو حکمران طبقے کے بنائے ہوئے قوانین وقواعد کی تو پابندی کرتے ہیں۔ لیکن ان کا مقصد انسانی ضروریات کو پورا کرنا نہیں ہوتا۔ سوائے اس کے کہ وہ گزشتہ حکمرانوں کے (ظالمانہ) کردار کو زندہ رکھیں۔

(۳) کچھ لوگ اس بنیاد پر حکمرانوں سے مانگتے ہیں کہ وہ شعرا اور ادیب ہیں۔ حکمرانوں کا کام

انھیں انعام و مرتبے سے نوازنا ہوتا ہے۔

(۴) کچھ لوگ حکمرانوں کے سامنے اس لیے ہاتھ پھیلاتے ہیں کہ وہ درویش اور فقرا (پیر) ہیں۔ بادشاہ کے لیے یہ بڑے عیب کی بات ہے کہ ان کی حالت کی خبر گیری نہ کرے۔

پھر یہ تمام طبقے باہم دست بگریبان ہو کر ایک دوسرے کے لیے تنگی اور مصیبت کا باعث بنتے ہیں۔

ان کے دولت کمانے کا پیشہ صرف یہ ہوتا ہے کہ:

(ا) وہ حکمرانوں کے صحبت نشین ہیں۔

(ب) حکمرانوں کے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔

(ج) ان سے بہت اچھے طریقے سے گفتگو کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

(د) ان کی خوشامد بہت اچھی طرح سے کر سکتے ہیں۔

حتیٰ کہ دولت کمانے کی یہ فن کاری ایسے انداز میں آگے بڑھتی ہے کہ ان کے تمام افکار کی گہرائی اسی کے گرد گھومتی ہے۔ اس طرح وہ اپنے اوقات کو حکمران طبقوں کی صحبت میں ضائع کرتے رہتے ہیں۔

جب اس طرح کے کام کرنے والے پیشہ ور کثرت سے ہونے لگیں تو پھر انسانوں میں ذلیل خصلتیں جڑ پکڑ جاتی ہیں۔ وہ اعلیٰ اور عمدہ اخلاق کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔

(8۔حکومتی نظام کی خرابی کے اثرات معلوم کرنے کا طریقہ)

اگر تم اس مرض کی حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہو تو ایسی قوم کا مشاہدہ کرو، جن میں کوئی ریاستی نظام موجود نہ ہو۔ اور وہ کھانے پینے کی لذتوں میں بڑی گہرائی کے ساتھ ڈوبے ہوئے نہ ہوں۔ ایسی قوم میں تم دیکھو گے کہ:

(ا) ان کا نظام آزادی و حریت پر مبنی ہوتا ہے۔

(ب) ان میں کوئی ایسے بھاری ٹیکسوں کا نظام نہیں ہوتا۔ جن کے بوجھ سے ان کی کمر ٹوٹ رہی ہو۔

(ج) ایسی قوم اپنے دینی اور قومی نظام کو قائم کرنے کے لیے مقتدر طبقات کے تسلط سے آزاد رہنے کی طاقت واستطاعت رکھتی ہے۔

اسی طرح ایک دوسری قوم کی حالت کا مشاہدہ کرو کہ جس میں ریاستی ڈھانچہ اور نظام موجود ہو، ان کا ایک حکمران طبقہ ہو اور وہ عوام کو اپنے تابع بنا چکا ہو، اور ان پر اپنا تسلط جما چکا ہو۔

(ایسی قوم میں خرابیاں جنم لیتی ہیں۔)

(9۔ انبیائے کرامؑ ظالمانہ سسٹم کو توڑنے کے لیے آتے ہیں)

جب ایسی مصیبتیں اور خرابیاں زیادہ پھیل جاتی ہیں اور یہ مرض بہت بڑھ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اور مقرب فرشتے ان حکمران طبقات پر ناراض ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں اللہ کی مرضی یہ ہوتی ہے کہ اس مرض کو جڑ سے کاٹ کر اس بیماری کا علاج کیا جائے۔

ایسے ہی حالات تھے، کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے ایک اُمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا، جن کا عجم اور روم کے ساتھ کچھ ربط اور ضبط نہ تھا اور نہ ہی وہ کبھی ان کی رسوم کے پابند ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میزانِ عدل قرار دیا۔ جن کے ذریعے ان طریقوں کو معلوم کیا جاتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور ناپسندیدہ ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے عجمیوں کی عادات کی مذمت بیان فرمادی۔ دنیا کی زندگی میں غرق ہو کر مطمئن ہو جانے کی قباحت اچھی طرح ظاہر کرادی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اِلقا فرمایا کہ وہ ان عادات کو حرام قرار دیں، جو اہلِ عجم کی عادت بن چکی ہیں۔ اور ان پر فخر جتاتے ہیں۔ مثلاً:

(ا) ریشم و سوت کا مخلوط لباس اور اَرغوانی لباس پہننا حرام کردیا۔

(ب) سونے چاندی کے برتنوں، سونے کے زیورات اور ایسے کپڑے کہ جن پر تصاویر بنی ہوئی ہیں اور مکانوں پر نقش و نگار حرام فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے طے فرمایا کہ اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت کے ذریعے ان (عجمیوں اور رومیوں) کی سلطنتوں کو تباہ کردے اور آپؐ کے ذریعے ان کی سطوت کا خاتمہ کردے اور کسریٰ کو ہلاک کردے کہ اس کے بعد کوئی دوسرا کسریٰ نہ ہو۔ قیصر کو ہلاک کردے کہ اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہو۔" انتھٰی (39)

فصل (4): (انقلابی حکومت کے نظام کا مطالعہ)

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے انقلابی افکار کی تعیین کے بعد میں نے اپنا زیادہ تر وقت انقلابی حکومت کے نظام کے مطالعے میں خرچ کرنا شروع کردیا۔ میں نے یہ متعین کرنے کی کوشش کی کہ "انقلابی حکومت" اور "جمہوریت" کے درمیان کیا فرق ہے۔ چناں چہ جو کچھ میں نے سمجھا، وہ یہ کہ انقلابی حکمت عملی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ رجعت پسندوں کی کثرت کے باوجود ان کی اطاعت و پیروی کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ بلکہ انقلابی جماعت وہ ہوتی ہے، جو باقی تمام جماعتوں پر اپنی ڈکٹیٹر شپ اور بالادستی لازمی طور پر منواتی ہے۔

(خلفائے راشدین کی حکومت کی صحیح نوعیت)

اس طرح انقلابِ اسلامی کی تکمیل کے زمانے میں خلفائے راشدین کی حکومت کی صحیح نوعیت متعین کرنا میرے لیے آسان ہوگیا۔

خلفائے راشدین کی حکومت نہ ایسی جمہوریت پر مبنی تھی کہ جس میں مسلمانوں کے زیرِ حکومت علاقوں میں رہنے والے تمام لوگوں سے رائے لی گئی ہو۔ اور نہ ہی ایسی ملوکیت اور آمریت پر مبنی تھی کہ جس میں حکمران اور اس کے خاندان کو مسلمانوں پر کسی قسم کا کوئی تسلط حاصل ہو۔ اس لیے کہ اس زمانے میں امیرالمؤمنین ''حزب اللہ'' کے افراد میں سے ہر فرد کے سامنے جواب دِہ ہوتا تھا۔ خاص طور پر اس وقت جب کہ وہ لوگ اللہ کے گھروں (مساجد) میں سے کسی ایک گھر (مسجد) میں جمع ہوں (تو امیرالمؤمنین کو مسجد میں موجود ہر ایک فرد کے سوال کا جواب دینا ضروری ہوتا تھا۔)

(صحابہؓ کی انقلابی جماعت کی دو خصوصیات)

اس طرح میرے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ (خلفائے راشدین کے زمانے میں) انقلابی جماعت کو صرف طاغوتی اور شیطانی جماعتوں پر ڈکٹیٹرشپ اور بالادستی حاصل تھی، لیکن ''حزب اللہ'' میں شامل تمام افراد کے درمیان باہمی طور پر مساوات قائم رکھنا ضروری تھا۔ اس لیے کہ ان میں آزاد قبائلی زندگی سے قریب تر ہونے کی وَجہ سے آزادئ وحریت کا جوہر بدرجۂ اتم موجود تھا۔ ابھی تک ان میں شہری زندگی کے تکلّفات اور ترقیات بھی پورے طور پر داخل نہیں ہوئے تھے۔ چناں چہ ان میں پارٹی کی سطح پر تمام افراد کے درمیان مساوات کا احساس آہستہ آہستہ پختہ ہوتا چلا گیا۔ خاص طور پر اس پہلو سے کہ تمام عرب قبائل اسلام میں داخل ہوگئے۔ یوں قومی امتیاز' مساوات پر مبنی پارٹی تشخص میں تبدیل ہوتا چلا گیا۔

(پارٹی کی سطح پر مساوات کے تصور کی اساس ؛ قانونِ قصاص)

انسانی زندگی میں مساوات کا یہ احساس ان میں اس وَجہ سے سرایت کرتا چلا گیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ''قصاص'' کا حکم نازل فرمایا تھا۔ چناں چہ جنگوں میں بہت زیادہ مبتلا ہونے کی وَجہ سے قانونِ قصاص کو ان لوگوں نے اپنے قومی عزت وشرف کا نشانِ امتیاز بنالیا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (40)

(اور تمہارے واسطے قصاص میں بڑی زندگی ہے اے عقل مندو، تاکہ تم بچتے رہو۔)

حکیم الہند (شاہ ولی اللہ دہلویؒ) نے ''قصاص'' کی تفسیر ''مساوات'' اور ''مماثلت'' سے کی ہے۔ انھوں نے ''مسوّی'' کے ''باب أحكام الخلافة'' میں لکھا ہے:

''والأظهر عندی .. أنّ القصاص هو المساواة و المماثلة فی القود والدّیات .... حیٰوةً أی بقاءً .... ولولم تعتبر مماثلة .... لأدیٰ ذالک الی الشّحناء و التّظالم، ولاختلف النّاس فی قبول ذالک. والاختلاف یفضی إلیٰ الهلاک فی الدّنیا والآخرة.'' انتهٰی (41)

ترجمہ: ''میرے نزدیک زیادہ واضح بات یہ ہے کہ قتل اور دیات میں قصاص سے مراد مساوات اور مماثلت ہے.... حیوٰۃ سے مراد بقا ہے....اگر مساوات اور مماثلت کا اعتبار نہ کیا جائے تو لوگوں کے درمیان باہمی بغض و عداوت اور ظلم بڑھ جائے گا۔ لوگ اس کے قبول کرنے میں آپس میں اختلاف کریں گے۔ اور ایسا اختلاف رکھنا دنیا اور آخرت میں ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔'' ختم شد

میرا کہنا یہ ہے کہ عقل مند لوگ جب سوسائٹی کی بقا کے لیے کام کرتے ہیں تو قتل کے بدلے میں قصاص کی مساوات قائم کرنے کی طرح سیاسیات کے میدان میں بھی انسانوں کے درمیان مساوات قائم رکھتے ہیں۔ اسی طرح دِیات کے قانون کو سامنے رکھتے ہوئے اقتصادیات کے میدان میں بھی مساوات کا نظام قائم کرتے ہیں۔ اس طرح وہ ایک نظیر اور مثال کو دوسری نظیر اور مثال پر قیاس کریں تو کامیاب ہوں گے۔ اللہ ہی اس کی توفیق دینے والے ہیں۔

فصل (5): (سوویت رہنماؤں سے ملاقات اور انقرہ آمد)

پھر میں نے سوویت یونین کے حکومتی عہدے داروں سے بھی ملاقات کی۔ نیز اجتماعیت کی حامل جماعتوں کے رہنماؤں کی ایک جماعت سے بھی میں ملا۔ میں نے مشرقی ممالک کے اہم مسائل پر ان سے بحث و گفتگو کی۔ اس طرح میں نے بعض معاملات میں ترکی اور افغانی حکومتوں کے اراکین سے بھی اس سلسلے میں مشورہ کیا۔ اسی طرح میں وہاں ایرانی حکومت کے بعض اراکین سے بھی ملا اور ان سے باہمی دلچسپی کے اُمور پر گفتگو کی۔

مَیں ۱۳۴۱ھ (جولائی 1923ء) میں انقرہ (ترکی) پہنچا۔ اور وہاں میں نے چار ماہ کے قریب قیام کیا۔ اس دوران مَیں نے بعض انقلابی لیڈروں جیسے عصمت پاشا (وزیر اعظم ترکی) اور رؤف بک وغیرہ سے ملاقات کی۔ بعض مصری علما کو بھی وہاں دیکھا۔ ان میں سے شیخ عبدالعزیز جاویش بھی تھے۔

اگر میں نے روس کے نظام کا اچھی طرح مطالعہ نہ کیا ہوتا تو میں ترکی میں پیدا ہونے والے سماجی تغیرات کو پورے طور پر سمجھنے پر قادر نہ ہوتا۔ جب کہ ہمارے جو اکابر ہندوستان میں ہیں، ان کو میں نے اس سلسلے میں حیران و پریشان پایا۔

ساتواں باب: استنبول میں قیام

فصل (1): (استنبول آمد اور ''ترکی'' کی تاریخ کا تجزیہ)

پھر مَیں (آخر اکتوبر 1933ء میں) استنبول آیا۔ وہاں تقریباً تین سال رہا۔ اس دوران خلافتِ عثمانیہ کی تاریخ کے مطالعے میں مشغول رہا۔ خاص طور پر سلطان عبدالعزیز خان شہید کے زمانے (1861ء تا 1876ء) سے اتحادِ اسلام کی تحریک سے متعلق ابتدائی اُمور کا میں نے گہری نظر سے مطالعہ کیا۔

ہمارے دیوبندی مشائخ نے 1857ء کی جنگِ آزادی میں ناکامی کے بعد حجاز مقدس میں پناہ لی تھی۔ اسے اپنے کاموں کے لیے مرکز بنا لیا تھا۔ ان حضرات کا حکومتِ استنبول سے تھوڑا بہت تعلق باقی رہ گیا تھا۔ میں نے دارالعلوم دیوبند میں اپنی ابتدائی تعلیم کے زمانے میں اس سلسلے میں بہت سی روایات اور حکایات سنی تھیں۔ پھر بعد میں ہم نے اس کا اثر دارالعلوم سے شائع ہونے والے رسائل میں نہیں دیکھا۔ مجھے ہمیشہ سے یہ شوق رہا کہ معاملات کا گہرائی میں جا کر جائزہ لوں، تاکہ باہم برسرِ پیکار جماعتوں کے دعووں کے ذیل میں چھپی حقیقت کا سراغ لگایا جا سکے۔

(تُرکوں اور عربوں کا باہمی اختلاف اور جمال الدین افغانی کا کردار)

مجھے اس وقت بڑا افسوس ہوا، جب مجھ پر یہ بات اچھی طرح ظاہر ہوئی کہ عربوں اور ترکوں کے درمیان باہمی اختلاف اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ اس میں خیر کی کوئی امید نہیں کی جا سکتی۔ پھر اس وقت مجھے مزید جھٹکا لگا، جب میرے سامنے یہ حقیقت کھلی کہ سید جمال الدین افغانی ''خلافتِ عثمانیہ'' کے خاتمے کی بنیاد پر ''خلافتِ عربیہ'' قائم کرنے کے بڑے داعیوں میں سے ایک تھے۔ نیز جب مجھ پر یہ واضح ہوا کہ برطانوی لیڈروں کی نظر میں مشرقی مسئلے کی کچھ حیثیت نہیں ہے۔ میں نے اس سلسلے سے متعلق ان کے (دیے گئے بیانات میں) اشاروں اور کنایوں کو بڑی اچھی طرح سمجھا۔

(مسلمان معاشروں کے فرسودہ طبقات)

میرا مشاہدہ یہ بھی ہے کہ خلافتِ عثمانیہ میں ''جمہوریت'' اور ''قومی آزادی'' کے نام پر مسلمانوں کو اپنے سیاسی ارتقا کی بہت زیادہ قیمت ادا کرنی پڑی۔ کابل میں مدحت پاشا کے بیٹے علی حیدر کی لکھی ہوئی اس کی

سوانح عمری اور مصری لیڈر فرید بک کی کتاب ''تاریخ دولتِ عثمانیہ'' پڑھنے کے بعد ''جمعیت اتحاد وترقی'' کے ارتقا اور پھیلاؤ کے بارے میں مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ چناں چہ عصری تعلیم کے بانی ہندوستانی لیڈر سرسید احمد خان کے نظریات و خیالات اور عثمانی لیڈر صدر اعظم مدحت پاشا (1822ء تا 1884ء) کی زندگی میں مَیں کوئی خاص فرق تلاش نہ کر سکا۔

میرا یہ بھی تجزیہ ہے کہ مسلمان معاشروں میں جو کچھ اجتماعی طاقت باقی ہے، وہ بادشاہوں کی وراثت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ اس سے میری مراد وہ طبقات ہیں جن میں کچھ تو عیاش اور مفاد پرست حکمران طبقات اور مال دار جماعتیں ہیں، اور کچھ ان کے مفادات کی حفاظت کے لیے گمراہ کرنے والے علما اور حیلہ ساز انقلابی لیڈر ہیں، جن میں دورِ حاضر کی سیاست کی سمجھ بوجھ اور اس کا مزاج قطعاً موجود نہیں ہے۔

چناں چہ میرا تجزیہ ہے کہ:

1۔ بادشاہوں کی وراثت پر مبنی اس زوال پذیر قوت پر اعتماد کرنا۔

2۔ ''دین'' اور ''قوم'' کے نام پر اس وراثت کی حفاظت کی کوشش کرنا۔

3۔ ''جمہوریت'' یا ''بادشاہت'' کے عنوان سے ان میں سے کسی خاندان کی حکومت قائم کرنا۔

4۔ ان میں سے کسی ایک فرد کو ملتِ اسلامیہ کے کمانے والے طبقات پر زبردستی حکمران بنانا۔

5۔ ملتِ اسلامیہ کی اصلاح اور ترقی کو ان حکمرانوں کی اصلاح اور ترقی سے وابستہ کرنا۔

اپنے آپ کو دھوکہ دینے اور جہالت کو قبول کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔

(انقلابی اصولوں پر کام کرنے کی اہمیت)

چناں چہ مجھے اس بات کا پختہ یقین ہوگیا کہ مسلمانوں کی نجات صرف اس میں ہے کہ وہ انقلابی اصولوں کو بڑی مضبوطی سے پکڑ لیں۔ یہ کام بے شک فوری نہ ہو سکے، بلکہ ہر ایک ملک میں جدوجہد کی نوعیت اور اس کے درجات میں فرق کی وَجہ سے اگرچہ کچھ زمانے کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن یہ بات طے ہے کہ نجات کا واحد راستہ انقلابی اصولوں کے اپنانے میں ہے۔ میرا خیال ہے کہ اہل علم علما میں سے سوائے حکیم الہند امام ولی اللہ دہلویؒ کے اور کوئی ایسا عالم نہیں ہے کہ جس کی پیروی اس جیسے عظیم (انقلابی) کام کے سرانجام دینے کے سلسلے میں کی جائے۔

فصل (2): (انقلابی پروگرام کی ترتیب اور اس کی اشاعت)

اس تجزیے کے بعد میرے لیے یہ آسان ہوگیا کہ ہندوستانی انقلابی جماعت کے نام سے ایک ''سروراجی'' (عوامی) سیاسی پروگرام مرتب کرسکوں۔ ہمارے نزدیک ہندوستان کی حکومت جمہوریت کے

سوا کسی اور نظریے پر قائم نہیں ہونی چاہیے، جب کہ یہ جمہوری حکومت بھی عدمِ مرکزیت کے اصول پر کام کرے۔ اس لیے کہ پورا ہندوستان ایک ملک نہیں ہے، بلکہ وہ یورپ کی طرح ایک ایسے خطے کا نام ہے، جو کئی ممالک کا مجموعہ ہے۔ جس میں لسانی اور تہذیبی شناختیں رکھنے والی بہت سی اقوام رہتی ہیں۔

ہم یہ چاہتے ہیں کہ ایسا نیا اجتماعی اور اقتصادی نظام تشکیل دیا جائے، جس میں:

1۔ معاشی معاملات سود سے قطعاً پاک ہونے چاہئیں۔

2۔ ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ زمینوں کو افراد کی ملکیت کے بجائے اقوام کے لیے وقف کر دیا جائے۔

اس طرح یہ ممکن ہوگا کہ اس پروگرام کی مشرقی ممالک، خاص طور پر مسلمان ملکوں کے ساتھ مطابقت پیدا ہو جائے۔

فصل (3): (زمینوں کو وقف کرنے کے دلائل)

زمینوں کو وقف کر دینے کے حوالے سے ہم نے جو فیصلہ کیا ہے، اس کی بنیاد امیرالمؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔ تمام صحابہ کرامؓ نے اس پر اجماع کیا ہے۔ ہم یہاں امام ولی اللہ دہلویؒ کی تحریر کے متعلقہ حصے تفصیلی طور پر درج کرتے ہیں تا کہ اہلِ علم حضرات کو اس سلسلے میں صحابہ کرامؓ کے افکار سے پوری آگاہی ہو سکے۔ یہ معاملہ مسلمانوں کے سوادِ اعظم (کی اکثریت) پر کسی طرح بھی شک وشبہ کا سبب نہ بنے۔

(زمینوں کے سلسلے میں خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کا فیصلہ)

امام ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی کتاب ''**إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء**'' میں حضرت عمر فاروقؓ کے فقہی اجتہادات پر مبنی ایک کتاب ''**فقہِ عمر**'' کے نام سے لکھی ہے۔ اس کے "**باب قسمة الفیء**'' میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ہمارے بعض مشائخ نے روایت کیا ہے، اور انھوں نے یزید بن ابی حبیب سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ جب عراق فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو ایک خط لکھا، جس میں تحریر تھا:
>
> ''**اما بعد! فقد بلغنی کتابک، تذکر أنّ النّاس سألوک أن تقسم بینهم مغانمهم، ممّا أفاء اللّٰه علیهم. فإذا أتاک کتابی هذا، فانظر ما جلب النّاس به علیک إلی العسکر من کراع، أو مال، فاقسمه بین من حضر من المسلمین، واترک الأرضین والأنهار لعمّالها، لیکون ذالک من أعطیات المسلمین. فإنک إن قسّمتها بین من حضر، لم یکن لمن بعدهم شیء.**'' (42)

(امابعد! آپ کا خط مجھے ملا، جس میں آپ نے تذکرہ کیا ہے کہ لوگ آپ سے اس مالِ غنیمت اور زمینوں کی تقسیم کا مطالبہ کرتے ہیں، جو اللہ نے انھیں دیا ہے۔ جب میرا یہ خط تمھارے پاس پہنچے تو یہ دیکھو کہ جو منقولہ اشیا اور جانور تمھارے پاس لشکر میں جمع ہو گئے ہیں، انھیں مسلمان حاضرین میں تقسیم کر دو جب کہ زمینوں، نہروں اور دریاؤں کو کاشت کاروں کے لیے چھوڑ دو۔ تاکہ یہ مسلمانوں کے لیے مستقل عطیات میں سے بن جائیں۔ کیوں کہ اگر تم نے انھیں حاضرین میں تقسیم کر دیا تو بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے کچھ نہیں بچے گا۔)

(زمینوں کے سلسلے میں صحابہ کرامؓ سے مشاورت)

امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے مدینہ منورہ کے علما میں سے ایک سے زائد لوگوں نے روایت کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ جب حضرت عمر ابن الخطابؓ کے سامنے حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کی جانب سے بھیجا ہوا عراقی لشکر آیا تو حضرت عمرؓ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے عطیات تقسیم کرنے کے رجسٹروں میں افراد کے اندراج پر مشورہ کیا۔ اس سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس رائے کی اتباع کیا کرتے تھے کہ جس میں تمام لوگوں کے لیے مساوات کی بنیاد پر مال تقسیم کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ لیکن جب عراق کی فتح ہوئی تو لوگوں نے اس سلسلے میں مشورہ کیا کہ کیوں نہ زیادہ خدمات سرانجام دینے والوں کو عطیات میں سے کچھ زائد حصہ دیا جائے۔ چناں چہ جب آپؓ نے دیکھا کہ عام لوگوں کی رائے یہی ہے تو حضرت عمرؓ نے بھی اسی رائے پر فیصلہ کر دیا اور پھر یہی رائے ہو گئی۔

پھر صحابہ کرامؓ نے عراق اور شام کی مفتوحہ زمینوں کی تقسیم کے بارے میں بھی مشاورت کی۔ پس ایک قوم نے اس سلسلے میں گفتگو کی اور ان کی رائے یہ تھی کہ مجاہدین کے حقوق کی رعایت کرتے ہوئے یہ زمینیں اور تمام مفتوحہ چیزیں ان میں تقسیم کر دی جائیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ:

"اس صورت میں بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لیے کیا بچے گا؟ جب وہ یہ دیکھیں گے کہ زمین اور اس پر کام کرنے والے تمام لوگ پہلے سے ہی تقسیم کر دیے گئے ہیں۔ اور یہ زمینیں آبائی ترکے کی طرح لوگوں کی وراثت قرار دے دی گئی۔ لہٰذا میری رائے یہ نہیں ہے۔"

حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے اُن سے کہا:

"پھر آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا یہ زمین اور اس کی متعلقہ چیزیں اللہ کی طرف سے مالِ غنیمت نہیں ہیں؟"

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ:

"بات ایسے ہی ہے جیسے تم کہتے ہو، لیکن میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔ اس لیے کہ اللہ کی

قسم میرے بعد کوئی شہر فتح نہیں ہوگا کہ جس میں بہت زیادہ زمین اور مال و دولت حاصل ہو، بلکہ اندازہ یہ ہے کہ آئندہ جو ممالک فتح ہوں گے وہ مسلمانوں پر بوجھ ہوں گے۔ اگر عراق اور شام کی زمینیں اپنے تمام متعلقہ وسائل کے ساتھ تقسیم کردی جائیں تو پھر سرحدوں کی حفاظت کا فوجی نظام کیسے قائم ہوگا؟ اور آئندہ فتح ہونے والے شہروں میں بیواؤں اور یتیموں کی خبر گیری کا نظام ان زمینوں اور وسائل کے بغیر کیسے ہوگا؟''

اس پر شام اور عراق کے لوگ حضرت عمرؓ کے پیچھے پڑ گئے۔ انھیں کہنے لگے کہ وہ زمینیں جنھیں اللہ نے ہماری تلواروں کی بدولت مالِ غنیمت کے طور پر ہمیں دیا ہے، ایسی قوم پر وقف نہ کرو جو خود یہاں حاضر نہیں۔ جو نہ خود میدان میں نکلے اور نہ ان کی اولاد یہاں موجود ہے۔ اس لیے ان کے لیے وقف مت کرو۔

اس کے باوجود حضرت عمرؓ اپنی رائے پر جمے رہے۔ انھوں نے اس سے زیادہ کوئی بات نہیں فرمائی کہ:

''بہر حال میری یہ رائے نہیں ہے۔''

لوگوں نے کہا کہ:

''پھر آپ صحابہؓ سے مشورہ کریں۔''

چناں چہ حضرت عمرؓ نے مہاجرین اوّلین سے مشورہ کیا تو ان میں بھی اختلاف ہوگیا۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کی رائے یہ تھی کہ ان زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم کردیا جائے، جب کہ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ کی رائے وہ تھی جو حضرت عمرؓ کی رائے تھی۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے دس انصاری صحابہؓ کو پیغام دے کر اپنے پاس بلوا بھیجا۔ جن میں سے پانچ قبیلہ اوس کے تھے اور پانچ قبیلہ خزرج کے تھے۔ اس طرح آپؓ نے ان کے بڑے بڑے رہنماؤں اور معززین کو مشاورت کے لیے بلا لیا۔

(زمینوں کو وقف کرنے کے لیے حضرت عمرؓ کے دلائل)

جب تمام صحابہؓ جمع ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے اللہ کی حمد وثنا بیان کی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ:

''إنّی لم أزعجکم إلاّ لأن تشرکوا فی أمانتی فیما حُمّلت من أمورکم، فإنّی واحد کأحد کم، وأنتم الیوم تُقرّون بالحق، خالَفَنی من خالَفَنی، ووافقنی من وافقنی. و لستُ أرید أن تتّبعوا الّذی هو هوایَ. معکم من اللّٰه کتاب، ینطق بالحقّ، فواللّٰه لئن کنت نطقت بأمر أریده ما أردتُّ به إلاَّ الحقّ.''

(میں نے تم کو اس لیے بلوایا ہے کہ تم لوگ میری خلافت کی اس امانت میں شریک ہو، جو تمھارے امور کی انجام دہی کے لیے میرے سپرد کی گئی ہے۔ میں تمھارے میں سے کسی ایک

آدمی کی طرح کا ایک فرد ہوں۔آج کے دن تم حق پر قائم رہو۔ جو میری مخالفت کرنا چاہے، وہ کھل کر مخالفت کرے۔ جو میری موافقت کرنا چاہےتو کھل کر موافقت کرے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ تم میری خواہش کی اتباع اور پیروی کرو۔تمہارے پاس اللہ کی کتاب ہے، جو حق کے اصولوں کی نشان دہی کرتی ہے۔ اللہ کی قسم اس پر کہ اپنی زبان سے میں ایسی بات کہوں کہ جس سے میرا ارادہ کچھ اور ہو۔ ایسا نہیں، بلکہ میرا ارادہ سوائے حق کے اور کچھ نہیں۔)

تمام لوگوں نے کہا کہ:

''اے امیر المؤمنین! ہم آپ کی بات اچھی طرح سنیں گے۔''

اس پر حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا:

''قد سمعتم كلام هؤلآء القوم، الّذين زعموا إنّي أظلمهم حقوقهم. و إنّي أعوذ بالله أن أركب ظلمًا. لئن كنت ظلمتهم شيئًا هُو لهم و أعطيته غيرهم، لقد شقيت، و لكن رأيت أنه لم يبق شيء يُفتح بعد أرض كسرىٰ. و قد غنمنا الله أموالهم، وأرضهم، و علوجهم، فقسّمتُ ماغنموا من مال أُورّثُه بين أهله، وأخرجتُ الخُمس فوجهته على وجهه، و أنا في توجيهه.

ورأيت أن أحبس الأرضين بعلوجها، وأضعُ عليهم فيها الخراج، وفي رقابهم الجزية يؤدّونها. فيكون شيئًا للمسلمن و للمقاتلة و الذّرية و لمن يأتي بعدهم.

أرأيتم هذه الثغور بُدٌّ لها من رجالٍ يلزمونها؟

أرأيتم هذهِ المدن العظام، والشّام، و الجزيرة، والكوفة، والبصرة، ومصر بُدٌّ من أن تُشحَن بالجيوش وإدرار العطاء عليهم. فمن أين يعطى هؤلآء إذا قسمت الأرضين والعلوج؟''

(تم نے ان لوگوں کی بات سن لی ہوگی، جن کا یہ خیال ہے کہ میں ان کے حقوق پر ظلم کر رہا ہوں۔ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں ظلم کو جائز سمجھوں۔ اگر میں ان پر کسی ایسی چیز کے بارے میں ظلم کرتا جوان کی ہو، اور وہ ان کے علاوہ کسی اور کو عطا کروں تو بے شک میں بدبخت ہوں۔ لیکن میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ کسریٰ کی زمین کے فتح ہونے کے بعد اب کوئی چیز باقی نہیں بچی ۔اللہ نے ہمیں ان کا مال، ان کی زمین اوران کے متعلقہ چیزیں بطورِ مالِ غنیمت کے عطا کی ہیں۔ پس جو مال بھی مجھے ملا، میں نے اُسے تقسیم کر دیا۔ ان کو اس کا وارث بنا دیا۔ البتہ میں نے اس کا خمس لے لیا۔ میں نے اس کو مصارف کے مطابق خرچ کر دیا۔ ابھی تک میں اسی کو درست

کرنے میں لگا ہوا ہوں۔

اس کے بعد میں نے یہ دیکھا کہ زمینوں کو کاشت کاروں سمیت روک لوں۔ ان پر خراج اور ٹیکس لگا دوں اور ان لوگوں پر اتنا جزیہ لگا دوں، جو وہ آسانی سے ادا کرسکیں۔ اس طرح یہ مسلمانوں کے لیے ایک مستقل ذریعۂ آمدنی ہوجائے گا۔ جو تمام مسلمانوں کی اولاد اور مجاہدین کے لیے ہوگا، بلکہ بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لیے بھی ہوگا۔

کیا تم ان سرحدوں کو نہیں دیکھتے کہ ان کے لیے مردوں کی ایک فوج کی ضرورت ہے، جو ہر وقت اس کی حفاظت کرے۔ کیا تم ان بڑے بڑے شہروں اور ملکوں کو نہیں دیکھتے: جیسے شام، الجزائر، کوفہ، بصرہ، مصر وغیرہ کہ جن کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے لشکروں کی ضرورت ہے۔ نیز وہاں کے لوگوں میں مال تقسیم کرنے کی ضرورت ہے۔

اگر میں یہ زمینیں اور ان کی متعلقہ چیزیں آج ان میں تقسیم کردوں تو پھر باقی تمام کے لیے میں کہاں سے مال لاؤں گا؟''

(صحابہ کرامؓ کا متفقہ فیصلہ)

حضرت عمرؓ کے دلائل سن کر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا کہ:

''ہماری رائے وہی ہے جو آپ کی رائے ہے۔ آپ نے بہت اچھی بات کہی۔ اور بہت اچھی رائے دی۔ واقعی اگر فوجوں کے ذریعے سے ان سرحدوں کی حفاظت نہ کی گئی اور ان شہروں میں فوجوں کو بھیجا نہ گیا اور ان کی ضروریات پوری کرنے کے لیے مال نہ بھیجا گیا کہ جس سے وہ قوت حاصل کریں۔ ایسی صورت میں یہ سارے شہر اہل کفر کی طرف لوٹ جائیں گے۔''

اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ:

''اب میرے لیے معاملہ پوری طرح واضح ہوگیا۔'' (43)

(حضرت عمرؓ کی بات نہ ماننے والوں پر اِبتلا)

حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ:

''مجھ سے لیث ابن سعد نے روایت کیا ہے، اور ان سے حبیب ابن ابی ثابت نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ اور مسلمانوں کی جماعت نے حضرت عمر بن خطابؓ سے شام کی زمین تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین تقسیم کی تھی۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ سختی سے مطالبہ کرنے والے حضرت زبیر بن العوامؓ اور بلال بن ابی رباحؓ تھے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ:

''کیا پھر میں تمہارے بعد آنے والے مسلمانوں کو اس حالت میں چھوڑ دوں کہ ان کے لیے کچھ بھی نہ باقی بچے؟''

پھر اس کے بعد حضرت عمرؓ نے یہ دعا فرمائی:

''اے اللہ! بلال اور اس کے ساتھیوں کے مقابلے پر تو میرے لیے کافی ہوجا۔''

حبیب بن ابی ثابت کا کہنا ہے کہ:

''ان پر عمواس میں جو طاعون پڑا تھا وہ حضرت عمرؓ کی اس دعا کا نتیجہ تھا۔''

(حضرت عمرؓ کا اپنی رائے کے لیے قرآن حکیم سے استدلال)

حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ:

''مجھ سے محمد ابن اسحاقؒ نے روایت کیا ہے اور ان سے امام زہریؒ نے روایت کیا ہے کہ عراق کی زمینوں کے فتح ہونے کے بعد حضرت عمر بن الخطابؓ نے لوگوں سے ان کے بارے میں مشورہ کیا۔ پس عام لوگوں کی رائے یہ تھی کہ اس کو مجاہدین میں تقسیم کردیا جائے۔ بلال بن ابی رباحؓ ان سب میں زیادہ سختی سے مطالبہ کر رہے تھے۔ جب کہ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ زمینوں کو تقسیم نہ کیا جائے۔ انھیں اسی طرح رہنے دیا جائے۔ پھر آپؓ نے یہ دعا مانگی کہ ''اے اللہ! بلال کے مقابلے پر میرے لیے کافی ہوجا۔''

لوگ اس سلسلے میں دو تین دن تک آپس میں جھگڑتے رہے۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ:

''مجھے اپنی رائے کی دلیل مل گئی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا ہے۔ انھوں نے (سورۃ الحشر کی) یہ آیت تلاوت کی:

وَمَآ أَفَآءَ ٱللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِۦ مِنْهُمْ فَمَآ أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُۥ عَلَىٰ مَن يَشَآءُ ۚ وَٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ (44)

(اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان سے مفت دلا دیا۔ سو تم نے اس پر گھوڑے نہیں دوڑائے اور نہ اونٹ، لیکن اللہ اپنے رسول کو غالب کر دیتا ہے، جس پر چاہے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

حضرت عمرؓ نے اس آیت کو پڑھنے کے بعد فرمایا کہ:

''یہاں تک (اس آیت میں) اللہ نے بنی نضیر کی مفتوحہ زمین کے بارے میں حکم بیان کیا ہے۔ اور یہ حکم تمام بستیوں کے لیے عام ہے۔''

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اگلی آیت پڑھی:

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (45)

(اور جو مال اللہ نے اپنے رسول کو دیہات والوں سے مفت دلایا۔ سو وہ اللہ اور رسول اور قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے تا کہ وہ تمھارے دولت مندوں میں نہ پھرتا رہے۔ اور جو کچھ تمھیں رسول دے اسے لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز رہو۔ اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔)

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اگلی آیت پڑھی:

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (46)

(وہ مال وطن چھوڑنے والے مفلسوں کے لیے بھی ہے، جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے۔ وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا مندی چاہتے ہیں۔ اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ یہی سچے (مسلمان) ہیں۔)

پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ:

''اللہ راضی نہیں ہوا یہاں تک کہ ان کے ساتھ دوسروں کو بھی شامل کر دیا۔

چناں چہ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ڵ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (47)

(اور وہ مال ان کے لیے بھی ہے کہ جنھوں نے ان سے پہلے مدینے میں گھر اور ایمان حاصل کر رکھا ہے۔ جو ان کے پاس وطن چھوڑ کر آتا ہے۔ اس سے محبت کرتے ہیں۔ اور اپنے سینوں میں اس کی نسبت کوئی خلش نہیں پاتے کہ مہاجرین کو دیا جائے۔ تو وہ دوسروں کو اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ اگر چہ خود ان پر فاقہ ہو۔ اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا جائے، پس وہی لوگ کامیاب ہیں۔)

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

''اس آیت میں بیان کردہ یہ حکم انصار کے لیے خاص ہے۔ یہ وہ بات ہے جو ہم تک پہنچی

ہے اور اللہ زیادہ جاننے والا ہے۔ پھر اللہ نے اس پر اکتفا نہیں کیا۔ یہاں تک کہ ان کے ساتھ دوسروں کو بھی شامل کیا۔''

چناں چہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ (48)

(اور یہ مال ان لوگوں کے لیے بھی ہے جو مہاجرین و انصار کے بعد آئے۔ اور وہ دعا مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے اُن بھائیوں کو بخش دے، جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں۔ اور ہمارے دلوں میں ایمان داروں کی طرف سے کینہ قائم نہ ہونے پائے۔ اے ہمارے رب! بے شک تو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔)

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ:

''یہ بعد میں آنے والے تمام لوگوں کے لیے عام حکم ہے۔ پس یہ مالِ غنیمت ان تمام لوگوں کا حصہ ہے۔ اب ہم اس کو ان لوگوں پر تقسیم کردیں اور بعد والوں کو بغیر تقسیم کے چھوڑ دیں؟''

اس کے بعد تمام صحابہ کرامؓ کا ان زمینوں کے وقف کرنے اور ان پر خراج اور ٹیکس لگانے پر اجماع ہوگیا۔ (49)

(زمینوں کا وقف؛ حضرت امام قاضی ابو یوسفؒ کی رائے)

حضرت الامام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا:

''زمینوں کو فاتحین میں تقسیم نہ کرنے کے بارے میں حضرت عمرؓ کا ایسی رائے قائم کرنا اور اس کی دلیل کے طور پر اللہ کی کتاب میں سے آیات پیش کرنا' یہ اللہ کی جانب سے ان کو بڑی توفیق دی گئی۔ اس میں تمام مسلمانوں کے لیے بڑی بھلائی ہے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے ٹیکس جمع کرنے کے بارے میں جو رائے قائم کی تھی اور اس کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا تھا، یہ بھی مسلمانوں کی تمام جماعتوں کے لیے عمومی نفع کا سبب بنا۔ اس لیے کہ اگر یہ زمینیں لوگوں کو عطیات دینے اور ان کے کھانے پینے کے بندوبست کے لیے وقف نہ کی جاتیں تو سرحدوں کی حفاظت کرنا ممکن نہ ہوتا۔ اور نہ ہی جہاد کے لیے لشکروں کی تیاری کرنا ممکن ہوتا۔ اور جب جہاد کرنے والے لوگوں سے شہر خالی ہوجاتے اور ان کے کھانے کا بندوبست نہ ہوتا تو کافروں کو اپنے شہروں کی طرف لوٹنے سے روکنا ممکن نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ خیر کے کاموں کو زیادہ

جانتا ہے، جو وہ کرتا ہے۔''

(زمین کو وقف کرنے کے سلسلے میں امام شافعیؒ کی رائے)

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ:

''وہ گھر اور زمینیں جو باہمی صلح سے حاصل کیے جائیں، وہ مسلمانوں کے لیے وقف ہوتے ہیں۔ ہر سال اس کی آمدنی جمع کی جائے گی۔

نیز امام شافعیؒ نے فرمایا کہ میرا خیال یہ ہے کہ اہل شرک کے چھوڑے ہوئے تمام شہر اسی طرح کے تھے۔ البتہ کچھ زمینیں ایسی تھیں، جس میں حضرت عمرؓ نے اُن لوگوں کی رضامندی چاہی، جنھوں نے گھوڑے اور اونٹ دوڑا کر یعنی جنگ کے ذریعے اسے فتح کیا تھا۔ اس پر لوگوں نے ان زمینوں پر سے بھی اپنے حقوق کو بالکل اسی طرح چھوڑ دیا، جیسا کہ رسول اللہؐ نے قبیلہ بنی ہوازن کے قیدیوں کے سلسلے میں لوگوں کی رضامندی حاصل کی تھی، اور انھوں نے بھی اپنے حقوق کو چھوڑ دیا تھا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سے حضرت جریر بن عبداللہ (البجلیؓ) کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو ان کے حق کا بدلہ دے دیا تھا۔ جریر کے اس قول کے مشابہ حضرت عمرؓ سے وہ روایت بھی ہے، جس میں انھوں نے فرمایا تھا کہ:

''**لولا إني قاسم مسئول لتركتم على ما قسم لكم.**''

(اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں ایسا تقسیم کرنے والا ہوں، جس سے بازپُرس بھی ہوگی تو میں تم کو اُس تقسیم کے مطابق چھوڑ دیتا جو تمہارے لیے (خیبر میں) تقسیم کیا جاچکا ہے۔)

حضرت جریرؓ کا کہنا ہے کہ (خیبر میں) صلح والے شہروں کو جنگ کے ذریعے حاصل کردہ شہروں کے ساتھ ملا کر تقسیم کردیا گیا تھا۔ پس حضرت عمرؓ نے صلح سے قبضہ کیے ہوئے علاقوں کو الگ کرلیا۔ اور جن شہروں کو گھوڑے دوڑا کر جنگوں سے حاصل کیا گیا تھا، اس کا معاوضہ ادا کردیا۔''

(زمینوں کا وقف؛ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی مفصل رائے)

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

''ایرانیوں اور رومیوں نے زمینوں کے مالکوں پر زبرستی قبضہ کیا ہوا تھا۔ وہ ان سے ٹیکس لیتے تھے۔ جب کہ یہ ایرانی اور رومی ان زمینوں اور کاشت کاروں کے خود مالک نہ تھے۔ اور نہ ان کے آباؤاجداد میں اس کی وراثت چلی آتی تھی۔ مسلمانوں نے آکر ان زبردستی قبضہ رکھنے

والے ایرانیوں اور رومیوں کے ساتھ لڑائی کی۔ ان کو شام اور عراق کی زمینوں سے دور دھکیل دیا۔

جہاں تک زمین کے مالکان اور کاشت کاروں کا تعلق ہے تو وہ اپنی زمینوں کو کاشت کرتے تھے اور اس پر رہائش پذیر تھے۔ وہ اپنے آباؤاجداد کے زمانے سے وراثت کے طور پر ان زمینوں میں کام کرتے چلے آ رہے تھے۔ ان کی اکثریت نے مسلمانوں کے ساتھ صلح کر لی اور خراج دینا اپنے اوپر لازم قرار دے دیا۔

ان میں سے بعض لوگوں نے رومیوں اور فارسیوں کی مدد بھی کی تھی۔ ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑائی بھی کی تھی۔ اس طرح لوگوں پر ان کا معاملہ مشتبہ ہو گیا۔ عام لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ زمینیں اس لیے مالِ غنیمت ہیں کہ مالکانِ اراضی میں سے کچھ لوگ لڑنے والوں میں شامل تھے۔ جب کہ خاص لوگوں نے اس بات کو سمجھ لیا کہ اصل میں جن سے لڑائی لڑی گئی تھی، وہ تو ان زمینوں پر زبردستی کے مسلط تھے۔

جہاں تک زمین میں رہائش رکھنے والے مالکان کا تعلق ہے، تو ان کی اکثریت نے مسلمانوں سے صلح کر لی۔ اس طرح مسلمانوں نے بغیر جنگ کیے صلح کے ذریعے سے یہ زمینیں فتح کی تھیں۔ انھوں نے جو لڑائی لڑی تھی، وہ تو دوسرے ظالم لوگوں سے ہوئی تھی۔

اسی لیے حضرت عمرؓ نے اس مسئلے میں مالِ فیئ والی آیت تلاوت کی تھی۔ البتہ بہت تھوڑے لوگ وہ تھے، جنھوں نے ایرانیوں اور رومیوں کے لشکر کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑائی لڑی تھی۔ ایسے لوگوں کی زمینیں مالِ غنیمت ہیں۔ حضرت عمرؓ نے عراق کی زمینوں کو وقف کرتے ہوئے مجاہدین سے رضامندی حاصل کی تھی۔ جو راضی نہیں ہوا تھا، اسے معاوضہ ادا کر دیا تھا۔"

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

"اگر معاملہ اس طرح ہوا، جیسا کہ امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے تو عراق اور شام کی زمینوں کا معاملہ مالِ غنیمت کی تقسیم کے طریقوں سے ہٹا کر دوسرے اصول کی طرف کر دیا گیا۔ اس طرح اسے اجماعِ صحابہؓ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے اس قول وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ (50) کے عام حکم سے خاص کر دیا گیا ہے۔ یہ سب کچھ صحابہؓ نے نبی اکرمؐ کی حدیث سے سمجھا اور جو فارس اور روم کی فتح کے سلسلے میں آپؐ کی گفتگو کا تقاضا تھا۔

شام اور عراق کے علاوہ جتنے بھی شہر ہیں، امام شافعیؒ کے قول کے مطابق ان کی دو قسمیں ہیں:

ایک وہ شہر جو اللہ نے بغیر گھوڑے دوڑائے اور جنگ کیے مفت میں عطا کیے ہیں۔ یہ شہر غازیوں کے لیے خزانہ بنائے گئے ہیں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف خیبر کے ساتھ کیا تھا جو بغیر جنگ کے حاصل ہوا تھا۔ اور جیسا کہ آپؐ نے بنونضیر کی زمینوں اور باغِ فدک کے بارے میں کیا تھا۔

دوسرے وہ شہر ہیں جو جنگ کے ذریعے سے حاصل کیے گئے۔ تو انھیں لوگوں پر تقسیم کیا جائے گا۔ جیسا کہ رسول اللہؐ نے خیبر کے اس نصف کے بارے میں کیا تھا جو جنگ کے ذریعے سے حاصل کیا گیا تھا۔''

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:

''ہماری اس تحقیق پر ان روایات کا ظاہر دلالت کرتا ہے، جنھیں امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے زید بن اسلمؒ سے روایت کیا ہے۔ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر بعد میں آنے والے مسلمان نہ ہوتے تو کوئی شہر فتح نہ ہوتا، مگر میں اس کو اسی طرح تقسیم کرتا، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم کیا۔

امام شافعیؒ جریر بن عبداللہؓ سے تعلیقاً روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"لو لا إني قاسم مسئول لتركتم على ما قسم لكم"

(اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں ایسا تقسیم کرنے والا ہوں، جس سے بازپُرس بھی ہوگی۔ تو میں تم کو اس تقسیم کے مطابق چھوڑ دیتا جو تمہارے لیے (خیبر میں) تقسیم کیا جاچکا ہے۔)

اس روایت سے اس کا ایسی زمینوں پر محمول ہونا متعین ہوجاتا ہے، جو جنگ سے فتح ہوئی ہوں، کیوں کہ رسول اللہؐ نے وہی زمینیں ان میں تقسیم کی تھیں، جو جنگ سے فتح ہوئی تھیں۔ لیکن حضرت عمرؓ اور جمہورِ صحابہؓ کے سامنے ایک ایسی مصلحت آئی، جس کا تقاضا تھا کہ جنگ سے مفتوحہ زمینوں کی بھی تقسیم نہ کی جائے۔ انھیں غازیوں اور سامانِ جہاد وغیرہ تیاریوں کے لیے خزانہ بنا لیا جائے۔'' انتھٰی (51)

(زمینوں کا وقف؛ امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی رائے)

حضرت الامام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے (فتاویٰ عزیزیہ میں) تحریر فرمایا کہ:

''شیخ جلال الدین تھانیسریؒ نے ہندوستان کی تمام زمینوں کے بارے میں یہ حکم لگایا ہے کہ یہ سب وقف ہیں۔ جیسا کہ عراق کی زمینیں وقف ہیں۔'' (52)

فصل (4): (انقلابی پروگرام کے تقاضے)

استنبول میں قیام کے دوران مجھے اس کا موقع ملا کہ میں اپنے انقلابی پروگرام کے اصولوں پر مشرقی ممالک سے تعلق رکھنے والی جماعتوں سے مکالمہ و گفتگو کروں۔ چناں چہ ترکوں، مصریوں، ایرانیوں اور چینیوں سے اس سلسلے میں باہم گفتگو و مکالمہ جاری رہا۔ پھر مجھے اپنے اس پروگرام کو اردو زبان میں شائع کرنے کی توفیق ہوئی۔ اس کے بعد انگریزی میں بھی یہ پروگرام طبع ہوا۔ اسے دنیا بھر میں موجود ہندوستانی اور دیگر لوگوں تک اس کو پھیلانے کی بھی مجھے توفیق ہوئی۔ (53)

میں چاہوں گا کہ ہر ایسے آدمی کو —— جو مسلمانوں میں سے سیاسی کاموں میں مشغولیت رکھتا ہو —— یہ پروگرام ضرور پڑھنا چاہیے۔ اسے چاہیے کہ ان انقلابی اصولوں کو بغیر کسی فہم و بصیرت کے جلد بازی میں قبول نہ کرے۔ اس لیے کہ جو آدمی انقلاب کے میدان میں قدم رکھنا چاہتا ہے اس کی زندگی کا لازمی تقاضا اور اہم فریضہ اپنے انقلابی مسلک کے مطابق آگے بڑھنا ہوتا ہے۔ انقلابی نظریہ اپنانے کے بعد اُلٹے قدم پیچھے کی طرف جانا قطعاً جائز نہیں ہوتا۔

تمام دینی اور لادینی جماعتوں میں انقلابیوں پر آگے بڑھنا لازمی فرائض میں سے ہوتا ہے۔ کیا تم نے دیکھا کہ اسلام میں مرتد کی سزا سوائے قتل کے اور کچھ نہیں ہے۔ لیکن چوں کہ مسلمانوں کی اکثریت انقلاب کا مفہوم نہیں سمجھتی، اس لیے یہ لوگ اگر ایک دن دنیائے عالم پر انقلاب کا جھنڈا لہرانے کی آرزو کا اظہار کرتے ہیں، تو کچھ دنوں کے بعد ان کا خیال ہوتا ہے کہ انقلاب؛ ان کے دینی اور ملّی حقوق کے حوالے سے پیدا ہونے والی خواہشات کے خلاف ہے۔ اس طرح وہ انقلاب کے خیال سے واپس لوٹ جاتے ہیں اور یوں درمیانِ راہ میں قتل کردیے جاتے ہیں۔

ہندوستان چھوڑنے کے بعد سے جب بھی ہم نے انقلابی جمعیت اکٹھا کرنے کی کوشش کی تو ایسی حالت میں ہم رجعت پسندوں کو راستے سے ہٹانے کا حکم تو نافذ نہیں کرسکتے تھے، لیکن ہم نے اس بات کا حلف لینے کی صورت اختیار کی کہ جس شخص پر انقلابی جماعت کی جانب سے رجعت پسندی کا الزام ثابت ہوجائے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو قتل یعنی اس انقلابی راستے سے ہٹالے۔

اس سلسلے میں ہم نے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کیا ہے:

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنفُسَكُم بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (54)

(اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! بے شک تم نے بچھڑا بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ سو اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو اور پھر اپنے آپ کو قتل کرو!

تمہارے لیے تمہارے خالق کے نزدیک یہی بہتر ہے۔ پھر اس نے تمہاری توبہ قبول کرلی۔ بے شک وہی بڑا توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔) (55)

فصل (5): (دینی انقلاب میں دنیا و آخرت کی جامعیت)

یہاں پر ہم مسلمانوں میں سے ہر اُس آدمی کو جو انقلاب کے مسائل سے دلچسپی رکھتا ہے، ایک اہم فائدے کے حوالے سے تنبیہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دینی تحریکات دنیا اور آخرت دونوں کی ترقی اور کامیابیوں کو باہم جمع کرنا چاہتی ہیں۔ جب ہم دنیاوی ترقی کو پوری جامعیت کے ساتھ سمجھنا چاہتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ دینی تحریک دراصل انقلابی تحریک ہوتی ہے۔ یعنی وہ مستضعفین اور کمزور لوگوں کو ظلم سے بچانا چاہتی ہیں۔ انھیں حکومت کا اہل اور اس کا وارث بنانا چاہتی ہیں۔ (56)

(تعلیماتِ انبیاؑ میں ایک انقلابی کے لیے توحید پر ایمان کی شرط)

پھر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انبیاؑ میں سے شرائع الٰہیہ کے آئمہ اور ان کی اتباع کرنے والے لوگ یہ شرط لگاتے ہیں کہ ان کی انقلابی جماعت میں جو آدمی داخل ہو، وہ توحیدِ خداوندی کو ماننے والا ہو، مشرک نہ ہو۔ اس میں حکمت کیا ہے؟ جو بات میرے نزدیک تحقیقی طور پر ثابت ہوچکی ہے، وہ یہ ہے کہ جو آدمی فائدوں کے حصول اور نقصان دہ چیزوں سے بچنے کے لیے اپنے رب، خالق و مالک کو چھوڑ کر کسی اور پر اعتماد کرے گا، اسے اپنے آپ پر بھی پورا اعتماد حاصل نہیں ہوسکتا۔

(انسانی روح کا بنیادی تقاضہ اور "محبتِ ذاتیہ" کی حقیقت)

اس سلسلے میں امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ **"حجة اللّٰه البالغه"** کے "**باب الایمان**" میں "**العبادة حق اللّٰه تعالٰی علٰی عباده**" (انسانوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں) کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

"جاننا چاہیے کہ انسان کی روح میں ایک نورانی لطیفہ ہے، جو طبعی طور پر اللہ کی جانب ایسا میلان اور جھکاؤ رکھتا ہے، جیسا کہ لوہا مقناطیس کی طرف کشش رکھتا ہے۔ یہ ایک ایسا پہلو ہے، جو وجدانی طور پر معلوم ہوتا ہے ..... اللہ کی طرف اس نقطۂ نورانی کے میلان کو "محبتِ ذاتیہ" کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ جیسا کہ دیگر تمام وجدانی چیزوں کی ہوتی ہے۔ کہ جن کے لیے عقلی دلائل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جیسے بھوکے آدمی کی بھوک اور پیاسے کی پیاس .....وہ تمام کام جنھیں انسان کے لیے کرنا ضروری ہے۔ وہ درحقیقت اس لطیفہ نورانیہ کا حق ہے۔ جو اللہ کی طرف کھینچتا ہے ..... یہ بات چوں کہ بہت گہرائی کی حامل ہے۔ نیز باریک بینی سے

معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے اس لطیفے کو انسانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کے سوا عام طور پر لوگ نہیں جانتے۔ اس لیے ضروری تھا کہ ''حق'' کی نسبت ان چیزوں کی طرف کی جائے جن کی طرف اس لطیفۂ نورانیہ کا میلان اور جھکاؤ ہوتا ہے۔ اور جس کو مقصود بنایا جاتا ہے.....

جب ہم نے یہ کہا کہ ''عبادت کرنا اللہ کے بندوں پر اللہ کا حق ہے''، تو یہ دراصل اختصار ہے اس بات کا کہ اس لطیفۂ نورانی کا حق ہے کہ وہ اللہ کی طرف اپنا میلان اور جھکاؤ رکھے۔ مناسب ہے کہ اسی پر قرآن کا حق، رسول کا حق، مولیٰ کا حق، والدین کا حق، رشتہ داروں کے حقوق وغیرہ کو قیاس کرلیا جائے۔ دراصل یہ تمام حقوق اس کے نفس پر اس اللہ کا حق ہے، تاکہ اس کے کمالات کی تکمیل ہوسکے۔ لیکن حق کی نسبت اس طرف کردی گئی، جس کے ساتھ اس قسم کا معاملہ پیش آیا۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو اور ظاہر پرستوں کی طرح مت ہو، بلکہ اصل حقائق تک پہنچنے والے محققین کی طرح بنو!'' انتھٰی بتصرّف (57)

(توحیدِ الٰہی سے انسان میں اپنے آپ پر اعتماد پیدا ہوتا ہے)

میں کہتا ہوں کہ اس قیاس کی بنیاد پر **إعتماد علی اللّٰه** کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کے تعلق سے ہمارے اندر اپنے آپ پر اعتماد کرنا آجائے۔ جب کسی آدمی کو اپنے آپ پر اعتبار کرنے کے لیے کسی دوسرے آدمی کو واسطہ بنانے کی ضرورت نہ رہے تو وہ پکا موحد بن جاتا ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے ہوجاتا ہے، جنھیں اپنے اوپر پورا اعتماد ہے۔ وہ ان لوگوں سے علاحدہ ہوجاتا ہے، جنھیں اپنے اوپر اعتماد کرنے کے لیے کچھ لوگوں کے واسطے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ بات کسی ایسے آدمی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ جو انقلاب کے معنی جانتا ہو۔ نیز یہ کہ انقلاب کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک انسان کو اپنے اوپر مضبوط اعتماد نہ ہو۔

شریعت کی زبان میں رجعت پسندی دو طرح ثابت ہوتی ہے:

ایک تو انقلابی پروگرام کو چھوڑ دینے سے رجعت پسندی پیدا ہوتی ہے۔ اب ارتداد کی سزا صرف اس لیے ہے کہ وہ انقلاب میں رجعت پسند واقع ہوا ہے۔

دوسرے؛ اس صورت میں کہ وہ انقلاب کے نصاب کو پورا نہیں کرسکا۔

واللّٰه سبحانهٗ أعلم (اللہ سبحانہٗ زیادہ جانتا ہے)

فصل (6): (سلاطینِ دہلی کی تاریخ کا مطالعاتی تجزیہ)

ہم یہ چاہتے ہیں کہ سلاطینِ دہلی کی تاریخ کا جو مطالعہ ہم نے کیا ہے۔ اس کا کچھ تھوڑا سا تذکرہ یہاں

پر کردیں۔ جیسا کہ ہم نے سلاطینِ استنبول کے حوالے سے اپنے مطالعے کے کچھ پہلوؤں کے بارے میں چند اشاروں کا ذکر گزشتہ فصل (باب نمبر 7، فصل 1) میں کیا ہے۔ کیوں کہ یہ طرزِ تفکر ہی عالمی انقلاب کے مطالعے کے لیے بنیاد واساس کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی سے اس نظریے کے نظائر وشواہد ہمارے سامنے واضح ہوتے ہیں، جس کا تذکرہ ہم نے پانچویں فصل میں کیا ہے۔

(سلطان جلال الدین اکبرؒ کی سلطنت کے چند بنیادی پہلو)

۹۸۷ھ (1579ء) میں سلطان جلال الدین محمد اکبر **غفر الله له و أنار بُرهانهٗ** (اللہ ان کو معاف فرمائے، اور ان کے اچھے کاموں کو زندہ رکھے) کے زمانے میں ہندوستانی سلطنت کا طرزِ حکومت ''اسلامیت'' سے ''وطنیت'' میں تبدیل ہوگیا تھا۔اس طرح ہندوستانی حکومت **"السلطنة الملّية الو طنية"** (قومی ملّی حکومت) کے پروگرام کے مطابق کام کرنے لگی تھی۔

ہندوستانی سلطنت میں یہ تبدیلی درجِ ذیل چند مقاصد کے حصول کی ایک تدبیر تھی:

1۔ ایک مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کے ایسے غیرمسلم جو اپنے ہم وطن ہندوستانی اور افغانی ہونے کی وَجہ سے سلطان شیرشاہ سوریؒ کی جانب مائل تھے، انھیں مغل حکومت کے ساتھ وابستہ کیا جائے۔

2۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ عدل وانصاف کے قیام میں مسلمان اور غیرمسلم کے درمیان کوئی فرق اور تمیز پیدا نہ کیا جائے۔

3۔ تیسرا مقصد یہ تھا کہ ایران کی صفوی حکومت کے حق میں اپنے خلوص کا اظہار کیا جائے۔ اس لیے کہ اکبر بادشاہ کے والد سلطان نصیرالدین ہمایوں نے سلطان شیرشاہ سوری کی اولاد سے اپنی مملکت واپس لینے کے لیے جب ایرانیوں سے مدد مانگی تھی تو ہندوستانی سلطنت میں ایرانیوں کے بعض حقوق تسلیم کرنے کا معاہدہ بھی ان سے کیا تھا۔

اس طرح جلال الدین اکبر نے اپنے آپ کو ہندوستانی ممالک پر خلیفہ کے طور پر فائز کرلیا تھا۔

اس کے بعد اس کے بیٹے سلطان نورالدین جہاں گیر کے زمانے میں بھی سلطنت انھی اصولوں پر چلتی رہی۔

اس کے بعد اس کے بیٹے سلطان شہاب الدین شاہ جہاں نے بعض کاموں میں مناسب اصلاح کے بعد سلطنت کو اسی طرح چلائے رکھا۔

جب سلطان شاہ جہاں ۱۰۶۹ھ (1659ء) میں فالج کی وَجہ سے سلطنت کا نظام چلانے سے معذور ہوگیا تو اس کے ولی عہد اور سب سے بڑے بیٹے ''داراشکوہ'' نے زمامِ سلطنت سنبھالی۔ دارا شکوہ سیاستِ وطنیہ کے اصول پر سختی سے کاربند تھا۔ وہ سلطنت کے مختلف عناصر کے درمیان مساوات کے اصول کو بہت

زیادہ سختی کے ساتھ نافذ رکھے ہوئے تھا۔

اسی دوران شاہ جہاں کا تیسرا بیٹا محی الدین عالم گیر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے سلطنت کے حصول کے لیے داراشکوہ کے ساتھ لڑائی لڑی۔ بالآخر اس پر غالب آگیا۔ جب اس کی حکمرانی کا غلبہ قائم ہوگیا تو اس نے ۱۰۶۹ھ (1659ء) میں ہندوستانی سلطنت کی تنظیم نو کرتے ہوئے اُسے ’’خلافتِ اسلامیہ‘‘ کے اصول پر قائم کرنے کی پوری کوشش کی۔

فصل (7): (سلطان جلال الدین اکبرؒ کی سلطنت کا تحلیل وتجزیہ)

سلطان جلال الدین اکبر کے زمانے میں ہندوستانی سلطنت کا مرکزی دفتر چار قسم کے وزرا اور اُمرا کا مجموعہ تھا:

1۔ تورانی اُمرا: یہ اُمرا شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور یہ سنی حنفی تھے۔

2۔ ایرانی اُمرا: یہ اُمرا شیعہ امامیہ مسلک رکھتے تھے۔

3۔ ہندوستانی مسلمان اُمرا: (یہ شاہی خاندان کے علاوہ دیگر مسلمان اُمرا تھے۔) انھی میں سے افغانی بھی شمار کیے جاتے تھے۔ یہ بھی تورانیوں کی طرح حنفی تھے۔

4۔ ہندوستانی غیر مسلم اُمرا۔

سیاسی درجے کے اعتبار سے یہ چاروں عناصر مساوی حیثیت کے مالک تھے۔ اس حوالے سے کسی مسلمان کو کسی غیر مسلم پر کوئی فوقیت حاصل نہ تھی۔ اور نہ ہی کسی سنی کو کسی امامی شیعہ پر کوئی بالادستی حاصل تھی۔ اسی لیے انھوں نے غیر مسلموں پر سے جزیہ ختم کردیا تھا۔ انھیں وزارت، نظامت اور قیادت ایسے حکومتی مناصب کی ذمہ داریوں میں اپنے ساتھ شریک کرلیا تھا۔ اس طرح تقریباً 80 سال کا عرصہ گزر گیا۔

سلطان (جلال الدین محمد اکبر) اور اس کے اکثر اُمرا اگرچہ حنفی تھے، لیکن حکومت کے اداراتی نظام کے بنیادی ستون کی حیثیت میں شیعہ اور غیر مسلم بھی برابر کے شریک تھے۔ شیعہ اُمرا مصالح مرسلہ (لوگوں کی عمومی مصلحتوں) کو سمجھنے میں بڑی فراخ دلی کا ثبوت دیتے تھے۔ اس لیے کہ یہ لوگ (بارہویں) امام کے ظاہر نہ ہونے کی وَجہ سے شریعت پر عمل کرنے کو اپنے لیے ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ اس طرح یہ لوگ اُن غیر مسلموں کے ساتھ اتحاد رکھتے تھے، جو اپنے شہروں کی عمومی مصلحتوں کو اچھی طرح جانتے تھے۔ نیز ہندوستانی غیر مسلم اُمرا مالی معاملات یعنی ٹیکس وغیرہ کا درست نظام قائم کرنے میں بھی بڑی مہارت رکھتے تھے۔

اس زمانے میں عام لوگوں کی اکثریت بالکل عضوِ معطل بنی ہوئی تھی۔ اس لیے کہ ان میں اجتہاد کی قوت وصلاحیت بالکل نہ تھی۔ اگرچہ ایک جماعت ایسی تھی جو مجتہد فی المذہب کے درجے پر فائز تھی۔ یہ

لوگ چاہتے تھے کہ سلطنت میں ''وطنیت'' کی جگہ پر''اسلامیت'' کا انقلاب پیدا ہوجائے۔ اس مسلک کی ایسی علمی سیاسی جماعت کی تنظیم سازی کے رہنما امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تھے۔

فصل (8): (سلطان محی الدین عالمگیرؒ کا تجدیدی کام)

بارھویں صدی کے شروع میں سلطان محی الدین محمد عالمگیر **قدّس اللّٰہ سرّہٗ العزیز** امام اور مجدد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے ہندوستان کی سلطنت کے طرزِ حکومت کو ''وطنی اجتماعیت'' کے دائرے سے نکال کر ''دینی اسلامی سلطنت'' کی صورت میں قائم کرنے کا تجدیدی کام کیا۔ انھوں نے ہندوستان کی مختلف زبانیں بولنے والی اور بہت سے مذاہب رکھنے والی بیس کے قریب ہندوستانی ریاستوں پر اپنی حکمرانی قائم کی۔ انھوں نے ہندوستان پر کمالِ متانت اور تدبر کے ساتھ تقریباً پچاس سال حکومت کی اور خلافتِ اسلامیہ کا اعلان کر دیا۔ لیکن جب انھوں نے حجازِ مقدس کی خدمت کے لیے اس کو اپنے دائرۂ حکومت میں لانے کی کوشش کی تو انھیں اس کی توفیق نہ ہوسکی۔

یہاں ہم سلطان عالمگیر کے حالاتِ زندگی "**سلک الدّرر**" سے نقل کرتے ہیں:

''سلطان محمد اورنگزیب عالمگیر ہمارے زمانے میں ہندوستان کے بادشاہ ہیں۔ امیرالمؤمنین ہیں اور مسلمانوں کے امام ہیں۔ مسلمانوں کے لیے ایک اہم ستون کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کو منظّم کرنے والے ہیں۔ مجاہد فی سبیل اللہ ہیں۔ عالم اور علامہ ہیں۔ صوفی اور عارف باللہ ہیں۔ کفر کو مٹانے والے اور دین کو قائم کرنے والے ہیں۔ اسلام کو مضبوط کرنے والے ہیں۔ ہندوستان میں اس کی روشنی کو پھیلانے والے ہیں۔ اللہ کے کلمے کو بلند کرنے والے ہیں۔ وہ زمانے کی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہیں۔ ان کے نظامِ سلطنت کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

انھوں نے ۱۰۶۸ھ (1658ء) میں نظامِ مملکت چلانا شروع کیا۔ اللہ نے ان کے ذریعے سے ہندوستان والوں کے لیے بڑی بھلائی پیدا کی کہ انھوں نے وہاں سے ظلم ختم کر دیا۔ ٹیکس معاف کر دیے۔ ہندوستانی اُفق پر عدل وانصاف کا سورج طلوع ہوگیا۔ ہندوستان میں علم وشعور کی حکمرانی قائم ہوگئی۔ اہل علم کو اتنے اونچے درجے پر پہنچا دیا کہ دنیا کے تمام شہروں سے لوگ وہاں پہنچنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اپنے زمانے میں اُن جیسا مسلمانوں میں کوئی بادشاہ نہیں ہے۔ حسن سیرت میں، اللہ سے ڈر اور خوف کرنے میں، عبادت میں مشغول ہونے میں ان کا کوئی نظیر نہیں ہے۔ انھوں نے اپنے علاقے کے حنفی علما کو حکم دیا تھا کہ وہ ان کے نام سے ایک فتاویٰ جمع کریں، جس میں اس دور میں انسانی ضرورت کے تمام احکاماتِ شرعیہ حنفی مذہب کے مطابق جمع کر دیے

جائیں۔ یہ کتاب کئی جلدوں میں جمع ہوکر تیار ہوئی اور اس کا نام ''فتاویٰ عالم گیری'' رکھا گیا۔ یہ فتاویٰ تمام مسلمان علاقوں حجاز، مصر، شام، روم میں بڑی شہرت رکھتا ہے۔اس کا نفع تمام لوگوں کو ہوا۔تمام مفتیوں کے لیے یہ کتاب مرجع بن گئی۔

اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ اسی طرح حکومت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ماہِ ذی قعدہ ۱۱۱۸ھ (فروری 1707ء) میں ان کا انتقال ہوگیا۔اس طرح انھوں نے اپنی حکمرانی کے پچاس سال گزارے۔اللہ تعالیٰ اُن پر اپنی وسیع رحمت نازل فرمائے۔'' انتھٰی **ملخص سلک الدّرر** (58)

فصل (9): (عالم گیری عہد کا تحلیل وتجزیہ)

سلطان محی الدین عالم گیرؒ نے غیر مسلموں کو دوبارہ ذمّیین کے رُتبے پر پہنچا دیا۔ان پر جزیہ لگا دیا۔ ان سے اُمورِ مملکت میں مساوات کی بجائے ضرورت اور حاجت کے مطابق تعاون لیا۔ اسی طرح سلطان نے جنوبی ہندوستان کی حکومتوں کو بھی اپنے زیرِنگیں کرلیا، جو شیعہ اُمرا کے قبضے میں تھیں۔ اس کے نتیجے میں ایرانی حکومت خوف زدہ ہوگئی اور ہندوستانی شیعہ بھی ناراض ہوگئے۔

اب سلطان کے بااعتماد لوگ سوائے تورانی اور ہندوستانی حنفیوں کے اور کوئی نہ رہے۔ سلطان کی اصلاح وتجدید کا کام علما ومشائخ، اُمرا اور عوام سب میں سرایت کرگیا۔انھوں نے آگے بڑھ کر بہت سے اُمور میں حصہ لینا شروع کردیا۔ چناں چہ ایسے علمی مدارس منظّم کیے گئے جن میں تمام علوم کی تعلیم وتعلّم کا خرچ بیت المال سے کیا جانے لگا۔اور قضا و اِفتا کے معاملات میں ''فتاویٰ عالم گیری'' پر اعتماد کی وَجہ سے علما کے درمیان کوئی فقہی اختلاف باقی نہ رہا۔

(دینی حکومت کے ضروری لوازمات اور تقاضے)

لیکن دینی حکومت کو قائم کرنے اور اسے برقرار رکھنے کے لیے اس کے علاوہ بھی چند چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسی حکومت کے لیے یہ لازمی اور ضروری تھا کہ اہلِ حل وعقد کے مرکزی اجتماع میں ایسے لوگوں کی اکثریت ہونی چاہیے جو:

1۔ دین کے اصول اور فروع میں تحقیق واجتہاد کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

2۔ ان میں فقہی اَخذ واستنباط اور قانون بنانے کا پورا پورا ملکہ ہو اور حکمتِ عملی تشکیل دینے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوں۔

3۔ اگر بنائے ہوئے قانون کی ظاہری شکل وصورت، قانون کی اصل روح اور مقاصد کو پورا نہ کر

رہی ہو تو قانون کی اصل روح کے مطابق نئی قانونی شکل ترتیب دینے کی صلاحیت کے حامل ہوں۔

4۔ ایسے ہی وہ اُن مصالح مرسلہ (عمومی مصلحتوں) کے مطابق عمل کریں۔ جن کا اعتبار اکثر اہل رائے کریں اور وہ ان پر متفق ہو جائیں۔

5۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ عقل مند لوگوں کا مرکزی اجتماع اور ان کا محل مشاورت، حکومت کے مرکزی دفتر سے قریبی رابطہ رکھے۔

ایسی خصوصیات کی حامل جماعت چند دنوں میں پیدا نہیں ہوسکتی تھی۔ ہاں اگر گزشتہ زمانوں سے پورے تسلسل کے ساتھ انسانیت کو فائدہ پہنچانے والے مشائخ کا سلسلہ قائم رہتا تو ایسی جماعت کا قیام ممکن تھا۔ جب کہ سلطان کے زمانے سے تقریباً سو سال پہلے سے ایسا سلسلہ ختم ہو چکا تھا۔ جب کہ مدارس کا یہ حال تھا کہ وہاں سے کوئی ایسا فرد نہیں نکل رہا تھا، جیسا کہ سلطان شیر خان (شاہ) سوری تھا۔ اور نہ ہی (وزیراعظم) علامہ سعد اللہ جیسے لوگ پیدا ہو رہے تھے۔

(عالمگیری سلطنت کے اثرات)

حکیم الہند، حضرت الامام، شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کی تربیت یافتہ جماعت اگرچہ عالم گیری تجدید کا نتیجہ ہے، لیکن سلطان کو اپنا نظامِ مملکت چلانے کے لیے جیسی تنظیم کی ضرورت تھی، وہ ولی اللّٰہی جماعت کی صورت میں سلطان کے انتقال کے ساٹھ سال بعد پیدا ہوسکی۔ یہ وہ دور تھا، جب سلطنت کے تمام اجزا میں کمزوری کے اثرات سرایت کر چکے تھے۔ اس لیے کہ جب اللہ نے سلطان کو اپنے پاس بلا لیا تو ایک طرف ہندوستانی غیر مسلموں میں سے مرہٹہ اور سکھ سرداروں نے بغاوت کر دی اور دوسری طرف شیعہ امامیہ کا غضب بھی بھڑک اُٹھا، جب کہ سلطان کے بعد آنے والے کسی بادشاہ میں یہ صلاحیت نہیں تھی کہ وہ اُس کی سیاست کے مطابق نظام کو جاری رکھ سکے۔ ایسی صلاحیت نہ اُس کے خاندان میں تھی، نہ اس کے متبعین میں تھی، نہ اُمرا اور علما میں تھی۔

ہندوستان کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے کو مزید تعجب اس وقت ہوتا ہے، جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ سلطان محی الدین عالمگیرؒ کے تخت پر بیٹھنے والا اس کا سب سے بڑا بیٹا سلطان بہادر شاہ امامی شیعہ تھا۔ پھر سلطان بہادر شاہ اول کے بعد مرکزی دفتر میں اختلافات سرایت کر گئے۔ یوں اس میں کمزوری آ گئی۔ پھر باہمی لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جب شیعہ امامیوں کا تسلط ہوا تو انھوں نے سنیوں کو ذبح کیا، جیسا کہ فرخ سیر کے زمانے میں ہوا۔ جب تورانیوں کا غلبہ ہوا تو انھوں نے شیعوں کو قتل کیا، جیسا کہ محمد شاہ کے زمانے میں ہوا۔

دوسری طرف مرہٹہ باغی ہر دن بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ اس لیے کہ ان کی مدد وہ تمام اُمرا کر رہے تھے جو مغلوب ہو چکے تھے۔ یہاں تک کہ وہ جنوبی ہندوستان میں ٹیکس وصول کرنے میں سب سے پہلے شریک ہوئے۔ پھر وہ شمالی ہندوستان کے کچھ علاقوں پر غالب آ گئے۔ جب سلطنت کی کمزوری ظاہر ہوگئی تو ایران سے نادر شاہ آ گیا۔ اس نے دارالخلافت (دہلی) کو لوٹ لیا۔ جو لوگ وہاں تھے، انھیں قتل کر دیا۔ اس کے کچھ عرصے بعد احمد شاہ (ابدالی) افغانی آ گیا، جس نے قندھار اور کابل پر غلبہ پا لیا تھا۔ اُس نے ہندوستان میں غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔

فصل (10): (شاہ ولی اللہؒ کا نظریۂ انقلاب)

محمد شاہ کے زمانے سے لے کر احمد شاہ (ابدالی) افغانی کے آخری عہد تک ہندوستانیوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا تھا، حکیم الہند، حضرت الامام، شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کا بخوبی مشاہدہ کر رہے تھے۔ اس کے نتیجے میں آپؒ سیاسی انقلاب کی روح اور اس کے تقاضے پر متنبہ ہوئے۔ انھوں نے اسی نقطۂ نظر سے اپنی کتاب "حجة اللّٰه البالغه" وغیرہ میں فلسفۂ شرعیہ کی تدوین و ترتیب کی۔ لوگوں کو اپنے افکار کی اتباع کرنے کی دعوت دی۔ انھوں نے اس بات کی تصریح کی کہ وہ اس دور کے امام ہیں۔ انھوں نے یہ بھی دیکھا کہ زمین ایک بہت بڑے انقلاب کے لیے تیار ہو چکی ہے۔ لیکن اُس زمانے کے اہلِ حل وعقد اس طرف متوجہ نہیں ہو رہے۔ عزت و مرتبت کی طرف واپس لوٹنے کے جتنے بھی امکانات تھے، حکمران طبقوں نے انھیں گنوا دیا۔

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے "حجة اللّٰه البالغه" میں اپنا نظریۂ انقلاب تحریر کرتے ہوئے فرمایا:

"**وما تراه من ملوک بلادک یغنیک عن حکایاتهم (أی قیصر وکسریٰ).**" (59)

"وہ جو تم اپنے علاقے کے بادشاہوں کی عیاشیوں کو دیکھتے ہو تو یہ تمھیں قیصر و کسریٰ کے واقعات سے مستغنی کر دیں گی۔"

شاہ صاحبؒ کے اس جملے میں اس بات کا اشارہ تھا کہ یہ لوگ بھی انقلاب کے مستحق ہیں، جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قیصر و کسریٰ کے خلاف انقلاب برپا کرنا ضروری تھا۔

پھر شاہ صاحبؒ نے اپنی کتاب "**التّفهیمات الإلٰهیه**" میں ہندوستانی سوسائٹی کی تمام جماعتوں کی خرابیوں کو بیان کیا اور انھیں اس کے انجام سے ڈرایا۔ (60)

اس کے بعد ہوا یہ کہ قریب زمانے میں ہی یورپ کی اقوام مسلح ہو گئیں اور ہندوستان آ پہنچیں۔ انھوں

نے ان اصولوں کو اپنے پیش نظر رکھا، جنھیں امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے انقلاب کے لیے تحریر کیا تھا۔ چناں چہ انھوں نے ہندوستان پر غلبہ پالیا۔ یہ اُن لوگوں کی سزا ہوتی ہے، جو سچائی سے اعراض کرتے ہیں اور حق سے روگردانی کرتے ہیں۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ [illegible] (61)

(اے ہمارے پروردگار! ہمیں معاف فرما اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی معاف فرما، جو ہم سے پہلے ایمان لائے تھے۔)

فصل (11): (ولی اللّٰہی جماعت کا کام اور ہندوستان پر برطانیہ کا تسلط)

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بعد ان کے بیٹے حضرت الامام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اپنے والد کے انقلابی فلسفے پر تنظیم سازی کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے عام مسلمانوں میں سے ایک علمی اور انقلابی جماعت منظّم کردی۔

(سید احمد شہیدؒ کی جدوجہدِ آزادی)

انھوں نے ۱۲۳۱ھ بمطابق 1816ء سے کام شروع کردیا تھا۔ یہی وہ جماعت ہے، جس نے (حضرت سید احمد شہیدؒ کی قیادت میں) افغانیوں کے پہاڑی علاقے ''پنج تار'' میں ۱۲۴۲ھ بمطابق 1828ء میں ایک حکومت قائم کی تھی۔ پھر بعض اُمرا کی خیانت اور ریاستی جھگڑوں میں ان کی سازشوں کی وَجہ سے یہ جماعت شہید ہوگئی۔

(1857ء کی جدوجہدِ آزادی)

جب برطانوی حکمرانوں نے (مغل حکومت کے ساتھ کیے گئے) معاہدات کی شرائط اور حدود و قیود سے تجاوز کیا تو ہندوستانی لوگ ۱۲۷۳ھ (1857ء) میں ان کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔

اس کام کی ابتدا کرنے والے امام عبدالعزیز دہلویؒ کی تربیت یافتہ جماعت کے لوگ تھے۔ انھی لوگوں نے اس جنگِ آزادی کی دعوت دی تھی۔ یہی لوگ کثرت سے اس جنگِ آزادی میں شہید بھی ہوئے۔ لیکن ریاستوں کے نوابوں اور جاگیرداروں نے برطانویوں کی مکمل مدد کی۔ اس کے نتیجے میں اس جنگِ آزادی میں ہزارہا ہندوستانی قتل ہوگئے۔ حتیٰ کہ ہندوستانیوں نے ہی ایک دوسرے کو قتل کیا۔

اس کے بعد ۱۲۷۴ھ (1858ء) میں (انگریزوں کی) ایک چھوٹی سی جماعت ایک بہت بڑی (ہندوستانی) قوم پر غالب آگئی۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ [illegible] (62)

(اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے کام میں جو ہم سے زیادتی ہوئی ہے اور ہمارے قدم ثابت رکھ اور کافروں کی قوم پر ہمیں مدد دے۔)

فصل (12): (استنبول سے حجاز تک کا سفر)

میں نے سلاطین دہلی کے شاہی محلات نہیں دیکھے۔ نہ دہلی میں اور نہ دیگر جگہوں میں۔ اسی طرح میں استنبول میں سلاطین عثمانیہ کے محلات دیکھنے کے لیے بھی ان میں داخل نہیں ہوا۔ مجھے اس پر بہت افسوس ہوا، جو کچھ میں نے بخارا میں دیکھا کہ وہاں مسجدیں اور مدرسے لوگوں سے خالی اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔

میں (5 جون 1926ء کو) استنبول سے نکلا اور اِٹلی اور سوئٹزرلینڈ پہنچا۔ وہاں میں نے ہندوستانی اور یورپین افراد سے ملاقات کی۔ میں نے جدید اِٹلی کی سیاست کا بھی تھوڑا بہت مطالعہ کیا۔ پھر مجھے افریقہ کے ساحل (ایری ٹیریا کی بندرگاہ) پر اطالوی نوآبادی ''مصوّع'' نامی شہر کی طرف سفر کرنے کی سہولت حاصل ہوگئی۔

اس طرح میں ۵/صفر ۱۳۴۵ھ (15 اگست 1926ء) کو ''مصوّع'' سے حجاز پہنچا۔ (63) پس اللہ کا بہت شکر ہے کہ اس نے مجھے بلدالله الأمین (مكّةُ المكرّمه) میں پہنچنے کی ایسے وقت توفیق عطا فرمائی، جب کہ اسلام قبول کیے ہوئے میری عمر کے چالیس سال پورے ہو چکے تھے۔ **و آخر دعوانا أن الحمد لله ربّ العالمين.**

آٹھواں باب: اُمّ القریٰ (مکہ مکرمہ) میں قیام

فصل (1): (مکہ مکرمہ میں قیام کی نوعیت)

کاش میں ۱۳۴۴ھ (جون 1926ء) کے موسمِ حج میں اُمّ القریٰ (مکہ مکرمہ) پہنچ جاتا۔ اس طرح ہندوستان سے آنے والے اپنے ان ہندوستانی دوستوں کے اجتماع میں شریک ہوجاتا، جو **"مؤتمر اسلامی"** میں شرکت کے لیے آئے تھے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اگر ہماری ملاقات اور باہمی مذاکرات کا عمل پورا ہوجاتا تو ہمارا سیاسی پروگرام پہلے سے زیادہ مہارت اور عمدگی لیے ہوتا، لیکن میں صفر ۱۳۴۵ھ (15 اگست 1926ء) کو اس وقت مکہ مکرمہ پہنچا، جب کہ ہمارے دوست ہندوستان واپس لوٹ چکے تھے۔

مکہ آنے کے بعد، کچھ دن میں نے عرب رہنماؤں کے بیانات اور ان کی آرا اور عرب تحریک کی تاریخ کے مطالعے میں گزارے۔ اس مطالعے سے میرے اس فکر میں کوئی تغیر و تبدل واقع نہیں ہوا، جو استانبول کے قیام میں، مَیں نے اپنے لیے مقرر کرلیا تھا۔ بلکہ میرے سامنے سے چند ایسی غبار آلود باتوں سے پردہ ہٹا، جن کا تعلق عربوں اور ترکوں کے باہمی اختلاف کے اسباب سے تھا۔ چناں چہ میں نے لوگوں کے سامنے اس بات کی صراحت کردی کہ میں ہندوستان کے پروگرام پر ہی کام کروں گا۔ سیاستِ عربیہ سے میرا کوئی تعلق نہ ہوگا۔ (64)

(میرا مطمحِ نظر؛ تعلیم و تربیت اور تنظیم)

اسی دوران مَیں نے ایک خواب دیکھا کہ ہمارے استاذ حضرت شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) مجھ سے فرما رہے ہیں کہ:

> ''تم جب آگ جلالو، اور روٹی پکالو، تو میں تمھیں اپنی جماعت میں ضم کردوں گا۔ یوں تمھیں اپنی جماعت میں سے بنالوں گا۔''

اس خواب کی تعبیر کے حوالے سے میرے دل میں یہ خیال آیا کہ ''آگ جلانے'' سے مراد **''جھاد بالسیف''** ہے۔ ''روٹی پکانے'' سے مراد ایسی تعلیم و تربیت اور تنظیم کا قیام ہے، جو دنیا و آخرت کی برکات سمیٹنے والی ہے۔

جب سے میں اس وادیٔ غیرذی زرع (مکہ مکرمہ) میں پہنچا ہوں اور بیت اللہ الحرام کے سائے میں رہنے لگا ہوں، تو میرا مطمحِ نظر "روٹی پکانا" (یعنی تعلیم وتربیت اور تنظیم) ہی رہا ہے۔

فصل (2): (تاریخ اسلام کا مطالعہ)

اس طرح میں اپنے اکثر اوقات تاریخ اسلام کے مطالعے میں خرچ کرنے لگا۔ پھر ہندوستان کی تاریخ کا مطالعہ ان نظریات کے حوالے سے کرنے لگا، جو ہم نے اپنے سیاسی پروگرام کے حوالے سے قائم کیے تھے۔ اس کے باوجود کہ ضروری کتابوں کا ذخیرہ ایک جگہ پر اکٹھا نہ ملنے کی وَجہ سے بہت سی رُکاوٹیں میرے سامنے حائل تھیں۔ میرا دل اس وَجہ سے بھی پریشان رہتا تھا کہ ہندوستان کے رہنے والوں میں دن بدن بزدلی اور کم ہمتی بڑھتی جا رہی ہے۔ ایسے حالات میں تصوف اور سلوک سے لگاؤ رکھنے والی ایک جماعت میں نے ایسی دیکھی، جس کا رُجحانِ فکر اِن افکار کی طرف تھا۔

(فلسفہ اور حکمت کے بارے میں البیرونی کی رائے)

ابوریحان البیرونی نے لکھا ہے:

"فلسفہ اور حکمت کے ظہور سے پہلے قدیم یونانیوں میں ایسے سات لوگ گزرے ہیں، جنھیں "**أساطين الحكمه**" (حکمت کے ستون) کہا جاتا ہے۔ .... (65)

ان کے نزدیک ــــ بعد میں پیدا ہونے والے فلاسفہ کے مقابلے پر ــــ فلسفے کی تہذیب و ترتیب ہندوستانی فلاسفہ کے طے کردہ اصولوں کے طرز پر تھی۔ ان میں سے کچھ لوگ:

1۔ ایسے ہیں جو کہ تمام اشیا کو شیٔ واحد (وحدت الوجود) کے طور پر دیکھتے تھے۔ پھر ان میں بھی درجِ ذیل گروہ تھے:

(ا) بعض "کونیاتی وحدت" کے قائل تھے۔

(ب) بعض "قوت وطاقت کی وحدت" کے قائل تھے۔

اور یہ کہ مثلاً انسان، پتھر اور دیگر تمام جامد چیزوں سے صرف اس لیے فضیلت رکھتا ہے کہ وہ مرتبے کے اعتبار سے "علتِ اولیٰ" کے قریب تر ہے۔ ورنہ وہ بعینہٖ وہی ہے۔

2۔ بعض لوگ ایسے تھے، جو کہ "علتِ اولیٰ" کے اعتبار سے صرف "وجودِ حقیقی" کو ہی اصل سمجھتے تھے۔ اس لیے کہ وہ اپنے ذاتی وجود میں دیگر تمام اشیا کے محتاج نہیں ہیں اور دیگر تمام چیزیں اس کی محتاج ہیں۔ جو چیز اپنے وجود کے لیے دوسرے کی محتاج ہو، تو اس کا

وجود محض ایسا خیال ہے، جو غیر حقیقی ہے۔ اور حق صرف وہی ''واحدِ اوّل'' ہی ہے۔

یہ تمام آرا ''سوفیہ'' یعنی ''حکما'' کی ہیں۔ اس لیے کہ یونانی زبان میں ''سوف'' کا معنی ''حکمت'' ہے۔ اور اسی وَجہ سے ان کا نام ''فیلسوف'' (پیلا سوپا) رکھا گیا۔ یعنی ایسے لوگ، جو حکمت اور فلسفے سے محبت رکھتے ہیں۔ اور جب ایسی قوم اسلام میں داخل ہوئی، جن کی رائے ان لوگوں کے قریب قریب تھی تو ان کا نام بھی یہی رکھ دیا گیا۔'' انتہیٰ (66)

ایسے ہی عبدالعزیز الاسلامبولی نے ''معرفت'' میں ذکر کیا ہے۔

وللّٰہ الحمد۔

(تصوف، حکمت اور احسان کی حقیقت)

میری تحقیق کے مطابق ''صوفیا'' کا لفظ یونانی زبان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا معنی ''حکمت'' ہے۔ جو لوگ اسے عربی زبان کا لفظ قرار دیتے ہیں اور اس کو ''صوف'' (اُون) یا ''صفا'' (پاکیزگی اور صفائی) سے مشتق بنانے کی کوشش کرتے ہیں، وہ بڑی دور کی کوڑی لاتے ہیں۔ پھر یہ لفظ ''صوفیا'' مسلمانوں کے عرف میں ''عارف'' کے معنی کے لیے مخصوص ہوگیا۔ یعنی ایسا عالم جو ''حکمتِ الٰہیہ اشراقیہ'' کی معرفت رکھتا ہو۔ جیسا کہ ''متکلم'' کا لفظ ایسے عالم کے لیے بولا جاتا ہے، جو ''حکمتِ الٰہیہ مشائیہ'' کی معرفت رکھتا ہو۔

بعض اہلِ علم کو یہاں پر بڑا شبہ لگا کہ انھوں نے ''احسان'' کو ''تصوف'' کے مشابہ اور ''عقائد'' کو ''کلام'' کے مشابہ سمجھ لیا۔ اس لیے کہ انھوں نے جب مسلمانوں کے اماموں میں سے ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ ''احسان'' اور ''تصوف'' کو جمع کر کے بیان کرتے ہیں، جب کہ ایک دوسری جماعت کو دیکھا کہ جو ''عقائد'' اور ''کلام'' کو جمع کر کے بیان کرتے ہیں۔ اس وَجہ سے وہ ان دونوں میں فرق و امتیاز نہ سمجھ سکے۔ اس طرح ان پر غلط رائے کا خبط (سودا) سوار ہوگیا۔

جب کہ امام ولی اللہ دہلویؒ نے ان مباحث کے ایسے تمام شبہات کا ازالہ کر دیا ہے اور پردۂ خفا میں پڑی ہوئی چیزوں کو اچھی طرح کھول کر بیان کر دیا ہے۔

(صوفیا اور حکما کی جد و جہد کا مطالعہ)

خلیفہ مامون الرشید عباسی کے زمانۂ خلافت کے قریب ''اشراقی حکمتِ الٰہیہ'' کے **متحققین** کی اسلام میں داخل ہونے کی ابتدا ہوئی ہے۔ اس زمانے میں صوفیا میں جتنے بھی **''اصحابِ صحو''** (یعنی صاحبِ ہوش و حواس) تھے۔ انھوں نے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کی طرف رجوع کیا ہوا تھا۔ انھوں نے حضرت سری سقطیؒ کی صحبت اُٹھائی تھی۔ انھوں نے حضرت معروف کرخیؒ کی صحبت اُٹھائی تھی۔ انھوں نے حضرت علی رضا بن موسیٰ کاظمؒ کی صحبت اُٹھائی تھی۔

جب کہ "**اصحابِ سُکر**"(بے ہوشی اور جذب کی حالت والے لوگوں) کا مرجع سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامیؒ تھے، جنھوں نے حضرت جعفر صادق بن موسیٰ کاظمؒ کی صحبت اُٹھائی۔ جنھیں شیعہ امامیہ "جعفر کذاب" کا نام دیتے ہیں۔ اس بات کی صراحت امام عبدالعزیز دہلویؒ نے کی ہے۔

حکما کی اس جماعت کا اہم ترین مشغلہ سیاستِ اجتماعیہ میں پورے طور پر داخل ہونا تھا۔ چناں چہ میں دیکھتا ہوں کہ (اس زمانے میں) اہل علم کی دو قسمیں ہوگئیں:

1۔ بعض اہل علم وہ تھے، جو ارتقائی سوچ رکھتے تھے۔ ان کے سیاسی نظریات حکومتِ وقت کے موافق تھے۔ یہ جماعت حکومت میں شامل ہوگئی۔ وہ لوگ قضا وغیرہ ایسے عدالتی اور حکومتی کاموں میں داخل ہوگئے۔

2۔ دوسری جماعت انقلابی خیالات رکھنے والی تھی۔ ان کے سیاسی نظریات حکومتِ وقت سے موافقت نہیں رکھتے تھے۔ انھوں نے "تصوف" کا دامن تھام لیا۔ اس طرح ان کے لیے مذاہب اور رسومات کی قیودات کے بغیر غور وفکر کرنا آسان ہوگیا۔ ان کے اردگرد ایسے لوگ جمع ہونے لگے، جو حکومتوں کے ظلم کی وَجہ سے تکالیف میں مبتلا اور شکست خوردہ تھے۔ انھیں عام مسلمانوں میں خفیہ اور علانیہ طور پر اپنے افکار پھیلانے کا موقع مل گیا۔ ان لوگوں نے یہ سب کچھ علوی حضرات سے حاصل کیا۔ اس لیے کہ وہ بنواُمیہ کے ابتدائی زمانے سے ہی حکومت مخالف سیاست کا مرکز اور انقلاب کا منبع تھے۔

فصل (3): (چھٹی صدی ہجری کے صوفیا کی جدوجہد)

چھٹی صدی ہجری میں، جب کہ خلافتِ عربیہ کی کمزوری کا زمانہ شروع ہوگیا تھا۔ اس زمانے میں اسلام کی مرکزی قوت عجم کی طرف منتقل ہوچکی تھی۔ اس دور میں شیخ امام عبدالقادر جیلانی حسینی بغدادی قدس سرہ پیدا ہوئے۔ وہ "**فاتح دورة جديدة في الجمع بين الإحسان والتصوف**" یعنی تصوف واحسان کو باہم جمع کرنے کے حوالے سے ایک نئے دور کا آغاز کرنے والے ہیں۔

اس دور کے اکثر امام ایسے ہیں کہ جن پر "احسان" کا غلبہ ہے، جب کہ اماموں کی ایک دوسری جماعت ایسی ہے کہ ان پر "تصوف" کا غلبہ ہے۔

اس دور کے اماموں میں سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی، شیخ عبدالخالق غجدوانی، شیخ نجم الدین کبریٰ، شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ معین الدین چشتی اجمیری پہلی جماعت میں شامل ہیں۔

جب کہ شیخ شہاب الدین "**المقتول**" اور شیخ محی الدین محمد بن علی ابن عربی دوسری جماعت میں سے ہیں۔

ان میں امام معین الدین چشتی قدس سرہ نے ۵۶۱ھ (1166ء) میں اُس سال ہندوستان کا سفر کیا، جب کہ امام عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کا انتقال ہوا تھا۔ آپؒ ہندوستان کے مغربی حصے ''اجمیر'' میں تشریف فرما ہوئے۔ حضرت شیخ چشتی اجمیریؒ ہندوستان میں اسلامی سیاست کی روح کا منبع اور نظامِ تعلیم وارشاد کا مرکز ہیں۔

(مولانا غلام علی) آزاد بلگرامی ''مآثر الکرام'' میں لکھتے ہیں:

''سلطان شہاب الدین غوری کو دہلی کے والی رائے پتھورا پر فتح ہوئی۔ یہ سب حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ کے انفاسِ مبارکہ کے سبب ہوا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت خواجہ غزنی کی جانب سے اجمیر میں تشریف فرما ہوئے اور اس مقام میں قیام فرمایا تو اس وقت رائے پتھورا کی جانب سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچی۔

حضرت خواجہؒ نے اس سے مسلمانوں کی سفارش کی۔ غیر سعادت مند رائے پتھورا کو آپؒ کی یہ سفارش قبول کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔ اس نے کہا:

''یہ مرد اس جگہ آیا ہے اور غیب کی باتیں بیان کرتا ہے۔''

حضرت خواجہ صاحب اس پر ناراض ہوئے اور یہ جملہ آپؒ کی زبانِ مبارک پر آیا:

''پتھورا کو ہم زندہ گرفتار کریں گے اور اس کو ہم سزا دیں گے۔''

انھیں دنوں میں سلطان شہاب الدین غوری، غزنی سے پہنچا۔ پتھورا اپنے بہت زیادہ غرور کے ساتھ مقابلے پر صف آرا ہوا۔ دونوں کے درمیان شدید لڑائی ہوئی۔ سلطان کام یاب ہوا۔ پتھورا کو زندہ گرفتار کیا گیا اور پھر قتل کر دیا گیا۔ اسی وقت سے اس علاقے میں اسلام کی بنیاد مستحکم ہونا شروع ہوئی۔ کفر کی بنیاد روز بروز ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتی رہی۔ چناں چہ اسی وَجہ سے حضرت خواجہ قدس سرہ کو ساتویں صدی کا مجدد کہا جاتا ہے۔'' انتھٰی (67)

فصل (4): (ہندوستان کی تاریخ اور صوفیا کی جدوجہد کا مطالعہ)

(مولانا غلام علی) آزاد بلگرامی نے ''سُبحة المرجان'' میں لکھا ہے:

''ہندوستان کی فتح ولید بن عبدالملک کے زمانۂ خلافت میں محمد بن قاسم ثقفی کے ہاتھوں ۹۲ھ (711ء) میں ہوئی۔ اس کی فوج کے لہرانے والے جھنڈے سندھ کی حدود سے نکل کر قنوج کے آخری حصے تک ۹۵ھ (714ء) میں پہنچ گئے تھے۔ جب ہندوستان کے مسلمان اُمرا اپنے علاقوں میں واپس لوٹ آئے تو خلفائے مروانیہ (بنواُمیہ) اور خلفائے عباسیہ کے زمانے کے حکمرانوں کی حکومت صرف سندھ کے علاقوں پر باقی رہ گئی تھی۔

سلطان محمود غزنوی نے چوتھی صدی کے اواخر میں ہندوستان کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ کئی دفعہ یہاں آیا۔ آخرکار اس نے یہاں پر غلبہ حاصل کرلیا۔ اس نے یہاں سے غنائم وغیرہ حاصل کیں۔ یہاں تک کہ (خلیفہ) قادر باللہ بن مقتدر باللہ عباسی کی جانب سے سندھ پر حکمرانی کرنے والے حکمرانوں سے سندھ بھی چھین لیا، لیکن سلطان محمود غزنوی نے خود ذاتی طور پر ہندوستان میں قیام نہیں کیا۔ اس کی اولاد (سلطان مسعود وغیرہ) بھی صرف غزنی سے لاہور تک کے علاقے پر حکمران رہی۔

یہاں تک کہ سلطان معز الدین سام غوری نے غزنی پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد لاہور کے علاقے تک کا حکمران ہوگیا۔ اس نے غزنوی بادشاہوں کے آخری حکمران خسرو ملک کو معزول کردیا۔ اس نے پورے ہندوستان پر اپنی حکومت قائم کرلی اور ۵۸۹ھ (1193ء) میں دہلی کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔ اس تاریخ سے ہندوستان کے اکثر علاقے سلاطین اسلامیہ کے ماتحت ہوگئے۔'' انتھٰی (68)

(صوفیا کی ہندوستان آمد)

میں کہتا ہوں کہ اسی سال دہلی میں حضرت شیخ قطب الدین (بختیارِ کاکیؒ) الاوشی تشریف فرما ہوئے، جو کہ امام معین الدین اجمیریؒ کے اصحاب میں سے ہیں۔ ان دونوں حضرات کے صحبت یافتہ بزرگوں میں سے حضرت شیخ فریدالدین (مسعود گنج شکر) اجودھنیؒ (پاکپتن شریف والے) ہیں، جنھوں نے حضرت سیف الدین باخرزیؒ سے فیض حاصل کیا۔ نیز انھوں نے حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ شہیدؒ سے بھی فیض حاصل کیا۔ اسی طرح انھوں (حضرت فریدالدین گنج شکرؒ) نے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے بھی اخذِ فیض کیا ہے۔

پھر شیخ فریدالدین (مسعود گنج شکرؒ) کے صحبت یافتہ لوگوں میں سلطان المشائخ، شیخ نظام الدین دہلویؒ ہیں۔ پھر ان کے صحبت یافتہ شیخ نصیرالدین محمود دہلویؒ ہیں۔

یہ تمام حضرات کامل افراد ہیں اور آئمہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(مولانا غلام علی آزاد) بلگرامی ''سُبحة المرجان'' میں لکھتے ہیں:

''شیخ نصیرالدین محمود (چراغِ دہلی) اور ان کے اکثر خلفا —— اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو نور سے بھردے —— کا طریقہ کار شریعتِ نبویہ کی سنتوں کی حفاظت اور علومِ دینیہ کی تعلیم و تدریس میں مشغولیت پر مبنی تھا۔

شیخ کہا کرتے تھے:

''کسی شرعی مسئلے میں غور وفکر کرنا، عُجب اور ریا سے ملی ہوئی ہزار رکعت پڑھنے سے افضل ہے۔''

شیخ نصیرالدین محمود کا انتقال ۱۸ رمضان المبارک ۷۵۷ھ (14 ستمبر 1356ء) اشراق کے وقت ہوا۔ وہ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین بدایوانی دہلویؒ کے سچے خلیفہ اور ان کے جانشین تھے۔'' (69)

فصل (5): (مشائخ چشتیہ نظامیہ اور چشتیہ صابریہ)

حضرت شیخ فریدالدین (مسعود گنج شکرؒ) اجودھنی کے خلفا میں حضرت شیخ علاؤالدین صابرؒ (کلیر شریف والے) ہیں۔ ان کے خلفا میں شیخ شمس الدینؒ (تُرک) پانی پتی ہیں۔ پھر ان کے اصحاب میں شیخ جلال الدین عثمانی پانی پتیؒ ہیں۔ ان کے خلفا میں شیخ عبدالحق ردولویؒ ہیں۔ یہ تمام حضرات، برگزیدہ اماموں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جو لوگ حضرت سلطان المشائخ (خواجہ نظام الدین اولیاؒ) کی طرف نسبت رکھتے ہیں، انھیں ''نظامیہ'' کہا جاتا ہے۔ اور جو لوگ حضرت علاؤالدین (صابر) کی طرف نسبت رکھتے ہیں، انھیں ''صابریہ'' کہا جاتا ہے۔

''نظامیہ'' جماعت میں سے حضرت شیخ سراج الدین اودھیؒ ہیں۔ پھر ان کے خلفا میں شیخ علاؤالدین لاہوری ثم بنگالیؒ ہیں۔ پھر ان کے خلفا میں ان کے صاحبزادے شیخ نورالدینؒ قطب العالم ہیں۔ پھر ان کے اصحاب میں شیخ حسام الدین مانک پوریؒ ہیں۔ یہ تمام اکابرین مشائخ میں سے ہیں۔ انھوں نے مشرقی ہندوستان سے لے کر چین کی سرحد تک اسلام کی اشاعت میں بہت زیادہ جدو جہد اور کوشش کی ہے۔

فصل (6): (مشائخ سہروردیہ)

اس طرح اس زمانے میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے خلفا میں شیخ الاسلام حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ ہیں۔ ان کے بڑے اصحاب میں سے ان کے بیٹے حضرت شیخ صدر الدین عارف ملتانیؒ اور سید جلال الدین بخاری اُچیؒ (اُچ شریف والے) ہیں۔ ان دونوں حضرات کے اصحاب میں ان کی اولاد میں شیخ رکن الدینؒ ملتانی (شاہ رُکن عالم) اور سید احمد کبیرؒ (بخاری) ہیں۔ انھوں نے حضرت شیخ نصیرالدین دہلویؒ سے بھی اخذِ فیض کیا ہے۔ یہ تمام حضرات ہندوستان میں ''شیوخُ الاسلام'' کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھیں کے ذریعے سے مغربی ہندوستان میں دریائے سندھ کے دونوں اطراف میں کشمیر سے لے کر بحرِ محیط (بحیرۂ عرب) تک دعوتِ اسلام خوب پھیلی ہے۔

فصل (7): (مشائخ چشتیہ وسہروردیہ کا طریقۂ تعلیم وتربیت)

سلسلۂ عالیہ چشتیہ اور سہروردیہ میں شیخ شہاب الدین سہرورد یؒ کی کتابوں پر اعتماد کیا جاتا ہے، جیسا کہ "**عوارف المعارف**" ہے۔ اسی طرح ان کے ہاں حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی کتابوں پر بھی اعتماد کیا جاتا ہے۔ چشتی اور سہروردی حضرات ان دونوں بزرگوں کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بڑے متبعین میں شمار کرتے ہیں۔

(ہندوستان میں) پھر نویں صدی ہجری میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے ایک جماعت پیدا ہوئی، جن میں حضرت شیخ محمد اُچیؒ (اُچ شریف والے) اور ان کے بیٹے حضرت شیخ عبدالقادر ثانیؒ تھے۔ لوگوں نے ان کی اتباع اور پیروی اختیار کی۔

(سلسلۂ نقشبندیہ کے مشائخ اور سلاسل کی ترتیب)

اس طرح — نقشبندی سلسلے کے مؤسس اوّل — حضرت شیخ عبدالخالق غجدوانیؒ کی اتباع کرنے والوں میں حضرت شیخ عبیداللہ احرارؒ کے صاحبزادگان تھے۔ وہ بھی لوگوں کو رُشد و ہدایت اور تعلیم وتعلّم سکھانے میں مشغول رہے۔

ہندوستان میں صوفیا کے طریقوں میں سب سے پہلے سلسلۂ چشتیہ اور سلسلۂ سہروردیہ مستحکم اور مضبوط ہوئے۔ پھر سلسلۂ قادریہ اور سلسلۂ نقشبندیہ کو فروغ حاصل ہوا۔

ان حضرات کی اکثریت پر حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کا فکر غالب رہا۔ ان سے میں جو زیادہ مہارت رکھتے تھے، انھوں نے ان کے فکر و فلسفے کو ظاہر شریعت اور فقہ کے ساتھ تطبیق دی۔ نیز اس کی توجیہات وتفصیلات بیان کیں۔ اس سلسلے میں وہ یونانی فلاسفہ کی کتابوں سے بھی مدد لیتے تھے۔ ایسے حضرات بہت کم تھے، جو قطعی طور پر ہندوستان کے حکما سے ہی مسائل اخذ کرنے کی طرف متوجہ ہوئے ہوں۔

فصل (8): (ہند میں اسلامی سلطنت کے استحکام میں تاخیر کی وجوہات)

کیا تم اس بات کی حکمت سمجھتے ہو کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی سلطنت کے مستحکم ہونے میں تاخیر کیوں ہوئی؟ حال آں کہ مسلمانوں نے پہلی صدی ہجری میں ہی ہندوستان فتح کرلیا تھا، لیکن ان کی سلطنت کہیں ساتویں صدی ہجری میں جا کر مضبوط اور مستحکم ہوئی۔

(مؤرخ منشی ذکاء اللہ دہلوی کا تجزیہ)

اس سوال کے جواب میں منشی ذکاء اللہ دہلویؒ نے "تاریخ ہندوستان" میں لکھا ہے:

''ہندوکش سے مغرب کی طرف ایشیا میں اور افریقا اور جنوبی یورپ میں سپین اور پُرتگال تک اسلام کے اعلامِ فتح وظفر قائم ہوگئے۔ مگر پنجاب میں ایک چپہ زمین کا، قدم کے پنجے کے برابر بھی مسلمانوں کو نہیں ہاتھ لگا۔ اتنے عرصے تک جو توقف (تاخیر اور ٹھہراؤ) ہندوستان کی فتح میں ہوا۔ اس کا:

(ا) ایک سبب تو یہ تھا کہ ہند میں بعض قومیں بڑی جواں مرد اور دلاور رہتی تھیں۔

(ب) دوسرا سبب یہ ہے کہ ہندوؤں کے راج کا جنگی انتظام ایسا مسلسل تھا کہ وہ بے گانہ حملہ آوروں کو بڑے اُلجھیڑے میں پھنسا کر، اُن کو کام یاب نہیں ہونے دیتا تھا۔ ہندوستان کو ''بندھیا چل'' پہاڑ نے دو شمالی اور جنوبی حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ''بندھیا چل'' کے شمال میں تین گروہوں کے راجا، راج کرتے تھے۔

(1) سندھ کے میدانوں اور جمنا کے اوپر کے حصوں میں راجپوت سلطنت کرتے تھے۔ سنسکرت میں جس ملک کو ''مدھیا دیش'' (زمین متوسط) کہتے ہیں۔ وہ بڑے پہلوان راجوں میں منقسم تھا۔ اور ان راجوں کے راجاؤں کا مہاراجا، قنوج کا مہاراجا تھا۔

(2) دریائے گنگ کے زیریں وادی میں بدھ مذہب کے راجا پال کے خاندان کے لوگ راج کرتے تھے۔ بنارس سے بنگال کے ڈیلٹا کے ملک انھیں کی قلم رو میں تھا۔

(3) بندھیا چل کے دکن میں بڑے بڑے راجے رہتے تھے۔ ان کے تین گروہ تھے:

(ا) چیرا (ب) چولا (ج) پانڈیا۔

یہ بھی اس ملک میں بادشاہی کرتے تھے۔

ان راجوں کے مجموعے کا گروہ' خواہ وہ اُتّــــر (شمال) میں ہو یا دکن (جنوب) میں، آپس میں اتفاق کر کے بے گانہ حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کی قوت پیدا کر لیتا تھا۔ جب یہ کئی گروہ اور ان کے افراد متفق ہو جاتے تھے تو ان کا فتح کر کے مغلوب کرنا اور بھی تکان اور محنت ومشقت کا کام ہو جاتا تھا۔

اگر ان گروہوں کے مجموعے پر فتح بھی حاصل کر لی جاتی تھی تو پھر ہر گروہ سے اور ہر گروہ کے افراد سے جدا جدا لڑنا پڑتا تھا۔ پھر بعد فتح بھی ہر راج میں سرکشی اور گردن کُشی کا مادہ موجود رہتا تھا۔

یہی سبب ہے کہ سندھ میں باوجود سخت سعی اور کوشش کے مسلمانوں کی سلطنت کی ترقی بڑی آہستہ آہستہ ہوئی۔'' (70)

(اس تجزیے کا تنقیدی جائزہ)

میرا کہنا یہ ہے کہ ہندوستان کے جنگی نظام کے حوالے سے یہ جواب قطعاً درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ جو قومیں ہندوکش کے پار رہتی تھیں، وہ بہادری اور جنگی نظام کے حوالے سے ہندوستانی اقوام سے کم تر نہیں تھیں۔ اگر یہ بات درست مان لی جائے، جیسا کہ فاضل اُستاذ (منشی ذکاء اللہ دہلوی) نے لکھا ہے تو پھر امیر محمد بن قاسم ثقفی نے تین سال کی مدت میں شمالی ہندوستان کا 2/3 حصہ کیسے فتح کرلیا تھا۔

اس رائے کی کمزوری اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہندوستانی اقوام کسی طرح بھی متحد نہیں ہیں۔ نہ زبان ایک، نہ دین ایک، نہ نسل ایک۔ پھر وہ کون سی چیز ہے، جو جنگ کے وقت ان کے بکھرے ہوئے افراد میں ربط وضبط پیدا کرتی ہے۔

(ہندوستان میں حکومتِ اسلامی کے استحکام میں تاخیر کا اصل سبب)

بہرحال (اگر ان وجوہات کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو) مسلمانوں کا ایک طویل عرصے تک پیچھے رہنے کی وجوہات صرف وہ نہیں ہیں، جن کا مؤرخ (منشی ذکاء اللہ دہلوی) نے تذکرہ کیا ہے۔ بلکہ میرے خیال میں اس کے علاوہ بھی ایک بڑی اہم ترین وَجہ ہے۔

وہ یہ کہ ہندوستان کے ہر عام وخاص کے ذہنوں میں ''فلسفۂ وحدت الوجود'' پر پختہ یقین غالب ہے۔ اس خطے کے تمام مذاہب کا ادارتی نظام اور قومیت و وطنیت کے تمام دائرے، بہت سے اختلافات کے باوجود، قدیم زمانے سے اس فلسفے پر مبنی ہیں۔ اس فلسفے پر پختہ یقین واعتماد، تمام ہندوستان کے لوگوں میں مساوی طور پر پایا جاتا ہے۔

مسلمانوں نے ابتدائی زمانے میں اگرچہ اپنی عسکری قوت اور اپنے انقلابی نظام کی بدولت ہندوستان کی حکومت پر غلبہ پالیا تھا، لیکن وہ ہندوستانیوں کے علوم وافکار اور فلسفہ وفکر پر مبنی اُن کی ذہنیت کے مطابق اسلام کی تعبیر پیش کرنے پر قادر نہ ہوسکے۔ تاکہ ہندوستانی لوگ اسلام کی صحیح حقیقت سمجھنے کے لیے ان کے قریب آتے۔

(ایران اور ترکستان میں اسلامی حکومت کے استحکام کا سبب)

جہاں تک عجم کے شہروں، ایران اور ترکستان میں اسلامی حکومت کے استحکام کا معاملہ ہے۔ میرے نزدیک اگر ان علاقوں میں درجِ ذیل کام اس طرح پر نہ کیے جاتے تو تھوڑے بہت فرق کے ساتھ ان علاقوں کا حال بھی ہندوستان سے زیادہ مختلف نہ ہوتا:

(ا) وہاں پر امام اعظم امام ابوحنیفہؒ ــــ جو کہ فارسی النسل تھے ــــ جیسے لوگوں نے اس طرح کے

مسائل حل کرنے کی طرف بھرپور توجہ دی۔

(ب) آپؒ نے فقہ اسلامی کی تہذیب وتدوین کرتے ہوئے عقائد، اَخلاق اور اعمال کی جامعیت پر مبنی "فقہِ اکبر" ترتیب دی۔ انھوں نے اسے فارسی لوگوں کی ذہنیت کے مطابق بنا کر پیش کیا۔
مثلاً امام ابوحنیفہؒ نے عربی زبان پر قدرت کے باوجود، فارسی زبان میں "قرآتِ صلوٰۃ (فاتحہ)" کو جائز قرار دیا۔

(ج) پھر یہ بھی ہوا کہ علمائے عجم کی ایک بڑی جماعت' امام ابوحنیفہؒ کی رائے اور فقہ کو تمام بستیوں اور شہروں میں پھیلانے کے لیے سرگرمِ عمل ہوگئی۔

(د) امامِ ابوحنیفہؒ کے فلسفے اور فقہ کو پھیلانے کے لیے صوفیائے کرام نے بھی ایسے (حنفی) علما کی اتباع کی۔

اگر درجِ بالا اُمور نہ ہوتے تو ان علاقوں میں بھی مسلمان اپنی سلطنت کا استحکام اپنے پسندیدہ طریقے پر نہ دیکھ سکتے۔

یہاں یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ ایران اور ترکستان کا فلسفہ بھی وہی ہے، جو کہ ہندوستان کا فلسفہ رہا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی عظمت اور جامعیت

ہمیں اس بارے میں کوئی شک نہیں کہ امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ حکیم بھی تھے اور صوفی بھی تھے۔ آپؒ کی صحبت اُٹھانے کے لیے صوفیا آپؒ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس لیے کہ حضرت معروف کرخیؒ نے حضرت داوٗد طائی کی صحبت اختیار کی۔ انھوں نے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی صحبت اُٹھائی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ سیاسی اور انقلابی بھی تھے۔ انھوں نے ائمہ اہل بیت، جیسے (امام) زید شہیدؒ، محمد الباقرؒ اور جعفر الصادقؒ سے بھی اخذِ فیض کیا تھا۔ نیز وہ (امام) محمد بن عبداللہ نفسِ زکیّہ کے معاونین میں سے تھے۔ نیز ان کے بھائی ابراہیم (بن عبداللہؒ) کی بھی انھوں نے پوری معاونت کی تھی۔ **واللّٰہ سبحانہٗ أعلم**

فصل (9): (صوفیاؒ کی جدوجہد اور حضرت ابوذر غفاریؓ کا مسلک)

ہندوستان کی اسلامی سوسائٹی میں صوفیا کے بلند درجہ کردار، ان کی اشاعتِ اسلام کے بارے میں جدوجہد اور جہاد کے حوالے سے اُن کے کردار کو بیان کرتے ہوئے ہم نے بڑی تفصیل سے کام لیا ہے۔ اس لیے کہ ہم ان کے قائم کردہ سیاسی نظام کے ایک حصے کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔ ہندوستان کے لوگ ایک تسلسل کے ساتھ تصوف سے لگاؤ رکھنے والے حضرات کی اس سیرت کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ تصوف

میں مشغول ہونے والا ہر آدمی، اپنی ضرورت سے زائد مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کو فرض سمجھتا ہے:

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ''منھاج السنہ'' میں لکھا ہے:

''بے شک حضرت ابوذر (غفاریؓ) ایک صالح آدمی اور زہد اختیار کرنے والے فرد تھے۔ ان کا مذہب یہ تھا کہ زہد (دنیا سے بے رغبتی) واجب ہے۔ ان کے نزدیک ایک انسان جب اپنی ضرورت سے زائد مال جمع کر کے رکھے تو یہ ''کنز'' (اکتناز یعنی زر کی ذخیرہ اندوزی) کے زُمرے میں آتا ہے۔ اسے جہنم کی آگ میں گرم کر کے صاحبِ مال کو داغا جائے گا۔

حضرت ابوذر (غفاریؓ) کی اس بات سے صوفیاؒ کی ایک جماعت نے بھی اتفاق ظاہر کیا ہے۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عبدالواحد بن زیدؒ وغیرہ حضرات کی سوچ یہی تھی۔ بعض لوگ حضرت شبلیؒ کو بھی انھی لوگوں میں شامل کرتے ہیں۔

حضرت ابوذر (غفاریؓ) لوگوں پر ایسی چیز واجب کرتے تھے، جو اللہ نے ان پر واجب نہیں کی، لیکن اس کے باوجود وہ ایک مجتہد تھے۔ انھیں بھی اس نیکی پر ایسا ہی اجر ملے گا، جیسا کہ ان جیسے دیگر مجتہدین کو اجر ملتا ہے۔

حضرت عمرؓ بن الخطاب اپنی رعایا کے تمام لوگوں کو بالکل سیدھا رکھتے تھے۔ وہ لوگوں کو حد سے زیادہ تجاوز نہ کرنے دیتے تھے۔ نہ مال داروں کو اور نہ فقرا کو۔ لیکن جب حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانے میں مال داروں پر دنیا وسیع ہونے لگی تو حضرت ابوذر (غفاریؓ) نے ان کے اس عمل پر اعتراض کرنے میں شدت اختیار کی۔ یہ بات بھی دونوں جماعتوں کے درمیان فتنوں کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔'' انتہٰی (71)

فصل (10): (ہمارے پروگرام کے بنیادی اُمور)

اس مطالعے سے ہم نے یہ فائدہ اُٹھایا کہ ایک سروراجی (عوامی) قسم کی سیاسی انقلابی جماعت کی بنیاد رکھنے کے لیے جس اساسی مواد کی ضرورت ہے، وہ تاریخ اسلام میں کردار ادا کرنے والی جماعتوں اور حکومتوں کے افکار و نظریات اور ان کی سیرت و کردار میں مخفی طور پر موجود ہے۔

چناں چہ ہم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے فکر کی اساس پر ایک سروراجی (عوامی) جماعت کی بنیاد رکھی۔ چناں چہ ہم نے اپنے ائمہ صوفیا کی طرز پر اپنی جماعت کے اراکین پر لازم قرار دیا ہے کہ وہ اپنی ضروریات سے زائد مال کو جماعت کے بیت المال میں جمع کرائیں۔

اس فیصلے کے لیے ہم اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استیناس (مناسبت پیش) کرتے ہیں:

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (72)

(اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں، کہہ دے کہ جو بچے اپنے خرچ سے)

اپنی جماعت کے لیے یہ حکم، شرعی حوالے سے فرضیت کے طور پر نہیں ہے، بلکہ انقلابی مصلحت کی وَجہ سے یہ فیصلہ ہے۔ ہم نے حضرت ابوذر غفاریؓ اور ان کے متبعین علما و مشائخ کی بات کو اس طرح مانا ہے۔ اس کی مصلحت یہ ہے کہ ہم باقی فقہا و مجتہدین سے اختلاف کرنے کی حالت سے باہر نکل آئیں۔

اصل میں حضرت ابوذرؓ (غفاری) مال جمع کرنے پر شدت سے جو اعتراض کرتے تھے، اس کا تعلق حکمرانوں کے رویوں کے ساتھ تھا۔ اس لیے کہ وہ مال کے ذریعے حکومت کا کنٹرول اسلامی پارٹی سے لے کر اپنے خاندان میں منتقل کرنا چاہتے تھے۔ یہی وَجہ ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ کے زمانے میں، نیز حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ابتدائی زمانے میں حضرت ابوذر غفاریؓ مال جمع کرنے پر اس طرح شدت سے اعتراض نہیں کرتے تھے۔

(ہمارا اقتصادی نقطۂ نظر)

ہمارا اپنا ارادہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے فضل اور اس کی توفیق سے امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ کے نقش قدم پر چلیں گے۔ انھوں نے مال داروں اور فقرا کے درمیان اعتدال و توازن قائم رکھا تھا۔ چناں چہ ہماری سوراجی حکومت مختلف پارٹیوں پر مشتمل حکومت ہوگی، جس میں اغنیا (مال داروں) کی جماعت بھی ہوگی اور فقرا (محنت کشوں) کی جماعت بھی مساوی طور پر شامل ہوگی۔ اسی لیے ہم درمیانے درجے پر اشیا کی ملکیت کو جائز قرار دیتے ہیں اور مال داروں کو تعیّشات کے درجے پر پہنچانے والی مال داری سے روکتے ہیں۔

ہم نے یہ بھی طے کیا ہے کہ ملکیت کے درمیانے درجے کا تعین کرنا ایسے اہل حل و عقد کی رائے پر موقوف ہوگا، جو اِن (حضرت عمرؓ کی فقہ پر مبنی) دینی نظریات پر پختہ یقین رکھتے ہوں گے۔ سوراجی مؤتمر کے پروگرام سے ہماری یہی مراد ہے۔

واللّٰہ الموفِّق (اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔)

نو واں باب: مسجدِ حرام میں تدریس

فصل (1): (مکہ مکرمہ میں زیرِ درس کتابیں اور عرب علما کی حالت)

ایک زمانے تک مَیں مسجدِ حرام میں تعلیم و تدریس میں مشغول رہا۔ چناں چہ علما اور طلبا نے مجھ سے امام مالکؒ کی "مؤطّا"، امام محمدؒ کی "مؤطّا" اور "کتاب الآثار"، امام شافعیؒ کی "کتاب الرّسالہ"، اور "کتاب الاُم"۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تین کتابیں: "المسوّیٰ من أحادیث المؤطّا"، "الفوز الکبیر فی أصول التّفسیر"، اور "حجّة اللّٰه البالغه"۔ امام محمد اسماعیل شہیدؒ کی "اصولِ فقه"۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی "شرح النُّخبه" اور اصولِ حدیث سے متعلقہ کتابیں، "مقدّمه صحیح مسلم"، "کتاب العلل من جامع التّرمذی" اور "رساله إمام ابی داؤد إلیٰ أهل مکه" پڑھیں۔

حرم سے باہر بھی علما اور طلبا نے مجھ سے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابیں "حجة اللّٰه البالغه" اور "إزالة الخفاء" کے منتخب حصے، رسالہ "مذهب عمر بن خطاب"، "الفوز الکبیر"، "فتح الرّحمٰن" کے منتخب حصے، "فیوض الحرمین" وغیرہ پڑھیں۔

اسی طرح امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے رسائل اور شیخ رفیع الدین کی "تکمیل الأذهان" کے اطراف (یعنی کتاب کے اوّل و آخر اور کچھ منتخب اَجزا)۔ اور امام محمد اسماعیل شہیدؒ کی تاریخی کتابیں "صراطِ مستقیم"، "منصبِ إمامت"، "عبقات"، "اُصولِ فقه" اور "تقویة الإیمان"۔ اور امام محمد قاسم دیوبندیؒ کے مکتوبات "قاسم العلوم" وغیرہ کتابیں مجھ سے پڑھیں۔

مَیں نے (مکہ مکرمہ میں) یہ بات دیکھی کہ علم میں مشغول رہنے والے لوگ عام طور پر ہندوستان کے علما کو نہیں جانتے۔ وہ لوگ اہل حدیث کی ایک جماعت ـــــ جو فقہائے اربعہ کے مذاہب کی پابندی اختیار نہیں کرتے ـــــ کے سوا ہندوستان کے حنفی علما سے آگاہی نہیں رکھتے۔ انھوں نے ان کے بارے میں مشہور کررکھا ہے کہ وہ اپنی قیاس پرمبنی آرا کو صحیح احادیث پر مقدم سمجھتے ہیں۔ وہ لوگ محدثین حنفیہ میں سے بھی سوائے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور ان کے متبعین کے اور کسی کو نہیں جانتے ہیں۔ وہ لوگ اس کو پسند نہیں کرتے کہ فقہا ائمہ محدثین کی احادیث کے بارے میں فقہا کے ترجیح دیے ہوئے مذاہب سے استدلال کریں۔ پھر فقہا کے مستدلات پرمبنی احادیث کو صحیح قرار دینے کے لیے ہر طرح کے رطب و یابس سے اپنے

دامن کو بھر لیں۔

اس حقیقت کے معلوم ہونے پر میں نے ان کے سامنے امام ولی اللہ دہلویؒ حنفی اور ان کے دہلوی اور دیوبندی متبعین کے طریقے کا تذکرہ کیا۔ اور یہ واضح کیا کہ ان کا طریقۂ تعلیمِ حدیث یہ ہے کہ وہ مؤطا امام مالک کو تمام کتبِ حدیث و فقہ پر ترجیح دیتے ہیں۔

فصل (2): (ولی اللّٰہی طرزِ تعلیم میں "مؤطّا" کی اہمیت)

امام ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی کتاب "المُصفّٰی" میں یہ بات بڑی صراحت کے ساتھ لکھی ہے کہ فقہ میں تحقیق کے درجے تک اس وقت تک نہیں پہنچا جا سکتا، جب تک کہ مؤطا امام مالک کو تحقیق کے ساتھ نہ پڑھ لیا جائے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے "المسوّٰی" میں لکھا ہے:

"جس آدمی نے فقہا کے مذاہب کی تحقیق کی ہے۔ اور اللہ نے جس کے دل میں انصاف کی صلاحیت رکھی ہے تو وہ قطعی طور پر یہ بات جان لے گا کہ کتاب "مؤطا" امام مالکؒ کے مذہب کی اساس اور اس کا بہترین اثاثہ ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے مذہب کا سِرا اور اس کا عمدہ ستون ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کا روشن چراغ اور اس کی بلند ہوتی روشنی ہے۔ یہ تمام مذاہب "مؤطا" کے حوالے سے ایسے ہی ہیں، جیسے کسی ایک متن کی مختلف شرحیں ہوتی ہیں۔ اس کتاب کی حیثیت ان مذاہب کے درمیان میں ایسی ہے، جیسا کہ مختلف ٹہنیوں کو لیے ہوئے ایک بڑا درخت ہوتا ہے۔

(بڑے بڑے فقہا اور مجتہد) لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر چہ وہ امام مالکؒ کے فتاویٰ کو ماننے اور ردّ کرنے، ان کو درست تسلیم کرنے اور ان پر اعتراض کرنے میں مشغول رہے ہیں، لیکن ان کے اپنے مذہب کی تہذیب و تدوین اور ان کے اپنے مذہب و مسلک کی صفائی اس وقت تک ممکن نہیں ہو پائی، جب تک کہ انھوں نے اپنے سامنے امام مالکؒ کی اس جدوجہد اور کوشش کو سامنے نہیں رکھا، جو انھوں نے (مؤطا کی ترتیب و تدوین کی شکل میں) اپنے مذہب کو ترتیب دینے کے لیے کی تھی۔

اسی لیے امام شافعیؒ نے لکھا ہے:

"مجھ پر اللہ کے دین میں امام مالکؒ سے زیادہ احسان کرنے والا اور کوئی نہیں ہے۔" (73)

یہ بات بھی اچھی طرح معلوم رہے کہ احادیث کی سنن پر مشتمل کتابیں، جیسا کہ **"صحیح مسلم"**، **"سنن ابی داؤد"**، **"سنن نسائی"** اور فقہ سے متعلق حدیث کی کتابیں، جیسا کہ

"**صحیح بخاری**"، "**جامع ترمذی**" ہیں۔ یہ تمام کتابیں "**مؤطا امام مالکؒ**" کی اساس پر مستخرج شدہ ہیں۔ وہ اسی کے گرد گھومتی ہیں اور انھیں مقاصد کو اپنا مقصد قرار دیتی ہیں۔

ان کا مطمحِ نظر یہ ہے کہ جن احادیث کو امام مالکؒ (کسی راوی سے) مُرسل لاتے ہیں، انھوں نے اسے (حضورؐ تک) مُتصل بیان کردیا۔ جو احادیث "**مؤطّا**" میں (کسی ایک راوی تک) موقوف ہیں، انھوں نے اسے (حضورؐ تک) مَرفوع بیان کردیا۔ جن احادیث کو امام مالکؒ نے چھوڑ دیا تھا، اُن کا انھوں نے استدراک (تلاش کرکے بیان) کردیا۔ نیز انھوں نے ان کی بیان کردہ اسانید کے (درمیان کے راویوں کے بیان کردہ) متابعات اور (صحابی کی روایت سے) شواہد بیان کردیے۔ اس طرح متعلقہ باب میں بیان کردہ نبوی کلام کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرلیا۔ خاص طور پر اس باب میں ان روایات کے خلاف جو کچھ روایات موجود تھیں، انھیں بھی بیان کردیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حق کی تحقیق اس وقت تک ممکن نہیں، نہ یہاں (محدثین) نہ وہاں (فقہا)، جب تک کہ اس کتاب "مؤطا" پر پورے انہماک کے ساتھ توجہ نہ کی جائے۔" انتہٰی (74)

(نواب صدیق حسن خان بھوپالی) امیر قنوجی نے "حِطّہ" میں لکھا ہے:

"شیخ عبدالعزیز دہلویؒ اور ان کے والد شیخ الاجل ولی اللہ محدث دہلویؒ نے "**مؤطّا**" پر بہت زیادہ توجہ دی ہے۔ ان کے نزدیک اس کی بڑی عظمت ہے۔ یہ حضرات اس پر عمل کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ اس کو تمام کتبِ حدیث پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ صحیحین (صحیح بخاری اور صحیح مسلم) پر بھی اس کو ترجیح دیتے ہیں۔ چہ جائے کہ دوسری حدیث کی کتابوں کو اس کے مقابلے پر شمار کیا جائے۔ حق بات انھی حضرات کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔" (75)

انھوں نے "حِطّہ" ہی میں دوسری جگہ لکھا ہے:

"محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ کی کتاب (قرآن حکیم) کے بعد سب سے صحیح ترین کتاب، صحیح البخاری، پھر صحیح مسلم اور پھر مؤطا ہے۔ بعض کے نزدیک سب سے صحیح ترین کتاب "**مؤطا**" ہے۔ پھر صحیحین (یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم) ہیں۔ اور یہی بات زیادہ صحیح ہے۔" انتہٰی (76)

امیر قنوجی (نواب صدیق حسن) نے "**أبجد العلوم**" میں لکھا ہے کہ:

"محققین کے نزدیک امام مالکؒ کی کتاب "**مؤطا**" حدیث کی کتابوں کے طبقۂ اولیٰ میں

شامل ہے۔اس کے شارح ''المصفّیٰ'' اور ''المسوّیٰ'' کے مصنف (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) اس بات کو بڑے شد و مد سے بیان کرتے ہیں۔حتیٰ کہ انھوں نے یہاں تک کہا ہے کہ اس دور میں بنیادی مقصد تب حاصل ہوگا، جب کہ ''مؤطا'' پر عمل کیا جائے۔ ''مؤطا'' کو نظر انداز کر کے باقی کتب اور تفریعات (جزوی مسائل) پر عمل کرنا چھوڑ دیا جائے۔'' انتہٰی (77)

حضرت مولانا أبو الحسنات عبدالحیٔ لکھنویؒ ''شرح مؤطا'' میں لکھتے ہیں:

''شیخ ولی اللہ محدث حنفی دہلویؒ نے بہت زیادہ کتابیں لکھی ہیں، جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آپؒ بڑی جلیل القدر شان رکھتے تھے۔ آپؒ کبار علما میں سے تھے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپؒ کو رُشد و ہدایت اور عدل و انصاف کی توفیق دی تھی۔ آپؒ ہر طرح کے تعصب اور تنگ نظری سے پرہیز کرتے تھے۔ علومِ دینیہ میں آپؒ کو بڑی مہارت حاصل تھی۔ احادیثِ نبویہ کی مباحث میں آپؒ ایک متبحر عالم دین کی حیثیت رکھتے تھے۔

انھوں نے ''مؤطا'' کی دو شرحیں لکھیں:

ایک فارسی زبان میں، جس کا نام انھوں نے ''المصفّٰی'' رکھا۔ اس کتاب میں صرف احادیث اور آثار کو بغیر کسی شرح کے جمع کیا ہے۔ امام مالکؒ کے بعض اقوال کو حذف کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے مجتہدین کے انداز میں محققانہ گفتگو کی ہے۔

دوسری شرح عربی زبان میں لکھی، جس کا نام انھوں نے ''المسوّٰی'' رکھا۔ اس میں انھوں نے مذاہب کے اختلاف کو بیان کرنے پر اکتفا کیا۔ اور بہت کم مقدار میں غریب احادیث کی ضروری شرح بیان کی۔'' انتہٰی (78)

میرا کہنا یہ ہے کہ ''مؤطا'' امام مالکؒ کو تمام کتبِ حدیث پر مقدم کرنے سے ولی اللّٰہی طریقۂ حدیث عام فقہا اور محدثین سے جوہری طور پر مختلف ہوجاتا ہے۔ جو آدمی اس حقیقت کو نہیں سمجھتا، اُس کے لیے یہ درست نہیں کہ وہ اپنے آپ کو امام ولی اللہ دہلویؒ کے متبعین میں سے شمار کرے۔

فصل (3): (امام ولی اللہ دہلویؒ کا طریقۂ تعلیم وتربیت)

امام ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی ''وصایا'' میں لکھا ہے:

''تعلیم کا طریقہ یہ ہے کہ جب بچے کو عربی زبان پر قدرت حاصل ہوجائے تو اُسے ''مؤطا'' امام مالکؒ ـــ جو کہ یحییٰ ابن یحییٰ مصمودیؒ کی روایت سے ہے ـــ پڑھائی جائے۔ اور ہرگز اس کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ وہ علمِ حدیث کی جڑ اور بنیاد ہے۔ اس کا پڑھنا بہت زیادہ فیض یاب ہونے کا باعث ہے۔ ہمیں اس کتاب کا مکمل سماع پورے تسلسل کے ساتھ

حاصل ہے۔

اس کے بعد قرآن عظیم کا درس اس بچے کو اس طرح دیا جائے کہ بغیر تفسیر اور ترجمے کے اُسے قرآن پڑھایا جائے۔ جو کچھ نحو میں یا شانِ نزول میں مشکل پیش آئے، اُس پر ٹھہرا جائے اور اس پر بحث کی جائے۔ اس طرح درسِ تفسیر سے فارغ ہو کر تفسیر "**جلالین**'' کا درس روزانہ کی مقدار کے مطابق دیا جائے۔ اس طریقے میں بہت زیادہ فیض حاصل ہوتا ہے۔'' انتھٰی (79)

(شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے پہلے کا طریقۂ تعلیم)

میں کہتا ہوں کہ امام ولی اللہ دہلویؒ سے پہلے ہندوستان کے علما سب سے پہلے (علمِ حدیث میں) "**مشکوٰۃ المصابیح**" پڑھتے تھے۔ اس کی شرح کے سلسلے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مشکوٰۃ کی شرح "**لمعات التنقیح لمشکوۃ المصابیح**" اور "**اشعۃ اللمعات**'' کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ان دونوں شروحات میں پہلی عربی میں ہے۔ جب کہ دوسری شرح فارسی زبان میں ہے۔

(شاہ صاحبؒ کا طریقۂ تعلیم اور اس کے فوائد)

امام مجدد حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس طریقے کی اصلاح کی۔ انھوں نے ''موَطا'' کے درس کو "**مشکوٰۃ المصابیح**" سے پہلے پڑھنے کا طریقہ اختیار کیا۔ انھوں نے قرآن عظیم کے درس کو تفاسیر سے الگ کر کے پڑھنا ضروری قرار دیا۔ جیسا کہ باقی علوم میں ''شروح'' کے پڑھنے سے پہلے کتابوں کے ''متون'' پڑھے جاتے ہیں۔

جب طالب علم امام ولی اللہ دہلویؒ کے طریقے پر تعلیم حاصل کرنے میں مشغول ہوگا تو اُس کے دل ودماغ میں سب سے پہلے قرآن عظیم اور ''**مؤطا امام مالکؒ**'' تمام چیزوں پر مقدم ہو کر راسخ ہو جائے گی۔

(کتبِ حدیث کے طبقات کے تعین میں اختلاف)

"**مؤطا امام مالکؒ**" یا ''**صحیح بخاری**" کو مقدم کرنے کے حوالے سے ہونے والے اختلاف ہی کا ذیلی نتیجہ یہ ہے کہ کتبِ حدیث کی تصحیح میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔

عام علما — جو کہ ''**بخاری**'' کو مقدم سمجھتے ہیں — کے نزدیک کتبِ حدیث کے طبقۂ اولیٰ میں دو کتابیں صحیحین (**بخاری، مسلم**) ہیں۔ اور طبقۂ ثانیہ میں وہ کتابیں ہیں، جو شیخین (بخاریؒ، مسلمؒ) کی شرط پر ہیں۔ (جیسا کہ ''**صحیح ابن خزیمہ**''، ''**صحیح إبن حبان**" اور ''**مستدرک علی الصحیحین**'') اور طبقۂ ثالثہ میں کتبِ سنن ہیں، جیسا کہ "**سنن ابی داؤد**"، ''**سنن نسائی**''، "**سنن ترمذی**'' وغیرہ۔

پس ان کے نزدیک جب امام حاکم اس بات کی تصریح کریں کہ یہ حدیث ''شیخینؒ'' کی شرط پر پورا اُترتی ہے تو وہ حدیث ابوداؤد کی روایت کی ہوئی حدیث پر مقدم سمجھی جاتی ہے۔ جب کہ امام ابوداؤد اس حدیث کے بارے میں خاموش رہے ہوں۔ ایسے ہی وہ کتابیں، جوعلم حدیث میں اجنبی سمجھی جاتی ہیں، جیسا کہ ''**صحیح ابن خزیمه**''، ''**صحیح ابن حبان**'' اور ''**منتقٰی لابن الجارود**'' وغیرہ کتابوں کے نسخے میں اگرکوئی حدیث پائی جائے تو اُسے ابوداؤدؒ کی کتاب میں موجود حدیث پر ترجیح دی جاتی ہے۔ یہ لوگ احادیث کی تصحیح میں اُس کے رجال کے ثقہ اور بااعتماد ہونے پر اکتفا کرتے ہیں۔ تصحیح روایات میں ان کے نزدیک مسلمانوں کے عمل اور ان کے نظر وفکر کی کوئی قیمت نہیں۔

اہل علم کی اس قسم کو ہم اُن لوگوں میں شمار کرتے ہیں، جنھیں شیخ ابوطاہر کردیؒ مدنی نے ''**ورّاقیه**'' (ورق گردانی کرنے والوں کا گروہ) قرار دیا ہے۔

امام شوکانیؒ نے لکھا ہے کہ:

''جب مشہور آئمہ میں سے کوئی امام کسی راوی کے بارے میں ''**حفظ**''، ''**عدالت**''، ''**حسن المعرفة والضبط**'' جیسے جملے استعمال کرے۔اور وہ اپنی کتاب میں صرف ان لوگوں کی روایت لائے، جوصحیح ہیں۔ اور اسے اس شان میں پوری مہارت حاصل ہو، جیسا کہ صحیحین (بخاری اور مسلم) کے مصنّفین۔ اور ''**صحیح ابن حبان**'' اور ''**صحیح ابن خزیمه**'' وغیرہ۔ ان کی یہ تصحیح اس پر عمل کی گنجائش پیدا کرتی ہے۔ جب کہ وہ حدیث ان کتابوں میں پائی جائے۔'' انتھٰی (80)

میں یہ کہتا ہوں کہ عام متأخرین علما بھی اسی طرح کی رائے رکھتے ہیں۔ مثلاً شیخ جلال الدین سیوطیؒ اور ان کے متبعینؒ، شیخ علی متقیؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ وغیرہ۔

شیخ عبدالحق (محدث دہلویؒ) تو ان طبقاتِ کتبِ حدیث کی ترتیب کی بھی بات نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک تو وہ حدیث، خواہ کسی اجنبی کتاب میں ہی کیوں نہ آئی ہو، لیکن اگر اس کی سند میں ایسے رجال موجود ہیں، کہ جن سے **شیخینؒ** (بخاریؒ، مسلمؒ) نے روایت کیا ہے تو وہ اس روایت کو **شیخینؒ** کے برابر قرار دیتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات اُس کو اُن پر ترجیح بھی دے دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ شیخ کمال الدین ابن ہمامؒ ـــــ جو متأخرین میں سے مجتہد ہیں ـــــ کی رائے کی اتباع کرتے ہیں۔

شیخ ابن ہمامؒ اگرچہ بڑی جلالتِ شان رکھتے ہیں، لیکن اس باب میں انھوں نے غلطی کی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علاوہ ہر آدمی کی بات کو قبول یا ردّ کیا جا سکتا ہے۔

(مؤطّا کوتمام کتب پر ترجیح دینے والے محققین علما)

وہ لوگ، جو "مـؤطـا" کوتمام کتبِ حدیث پرمقدم مانتے ہیں، ان میں قاضی عیاضؒ، امام ابن الاثیرؒ، ابوبکر ابن العربی المالکیؒ، حافظ مغلطائی حنفیؒ ہیں۔لیکن ہم نے ان تمام کے کلام میں وہ مہارت نہیں دیکھی، جس کا اظہار امام ولی اللہ دہلویؒ نے "**حجة اللّٰه البالغه**" کے "**باب طبقات کتب الحدیث**" میں کیا ہے۔

پھر اس کی پوری شرح امام عبدالعزیز دہلویؒ نے "**عجـالـۂ نـافعه**" میں کی ہے۔ پھر طبقاتِ کتب ِ حدیث کی اس بحث کے بنیادی پہلوؤں کو امام محمد قاسم دیو بندیؒ نے "**هـدیة الشیعه**" (81) میں عقلی دلائل سے مضبوط کیا ہے۔

اس طرح اصحابِ نظروفکر اگر ان تحقیقی آرا کی طرف تھوڑی سی بھی توجہ کریں تو ان کے سامنے شیخ (کمال الدین) ابن ہمامؒ کی رائے کی کمزوری واضح ہوجائے گی۔ یہ بات بھی ظاہر ہوجائے گی کہ محدثین میں سے "**ورّاقیه**" (ورق گردانی کرنے والوں) کی حیثیت ایسی ہی ہے، جیسے فلاسفہ اور حکما میں "**سوفسطائیه**" (غلط عقلی تصورات بیان کرنے والوں) کی حیثیت ہے۔

فصل (4): ("مؤطا" کے قائم کردہ اصول)

میں نے اُن (علمائے عرب) کے سامنے "**حـجة الـلّٰـه البـالغـه**" کے حوالے سے اُن اصولوں کی وضاحت کی، جن پر "**مـؤطـا**" کی بنیاد ہے۔ یہاں میں اُن اصولوں کا خلاصہ بیان کرتا ہوں۔ انشاء اللہ اس کی پوری تفصیل حکیم الہند امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مذہب کے باب میں عن قریب بیان کی جائے گی۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے فرمایا:

> "جاننا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانے میں علمِ فقہ مدوّن شدہ نہیں تھا۔اور نہ اُس زمانے میں احکاماتِ شرعیہ کے بارے میں اُس طرح کی بحث ہوتی تھی، جیسا کہ آج کل یہ فقہائے کرام بحث کرتے ہیں۔ .....

(زمانۂ نبوی میں لوگ آپؐ کے اعمال کی نقل کرتے ہیں)

> نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں معاملہ یہ تھا کہ آپؐ نے وضوفرمایا۔صحابہؓ نے آپؐ کو وضو کرتے دیکھا۔انھوں نے اس پر عمل کرنا شروع کردیا۔اس بات کو دیکھے بغیر کہ یہ شریعت کا رُکن ہے یا ادب (مستحب) ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تو لوگ آپؐ کی نماز کی طرح نماز پڑھنے لگے۔آپؐ نے حج کیا تو لوگ آپؐ کے حج میں کیے ہوئے افعال کی

طرح مناسکِ حج ادا کرنے لگے۔ چناں چہ آپؐ کا عام حال یہی تھا۔ آپؐ نے کبھی یہ نہیں بیان فرمایا کہ وضو کے فرض چھ ہیں یا چار.....

(صحابہؓ نے جو کچھ دیکھا اور سنا، اُسے روایت کیا)

پس ہر صحابیؓ نے ـــ جو کچھ اللہ نے انھیں آسانی دی ـــ آپؐ کی عبادت کو دیکھا۔ آپؐ کے فتاویٰ اور فیصلوں کو مشاہدہ کیا اور اُسے محفوظ کرلیا اور یاد کرلیا۔ انھوں نے ہر چیز کو قرائن کی مناسبت سے اچھی طرح سمجھا۔ پس انھوں نے آپؐ کے بعض اعمال کو اباحت (جواز) پر محمول کیا۔ بعض کو نسخ (منسوخ ہونے) پر، اُن علامات اور قرائن کی وَجہ سے، جو اُن کے نزدیک کافی تھے۔

اُن کے نزدیک سب سے بہترین اور عمدہ بات، استدلال کے عقلی طریقوں کی طرف توجہ دیے بغیر، وجدانی طور پر دلی اعتماد اور اطمینان کا حصول تھا۔ جیسا کہ آپ عام طور پر دیہاتیوں کے بارے میں جانتے ہیں کہ وہ آپس میں بات کے اصل مقصد کو سمجھ جاتے ہیں۔ انھیں بات کے سمجھنے میں دلی اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ گفتگو صراحتاً کی جائے یا اشارتاً اور کنایتاً کی جائے۔ وہ اگر چہ گفتگو کے صراحت، اشارے اور کنائے کے قوانین کا شعور نہ بھی رکھتے ہوں۔

اس طرح آپؐ کا زمانہ ختم ہوا۔ اور لوگ اسی حالت کے مطابق عمل کرتے رہے۔

(صحابہ کرامؓ کا اطرافِ مملکتِ اسلامیہ میں پھیلنا)

اس کے بعد صحابہؓ مختلف شہروں میں پھیل گئے۔ مملکتِ اسلامیہ کے اطراف میں اُن میں سے ہر ایک مقتدا اور رہنما بن گیا۔ اب نئے نئے واقعات کثرت سے پیدا ہونے لگے۔ نئے پیدا شدہ مسائل کے بارے میں ان کے درمیان گفتگو شروع ہوئی۔ اس سلسلے میں اُن سے سوالات کیے گئے۔ ہر ایک نے آپؐ کی محفوظ باتوں کے تناظر میں جوابات دیے۔ یا انھوں نے خود ایسی باتوں کا استنباط کیا، جن سے جواب دیا جاسکتا ہے۔ اس طرح انھوں نے اپنی رائے اور اجتہاد سے کام لیا۔ ان حضرات نے اُس علت کو پہچانا، جو اُن کے خیال میں نبی اکرمؐ کے منصوص حکم کی بنیاد تھی۔ انھوں نے کوئی کوتاہی کیے بغیر ایسے احکامات بیان کیے، جن کا مقصد حضورؐ کے منشائے مبارک کی موافقت تھی۔

(صحابہ کرامؓ کے درمیان مسائل کے بیان میں اختلاف)

اس دور میں صحابہؓ کے درمیان درجِ ذیل چند وجوہات کی وَجہ سے مسائل کے بیان میں

اختلاف پیدا ہوا:

(الف: حکم کے نقل کرنے اور اجتہاد کے حوالے سے اختلاف)

اختلاف کا ایک سبب تو یہ تھا کہ ایک صحابیؓ نے کسی واقعے یا فتوے کے ضمن میں آپؐ کا کوئی قول سنا تھا۔ انھوں نے اُس کے مطابق فتویٰ دیا تھا۔ جب کہ دوسرے صحابیؓ نے آپؐ کی وہ بات نہیں سنی تھی۔ انھوں نے اپنی رائے سے اس سلسلے میں اجتہاد کیا.....

(اس کی بھی ذیلی چار وجوہات ہیں، جنھیں شاہ صاحبؒ نے یہاں بیان کیا ہے۔ آزاد)

(ب: حکم کی نوعیت سمجھنے میں اختلاف)

صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حج کرتے ہوئے دیکھا۔ اب بعض حضرات نے سمجھا کہ آپؐ نے ''**حجِ تمتُّع**'' (دو الگ احراموں کے ساتھ عمرہ اور حج) کیا ہے۔ بعض نے یہ سمجھا کہ آپؐ نے ''**حجِ قِران**'' (ایک احرام کے ساتھ عمرہ اور حج) کیا ہے۔ جب کہ تیسری جماعت نے یہ سمجھا کہ آپؐ نے ''**حجِ اِفراد**'' (ایک احرام کے ساتھ صرف حج ادا) کیا ہے۔

(ج: حکم سمجھنے میں غلط فہمی پر مبنی اختلاف)

اختلاف کا ایک سبب سہو و نسیان بھی بنا.....(مثلاً حضرت عبداللہؓ ابن عمرؓ نے روایت کیا کہ حضورؐ نے رجب کے مہینے میں عمرہ کیا تھا، جب کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ انھیں غلطی لگی ہے۔)

(د: حکم کی علت دریافت کرنے میں اختلاف)

اختلاف کا ایک سبب حکم کی علت تلاش کرنے میں اُن کے درمیان اختلاف پایا گیا۔......

(ھ: مختلف احکامات کے جمع کرنے کے بارے میں اختلاف)

اختلاف کا ایک سبب دو مختلف احکامات میں جمع کرنے کے بارے میں صحابہ کرامؓ میں اختلاف پایا گیا۔

خلاصہ یہ کہ اس طرح نبی اکرمؐ کے صحابہؓ کی آرا باہم مختلف ہو گئیں۔

پھر تابعین میں سے جس کو جس صحابی سے تعلیم حاصل کرنے کی سہولت میسر آئی، اُس نے اُن سے تعلیم حاصل کی۔ صحابہ کے باہمی اختلاف کی وَجہ سے تابعین کے درمیان بھی اسی طرح اختلافات پیدا ہوئے۔ اُن میں سے بعض نے حضورؐ کی احادیث سنیں اور یاد رکھیں۔ صحابہؓ کی آرا

کو سمجھا۔ اُن کی مختلف باتوں کو جمع کرنے کی کوشش کی۔ بعض حضرات کے اقوال کو بعض پر ترجیح دی۔ اس طرح تابعینؒ کی نظر میں بعض اقوال کمزور محسوس ہوئے۔ انھوں نے انھیں ترک کردیا، اگرچہ وہ کبار صحابہؓ سے منقول شدہ تھے۔ اس طرح تابعینؒ میں سے ہر ایک کا تمام فقہی ابواب کے حوالے سے ایک مذہب بن گیا۔

(تابعین کے مذاہب اور ان کی امامت)

اس طرح مملکتِ اسلامیہ کے اہم شہروں میں تابعین میں سے کچھ حضرات امامت کے منصب پر فائز ہوگئے۔ جیسے:

☆ مدینہ منورہ میں حضرت سعید بن مسیّبؒ، حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؓ اور پھر ان کے بعد امام زُہریؒ، قاضی یحییٰ بن سعیدؒ، ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰنؒ۔

☆ مکہ مکرمہ میں حضرت عطا بن ابی رباحؒ۔

☆ کوفہ میں حضرت ابراہیم نخعیؒ اور امامِ شعبیؒ۔

☆ بصرہ میں حضرت حسن بصریؒ۔

☆ یمن میں حضرت طاؤس بن کیسانؒ۔

☆ شام میں حضرت مکحولؒ۔

پس لوگ علوم حاصل کرنے کے لیے دور دراز سے ان حضرات کے پاس آنے لگے۔ لوگوں نے ان سے حدیث پڑھی۔ صحابہؓ کے فتاویٰ اور اُن کے اقوال اَخذ کیے۔ ان حضرات کے مذاہب اور ان کی تحقیقات پڑھیں۔ سوال کرنے والوں نے اُن سے سوالات کیے۔ اس طرح اُن کے درمیان نئے پیدا ہونے والے مسائل زیر بحث رہے۔ اس طرح فیصلوں کے لیے اُن کی طرف رجوع کیا جانے لگا۔ اس طرح حضرت سعید بن مسیّبؒ اور حضرت ابراہیم نخعیؒ جیسے لوگوں نے فقہ کے تمام ابواب میں جمع و تدوین کا کام کیا۔ انھوں نے ہر باب کے ایسے اصول متعین کیے، جو انھوں نے سلف سے حاصل کیے تھے۔

(حضرت سعید بن مسیّب اور فقہائے حرمین: مکہ، مدینہ)

حضرت سعید بن مسیّبؒ اور ان کے ساتھی، فقہ کے سلسلے میں حرمین شریفین کے صحابہ و تابعین پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔ ان کے مذہب کی بنیاد حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے فتاویٰ اور مدینے کے قاضیوں کے فیصلے ہیں۔ انھوں نے ان تمام کو جمع کرلیا، جتنی اللہ نے اُن کے لیے آسانی پیدا کی تھی۔ پھر انھوں نے اس پر فنِ اعتبار (ایک

آیت کے حکم سے کسی دوسرے مسئلے کا حکم معلوم کرنے) کے نقطۂ نظر سے توجہ کی اور تحقیق و تفتیش کی۔اس کے نتیجے میں:

1۔ علمائے مدینہ کے نزدیک، جو متفق علیہ اور اجماعی مسائل تھے، ان کو انھوں نے مضبوطی سے پکڑ لیا۔

2۔ جن مسائل میں علمائے مدینہ کا اختلاف پایا جاتا تھا، ان میں سے انھوں نے زیادہ راجح اور مضبوط قول کو لے لیا۔

ان کے نزدیک ترجیح کی وجوہات درجِ ذیل تھیں:

(ا) ایک یہ کہ وہ قول، علمائے مدینہ کی اکثریت کا تھا۔

(ب) یا اس لیے کہ وہ قول، قیاسِ قوی سے موافقت رکھتا تھا۔

(ج) یا یہ کہ اُس قول کی تخریج، کتاب وسنت کی صریح نص سے ہوئی تھی۔

(د) یا اس کے علاوہ کوئی اور وجہ۔

(3) اگر کسی مسئلے کا جواب علمائے مدینہ کے محفوظ ذخیرے میں نہ پاتے تو اُن کے دائرے سے نکل کر احادیث کے الفاظ پر مبنی اشارات اور اُن کے تقاضوں کی اتباع کرتے۔

اس طرح فقہ کے ہر ہر باب میں انھوں نے بہت سے مسائل مرتب اور مدوّن کر دیے۔

(حضرت ابراہیم نخعیؒ اور فقہائے کوفہ)

جب کہ حضرت ابراہیم نخعیؒ اور ان کے شاگردوں نے یہ دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ــــ (جنھیں حضرت عمر نے اہل کوفہ کی تعلیم وتربیت کے لیے مقرر کیا تھا) ــــ اور ان کے تربیت یافتہ شاگرد، فقہ میں زیادہ قابل اعتماد ہیں۔ جیسا کہ حضرت علقمہؒ نے حضرت مسروقؒ سے کہا تھا کہ:

''کیا علمائے مدینہ میں کوئی آدمی عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ ثقہ اور قابل اعتماد ہے؟''

اسی طرح ایک دفعہ امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ نے امام اوزاعیؒ سے کہا تھا: ''ابراہیم نخعیؒ، سالمؒ سے زیادہ فقیہ ہیں۔ اور اگر صحبتِ نبویؐ کی فضیلت حاصل نہ ہوتی تو میں یہ کہتا کہ حضرت علقمہؒ، عبداللہ بن عمرؓ سے زیادہ فقیہ ہیں۔ اور عبداللہ (بن مسعودؓ) تو عبداللہ ہیں (یعنی اُن کا کیا مقابلہ)۔''

حضرت ابراہیم نخعیؒ کے مذہب کی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فتاویٰ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عدالتی فیصلے اور حضرت قاضی شریحؒ اور کوفہ کے دیگر قاضیوں کے فتاویٰ اور عدالتی

فیصلے ہیں۔ پس انھوں نے ان تمام کو جمع کیا۔ جتنی اللہ نے ان کو توفیق دی۔ پھر انھوں نے بھی ان (کوفہ اور بصرہ سے) جمع شدہ آثار و روایات سے مسائل اخذ کرنے کا وہی طریقۂ کار اختیار کیا، جو اہل مدینہ نے اہل مدینہ کے آثار و روایات کے ساتھ کیا۔ اس طرح انھوں نے بھی بہت سے مسائل کی تخریج کی۔ انھوں نے فقہ کے ہر ہر باب میں بہت سے قوانین اور احکامات کی تلخیص کر دی۔

(حضرت سعید بن مسیّب اور حضرت ابراہیم نخعیؒ کا مقام)

حضرت سعید بن مسیّبؒ، فقہائے مدینہ کی زبان ہیں۔ وہ حضرت عمرؓ کے فیصلوں اور حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیثوں کے سب سے بڑے حافظ ہیں۔ جب کہ حضرت ابراہیم نخعیؒ فقہائے کوفہ کی زبان ہیں۔ یہ دونوں حضرات جب بھی کچھ بولتے ہیں اس کی کسی کی طرف نسبت نہ بھی کریں تو ان کی کہی ہوئی اکثر باتیں ان کے سلف میں سے کسی نہ کسی ایک کی طرف صراحتاً یا اشارتاً منسوب ہوتی ہیں۔ پس ان دونوں حضرات پر ان کے شہروں (مدینہ اور کوفہ) کے فقہا کا اجتماع ہو چکا ہے۔ لوگوں نے ان دونوں سے تعلیم حاصل کی۔ ان کی باتوں کو سمجھا۔ اور ان کی بنیاد پر مسائل کی تخریج کی۔ واللہ اعلم

(تابعین کے بعد کے اہل علم و فقہ)

جاننا چاہیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا تھا، کہ:

"**يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله.**" (82)

(عدل وانصاف کے حامل اس علم کو اُٹھانے والے ہر ایک دور میں پیدا ہوتے رہیں گے)

اس کے مطابق تابعین کے زمانے کے بعد علم کے حاملین کا ایک نیا زمانہ سامنے آیا۔

چناں چہ اس زمانے کے علما نے اپنے سے پہلے علما کے متفقہ اجماعی مسائل کی تعلیم حاصل کی۔ جیسے مثلاً وضو، غسل، نماز، حج، نکاح، خرید وفروخت وغیرہ کے طریقے ہیں۔ وہ مسائل سیکھے، جو بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ چناں چہ انھوں نے نبی اکرمؐ کی احادیث کی روایت کی۔ اپنے اپنے شہروں کے قاضیوں کے فیصلے سنے۔ ان شہروں کے مفتیوں کے فتاویٰ سمجھے۔ اُن سے مسائل دینیہ کے بارے میں سوالات کیے۔ انھوں نے اس سلسلے میں بڑی جد وجہد اور کوشش کی۔ اس طرح وہ قوم کے رہنما بن گئے۔ اور یوں اگلے دور میں دین کا معاملہ ان کے سپرد ہو گیا۔

(تبع تابعین کے طریقۂ کار کا خلاصہ)

یہ لوگ بھی اپنے اپنے مشائخ کے طریقۂ کار پر چلے۔ انھوں نے بھی احادیث کے الفاظ پر مبنی اشارات اور اُن کے تقاضوں کی اتباع کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ چناں چہ خود انھوں نے بھی عدالتی فیصلے کیے۔ فتوے جاری کیے۔ مسائل کی روایت کی۔ اس کی تعلیم و تربیت دی۔ اس طبقے کے علما کا طریقۂ کار بھی ایک دوسرے سے ملتا جلتا تھا۔

اُن کے طریقۂ کار کا خلاصہ یہ ہے کہ:

1۔ وہ سب سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مُسند (براہِ راست) اور مُرسل (بالواسطہ) حدیث کو لیتے تھے۔

2۔ پھر اقوالِ صحابہؓ اور تابعینؒ کو بہ طورِ استدلال کے سامنے رکھتے تھے۔ ہاں! اگر اُن کے درمیان اختلاف ہوتا اور رسول اللہؐ کی حدیث ظاہری طور پر اُن کے قول کے مخالف ہوتی تو پھر اُن اقوال کو نہ لیا جاتا۔

3۔ اگر کسی مسئلے میں احادیثِ رسول اللہؐ میں بھی باہم اختلاف ہوتا تو پھر وہ لوگ صحابہؓ کے اقوال کی طرف رجوع کرتے۔ اگر صحابہ نے:

(ا) آپؐ کی بعض احادیث کے منسوخ ہونے کا تذکرہ کیا۔

(ب) یا حدیث کے ظاہری معنی سے پھیرنے کا کہا۔

(ج) یا انھوں نے اس کی تصریح تو نہیں کی، لیکن ان کا اُس حدیث کو چھوڑنے پر اتفاق تھا۔ اور اُس حدیث کے حکم کے مطابق کسی نے بھی اپنا قول اختیار نہیں کیا۔

یہ تمام وجوہات گویا اس بات کی دلیل تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ حدیث کا حکم یا تو منسوخ شدہ ہے یا تمام حضرات نے اُس میں تاویل کی ہے۔

4۔ اور اگر کسی مسئلے میں صحابہؓ اور تابعینؒ کے مذاہب کا اختلاف ہوگیا تو پھر ہر عالم کے نزدیک وہ مسلک پسندیدہ تھا، جو اُس کے شہر (مدینہ یا کوفہ) کے مشائخ کا مذہب تھا۔

(فقہائے مدینہ کا تسلسل)

اس طرح اہل مدینہ؛ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ اور ان کے شاگردوں، جیسے:

حضرت سعید بن مسیّبؒ —— جو کہ حضرت عمرؓ کے عدالتی فیصلے اور حضرت ابو ہریرہؓ کی

احادیث کو یاد رکھنے والے تھے ـــــ کے مذہب کو دوسرے شہروں کے فقہا پر ترجیح دیتے ہیں۔

اسی طرح: عروہؒ، سالمؒ ، عطا بن یسارؒ، قاسمؒ ، عبیداللہ بن عبداللہؒ، زہریؒ، یحییٰ بن سعیدؒ، زید بن اسلمؒ اورربیعہؒ کی بات کو زیادہ قبول کرتے ہیں۔

(اس کی وَجہ یہ کہ نبی اکرمؐ نے مدینہ کے بہت سے فضائل بیان کیے ہیں ۔اوراس لیے بھی کہ ہرزمانے کے فقہا اور علما کے اجتماع کا مرکز ہمیشہ مدینہ ہی رہا ہے۔ سندھی)

(فقہائے کوفہ کا تسلسل)

اسی طرح اہلِ کوفہ؛ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے شاگردوں، حضرت علیؓ، قاضی شریحؒ، اورامام شعبیؒ کے فیصلوں اور حضرت ابراہیم نخعیؒ کے فتاویٰ کو دوسرے شہروں کے اہلِ علم پر ترجیح دیتے ہیں۔

اس طرح ہر ایک شہر والوں کا جس کسی مسئلے پر اتفاق ہوگیا، تو انھوں نے اُسے مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اور ایسے ہی مسائل کے بارے میں امام مالکؒ نے یہ کہا ہے کہ:

"السُّنّة التی لا إختلاف فیها عندنا کذا و کذا"

(وہ سنت ،جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، ہمارے نزدیک وہ مسائل یہ ہیں)

اور اگر ایک شہر والوں کا کسی ایک مسئلے میں آپس میں اختلاف ہوا تو انھوں نے اُس میں سے جو مضبوط یا راجح قول تھا، اُسے لے لیا۔ یا تو اس لیے کہ اُس قول کے کہنے والے کثیر لوگ تھے، یا یہ کہ وہ قیاسِ قوی سے موافقت رکھتا تھا۔ اور یا یہ کہ کتاب و سنت سے اُس کی تخریج ہوئی ۔

یہ وہ مسائل ہیں، جن کے بارے میں امام مالکؒ نے کہا:

"هذا أحسن ما سمعتُ."

(جو کچھ میں نے سنا، اُس میں سب سے بہتر بات یہ ہے۔)

اور اگر کسی مسئلے کا جواب اُن فقہی ابواب میں نہیں تھا، جو اُن کے شہر کے گزشتہ بزرگوں کی جماعت سے محفوظ تھیں تو وہ ان کے مذہب کے دائرے سے باہر نکلے ۔انھوں نے (احادیث و اقوال کے الفاظ پر مبنی) اشارات اور اُن کے تقاضوں کی اتباع کی۔ اس طرح اس طبقے میں مسائل کو مدوّن کرنے کا الہام کیا گیا۔ چناں چہ مدینہ میں امام مالکؒ، محمد بن عبدالرحمٰنؒ اور ابن ابی ذویبؒ نے مسائل مدوّن کیے۔ مکہ میں ابن جریجؒ اور ابن عیینہؒ نے، کوفہ میں امامِ ثوریؒ نے، اور بصرہ میں ربیع ابن صبیحؒ نے مسائل مدوّن کیے۔ یہ تمام کے تمام اُس منہج اور طریقۂ کار کے مطابق چلے، جس کا میں نے ابھی ذکر کیا۔

(''مؤطاؒ'' کی ترتیب وتدوین میں امام مالکؒ کا طریقۂ کار)

رسول اللہؐ سے روایت کردہ احادیث میں سے مدینے والوں کی حدیث کے سلسلے میں امام مالکؒ زیادہ قابل اعتماد ہیں اور ان کی سند زیادہ قوی ہے۔ وہ علمائے مدینہ میں سے، حضرت عمرؓ کے قضایا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کے اقوال اور فقہائے سبعہ اور ان کے اصحاب کے اقوال کو زیادہ جانتے ہیں۔ چناں چہ امام مالکؒ اور ان جیسے لوگوں کے ذریعے سے روایت و فتویٰ کا علم قائم ہوگیا۔

جب حدیث و فقہ کا معاملہ حضرت امام مالکؒ کے سپرد ہوا تو انھوں نے حدیث بیان کی۔ فتاویٰ دیے۔ لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔ اس سلسلے میں عمدگی اور مہارت کا ثبوت دیا۔ انھی پر رسول اللہؐ کا یہ قول پورے طور پر منطبق ہوتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

''قریب ہے کہ لوگ دُور دَراز سے علم کی تلاش میں آئیں گے۔ پس وہ مدینے کے عالم سے بڑا عالم کہیں بھی نہیں پائیں گے۔''

جیسا کہ ابن عیینہؒ اور عبدالرزاقؒ نے روایت کیا ہے۔ اور ان دونوں کا روایت کرنا تمہارے لیے کافی ہے۔

اگر تم چاہتے ہو کہ جو کچھ ہم نے امام مالکؒ کے مذہب کے بارے میں بیان کیا ہے، اُس کی حقیقت معلوم کرو تو کتاب ''مؤطا'' کا مطالعہ کرو۔ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے، تم اُس کے مطابق پاؤ گے۔''

انتہٰی کلام الإمام ولی اللّٰہ ملتقطا من "باب إختلاف الصّحابة و التّابعین فی الفروع" و من ''باب أسباب اختلاف مذاهب الفقهاء" من ''حجّة اللّٰه البالغه". (83)

فصل (5): (ہمارا طریقۂ تحقیق اور فقہ حنفی کی ''مؤطا'' سے موافقت)

آدمی ''علم الاسانید'' (احادیث کی سندوں اور ان کے راویوں سے واقفیت کا علم) کا عالم اسی وقت تک ہوسکتا ہے، جب کہ اُس کو احادیث کے ''متابعات'' اور ''شواہد'' کے اعتبار پر قدرت حاصل ہو۔ نیز اُسے احادیث پر' تواتر، شہرت، صحت یا غرابت اور ضعف ـــــ جس درجے کی وہ حدیث ہو ـــــ کا حکم لگانے کی صلاحیت حاصل ہو۔ نیز اُسے عام طور پر آئمہ محدثین کے اجتہادات سے موافقت حاصل ہو۔

اہل علم کی اکثریت کا اتفاق ہے کہ صحیح احادیث پانچ کتابوں سے باہر نہیں: "صحیحین" (بخاری اور مسلم)، ''سنن لأبی داؤد''، ''سنن نسائی'' اور ''سنن ترمذی''۔ بہت کم حدیثیں ایسی ہیں، جو ان کتابوں میں نہ ہوں۔ اگر کوئی حدیث کا طالبِ علم مصنّفین کی جانب سے روایات کے صحت اور ضعف کے

بارے میں پائے جانے والے انتشار سے واقف ہو، اور پھر اپنے اساتذہ کے سامنے "مؤطا" پڑھنے کے بعد اِن (پانچ صحیح) کتابوں کو پڑھ لے تو بہت تھوڑی مدت میں تواتر یا حدِشہرت کو پہنچنے والی احادیث کا پورا یقین حاصل کرلے گا۔

پھر جب ہم نے "مؤطا" کوسب سے پہلے رکھا، تو یہ مذکورہ پانچ کتابیں "مؤطا" کی اکثر احادیث کی تخریج کے لیے کافی ہیں۔اس طرح آسانی کے ساتھ آدمی صاحبِ بصیرت اور محقق بن جاتا ہے۔ چناں چہ میں اپنے درس و تدریس کے زمانے میں اس طریقۂ تعلیم کے مطابق احادیث کے مطالعے میں مشغول ہوا۔ یوں میرے لیے احادیث کے سلسلے میں تحقیق کی آسانی پیدا ہوگئی۔

اگرہم امام بخاریؒ کی کتاب کو بنیادی اور اصل کتاب قرار دیں اور اُس کی احادیث کی تخریج کرنے میں مشغول ہوں تو ہم ایسی اجنبی کتابوں کے محتاج بن جاتے ہیں، جو بہت کم پائی جاتی ہیں۔ان پر اعتماد کرنا غلطی سے خالی نہیں۔ اس طرح ہم خود اسانید کی تحقیق پر قدرت حاصل نہیں کرسکتے۔ پھر ہمیں جامع صحیح بخاری کی روایات کی تحقیق کے سلسلے میں مجبوراً حافظ ابن حجرؒ (عسقلانی) پر اعتماد کرنا پڑتا ہے۔ یہ بات اسانید کی تحقیق کے حوالے سے کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔

اسانید کی تعلیم و تحقیق سے فراغت کے بعد جب ہم نے اس بات کی کوشش کی کہ فقہ کو "مؤطا" کے ساتھ تطبیق دی جائے تو اس کے لیے ہم نے یہ طریقۂ کار اپنایا کہ فقہ میں مذہبِ حنفی کی اُن روایات کو لیا جائے، جو "مؤطا" کے موافق ہیں۔اس طریقۂ کار میں امام ولی اللہ دہلویؒ ہمارے لیے نمونے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ فقہ حنفی کے اس مسلک میں ہم اُن کی اتباع میں چلتے ہیں۔ فقہ حنفی کو ہم اس لیے قبول کرتے ہیں کہ ہندوستان کے عام لوگ حنفی ہیں۔ اگر ہم کسی ایسے علاقے میں پیدا ہوتے کہ جہاں کے عام لوگ امام شافعیؒ کے مسلک کی اتباع کرتے ہیں تو ہم ضرور اسی طریقۂ کار کے مطابق مذہب شافعیؒ کو "مؤطا" امام مالکؒ کے ساتھ تطبیق دے دیتے۔

(درس و تدریس کے اس طریقے پر اللہ کی حمد وثنا)

علوم حاصل کرنے والے لوگوں کی ایک تھوڑی جماعت نے ہم سے فقہ وحدیث کا یہ طریقہ سیکھا۔اس پر اللہ کی حمد وثنا ہے۔

حرم میں علوم حاصل کرنے والوں نے مجھ سے ولی اللّٰہی طریقے کی حقیقت معلوم کی۔ نیز اہل حدیث اور دیوبندیوں کے درمیان فرق جاننا چاہا کہ ان میں سے ہر ایک امام ولی اللہ دہلویؒ کی اتباع کا دعوے دار ہے۔ اس طرح میں ولی اللّٰہی جماعت اوراس کے دو حصوں میں تقسیم ہونے کی تاریخ بیان کی طرف متوجہ ہوا۔

واللّٰہ ولیّ التّوفیق (اللہ ہی توفیق دینے والا ہے)

دسواں باب: ولی اللّٰہی جماعت کا تذکرہ

فصل (1): (ولی اللّٰہی نظریہ وفکر کے بانی اوّل؛ شاہ عبدالرحیم دہلویؒ)

شیخ الاجل حضرت شیخ عبدالرحیم بن وجیہ الدین دہلوی قدس سرہ نے عالم گیرؒ کی قائم کردہ اسلامی سوسائٹی سے علوم و معارف حاصل کیے۔ آپ کے نانا شیخ رفیع الدین دہلویؒ کے پاس اُن کے سلسلے سے ایک تواتر کے ساتھ جتنے معرفت کے خصوصی اُمور تھے، وہ انھوں نے اپنی والدہ کے ذریعے سے حاصل کیے۔ شیخ رفیع الدین ایک خاص طریقے کے وارث تھے، جو انھیں اپنے والد حضرت قطب العالم دہلویؒ سے حاصل ہوئے۔ انھوں نے اپنے والد امام عبدالعزیز بن حسن دہلویؒ المعروف ''بحرموّاج'' سے اور انھوں نے اپنے والد کمال الحق والدّین حضرت حسن بن طاہر دہلویؒ التوفی ۹۰۹ھ (1503ء) سے حاصل کیے تھے۔

اس طرح شیخ عبدالرحیم دہلویؒ کی طبیعت میں ایسی تجدیدی کیفیات ظاہر ہوئیں، جن سے انھوں نے تدریس وتعلیم اور رُشد و ہدایت میں ایک خاص طریقہ ترتیب دیا۔

پس اللہ نے آپؒ کے قلب پر یہ الہام کیا کہ وہ عام تفسیری مباحث اور صرف ونحو کی دقیق بحثوں سے ہٹ کر صرف قرآن حکیم کے معانی اور اس کے علوم و معارف کو سمجھنے کی طرف متوجہ ہوں۔

ایسے ہی اللہ نے آپؒ پر یہ بھی الہام کیا کہ وہ حکمتِ عملیہ کی طرف پوری طرح توجہ دیں۔ تاکہ سنت نبویہ ؐ کے علوم و معارف کی صحیح تشریح کی جا سکے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے والد سے اس طریقے کی تعلیم حاصل کی۔ پھر انھوں نے اُن کی روحانیت سے خصوصی علوم و معارف کی تربیت حاصل کی۔ اس طرح اللہ نے انھیں علم وشعور پر مبنی ایک طریقے کو مہذب و مرتب کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

فصل (2): (ولی اللّٰہی فکر و عمل کے چار بنیادی اُمور)

میرے نزدیک یہ بات تحقیق شدہ ہے کہ تحقیق وتجدید پر مبنی جس طریقے کی طرف حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ دعوت دیتے ہیں، اس کی بنیاد، اُن کے والد شیخ الاجل حضرت شاہ عبدالرحیم بن وجیہ الدین دہلوی قدس سرہ نے رکھی تھی۔

ولی اللّٰہی فکر وعمل کی دعوت کے بڑے بڑے اور بنیادی اُمور چار ہیں۔

(اوّل: قرآن حکیم میں براہِ راست غور وفکر اور تدبُّر)

قرآن حکیم سے ہدایت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مفسرین کی آرا کے بغیر اللہ کے کلام میں تدبر وتفکر کیا جائے۔ اس سلسلے میں کلام اللہ کو سب سے مقدم سمجھا جائے۔ چناں چہ (شاہ ولی اللہ دہلویؒ) نے اللہ کے کلام میں تدبر وتفکر کے اصول مرتب و مدوّن کیے۔ اُن اصولوں پر مبنی کتاب کا نام "الفوز الکبیر" رکھا۔ یہ اصول دراصل شیخ عبدالرحیم دہلویؒ کے طرزِ تفکر سے ماخوذ ہیں۔

امام ولی اللہ دہلویؒ اپنی کتاب ''بوارق المعرفت'' میں لکھتے ہیں:

''حضرت والد (شاہ عبدالرحیم دہلوی) صاحب قدس سرہ تہجد کے نوافل، اشراق کے نوافل، چاشت کے نوافل اور نمازِ مغرب کے بعد دو رَکعات بطورِ وظیفہ پڑھتے تھے۔ عذر کے علاوہ ہمیشہ تلاوتِ قرآن حکیم میں مشغول رہتے تھے۔ آپؒ قواعدِ تجوید کی رعایت کرتے ہوئے انتہائی خوش الحانی سے قرآن حکیم پڑھتے تھے۔ تلاوت کے علاوہ بھی اکثر اپنے احباب کے حلقے میں ہر روز قرآن حکیم کے دو یا تین رکوع پورے تدبر اور اُن کے معانی کے بیان کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔'' انتھٰی (84)

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اپنی کتاب ''الجُزء اللّطیف'' میں لکھتے ہیں:

''میں نے علمِ تفسیر میں ''تفسیر بیضاوی'' اور ''تفسیر مدارک'' کے کچھ حصے پڑھے ہیں۔ نیز کئی بار حضرت والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر قرآن عظیم کو بڑے تدبر اور اُس کے معانی میں غور وفکر، شانِ نزول اور تفاسیر کے مکمل مطالعے کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہی وَجہ ہے کہ میرا سینہ (قرآن حکیم کے علوم و معارف میں) بہت زیادہ کھل گیا۔ والحمد لِلّٰہ۔'' انتھٰی (85)

امام ولی اللہ دہلویؒ نے قرآن حکیم کو پورے تدبر اور غور وفکر کے ساتھ پڑھنے کو اپنی زندگی کا لازمی حصہ بنا لیا۔ چناں چہ آپؒ نے حرمین شریفین کے سفر ۱۱۴۳ھ (1730ء) پر جانے سے پہلے "فتح الرّحمٰن" لکھنا شروع کردی تھی۔

انھی اصولوں پر ان کے صاحبزادگان نے ان کی اتباع کی۔ چناں چہ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے (تفسیر) "فتح العزیز" لکھی۔ جو دراصل اُن کے قرآن عظیم میں غور وفکر اور تدبر کے نمونے کا درجہ رکھتی ہے۔ جس میں انھوں نے اپنے زمانے کے لوگوں کو سامنے رکھتے ہوئے آیات کے معانی اور مفاہیم کی تطبیق پیدا کی ہے۔ (دوسرے صاحبزادے) شیخ رفیع الدین دہلویؒ نے اردو زبان میں لفظی ترجمہ کرتے ہوئے شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی تفسیر کو اپنے سامنے رکھا ہے۔ اس سلسلے میں شیخ عبدالقادر دہلویؒ کی تفسیر "موضح

القرآن" امامت کا درجہ رکھتی ہے۔

ہندوستان کے علما کی ایک جماعت نے شیخ عبدالقادر دہلویؒ کے طرز پر اُردو زبان میں کئی تفاسیر لکھیں۔ ہمارے استاذ شیخ الہندؒ نے "موضح القرآن" میں سے پُرانے متروک الفاظ نکال کر اس زمانے کے مطابق اُس کی اصلاح کی ہے۔ اس کا نام "موضح الفرقان" رکھا ہے۔ میں نے اپنے شیخ (مولانا محمود حسن) قدس سرہ سے اُس کے کچھ حصے براہِ راست سنے ہیں۔ (86)

(دوم: احادیثِ نبویہؐ کے فہم میں محققانہ طرزِ فکر و عمل)

(ولی اللّٰہی دعوت کا دوسرا پہلو) احادیثِ نبویہؐ کے سلسلے میں تحقیقی مقام تک پہنچنے کے لیے اجتہاد کے عمل کو آسان بنانا۔ نیز صریح احادیث اور معروف سنت کے موافق جو مذاہب ہیں، انھیں اختیار کرنا ہے۔ یہ ملکہ حضرت شیخ عبدالرحیم دہلویؒ میں اجمالی طور پر موجود تھا۔ اسی سے امام ولی اللہ دہلویؒ متأثر ہوئے۔

چناں چہ آپؒ "بوارق المعرفت" میں لکھتے ہیں:

"یہ بات نظروں سے اوجھل نہیں ہونی چاہیے کہ حضرت والد صاحبؒ اکثر اُمور میں مذہب حنفی کے موافق عمل کرتے تھے۔ ہاں بعض مسائل میں حدیث کے مطابق یا اپنے وجدان کے مطابق کسی دوسرے مسلک کو ترجیح دیتے تھے۔ اُن مسائل میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اقتدا کی حالت میں سورۃ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ جنازے میں بھی سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے۔

ایک دن اس مسئلے میں شیخ عبدالاحد (بن شیخ محمد سعید سرہندی بن حضرت مجدد الف ثانیؒ) آپ سے بحث کرنے لگے۔ وہ اپنے اسلاف سے کچھ عبارتیں نمونے کے طور پر نقل کرنے لگے کہ امام کے پیچھے جماعت کی نماز کا حال ایسا ہے کہ ایک جماعت بادشاہ کے سامنے اپنے حالات پیش کرنے کے لیے کھڑی ہے۔ اب اس جگہ کا ادب یہ ہے کہ ہم اپنے حالات پیش کرنے کے لیے ایک آدمی (امام) پر اعتماد کریں۔ نہ کہ ہر ایک اپنی ہی بات کرنے لگے۔

اس پر حضرت والد صاحب قدس سرہ نے فرمایا:

"اس طرح قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ ان دونوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ اس لیے کہ نماز دراصل اللہ تعالیٰ کے سامنے مناجات ہوتی ہے۔ نماز میں دعا اور خشوع وخضوع کے ذریعے سے اپنے نفس کی تہذیب کی جاتی ہے۔ چناں چہ حدیث:

"لا صلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب." (87)

(جس نے سورتِ فاتحہ نہیں پڑھی، اس کی نماز نہیں ہوئی۔)

اس پر دلالت کرتی ہے۔ خدائے تعالیٰ اس طور پر "سمیع" (بہت زیادہ سننے والا) ہے کہ

تمام عالم اگر ایک میدان میں کھڑا ہو اور ہر ایک اپنی اپنی زبان میں جو کچھ مناجات کرے، اُسے سنتا ہے۔ کسی ایک کی مناجات اور دعا، دوسرے کی مناجات اور دعا میں کوئی خلل نہیں ڈالتی۔''

بحث کے دوران ہم اس بات پر آگئے کہ بعض اوقات مقتدیوں کی قرأت امام کے قرأت میں خلل ڈالتی ہے۔ لیکن اس زمانے کا حال تو یہ ہے کہ امام کی زبان پر لفظ ''الحمدللہ'' ہوتا ہے۔ اور حقیقت میں ''صلوٰۃ'' کے معنی کی طرف اسے کچھ توجہ نہیں ہوتی۔ اس لیے امام کی تشویش سے گھبرانا نہیں چاہیے۔

(اس کے بعد امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

''کاتب الحروف اس ضمن میں یہ عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (88)

(اور جب قرآن پڑھا جائے تو اُسے کان لگا کر سنو! اور چپ رہو! تا کہ تم پر رحم کیا جائے)

محض جہری نمازوں پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس کی تاویلات تفسیروں میں موجود ہیں۔)

انتھیٰ (89)

امام ولی اللہ دہلویؒ نے ''الجزء اللّطیف'' میں لکھا ہے کہ:

''میں حضرت والد صاحب قدس سرہ کی وفات کے بعد کم و بیش بارہ سال تک دینی اور عقلی کتب کی تعلیم و تدریس میں ہمیشہ مشغول رہا۔ میں نے ہر علم میں خوب غور و خوض کیا اور حضرت والد صاحبؒ کی طرف پوری توجہ رکھی۔ انھی دنوں مجھ پر توحید کا دروازہ کھلا اور ''جذب'' (اللہ کی طرف کشش) کا راستہ کھل گیا۔ اس طرح سلوک و احسان کے حوالے سے ایک عظیم فائدہ میسر آیا۔ چناں چہ وجدانی علوم فوج در فوج مجھ پر نازل ہونے لگے۔

مذاہبِ اربعہ کی کتابوں اور ان کے اصولِ فقہ اور ان کے استدلالات پر مبنی احادیث کے مطالعے کے بعد میرے دل میں نورِ غیبی کی مدد سے یہ بات پختہ ہوگئی کہ میں فقہائے محدثین کی روش اور ان کے طریقۂ کار کے مطابق چلوں۔ 12 سال کے بعد میرے دل میں حرمین محترمین کی زیارت کا شوق پیدا ہوا۔ اور ۱۱۴۳ھ کے آخر میں حج سے مشرف ہوا۔'' انتھیٰ (90)

(سوم: تصوف اور علومِ دینیہ میں جمع و تطبیق)

(ولی اللّٰہی دعوت کا تیسرا پہلو) علم اور تصوف میں جمع و تطبیق ہے۔ یہ کام بھی حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے شیخ اور والدِ گرامی شیخ ابوالفیض عبدالرحیم بن وجیہ الحق والدّین کی برکت سے کیا۔

امام ولی اللہ دہلویؒ ''القول الجمیل'' میں لکھتے ہیں:

''کمزور بندے ولی اللہ ـــــ اللہ اُسے معاف کرے اور اُسے سلفِ صالحین کے ساتھ ملائے ـــــ نے اپنے والد شیخ الاجل عبدالرحیم رضی اللہ عنہ کی صحبت اُٹھائی۔ میں نے ان کو ایک لمبے عرصے تک راضی اور خوش رکھا۔ اُن سے علومِ ظاہری کی تعلیم حاصل کی اور آدابِ طریقت کا ادب سیکھا۔ ان کی کرامات کا مشاہدہ کیا۔ ان سے مشکل مسائل کے بارے میں سوالات کیے۔ ان سے طریقت اور حقیقت کے فوائد میں سے بہت کچھ سنا۔ ان پر اور ان کے مشائخ پر جو واقعات، حالات اور کرامات جاری ہوئیں، انھیں سنا۔ اللہ سبحانہٗ ان کو میری جانب سے اور تمام استفادہ کرنے والوں کی جانب سے بہترین جزا عنایت فرمائے۔'' انتھیٰ (91)

شیخ عبدالرحیم دہلویؒ نے لکھا ہے کہ:

''ہمارے طریقے کے پانچ بنیادی اُصول ہیں:

1۔ ہمیشہ ذکر اللہ میں مشغول رہنا۔
2۔ ہر حالت میں تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرنا۔
3۔ بغیر کسی تفریق کے تمام مخلوق کو نفع پہنچانا۔
4۔ اللہ کی کسی بھی مخلوق سے اپنے آپ کو افضل نہ سمجھنا۔
5۔ اللہ کے حکم اور اللہ کی مخلوق کے سامنے تواضع اختیار کرنا۔'' انتھیٰ (92)

(چہارم: سماجی حکمتِ عملی اور علومِ شرعیہ میں جمع و تطبیق)

(ولی اللّٰہی دعوت کا چوتھا پہلو یہ ہے کہ) سماجی حکمتِ عملی کی تمام اقسام:

(یعنی تمام ارتفاقات:)

1۔ (ارتفاقِ اول) **تهذيب الأخلاق**
2۔ (ارتفاقِ دوم) **تدبير المنزل**
3۔ (ارتفاقِ سوم) **سياست المدنيه**
4۔ (ارتفاقِ چہارم) **سياست المُدن**

اور علومِ شرعیہ کے درمیان جمع و تطبیق پیدا کرنا ہے۔

چناں چہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''**بوارق المعرفت**'' میں لکھتے ہیں:

''اس فقیر نے حضرت والد صاحب قدس سرہٗ کی مجلسِ صحبت سے حکمتِ عملی اور معاملات کے آداب بہت زیادہ سیکھے۔'' انتھیٰ (93)

اور ''**الجزء اللّطيف**'' میں لکھا ہے:

''انھوں نے مجھے اپنی تمام تر وسعت کے ساتھ حکمتِ عملی کے فوائد سمجھائے کہ اس دور کی تمام تر اصلاح اور درستگی کا دار و مدار اسی پر ہے۔ پھر اس کو کتاب و سنت اور آثارِ صحابہؓ کے ساتھ مضبوط بنانے کی توفیق دی۔'' انتھٰی (94)

اس طرح شیخ ابوالرضا محمد اور شیخ علامہ میرزاہد کی وفات کے بعد ولی اللّٰہی جماعت کی ابتدا اور اس کی بنیاد بارھویں صدی ہجری کے آغاز میں شیخ الاجل شیخ عبدالرحیم دہلویؒ کے ذریعے سے ۱۱۰۱ھ (1690ء) میں ہوئی۔

فصل (3): (الجادّة القويمة المحمّدية کی تعین)

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو اللہ نے ''**الجادة القويمة المحمدية**'' (محمدی اُسوۂ حسنہ کی شاہراہِ فکر و عمل) کے متعین کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اور ان کو مذہبِ حنفی میں اصلاح کرنے کا بہترین طریقہ الہام کیا۔ چناں چہ آپؒ نے ''**فتاویٰ عالم گیریہ**'' کی صورت میں مدوّن شدہ فقہ (حنفی) کو ''**مؤطا امام مالکؒ**'' کی احادیث سے تطبیق دینے کا کام کیا۔ اس کے لیے آپؒ نے ''**مسوّیٰ**'' لکھی۔

اس فن کی پوری تکمیل اور اس کی ترویج کے لیے تیرھویں صدی کے مجدد سراج الہند امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اُن کی مثال امام ولی اللہ دہلویؒ کے تربیت یافتہ لوگوں میں ایسے ہی ہے، جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب میں امام ابویوسفؒ کی تھی۔

شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے اس کام کے نتیجے میں اس طرز پر مرتب اور مہذب کی گئی فقہ کی طرف ہمارے شہروں میں رہنے والے ہندوستان کے عام لوگ متوجہ ہوئے۔

اس ضمن میں ذہین ترین لوگوں میں کچھ حضرات نے امام ولی اللہ دہلویؒ کے مسلک پر چلتے ہوئے اسی طرز پر تمام علومِ شرعیہ: تفسیر، حدیث اور سلوک کی تحقیق کرنے کی طرف توجہ دی۔ نیز ان علوم کو ''**جادۂ قویمہ**'' کے ساتھ تطبیق دینے میں مشغول ہوگئے۔

ان حضرات کے چند طبقات ہیں:

1۔ اس سلسلے میں اگر ہم امام ولی اللہ دہلویؒ کو ''مجتہد مستقل'' مان لیں تو ایسے لوگوں کے مراتب کا فرق سمجھنا آسان ہوجائے گا۔ اس حوالے سے کچھ حضرات تو وہ ہیں، جو ''مجتہد منتسب'' ہیں، جیسے امام عبدالعزیز دہلویؒ اور صدر الشہید مولانا محمد اسماعیل دہلویؒ۔ یہ لوگ سیاست کے آئمہ میں سے ہیں۔

2۔ کچھ حضرات ''مجتہد فی المذہب'' کے درجے پر فائز ہیں، جیسا کہ شیخ الاجل مولانا رفیع الدین دہلویؒ اور صدر السعید مولانا عبدالحئی دہلویؒ۔ یہ لوگ علوم و فنون کی تحصیل اور فن تطبیق کے اماموں

میں سے ہیں۔

3۔ کچھ ایسے حضرات ہیں، جو ولی اللّٰہی روایات کے متبحر عالم اور حافظ ہیں۔ یہ حضرات اصلاً زہد و تقویٰ کے اعلیٰ مقامات پر فائز ہیں، جیسا کہ شیخ الاجل مولانا (شاہ) عبدالقادر دہلویؒ اور صدر الحمید مولانا (شاہ) محمداسحاق دہلویؒ۔ یہ لوگ تعلیم و تدریس کے امام ہیں۔

یہ جماعت ہے، جس کا نام ہم نے ''ولی اللّٰہی جماعت'' رکھا ہے۔ اس جماعت کا اختتام صدرالحمید مولانا محمداسحاق دہلویؒ المتوفی ۱۲۶۲ھ(1846ء) پر ہوتا ہے۔

فصل (4): (ولی اللّٰہی جماعت؛ ایک علمی اور سیاسی جماعت ہے)

یہ عظیم الشان جماعت نہ صرف علمی جماعت تھی، بلکہ ایک سیاسی پارٹی بھی تھی۔ اس لیے کہ حکمتِ عملیہ میں غوروفکر اور تدبر کرنا ان کی فقہ کا بنیادی جز وتھا۔

ہندوستانی سلطنت میں سلطان شاہ عالم اول کے زمانے میں شیعہ اُمرا اور سنی اُمرا کے درمیان اختلاف کی صورت میں جو فتنہ پیدا ہوا، وہ سلطان عالم گیر ثانیؒ کے آخری زمانے تک بڑھتا ہی چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس کا نتیجہ ہندو مرہٹہ سرداروں اور انگریزوں کے مسلمانوں پر غلبے کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ان مسلسل حوادث کے سبب ۱۲۱۸ھ (1803ء) میں سلطان شاہ عالم ثانی کی مدد اور اس کے نام سے انگریز دہلی میں داخل ہوگئے۔ ان حالات میں امام عبدالعزیز بن ولی اللہ دہلویؒ نے ہندوستان کی مملکت کو ''دارالحرب'' قرار دے دیا۔ (95)

انھی ایام میں ہندوستان میں مسلمان علما کی ایک جماعت پیدا ہوئی، جو اپنی نسبت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی طرف کرتی تھی۔ اس جماعت نے سیاست کے میدان میں ''شریعت'' کا نام استعمال کر کے ولی اللّٰہی جماعت سے اختلاف کیا۔ یوں اس کے مقابلے پر آ گئی۔ حال آں کہ امام عبدالعزیز دہلویؒ کے فتویٰ (دارالحرب) کا اس کے علاوہ اور کوئی مطلب نہیں تھا کہ

> ''مسلمان حکمران، دشمن کا مقابلہ کرنے سے عاجز آ گئے ہیں۔ اب مسلمان ممالک میں دفاع کا فریضہ عام مسلمانوں کے جمہور لوگوں پر عائد ہوگیا ہے۔''

لیکن یہ مطلب فقہا کے کلام سے وہی سمجھ سکتا تھا، جو حکمتِ عملیہ میں ماہر ہو۔ نیز فلسفۂ سیاسیات کا شعور رکھتا ہو۔ ہم نے ہندوستانی علما اور ہندوستان کے حکمرانوں میں سے کسی کو بھی نہیں دیکھا کہ انھوں نے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے والد شیخ الاجل حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ سے پہلے ان علوم وفنون کی طرف اس طرح توجہ دی ہو، جیسا کہ ولی اللّٰہی جماعت نے ان پر توجہ دی۔

اس فتوے کے بعد ولی اللّٰہی جماعت کے لوگ قومی اور ملی تحریک کی تنظیم کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

چناں چہ وہ امام عبدالعزیز دہلویؒ کی وفات کے قریب ۱۲۳۸ھ (1823ء) میں اس سلسلے میں کام یاب ہو سکے۔ چناں چہ انھوں نے مغربی ہندوستان کے آخری علاقوں کی طرف ہجرت کی۔ تاکہ افغانستان کے پہاڑوں سے متصل اسلامی ممالک کے ساتھ اپنا اتصال قائم کریں۔ چناں چہ انھوں نے اپنے داعی سندھ، قندھار اور کابل کے شہروں میں پھیلا دیے۔ (96)

فصل (5): (ولی اللّٰہی جماعت کی حکومت)

اس جماعت نے ۱۲ جمادیٰ الثانیہ ۱۲۴۲ھ (1827ء) میں پشاور کے قریب ''پنجتار'' میں عارضی ہندوستانی حکومت قائم کرنے میں کام یابی حاصل کی۔ اس حکومت کے ''امیرالمؤمنین'' امام عبدالعزیز دہلویؒ کے خلیفہ، حضرت سید احمد دہلویؒ تھے۔ جب کہ صدرالسعید مولانا عبدالحئی (بڑھانوی) اور صدرالشہید مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ، اُن کے وزیر کی حیثیت رکھتے تھے۔

صدرالحمید مولانا محمد اسحاق دہلی میں مقیم تھے۔ وہ افرادی قوت اور مال سے اُن کی مدد کرتے تھے۔ اس طرح یہ حکومت تقریباً 4 سال تک چلتی رہی۔ چناں چہ انھوں نے افاغنہ (پشتو بولنے والے علاقوں) کے تمام شہروں میں اور ہندوستان کے بہت سے اطراف میں ''جادۂ قویمہ'' کے مسلک پر چلنے کی تحریک پوری جدوجہد سے چلائی۔ انھیں اس سلسلے میں بہت سی کام یابیاں بھی ملیں۔ اور بہت سی شکستوں سے بھی دو چار ہونا پڑا۔ لیکن وہ کمزور نہیں پڑے۔ بلکہ انھوں نے دریائے سندھ کے پار، پشاور کے ایک بڑے علاقے پر اپنا قبضہ برقرار رکھا۔

جب صدرالسعید (مولانا عبدالحئی بڑھانوی) ۱۲۴۲ھ (صحیح رجب ۱۲۴۳ھ/ فروری 1828ء ہے۔ آزاد) میں وفات پا گئے اور ''پنجتار'' کے قریب ''باجوڑ'' کی ایک بستی ''خار'' (بٹ خیلہ ضلع مالاکنڈ) میں دفن ہوئے تو مولانا محمد اسماعیل صدرالاعظم کے مثل قرار پائے۔ اور مولانا محمد حسن رام پوریؒ (97) —— دیوبندی جماعت کے ''اِرھاص''، یعنی راہ ہموار کرنے والے —— اُن کے معاون بنے۔

اسی دوران انگریزوں نے پشتو بولنے والے مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان مذہبی اختلافات کے حوالے سے افتراق و انتشار پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس کے لیے ہندوستان کے مسلمانوں میں سے اُن لوگوں کو ذریعہ بنایا کہ جو ولی اللّٰہی جماعت کی سیاست میں مخالفت کرنے والے تھے۔ انھوں نے دین میں ملی تفرقہ پیدا کرنے میں اضافہ کرنے کے لیے ''حنفیہ'' اور ''محمّدیہ'' کے نام سے فرقے پیدا کیے۔ ''محمّدیہ'' اس لیے کہا گیا کہ اس حکومت کے امیرالمؤمنین، صوفیا کے طریقے پر بیعت لینے کے بعد **طریقۂ محمّدیہ** یعنی ''**الجادّۃ القویمۃ المحمّدیۃ**'' کو زندہ کرنے پر لوگوں سے بیعت لیتے تھے۔

(ولی اللّٰہی حکومت کی شکست وریخت)

چناں چہ ۱۲۴۶ھ (1831ء) میں یہ حکومت سب سے پہلے اُس وقت کمزور ہوئی، جب انگریزوں کی سازش کی وَجہ سے پشتو بولنے والی بستیوں میں حکومت سے متعلقہ اُمور سرانجام دینے والی جماعتوں نے اُن قاضیوں اور قائدین کو قتل کردیا، کہ جنھوں نے خدمت دین کے لیے اپنا وطن چھوڑا تھا اور امیر کی نصرت کے لیے بیعت کی تھی۔ یہ واقعہ اس سال جمادیٰ الثانیہ میں اُس وقت ہوا، جب کہ وہ لوگ ''پنجتار'' میں تھے۔

اس حکومت کو دوسرا بڑا دھچکا اُس وقت لگا، جب کشمیر کی حدود کے قریب ''بالاکوٹ'' نامی بستی میں ذی القعدہ کے مہینے میں شہادت کا واقعہ ہوا۔ جس میں امیر سید احمد اور صدر الاعظم مولانا محمد اسماعیل وصدر الثانی مولانا محمد حسن اور مسلمان ائمہ کی ایک بہت بڑی جماعت سکھوں کے ہاتھوں شہید ہوگئی۔

اس ہولناک واقعے کے بعد جو لوگ بالاکوٹ میں باقی بچے، انھوں نے امیر نصیر الدین دہلوی ــــ جو کہ مولانا محمد اسحاق دہلویؒ کے داماد تھے ــــ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

فصل (6): (ولی اللّٰہی جماعت کے دو حصے: دہلوی اور صادق پوری)

امیر نصیر الدین دہلویؒ کی جماعت میں فکری افتراق وانتشار پیدا ہوگیا۔ اس کا سبب شہدا (کی نعشوں) میں سے امیر الشہیدؒ کے جنازے (نعش) کا نہ ملنا تھا۔ چناں چہ اس کی دو جماعتیں ہوگئیں۔ ولی اللّٰہی جماعت کے اہلِ حل وعقد، امیر الشہید کی شہادت کا پورا یقین رکھتے تھے۔ لیکن ایک چھوٹی سی جماعت نے اس کا انکار کردیا۔ ان لوگوں نے امیر الشہیدؒ کی واپسی کے انتظار کے لیے داعیین کو اِدھراُدھر پھیلا دیا۔ ان میں سے کسی بھی فرد میں پوری جماعت کو اکٹھا رکھنے کی صلاحیت اور قدرت نہ رہی۔

یہ جو کچھ معرکۂ (بالاکوٹ) میں ہوا، اس سے ہندوستان میں اُن کی مدد اور تعاون کرنے والے بھی متأثر ہوئے۔ صدر الحمید مولانا محمد اسحاق دہلویؒ اور ان کے دیگر اصحاب، جو کہ دہلی میں قیام پذیر تھے، شہادت کے قائل تھے۔ جب کہ امیر ولایت علی عظیم آبادی صادق پوریؒ امام (حضرت سید احمد شہیدؒ) کے غائب ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔ یہ امیر، صدر الشہید (مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ) کے خاص اصحاب میں سے تھے۔ ایک بڑے امام تھے۔ ان کو امیر المؤمنین نے ہندوستان میں جہاد کا داعی مقرر کیا تھا۔ وہ بالاکوٹ کے معرکے میں حاضر نہیں تھے۔ اس لیے انھیں امیر المؤمنین کی شہادت کا یقین نہ آیا۔

اس طرح ولی اللّٰہی جماعت میں افتراق وانتشار بڑھتا چلا گیا۔ ولی اللّٰہی جماعت کے سیاست میں مخالف مسلمان اس کے سبب اُن پر ہنستے تھے۔ اس طرح انگریزوں کا غلبہ دن بدن تمام شہروں پر بڑھتا جارہا تھا۔

صدرالحمید مولانا محمد اسحاق دہلویؒ اور ان کی تربیت یافتہ جماعت ۱۲۵۸ھ (1842ء) تک مسلسل اپنے کام میں مشغول رہی۔ لیکن وہ اپنی تمام تر جدوجہد کے باوجود عام مسلمانوں کو بیدار نہ کرسکی اور نہ ہی ولی اللّٰہی جماعت میں سے اختلاف و انتشار کو ختم کرسکی۔ چناں چہ شاہ محمد اسحاق دہلویؒ نے اپنے پورے خاندان کے ساتھ حجاز کی جانب ہجرت کرلی۔ وہ ۱۲۶۲ھ (1846ء) میں مکہ مکرمہ میں وفات پاگئے۔

اُن کی وفات کے بعد طریقۂ ولی اللّٰہی کی طرف نسبت رکھنے والے لوگ دو جماعتوں کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ ایک ''دہلوی جماعت''، جب کہ دوسری ''صادق پوری جماعت'' کی صورت اختیار کرگئی۔

(''دہلوی جماعت'' کے اہم رہنما)

دہلی میں شیخ الاجل شاہ احمد سعید دہلویؒ اور ان کے بھائی شیخ عبدالغنی دہلویؒ جو کہ امام عبدالعزیز دہلویؒ اور صدرالحمید مولانا محمد اسحاق دہلویؒ کے شاگردوں میں سے تھے، صدرالحمید کے طریقے کے مقتدا اور رہنما بنے۔ پھر امیر نصیرالدین دہلویؒ کے متبعین میں سے امیر (حاجی) امداداللہؒ حجاز سے واپس آنے کے بعد اُن کے قائم مقام بنے۔ جب کہ انھوں نے حجاز میں تقریباً دو سال قیام کیا۔ اس عرصے میں انھوں نے صدرالحمید حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کی صحبت سے استفادہ کیا۔ صدرالحمید نے انھیں اپنا خلیفہ بنایا۔

حاجی امداداللہ مہاجر مکی نے ہندوستان واپس آکر ۱۲۶۴ھ (1848ء) میں ''دہلوی جماعت'' کو منظّم کرنے کی کوشش کی۔ چناں چہ وہ اُن کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق (انگریز کے خلاف آزادی کے لیے) جہاد جاری رکھنے اور عارضی حکومت قائم کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے ساتھ مولانا مملوک العلی دہلویؒ، مولانا مظفرحسین کاندھلویؒ، مولانا احمدعلی سہارن پوریؒ، مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وغیرہم نے پورا تعاون کیا۔

اس ''دہلوی جماعت'' کا اصلی مرکز حجاز میں تھا۔ مولانا محمد یعقوب دہلویؒ اپنے بڑے بھائی صدرالحمیدؒ کی وفات کے بعد مکہ مکرمہ میں مقیم تھے۔ چناں چہ اس جماعت کے ساتھ لوگ دن بدن ان سے ملتے چلے گئے۔

فصل (7): (''صادق پوری جماعت'')

امیر ولایت علی عظیم آبادیؒ کے ساتھ عام طور پر مشرقی ہندوستان کے صوبہ بہار اور بنگال کے لوگ مل گئے۔ وہ ۱۲۶۸ھ (1852ء) میں صادق پور میں بیعتِ جہاد کی تجدید کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے اپنی طرف لوگوں کو دعوت دی، اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو امیر غائب (سید احمد شہیدؒ) کا خلیفہ سمجھتے تھے۔ اُن کے ساتھ شیخ عبدالحق بن فضل اللہ بنارسیؒ بھی مل گئے، جو کہ صدرالشہیدؒ (مولانا شاہ محمد اسماعیل

شہید) سے نسبت رکھنے والوں میں سے تھے۔ انھوں نے قاضی شوکانیؒ سے بھی تعلیم حاصل کی تھی۔ چناں چہ یہ لوگ ''صادق پوری جماعت'' کی تنظیم میں مشغول ہوگئے، لیکن صدرالحمیدؒ کے احترام کے سبب دہلی اور اس کے اطراف کے علاقوں میں وہ علانیہ طور پر لوگوں کو (اپنی جماعت کی طرف) دعوت نہیں دیتے تھے۔

۱۲۵۰ھ (1834ء) سے پہلے امیر ولایت علیؒ حجاز آئے۔ اور نجد اور یمن کے علاقوں میں گئے۔ انھوں نے امام شوکانیؒ سے تعلیم حاصل کی۔ صدرالحمید (شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) کے حجاز ہجرت کر جانے کے بعد ۱۲۵۸ھ (1842ء) میں امیر ولایت علیؒ نے اپنے بھائی امیر عنایت علیؒ کی قیادت میں ایک وفد ''بُنیر'' (سوات) بھیجا۔ جو امیر شہیدؒ کی واپسی کا انتظار کرنے والوں کا مرکز تھا۔

صدرالحمیدؒ کی وفات کے بعد ۱۲۶۲ھ (1846ء) میں امیر ولایت علیؒ بنفس نفیس بُنیر پہنچے اور معاملے کو کھڑا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جہاد وقتال پر وہ اتفاق حاصل نہ کر سکے، بلکہ وہ انتظار کی حالت میں ہی بیٹھے رہے۔ لوگوں نے امیر ولایت علیؒ سے متعلق کچھ چیزیں امیر امداداللہ تھانویؒ کے واسطے سے بیان کی ہیں۔

چناں چہ ہمارے استاذ شیخ الاسلام حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے یہ بات بیان فرمائی ہے کہ:

''جب حضرت حاجی امداداللہؒ دہلی تشریف لائے تو مؤمن خان شاعر بغرضِ زیارت حاضر ہوئے۔ اُس زمانے میں مولوی ولایت علی صاحبؒ ممالکِ سرحدی پر روانہ ہو چکے تھے۔ مؤمن خان ان کے نہایت معتقد تھے۔

حضرت سے دریافت کیا کہ:

''کیوں حضرت! مولوی صاحب اپنے مقصد میں کام یاب ہوں گے یا نہیں؟''

آپ نے فرمایا: ''مجھ کو کیا معلوم!''

مگر انھوں نے پھر اصرار کیا کہ نہیں حضرت! اپنے کشف سے کچھ فرمایئے۔

آپ نے تأمل کر کے فرمایا کہ: ''ان کو فتح نہیں ہوگی''۔

اس پر وہ مکدر ہوئے۔

حضرت نے فرمایا: ''مجھ کو معلوم ہوا کہہ دیا۔ اس میں کدورت کی کیا بات تھی؟'' انتھیٰ (98)

امیر ولایت علی کا انتقال ۱۲۶۹ھ (1853ء) میں ہوا۔ اور پھر ان کے قائم مقام امیر عنایت علی ہوئے، جن کا انتقال ۱۲۷۳ھ (1857ء) میں ہوا۔

صادق پوری جماعت کا سیاسی اُصول یہ رہا کہ وہ حضرت امیر شہیدؒ کے غائب ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔ اس اصول کو مان لینے کے بنیادی تقاضے اور لوازمات میں سے یہ بات بھی تھی کہ وہ اپنے امام کے

ظہور سے پہلے اُن سلاطینِ اسلام اور مسلمان اُمرا کے ساتھ اشتراکِ عمل نہیں کر سکتے جو کفار سے لڑائی لڑنے کے لیے جہاد کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن امیر عنایت علیؒ کے ماننے والی مجاہدین کی ایک جماعت، اس بات میں اُن کی موافق نہ بن سکی۔ بلکہ وہ لوگ ''دہلوی جماعت'' کی طرف میلان رکھنے لگے۔

فصل (8): (''صادق پوری جماعت'' کے اہم رہنما)

1۔ سید نذیر حسین بہاریؒ

صادق پوری جماعت کے اکابرین اور آئمہ میں سے شیخ الاسلام سید نذیر حسین بہاری دہلوی ہیں۔ وہ ۱۲۲۰ھ (1805ء) میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۳۷ھ (1822ء) تک صادق پور میں امیر ولایت علی وغیرہ کے پاس علوم حاصل کرنے میں مشغول رہے۔ پھر ۱۲۴۳ھ (1827ء) میں دہلی آئے۔ صدرالحمید (شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) کے شاگردوں سے تعلیم حاصل کی۔ پھر صدر الحمیدؒ سے بہت عمدہ طریقے اور کثرت سے استفادہ کیا۔

وہ اپنے زمانے کے ذہین ترین لوگوں میں سے تھے۔ علومِ دینیہ کی تمام اقسام اور علومِ عقلیہ وادبیہ کے جامع تھے۔ وہ اپنے شیخ کے طریقے کی پابندی کرتے ہوئے مذہبِ حنفی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ فتاویٰ عالم گیریہ اُن کے سامنے اس طرح تھا، گویا کہ انھوں نے اُسے حفظ کیا ہوا ہے۔ وہ صادق پوری جماعت کی طرف بہت تھوڑا میلان رکھتے تھے، لیکن ۱۲۷۴ھ (1857ء) کے بعد اجتہاد کرنے میں خود مستقل ہوگئے۔ وہ اکثر معاملات میں صدرالحمید کی طرف اپنی نسبت کرتے تھے۔ آپ مہارت رکھنے والے امام تھے۔ یمنی لوگوں کی طرف ان کا میلان بہت تھوڑا اور کم تھا۔

2۔ نواب سید صدیق حسن قنوجیؒ

اسی جماعت کے ایک اہم فرد امیر قنوجی سید صدیق حسن بھوپالی بھی تھے۔ انھوں نے امیر ولایت علی صادق پوری سے ملاقات کی تھی۔ انھوں نے شیخ عبدالحق بنارسیؒ سے علوم حاصل کیے۔ اسی طرح انھوں نے علمائے یمن سے بھی علوم اَخذ کیے۔ وہ امام شوکانیؒ سے بہت زیادہ محبت رکھتے تھے۔ اس طرح کہ ان کے اجتہادات میں تغیرات و تبدلات کے باوجود اُن کی اتباع کرتے تھے۔ البتہ اس اتباع کے حوالے سے ہونے والے تسامح اور غلطی کا تعلق فقط نظریات کے حوالے سے تھا۔ جہاں تک جہاد کے حوالے سے عملی کوشش کا تعلق ہے، تو انھوں نے اُسے مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔ اس سلسلے میں انھوں نے بہت سی مشقتوں کو برداشت کیا تھا۔ اس حوالے سے ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

فصل (9): (دہلوی اور صادق پوری جماعتوں کا رُجحانِ فکر وعمل)

''دہلوی جماعت'' کا زیادہ تر میلان صدرالسعید (مولانا عبدالحئی بڈھانوی) اور صدرالحمید (مولانا شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) کی طرف تھا۔ جب کہ ''صادق پوری جماعت'' اپنے آپ کو صدرالشہید (مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ) کی طرف زیادہ منسوب سمجھتی تھی۔ لیکن ان دونوں جماعتوں کے تمام لوگ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی امامت پر متفق تھے۔ ان کے بعد امام عبدالعزیز دہلویؒ اور پھر ان کے بعد الامیر الشہید سید احمدؒ ''امیر المؤمنین'' پر بھی ان میں اتفاق پایا جاتا تھا۔

لیکن جب ''صادق پوری جماعت'' کے ائمہ میں سے بعض نے محدثین میں سے ظاہریہ، یمن کے زیدیہ اور نجد کے حنابلہ کا دامن تھاما اور صدرالشہید جس مسلک پر تھے، اُس سے باہر نکل گئے۔ تو ان دونوں جماعتوں کے درمیان علوم ومعارف کے معاملے میں بہت زیادہ اختلاف پیدا ہوگیا۔

جب آپ صدرالشہید (شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ) کی کتاب ''**تقوية الإيمان**'' اور (شیخ عبدالوہاب نجدی کی) ''**كتاب التوحيد**'' پر غور سے نظر ڈالیں گے تو آپ کو ان دونوں کے درمیان ''مشرک کی مغفرت نہ ہونے کے مسئلے'' میں اور ''مشائخ کا وسیلہ پکڑنے کی نفی کے مسئلے'' میں بڑا واضح فرق نظر آئے گا۔ اسی طرح جب آپ صدرالشہید (شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ) کی ''**أصول الفقه**'' اور امام شوکانیؒ کی (اصول پر کتاب) ''**إرشاد الفحول**'' کو بڑے غور سے پڑھیں گے تو آپ کو ''اجماع'' سے استدلال کرنے میں دونوں کے موقف میں بڑا واضح اختلاف محسوس ہوگا۔

جب آپ صدرالشہید کی کتاب ''**العبقات**'' پڑھیں گے تو اُن کا مسلک شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے مسلک کے موافق پائیں گے۔ جو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور ان کے حنبلی شاگردوں کے مسلک کے یکسر مخالف ہے۔

(ابن عربیؒ کی بابت میاں نذیر حسینؒ اور نواب صدیق حسنؒ کی رائے)

شیخ الاسلام سید نذیر حسین دہلویؒ شیخ محی الدین ابن عربی کو کافر نہ سمجھنے کے سلسلے میں صدرالشہید (مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ) کی اتباع کرتے ہیں۔ چناں چہ کتاب ''**الحياة بعد المماة**'' (سوانح میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ) میں ہے کہ:

> ''میاں صاحب (سید نذیر حسین) طبقۂ علمائے کرام میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کی بڑی تعظیم کرتے ہیں۔ اور (انھیں) ''**خاتم الولاية المحمديه**'' فرماتے ہیں۔ مولانا قاضی بشیر الدین قنوجیؒ، شیخ اکبر کے سخت مخالف تھے۔ ایک مرتبہ اس غرض سے دہلی تشریف لائے کہ

ان کے بارے میں میاں صاحب سے مناظرہ کریں۔ وہ دو مہینے دہلی میں رہے۔ اس دوران روزانہ مجلس مناظرہ گرم رہی، مگر میاں صاحب اپنی عقیدتِ سابقہ سے — جو شیخ اکبر کی نسبت رکھتے تھے — ایک تِل کے برابر بھی پیچھے نہ ہٹے۔ آخر مولانا ممدوح دو مہینے کے بعد واپس تشریف لے گئے۔

مولانا ابوالطیب محمد شمس الحق نے بھی میاں صاحب سے کئی دن متواتر شیخ اکبر کی نسبت بحث کی۔ اور ''**فصوص الحکم**'' پر اعتراضات جمائے۔ میاں صاحب نے پہلے تو سمجھایا، مگر جب دیکھا کہ ابھی ''**لا نُسلِّم**'' (ہم تسلیم نہیں کرتے) کے کوچے میں ہیں۔ تو فرمایا کہ: ''**فتوحاتِ مکیہ**'' آخری تصنیف شیخ اکبر کی ہے۔ اور اس لیے اپنی سب تصانیفِ سابقہ کی یہ ناسخ ہے۔'' اس جملے پر یہ سمجھ گئے۔'' انتہٰی (99)

اسی طرح امیر قنوجیؒ نے (شیخ محی الدین ابن عربی کی) عدمِ تکفیر کی طرف رجوع کرلیا تھا۔ چناں چہ وہ اپنی کتاب ''**التاج المکلّل**'' میں لکھتے ہیں کہ:

''اس سلسلے میں راجح مذہب وہی ہے، جو ایسے علمائے محققین کا مذہب ہے، جو علم و عمل اور شریعت اور سلوک کے جامع ہیں۔ وہ یہ ہے کہ اُن (شیخ محی الدین ابن عربیؒ) کے بارے میں سکوت اختیار کیا جائے۔ ان کی ایسی باتوں کو جو ظاہر شریعت کے مخالف ہیں، اچھے مفاہیم پر محمول کرنا چاہیے۔ ان کو اور دیگر اُن مشائخ کو — جن کا دین میں تقویٰ اور پرہیزگاری ثابت شدہ ہے — کافر قرار دینے سے اپنی زبان کو روکا جائے۔ دنیا میں مسلمانوں کے درمیان ان کا علم و شعور غالب رہا ہے۔ وہ لوگ عمل صالح کرنے میں بڑے بلند مقام پر فائز تھے۔

میں نے اپنے استاذ امام علامہ شوکانی کی کتاب ''**فتح الربانی**'' میں دیکھا ہے کہ اُن کا رُجحان بھی اسی طرف تھا۔ چناں چہ انھوں نے لکھا ہے کہ:

''اُن (محی الدین ابن عربی) کے کلام کے بہت سے مطلب ہو سکتے ہیں۔ انھوں نے اپنے اوائل عمر میں جو کچھ لکھا تھا، چالیس سال بعد اس سے رجوع کرلیا تھا۔''

جہاں تک شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد حافظ ابن القیم اور ان جیسے لوگوں کا معاملہ ہے، تو ان لوگوں نے شریعتِ مطہرہ کا دفاع کیا ہے۔ یہ ان کا منصب ہے۔ ان کی تنقید کو نفسانی جھگڑے میں شمار نہیں کرنا چاہیے۔ نہ ہی اسے اُس حسد کا شاخسانہ سمجھنا چاہیے، جو علمائے دنیا میں سے اکثر اہل علم کے درمیان جاری رہتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر ایک اپنے نظریے کے مطابق رُجحانِ فکر رکھتا ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود اس میں کوئی شبہ اور شک نہیں کہ ایک

بہت بڑی جماعت اُن کی تکفیر کی طرف گئی ہے۔ ان کے بارے میں ایسی باتیں کی ہیں، جن کا کوئی حساب نہیں۔ جیسا کہ میں نے اپنی کتاب "**ابجد العلوم**" میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

میں اس کتاب میں یہ کہتا ہوں کہ اس سلسلے میں درست بات وہ ہے، جسے شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ اور شیخ الاجل مسند الوقت احمد ولی اللہ محدث دہلویؒ اور **إمام المجتهد الكبير** محمد شوکانیؒ نے اختیار کیا ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت محی الدین ابن عربیؒ کے اُس کلام کو، جو کتاب وسنت کے موافق ہے، مکمل طور پر قبول کیا جائے۔ اُن کا ایسا کلام، جو کتاب وسنت کے بظاہر مخالف ہے، اُس میں ایسی تاویل کی جائے کہ جو اچھے مفاہیم پر محمول ہوتی ہو۔ ان کے بارے میں ایسی گفتگو ہرگز نہ کی جائے، جو اہل علم و ہدایت کے شایانِ شان نہ ہو۔ باقی اللہ تعالیٰ مخلوق کے دلوں کی پوشیدہ حالتوں کو زیادہ جانتا ہے۔ قرآن اور حدیث کی بنیاد پر قائم علم کی شان یہ ہوتی ہے کہ اُس کے عمل میں تقویٰ اور پرہیزگاری پیدا ہو۔ اسی پر اسلام وایمان اور احسان کی صحت کا دارومدار رہے۔ یہ دونوں باتیں حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ میں مکمل طور پر پائی جاتی تھیں۔ اس معاملے میں کوئی بھی دو رائے نہیں ہیں۔

حضرت محی الدین ابن عربیؒ، سنت کی اتباع کرنے اور اجتہاد کے ایسے مقام پر فائز تھے کہ ان کے قلم کی زبان، اس کو مکمل طور پر بیان کرنے کی قدرت نہیں رکھتی تھی۔ دلائل شرعیہ کے مطابق عمل کرنے اور اس میں ان کے انتہائی شغف رکھنے کی وَجہ سے ان کا کلام ان باتوں کا احاطہ کرنے سے قاصر تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہماری طرف سے اور تمام مسلمانوں کی طرف سے اچھی جزا عنایت فرمائے۔ سید الاصفیا، خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم ـــ جو انتہائی اشرف واکرم اور اعظم ہیں ـــ کے وسیلے سے ہم پر ان کے انوارات کا فیضان کرے۔ ان کے راز و اَسرار کا لباس ہمیں پہنائے۔ ان کے عشق کی شراب کے پیالے ہمیں پلائے۔ اور ان کے احباب کے زُمرے میں ہمارا حشر کرے۔" انتھیٰ (100)

فصل (10): (ولی اللّٰہی جماعت؛ مجتہدین کی جماعت ہے)

"صادق پوری جماعت" کے بعض رہنما' امام ولی اللہ دہلویؒ کی اتباع سے بھی باہر نکل گئے۔ اس لیے کہ امام ولی اللہ دہلویؒ کی تحریرات، مذاہبِ اربعہ کی پابندی اختیار کرنے اور علامہ ابن حزمؒ پر ردّ کے سلسلے میں "**حجة اللّٰه**" وغیرہ میں مشہور ہیں۔ ایسے ہی دونوں جماعتوں کے درمیان فروعی مسائل میں پیدا ہونے والا اختلاف بھی ایسے لڑائی جھگڑے تک پہنچ گیا، جو طریقۂ ولی اللّٰہی میں قطعاً ممنوع ہے۔ صدر

الشہید (شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ) نماز میں رکوع کرتے ہوئے اور اس سے اُٹھتے ہوئے رفع یدین کے عمل کو مستحب سمجھ کر کرتے تھے، لیکن جب انھیں معلوم ہوا کہ نماز میں مستقل طور پر رفع یدین کرنے سے فتنہ اور فساد پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، تو انھوں نے رفع یدین ترک کر دیا۔

ان تمام تر اختلافات کے باوجود، یہ ولی اللّٰہی جماعت مجتہدین پر مشتمل ہے۔ خیر اور بھلائی کے سوا ان کا کوئی اور مقصد ہرگز نہیں تھا۔ یہ لوگ بہت اونچے اجر کے مستحق ہیں۔ ان کا تذکرہ عمدہ الفاظ میں کرنا چاہیے۔ اس کی ایک وَجہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے ہندوستان کی عارضی حکومت (1828ء تا 1831ء) کے بعد "بُنیر" (سوات) میں ہندوستانی حکومت و امارت کا مرکز پوری مستقل مزاجی کے ساتھ قائم رکھا تھا۔

گیارہواں باب: ''اہل حدیث'' اور'' دیوبندی جماعت'' کا بیان

فصل (1):(1857ء کی جنگِ آزادی اور ولی اللّٰہی جماعت کا کردار)

جب سلطانِ دہلی (بہادر شاہ ظفرؒ) کی قیادت میں ہندوستانیوں اور قابض انگریزوں کے درمیان ۱۲۷۳ھ(1857ء) میں جنگ ہوئی تو ''ولی اللّٰہی دہلوی جماعت'' نے مسلمانوں پر لازمی قرار دیا کہ وہ اس لڑائی میں پوری طرح شرکت کریں۔ اس لیے کہ اس سے پہلے انگریز ہندوستان پر جوحکومت کر رہے تھے، اس کی نوعیت یہ تھی کہ وہ مسلمان حکومت میں ہندوستانی بادشاہوں کے ساتھ پختہ معاہدے کر کے کام کررہے تھے۔ اور ''السّلطنة التّشريعية'' یعنی شریعت کے حوالے سے آئینی طور پر مسلمانوں کوحکومت پر پورا قبضہ حاصل تھا۔ اس لیے کہ مسلمان بادشاہوں کے نام پر ہی ہندوستان کی تمام فوجیں اور لشکر کنٹرول کیے جاتے تھے۔ ان معاہدوں میں انگریزوں پر یہ شرط عائد تھی کہ وہ مسلمانوں کے دینی اُمور میں قطعاً کوئی مداخلت نہیں کریں گے۔

۱۲۷۳ھ(1857ء) میں دہلی میں بہت سے ایسے واقعات ہوئے، جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ انگریز افسران ان معاہدات کوتوڑ رہے ہیں اور دینی اُمور میں مداخلت کر رہے ہیں۔ ایسے حالات میں ولی اللّٰہی دہلوی جماعت کے تمام لوگوں کا اس پر اتفاق تھا کہ معاہدات کی وَجہ سے انگریزوں کو جان، مال اور امن کا تحفظ جو پہلے حاصل تھا، وہ ختم ہوگیا۔ یہ بات اُس ہندوستانی فوج میں پھیل گئی، جسے انگریزوں نے بادشاہ کے نام پر بنایا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قبل از وقت فوجیوں نے لڑائی کا آغاز کر دیا۔

دہلی اور اس کے اطراف میں چار مہینے کی مدت میں 70 کے قریب معرکے بپا ہوئے۔ اس دوران حیدرآباد اور کابل کے حکمرانوں نے ان کی کوئی مدد نہ کی۔ اس کے باوجود کہ ان پر مدد کرنا لازم تھا۔ بلکہ انھوں نے اِنھیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا اور ان کو ذلیل و رُسوا کر دیا۔ اس طرح وہ دشمنوں کے ساتھ مل گئے۔ چناں چہ محرم ۱۲۷۴ھ(1857ء) میں اس جماعت کوشکست ہوگئی۔ پھر قتل، قید کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لوگ بھاگنے لگے۔ پھر مت پوچھو کہ اس سال لوگوں پر کیا گزری۔

امیر امداداللہ (تھانوی، مہاجر مکیؒ) ان جنگوں میں سے بعض (یعنی جہادِ شاملی) میں امیر اور قائد تھے۔ جن میں شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ اور شیخ الاسلام مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ان کے نائبین میں سے

تھے۔ ان میں سے شیخ محمد (ضامن) خان تھانویؒ شہید ہوگئے۔ مولانا محمد قاسمؒ (نانوتوی) روپوش ہوگئے۔ جب کہ مولانا رشید احمدؒ (گنگوہی) گرفتار ہوگئے۔ امیر امداد اللہ (مہاجر مکیؒ) حجاز کی طرف ہجرت کر گئے۔

اسی طرح دہلی پر انگریزوں کے تسلط کے بعد شیخ احمد سعید دہلویؒ اور شیخ عبدالغنی دہلویؒ (یہ دونوں حضرات شیخ ابوسعید دہلویؒ کے صاحبزادگان اور حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ کے خلیفہ ہیں۔ آزاد) بھی حجاز تشریف لے آئے۔

لیکن ''صادق پوری جماعت'' (1857ء کی) اس لڑائی میں نہ صرف شریک نہیں ہوئی، بلکہ ایک کنارے پر کھڑی رہی۔ اس سلسلے میں ''دہلوی جماعت'' کے کچھ لوگ بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ جیسا کہ شیخ محمد (محدث) تھانویؒ، کہ انھوں نے امیر امداد اللہ تھانویؒ پر (جہادِ آزادی کے سلسلے میں) اعتراض کیا تھا۔ مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ نے انھیں لاجواب کردیا تھا۔ اس باہمی گفتگو کی تمام تفصیلات میرے سامنے ہمارے اُستاذ حضرت شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) نے بیان فرمائی تھیں۔

اس سے پہلے ''دہلوی جماعت'' اور ''صادق پوری جماعت'' کے درمیان اگرچہ بہت سے اصولوں میں اختلافات پیدا ہوگئے تھے۔ اس اختلاف کی نوعیت اور صورت ایسے ہی تھی، جیسا کہ فروعات میں فقہائے مجتہدین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن جب ''صادق پوری جماعت'' کی جانب سے، امام (سید احمد شہیدؒ) کے واپس لوٹنے کے عقیدے پر اعتماد رکھنے اور ان کے ظہور سے پہلے انگریزوں سے لڑائی میں شرکت نہ کرنے کا عمل ظاہر ہوا، تو دونوں جماعتوں میں مکمل طور پر جدائی ہوگئی۔ اس طرح دونوں جماعتوں کے درمیان بڑی وسیع دیوار حائل ہوگئی۔

فصل (2): (1857ء کے بعد ولی اللّٰہی جماعت کی آزمائش)

جنگِ آزادی 1857ء میں شکست کے بعد، جب کہ ولی اللّٰہی دہلوی جماعت کے اراکین قید، جلاوطنی، قتل اور ہجرت کی آزمائشوں سے گزر رہے تھے، شیخ الاسلام سید نذیر حسین دہلویؒ دہلی میں اطمینان و سکون سے قیام پذیر تھے۔ اس طرح ''صادق پوری جماعت'' بالکل محفوظ و مامون تھی۔ شیخ نذیر حسینؒ نے مستقل اجتہاد کا دعویٰ کردیا۔ انھوں نے فقہ کے مذاہبِ اربعہ کی پابندی چھوڑ دی۔ اس دور میں وہ صرف حدیث کی اتباع کی دعوت دینے لگے۔

لیکن ۱۲۸۰ھ (1863ء) میں بُنیر (سوات) میں امیر عنایت علیؒ کے شاگردوں میں سے کچھ لوگ صادق پوریوں پر غالب آگئے، جن کا رُجحانِ فکر و عمل ''دہلوی جماعت'' کی طرف تھا۔ چناں چہ وہ ''امبیلہ'' میں انگریزوں پر چڑھ دوڑے۔ پھر ''صادق پوری جماعت'' پر بھی وہی کچھ گزری، جو ''دہلوی جماعت'' پر گزری تھی۔ ان کے لوگوں کو بھی جلاوطن کردیا گیا۔ ان کے مال لوٹ لیے گئے۔ انگریزوں نے ان کے

علاقوں پر قبضہ کرلیا اور ان کے مددگار لوگوں کو گرفتار کرلیا۔ چناں چہ شیخ الاسلام نذیر حسین دہلویؒ بھی ایک سال گرفتار رہے۔ (101)

(''صادق پوری جماعت'' سے ''اہل حدیث'' بننے کا عمل)

اس دوران ''علی گڑھی جماعت'' کے بانی سرسید احمد خاں ''صادق پوریوں'' کے دفاع کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس سلسلے میں شیخ الاسلام (سید نذیر حسین) کے شاگردوں میں شیخ ابوسعید محمد حسین لاہوری نے کوششیں کیں۔ اس طرح ''صادق پوری جماعت'' کا پروگرام تبدیل ہوکر ''علی گڑھی جماعت'' کے قریب ہوگیا۔ اور انھوں نے حکومت کی سختیوں سے مجبور ہو کر اپنا نام ''اہل حدیث'' رکھ لیا۔

ان کے بعد ایسے لوگ آئے کہ جن کا اعتقاد یہ تھا کہ یہی حقیقت میں ''مذہبِ اہل حدیث'' ہے۔ پھر ان ''اہل حدیث'' میں بھی دو جماعتیں بن گئیں:

(۱) غالی اور متشدد لوگ (۲) اعتدال پسند لوگ

اس طرح ہر جماعت مختلف استعدادات کے حامل لوگوں کی وَجہ سے تقسیم در تقسیم ہوتی چلی گئیں۔

فصل (3): (دارالعلوم دیوبند کا قیام اور ولی اللّٰہی دیوبندی جماعت)

''ولی اللّٰہی دہلوی جماعت'' کے رہنما (حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ وغیرہ) حجاز میں جمع ہوئے۔ انھوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ ''دہلی کالج'' کے نمونے پر ہندوستان میں ایک جامع دینی مدرسے کی بنیاد رکھی جائے۔ ''دہلی کالج'' وہ ہے، جس کی بنیاد امام عبدالعزیز دہلویؒ کے زمانے میں رکھی گئی تھی۔ اس کے مدرّسین میں صدرالسعید مولانا عبدالحیؒ (بڈھانویؒ) تھے۔ پھر ان کے بعد ہمارے اساتذہ کے شیخ، شیخ رشیدالدین دہلویؒ اور پھر استاذ الاساتذہ مولانا مملوک العلی دہلویؒ اس کے مدرّسین میں سے رہے ہیں۔ یہ کالج ۱۲۷۴ھ (1857ء) کی جنگِ آزادی کے بعد بند کردیا گیا تھا۔

ایک جامع مدرسے کے قیام پر اتفاق کے بعد، یہ جماعت مدرسے کی بنیاد رکھنے میں مصروف و مشغول ہوگئی۔ اس طرح دہلی کے قریب دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کرنے میں کام یاب ہوئی۔ یہاں تک کہ انھوں نے ۱۰ محرم ۱۲۸۲ھ/ 29 مئی 1866ء کو اس کا آغاز کردیا۔ انھی ایام میں اس جماعت کا نام ''دیوبندی جماعت'' رکھا گیا۔ جب کہ اس سے پہلے وہ ''دہلوی جماعت'' کے حوالے سے پہچانی جاتی تھی۔

اس جماعت کے رہنما حجاز میں مقیم تھے۔ ان میں سے امیر امداد اللہ تھانویؒ اور امام عبدالغنی دہلویؒ تھے۔ یہ حضرات یہ چاہتے تھے کہ اسلام کے مرکز کو حجاز میں مضبوط کیا جائے اور ہندوستانی تحریک کے مرکز کی تجدید، افغانستان کے پہاڑوں میں کی جائے۔

ہندوستان میں امیر امداداللہ تھانوی کے نمائندے ہمارے استاذ کے استاذ شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ تھے، جنھوں نے ۱۲۹۷ھ (1880ء) میں وفات پائی۔ان کے بارے میں کمالاتِ امدادیہ میں لکھا ہے کہ:

''حضرت حاجی (امداداللہ) صاحبؒ نے ارشادفرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کوایک لسان (زبان) عطا فرماتے ہیں۔چناں چہ شمس تبریزیؒ کے واسطے،مولانا رومیؒ کو(اُن کی) لسان بنایا تھا۔اور مجھ کومولانا محمد قاسم صاحب لسان عطا ہوئے ہیں۔جومیرے قلب میں آتا ہے،مولوی صاحب اس کو بیان کردیتے ہیں۔''انتھیٰ (102)

ان کے قائم مقام ہمارے شیخ، شیخ الاسلام ابومحمود رشیداحمد گنگوہیؒ جامعہ قاسمیہ (دارالعلوم دیوبند) کے رئیس ہوئے۔

میں کہتا ہوں کہ شیخ حسین احمد (مدنی) دیوبندیؒ نے امیر امداداللہ تھانویؒ سے یہ روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

''مولوی محمودحسن کوکم نہ سمجھو۔وہ اپنے زمانے کا شیخ ہوگا۔'' (103)

ہمارے استاذ 'شیخ الہند' (حضرت گنگوہیؒ کے زمانے میں) جامعہ کے نائب رئیس تھے۔ جب شیخ الاسلام حضرت مولانا رشیداحمد گنگوہیؒ کا ۱۳۲۳ھ (1905ء) میں انتقال ہوگیا تو ہمارے استاذ شیخ الہندؒ جامعہ قاسمیہ (دارالعلوم دیوبند) کے رئیس بن گئے۔

فصل (4): (1857ء کے بعد کے حالات کا تجزیہ)

1857ء کے بہت بڑے انقلاب کے بعد' جب کہ:

1۔ ہندوستان کی حکومت سے مسلمان ذہنیت رکھنے والے تقریباً 300 ملین لوگ نکال دیے گئے۔

2۔ ہندوستان کی سرکاری اور علمی زبان' فارسی اور عربی سے تبدیل کر کے انگریزی بنا دی گئی۔

مسلمانوں کے زوال کے ایسے حالات میں محض درجِ ذیل طریقوں کے مطابق مسلمانوں کو تعلیم دینا دین کی تعلیم دینا کافی نہ تھا:

(ا) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا طریقۂ تعلیم۔

(ب) امام ولی اللہ دہلویؒ کا طریقۂ تعلیم۔

(ج) علمائے یمن کا ایسا طریقۂ تعلیم جوفقہا کے مذاہب کی پابندی کو قبول نہیں کرتا تھا (جو عدمِ تقلید کی بنیاد پر طریقۂ تعلیم تھا)۔

اس لیے کہ پہلے دونوں (حقانی اور ولی اللّٰہی) طریقہ ہائے تعلیم' سلطنتِ اسلامیہ کے قیام کے محتاج

ہیں۔ ان طریقہ ہائے تعلیم کو مِنّ وعَن جاری رکھنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ سلطنتِ اسلامیہ ہمیشہ قائم رہے۔ حکومتِ اسلامی کے بغیر ان دونوں طریقہ ہائے تعلیم سے انسانی مسائل حل کرنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

ایسے حالات میں (تیسرے طریقۂ تعلیم کے مطابق) عربوں اور یمن کے علما کی اتباع کرنا —— جیسا کہ اُس کی طرف امیر قنوجی نے دعوتِ فکر وعمل دی ہے —— بھی ممکن نہ تھا۔ اس لیے کہ یہ طریقہ بھی ہندوستان میں پیدا ہونے والے انقلاب کے مقابلے پر ایک زیادہ بڑے انقلاب کا محتاج تھا۔ اس طریقۂ تعلیم پر عمل کے لیے یہ ضروری تھا کہ درجِ ذیل اُمور اختیار کیے جائیں:

1۔ ہندوستانیوں کی طبیعت، اپنے فلسفے اور تمدن کو چھوڑ کر عربوں کی طبیعت کے مطابق اُن کے فلسفے اور تمدن کو اختیار کرے۔
2۔ اپنی (ہندوستانی) زبان کو بدل کر اُن کی (عربی) زبان اختیار کی جائے۔

یہ سب کچھ کیسے ممکن تھا؟

عجیب بات ہے کہ یہ لوگ گزشتہ زمانوں سے ایک تسلسل کے ساتھ چلے آنے والے تقلیدی مذاہب کو چھوڑ دیتے ہیں، لیکن اسی کے ساتھ اپنے بادشاہوں اور حکمرانوں کے طریقۂ کار کی طرف رجوع کی دعوت دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی آرا کی اندھی تقلید بھی کرتے ہیں۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ

''بارش سے بھاگیں اور پرنالے کے نیچے جا کر کھڑے ہو جائیں۔''

(دیوبندی جماعت کے بنیادی اُصول)

ایسے حالات میں مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ (بانی دارالعلوم دیوبند) نے دینی کام کرنے کا جو طریقہ دریافت کیا، اُس کے بنیادی اصول درجِ ذیل ہیں:

1۔ ولی اللّٰہی طریقے کی اساس پر دینی علوم وفنون کو حاصل کرنے کی دعوت دینا۔
2۔ کتاب وسنت کو مسلمانوں کے تمام طبقات میں پھیلانے کے لیے جدوجہد اور کوشش کرنا۔
3۔ اس کے لیے قابض اور مسلط حکومت سے تعاون نہ لینا، بلکہ اپنا مال اور جان خرچ کرنا۔
4۔ امام ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے میں تجدید کرتے ہوئے ہندوستان میں دین کے غلبے کی تحریک کو نئے رُخ پر ڈالنا۔
5۔ فلسفۂ ولی اللّٰہی کے اصولوں میں انتہائی گہرا غور وخوض کرتے ہوئے اُسے اس طرح آسان بنانا کہ ہندوستان کے لوگوں کی ذہنیت اس کے قریب ہو جائے۔
6۔ ماہرینِ فلسفہ کی طے کردہ ''مخصوص اصطلاحات'' کو چھوڑ کر عام ہندوستانیوں کی زبان (اُردو)

میں اس فلسفہ وفکر کو سمجھانا۔

یہ وہ طریقہ ہے جسے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اختیار کیا۔ چوں کہ انتہائی مشکل اور نامساعد حالات میں ان اصولوں کے مطابق کام کرنا ایک آدمی کی جدوجہد اور کوشش سے نہیں ہوسکتا تھا، بلکہ اس کے لیے انسانوں کی ایک بڑی جماعت اور بیت المال کے قیام کی ضرورت تھی۔ اس کے لیے امام محمد قاسم نانوتویؒ نے (تعلیم وتربیت اور انتظامی اُمور چلانے کے) بنیادی اساسی اصول (ہشت گانہ) متعین کیے۔ اس کی بنیاد پر عملی نظام ترتیب دیا۔ اس طرح امام ولی اللہ دہلویؒ کی اتباع کرنے کے لیے جماعتوں کو ایک جگہ جمع کیا اور انھیں اس کام کے لیے اُبھارا۔ یہ ہے وہ جماعت، جس کا نام ہم نے ''دیوبندی جماعت'' رکھا ہے۔

فصل (5): (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا تجدیدی کردار)

شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ نے اپنی اکثر کتابیں خالص اُردو زبان میں لکھی ہیں۔ جن میں عام طور پر فارسی اور عربی زبان کے الفاظ استعمال نہیں کیے، حتیٰ کہ بعض اوقات وہ ''**الحمد والصلوٰۃ**'' بھی اردو میں لکھتے ہیں۔ چناں چہ ہندوستان میں بسنے والے لوگ ان کی کتابوں میں "**بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم**" کے بعد کسی اجنبی زبان کا کوئی کلمہ نہیں پاتے۔

ان کا طرزِ خطاب' عام ولی اللّٰہی افراد سے قطعاً مختلف ہے۔ وہ اُن سے بھی اسی طرح مخاطب ہوتے ہیں، جیسا کہ وہ عیسائیوں اور ہندوؤں کے علما سے عمومی خطاب کرتے ہیں۔ اسی لیے اُن کے بیان کردہ بنیادی اور اساسی اصول باقی لوگوں کے اندازِ گفتگو اور تحریرات سے مختلف ہوتے ہیں۔

حضرت نانوتویؒ کا طریقۂ کار یہ ہے کہ وہ ہر مسئلے کو بیان کرنے کے لیے پہلے اُس کے مقدمات (اور تمہید) بیان کرتے ہیں۔ پھر واضح دلائل کے ساتھ اُس کے وجدانی اُمور کی نشان دہی کرتے ہیں۔

(ولی اللّٰہی طریقے اور حضرت نانوتویؒ کے طریقے میں اسلوبِ اظہار کے) ان اختلافات کے باوجود جب آپ مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) کی کتاب ''**تقریرِ دلپذیر**'' سے دین کے بنیادی اُصول اخذ کریں۔ اس کے بعد پھر ''**حُجّة اللّٰه البالغه**'' کے "**باب حقیقة السّعادة**'' کا مطالعہ کریں تو (اسلوبِ بیان کے علاوہ) معنی اور مفاہیم میں اُن کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پائیں گے۔

اسی طرح جب آپ (حضرت نانوتویؒ کی کتاب) ''**آبِ حیات**'' پڑھیں، پھر امام ولی اللہ دہلویؒ نے جو کچھ ''**فیوض الحرمین**'' میں لکھا ہے، اُسے پڑھیں تو آپ عجیب چیز کا مشاہدہ کریں گے۔ مثلاً امام ولی اللہ دہلویؒ کہتے ہیں کہ: "**انکشف لی کذا وکذا**'' (یہ یہ بات مجھ پر اس طرح منکشف ہوئی ہے۔) اور مولانا محمد قاسمؒ کہتے ہیں کہ: ''اس معاملے کے دلائل سے میرے نزدیک یہ یہ بات ثابت ہے۔''

آپ مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) کی کتاب "**مصابیح التّراویح**" کے 100 صفحات کے بہ قدر

پڑھیں اور پھر ''**حجّة اللّٰہ البالغہ**'' میں امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس سلسلے میں جو دوسطریں لکھی ہیں، اُنھیں دیکھیں تو آپ اس رسالے کوان دوسطروں کی شرح پائیں گے۔

اسی طرح ''**قاسم العلوم**'' (مکتوبات حضرت نانوتویؒ) میں ''**ذبیحہ**'' کی بحث پڑھیے اور پھر (شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی) ''**فتح العزیز**'' میں اس بحث کو پڑھیے تو یوں معلوم ہوگا کہ یہ دونوں ایک ہی چراغ سے روشن ہونے والے الفاظ ہیں۔

ایسے ہی جب آپ (حضرت نانوتویؒ کی کتابوں) ''**قاسم العلوم**'' اور ''**قِبلہ نُما**'' میں ''**تجلّی**'' کی بحث پڑھیں اور پھر آپ ''**عَبقات**'' (از حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ) پڑھیں تو آپ دیکھیں گے کہ زیر بحث مسئلے میں دونوں حضرات ایک دوسرے سے مکمل موافقت رکھتے ہیں۔

فصل (6): (دارالعلوم دیوبند کی شاخیں اور ان کا نظام)

دیوبند میں ۱۲۸۲ھ (1866ء) میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی گئی۔ اس کے بعد لوگوں نے اس کی شاخیں بنانے میں ان بزرگوں کی اتباع کی۔ سب سے پہلی شاخ صرف 6 مہینے بعد ''سہارن پور'' میں (مدرسہ مظاہرالعلوم) قائم ہوئی۔ یہاں تک کہ اس کی تقریباً چالیس شاخیں قائم ہوگئیں، لیکن ان تمام کا نظام مرکزی بنیادوں پر قائم نہیں کیا گیا تھا۔ دارالعلوم دیوبند کے حالات اور اس کے داخلی اور خارجی واقعات سال بسال ایک جلد میں روداد کی شکل میں طبع ہوتے رہے۔ ایسے ہی اس کی اکثر شاخوں کی سالانہ رودادیں بھی چھپتی رہی ہیں۔ اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ 50 سالوں میں تقریباً 30 ہزار اہل علم اس نظامِ تعلیم سے فارغ ہوکر نکلے۔

''جمعیت الانصار'' کی تنظیم سازی کے ابتدائی زمانے میں، مَیں نے یہ چاہا تھا کہ دارالعلوم کی تمام شاخوں کو ایک مرکزی نظام میں منظّم کروں، لیکن اس طرف ہمارے استاذ حضرت شیخ الہندؒ نے بہت کم توجہ دی۔ تین سال بعد مجھے تجربات سے معلوم ہوا کہ دارالعلوم اور ان کی شاخوں کی عدمِ مرکزیت میں کیا حکمت تھی۔ اس لیے کہ اس طرح حکومت کا ان مدارس پر قبضہ کرنا اور اس نظام پر غالب آنا آسان نہ تھا۔ آزادی اور حریّت کی حفاظت کرنا، اچھی اور منظّم شکل وصورت سے زیادہ مقدم ہوتا ہے۔

فصل (7): (''دیوبندی جماعت'' کا علوم کی اشاعت میں کردار)

''دیوبندی جماعت'' کے اماموں نے درجِ ذیل کتبِ حدیث کی نشرواشاعت کا کام پوری ذمہ داری سے کیا:

1۔ امام بخاری کی ''**الجامع الصّحیح**'' کو حواشی اور تعلیقات کے ساتھ، شیخ احمد علی محدث سہارن

پوریؒ نے مرتب کر کے شائع کیا۔ اس کام میں ان کے ساتھ مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ شریک تھے۔

2۔ اسی طرح "صحیح امام مسلم" شرحِ نووی کے ساتھ طبع ہوئی۔

3۔ "مؤطا امام مالکؒ" اور اس کی تعلیقات (حواشی)

4۔ "جامع ترمذی" اور اس کی تعلیقات

5۔ "سنن نسائی" اور اس کی تعلیقات

6۔ "سنن ابن ماجه" شاہ عبدالغنی دہلویؒ کی تعلیقات کے ساتھ

7۔ "سنن ابی داؤد" ہمارے استاذ حضرت شیخ الہندؒ کی تصحیح کے ساتھ

8۔ "مشکوٰۃ المصابیح" اور اس کی تعلیقات

9۔ "تفسیر بیضاوی" اور اس کی تعلیقات

10۔ "احیائے علوم الدین" اور "مجمع البحار" مولانا محمد یعقوب دیوبندیؒ کی تصحیح کے ساتھ

11۔ "تقریب التهذیب" اور "المغنی" مولانا احمد علی محدث سہارن پوریؒ کی تصحیح کے ساتھ

12۔ "حجة الله البالغه" اور "إزالة الخفا عن خلافة الخلفاء" مولانا محمد احسن نانوتویؒ کی تصحیح کے ساتھ

13۔ محمد قاسم فرشتہ کی "تاریخ فرشته" مولانا محمد یعقوب دیوبندیؒ کی تصحیح کے ساتھ شائع ہوئیں۔

ہندوستان کے اطراف کے بہت سے اہل علم نے ان حضرات کی اتباع کی۔

فصل (8): (علوم کے تراجم اور شروحات میں دیوبندی جماعت کا کردار)

دیوبندی جماعت کے اماموں نے اردو زبان میں کافی کتابوں کے ترجمے اور شروحات لکھیں:

1۔ شیخ قطب الدین دہلویؒ نے "مشکوٰۃ" کی شرح (مظاہرِ حق) لکھی۔ اس میں "مشکوٰۃ" کا ترجمہ صدر الحمید مولانا محمد اسحاق دہلویؒ کا ہے۔

2۔ مولانا خرم علی نے "مشارق الأنوار" کی شرح لکھی۔

3۔ "درّالمختار" کی شرح مولانا محمد احسن نانوتویؒ نے لکھی۔

4۔ انھوں نے "احیاء العلوم" اور "کیمیائے سعادت" کا ترجمہ بھی کیا۔

5۔ مولانا محمد یعقوب دیوبندیؒ نے "منهاج العابدین" کا ترجمہ کیا۔

6۔ "القول الجمیل" کا ترجمہ شیخ خرم علی بلہوریؒ نے کیا۔

پس اس سلسلے میں بھی لوگوں نے ان حضرات کی اتباع کی۔ اب تک دین کے فنون میں سے کوئی فن

ایسا نہیں اور اماموں کی کتابوں میں سے کوئی کتاب ایسی نہیں، جس کا اردو زبان میں ترجمہ نہ ہو چکا ہو۔

فصل (9): (''دیوبندی جماعت'' کے مختلف طبقات)

دارالعلوم دیوبند اور اس کی شاخوں سے علم حاصل کرکے فارغ ہونے والے تمام لوگ ایک درجے پر نہیں ہیں، بلکہ آپ ان کے درمیان کئی طبقات پائیں گے۔

ان کے چند طبقات ہیں:

1۔ پہلا طبقہ (ولی اللّٰہی وصیت کے مطابق قاسمی تجدید کو قبول کرنے والے)

اس طبقے میں وہ لوگ شامل ہیں، جو امام ولی اللہ دہلویؒ کی وصیت پر پوری استقامت کے ساتھ قائم ہیں۔ امام محمد قاسم دیوبندیؒ نے اپنے طرزِ تفکر میں جو کچھ تجدید کی تھی اور اسلام کے دشمنوں کا ردّ کرنے کے لیے جو تجدیدی کردار ادا کیا تھا، اسے پورے طور پر قبول کرتے ہیں۔ (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی وصیت درجِ ذیل ہے۔)

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''**القول الجمیل**'' میں لکھتے ہیں کہ:

''میں حق کے طالب کو چند اُمور کی وصیت کرتا ہوں:

1۔ مال داروں کی صحبت ہرگز نہ اختیار کی جائے۔ سوائے اس کے کہ لوگوں سے ظلم دور کرنے، یا اُن کو عام لوگوں کی بھلائی کے کاموں پر اُبھارنے کے لیے اُن سے ملا جائے۔

یہی وہ طریقہ ہے کہ جس کے ذریعے سے ''بادشاہوں کی صحبت کی مذمت کرنے والی احادیث'' اور ''بہت سے نیک لوگوں اور علما کے بادشاہوں سے ملنے کے عمل'' کے درمیان تطبیق دی جاسکتی ہے۔

2۔ جاہل صوفیوں کی صحبت اختیار نہ کی جائے۔ اور نہ جاہل عبادت گزاروں کی، اور نہ تنگ نظر اور جمود اختیار کرنے والے فقہا کی، اور نہ محدثین میں سے ظاہرِ حدیث پر عمل کرنے والوں کی، اور نہ غالی قسم کے عقلیت پسند اور متکلمین کی۔

بلکہ طالبِ حق کو چاہیے کہ:

(ا) عالم بنے۔

(ب) ایسا صوفی بنے، جو دنیا سے بے رغبتی رکھتا ہو۔

(ج) اللہ کی طرف ایسی مستقل توجہ رکھنے والا بنے کہ ''بلند حالات'' کے رنگ میں رنگا ہوا ہو۔

(د) سنتِ رسول اللہؐ میں رغبت رکھنے والا ہو۔

(ھ) رسول اللہؐ کی حدیث اور آثارِ صحابہؓ کی اتباع کرنے والا ہو۔

(و) احادیث کی شرح و بیان کے لیے ایسے محققین فقہا کے کلام کی تلاش میں رہے، جو نظر و فکر میں حدیث کی طرف مائل ہوں۔

(ز) ایسے اصحاب کی اتباع کرنے والا ہو، جو سنت سے اپنے عقائد ماخوذ کرتے ہوں۔ اس باب میں عقلی دلیل کو محض تبرعاً اپنے پیش نظر رکھتے ہوں۔

(ح) ایسے اصحابِ سلوک کی اتباع کرنے والا ہو، جو علم و تصوف کے جامع ہوں۔ جو اپنے اوپر تشدد کرنے والے نہ ہوں۔ اور سنتِ رسول اللہؐ سے زائد، دقیق باتوں میں نہ اُلجھیں۔

ان اوصاف سے متصف ہونے والے لوگوں کے علاوہ اور کسی کی صحبت مت اختیار کریں۔

3۔ فقہا کے مذاہب میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی بات نہ کی جائے۔ بلکہ مجموعی طور پر تمام فقہا کو اجمالی طور پر قبول کرنا چاہیے۔ ان میں سے اُس مسلک کی اتباع کرنی چاہیے، جو صریح سنت اور مشہور حدیث کے موافق ہو۔ اگر دونوں مذاہب کی دونوں باتیں صریح سنت سے نکلتی ہوں تو اُس کی اتباع کی جائے، جدھر اہل علم کی اکثریت ہو۔ اگر علما کی تعداد بھی دونوں طرف برابر ہو، پھر اختیار ہے۔ (جس کی چاہو، اتباع کرو) بہرحال بغیر کسی تعصب کے، تمام مذاہب کو ایک ہی سمجھنا چاہیے۔

4۔ صوفیا کے مختلف سلاسل (چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ) میں بھی کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دی جائے۔ مغلوب الحال صوفیا پر تنقید نہ کیا جائے۔ اور نہ اُن لوگوں پر، جو سماع وغیرہ سننے کے بارے میں تاویل کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں بھی صرف اس کی اتباع کی جائے، جو سنت سے ثابت شدہ ہے۔ اور محققین راسخین میں سے اصحابِ علم کے راستے پر چلنا چاہیے''۔ واللّٰہ المُوفّق و المُعین۔ انتھٰی (104)

2۔ دوسرا طبقہ (فروعی مسائل میں محققانہ رشیدی منہج کے پابند حضرات)

دوسرے طبقے کے وہ لوگ ہیں، جو ایسے مسائل میں محققانہ طرزِ فکر و عمل رکھتے ہیں، جن کا تعلق شرک و بدعات کے ردّ کرنے سے ہے۔ اس سلسلے میں وہ مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے منہج اور طریقۂ کار کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ یہ لوگ جمعہ اور باجماعت نماز کی پوری پابندی کرتے ہیں۔ تدریس و تعلیم کے کام میں مشغول رہتے ہیں۔ وعظ و نصیحت اور ادب و آداب سکھاتے ہیں۔ فتویٰ نویسی کا

کام کرتے ہیں۔ جھگڑوں کے فیصلے نمٹاتے ہیں۔ طبیب بھی ہیں اور دوستی بھی نبھاتے ہیں۔

یہ حضرات فقہ کو حدیث کے ساتھ تطبیق دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے طریقے پر عمل کرتے ہیں۔ تمام مذاہبِ فقہیہ کے بالمقابل ہمیشہ مذہبِ حنفی کی مدد و نصرت کرتے ہیں۔ ان حضرات کو اس سلسلے میں توجیہات و تاویلات میں اجتہادی ملکہ حاصل ہے۔ اس دعوے کے ساتھ کہ وہ صریح سنت پر عمل کر رہے ہیں۔ اس طبقے کے لوگ کثرت سے ہیں۔

ان میں سے ایک جماعت نے ترقی کی تو وہ طبقۂ اولیٰ کے ساتھ شامل ہوگئی۔ ایسے حضرات مذہبِ حنفی کی نصرت کرنے کی کوشش اُس وقت کرتے ہیں، جب کہ اُس پر ہونے والی تنقید اور تشنیع کو دفع کرنا مقصود ہو۔ یہ حضرات صرف اسی تک محدود رہتے ہیں۔ ایسے حضرات بستیوں اور شہروں میں عام لوگوں کی اصلاح میں مشغول رہتے ہیں۔

3۔ تیسرا طبقہ (پُرانے طرزِ تعلیم اور دیوبندی طرزِ تعلیم کا مجموعہ)

یہ طبقہ وہ ہے، جس نے دیوبندی جماعت کی کچھ چیزیں لے لیں اور کچھ چھوڑ دیں۔ ان لوگوں نے ولی اللّٰہی جماعت کے علاوہ دیگر لوگوں سے جو تعلیم حاصل کی تھی، اُسی پر باقی رہے۔

ان میں درجِ ذیل ایسے تمام لوگوں کو دیوبندی جماعت میں شمار نہیں کیا جا سکتا:

1۔ جنھوں نے شرک و بدعات کے اعمال کا ارتکاب کیا اور اس پر انھیں کوئی ندامت اور شرمندگی نہیں ہے۔

2۔ اسی طرح وہ لوگ، جنھوں نے ہمارے شہروں کے غالی حنفیوں کی طرح آئمہ محدثین کے خلاف گفتگو کی ہے۔

3۔ اسی طرح وہ لوگ جنھوں نے آئمہ فقہا کے خلاف بات کی اور ان کی شان میں بے ادبی کی ہے۔

(دیوبندی جماعت کے تین اہم بنیادی کام)

میرے نزدیک ''دیوبندی جماعت'' کے تمام کام تین بنیادی اُمور پر مشتمل ہیں:

1۔ جمہور انسانوں کی تعلیم و تربیت کرنا

2۔ جمہور انسانوں کی حکومت قائم کرنے کے لیے جدو جہد اور کوشش کرنا

3۔ مہذب اور صالح قوموں کے اجتماع کے ساتھ اپنے آپ کو ملانے کی جدوجہد اور کوشش کرنا

واللّٰہ أعلم۔ (اور اللہ زیادہ جانتا ہے۔)

فصل (10): (باصلاحیت افراد کی قلت کے دور میں شیخ الہندؒ کا تجدیدی کردار)

(دیوبندی جماعت کے) پہلے اور اونچے طبقے کے لوگ اگرچہ ہمیشہ تھوڑے ہی رہے۔ اُس حدیث کے مصداق، جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا تھا:

''إنّما النّاس كالإبل المائة، لا تكاد تجد راحلة.'' (105)

(لوگوں کی مثال اُن 100 اونٹوں کی سی ہے، کہ جن میں بسا اوقات ایک بھی سواری کے قابل نہیں ہوتا۔)

لیکن ایسے لوگوں کی تعداد ۱۲۹۷ھ (1880ء) کے بعد دن بدن کم ہوتی چلی گئی۔ کیوں کہ اس سال یا اس کے قریب قریب ''دیوبندی جماعت'' کے درجِ ذیل رہنما اور اہم بزرگ وفات پا گئے۔ جیسا کہ:

1۔ ہمارے استاذ (حضرت شیخ الہندؒ) کے استاذ مولانا محمد قاسمؒ (نانوتوی)

2۔ مولانا احمد علی (محدث) سہارن پوریؒ

3۔ مولانا عبدالغنی (مجددی) دہلویؒ (مہاجر مدنی)

جب کہ ۱۳۰۲ھ (1885ء) میں مولانا محمد یعقوب دیوبندیؒ اور مولانا محمد مظہر سہارن پوریؒ (نانوتوی) وفات پا گئے۔

اس طرح مشائخ کی صحبت اختیار کر کے نفع اُٹھانے والوں کی تعداد کم ہوگئی اور معاملہ محض کتابیں پڑھنے اور قواعد وضوابط کی پابندی اختیار کرنے تک محدود ہو کر رہ گیا۔

(شیخ الہندؒ کے بنیادی کام)

پھر ہمارے شیخ، شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) نے مدرسہ (دارالعلوم دیوبند) کا نظام سنبھالنے کی کوشش کی، تاکہ دارالعلوم سے فارغ ہونے والوں میں سے باصلاحیت افراد کثرت سے پیدا ہوں۔ چناں چہ انھوں نے سب سے پہلے دیوبندی علما میں سے ایسے لوگوں کو جمع کیا، جو مختلف فنون میں متبحر عالم دین کی حیثیت سے مشہور تھے۔ نیز ان کو تعلیم وتربیت کے اُمور میں وسیع تجربہ حاصل تھا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے ایسے حضرات کو دارالعلوم دیوبند میں قیام کا حکم دیا۔

اس طرح انھوں نے:

1۔ ایسے ''درجۂ تکمیل'' کی بنیاد رکھی، جس میں سرسری طور پر ولی اللّٰہی طریقے کی تعلیم دینے کے بجائے اس کی تعلیم مستقل طور پر دی جائے۔ اس کے لیے انھوں نے (حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی عظیم کتاب) ''حُجّة اللّٰه البالغه'' کا درس شروع کیا۔

2۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اس پر توجہ دی کہ امام ولی اللہ دہلویؒ کے طریقے پر اردو زبان میں اللہ کے

کلام کے معانی اور مفاہیم کی وضاحت کی جائے۔ چناں چہ آپ نے شیخ عبدالقادر دہلویؒ کے ترجمہ قرآن کی اصلاح کی۔ نیز اس کے تفسیری حواشی لکھنا شروع کیے۔

3۔ اسی طرح حضرت شیخ الہندؒ نے ''دارالحدیث'' کی بنیاد رکھی، تاکہ فنونِ حدیث کی تکمیل کو مستقل مقصد بنا کر دارالعلوم کے علما کی ایک جماعت تیار کی جائے۔

4۔ آپؒ نے یہ بھی ارادہ کیا کہ امامِ ربانی (مجدد الف ثانیؒ) کے طریقے میں تجدید کی جائے، تاکہ تصوف اور علم کے جامع علما تیار ہوں۔ پھر اس جماعت کے ذریعے سے غیرمسلم ممالک میں اسلام کی اشاعت کی جائے۔

5۔ آپؒ کا یہ بھی ارادہ تھا کہ وہ شیخین: مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ اور حکیم الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے طریقے کو دوبارہ زندہ کریں، تاکہ دینی سیاست کا فہم وشعور رکھنے والے علما تیار ہوں۔

(''جامعہ ملیہ اسلامیہ'' کی بنیاد اور ''جمعیت علمائے ہند'' کی تشکیل)

اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہمارے شیخ، شیخ الہندؒ نے ''جامعہ ملیہ اسلامیہ'' کی بنیاد رکھی تھی۔ اور ''جمعیت علمائے ہند'' کی تشکیل کی تھی۔

اس تناظر میں ہندوستان میں بسنے والے لوگوں کے لیے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ ہی ایک مکمل نمونے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

رحمہُ اللّٰہ و رفعہُ إلیٰ أعلیٰ علّیّین

و بارک فی المسلمین بتکثیر أمثالہ. آمین.

(اللہ ان پر رحم کرے اور انھیں اعلیٰ علیین میں بلند مرتبہ عطا فرمائے۔

اور مسلمانوں میں برکت عطا فرمائے کہ اُن جیسے لوگ بہ کثرت پیدا ہوں۔)

☆

بارھواں باب: سلاطین ہند اور ائمہ علما کی وفیات کا بیان

فصل (1): (سنین کا تعین)

ہم نے اس کتاب میں چار طرح سے تاریخ کے سنین بیان کیے ہیں:

1۔ **سنِّ ھجری:** ان کے مہینے چاند کے حساب سے ہیں۔

2۔ **سنِّ بعثتِ نبویؐ:** اور وہ ہجری سن پر 13 سال کے اضافے کے ساتھ شروع کیے گئے ہیں۔ اور ان کے مہینے بھی چاند کے حساب سے ہیں۔

3۔ **سنِّ حنیفی:** حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش سے اس کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کے مہینے شمسی حساب سے ہیں۔ جیسا کہ مشہور مسیحی مہینے ہوتے ہیں۔ ان کے عین مطابق سن حنفی کے مہینے ہیں۔ یہ مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے سن سے 2000 سال پہلے ہے۔ چناں چہ یکم جنوری 1930 عیسوی کو یکم جنوری 3930 حنفی شمار کی جائے گی۔ (106)

4۔ **سنِّ ولی اللّٰھی سروراجی:** اس کی ابتدا 3651 حنفی (1651ء+2000ء) سے ہوتی ہے۔ اس کے مہینے بھی عیسوی سن کے مہینوں کے مطابق شمسی حساب سے ہیں۔ اس سن کے آغاز کا حساب ہم نے سلطان شاہ جہاں کے زمانے میں جامع مسجد دہلی کی (1651ء میں) بنیاد رکھنے سے کیا ہے۔ اس لیے کہ ولی اللّٰہی طریقے کے بانی امام ولی اللہ دہلویؒ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ اس واقعۂ مبارکہ کے موقع پر موجود تھے۔ (107)

واللّٰه المُوفّق.

فصل (2): سلاطین ہند کا سنہرا دور

1۔ سلطان نصیر الدین ہمایوں بن بابر

۹۶۲ھ سے ۹۶۳ھ تک/ 3554ح سے 3555ح تک۔ (108)

2۔ جلال الدین محمد اکبر بن ہمایوں (اکبر اعظم)

۹۶۳ھ سے ۱۰۱۴ھ تک/ 3605ح تک۔ (109)

3۔ سلطان نورالدین سلیم بن اکبر (جہاں گیر)
۱۰۳۷ھ/ 3628ح۔ (110)

4۔ سلطان شہاب الدین خرم بن سلیم (شاہ جہاں)
۱۰۶۹ھ/ 3659ح۔ (111)

5۔ سلطان المجدّد محی الدین اورنگزیب بن خرم (عالمگیر) الاعظم
۱۱۱۸ھ/ 3707ح/ 57 ولی اللّٰہی سروراجی۔ (112)

سلاطین ہند کا درمیانہ دور

1۔ سلطان قطب الدین محمد معظم بن اورنگ زیب (شاہ عالم) اول
۱۱۱۹ھ تا ۱۱۲۴ھ/ 3707ح تا 3712ح/ 57 ولی اللّٰہی تا 62 ولی اللّٰہی

2۔ سلطان معزالدین جہاں دار شاہ بن محمد معظم (شاہ عالم) اول
۱۱۲۴ھ/ 3713ح/ 63 ولی اللّٰہی (113)

3۔ سلطان جلال الدین فرخ سیر بن عظیم الشان بن (شاہ عالم) اول
۱۱۲۴ھ تا ۱۱۳۱ھ/ 3713ح تا 3719ح/ 69 ولی اللّٰہی سروراجی

4۔ سلطان ناصرالدین محمد شاہ بن جہان شاہ بن شاہ عالم اول
۱۱۶۱ھ/ 3748ح/ 98 ولی اللّٰہی (114)

سلاطین ہند کا دورِ انحطاط

1۔ سلطان احمد شاہ بن محمد شاہ بن جہان شاہ بن شاہ عالم اول
۱۱۶۱ھ تا 1167ھ/ 3748ح تا 3754ح/ 104 ولی اللّٰہی (115)

2۔ سلطان عزیزالدین عالم گیر بن جہاں دار شاہ بن شاہ عالم ثانی
۱۱۷۳ھ/ 3759ح/ 109 ولی اللّٰہی (116)

3۔ سلطان جلال الدین عالی گوہر بن عالم گیر بن جہاں دار شاہ بن شاہ عالم ثانی
۱۲۱۸ھ/ 3803ح/ 153 ولی اللّٰہی

سلاطین ہند کا دورِ زوال

1۔ سلطان جلال الدین عالی گوہر بن عالم گیر بن جہاں دار شاہ عالم ثانی
۱۲۱۸ھ تا ۱۲۲۱ھ/ 3803ح تا 3806ح/ 156 ولی اللّٰہی

2۔ سلطان معین الدین محمد اکبر بن شاہ عالم ثانی
۱۲۵۳ھ/ 3837ح/ 187 ولی اللّٰہی (117)

3۔ سلطان سراج الدین بہادر شاہ (ظفر) بن محمد اکبر بن شاہ عالم ثانی
۱۲۵۳ھ تا ۱۲۷۴ھ/ 3837ح تا 3857ح/ 207 ولی اللّٰہی (118)

فصل (3): نقشبندی طریقے میں مجددی طریقے کی راہ ہموار کرنے والے مشائخ

نام مشائخ	سن وفات
1۔ شیخ عبیداللہ بن محمود بن شہاب الدین الاحرارؒ (119)	۸۹۵ھ/ 1490ء
2۔ شیخ محمد زاہد وخشیؒ (120)	۹۳۶ھ/ 1529ء
3۔ شیخ درویش محمد امکنویؒ (121)	۹۷۰ھ/ 1562ء
4۔ خواجہ عبدالباقی (خواجگی) امکنویؒ (122)	۱۰۰۸ھ/ 1600ء
5۔ امام رضی الدین محمد باقی (باللہ) دہلویؒ (123)	۱۰۱۲ھ/ 1603ء
6۔ امامِ ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (124)	۱۰۳۴ھ/ 1624ء

طریقۂ چشتیہ میں طریقۂ مجددیہ کی راہ ہموار کرنے والے مشائخ

نام مشائخ	سن وفات
1۔ شیخ احمد عبدالحق ردولوی ابدالؒ	۸۳۶ھ/ 1433ء
2۔ شیخ عارف بن احمد عبدالحق ردولوی ابدالؒ	۸۵۹ھ/ 1455ء
3۔ شیخ محمد بن عارف بن احمد عبدالحق ردولوی ابدالؒ	۸۹۸ھ/ 1493ء
4۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ	۹۴۴ھ/ 1537ء
5۔ شیخ رکن الدین بن عبدالقدوس گنگوہیؒ	۹۸۳ھ/ 1575ء
6۔ شیخ عبدالاحد بن زین العابدین سرہندیؒ	۱۰۰۷ھ/ 1599ء
7۔ امام ربانی شیخ احمد بن عبدالاحد سرہندی مجدد الف ثانیؒ	۱۰۳۴ھ/ 1664ء

فقہائے محدثین میں طریقۂ مجددیہ کی راہ ہموار کرنے والے علما

نام علما	سن وفات
1۔ شیخ جلال الدین سیوطیؒ	۹۱۱ھ/ 1505ء
2۔ شیخ ابن حجر مکیؒ	۹۷۳ھ/ 1566ء

3۔ شیخ یعقوب صیرفی (کشمیریؒ)	۱۰۰۳ھ/ 1595ء
4۔ امام ربانی شیخ احمد بن عبدالاحد سرہندی مجدد الف ثانیؒ	۱۰۳۴ھ/ 1664ء

طریقۂ احمدیہ مجددیہ کے امام

نام ائمہ	سن وفات
1۔ امام ربانی شیخ احمد بن عبدالاحد سرہندی مجدد الف ثانیؒ	۱۰۳۴ھ/ 1664ء
2۔ خازن الرحمہ امام محمد سعید بن امام ربانیؒ	۱۰۷۰ھ/ 1660ء
3۔ عروۃ الوثقیٰ امام محمد معصوم بن امام ربانیؒ	۱۰۷۹ھ/ 1668ء
4۔ شیخ محمد یحییٰ بن امام ربانیؒ	۱۰۹۸ھ/ 1687ء
5۔ شیخ سیف الدین بن امام محمد معصوم بن امام ربانیؒ	۱۰۹۶ھ/ 1685ء
6۔ شیخ حجۃ اللہ بن امام محمد معصوم بن امام ربانیؒ	۱۱۱۴ھ/ 1702ء
7۔ شیخ محمد فرخ بن امام محمد سعید بن امام ربانیؒ	۱۱۲۲ھ/ 1798ء
8۔ شیخ عبدالاحد بن امام محمد سعید بن امام ربانیؒ	۱۱۲۷ھ/ 1714ء
9۔ شیخ محمد صدیق بن امام محمد معصوم بن امام ربانیؒ	۱۱۳۱ھ/ 1719ء
10۔ شیخ محمد زبیر بن ابوالعلا بن حجۃ اللہ بن معصوم بن امام ربانیؒ	۱۱۵۱ھ/ 1739ء
11۔ شیخ محمد محسن من اولاد شیخ عبدالحق دہلویؒ	۱۱۴۷ھ/ 1734ء
12۔ شیخ نور محمد بدایونیؒ	۱۱۳۵ھ/ 1723ء
13۔ شیخ محمد افضل سیالکوٹی، لاہوریؒ	۱۱۴۶ھ/ 1733ء
14۔ شیخ سعد اللہ دہلویؒ	۱۱۵۲ھ/ 1739ء
15۔ شیخ محمد عابد سنامیؒ	۱۱۶۰ھ/ 1747ء
16۔ شیخ امام محمد مظہر جان جاناں دہلویؒ	۱۱۹۵ھ/ 1780ء
17۔ شیخ امام عبداللہ دہلویؒ (125)	۱۲۴۰ھ/ 1824ء
18۔ شیخ ابوسعید (مجدی) دہلویؒ	۱۲۰۵ھ/ 1791ء
19۔ شیخ احمد سعید (مجدی) دہلویؒ	۱۲۷۷ھ/ 1861ء
20۔ شیخ عبدالغنی (مجدی) دہلویؒ	۱۲۹۵ھ/ 1878ء

فصل (4): طریقۂ قادریہ گیلانیہ میں طریقۂ حقانیہ کی راہ ہموار کرنے والے مشائخ

نام مشائخ	سن وفات
1۔ شیخ محمد اُچی من اولاد امام عبدالقادر جیلانیؒ	۹۲۳ھ/ 1517ء
2۔ شیخ عبدالقادر بن شیخ محمد اُچی ملقب شیخ عبدالقادر ثانیؒ	۹۴۰ھ/ 1534ء
3۔ شیخ عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر ثانیؒ	۹۴۲ھ/ 1535ء
4۔ شیخ حامد بن عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر ثانیؒ	۹۷۸ھ/ 1570ء
5۔ شیخ موسیٰ شہید بن حامد بن عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر ثانیؒ	۱۰۰۱ھ/ 1593ء
6۔ شیخ عبدالحق بن سیف الدین دہلویؒ (محدث)	۱۰۵۲ھ/ 1642ء

طریقۂ نقشبندیہ میں طریقۂ حقانیہ کے راہ ہموار کرنے والے مشائخ

نام مشائخ	سن وفات
1۔ شیخ امام رضی الدین محمد باقی دہلویؒ	۱۰۱۲ھ/ 1603ء
2۔ شیخ عبدالحق بن سیف الدین دہلویؒ (محدث)	۱۰۵۲ھ/ 1642ء

طریقۂ قادریہ میں طریقۂ حقانیہ کے راہ ہموار کرنے والے مشائخ

نام مشائخ	سن وفات
1۔ شیخ محمد (رفیع الدین بن قطب العالم بن عبدالعزیز) بن حسن بن طاہر دہلویؒ	۹۴۴ھ/ 1537ء
2۔ شیخ امان اللہ پانی پتیؒ	۹۵۷ھ/ 1550ء
3۔ شیخ سیف الدین دہلویؒ	۹۹۰ھ/ 1582ء
4۔ امام شیخ عبدالحق بن سیف الدین دہلویؒ (محدث)	۱۰۵۲ھ/ 1642ء

شیخ ابن عربی کی اتباع کرنے والوں میں طریقۂ حقانیہ کے راہ ہموار کرنے والے مشائخ

نام مشائخ	سن وفات
1۔ شیخ نورالدین عبدالرحمٰن جامیؒ	۸۹۸ھ/ 1492ء
2۔ شیخ رضی الدین بن عبدالغفور لاریؒ	۹۱۲ھ/ 1506ء
3۔ شیخ مودود لاری پانی پتیؒ	۹۷۳ھ/ 1565ء
4۔ شیخ امان اللہ پانی پتیؒ	۹۵۷ھ/ 1550ء
5۔ شیخ سیف الدین دہلویؒ	۹۹۰ھ/ 1582ء

6۔ امام شیخ عبدالحق بن سیف الدین دہلویؒ (محدث)	۱۰۵۲ھ/ 1642ء

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے اساتذہ میں فقہائے محدثین

نام مشائخ	سن وفات
1۔ شیخ جلال الدین سیوطیؒ	۹۱۱ھ/ 1505ء
2۔ شیخ ابن حجر مکیؒ	۹۷۳ھ/ 1566ء
3۔ شیخ علی متقی مکیؒ	۹۷۵ھ/ 1567ء
4۔ شیخ عبدالوہاب متقی مکیؒ	۱۰۰۱ھ/ 1593ء
5۔ امام شیخ عبدالحق بن سیف الدین دہلویؒ (محدث)	۱۰۵۲ھ/ 1642ء

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے اساتذہ میں حنفی فقہائے محدثین

نام مشائخ	سن وفات
1۔ شیخ امام محبّ الدین ابوالولید ابن شحنہؒ	۸۱۵ھ/ 1412ء
2۔ شیخ امام کمال الدین ابن ہمامؒ	۸۶۱ھ/ 1457ء
3۔ شیخ امام زین الدین القاسم بن قطلو بغاؒ	۸۷۹ھ/ 1474ء
4۔ شیخ سری الدین عبدالبر ابن شحنہؒ	۹۲۱ھ/ 1515ء
5۔ شیخ احمد بن یونس شلبیؒ	۱۰۲۱ھ/ 1612ء
6۔ شیخ قطب الدین ابن مکیؒ	۹۹۰ھ/ 1582ء
7۔ شیخ ملا علی القاری مکیؒ	۱۰۱۴ھ/ 1605ء
8۔ امام شیخ عبدالحق بن سیف الدین دہلویؒ (محدث)	۱۰۵۲ھ/ 1642ء

طریقۂ امام مجدد شیخ عبدالحق دہلویؒ

(ا)شعبۂ اولاد

نام مشائخ	سن وفات
1۔ شیخ نورالحق دہلوی بن شیخ امام عبدالحق دہلویؒ	۱۰۷۳ھ/ 1662ء
2۔ شیخ فخرالدین بن محبّ اللہ بن نوراللہ بن نورالحقؒ	ــــــ
3۔ شیخ الاسلام محمد بن فخرالدین دہلویؒ	ــــــ
4۔ شیخ سلام اللہ بن شیخ الاسلام دہلویؒ	۱۲۲۹ھ/ 1814ء

5۔ شیخ نورالاسلام بن سلام اللہ رام پوریؒ ـــــــ

(ب) شعبۂ لکھنویّین

نام مشائخ	سن وفات
1۔ شیخ نورالحق دہلوی بن شیخ امام عبدالحق دہلویؒ	۱۰۷۳ھ/1662ء
2۔ شیخ پیرمحمد لکھنویؒ (126)	۱۰۸۵ھ/1674ء
3۔ شیخ غلام نقشبند لکھنویؒ (127)	۱۱۲۷ھ/1714ء
4۔ شیخ ملا نظام الدین لکھنویؒ (128)	۱۱۶۱ھ/1748ء
5۔ شیخ ملا بحرالعلوم لکھنویؒ	۱۲۲۵ھ/1810ء

(ج) شعبۂ لاہوریّین

نام مشائخ	سن وفات
1۔ شیخ نورالحق دہلوی بن شیخ امام عبدالحق دہلویؒ	۱۰۷۳ھ/1662ء
2۔ شیخ ملا عبدالحکیم (سیالکوٹی) لاہوریؒ	۱۰۶۷ھ/1657ء
3۔ شیخ عبداللہ لبیب بن عبدالحکیم لاہوریؒ	۱۰۹۳ھ/1682ء
4۔ شیخ عبداللہ بن سعد اللہ لاہوریؒ (129)	۱۰۸۳ھ/1672ء
5۔ شیخ ابراہیم کردیؒ	۱۱۰۱ھ/1690ء
6۔ شیخ ابوطاہر کردی مدنیؒ	۱۱۴۵ھ/1732ء

(د) لاہوری مشائخ کا دوسرا سلسلہ

نام مشائخ	سن وفات
1۔ امام شیخ عبدالحق بن سیف الدین دہلویؒ (محدث)	۱۰۵۲ھ/1642ء
2۔ شیخ ملا عبدالحکیم (سیالکوٹی) لاہوریؒ	۱۰۶۷ھ/1657ء
3۔ شیخ محمد عارف سیالکوٹی لاہوریؒ	۱۰۶۴ھ/1654ء
4۔ شیخ محمد سعید سیالکوٹی لاہوریؒ	۱۱۶۶ھ/1753ء
5۔ شیخ امام ولی اللہ دہلویؒ	۱۱۷۶ھ/1763ء

(ھ) شعبۂ بلگرامیّین

نام مشائخ	سن وفات
1۔ شیخ امام عبدالحق محدث دہلویؒ	۱۰۵۲ھ/ 1642ء
2۔ شیخ نورالحق دہلوی بن شیخ امام عبدالحق دہلویؒ	۱۰۷۳ھ/ 1662ء
3۔ شیخ مبارک بلگرامیؒ	۱۱۱۵ھ/ 1703ء
4۔ شیخ سید عبدالجلیل بلگرامیؒ	۱۱۳۷ھ/ 1725ء
5۔ شیخ سید (غلام علی) آزاد بلگرامیؒ	۱۱۹۴ھ/ 1780ء
6۔ شیخ عبدالرحمٰن بن مصطفیٰ عیدروسیؒ	۱۱۹۵ھ/ 1780ء
7۔ شیخ سید محمد مرتضٰی بلگرامیؒ	۱۲۰۵ھ/ 1791ء

فصل (5): طریقۂ ولی اللّٰہی کی راہ ہموار کرنے والے مشائخ

(ا) طریقۂ چشتیہ اجداد کی جانب سے

نام مشائخ	سن وفات
1۔ شیخ حسن بن طاہر دہلویؒ	۹۰۹ھ/ 1503ء
2۔ شیخ امام عبدالعزیز بن حسن دہلویؒ بحرموّاجؒ	۹۷۵ھ/ 1568ء
3۔ شیخ قطب العالم بن شیخ عبدالعزیز دہلویؒ	۱۰۰۰ھ/ 1592ء
4۔ شیخ رفیع الدین بن قطب عالم دہلویؒ	۱۰۵۲ھ/ 1642ء
5۔ شیخ عبدالرحیم بن وجیہ الدین دہلویؒ	۱۱۳۱ھ/ 1719ء

(ب) طریقۂ نقشبندیہ

نام مشائخ	سن وفات
1۔ شیخ امام رضی الدین محمد باقی دہلویؒ	۱۰۱۲ھ/ 1603ء
2۔ شیخ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ	۱۰۳۴ھ/ 1624ء
3۔ شیخ حسام الدین دہلویؒ	۱۰۴۳ھ/ 1633ء
4۔ شیخ اللہ داد دہلویؒ	۱۰۵۱ھ/ 1641ء
5۔ شیخ تاج الدین سنبھلی مکیؒ	۱۰۵۰ھ/ 1640ء
6۔ شیخ عبداللہ بن محمد باقی دہلویؒ	۱۰۷۵ھ/ 1665ء

7۔ شیخ ابوالرضا محمد دہلویؒ	۱۱۰۱ھ/ 1690ء
8۔ شیخ عبدالرحیم بن وجیہ الدین دہلویؒ	۱۱۳۱ھ/ 1719ء

(ج) طریقۂ مجددیہ

نام مشائخ	سن وفات
1۔ شیخ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ	۱۰۳۴ھ/ 1624ء
2۔ شیخ آدم بنوریؒ	۱۰۵۳/ 1643ء
3۔ شیخ عبداللہ قاری (اکبرآبادیؒ)	۱۱۰۶ھ/ 1694ء
4۔ شیخ عبدالرحیم بن وجیہ الدین دہلویؒ	۱۱۳۱ھ/ 1719ء

(د) محققین اورفن تحصیل علم کے محصّلین کا طریقہ

نام مشائخ	سن وفات
1۔ شیخ جلال الدین دوانیؒ	۹۰۸ھ/ 1502ء
2۔ شیخ محمود شیرازیؒ	ـــــ
3۔ شیخ حبیب جان شیرازیؒ	۹۴۲ھ/ 1535ء
4۔ شیخ یوسف بن محمد قرباغیؒ	ـــــ
5۔ شیخ محمد فاضلؒ	ـــــ
6۔ شیخ قاضی میر محمد اسلم ہرویؒ	۱۰۶۱ھ/ 1651ء
7۔ شیخ علامہ میرزاہد ہرویؒ	۱۱۰۱ھ/ 1690ء
8۔ شیخ عبدالرحیم بن وجیہ الدین دہلویؒ	۱۱۳۱ھ/ 1719ء

(ھ) طریقۂ فقہا محدثین

نام مشائخ	سن وفات
1۔ شیخ احمد بن یونس شلبیؒ	۱۰۲۱ھ/ 1612ء
2۔ شیخ زین الدین بن نجیم مصریؒ	۹۷۰ھ/ 1563ء
3۔ شیخ محمد بن عمر حانوتیؒ	۱۰۱۰ھ/ 1601ء
4۔ شیخ خیرالدین رملیؒ	۱۰۸۱ھ/ 1670ء
5۔ شیخ عبدالرحیم بن وجیہ الدین دہلویؒ	۱۱۳۱ھ/ 1719ء

(و) محققین جامعین کا طریقۂ مجددیہ

نام مشائخ	سن وفات
1۔ شیخ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ	۱۰۳۴ھ 1624ء
2۔ شیخ محمد سعید بن امام ربانیؒ	۱۰۷۰ھ/ 1660ء
3۔ شیخ محمد معصوم بن امام ربانیؒ	۱۰۷۹ھ/ 1668ء
4۔ شیخ حجۃ اللہ (نقشبندؒ)	۱۱۱۴ھ/ 1702ء
5۔ شیخ عبدالاحد بن امام محمد سعید بن امام ربانیؒ	۱۱۲۷ھ/ 1714ء
6۔ شیخ محمد افضلؒ (سیالکوٹی)	۱۱۴۶ھ/ 1733ء
7۔ امام ولی اللہ دہلویؒ	۱۱۷۶ھ/ 1763ء

(ز) طریقۂ محققین جامعین

نام مشائخ	سن وفات
1۔ شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ	۹۲۶ھ/ 1520ء
2۔ شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ	۹۷۳ھ/ 1566ء
3۔ شیخ احمد بن حجر مکیؒ	۹۷۳ھ/ 1566ء
4۔ شیخ علی بن عبدالقدوس شناویؒ	۱۰۱۱ھ/ 1603ء
5۔ شیخ احمد بن علی شناویؒ	۱۰۲۸ھ/ 1619ء
6۔ شیخ احمد قشاشیؒ	۱۰۷۱ھ/ 1661ء
7۔ شیخ محقق امام ابراہیم کردیؒ	۱۱۰۱ھ/ 1690ء
8۔ شیخ ابوطاہر کردی مدنیؒ	۱۱۴۵ھ/ 1733ء
9۔ امام ولی اللہ دہلویؒ	۱۱۷۶ھ/ 1763ء

(ح) طریقۂ محدثین محققین

نام مشائخ	سن وفات
1۔ شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ	۹۲۶ھ/ 1520ء
2۔ شیخ نجم الدین غیطیؒ	———
3۔ شیخ سالم سنہوریؒ	۱۰۱۵ھ/ 1606ء

4۔ شیخ شمس الدین محمد بن علیٰ بابلیؒ	۱۰۷۹ھ/ 1668ء
5۔ شیخ ابراہیم کردی مدنیؒ	۱۱۰۱ھ/ 1690ء
6۔ شیخ حسن بن علی عجیمیؒ	۱۱۱۳ھ/ 1702ء
7۔ شیخ احمد بن محمد نخلیؒ	۱۱۳۰ھ/ 1718ء
8۔ شیخ عبداللہ بن سالم بصریؒ	۱۱۳۴ھ/ 1722ء
9۔ شیخ ابوطاہر مدنیؒ	۱۱۴۵ھ/ 1733ء
10۔ شیخ امام ولی اللہ دہلویؒ	۱۱۷۶ھ/ 1763ء

(ط) طریقہ فقہائے محدثین

نام مشائخ	سن وفات
1۔ شیخ شہاب خفاجیؒ	۱۰۶۹ھ/ 1659ء
2۔ شیخ خیرالدین رملیؒ	۱۰۸۱ھ/ 1671ء
3۔ شیخ حسن بن عمار شرنبلالیؒ	۱۰۶۹ھ/ 1669ء
4۔ شیخ حسن بن علی عجیمیؒ	۱۱۱۳ھ/ 1702ء
5۔ شیخ عبدالحسن قلعیؒ	۱۰۸۳ھ/ 1672ء
6۔ شیخ تاج الدین قلعیؒ	۱۱۴۸ھ/ 1735ء
7۔ شیخ امام ولی اللہ دہلویؒ	۱۱۷۶ھ/ 1763ء

(ی) طریقہ فقہائے محدثین محصّلین

نام مشائخ	سن وفات
1۔ شیخ ملاعلی قاریؒ	۱۰۱۴ھ/ 1605ء
2۔ شیخ عبدالحق دہلویؒ	۱۰۵۲ھ/ 1642ء
3۔ شیخ عبدالحکیم سیالکوٹی لاہوریؒ	۱۰۶۷ھ/ 1657ء
4۔ شیخ عبداللہ لبیب سیالکوٹی لاہوریؒ	۱۰۹۳ھ/ 1682ء
5۔ شیخ عبداللہ بن سعداللہ لاہوریؒ	۱۰۸۳ھ/ 1672ء
6۔ شیخ ابراہیم کردی مدنیؒ	۱۱۰۱ھ/ 1690ء
7۔ شیخ ابوطاہر کردی مدنیؒ	۱۱۴۵ھ/ 1732ء
8۔ شیخ امام ولی اللہ دہلویؒ	۱۱۷۶ھ/ 1763ء

فصل (6): ولی اللّٰہی جماعت

نام مشائخ	سن پیدائش/ وفات
1۔ شیخ ابورضا محمد بن وجیہ الدین بن معظم بن منصور دہلویؒ	۱۰۴۶ھ تا ۱۱۰۱ھ/ 41 ولی اللّٰہی
2۔ شیخ عبدالرحیم بن وجیہ الدین دہلویؒ	۱۰۵۴ھ تا ۱۱۳۱ھ/ 69 ولی اللّٰہی
3۔ شیخ امام ولی اللہ بن عبدالرحیم دہلویؒ (حکیم الہند)	۱۱۱۴ھ تا ۱۱۷۶ھ/ 112 ولی اللّٰہی
4۔ شیخ امام عبدالعزیز بن ولی اللہ دہلویؒ (سراج الہند)	۱۱۵۹ھ تا ۱۲۳۹ھ
5۔ شیخ رفیع الدین بن ولی اللہ دہلویؒ	۱۲۳۳ھ
6۔ شیخ عبدالقادر بن ولی اللہ دہلویؒ	۱۱۶۲ھ تا ۱۲۳۰ھ
7۔ شیخ عبدالغنی بن ولی اللہ دہلویؒ	۱۲۲۷ھ
8۔ شیخ صدر الشہید محمد اسماعیل بن عبدالغنی بن ولی اللہ دہلویؒ	۱۱۹۳ھ تا ۱۲۴۶ھ
9۔ شیخ موسیٰ بن رفیع الدین بن ولی اللہ دہلویؒ	۱۲۵۹ھ
10۔ شیخ صدر الحمید محمد اسحاق سبط امام عبدالعزیز بن ولی اللہ دہلویؒ	۱۱۹۷ھ تا ۱۲۶۲ھ
11۔ شیخ محمد عمر بن محمد اسماعیل بن عبدالغنی بن ولی اللہ دہلویؒ	۱۲۶۸ھ
12۔ شیخ مخصوص اللہ بن رفیع الدین بن ولی اللہ دہلویؒ	۱۲۷۱ھ
13۔ شیخ محمد یعقوب سبط امام عبدالعزیز بن ولی اللہ دہلویؒ	۱۲۰۰ھ تا ۱۲۸۲ھ
14۔ شیخ عبدالقیوم سبط امام عبدالعزیز بن ولی اللہ دہلویؒ	۱۲۹۹ھ/ 1882ء
15۔ شیخہ خدیجہ بنت محمد اسحاق سبط امام عبدالعزیز دہلویؒ	۱۳۱۰ھ/ 1892ء
16۔ شیخ صدر السعید عبدالحئی بن ہبۃ اللہ ختن امام عبدالعزیز دہلویؒ	۱۲۴۳ھ/ 1828ء
17۔ الامیر الشہید سید احمد الحسنی خلیفہ امام عبدالعزیز دہلویؒ	۱۲۴۶ھ/ 1831ء
18۔ شیخ محمد حسن رام پوری شہید معین صدر الشہیدؒ	۱۲۴۶ھ 1831ء
19۔ شیخ سید عبدالرحیم افغانی شہیدؒ	۱۲۴۵ھ/ 1830ء
20۔ شیخ علامہ رشید الدین دہلویؒ	۱۱۷۹ھ تا ۱۲۴۹ھ
21۔ شیخ استاذ العلامہ مملوک العلی نانوتوی دہلویؒ	۱۲۶۷ھ/ 1851ء
22۔ شیخ صدر الدین دہلویؒ (آزردہ)	۱۲۸۵ھ/ 1868ء
23۔ شیخ قطب الدینؒ	۱۲۸۹ھ/ 1872ء

فصل (7): ولی اللّٰہی جماعت میں سے دیوبندی جماعت

نام مشائخ	سن وفات
1۔ شیخ استاذ العلامہ مملوک العلی نانوتوی دہلویؒ	۱۲۶۷ھ/ 1851ء
2۔ شیخ محمد یعقوب نانوتوی دہلویؒ	۱۳۰۲ھ/ 1884ء
3۔ شیخ امداد اللہ تھانوی مکیؒ	۱۳۱۷ھ/ 1899ء
4۔ شیخ احمد سعید دہلویؒ	۱۲۷۷ھ/ 1861ء
5۔ شیخ مظفر حسین کاندھلویؒ	۱۲۸۳ھ/ 1867ء
6۔ شیخ عبدالغنی دہلویؒ	۱۲۹۵ھ/ 1878ء
7۔ شیخ حافظ احمد علی سہارن پوریؒ	۱۲۹۷ھ/ 1880ء
8۔ شیخ محمد مظہر نانوتویؒ	۱۳۰۲ھ/ 1884ء
9۔ شیخ امام محمد قاسم نانوتوی دیوبندیؒ	۱۲۹۷ھ/ 1880ء
10۔ شیخ رشید احمد گنگوہیؒ	۱۳۲۳ھ/ 1905ء
11۔ شیخ محمد یعقوب نانوتوی دیوبندیؒ	۱۳۰۲ھ/ 1884ء
12۔ شیخ مولانا محمود حسن دیوبندی شیخ الہندؒ	۱۳۳۹ھ/ 1920ء

فصل (8): ہر ہجری صدی کے ابتدا میں آنے والے ائمہ فقہا حنفیہ

نام مشائخ	تجدیدی دور
1۔ شیخ احمد بن حفص ابوجعفر الکبیر بخاریؒ	۲۱۰ھ تا ۲۱۷ھ
2۔ شیخ احمد بن محمد ابوجعفر طحاویؒ	۳۱۰ھ تا ۳۲۱ھ
3۔ شیخ عبیداللہ بن عمر ابوزید دبوسیؒ	۴۱۰ھ تا ۴۳۰ھ
4۔ شیخ محمود بن عمر جاراللہ زمخشریؒ	۵۱۰ھ تا ۵۳۸ھ
5۔ شیخ محمود بن عبدالستار شمس الائمہ کردیؒ	۶۱۰ھ تا ۶۴۴ھ
6۔ شیخ عبدالکریم بن عبدالنور قطب الدین حافظ حلبیؒ	۷۱۰ھ تا ۷۳۵ھ
7۔ شیخ علی بن محمد شریف علامہ جرجانیؒ	۸۱۰ھ تا ۸۱۶ھ
8۔ شیخ عبدالبر بن شحنہ فقیہ محدثؒ	۹۱۰ھ تا ۹۴۱ھ
9۔ شیخ امام ربانی احمد سرہندیؒ	۱۰۱۰ھ تا ۱۰۳۱ھ

10۔ شیخ امام عبدالرحیم بن وجیہ الدین دہلویؒ ۱۱۱۰ھ تا ۱۱۳۱ھ

11۔ شیخ امام عبدالعزیز بن ولی اللہ بن عبدالرحیم دہلویؒ ۱۲۱۰ھ تا ۱۲۳۹ھ

12۔ شیخ مولانا محمود حسن دیوبندی شیخ الہندؒ ۱۳۱۰ھ تا ۱۳۳۹ھ

فصل (9): بعثت نبویؐ سے ہر صدی کے شروع میں آنے والے ائمہ فقہائے حنفیہ اور تیسری صدی کا آغاز ۱۸۸ھ/ 804ء سے

نام مشائخ	سن وفات
1۔ امام محمد بن حسن شیبانیؒ	۱۸۹ھ/ 805ء
2۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاویؒ	۳۲۱ھ/ 933ء
3۔ امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدیؒ	۳۳۳ھ/ 944ء
4۔ امام ابوالحسن عبیداللہ بن حسین کرخیؒ	۳۴۰ھ/ 951ء
5۔ امام ابوزید احمد بن محمد رازیؒ	۳۷۰ھ/ 980ء
6۔ امام ابوزید عبیداللہ بن عمر دبوسیؒ	۴۳۰ھ/1039ء
7۔ امام عبدالعزیز بن احمد بن نصر شمس الائمہ حلوانیؒ	۴۴۸ھ/1056ء
8۔ امام جعفر بن محمد مستغفری محدث حافظؒ	۴۳۲ھ/ 1040ء
9۔ امام محمد بن احمد شمس الائمہ سرخسیؒ	۴۹۰ھ/1097ء
10۔ امام علی بن محمد فخر الاسلام بزدویؒ	۴۸۲ھ/1089ء
11۔ امام محمد بن محمد صدر الاسلام رازیؒ	۴۹۳ھ/1099ء
12۔ امام محمود بن جاراللہ زمخشریؒ	۵۳۸ھ/ 1144ء
13۔ امام علی بن ابی بکر مرغینانیؒ	۵۹۳ھ/ 1197ء
14۔ امام ابوبکر بن مسعود کاسانیؒ	۵۹۷ھ/1201ء
15۔ امام حسن بن محمد صغانی لاہوری محدث فقیہؒ	۶۵۰ھ/ 1252ء
16۔ امام محمود بن اسعد بلخی دہلویؒ	۶۸۷ھ/ 1288ء
17۔ امام حسین بن علی سغناقیؒ	۷۱۴ھ/1314ء
18۔ امام عبدالعزیز بن احمد بن محمد بخاریؒ	۷۳۰ھ/1330ء
19۔ امام عبدالکریم بن عبدالنور حلبی حافظؒ	۷۳۵ھ/ 1334ء

20۔ امام علامہ مسعود بن عمر تفتازانیؒ ۷۹۲ھ/ 1390ء

میں کہتا ہوں کہ عجیمیؒ نے کہا ہے کہ:

"کہا گیا ہے کہ وہ (تفتازانی) شافعی ہیں۔لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ حنفی ہیں۔اس لیے کہ انھوں نے اصولِ حنفیہ پر کتابیں لکھی ہیں۔ نیز اس لیے کہ ان کا ذکر کرتے ہوئے "**المنهل الصّافی المستوفی بعد الوافی**" کے مصنف نے علاؤالدین محمد بن محمد بخاریؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ: "وہ بغیر کسی شک وشبہ کے حنفی ہیں۔اس لیے کہ انھوں نے اپنے والد اور اپنے چچا اور اپنے زمانے کے علما میں تفتازانیؒ وغیرہ سے علم فقہ حاصل کیا ہے۔" انتہٰی۔

شیخ علاؤالدین بخاری کا ان سے تفقُّہ حاصل کرنے کا دعویٰ کرنا بعید از قیاس ہے۔تفتازانی کو شافعی قرار دینا تکلف سے خالی نہیں ہے۔ جو فقہ کی تاریخ سے واقف ہیں، اُن سے یہ بات مخفی نہیں۔" **واللّٰہ اعلم. انتہٰی قول العجیمی.**

طحطاویؒ نے درّ مختار پر لکھے ہوئے اپنے حاشیے میں کہا ہے کہ:

"تفتازانی حنفی تھے۔جیسا کہ "**شرح المنار**" کے دیباچے میں صاحبِ "**بحر الرائق**" نے کہا ہے۔ اپنے زمانے میں حنفی جماعت کی سربراہی انہی کو حاصل تھی۔ یہاں تک کہ وہ حنفیہ کی جانب سے قضا کے عہدے پر فائز تھے۔ان کی تصانیف میں "**تکملہ شرح الهدایہ للسّروجی**"، "**فتاویٰ حنفیہ**"، "**شرح تلخیص الجامع الکبیر**" اور "**التّلویح حاشیة التّوضیح للصّدر الشّریعة**" شامل ہیں۔" **انتہٰی قول الطّحطاوی واللّٰہ أعلم۔**

21۔ علامہ علی بن محمد شریف جرجانیؒ ۸۱۶ھ/ 1403ء

22۔ علامہ محمد بن حمزہ الشّمس فناریؒ ۸۳۴ھ/ 1430ء

23۔ علامہ شہاب الدین ہندیؒ ۸۴۸ھ/ 1444ء

24۔ فقیہ محدث عبدالبر ابن شحنہؒ ۹۲۱ھ/ 1515ء

25۔ فقیہ محدث ابراہیم کرکیؒ ۹۲۳ھ/ 1517ء

26۔ فقیہ عارف، حسن بن طاہر دہلویؒ ۹۰۹ھ/ 1503ء

27۔ فقیہ علامہ اللہ داد جون پوریؒ ۹۲۳ھ/ 1517ء

28۔ فقیہ عارف، عبدالقدوس گنگوہیؒ ۹۴۴ھ/ 1537ء

29۔ امامِ ربانی شیخ احمد سرہندی، عارف الہندؒ ۱۰۳۴ھ/ 1624ء

30۔ فقیہ محدث شیخ احمد بن یونس شلبیؒ ۱۰۲۱ھ/ 1612ء

31۔ فقیہ محدث شیخ عبدالحق دہلویؒ	۱۰۵۲ھ/ 1642ء
32۔ امام محی الدین محمد عالم گیر فقیہ، سلطان الہندؒ	۱۱۱۸ھ/ 1707ء
33۔ امام حسن بن علی عجیمی مکیؒ	۱۱۱۳ھ/ 1702ء
34۔ امام عبدالرحیم بن وجیہ الدین دہلویؒ	۱۱۳۱ھ/ 1719ء
35۔ امام ولی اللہ بن عبدالرحیم دہلوی، حکیم الہندؒ	۱۱۷۶ھ/ 1763ء
36۔ امام محمد مظہر دہلوی شہیدؒ	۱۱۹۵ھ/ 1780ء
37۔ امام عبدالعزیز بن ولی اللہ دہلوی، سراج الہندؒ	۱۲۳۹ھ/ 1824ء
38۔ الامیر امداداللہ تھانوی مکیؒ	۱۳۱۷ھ/ 1899ء
39۔ شیخ الاسلام عبدالغنی دہلویؒ	۱۲۹۵ھ/ 1878ء
40۔ امام محمد قاسم دیوبندیؒ	۱۲۹۷ھ/ 1880ء
41۔ شیخ الاسلام رشید احمد گنگوہیؒ	۱۳۲۳ھ/ 1905ء
42۔ مولانا محمود حسن دیوبندیؒ	۱۳۳۹ھ/ 1920ء

فصل (10): (مکہ مکرمہ میں میرا سلسلۂ اسناد)

اپنی اس سرگزشت کی یہ فصول اس تذکرے پر ہم ختم کرتے ہیں کہ اہل مکہ میں سے کون سے وہ افراد ہیں، جن سے ہم نے علوم کی سند لی ہے۔ یہ بات اچھی طرح معلوم ہونی چاہیے کہ اگر میں اپنے ابتدائی طالب علمی کے زمانے سے کثرتِ اسانید کے حصول میں مشغول ہوتا تو ایسے افراد سے میں اپنا سلسلۂ سند حاصل کرلیتا، جو بہت اونچی اسانید رکھتے تھے۔ لیکن میرے دل کی گہرائیوں میں اپنے استاذ حضرت شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) کی محبت اس طرح رَچ بس چکی تھی، نیز فقہ اور حکمت کے حصول کے لیے مَیں جس طرح یکسو ہوکر مشغول تھا، ایسے حالات میں مَیں اسانیدِ عالیہ کے حصول کی طرف بہت کم توجہ دے پایا۔

پھر جب اللہ نے مجھ پر فضل کیا۔ اور اُم القریٰ مکہ مکرمہ میں میرا قیام ہوا۔ اور میں نے اس کتاب ''تمہید'' کے لکھنے کا ارادہ کیا تو میں نے مکہ مکرمہ کے درجِ ذیل بعض مشائخ سے سے علوم کی اجازت حاصل کی۔ جیسا کہ:

1۔ شیخ عبدالستار بن عبدالوہاب ہندیؒ
2۔ شیخ عبداللہ بن محمد غازی ہندیؒ
3۔ شیخ ابوالشرف عبدالقادر بن محمد معصوم مجددیؒ
4۔ شیخ عبدالوہاب بن عبدالجبار دہلویؒ وغیرہم

5۔ ایسے ہی میں نے اُن مشائخ سے بھی روایت کرنے کو پسند کیا، جنھوں نے اپنے زمانے کے لوگوں کو عام اجازت دی تھی۔ خواہ میں نے براہِ راست ان کا زمانہ پایا ہے، یا ہمارے مشائخ میں سے کسی ایک نے یا اس سے اوپر کسی شیخ نے ان کا زمانہ پایا ہے۔ پس ایسے مشائخ، جن سے میری ملاقات ہوئی، شیخ ابوالخیر احمد بن عثمان بن علی ہندی مکی ہیں۔ جن کی توجہ تمام اسانید کو جمع کرنے کی طرف تھی۔ میں نے اس وقت اُن سے ''المسوّٰی من احادیث المؤطا'' کی خصوصی اجازت مناولتاً لی تھی، جب کہ میں ہندوستان میں تھا۔ وہ اس کتاب کو ''**مسلسل بالقرأة والسماع**'' روایت کرتے تھے۔ اس طرح شیخ ابوالخیر کے واسطے سے مجھے شیخ ابوالحسنات عبدالحئی لکھنوی اور امیر قنوجی ابوالطیب صدیق بن حسن بن علی بھوپالی ایسے مشائخ سے سند کا اتصال حاصل ہوگیا۔ چناں چہ میں نے ان دونوں حضرات کی تصانیف سے بہت نفع اُٹھایا۔

دیگر جن مشائخ سے میں نے اسناد حاصل کیں، ان میں درجِ ذیل بھی تھے:

6۔ شیخ عباس بن جعفر بن صدیق مکیؒ

7۔ شیخ علی بن ظاہر وتری مدنیؒ

8۔ شیخ عبدالجلیل بن عبدالسلام رُواۃ المدنیؒ

9۔ شیخ نورالحسنین ہندیؒ

ان فصلوں میں مَیں نے اپنے بہت سے مشائخ کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں سے بعض تو وہ ہیں، جو باپ کی طرح ہیں، جیسے ہمارے استاذ شیخ الہندؒ (مولانا محمود حسن)۔ اور کچھ وہ ہیں، جو دادا، چچا، بھائی اور بیٹے کی طرح ہیں۔

میں اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ شکر ادا کرتا ہوں —— اس قدر کہ جسے ہمارا ربّ پسند کرے اور راضی ہو جائے —— اس بات پر کہ:

1۔ اللہ نے مجھے اسلام کی نعمت سے سرفراز کیا۔

2۔ یہ کہ اُس نے مجھے اپنے استاذ شیخ الہندؒ (مولانا محمود حسن) کی خدمت میں پہنچا دیا، جن سے میں نے تعلیم حاصل کی۔ جتنا میرے مقدر میں تھا، میں نے اُن سے علوم و معارف اور احوال و مقامات سیکھے۔

3۔ میں اس بات پر بھی اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اُس نے مجھے اپنے پیر و مرشد سید العارفین حافظ محمد صدیق سندھیؒ (130) سے کلمۂ توحید سیکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ میں یہ اعتقاد بھی رکھتا ہوں کہ حضرت شیخ الہندؒ تک میرا پہنچنا بھی دراصل اللہ کے اس نیک بندے کی دعا کی برکت کا نتیجہ

تھا۔

4۔ ایسے ہی اللہ نے مجھ پر جو فضل کیا، اُن میں سے ایک یہ کہ مجھے شیخ الاسلام حضرت مولانا رشید احمد انصاری گنگوہی سے علم حاصل کرنے کا موقع ملا۔ نیز شیخ امام رشید الدین سندھیؒ صاحب العَلَم (پیر جھنڈا) (131) سے علم حاصل کرنے کا موقع دیا۔

5۔ اللہ کی تعریف و ثنا میں اس بات پر بھی کرتا ہوں کہ اُس نے مجھے اپنے استاذ شیخ الاسلام حسین بن محسن انصاری یمنی بھوپالی سے علوم کے استفادے کا موقع دیا۔

6۔ اس بات پر بھی اللہ کا شکر ہے، کہ میں نے شیخ الاسلام سید نذیر حسین دہلویؒ کی زیارت کی۔ ان کے بعض اسباق میں شرکت کی۔ ان کے ساتھ میں نے ایک نماز پڑھی۔ اس کی وَجہ یہ ہے کہ میں نے ایسے کسی آدمی کی زیارت نہیں کی تھی کہ جنھوں نے الامیر الشہید (سید احمد شہیدؒ) اور الصدر الشہید (مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ) کی زیارت کی ہو، اور ان دونوں کے ساتھ نماز میں شرکت کی ہو۔ سوائے ان دو مشائخ کے:

(ا) شیخ الاسلام سید نذیر حسین دہلویؒ

(ب) ہمارے پیرومرشد سید العارفین حافظ محمد صدیق سندھیؒ

ان دونوں حضرات نے ان شہیدینؒ (حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ) کو دیکھا تھا اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوئے تھے۔

رضی اللّٰہ عنهم أجمعین۔
آخر دعوانا ان الحمد لِلّٰہ ربّ العالمین
و صلّی اللّٰہ علٰی سیّدنا محمّد و آلہٖ،
کُلّما ذکرہٗ الذاکرون و کُلّما غفل عن ذکرہ الغافلون.
اللّٰھمّ! صلّ علیه و علیٰ سائر النبیّین و علیٰ آل کلّ و سائر الصالحین نهایة ما ینبغی ان یسئل السائلون.

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (132)

(ہماری آخری بات یہی ہے۔ اور اس پر ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ جو تمام اقوامِ عالم کا ربّ ہے۔ اور ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی آل پر ہر دم درود و سلام ہو۔ جب بھی ذکر کرنے والے آپؐ کا ذکر کریں۔ اور جب بھی غفلت برتنے والے آپؐ

کے ذکر سے غفلت برتیں۔

اے اللہ! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر، اور تمام انبیا علیہم السلام پر، اوران تمام کی آل پر اور تمام نیک لوگوں پر انتہائی اُس درجے تک، جتنا بھی سوال کرنے والوں کے لیے سوال کرنا مناسب ہے، درود وسلام بھیج۔

اے ہمارے رب! ہمارے اور ہمارے اُن بھائیوں کے گناہ معاف فرما، جو ہم سے پہلے ایمان میں سبقت لے گئے۔ اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے خلاف کوئی کھوٹ پیدا نہ فرما۔اے ہمارے پروردگار! تو انتہائی مہربان رحم کرنے والا ہے۔)

''**تمّ یوم السّبت غرّہ ربیع الأول ۱۳۴۹ھ**

(مطابق 27 جولائی 1930ء).'' (133)

(ہفتے کے روز یکم ربیع الاوّل ۱۳۴۹ھ (مطابق 27 جولائی 1930ء) کو یہ مقالہ مکمل ہوا۔)

تیسرا مقالہ

سبیل الرشاد

کالزّیل علیٰ الانتباہ و الإرشاد

رُشد و ہدایت کا تسلسل

مقالہ ایک نظر میں

مقدمہ: فتح کابل ۳۱ھ/ 652ء تا ۱۳۴۰ھ/ 1922ء تیرہ سو سالہ دور کے تاریخی اطوار و مراحل

پہلی قسم: پانچویں تاریخی مرحلے کے دسویں، گیارہویں، اور بارہویں دور یعنی ۱۱۱۸ھ/ 1707ء تا ۱۳۴۰ھ/ 1922ء میں ولی اللّٰہی مشائخ اور ان کی اسانید

دوسری قسم: نویں دور ۱۰۳۶ھ/ 1627ء تا ۱۱۱۸ھ/ 1707ء کے علما کا تذکرہ اور اسانید

تیسری قسم: چھٹے، ساتویں اور آٹھویں دور ۷۹۰ھ/ 1388ء تا ۱۰۳۶ھ/ 1627ء کے علما، فقہا اور محققین کی اسانید

چوتھی قسم: پانچویں دور ۵۴۲ھ/ 1152ء تا ۷۹۰ھ/ 1388ء کے علما، فقہا، حکما اور فلاسفہ کی اسانید

پانچویں قسم: چوتھے دور ۴۱۲ھ/ 1021ء تا ۵۴۷ھ/ 1152ء کے رہنمایان، صوفیا کرام، فقہائے مجتہدین کی اسانید

چھٹی قسم: تیسرے دور ۱۹۳ھ/ 809ء تا ۴۱۲ھ/ 1021ء کے ائمہ مرشدین، فقہائے محققین کی اسانید

ساتویں قسم: دوسرے دور ۹۲ھ/ 711ء تا ۱۹۳ھ/ 809) کے ائمہ، داعیین انقلاب اور فقہا، ائمہ مجتہدین کی اسانید

آٹھویں قسم: دورِ اوّل میں خیر القرون تک ائمہ فقہا اور خاص طور پر امام اعظم ابوحنیفہؒ کا سلسلۂ سند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمد للّٰہ و سلام علٰی عبادہ الّذین اصطفٰی. امّا بعد!

سب تعریفیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے ہیں۔ درود وسلام اس کے منتخب بندوں پرنازل ہو۔

اس کے بعد! یہ مقالہ "**سبیل الرّشاد**" ہے، جو حکیم الہند امام ولی اللہ دہلویؒ کی دو کتابوں "**الانتباہ (فی سلاسل أولیاء اللّٰہ و أسانید وارثی رسول اللّٰہؐ)**" (134) اور "**الإرشاد (إلیٰ مھمّمات علم الأسناد)**" (135) کے تکملے اور ذیل کے طور پر لکھا گیا ہے۔مَیں نے اس میں حکیم الہند (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) تک اپنے مشائخ اور اساتذہ کی اسانید جمع کی ہیں۔ نیز چند فصلوں میں اُن کے حالاتِ زندگی بیان کیے ہیں۔

پھر میں نے اس میں ہندوستان کے حنفی فقہا اور حکما وغیرہ تک حکیم الہند (شاہ ولی اللہ دہلویؒ) کی اسانید جمع کی ہیں۔ یہ وہ حضرات ہیں کہ جنھیں عقائد، اَخلاق اور عملی زندگی سے متعلق احکام وقوانین کے اَخذ واستنباط کی صلاحیت اور ملکہ حاصل تھا۔ خواہ یہ ملکہ کامل تھا کہ وہ کتاب، سنت اور اجماع سے براہِ راست اَخذ و استنباط کی مکمل قدرت رکھتے تھے یا ناقص تھا کہ انھوں نے بعض مسائل میں اپنے خیال کے مطابق کسی کامل پر اعتماد کیا، جب کہ دیگر بعض مسائل انھوں نے خود مستنبط کیے۔

یہ کتاب چند **أقسام، أبواب، أنواع اور فصلوں** پر مشتمل ہے اور اسے ہندوستان میں اسلام کی تاریخ —— "خلافتِ اسلامیہ" کے انقلاب سے لے کر "ہندوستانی حکومت" کے قیام تک —— کے پانچ مراحل کے ضمن میں (بارہ) ادوار پر مرتب کیا گیا ہے۔

(ہندوستان کی تاریخ کے پانچ مراحل)

ہندوستان کی تاریخ میں اسلامی خلافت کے انقلاب سے لے کر ہندوستانیوں کی مستقل حکومت کے قیام تک درج ذیل پانچ مراحل (اَطوار) ہیں:

پہلا تاریخی مرحلہ؛ ہندوستان کے کچھ علاقوں کا خلافتِ عربیہ (بنواُمیہ) میں شامل ہونا۔

دوسرا تاریخی مرحلہ؛ خلافتِ عربیہ (بنوعباس) کے زمانے میں غیرعرب اقوام کی ہندوستان پر حکومت۔

تیسرا تاریخی مرحلہ؛ خلافتِ عربیہ کے زمانے میں ہندوستانی اقوام کی ہندوستان پر حکومت۔

چوتھا تاریخی مرحلہ؛ ہندوستان میں مستقل ہندوستانی حکومت کا قیام۔

پانچواں تاریخی مرحلہ؛ (مرہٹوں، انگریزوں اور مسلمانوں پر مشتمل) ہندوستانی ملتوں کا قیام۔ (136)

(ان مراحل واطوار کے مطابق تاریخی ادوار کی تقسیم کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے:)

(پہلا مرحلہ؛ خلافتِ اسلامیہ عربیہ میں ہندوستان کے کچھ علاقوں کی شمولیت)

اس تاریخی مرحلے میں دو ادوار ہیں:

1۔ پہلا دور (ہندوستان میں اسلام کی آمد کا پہلا دور)

پہلے دور کا آغاز کابل کی فتح سے ہوتا ہے۔ یہ (اسلام کی آمد کے حوالے سے) ہندوستان کے شہروں میں سے پہلا شہر ہے۔ ۳۱ھ (652ء) تا ۳۵ھ (مئی 656ء) حضرت عثمانؓ کی شہادت تک کا دور۔ اس طرح ہندوستان میں ''خیرالقرون'' (بہترین زمانہ) کا عرصہ چار سال تک رہا۔

2۔ دوسرا دور (ہندوستان میں اسلام کی آمد کا دوسرا دور)

ولید بن عبدالملک (اُموی) کے زمانۂ خلافت میں امیر محمد بن قاسم ثقفیؒ سے شروع ہوکر قریش کے بارہ خلفا (137) میں سے آخری خلیفہ ہارون الرشید عباسی کے آخری زمانۂ خلافت، یعنی ۹۲ھ (711ء) سے ۱۹۳ھ (809ء) تک کا زمانہ دوسرا دور ہے۔

دوسرا مرحلہ؛ خلافتِ عربیہ میں ہندوستان کے کچھ علاقوں پر غیرعربی اقوام کی حکومت

(اس مرحلے میں تیسرا دور ہے:)

3۔ تیسرا دور (غیرعربی اقوام کی ہندوستان پر حکومت کا دور)

مامون (الرشید عباسی) کے زمانے سے لے کر سلطان محمود غزنوی کی جدوجہد سے لاہور میں حکومت قائم ہونے تک کا زمانہ، یعنی ۱۹۳ھ (809ء) تا ۴۱۲ھ (1021ء) تیسرا دور ہے۔

تیسرا مرحلہ؛ خلافتِ عربیہ میں ہندوستانی اقوام کی ہندوستان پر حکومت

(اس تاریخی مرحلے میں دو ادوار ہیں:)

4۔ چوتھا دور (خلافت کے ماتحت ہندوستانی اقوام کی سلطنت کا دور)

سلطان محمود غزنوی کے زمانے (یعنی لاہور میں حکومت کے قیام) سے لے کر سلطان خسرو شاہ بن بہرام شاہ غزنوی کے زمانے میں ''سلطنت'' (لاہور) کی بنیاد قائم ہونے تک کا زمانہ، یعنی ۴۱۲ھ (1021ء) تا ۵۴۷ھ (1152ء) چوتھا دور ہے۔

5۔ پانچواں دور (خلافت کے ماتحت سلطنت اسلامیہ کا دور)

لاہور میں سلطنت قائم ہونے سے لے کر سلطان فیروز شاہ (تغلق) دہلوی کے زمانے میں ''سلطنتِ اسلامیہ'' کی تکمیل تک یعنی ۵۴۷ھ (1152ء) تا ۷۹۰ھ (ستمبر 1388ء) پانچواں دور ہے۔

چوتھا مرحلہ؛ ہندوستان میں مستقل ہندوستانی سلطنت کا قیام

(اس مرحلے میں چار ادوار ہیں:)

6۔ چھٹا دور (خود مختار ہندوستانی سلطنت کے دور کا آغاز)

سلطان فیروز شاہ (تغلق) کی سلطنت میں فتنے اور انتشار کے آخری زمانے سے لے کر سلطان بہلول لودھی کے زمانے میں ''وطنیت'' کی بنیاد پر سلطنت قائم ہونے تک کا زمانہ، یعنی ۷۹۰ھ (ستمبر 1388ء) تا ۸۵۵ھ (نومبر 1451ء) چھٹا دور ہے۔

7۔ ساتواں دور (خود مختار وطنی سلطنت اور حکومت کا دور)

سلطان بہلول لودھی کے زمانے میں ''وطنیت'' کی بنیاد پر سلطنت قائم ہونے سے لے کر (مغل بادشاہ) سلطان جلال الدین محمد اکبر کے زمانے میں ''وطنی سلطنت'' کی تکمیل تک کا زمانہ، یعنی ۸۵۵ھ (نومبر 1451ء) تا ۹۸۷ھ (1579ء) ساتواں دور ہے۔

8۔ آٹھواں دور (ہندوستان کی وطنی سلطنت کا دورِ عروج)

سلطان جلال الدین محمد اکبر کے زمانے میں ''وطنیت کے غلو'' کے عروج سے لے کر سلطان نور الدین جہاں گیر کے آخری زمانے میں وطنیت کے اعتدال پر آنے تک کا زمانہ، یعنی ۹۸۷ھ (1579ء) تا ۱۰۳۶ھ (1627ء) آٹھواں دور ہے۔

9۔نو واں دور (قومی سلطنت میں دینِ اسلام کی تجدید و تکمیل کا دور)

صاحبقرانِ ثانی سلطان شہاب الدین شاہ جہاں کے زمانے میں دینِ اسلام کی تجدید اور سلطان محیُ الدین عالم گیر کے زمانے میں اُس تجدید کی تکمیل کا دور یعنی ۱۰۳۶ھ (1627ء) سے لے کر ۱۱۱۸ھ (1707ء) تک کا زمانہ نواں دور ہے۔ یہ دور ہندوستان میں اسلام کے ادوار میں سب سے بہترین اور مثالی دور ہے۔

پانچواں مرحلہ؛ ہندوستانی مسلم اور غیر مسلم صابی (مرہٹے اور انگریز) ملتوں کا قیام

(اس مرحلے میں تین دور ہیں:)

10۔دسواں دور (مرہٹوں اور مسلمانوں کی کشمکش کا دور)

سلطان محیُ الدین عالم گیر کے آخری زمانے سے لے کر سلطان عالم گیر ثانی کے آخری زمانے میں پانی پت کے میدانِ جنگ میں مسلمانوں کی ہندو مرہٹہ جماعت پر فتح تک کا زمانہ، یعنی ۱۱۱۸ھ (1707ء) تا ۱۱۷۴ھ (1761ء) دسواں دور ہے۔

11۔گیارہواں دور (انگریزوں اور مسلمانوں کی کشمکش کا دور)

پانی پت کی جنگ سے لے کر ہندوستانیوں کی انگریز سامراج کے خلاف جنگ اور خاتم السلاطین سراج الدین بہادر شاہ ظفر کے آخری زمانے میں ہندوستان کی سلطنت کے مرکز دہلی پر انگریزوں کے تسلط تک کا زمانہ، یعنی ۱۱۷۴ھ (1761ء) تا ۱۲۷۴ھ (1857ء) گیارہواں دور ہے۔

12۔بارہواں دور (انگریز سامراج کی غلامی کا دور)

دہلی پر انگریزوں کی غلبے سے لے کر خلافتِ عثمانیہ کے ختم ہونے تک کا زمانہ، یعنی ۱۲۷۴ھ (1857ء) تا ۱۳۴۰ھ (1922ء) بارہواں دور ہے۔

(اُمتِ مسلمہ کے لیے دعائیہ کلمات)

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا
غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ (138)

(اے اللہ! ہمیں معاف فرما اور ہمارے اُن بھائیوں کو بھی معاف فرما، جو ہم سے پہلے ایمان میں داخل ہوئے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے خلاف کوئی بغض و عداوت نہ رکھ۔ اے ہمارے پروردگار! تو ہی انتہائی مہربان اور نرمی کرنے والا ہے۔)

پہلی قِسم

حکیم الہند حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے خاندان سے لے کر پانچویں تاریخی مرحلے کے اِماموں تک کی اسانید کا بیان

مقدمہ

پہلا باب
ولی اللّٰہی خاندان اور ہمارے دیوبندی مشائخ کے اِماموں کا تذکرہ

دوسرا باب
حکیم الہند مجدد امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اسانید کا تذکرہ

خاتمہ قسمِ اوّل

مقدمہ

(اس دور کے تاریخی حقائق)

(1) حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ دسویں دور (۱۱۱۸ھ تا ۱۱۷۴ھ/ 1707ء تا 1761ء) کے اماموں میں سے دوسرے طبقے کے لوگوں میں سے ہیں۔

(2) اُن کے والد حضرت الامام شاہ عبدالرحیم بن وجیہ الدین دہلویؒ اس دور کے پہلے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

(3) امام شاہ عبدالعزیز بن ولی اللہ دہلویؒ گیارہویں دور (۱۱۷۴ھ تا ۱۲۷۴ھ/ 1761ء تا 1857ء) کے پہلے طبقے کے ائمہ میں سے ہیں۔

(4) ہندوستانی تحریک کے چار اراکین:

(۱) صدرالشہید شیخ محمد اسماعیل بن عبدالغنی بن ولی اللہ دہلویؒ

(۲) صدرالحمید شیخ محمد اسحاق دہلویؒ، نواسہ امام عبدالعزیز (دہلوی)

(۳) صدرالسعید شیخ عبدالحئ دہلویؒ، داماد امام عبدالعزیز (دہلویؒ)

(۴) امیرالشہید سیّد احمد حسنی دہلویؒ، خلیفہ امام عبدالعزیز (دہلویؒ)

گیارہویں دور کے اماموں میں سے دوسرے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

5۔ شیخ محمد یعقوب دہلویؒ، نواسہ امام عبدالعزیز دہلویؒ گیارہویں دور کے تیسرے طبقے اور بارہویں دور (۱۲۷۴ھ تا ۱۳۴۰ھ/ 1857ء تا 1922ء) کے پہلے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس طرح ہندوستان میں ولی اللّٰہی خاندان کی امامت تقریباً دوسو سال تک یعنی ۱۰۸۴ھ (1674ء) سے ۱۲۸۳ھ (1866ء) تک مسلسل قائم رہی ہے۔

جہاں تک ہمارے دیوبندی مشائخ کا تعلق ہے، تو اُن میں سے اہم ترین حضرات گیارہویں دور کے تیسرے طبقے اور بارہویں دور کے اماموں میں سے ہیں۔ چناں چہ دہلی کے مدرسہ (رحیمیہ) کے نقش قدم پر دیوبند کے مدرسے کی بنیاد ۱۲۸۳ھ (1866ء) میں رکھی گئی۔

واللّٰہ الموفِّق و الھادی. (اللہ ہی توفیق دینے اور ہدایت دینے والا ہے۔)

پہلا باب
ولی اللّٰہی خاندان اور ہمارے دیوبندی مشائخ کے ائمہ کا تذکرہ

پہلی نوع؛ امام عبدالرحیم بن وجیہ الدین دہلویؒ کا تذکرہ

فصل (1۔شاہ عبدالرحیم دہلویؒ کے حالاتِ زندگی)

ان کا نام عبدالرحیم بن وجیہ الدین شہید بن معظم بن منصور بن احمد العمری الدہلوی ہے۔ ان کے والد شیخ وجیہ الدین شہیدؒ دہلی کے قریب ایک چھوٹے سے شہر ''سونی پت'' کے سادات میں سے سید نور الجبار کاظمی کے نواسے تھے۔ اس طرح ان کو اپنے ددھیال کی نسبت سے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے بھی نسبت حاصل ہے۔

ان کے نانا شیخ رفیع الدین محمد بن قطب العالم بن امام عبدالعزیز دہلوی نے شیخ عبدالرحیم کی ولادت کی خوش خبری دی تھی۔ انھوں نے ان کے لیے بہت سی وصیتیں کی تھیں۔ چناں چہ جب ان کی پیدائش ۱۰۵۴ھ (1644ء) میں ہوئی تو انھوں نے یہ وصیتیں اپنی نانی سے وصول کی تھیں۔

امام ولی اللہ دہلویؒ نے لکھا ہے کہ:

''سلطان شاہجہاں نے سن (۱۰/شوال) ۱۰۶۰ھ (6/اکتوبر 1650ء) میں دہلی شہر میں جامع مسجد ''جہاں نما'' کی بنیاد رکھی۔ (139) اور والد گرامی کو یہ واقعہ اچھی طرح یاد تھا۔''

انتہٰی (140)

شاہ عبدالرحیم دہلویؒ نے سلطان محی الدین عالم گیرؒ کے زمانے میں دارالسلطنت دہلی اور اکبر آباد (آگرہ) میں جمع ہونے والے بڑے بڑے اکابرین سے علوم و معارف، اَخلاق اور حکمت کی تربیت حاصل کی۔ جب انھیں حضرت سید عظمت اللہ (اکبرآبادی) سے اجازت اور خلافت حاصل ہوئی تو ۱۰۸۴ھ (1674ء) میں وہ ایک ایسی حیثیت کے رہنما اور امام بن گئے، جن کی مکمل پیروی اور اتباع کی جاتی تھی۔

(آپؒ کے اساتذۂ کرام اور مشائخ)

آپؒ نے درجِ ذیل حضرات سے تعلیم حاصل کی:

1۔ اپنے بڑے بھائی شیخ ابوالرضا محمد دہلویؒ
2۔ شیخ عبداللہ بن محمد باقی (باللہ) دہلویؒ المعروف خواجہ خورد
3۔ سید عبداللہ قاری دہلویؒ
4۔ میر زاہد اکبر آبادیؒ (دورِ عالم گیری کے امیر الاحتساب)
5۔ خلیفہ ابوالقاسم اکبر آبادیؒ
6۔ سید عظمت اللہ اکبر آبادیؒ
7۔ امیر نور العلا اکبر آبادیؒ

امام ولی اللہ دہلویؒ "القول الجمیل" میں لکھتے ہیں:

"میرے والدِ گرامی نے چھوٹے درجات کی کتابیں اپنے بھائی شیخ ابوالرضا محمدؒ سے پڑھیں۔ اور بڑے درجات کی کتابیں میر زاہد ہرویؒ سے، اور انھوں نے میر فاضل سے اور انھوں نے ملا یوسف سے اور انھوں نے میرزا جان سے اور انھوں نے محمود شیرازی سے اور انھوں نے محقق جلال الدین دوانی سے کتابیں پڑھیں۔" (141)

اسی طرح انھوں نے لکھا ہے کہ:

"میرے والد گرامی نے بہت سے مشائخ کی صحبت اختیار کی۔ ان میں اہم ترین تین مشائخ ہیں:

1۔ خواجہ خورد یعنی شیخ محمد عبداللہ بن باقی دہلویؒ ہیں، جنھوں نے (تین مشائخ:)
(الف) شیخ احمد سرہندیؒ (مجدد الف ثانی)
(ب) شیخ اللہ دادؒ، اور
(ج) خواجہ حسام الدینؒ کی صحبت اختیار کی۔
اور ان تینوں نے حضرت خواجہ محمد باقی باللہؒ کی صحبت اختیار کی تھی۔

2۔ سید عبداللہ (اکبر آبادیؒ)، جنھوں نے شیخ آدم بنوریؒ کی صحبت اختیار کی۔ اور انھوں نے شیخ احمد سرہندیؒ کی اور انھوں نے خواجہ محمد باقی باللہؒ کی صحبت اختیار کی۔

3۔ خلیفہ ابوالقاسم (اکبر آبادیؒ)، جنھوں نے ملا ولی محمد (نارنولیؒ) کی صحبت اختیار کی۔ اور انھوں نے امیر ابوالعلاؒ کی صحبت اختیار کی۔" (142)

اسی طرح انھوں نے لکھا ہے کہ:

"ہمارے شیخ اور والد گرامی شاہ عبدالرحیم اپنے نانا شیخ رفیع الدین محمد کی روحانیت سے بھی

فیض حاصل کیا۔ اور آدابِ طریقت سیکھے۔ اور خلافِ عادت اپنی ولادت سے دو سال پہلے ہی آپ کو اُن سے اجازت بھی حاصل ہوگئی۔ شیخ رفیع الدین محمد نے اپنے والد شیخ قطب العالمؒ کی صحبت اختیار کی۔ اور انھوں نے شیخ نجم الحقؒ سے اور انھوں نے شیخ عبدالعزیز دہلویؒ (شکر بار) کی صحبت اختیار کی۔

اسی طرح میرے والدِ گرامی نے باطنی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت سے آدابِ طریقت سیکھے۔ اور یہ اس طرح ہوا کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ اور آپؐ سے بیعت کی۔ پھر انھوں نے آپؒ کو (ذکرِ) نفی اثبات کی تعلیم دی۔ اسی طرح انھوں نے حضرت زکریا علیہ السلام سے بھی فیض حاصل کیا۔ انھوں نے آپ کو اسم ذات کا ذکر سکھایا۔

اسی طرح والدگرامی نے ائمہ طریقت شیخ ابومحمد عبدالقادر جیلانیؒ، شیخ بہاؤالدین نقشبندؒ اور شیخ معین الدین محمد ابن حسن چشتیؒ کی روح سے بھی فیض حاصل کیا۔ اور ان سے بھی اجازت اور خلافت حاصل کی۔'' انتہٰی (143)

میں کہتا ہوں: شیخ عبدالرحیم دہلویؒ درجِ ذیل مشائخ سے حاصل اجازتِ عامہ میں بھی داخل ہیں:

1۔ شیخ خیرالدین رَملیؒ حنفیؒ

2۔ شیخ عبداللہ بن سعداللہ لاہوری مدنی حنفیؒ

3۔ محقق ابراہیم بن حسن کردی مدنی شافعیؒ

4۔ مسند شمس الدین محمد بابلی شافعیؒ

(ولی اللّٰہی سن کی ابتدا)

میں (عبیداللہ سندھی) یہ بھی کہتا ہوں کہ: شیخ عبدالرحیم دہلویؒ ہندوستان میں بارہویں صدی کے شروع کے مجددین میں سے ہیں۔ اس لیے کہ اُن کا انتقال ۱۱۳۱ھ (1719ء) میں ہوا۔

میں کہتا ہوں: اسی لیے ہم نے ولی اللّٰہی سن کی ابتدا جامع مسجد دہلی کے سنگ بنیاد رکھے جانے کے واقعے (1650ء) سے کی ہے، تاکہ اُس اہم اور مبارک واقعے کے موقع پر شاہ عبدالرحیم دہلویؒ کی شرکت کو بہ طورِ تذکرہ یاد رکھا جائے۔ ہم نے ولی اللّٰہی سنوں کے مہینے شمسی حساب سے رکھے ہیں، جیسا کہ مسیحی مہینے ہوتے ہیں۔ چناں چہ یکم جنوری 1931ء، یکم جنوری 281 ولی اللّٰہی کے مساوی ہے، تاکہ ہمارے سروراجی (عوامی) پروگرام کے لیے سہولت پیدا ہو جائے۔

شیخ محسن یمانیؒ (144) نے اپنی کتاب ”**الیانع الجنی من أسانید شیخ عبدالغنی**“ میں لکھا ہے کہ:

''شیخ عبدالرحیم دہلوی مشائخ دہلی میں سے بڑے مرتبے والے تھے۔ وہ اُن میں سربرآوردہ شخصیت تھے۔ اُن کے حالات اولیائے ہندوستان کی سیرت پر لکھی گئی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اُن کے حالاتِ زندگی کی بہت سی تفصیلات (حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی) کتاب ''**أنفاس العارفين**'' میں لکھی ہوئی ہیں۔ ایسے ہی ''**طبقات الأبرار**'' میں بھی ان کا تذکرہ ہے۔ انھیں اویسی نسبت سے بڑا وافر حصہ ملا تھا۔ ان کے باطن میں حضرت علی المرتضیٰؓ کی روحانیت سے بڑے عظیم انوارات منعکس ہوئے تھے۔ اسی کے ساتھ ان میں تمام اولیاء اللہ کے سلسلوں کے فیوضات و برکات بھی جمع ہوگئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں صوفیا کے طریقے میں بہت بلند مرتبہ اور اونچا مقام حاصل تھا۔

ان کو ظاہری علوم میں بھی بہت وافر اور عظیم حصہ ملا تھا۔ چناں چہ انھوں نے شیخ سید زاہد بن اسلم اکبرآبادی سے بھی تعلیم حاصل کی تھی۔ جن کی پیدائش اکبرآباد میں ہوئی اور اصلاً وہ ہرات کے رہنے والے ہیں۔ وہ (فلسفہ اور منطق میں) گہرائی کی حامل مشکل تصانیف لکھنے والے ہیں۔ ہندوستانی علاقوں پر مشتمل شہروں میں آپ کی کتابیں بڑی مشہور ہیں۔ چناں چہ انھوں نے ان سے پوری مہارت اور تربیت حاصل کی۔'' انتہٰی (145)

فصل (2۔شاہ عبدالرحیم دہلویؒ کی اہم خصوصیات)

امام ولی اللہ دہلویؒ نے ''**بوارق الولایہ**'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے اور اُسے اپنی کتاب ''**انفاس العارفین**'' کا حصہ بنایا ہے۔ اس رسالے میں انھوں نے شیخ عبدالرحیم دہلویؒ کے مقالات و ملفوظات تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ انھوں نے ان کے بلند مقامات کا تذکرہ کیا ہے، جن سے ان کی درجِ ذیل اہم خصوصیات واضح ہوتی ہیں:

(1۔مجتہدِ منتسب اور محقق حنفی عالم)

شیخ عبدالرحیم دہلویؒ ایک محقق حنفی عالم اور فقیہ تھے۔ چناں چہ وہ ''فتاویٰ عالم گیریہ'' کے جمع کرنے میں کچھ عرصہ شریک رہے۔ پھر چند وجوہات کی وجہ سے اس سے علاحدہ ہوگئے۔ وہ تحقیق میں مجتہدین منتسبین کے درجے پر پہنچے ہوئے تھے، جیسا کہ متأخرین میں شیخ کمال الدین ابن ہمامؒ اور ان کے شاگرد ہیں۔ اسی لیے وہ بعض اوقات اَحناف کے علاوہ اہلِ سنت میں سے کسی اور امام کے قول کو بھی پسند کرلیتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ ان کے نزدیک اس امام کی دلیل زیادہ راجح ہوتی ہے۔

(2۔مسائل کی تحقیق میں فقہی دلائل، کشفی وجوہات اور سیاسی مصلحتوں کو پیش نظر رکھنا)

مسائل کے انتخاب کرنے اور اس کی ترجیح میں ان کا طریقۂ کار یہ ہے کہ وہ محض دلائلِ فقہیہ پر اپنی نظر

وفکر کو محدود نہیں رکھتے، بلکہ زیر بحث مسئلے میں کشفی وجوہات اور سیاسی مصلحتوں کو بھی اسی طرح پیش نظر رکھتے تھے، جیسا کہ احادیث کے دلائل ان کے سامنے ہوتے تھے۔ (گویا شریعت، طریقت اور سیاست کے دلائل، کشفی وجوہات اور ان کے تقاضے ہمیشہ ان کے پیش نظر رہتے تھے۔)

(3۔طریقت کے علوم و معارف کے محقق اور مجتہد)

شیخ عبدالرحیم دہلویؒ عارفِ کامل تھے۔ اور قادری، چشتی، نقشبندی اور مجددی طریقۂ سلوک کی تکمیل کرنے والے تھے۔اور معارف واحوال کی تحقیق میں محقق اور مجتہد تھے۔ (146)

چناں چہ امام ولی اللہؒ نے (**انفاس العارفین میں**) ذکر کیا ہے کہ:

"جب ایک دفعہ شیخ عبدالرحیم دہلوی نے امامِ ربانی (حضرت مجدد الفِ ثانی) کے پوتے شیخ حجۃ اللہ (نقشبند) کی مجلس میں بعض خاص قسم کے معارف بیان فرمائے تو انھوں نے اس کی بڑی تعریف کی۔ اور شیخ عبدالرحیم دہلویؒ کے قول کو سلطان العارفین شیخ ابویزید بسطامیؒ کے قول پر ترجیح دی۔" (147)

(4۔قرآن عظیم کی تدریس کا تجدیدی طریقۂ کار)

ان کے عظیم ترین کمالات (148) میں سے یہ ہے کہ انھوں نے پورے تدبر کے ساتھ قرآن عظیم کی تعلیم و تدریس کے کام کی تجدید کی۔آپ قرآن حکیم کی اُسی طرح تعلیم دیتے تھے، جیسا کہ تمام علوم وفنون کی تعلیم دیتے ہوئے شروحات اور حواشی سے پہلے متون پڑھائے جاتے ہیں۔اس طرح انھوں نے مفسرین کی متنازع آرا اور ان کے باہمی اختلافات کو نظرانداز کرتے ہوئے خالصتاً مفہومِ قرآنی کو متعین کیا تھا۔ اس طرح یہ اندازِ درس وتدریس ولی اللّٰہی سلسلے کے خاص لوگوں کا طریقہ بن گیا۔

(5۔سنتِ نبویہ ؐاور حکمتِ عملی کے درمیان جمع وتطبیق)

ایسے ہی ان کے مخصوص کمالات میں سے یہ بھی ہے کہ انھوں نے حکمتِ عملی اور سنت محمد یہ کے درمیان جمع وتطبیق کے کام کی تجدید کی ہے۔ چناں چہ وہ حکمتِ عملی کے بڑے ماہر تھے۔اس لیے کہ انھوں نے اس کے اساسی اصول اور نظریات شیخ جلال الدین دوانیؒ کے تلامذہ سے حاصل کیے تھے۔ایسے ہی نظامِ حکومت سے متعلقہ عملی اُمور انھوں نے شیخ خواجہ حسام الدین دہلویؒ (149) کے تربیت یافتہ اصحاب اور شیخ ابوالعلا اکبرآبادیؒ کے صحبت یافتہ مشائخ سے حاصل کیے۔ اس لیے یہ کہ دونوں خانوادے ہندوستانی حکومت و سلطنت کے نظام کا ہمیشہ حصہ رہے ہیں۔اسی لیے شیخ عبدالرحیم دہلویؒ کی کنیت "ملاءِ اعلیٰ" میں "ابوالفیض" ہے۔ (150) یہ ایسے ہی ہے، جیسے اکبر بادشاہ کی سلطنت میں وزیر اعظم کی کنیت ("ابوالفضل" یا

''ابوالفیض'') ہوتی تھی۔

(6۔امام ولی اللہ دہلویؒ کی تربیت پر پوری توجہ)

انھوں نے اپنے صاحبزادے امام ولی اللہ دہلویؒ کی تعلیم وتربیت کی جانب اپنی ہمت وصلاحیت کو پوری طرح متوجہ کرلیا تھا۔ انھیں تعلیم، ارشاد اور تربیت کے تمام پہلو سکھائے۔ اللہ پاک نے ان کی کوششوں میں بڑی برکت عطا فرمائی۔ اس طرح ان کی اولاد میں بہت پاکیزہ اور بلند درجہ امام پیدا ہوئے۔ **رضی اللّٰہ عنہم** (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔)

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''**انفاس العارفین**'' میں لکھتے ہیں کہ:

''ایک دفعہ فرمایا کہ: مجھے الہام کیا گیا ہے کہ تیرا سلسلہ قیامت تک باقی رہے گا۔'' انتہٰی (151)

فصل (3): تذکرہ شیخ الاجل ابوالرضا محمد بن وجیہ الدین دہلویؒ، چچا امام ولی اللہ دہلویؒ

شیخ ابوالرضا محمد دہلویؒ، شاہ عبدالرحیم دہلویؒ سے تقریباً آٹھ سال بڑے تھے۔ اس لیے کہ وہ ۱۰۴۶ھ (1637ء) میں پیدا ہوئے۔ اور انھوں نے شیخ عبداللہ بن (خواجہ) محمد باقی (باللہ) دہلویؒ (المعروف خواجہ خورد) سے تعلیم حاصل کی۔ اور انھوں نے خواجہ حسام الدین دہلویؒ، شیخ رفیع الدین محمدؒ اور امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ سے تعلیم حاصل کی تھی۔

اسی طرح شیخ ابوالرضا محمدؒ نے ملا بصیرا کبرآبادیؒ سے تعلیم حاصل کی تھی۔ شیخ عبدالرحیم دہلویؒ نے فن تحصیل کی ابتدائی کتابیں اور ''**شرح عقائد نسفی**'' اپنے بھائی شیخ ابوالرضا محمد دہلویؒ سے پڑھی۔

شیخ محسنؒ ''**الیانع الجنی**'' میں لکھتے ہیں:

''شاید کہ ان کے بھائی ابوالرضاؒ ان علوم میں اُن سے چند ہاتھ آگے تھے۔ اور اُن کا دائرہ ان سے بڑھ کر تھا۔'' انتہٰی (152)

میں کہتا ہوں کہ: امام ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے چچا امام ابوالرضا محمد دہلویؒ کے ملفوظات اور اُن کے مقامات کے بیان میں ایک رسالہ ''**شوارق المعرفہ**'' لکھا ہے۔ جسے انھوں نے اپنی کتاب ''**انفاس العارفین**'' کا حصہ بنایا ہے۔ اس (رسالے کے مطالعے) سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ ابوالرضاؒ تمام علومِ دینیہ میں ماہر اور محقق عالم تھے۔ اور بعض تحقیقات میں امام ولی اللہ دہلویؒ صرف انہی پر اعتماد کرتے ہیں۔ (153) ان کا انتقال ۱۱۰۱ھ (1690ء) میں ہوا۔ ان سے فیض حاصل کرنے والوں میں شیخ کلیم اللہ دہلویؒ ہیں۔

دوسری نوع

حکیم الہند امام ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم دہلویؒ کا تذکرہ

فصل (1۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے حالاتِ زندگی اور اساتذہ)

امام قطب الدین ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم بن وجیہ الدین شہید بن معظم بن منصور بن احمد عمری دہلویؒ کی پیدائش کی خوش خبری شیخ الاسلام قطب الدین اوشی دہلویؒ (خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ) نے دی تھی۔ آپ (شوال) ۱۱۱۴ھ (1703ء) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنے والد امام عبدالرحیم دہلویؒ سے تعلیم حاصل کی اور انھیں سے تمام علوم کی تکمیل کی تھی۔ آپؒ خود "القول الجمیل" میں لکھتے ہیں:

"جہاں تک علومِ تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، نحو، صرف، کلام، اصول اور منطق کا تعلق ہے، ہم نے یہ تمام علوم اپنے والدِ گرامی سے حاصل کیے۔" (154)

نیز وہ لکھتے ہیں:

"اس بندۂ ضعیف ولی اللہ نے — اللہ اسے معاف کرے۔ اور اُسے اپنے پیش رَو صالحین سے ملائے — اپنے والد، شیخ اَجل عبدالرحیمؒ کی صحبت سے — اللہ اُن سے راضی ہو۔ اور وہ اُن سے راضی ہوں — ایک طویل مدت تک فیض حاصل کیا۔

ان سے میں نے ظاہری علوم پڑھے۔ طریقت کے آداب سیکھے۔ ان کی کرامات دیکھیں۔ ان سے مشکلات کے حل پوچھے۔ طریقت و حقیقت اور واقعات و احوال و کرامات کے حوالے سے جو کچھ ان پر اور ان کے مشائخ پر گزرا تھا، اُن اُمور کے بارے میں ان سے بہت کچھ سنا۔"

انتھٰی (155)

میں کہتا ہوں کہ: انھوں نے اپنے کمال میں مزید اضافے کے لیے شیخ محمد افضل (سیالکوٹی) دہلویؒ سے بھی علم حاصل کیا۔ انھوں نے دو عظیم مشائخ کی صحبت حاصل کی تھی: ایک شیخ عبدالاحد بن امام محمد سعید سرہندیؒ اور دوسرے شیخ حجۃ اللہ بن امام محمد معصوم سرہندیؒ۔ نیز انھوں نے علم حدیث شیخ عبداللہ بن سالم بصری مکیؒ سے بھی حاصل کیا تھا۔

شیخ محسنؒ "الیانع الجنی" میں لکھتے ہیں:

"پھر ان کو حدیث کی روایت کرنے کی عام اجازت شیخ الاجل، بلند معارف اور فضیلتوں کے حامل علوم کے متبحر عالم شیخ محمد افضل المعروف حاجی سیالکوٹی ثم دہلویؒ سے حاصل ہوئی۔ یہ شیخ

عبدالاحد بن خازن الرحمہ شیخ محمد سعید بن الامام العارف شیخ اجل احمد بن عبدالاحد مجدد (الف ثانی) سرہندیؒ کے بلند مرتبہ اصحاب میں سے تھے۔ ان سے بہت سے لوگوں نے نفع حاصل کیا۔ اور ان سے سندِ حدیث حاصل کی۔ حضرت مجددؒ کی اسانید ان کے حالاتِ زندگی پر مشتمل کتابوں میں مکمل طور پر بیان کی گئی ہیں۔' انتھٰی (156)

میں کہتا ہوں کہ ایسے ہی حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے حرمین شریفین کے درجِ ذیل مشائخ سے بھی تعلیم حاصل کی تھی:

1۔ ان مشائخ میں سے شیخ ابوطاہر مدنی شافعیؒ ہیں۔ جنھوں نے اپنے والد امام محقق علامہ شیخ ابراہیم بن حسن کردی مدنی شافعیؒ سے اور امام محقق شیخ حسن بن علی عُجیمی مکی حنفیؒ سے تعلیم حاصل کی تھی۔

2۔ ان مشائخ میں سے شیخ محمد وفداللہ مکی مالکیؒ ہیں، جنھوں نے اپنے والد امام محقق حافظ محمد بن محمد بن سلیمان مغربی مکی مالکیؒ سے تعلیم حاصل کی تھی۔

3۔ آپ کے مشائخ میں شیخ تاج الدین قلعی مکی حنفیؒ بھی ہیں۔ اور وہ امام محقق حسن بن علی عُجیمی مکی حنفیؒ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ اور شیخ عُجیمیؒ نے شیخ محمد حسین خافیؒ سے تعلیم حاصل کی۔ اور انھوں نے شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ سے۔

4۔ ان میں شیخ اسعد بن عبداللہ بن شمس الدین عتاقی مکی حنفیؒ بھی ہیں۔ اور وہ اپنے والد اور اپنے دادا کے واسطے سے محقق علامہ (ملا) علی قاری ہروی اکبرآبادی مکی حنفیؒ کے شاگردوں میں سے ہیں۔

5۔ میں کہتا ہوں کہ: امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اُس اجازتِ عامہ میں بھی شامل تھے، جو انھیں شیخ عبدالغنی بن اسماعیل نابلسی حنفیؒ سے حاصل تھی۔ (157)

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا انتقال ۱۱۷۶ھ (1762ء) میں ہوا۔

فصل (2۔امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ پر اللہ کے خصوصی انعامات)

امام ولی اللہ دہلویؒ نے (اپنے خودنوشت حالاتِ زندگی) "الجزء اللّطیف" میں لکھا ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ کی اس بندۂ ضعیف پر عظیم ترین نعمتوں میں سے چند ایک یہ ہیں کہ:

(1۔آخری دور میں فاتحیت کی خلعت عطا کی گئی)

اُس نے مجھے "خلعت الفاتحیة للدّورة الأخیرة" اس آخری دور میں فاتحیت کی خلعت عطا فرمائی۔

(2۔پسندیدہ فقہ کی جانب رہنمائی)

اللہ نے اپنی پسندیدہ فقہ کی مجھے ہدایت دی ہے۔

(3۔فقہ الحدیث کی تجدید اور اس کی جمع و ترتیب)

اللہ نے مجھے فقہ الحدیث کی تجدید اور اس کی جمع و ترتیب کا کام کرنے کی توفیق دی۔

(4۔شرائع و مصالح کے اَسرار و حکمتوں کا بیان اور اس کی اہمیت)

اللہ نے مجھے الہام کیا ہے کہ میں اپنے ربّ کی جانب سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ تمام احکامات، سنن، شرائع اور مصالح کے اَسرار و حکمتیں بیان کروں۔

یہ بڑا عظیم الشان فن ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ مجھ سے پہلے کسی آدمی نے ایسے ضبط و اتقان کے ساتھ اس اس طرح ''علمِ اسرارِ دین'' کو بیان نہیں کیا۔ اور جس کو اس بارے میں شک ہو تو اُس کو چاہیے کہ وہ علامہ عز (الدین) بن عبدالسلام کی کتاب ''**القواعد الکبریٰ**'' پڑھے۔ انھوں نے اس کتاب کے لکھنے میں بڑی کدوکاوِش کی ہے، اس کے باوجود وہ اس فن کے دسویں حصے کو بھی بیان کرنے میں کام یاب نہ ہو سکے۔

(5۔سلوک کے پسندیدہ طریقے کا الہام)

اس زمانے میں اللہ کے نزدیک سلوک کا جو پسندیدہ طریقہ ہے، اللہ نے مجھے اس کا الہام کیا۔ اس دور میں اسی طریقۂ سلوک سے کام یابی حاصل کرنا مقرر کیا جا چکا ہے۔ پس میں نے اس طریقۂ سلوک کو اپنے دو رسالوں میں منضبط کر کے بیان کیا ہے۔ میں نے ان دونوں رسالوں کا نام ''**لمحات**'' اور ''**الطاف القدس**'' رکھا ہے۔

(6۔سلف صالحین کے عقائد کی دلائل کے ساتھ توضیح)

اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بات کی توفیق دی کہ میں سلفِ صالحین کے عقائد کو واضح دلائل اور قطعی حجتوں کے ذریعے سے ثابت کروں۔ اُن کو اہلِ معقول (منطقیوں اور فلسفیوں) کے شکوک و شبہات سے پاک کروں۔ ان کو اس طرح بیان کروں کہ اس کے بعد کسی کو بھی اس میں بحث مباحثے کی گنجائش نہ رہے۔

(7۔کمالاتِ اربعہ کے علم کا فیضان)

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کمالاتِ اربعہ یعنی (۱) ابداع، (۲) خلق، (۳) تدبیر، (۴) تدلّی کے علم کا تفصیلی فیضان کیا ہے۔ (اس کی تفصیل ''حجّة اللّٰه البالغه'' میں بیان ہوئی ہے)

(8۔کل نوعِ انسانی کی فلاح و بہبود کے علوم کا فیضان)

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر انسانی نفوس کی استعداد و صلاحیت، اُن کے کمالات اور فائدے کے اُمور سے متعلق علوم (یعنی نفوسِ انسانی کے اَخلاقِ اربعہ، ارتفاقاتِ اربعہ اور تعلق مع اللہ کے لیے شعائرِ اربعہ) کا

بھی فیضان کیا ہے۔

یہ آخری دو علم ایسے ہیں کہ اس فقیر سے پہلے کوئی آدمی ان دونوں علوم کے قریب تک بھی نہیں پہنچ سکا۔

(9۔ کتاب وسنت سے حکمتِ عملی کی وضاحت)

اللہ تعالیٰ نے مجھے حکمتِ عملی کی تعلیم اور اس کا شعور دیا ہے۔ یہ ایک ایسی خاص عنایت ہے کہ اس دور کی کامیابی کا دار و مدار اس کے تفصیلی اُمور پر عمل کرنے میں ہے۔ اللہ نے مجھے اس بات کی توفیق دی کہ میں حکمتِ عملی سے متعلقہ علم وشعور کو کتاب، سنتِ رسولؐ اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مربوط اور مضبوط بناؤں۔

(10۔ دینی فہم وشعور کا ملکہ)

اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا ملکہ اور دینی فہم وشعور عطا فرمایا کہ جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ علم دین اور جو کچھ اس میں تحریف شدہ چیزیں داخل کردی گئی ہیں، کے درمیان تمیز پیدا کرسکوں۔ اور مجھ میں یہ صلاحیت بھی اللہ نے عطا فرمائی کہ سنتِ رسول اللہؐ اور بعد کے تمام فرقوں کی جانب سے گھڑی ہوئی بدعت، کے درمیان تمیز پیدا کرسکوں۔

و لو أنّ لی فی کلّ منبت شعرة

لساناً ، لما استوفیتُ واجب حمدهٖ

(اگر میرے ہر بال میں ایک زبان ہوتی اور وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی، اللہ کی ضروری حمد وثنا پھر بھی ادا نہ ہوتی۔)

ان باتوں پر اللہ رب العالمین کی حمد وثنا ہو۔'' انتھٰی (158)

فصل (3۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے علوم ومعارف)

شیخ محسن یمانیؒ ''الیانع الجنی'' میں لکھتے ہیں:

''بے شک امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے وہ علوم —— جن سے اللہ نے انھیں خصوصی طور پر نوازا، اور وہ علوم، جن میں اُن کے ساتھ دیگر تمام ائمہ شریک ہیں —— بہت سے ہیں۔ اتنے زیادہ ہیں کہ ان کی گنتی کرتے ہوئے زبان تھک جائے، لیکن مجھ پر یہ ضروری ہے کہ میں اُن قابلِ فخر علوم میں سے کچھ کا تذکرہ کروں، تاکہ ہر انصاف پسند آدمی پر یہ بات واضح ہوجائے کہ کتنے ہی علوم ہیں کہ جو پہلے والوں نے بعد والوں کے لیے چھوڑ دیے تھے۔ اس لیے کہ ہر آدمی کا نصیب آسمان سے نازل ہوتا ہے اور فضل وانعام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے،

عطا کرتا ہے۔

(1۔عربی فصاحت وبلاغت میں مہارت)

ان علوم میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ عربی زبان بولنے اور لکھنے کا ملکہ عطا کیا تھا۔ جب کہ دیگر غیر عرب لوگوں میں عام طور پر ایسی صلاحیت نہیں ہوتی۔ جب کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا حال یہ ہے کہ ان کے عربی میں لکھے ہوئے عمدہ الفاظ اور خوب صورت جملے آپ سنیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاید یہ ایک ایسا آدمی ہے، جو (عربوں کے) قبیلہ بنوہوازن کے بلند علاقوں کی کسی بستی کا رہنے والا ہے۔ یا یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسا کہ انھیں بنوتمیم کے زیریں علاقے کی عورت نے عربی فصاحت و بلاغت کے آداب سکھائے ہوں۔

خود شیخ شاہ ولی اللہ (دہلویؒ) کو بھی اپنے بارے میں ان بعض اوصاف کا پتہ تھا، جو میں نے ابھی بیان کیے۔ وہ اس طرح کہ انھوں نے اپنے بیٹوں اور اَحباب کو جو وصیت کی ہے، اس میں انھیں عربی زبان پر پورا عبور حاصل کرنے اور اس کا ادبی ذوق اور ملکہ پیدا کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ چناں چہ انھوں نے اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ بے شک عربی زبان ان چند ایک قابل فخر چیزوں میں سے ہے کہ جن سے سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا تقرُّب حاصل ہوتا ہے۔اور جس کے ذریعے سے اُن کا سلسلہ مضبوط رسّی کے ساتھ جڑ جاتا ہے۔'' (159)

(2۔فقہی علوم میں آپ کا رسوخ اور مہارتِ کاملہ)

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مخصوص علوم میں سے ایک اور علم، ائمہ اربعہ اور ان کے تربیت یافتہ اصحاب کے مذاہب کی اساس پر فقہی علوم میں مہارت اور رسوخ کا ہونا ہے۔ نہ صرف یہ، بلکہ ان سے متعلق صحابہؓ اور تابعینؒ کے مذاہب اور فقہائے محدثین کی جماعتوں کے اقوال پر آپؒ کو پورا عبور حاصل تھا۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو یہ تمام علوم مکمل طور پر یاد رہتے تھے۔ چناں چہ آپؒ نے انھیں تحریر کیا۔ اُن میں مہارت حاصل کی اور پورا اعتماد اور رسوخ پیدا کیا۔ فقہی مسائل کے اصل مآخذ دریافت کیے۔ ان کے دلائل کی اختلافی وجوہات اور ان کے پس منظر کو سمجھا۔ پھر ان کے اساسی اور پُر مغز مسائل کو ذیلی اور ضمنی مباحث سے جدا کیا۔ ان کے دلائل کی نوعیت کو پرکھ کر ان کے اصل حجم اور دائرۂ کار کا تعین کیا۔ پھر ان فقہی علوم کو اپنے شاگردوں کے لیے بہترین انداز میں بیان کیا۔ اپنے بے مثل اندازِ تحریر کے ذریعے ایک ایسی فقہ کی نشان دہی کی، جس کا ہر ایک پہلو کھلے ہوئے سفید پھولوں کی سفیدی اور خوب صورتی کی مانند بڑا روشن

اور عمدہ ہے۔

اس طرح فقہی علوم کے ہر پیاسے کو مکمل طور پر سیراب کیا۔ اور اس حوالے سے ہر طرح کے اندھے پن کو دور کیا۔ اور لوگوں کی آنکھیں کھول دیں۔ اور یوں اپنے شاگردوں اور اَحباب کے ہاتھوں کو مضبوط تسلسل کے ساتھ جوڑ دیا۔ تمام عمر آپؒ کا یہی طریقہ رہا، یہاں تک کہ اپنے ربّ سے جا ملے۔

(3۔علم الحدیث اور آثار واَخبار کے فن میں مہارت)

ان علوم میں سے تیسرا علم ''علم الحدیث'' اور آثار واَخبار کا فن ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اسے لوگوں کے سامنے دوپہر کے چمکتے ہوئے سورج کی طرح واضح کیا۔ اس طرح علم حدیث ایسا روشن ہوگیا، جیسے دوپہر کو چمکتا ہوا سورج۔ چناں چہ اس علم کے عمدہ اور بہترین طریقۂ کار سے بہت سے لوگوں نے خوشہ چینی کی۔ اور بہت سے شکوک وشبہات میں مبتلا لوگوں کے امراض دور ہوئے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے لوگوں کے سامنے اس کا نچوڑ بڑے واضح انداز میں پیش کیا۔ علم حدیث کے آئینے کو انتہائی صاف و شفاف بنایا۔ اس علم کے پھیلاؤ کے لیے انتہائی قوت صرف کی۔ اس کا جھنڈا بلند کیا۔ اور اس کے اہم ترین بنیادی پہلوؤں کی تجدید کی۔ یہاں تک کہ لوگ دور دراز سے آکر اس سے سیراب ہونے لگے۔ حتیٰ کہ لوگوں نے آپؒ کی فضیلت اور مرتبے کو دل و جان سے تسلیم کرلیا اور آپ کو "**رئیس المحدّثین**" اور ''**ناصر سنن سیّد المرسلینؐ**'' (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی بہترین مدد کرنے والا) سمجھ کر آپ سے اَحادیث کی روایت کا سلسلہ شروع کردیا۔

اس حوالے سے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی یہ وہ اہم فضیلت ہے، جس کے بارے میں کوئی سے دو افراد بھی اختلاف نہیں رکھتے، حتیٰ کہ آپؒ کے دشمن بھی اس کا انکار نہیں کرسکتے، پھر دوستوں کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے!۔ مرتبہ اور فضیلت تو وہ ہوتی ہے، جس کا دشمن بھی علی الاعلان اعتراف کریں۔ ہندوستان میں رہنے والوں میں اس علم کی طرف توجہ دینے والا آپ سے پہلے کوئی آدمی نہیں ہے۔ شاہ صاحبؒ اور ان کے صحبت یافتہ اصحاب اور شاگرد ہی وہ لوگ ہیں، جنھوں نے احادیث کے علم کی روایت کا سلسلہ آگے بڑھایا اور اُسے دنیا کے دور دراز علاقوں میں پھیلایا۔ ولی اللّٰہی جماعت کے علاوہ اللہ نے یہ کام کسی اور کے مقدر میں نہیں لکھا تھا۔

یہ ایک ایسی فضیلت ہے کہ جسے اللہ نے صرف شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے لیے چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ اور ان کے ہاتھ پر ہی اسے ظاہر کیا۔ اور آپؒ کی اتباع کرنے والے علم حدیث کے حاملین

اور روایات کو منتقل کرنے والے لوگوں کے ذریعے اسے ظاہر کیا۔ حال آں کہ آپؒ سے پہلے بھی بڑے بڑے اجل علما اور فضلا ہوگزرے ہیں اور وہ اس علم حدیث میں مشغول بھی رہے ہیں۔ اوران کا پروازِ فکر اس طرف متوجہ بھی ہوا ہے۔ ان کا نفع بھی بہت سی جماعتوں تک پہنچا ہے۔ ان کے علوم کی بارش سے لوگ سیراب بھی ہوئے ہیں، لیکن ان کے بعد ان کے تربیت یافتہ شاگرد اس کام کے لیے اٹھ نہ سکے۔ اس طرح ان کے آثار مٹ گئے۔ ان کا تذکرہ ختم ہوگیا۔ ان کے اہم ترین لوگوں نے اس علم کو چھوڑ دیا۔ چناں چہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان کے اکثر خطے میں ان کی اسناد کا تذکرہ لوگوں کے درمیان ہمیں دیکھنے میں نہیں آتا۔ اور نہ اس کا کوئی حوالہ دیکھتے ہیں۔

جہاں تک معاملہ امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے والد یعنی امام ولی اللہ دہلویؒ کا ہے تو اُن کا سلسلۂ سند ایسا ہے کہ لوگ اس پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔ لوگ حدیث کے اس روشن منار پر مکمل اعتماد رکھتے ہیں اور اس علم کی روشنی ہی کی بنیاد پر زندگی حاصل کرتے ہیں۔ انھیں حضرات کے سینے کے اَنوار سے لوگ فیض یاب ہوتے ہیں۔ ع

أفلت شموس الأوّلين ، و شمسنا
أبداً علٰى أفق العُلٰى لا تغربُ

(پہلے لوگوں کے تمام سورج غائب ہوگئے۔ اور ہمارا سورج ہمیشہ ہمیشہ بلندمرتبوں کے اُفق پر روشن ہے، جو کبھی غروب نہیں ہوگا۔)

(4۔ ’’علم تفسیر القرآن و تأویل کتاب اللّٰہ العزیز‘‘ میں مہارت)

ان علوم میں سے ’’علم تفسیر القرآن و تأویل کتاب اللّٰہ العزیز‘‘ ہے۔ جس آدمی کی بھی حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں پر نظر ہے، اور جس نے بھی ان کتابوں پر بڑا غور کیا ہے، اور جس پر اللہ نے یہ بھی انعام کیا ہو کہ وہ ان کتابوں کے اندر موجود بہترین اور عمدہ باتوں کے مفاہیم سے پردہ اٹھانے کی صلاحیت رکھتا ہو، اور اس کے دماغ میں ان کتابوں کے نفیس خزانوں کی فہم اور سمجھ ہوجائے، وہ اس بات کی گواہی دے گا کہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو علم تفسیر میں بڑا وافر حصہ ملا تھا۔ وہ اس حقیقت کو سمجھ لے گا کہ شاہ صاحبؒ اللہ کی کتاب کے بہترین ترجمان ہیں۔ اور کتاب اللہ کے معنی کا مفہوم متعین کرنے میں بہترین مدد کرنے والے ہیں۔ وہ اس بات کو بھی اچھی طرح سمجھ جائے گا کہ شاہ صاحبؒ وحیٔ الٰہی اور تنزیلِ خداوندی کے حقائق و معارف کو کھول کر بیان کرنے والے ہیں۔

علمِ تفسیر کے حوالے سے آپ کی کتابیں چند نئے علوم وفنون پر مشتمل ہیں۔مثلاً:

(الف۔علومِ خمسہ کی نشان دہی)

آپ نے قرآن حکیم کے (منطوق الفاظ کے) علومِ خمسہ کا تعین کیا اور انھیں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ (ان علوم کے نزول کے اسباب کا تذکرہ ''**حجة الله البالغه**'' اور ''**سطعات**'' میں بیان کیا ہے، جب کہ تفصیلی بحث ''**الفوز الكبير**'' میں کی ہے۔آزاد)

(ب۔قرآنی حروفِ مقطعات کی تشریح)

اسی طرح قرآن حکیم کی سورتوں کے شروع میں حروفِ مقطعات کی تشریح وتاویل بیان کی ہے۔(جس پر اختصار کے ساتھ ''**الخير الكثير**'' میں بحث کی ہے، جب کہ ''**الفوز الكبير**'' کے چوتھے باب کی آخری فصل میں اس علم کی تفصیل بیان کی ہے۔آزاد)

(ج۔قرآنی قصصِ انبیاؑ کی توضیح)

نیز قرآن حکیم میں بیان کردہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصص کی بہترین توجیہ وتاویل بیان کی ہے۔انھوں نے اس حقیقت کی نشان دہی کی ہے کہ ہر نبی کی قابلیت اور اُس کی قوم کی استعداد کے تناظر میں ان قصص وواقعات کی صحیح ترجمانی کیسے ممکن ہے۔ ہر دور میں کیسے اللہ علیم وقدیر کی حکمت نے انبیا علیہم السلام کے ذریعے انسانیت کے لیے بہترین نظام قائم کیا ہے۔

اس سلسلے میں آپؒ کی بہترین تصنیف کا نام ''**تاويل الأحاديث**'' ہے۔

(د۔قرآن حکیم کا فارسی زبان میں ترجمہ)

آپ کی تصنیفات میں سے فارسی زبان میں قرآن حکیم کا ایسا ترجمہ ہے، جو بعینہٖ عربی زبان کی طرز پر ہے۔ اس کے جملوں کی مقدار اور اس کے لفظوں کی ساخت اور عمومیت وغیرہ عربی جملوں کی مقدار اور ساخت کے عین مطابق ہے۔اس ترجمے کا نام انھوں نے ''**فتح الرّحمٰن بترجمة القرآن**'' رکھا ہے۔''

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں: شاہ صاحبؒ نے اس ترجمے کے حاشیے میں مشکل مقامات کی مختصر تفسیر اور فوائد بیان کیے ہیں اور بہت سے شبہات کا ازالہ کیا ہے۔ میری بات یہاں پر ختم ہوگئی۔

(شاہ عبدالقادر دہلویؒ کا اردو ترجمہ ''**موضحِ قرآن**'')

''انھیں کے انفاسِ قدسیہ سے فیض یاب ہوتے ہوئے اور انھیں کے طرز اور نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ان کے صاحبزادے شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے اردو زبان میں قرآن کا بہترین ترجمہ

کیا ہے۔اس طرح ان کے بعد لوگوں کے لیے ترجمہ کرنا آسان ہوگیا۔اس حوالے سے وہ اور ان کی اتباع کرنے والے لوگ ایک اہم رہنما کے طور پر سامنے آئے۔

(ہ۔قرآنی ترجمہ نگاری کے اصول وضابطے)

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سب سے پہلے فرد ہیں، جنھوں نے قرآن حکیم کے ترجمے کے فن میں انتہائی مہارت حاصل کی اور (ایک رسالہ "**المقدّمہ فی قوانین التّرجمہ**") اس کے اصول وضوابط مرتب و مدوّن کیے ہیں۔ (160)

ان کے بیٹے شاہ رفیع الدین دہلویؒ نے ان اصول وقوانین ترجمہ کے چند جامع پہلو اپنی بعض مختصر کتابوں (**تکمیل الأذھان**) میں بہت عمدہ طریقے سے بیان کیے ہیں۔"

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ شیخ عبدالقادر دہلویؒ کے اردو ترجمے کے بعض الفاظ کا اردو محاورات میں استعمال ختم ہو چکا تھا۔تو ہمارے استاذ حضرت شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) نے اس کی اصلاح اور درستگی کی۔میری بات یہاں ختم ہوگئی۔

"اس طرح علمِ تفسیر دوبارہ تروتازہ ہوکر سامنے آیا۔اور اس علم کے اندر بڑی پختگی اور عمدگی پیدا ہوگئی۔جب کہ اس سے پہلے اس حوالے سے بڑی سستی اور کوتاہی پائی جاتی تھی۔.......

(5۔تمام علوم کے اساسی اصول اور ان کے بنیادی قوانین کی دریافت)

ان علوم میں سے شاہ صاحبؒ کا ایک اہم ترین علم وفن یہ ہے کہ گزشتہ تمام علوم کے اساسی اصول اور ان کے بنیادی قوانین آپؒ نے دریافت کیے ہیں۔یہ وہ علم ہے کہ جسے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بہت عمدہ طریقے سے مہذب اور مدوّن کیا ہے۔اور اس کے بنیادی اصول و ضوابط اور فکر و فلسفے کا خلاصہ بہت مربوط اور مختصر انداز میں بیان کیا ہے۔اس سلسلے میں ایسی مجتہدانہ گفتگو کی ہے، جس پر یہ کہنا بالکل درست ہے کہ وہ اس علم کے بانی ہیں۔اور اس کا بنیادی دائرۂ کار اور خاکہ تخلیق کرنے والے ہیں:

(الف۔اصولِ تفسیر کا تعین)

جہاں تک اصولِ تفسیر کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں آپؒ کی کتاب "**الفوز الکبیر فی اصول التّفسیر**" ہے۔یہ کتاب بہت سے مفسرین کے لیے اس فن میں آپ کی مہارت پر شاہدِ عدل کی حیثیت رکھتی ہے۔حق بات یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ فنِ تفسیر کی تحقیق و تدقیق میں ایک منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔انھوں نے اس کتاب میں:

(i) تفسیر کے اہم مسائل اور بنیادی اصولوں کی نشان دہی کی ہے۔

(ii) علم تفسیر کا پُر مغز خلاصہ مختصر جملوں میں بیان کیا ہے۔

(iii) قرآن سے ثابت شدہ منصوص علوم پر گفتگو کی ہے۔

(iv) ''مشکلات القرآن'' (قرآن کے مشکل الفاظ اور جملوں) کی بہترین توجیہ وتعبیر کی ہے۔

(v) ''غریب القرآن" (قرآن کے بعض اجنبی الفاظ) کی بہترین شرح کی ہے اور اس کے ''معضلات" (مشکل مقامات) کا حل پیش کیا ہے۔

(vi) صحابہؓ اور تابعینؒ کی تفاسیر کی تہذیب وتنقیح کرتے ہوئے اُن کے باہمی اختلافات کو ختم کرنے کی جانب صحیح رہنمائی کی ہے۔

(vii) قرآن کی منسوخ آیات اور جن آیات کے بارے میں نسخ کا دعویٰ درست نہیں ہے، کے درمیان تمیز پیدا کی ہے۔

(viii) ''اسبابِ نزول'' (آیات کے نزول کے اسباب) کے حوالے سے مفسرین کے تشویش میں مبتلا کرنے والے اقوال کو بہترین وضاحت کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ حال آں کہ تاویل وتشریح کرنے والے مفسرین ان مختلف اقوال میں تطبیق دینے کے حوالے سے بہت پریشان تھے۔

اس کے علاوہ علم تفسیر کی بہت سی نفیس اور عمدہ باتیں، نادر اور عجیب نکتے شاہ صاحبؒ نے اپنی اس کتاب میں بیان کیے ہیں۔

(ب۔ اصولِ حدیث میں آپؒ کی مہارت)

جہاں تک اصولِ حدیث کا تعلق ہے، اس سلسلے میں آپ کا دامن بڑا وسیع ہے۔ آپؒ کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیزؒ نے اس طرف اشارہ کیا ہے، کہ:

''شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اس سلسلے میں اتنے بے شمار دائروں میں تحقیقات ہیں کہ اس سلسلے میں کوئی بھی آپ سے آگے نہ بڑھ سکا۔ آپ نے اتنی باریک بینی سے عمدہ دلائل اور نکتے بیان کیے ہیں کہ کسی کا قدم وہاں تک نہیں پہنچا۔'' (161)

جو آدمی ان دونوں علوم یعنی اصولِ تفسیر اور اصولِ حدیث میں حضرت شاہ صاحبؒ کی لکھی ہوئی کتابوں کی تحقیق وتفتیش کرے اور پھر اس کی نظر وفکر ان کتابوں تک پہنچے، جو ابوعبدالعزیز (یعنی امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) نے ان دونوں علوم کے حوالے سے جمع کی ہیں یا مرتب اور مدوّن

کی ہیں، وہ اس بات کی گواہی دے گا کہ یہ کتابیں علوم کے نشے میں ہمیشہ سرشار رہنے والوں کے لیے انتہائی لذت آگیں ہیں۔

یہ کتاب جس کا نام ''المسوّیٰ'' ہے، اس میں تو ان کی عجیب وغریب صلاحیتوں نے تحقیقات کے نہایت ہی عمدہ شاہکار پیش کیے۔ جو انتہائی عظیم المرتبت ہیں، اگر چہ ان کی تعداد تھوڑی ہی ہے۔ (162)

(ج۔ اصولِ فقہ میں آپؒ کا بلند مرتبہ)

جہاں تک اصولِ فقہ کا تعلق ہے، پس آپؒ کو اس کا جوہر اور خلاصہ عطا کیا گیا۔ یہاں تک کہ آپؒ علم فقہ کے حوالے سے ایک بلند مقام پر فائز تھے۔ آپؒ نے اس کے (بکھرے ہوئے) تمام موتیوں کو ایک لڑی میں پرو دیا۔ اس کے تمام فائدوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔ چناں چہ آپؒ نے فن اصول فقہ کی نوک پلک درست کر کے اسے مہذب اور مدوّن کر دیا۔ تمام ائمہ دین، خواہ ان کا تعلق اصحابِ رائے اور اہل قیاس سے ہو یا اصحابِ حدیث اور فقہائے محدثین سے ہو، ان سب کے مختلف مذاہب کی اصولی باتوں کی آپؒ نے شرح بیان کی ہے اور مختصر ترین الفاظ پر مشتمل عبارتوں میں انھیں بہترین انداز میں جمع کر دیا، جن کا یاد کرنا بہت آسان ہے۔ نہ صرف یہ، بلکہ انھوں نے جدل و مناظرے کے اُمور اور خالص فقہی اصول کے درمیان بھی فرق و امتیاز واضح کر دیا۔ شاہ صاحبؒ نے استنباط و استخراج کی تمام وجوہات کو تمام تر کثرت کے باوجود دس قسموں میں بند کر دیا۔ پھر ان میں بھی ترجیح کے بنیادی قوانین اور ضابطوں کی نشان دہی کر دی ہے۔ (163)

اللہ تعالیٰ انھیں بہترین جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے اصولِ حدیث اور اصولِ فقہ کا ذوق ختم ہونے کے باجود ان علوم کی عظمت اور روشنی کے منار کو مزید بلند کر دیا ہے۔

(6۔ عقائد اور اصولِ دین کے علم میں مہارت)

ان علوم میں سے عقائد اور اصولِ دین کا علم بھی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے سلفِ صالحین کے بنیادی عقائد کا سیدھا راستہ واضح کیا۔ بعد میں آنے والے لوگوں کے اقوال کی وجہ سے اس علم میں جو ملاوٹ ہو چکی تھی، انھوں نے اُسے دور کر کے اصل بنیادی اور خالص عقائد کی نشان دہی کی۔ انھوں نے اس سلسلے میں مسلمان فرقوں کی مختلف آرا کا تحلیل و تجزیہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے لازمی دینی عقائد کو، لوگوں کے اپنے فکر و نظر سے اختیار کردہ عقائد سے بالکل الگ کر کے بیان کیا۔ انھوں نے اس بات کی نشان دہی بھی کی کہ کیسے معقول اور منقول

کے درمیان تطبیق پیدا کی جاسکتی ہے۔ اور کیسے ظلمتوں اور اندھیروں کے دائروں سے نجات پا کر روشنی اور نور کی طرف جایا جاسکتا ہے۔

آپؒ نے فلسفیوں کے پیدا کردہ شکوک وشبہات کا جواب بھی دیا۔ معتزلہ کے وہم وگمان کی بنیاد پر اختیار کیے گئے عقائد کا قلع قمع بھی کیا۔ رافضی شیعوں کو خاموش کرادینے والا جواب دیتے ہوئے بڑی تفصیلی بحث کی۔ ان کی جانب سے امت کی اجتماعی طاقت کو توڑنے کا ردّ کیا ہے۔ اس فرقے نے جو غلط عقائد پر مشتمل بلند وبالا خیالی قلعے تعمیر کیے ہوئے تھے، انھیں توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ جتنی پختہ رکاوٹیں کھڑی کی ہوئی تھیں، ان کا خاتمہ کر دیا۔

عقائد اور اصولِ دین کے اس فن میں انھوں نے ایسے ایسے اسرار و رموز بیان کیے کہ کئی زمانے گزرنے کے بعد بھی ایک دو افراد کے علاوہ کسی کی ان کی طرف توجہ نہیں ہوئی۔ وہ بھی جنھیں ربّ تعالیٰ نے اس کام کے لیے منتخب اور پسند کرلیا۔ اس لیے کہ اہل سنت میں سے علم عقائد اور اصول پر جس نے بھی گفتگو کی ہے، وہ یا تو کوئی صرف حدیث کا علم رکھنے والا ایسا فرد تھا کہ جس نے صرف عقائد کے ظاہری پہلو کی خرابی کا ردّ کیا۔ یا وہ علم کلام کا ایسا ماہر تھا، جس نے اپنی عقل اور رائے سے محض عقلی گہرائیاں بیان کیں اور اسی میں غرق ہو کر رہ گیا۔ یا وہ فقہ کا ایسا عالم تھا، کہ جس نے مذکورہ بالا دونوں طریقوں کی درمیانی راہ اختیار کی۔ یا وہ ایسا صاحبِ ذوق تھا، کہ جو کچھ اس کے قلب پر روشن ہوا، اسی پر وہ مطمئن ہو کر بیٹھ گیا۔

شاہ ولی اللہؒ ایک ایسے فرد ہیں، جن کے سینے میں اللہ نے ان تمام لوگوں کے مختلف علوم جمع کر دیے تھے۔ انھوں نے ہر ایک صاحبِ علم کی کمزوری کو دوسرے علم کی طاقت سے دور کر دیا۔ اس طرح اس میں پیدا ہونے والے خلل اور خرابی کو بالکل ختم کر کے رکھ دیا۔ انھوں نے تمام طریقوں کو جمع کر کے علم عقائد اور اصول دین کو تمام غلط خیالات اور گدلے پن سے نکال کر صاف و شفاف اور واضح کر دیا۔ ایسے معاملات میں جہاں رائے اور فکر و نظر کا پہنچنا ممکن نہیں سمجھا جاتا، وہاں بھی نظر و فکر کی گنجائش پیدا کر کے انھیں خوب بیان کر دیا۔ اس طرح امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ایسا طریقۂ کار اپنایا، جو ہدایت کی تمام نمایاں علامات کا جامع بن کر سامنے آیا۔ آپؒ کے طریقے سے زیادہ واضح اَور کوئی طریقہ نہیں۔ آپؒ کی تحقیقات سے زیادہ بہتر اور کوئی تحقیق نہیں کہ جس کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہو۔

(7۔حقائق و معارف اور سلوک وطریقت کے آداب کا علم)

ان علوم میں سے سلوک اور طریقت کے آداب اور حقائق و معارف کا علم ہے۔ اس سلسلے

میں بھی آپؒ پر کائنات کے سچے اُمور کی تجلیات ظاہر ہوئیں اور ملکوتی انوارات کے عکس پڑے۔ اللہ نے آپؒ کو انتہائی پاکیزہ نفس اور قوتِ قدسیہ عطا فرمائی تھی۔ ظاہری طور پر جو بھی اللہ کی طرف پورے طور پر متوجہ ہو جائے، اللہ تعالیٰ اس کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے۔ جو بھی حقائق و معارف کو جذب کرنے کی اہلیت رکھتا ہو، اس پر معارف کی موسلا دھار بارش کا فیضان کرتا ہے۔ پس شاہ صاحبؒ کی زبان سے بہتر کوئی زبان ایسی نہیں، جو حقائق و معارف کو بیان کرتی ہو۔ اور حقائق و معارف کی پرکھ اور اس کی حقیقی نوعیت کو جانچنے کی کوئی ترازو ایسی نہیں، جو اُن کے ترازو اور میزان سے بہتر ہو۔

یہ اس لیے کہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ تینوں طریقوں یعنی نقل، فکر و عقل اور ذوق و وِجدان کے جامع تھے۔ چناں چہ حقائق و معارف اور سلوک و طریقت کا کوئی مشکل اور گہرا راز جب بھی آپؒ کے سامنے آتا تو آپؒ اس کی صحت کو اسی وقت تسلیم کرتے تھے کہ جب وہ معقول و منقول اور مکشوف کی بنیاد پر درست ثابت ہوتا اور اس کی بنیاد ان تینوں حوالوں سے مضبوط ہوتی۔ اس راز کی خصوصیات کی نشان دہی، اصولوں کے واضح دلائل سے ظاہر ہوتی۔ اس علم و فن میں آپؒ کی (بہت سی) کتابیں ہیں اور آپؒ کے شاگردوں کی اسی انداز میں لکھی ہوئی کتابیں بھی ہیں۔ میں نے جو کچھ بیان کیا ہے، اس پر یہ کتابیں سب سے بڑی دلیل ہیں۔ اس طرح جیسے آسمان کے اُفق پر سورج چمکتا ہے۔

سلوک و آداب کے سلسلے میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے مسلک کو بڑی وضاحت اور شرح کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور چاروں سلسلوں کے آدابِ طریقت بڑی عمدہ زبان میں بیان کیے ہیں۔ اس علم کی اہم باتیں، جو ختم ہو کر رہ گئی تھیں، انھیں دوبارہ زندہ کیا۔ یہ بات ان کتابوں پر نظر رکھنے والے پر واضح ہو جاتی ہے۔ اس سلسلے میں آپؒ کی مشہور ترین تصنیف "**القول الجمیل (فی بیان سواء السبّیل)**" ہے۔ جو بہت سے لوگوں کے لیے شفا ہے۔ اور طالبِ حق کے لیے بڑی عمدہ رہنما ہے۔ ...الخ"

شیخ محسن یمانیؒ مزید لکھتے ہیں کہ:

"جو کچھ آپ کے علوم کے حوالے سے بیان کرنے کی مجھے توفیق ہوئی، یہ وہ باتیں ہیں، جن سے میں واقف ہوں اور جن کو میں نے یہاں بیان کرنا پسند کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شیخ (شاہ ولی اللہ دہلویؒ) کو ان تمام علوم کے عمدہ اور نفیس پہلوؤں پر بڑی مہارت حاصل تھی۔ ان کی تفصیلات پر انھیں پورا عبور حاصل تھا۔ ان کے تمام جزوی پہلوؤں کی تحقیق اور

اساسی اصولوں کی تعیین میں انھوں نے انتہا درجہ جدوجہد اور کوشش کی تھی۔ انھوں نے یہ کدوکاوش کچھ ایسے انداز میں کی کہ کوئی اس سلسلے میں اس کے قریب تک بھی نہ پہنچ سکا۔ نہ آپ کے زمانے میں اور نہ آپ کے بعد، مگر جس کے بارے میں اللہ چاہے۔ اور پہلے زمانوں میں بھی بہت کم لوگ ایسے گزرے ہیں کہ جن سے آپؒ کا موازنہ کیا جاسکتا ہے۔‘‘ (164)

فصل (4۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی منفرد خصوصیات)

شیخ محسن یمانیؒ کہتے ہیں:

’’میں یہ بات نہیں کہتا کہ اس کرۂ ارض پر شاہ ولی اللہ (دہلویؒ) کے ہم عصر یا گزشتہ قریب زمانے کے علما میں سے کوئی آدمی بھی علوم میں ان کا ہم پلہ نہیں ہے۔ بے شک کرۂ ارض کے بہت سے شہروں میں بہت سے ایسے لوگ پیدا ہوئے، جو علوم و اَفکار سے بھرا ہوا ظرف اور حوصلہ رکھتے تھے۔ وہ دین کی حفاظت کرنے والے تھے۔ انبیا علیہم السلام کے علوم کے امین تھے۔ رُشد و ہدایت اور یقین کے راستوں کی بڑی علامات میں سے تھے، لیکن امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ان تمام علما میں سے چند اُمور میں ایک خاص امتیازی شان رکھتے ہیں۔ اور درجِ ذیل چند بنیادی اَخلاق و خصوصیات میں منفرد حیثیت کے حامل ہیں:

(پہلی خصوصیت ؛ علوم کے تمام شعبوں کی تحقیق و تدوین)

ان کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ گزشتہ تمام علوم و فنون وغیرہ اُن کے سینے کی وسعتوں میں جمع ہوگئے تھے۔ انھیں ان علوم میں بہت زیادہ مہارت اور صلاحیت و پختگی حاصل تھی۔ انھوں نے ان علوم کا ایسے انداز میں تحلیل و تجزیہ کیا ہے، جو صرف اونچے درجے کے محدثین اور ناقدین —— جو اپنے مرتبے میں بہت عظیم الشان ہیں —— کرتے ہیں۔ پھر انھوں نے علوم کے تمام ابواب کا خلاصہ بیان کیا۔ ان علوم کے پُرمغز اور اہم مسائل کو ذیلی اور ضمنی مسائل کے چھلکوں سے علاحدہ کرکے چھان پھٹک کر صاف شفاف بنادیا۔ انھوں نے اپنے شاگردوں کے لیے علوم کے تمام طریقوں کی واضح شاہراہ متعین کردی۔

(دوسری خصوصیت ؛ اساسی مسائل کا تعین اور بنیادی دلائل کی نشان دہی)

علوم کے مسائل کی اساسیات کا تعین کیا۔ مختصر اور عمدہ عبارتوں کی صورت میں ان کے دلائل کی نشان دہی کی۔ اس سلسلے میں عجیب و غریب لطیف اشارات بیان کیے۔ اسی کے ساتھ عدل و انصاف کا دامن پکڑ کر اِدھر اُدھر بھٹک جانے والوں اور غلطیاں کرنے والوں سے کسی

طرح کی عصبیت رکھے بغیر اور ان پر کوئی الزام لگائے بغیر حق بات کو بڑے مؤثر پیرائے میں بیان کیا۔

(تیسری خصوصیت؛ رائے کی پختگی اور ذہانت و فطانت)

حضرت الامام شاہ ولی اللہ (دہلویؒ) کا فہم وشعور بڑی گہرائی لیے ہوئے تھا۔ اُن کی رائے کی پختگی بڑی مضبوط تھی۔ وہ اپنے زمانے کے انسانوں میں سب سے زیادہ ذہین اور ذکی انسان تھے۔ آپؒ کی رائے علوم و افکار کے میدان میں انتہائی درست اور صحیح ہوتی تھی۔ پھر اللہ نے انھیں یہ فضیلت دی تھی کہ انھیں بہت سے وہبی علوم عطا کیے تھے، جو اِن کے دیگر علوم کے ساتھ باہم ملے ہوئے تھے۔ اور وہ اتنے علوم ہیں کہ جنھیں ایک جگہ جمع کر کے بیان نہیں کیا جاسکتا۔

(چوتھی خصوصیت؛ اختلافی مسائل کا درست فہم اور مختلف آرا میں تطبیق کا فن)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے مخصوص وقت میں اُن کے قلب میں ایک ایسے میزان (کسوٹی) کا القا کیا تھا کہ جس کے ذریعے سے وہ ملتِ محمّدیہؐ علیٰ صاحبها الصّلوٰة و التّسلیمات میں پیدا ہونے والے ہر اختلاف کا سبب معلوم کر لیتے تھے۔ انھیں اس کا بھی علم ہوجاتا تھا کہ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک ان میں سے حق کیا ہے۔ انھیں اس بات پر بھی قدرت حاصل تھی کہ وہ اس کو ایسے بہترین اور عمدہ انداز میں بیان کردیں کہ جس سے تمام شکوک و شبہات اپنے تمام تر ذیلی اثرات کے ساتھ ختم ہوجائیں۔

اس سلسلے میں خاص طور پر ایک مثال اور نمونے کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا۔ جب اُن سے صحابہؓ کے باہمی اختلاف اور خاص طور پر اُن کے بعد آنے والے فقہا کے درمیان فقہی احکام میں اختلاف کے بارے میں سوال کیا گیا — یہ مسئلہ اُن کے علم کے اس شعبے سے تعلق رکھتا ہے، جس کا نام ''علم التّطبیق بین آراء النّاس'' (لوگوں کی مختلف آرا کے درمیان تطبیق دینے کا علم) ہے — تو انھوں نے فقہا کے تمام نقطہ ہائے نظر کا جائزہ لیا۔ اور کمزور آرا میں سے صاف اور درست رائے کو علاحدہ کرلیا۔ اور شکوک و شبہات پیدا کرنے والی بحث میں سے واضح طور پر حق والی بات کو الگ کرلیا۔ وہ سمجھ گئے کہ کون سا پہلو ہے کہ جہاں غلطی کرنے والے نے غلطی کی ہے۔ اور زیر بحث مسئلے کے بنیادی مقصد اور ہدف سے اِس رائے میں کتنے درجے کا انحراف پایا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں آپؒ کے ذہین ترین ذہن نے اختلافی مسائل میں جو تطبیقات پیش کی ہیں، ان میں سے چند ایک اُن کے صاحبزادے امام شاہ رفیع الدین (دہلویؒ) نے اپنی ایک مختصر

کتاب (تکميل لصناعة الأذهان) میں بیان کی ہیں۔

(پانچویں خصوصیت؛ احکامِ شرعیہ کی حکمتیں اوران کے اسرار و رموز کا بیان)

ان میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپؒ کے سینے میں نور کی ایسی موسلادھار بارش برسائی تھی کہ جس کے ذریعے ان کے سامنے شریعت کے رُموز و اَسرار کے بہت سے پہلو کُھل کر سامنے آ گئے اور شریعت کی عجیب وغریب اور گہری حکمتوں کا واضح اظہار ہوا۔ پھر اللہ نے اُن کا سینہ کھول دیا کہ وہ ان رُموز و اَسرار اور گہری حکمتوں کو بڑے عمدہ طریقے سے بیان کر دیں۔ چناں چہ آپؒ نے بہترین انداز میں اپنی کتاب "**حجّة اللّٰه البالغه**" میں انھیں بیان کر دیا۔ اور شریعتِ محمدیہؐ کے احکامات کے بہت سے چُھپے ہوئے محاسن اور عمدہ پہلوؤں کو کھول کر واضح کر دیا۔ انھوں نے اس حقیقت کی نشان دہی کی کہ تمام قوانین اور شرائع کے درمیان شریعتِ محمدؐیہ کی جامعیت کا حسن اس اعلیٰ درجے کا ہے کہ جس کی تعریف وتوصیف بیان نہیں کی جاسکتی۔

خیر اور بھلائی کی رغبت رکھنے والا کوئی فرد شاہ ولی اللہ (دہلویؒ) جیسے لوگوں سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے ان کے بارے میں یہ بات کہی گئی ہے کہ: وہ اُمتِ محمدیہ **علىٰ نبيّها اُلوف من السّلام و التّحِيّه** (کہ جس کے نبی پر ہزاروں ہزار درود وسلام ہوں) کے فلاسفہ اور حکما میں انتہائی مہارت رکھنے والے بہت اونچے درجے کے فلسفی اور حکیم ہیں۔

آپؒ کے بہت سے فضائل وخصوصیات میں سے یہ چند خصوصیات ہیں۔ آپؒ کی خصوصیات اور عمدہ آداب میں سے بہت سی باتیں بیان کرنا ابھی باقی ہیں۔ میرے اس مقالے میں ان کے بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اور ویسے میرا یہ قلم انھیں شمار بھی نہیں کرسکتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ تمام عمدہ خصلتوں، خصوصیتوں اور حکمتوں کے جامع تھے۔ اور بے شمار اور مختلف پہلوؤں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ع

و ليس على اللّٰه بمستنكر

أن يجمع العالَم فى واحد

"اللہ پر یہ کوئی مشکل نہیں ہے کہ وہ پورے عالَم کو ایک آدمی میں جمع کردے۔" (165)

فصل (5۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اہم تصانیف)

شیخ محسن یمانیؒ "**اليانع الجنى**" میں لکھتے ہیں:

''جہاں تک آپؒ کی مختلف علوم وفنون میں بہترین اور عمدہ تصانیف کا حال ہے، تو وہ بہت زیادہ ہیں۔ان میں سے مشہور ترین کتابیں درجِ ذیل ہیں:

(1۔الفوز الکبیر فی اصول التّفسیر)

آپؒ کی مشہور کتابوں میں ایک کتاب ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" ہے۔

(2۔المسوّٰی من أحادیث المؤطا اوراس کی خصوصیات)

فقہ الحدیث میں آپؒ کی کتاب ''المسوّٰی" ہے۔جس میں:

(الف) آپؒ نے "مؤطا" کی احادیث کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ مرتب کیا ہے، تا کہ باب سے متعلقہ ہر حدیث کو لینا آسان ہوجائے۔

(ب) پھر ہر حدیث کے ذیل میں جمہور علما کے مستنبط کردہ مسائل بیان کیے ہیں۔

(ج) اسی کے ساتھ قرآن عظیم سے ایسے دلائل بیان کیے ہیں، جن کا ایک فقیہ کے لیے یاد کرنا اوران کی تفسیر معلوم کرنا ضروری ہے۔

(د) پھر ہر باب میں صرف شافعی اور حنفی مذاہب کو بیان کیا ہے۔ان دو کے علاوہ عام طور پر دیگر مذاہب کو بیان نہیں کیا، تا کہ عمل کرنے والوں کے لیے ان سے استفادہ کرنا آسان رہے۔البتہ چند مقامات ایسے ہیں، جہاں نکات کی تشریح بیان کرتے ہوئے دیگر مذاہب کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

(ھ) اسی طرح آپؒ نے بہت لطیف اشارات کے ذریعے اُن مقامات کی بھی نشان دہی کی ہے، جہاں ائمہ فقہا نے صریح اور صحیح حدیث کی بنیاد پر امام مالکؒ کی رائے پر گرفت کی ہے۔

(و) جہاں غریب اور اجنبی الفاظ کی شرح اور مشکل الفاظ کی درست نشان دہی کی ضرورت تھی، ان کے لغوی یا فقہی معنی بیان کر کے وضاحت کردی ہے۔

(ز) اسی طرح کسی شرعی حکم کی علت اور اُس کے اقسام کو بھی بیان کیا ہے۔

(ح) فریقین کے نزدیک احادیث کی تاویل اور اس سے متعلقہ دیگر معاملات کی بھی نشان دہی کی ہے۔

غرض یہ کہ آپؒ کی یہ کتاب اس باب (فقہ الحدیث) کی تمام درج ذیل عمدہ اقسام کی جامع ہے:

(الف) قرآن حکیم کی نصوص سے اخذ شدہ فقہی مسائل

(ب)اصولِ حدیث کی روشنی میں صحیح طور پر روایت کردہ احادیثِ مشہورہ

(ج) جمہور صحابہؓ اور تابعینؒ کے متفقہ مسائل

(د) امام مالکؒ اور ان کے متبعین کے مستنبط کردہ مسائل

(ہ) فقہائے محدثین کی جماعتوں کے اخذ کردہ مسائل

(3۔ المصفّیٰ شرح المؤطّا)

آپؒ کی ایک اہم کتاب "**المصفّٰی**" ہے۔ جس میں آپؒ نے (فارسی زبان میں) ''مؤطا" کی بڑی عمدہ شرح بیان کی ہے۔ اور اس کے مخفی اَسرار و رُموز کو بہترین انداز میں بیان کیا ہے۔

(4۔ شرح تراجم الجامع الصّحیح للبخاریؒ)

ان کتابوں میں سے ''**شرح تراجم الجامع الصّحیح للبخاریؒ**" ہے۔ چناں چہ حضرت شیخ اسحاقی (یعنی ہمارے شیخ، (شیخ الہندؒ) کے شیخ مولانا احمد علی سہارن پوری۔ سندھیؒ) نے اپنے مقدمے کے شروع میں اس کا کچھ حصہ بیان کیا ہے۔ یہ کتاب آپؒ کے نئے اور منفرد طریقے کی نشان دہی کرتی ہے۔

(5۔ إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء)

آپؒ کی کتابوں میں سے ایک اہم کتاب "**إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء**'' ہے۔ آپؒ نے اس میں کتاب و سنت اور ائمہ اہل بیت اور اجماعِ امت کے ہزاروں دلائل اور اقوال جمع کر دیے ہیں۔ ان دلائل کی طرف صحیح بات سننے والے ضرور متوجہ ہوتے ہیں اور ان کے دلوں میں اطمینان پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر اس کتاب کے بعض اہم نکات کی تشریح آپؒ کے صاحبزادے (حضرت شاہ) عبدالعزیز (دہلویؒ) نے اپنی کتاب "**تحفة (إثنا عشرية)**" میں کی ہے اور عام لوگوں کے لیے اُن کے بیان کردہ بہت سے فوائد کی تفصیل و تشریح کی ہے۔'' (166)

شیخ محسن یمانیؒ لکھتے ہیں کہ:

''میں نے شیخ اجل ابوالعُلا (مولانا فضل حق خیر آبادیؒ (167)) عمری سے سنا ہے — جب کہ ہم 'الور' شہر میں تھے — اور ان کے ہاتھ میں کتاب "**إزالة الخفاء**" کا نسخہ تھا۔ وہ بہت زیادہ توجہ کے ساتھ اس کتاب کو پڑھا کرتے تھے اور بار بار اس کا مطالعہ کرتے تھے۔ جب اس کتاب کے درس سے فارغ ہوئے اور اس کا تمام پہلوؤں کا مطالعہ کرلیا اور اس کی بہت سی نئی باتوں سے واقف ہوئے تو انھوں نے لوگوں کے ایک بہت بڑے اجتماع میں، جس میں مَیں خود موجود تھا، فرمایا کہ:

''بے شک جس آدمی نے یہ کتاب لکھی ہے، وہ علم کا موجیں مارتا ہوا ایسا سمندر ہے، جس کا کوئی کنارا نہیں۔'' (168)

(6۔حجة الله البالغه)

ان کتابوں میں سے ایک کتاب ''**حجة الله البالغه**'' ہے، جو شریعتوں کی حکمتوں اور حدیث کے اَسرار کے بیان میں ہے۔

(7۔القول الجميل في بيان سواء السّبيل)

ایسے ہی ایک کتاب ''**القول الجميل في بيان سواء السبيل**'' ہے۔جس میں علم سلوک سے متعلق افادات کو انھوں نے جمع کیا ہے۔

(8۔الانتباه في سلاسل أولياء الله)

آپؒ کی ایک اور کتاب ''**الانتباه في سلاسل أولياء الله**'' ہے۔یہ ایک عمدہ کتاب ہے،جس کی طرف ہمتِ مردانہ رکھنے والے لوگ بڑی رغبت کا اظہار کرتے ہیں ۔

(9۔الإرشاد إلى مهمّات علم الأسناد)

اسی طرح ایک کتاب ''**الإرشاد إلى مهمّات علم الأسناد**'' ہے۔

ایسے ہی آپؒ کے افادات پر مشتمل درجِ ذیل چند کتابیں ہیں:

(10) الدّرّالثّمين

(11) فيوض الحرمين

(12) أنفاس العارفين

(13) تأويل الأحاديث في رُموز قصص الأنبياء و المرسلين

(14۔الخير الكثير)

ان کتابوں میں سے ایک کتاب ''**الخير الكثير**'' ہے۔جس کا لقب ''**خزائن الحكمة**'' (حکمت کے خزانے) ہے۔جس میں آپؒ نے صوفیا کے معارف کا نچوڑ اور اُن کے باطنی ذوق کا خلاصہ بیان کیا ہے۔اس کتاب میں صوفیا کے علوم کے بہت سے مخفی پہلوؤں کو کھولا ہے اور ان کے مشکل مقامات کی پردہ کشائی کی ہے۔

(15۔ التفهيمات الإلٰهية)

ایسے ہی ان کی کتابوں میں سے ایک کتاب "**التفهيمات الإلٰهية**" ہے۔ جو علم حقائق کے بیان میں ہے۔

امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ:

''یہ آپؒ کی عمدہ تصانیف میں سے ہے۔''

امام شاہ ولی اللہ (دہلویؒ) سے حکایت ہے، انھوں نے اپنی اس کتاب میں فرمایا کہ:

''میں نے گزشتہ رات امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا۔ وہ فرما رہے تھے کہ: ''تُو ہمارا بھائی ہے اور ان اوراق میں تُو نے جو کچھ لکھا ہے، یہی ہمارا عقیدہ ہے۔'' (169)

شاہ ولی اللہ (دہلویؒ) کی تمام تصانیف بہت زیادہ ہونے کے باوجود انتہائی سلیقے اور مرتّب انداز میں لکھی گئی ہیں۔ ان میں اوّل سے آخر تک بہت شیریں اندازِ بیان اختیار کیا گیا ہے۔ ان کا مطالعہ کرنے والا جتنی دفعہ بھی انھیں پڑھتا ہے تو اتنے ہی زیادہ فوائد اس کے سامنے آتے ہیں۔ گویا کہ ان کتابوں کے بارے میں تعریف کرنے والوں کا یہ قول کہا جاسکتا ہے ع

يزيدک وجههٗ حسنًا إذا ما زدتّهٗ نظرًا

(جتنی دفعہ بھی تیری نظر اُس کے چہرے پر پڑے گی، تو تجھے اُس کے حسن میں اضافہ ہی نظر آئے گا۔) (170)

فصل (6۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ مشاہیر علما کی نظر میں)

شیخ محسن یمانیؒ کہتے ہیں کہ:

''حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تعریف بہت سے اونچے درجے کے جلیل القدر علمائے کرام نے کی ہے۔

(شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی نظر میں)

ان میں شاہ صاحبؒ کے صاحبزادے حضرت الامام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ ہیں، جنھوں نے اپنی کتاب "**تحفه (إثنا عشريه)**'' میں کہا ہے:

''یہ جو امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی شان میں کہا گیا ہے، بالکل درست بات ہے کہ: وہ ''**آية من آيات اللّٰه، و معجزة من معجزات نبيّهٖ صلّى اللّٰه عليه وسلّم**'' (اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک اہم ترین نشانی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک

معجزہ ہیں) تھے۔

(شیخ نعیم اللہ بہرائچیؒ کی نظر میں)

شیخ اجل، فقیہ محدث، عارفِ کامل شیخ (مرزا) مظہر جانِ جاناں علوی دہلویؒ کے تربیت یافتہ عالم شیخ نعیم اللہ بہرائچیؒ نے فرمایا ہے:

''اللہ تبارک و تعالیٰ نے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی روح کو مقدس بنایا ہے۔ آپؒ اکابر اولیاء اللہ میں سے تھے۔ اور علومِ ظاہری اور باطنی کے جامع تھے۔''

(حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کی نظر میں)

انھوں (شیخ نعیم اللہ بہرائچیؒ) نے اپنے شیخ (حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ) کے حوالے سے بیان کیا کہ:

''وہ اکثر امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بلند مرتبہ ایسے فضائل و کمالات بیان کیا کرتے تھے کہ جن کا تذکرہ اس مقام پر (عام لوگوں کے سامنے) نہیں کیا جا سکتا۔''

ایسے ہی شیخ غلام علی دہلویؒ ـــ جو کہ اُن کے جانشین اور اہم ترین خلفا میں سے تھے ـــ سے یہ روایت ہے کہ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کہا کرتے تھے کہ:

''شیخ ابوعبدالعزیزؒ (شاہ ولی اللہؒ) بڑے محدث ہیں، جنھوں نے ایک تجدیدی طریقۂ کار اپنایا ہے۔ نیز مشکل علوم اور معارف کے اَسرار کی تحقیق میں ایک خاص طرز اپنایا ہے۔ وہ علما میں سے ایک ربانی عالم تھے۔ وہ ایسے صوفیائے محققین میں سے ہیں کہ جنھوں نے علم ظاہر اور علم باطن کو جمع کیا۔ اور نئے علوم کی تحقیق و تدوین کی ہے۔ شاید کہ ان جیسا آدمی سوائے گنتی کے چند ایک افراد کے اور کوئی نہ پایا جاتا ہو۔ **واللّٰہ أعلم**'' (171)

(شیخ محسن یمانیؒ کی نظر میں)

شیخ محسن یمانیؒ لکھتے ہیں:

''شاہ ولی اللہ (دہلویؒ) پر اعتراض کرنے والا جاہلوں میں سب سے بڑا جاہل ہے۔ اس کے دل میں ایسی بیماری ہے، جس کے علاج کی امید نہیں کی جاسکتی۔ اس بیماری سے اس کی آنکھیں اتنی اندھی ہوچکی ہوں کہ وہ یہ نہیں دیکھ سکتا کہ اللہ نے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو علومِ دینیہ میں بڑا بلند مرتبہ خصوصی طور پر عطا کیا ہے۔ ان کے ہاتھوں یقینی علوم کے درس و تدریس کا کام دنیا بھر میں پھیلا ہے۔ اس سلسلے میں آپؒ نے انتہا درجے کی جدو جہد اور کوشش کی ہے۔

یہاں تک کہ وہ مجتہد فی المذھب کے مرتبے پر پہنچے۔ انھوں نے بہت سی اُلجھی ہوئی باتوں کو کھول کر بیان کرنے کی مشقت برداشت کی ہے۔'' (172)

شیخ محسن یمانیؒ مزید لکھتے ہیں:

''شیخ ابوعبدالعزیز (شاہ ولی اللہؒ) اگرچہ علما میں سے منفرد خصوصیات کے حامل افراد میں سے تھے، لیکن آپؒ کا شمار امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ اور اُن کے صاحبینؒ کے مذہبِ نعمان کے مطابق حنفیّین میں سے ہوتا تھا۔ جیسا کہ چاروں محمدیّین اصحابِ شافعیؒ میں سے شمار ہوتے ہیں اور حافظ ابن عبدالبرؒ اور ابن العربیؒ اور شیخ لخمیؒ، امام مالکؒ کے اصحاب میں شمار ہوتے ہیں۔ حال آں کہ ان تمام حضرات کے دونوں مذہبوں (مذہب شافعیؒ اور مذہب مالکؒ) میں تفردات پر مبنی اقوال بے شمار ہیں۔'' (173)

شیخ محسن یمانیؒ لکھتے ہیں:

''شیخ ابوعبدالعزیز (شاہ ولی اللہؒ) نے علم کے ایسے طریقوں کی جانب رہنمائی کی، جو بہت زمانے سے چھوڑے جا چکے تھے۔ انھوں نے جمود کی شکار ایسی طبیعتوں میں تحریک پیدا کی، جو بہت زمانے سے ٹھہری ہوئی تھیں۔ یہ بات کمزور لوگوں پر بڑی بھاری گزری۔ ان کے چہرے تنگی اور ملال میں مبتلا ہوگئے اور مخالفت میں کالے سیاہ ہوگئے۔ چناں چہ وہ اپنے ہی کمزور خیالات کے ٹھہرے پانی میں ڈبکیاں لگانے لگے اور اپنی ہی بے ہوشی کی وادیوں میں چکرانے لگے۔ ان کے وہ اعتراضات، جو انھوں نے شاہ صاحبؒ پر کیے، اور ان کے جن اقوال پر نکتہ چینی کی، وہ ایسے منفرد اقوال نہیں تھے کہ محققین میں سے کسی نے بھی ان کی موافقت نہ کی ہو۔ حال آں کہ ہمیشہ علما میں سے اونچے درجے کے محققین اور فقہا میں سے بلند مرتبت لوگ ایسا ہی تحقیقی مذہب اختیار کیا کرتے ہیں اور اسی مشرب کو پسند کیا کرتے ہیں۔ ان کے مقاصد و اَہداف بھی یہی تھے۔ بلند درجہ محققین بھی ان مقاصد کے حصول کے لیے اسی طرح جدوجہد کرتے تھے۔ چناں چہ شاہ صاحبؒ پر تنقید کا ہونا کوئی نئی بات نہیں۔ یہ بات صرف آپؒ کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے، بلکہ جو آدمی بھی بلند درجہ معزز لوگوں کے راستے پر چلتا ہے، اس پر کون سا عتاب و ناراضگی ایسی ہے کہ نہ آئی ہو۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے ع

و عیّرنی الواشون أنّی اُحبّھا
و تلک شکاۃ ظاھر عنک عارُھا

(نکتہ چینی کرنے والے مجھے شرم دلاتے ہیں کہ مجھے اس سے محبت

ہے۔ یہ ایک ایسی شکایت ہے، جس کا تیری طرف سے ظاہر ہونا بھی
شرم کا باعث ہے۔) (174)

(شیخ یمانیؒ کی امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اتباع کی وصیت)

شیخ محسن یمانیؒ لکھتے ہیں:

''حق بات یہ ہے کہ بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپؒ کے ذریعے سے علم کو سر بلند کیا ہے۔ اس کی عزت کو روشن کیا ہے۔ ان کے نفسِ قدسیہ سے علم کے چراغ کی لو تیز تر ہوئی ہے۔ آپؒ کی وجہ سے علوم کے انوار روشن ہوئے ہیں۔ آپؒ کے ہاتھ سے علم کے مٹے ہوئے نشانات کی تجدید ہوئی ہے۔ آپؒ کی جدوجہد سے علم کے بلند مقامات کی اصلاح ہوئی ہے۔

بے شک حدیث، اس میں پورا تفقہ وشعور اور سلوک وطریقت اور اس کے مفاہیم کی پوری مہارت اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک کہ تمام مسالک کے درمیان ایک نئی شاہراہ نہ کھولی جائے اور تحقیق کا راستہ نہ اختیار کیا جائے۔

جس نے ابھی تک شاہ صاحبؒ کی اتباع اختیار نہیں کی، اسے اور اس جیسوں کے لیے یہ نصیحت ہے کہ وہ ادب واحترام کے ساتھ شاہ ولی اللہ (دہلویؒ) کے متبعین میں شامل ہو جائے۔ ورنہ شاہ صاحبؒ کی بے ادبی سے (اللہ کے سامنے) کسی سفارش کرنے والے سے بھی محروم ہو جائے گا۔'' (175)

شیخ محسن یمانیؒ لکھتے ہیں:

''ابوعبدالعزیز (شاہ ولی اللہ دہلویؒ) کی قبر بڑی مشہور ہے۔ قدیم شہر دہلی (محلّہ مہندیان) میں ان کی مسجد کے پہلو میں قبلے کی طرف بائیں ہاتھ آپؒ کی قبر کی زیارت کی جاتی ہے۔ یہی وہ جگہ ہے، جہاں اُن کا اپنا قیام رہا ہے۔ شیخ عبدالعزیز (دہلویؒ) اور ان کے گھر کے دیگر افراد ان کے قریب دفن ہیں۔ اللہ نے مجھ پر بڑا انعام کیا کہ میں ان کے مزارات کی زیارت کے لیے حاضر ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ ابوعبدالعزیز (شاہ ولی اللہ دہلویؒ) اور ان کی جماعت کے اہم ترین لوگوں سے راضی ہو جائے۔ ان کی کرامت کا وافر حصہ اللہ اپنے معزز بندوں کو عطا کرے۔ میری جانب سے انھیں بہت اچھی جزا اور بدلہ عنایت کرے کہ وہ مسلمانوں کے ائمہ میں سے ایک بہت بڑے امام تھے۔ اللہ مجھے ان کی معیت میں متقین اور نیک لوگوں کے ساتھ جنت میں جمع کرے۔ اور ان کا حشر انعام یافتہ جماعت انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین کے زمرے میں

کرے۔ ان کی رفاقت بہت ہی اچھی ہے۔

و الحمد لِلّٰہ ربّ العالمین.

(سب تعریفیں اسی اللہ رب العالمین کی ہیں)'' (176)

ان چار فصلوں کے ضمن میں "الیانع الجنی" کی منتخب عبارتیں یہاں پر مکمل ہوگئیں۔

(شیخ محسن یمانی کی تحریر پیش کرنے کا مقصد)

ہم نے شیخ محسن یمانیؒ کی طویل ترین عبارت یہاں پر بیان کی ہے، تاکہ ہم اپنے دیوبندی بھائیوں کو متنبہ کرسکیں کہ وہ اپنے ائمہ کے علوم کو زندہ کرنے کے لیے پوری ہمت کے ساتھ جدوجہد کریں۔ ان کی سیرت وسوانح کا پورا اتباع کریں۔ اس لیے کہ یہ کتاب ''الیانع الجنی'' دیوبندی جماعت کے اماموں میں سے ایک امام کی بیان کی گئی باتوں کو سامنے رکھ کر تحریر کی گئی ہے۔ میری مراد اس سے امام (شاہ) عبدالغنی (مجددی) بن ابوسعید دہلوی مدنیؒ ہیں۔ وہ ہمارے تمام دیوبندی مشائخ، جیسا کہ شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم دیوبندی، شیخ الاسلام مولانا رشیداحمد گنگوہی، شیخ العلام مولانا محمد یعقوب دیوبندی اور ہمارے استاذ مولانا شیخ الہند محمود حسن دیوبند رضی اللہ عنہم کے اساتذہ اور مشائخ میں سے ہیں۔

جب بھی ہم کوئی بات حضرت شیخ محمود حسن کے حوالے سے بیان کرتے ہیں، تو وہ ایسی بات ہوتی ہے، کہ جس کی موافقت ہمارے تمام مشائخ کرتے ہیں۔ **و اللّٰہ الموفّق و الھادی**

فصل (7) امام ولی اللہ دہلویؒ الہامی طور پر ہندوستان میں تحریکِ تجدید پر مامور

امام ولی اللہ دہلویؒ "فیوض الحرمین" میں فرماتے ہیں:

''میں نے خواب کی حالت میں اپنے آپ کو دیکھا کہ میں ''قائم الزّمان'' ہوں۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے خیر اور بھلائی کا نظام قائم کرنے کا ارادہ کیا تو اُس نے اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لیے مجھے اپنا آلۂ کار بنایا۔

میں نے دیکھا کہ کافروں کا حکمران مسلمان ملکوں پر تسلط حاصل کرلیتا ہے۔ اُن کے مالوں کو لوٹتا ہے اور انھیں غلام بنا لیتا ہے۔ اُس نے ''اجمیر'' شہر میں کفر کے شعائر (نظام) کو غالب کردیا۔ اسلام کے شعائر (اور نظام) کو ختم کر کے رکھ دیا۔ اللہ کی پناہ۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ زمین والوں پر شدید ناراض ہوا۔ میں نے اس غضب کی حالت کو ملاءِ اعلیٰ میں متمثّل شکل میں دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ ملاءِ اعلیٰ کی جانب سے اپنے نفس پر پیدا ہونے والی تاثیر کے نتیجے میں، مَیں بھی بہت غصے اور غضب کی حالت میں ہوں۔ میں اس وقت لوگوں کے ایک بہت بڑے جم غفیر میں ہوں۔ میں نے دیکھا کہ لوگ بھی میرے غصے اور ناراضگی کی وجہ سے سخت

غضب ناک حالت میں ہیں۔

(''فکّ کلّ نظام'' کا اعلان)

اس حالت میں لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ:

"**ماذا حکم اللّٰه فی هٰذه السّاعة؟**" (اس وقت اللہ کا حکم کیا ہے؟)

میں نے کہا: ''**فکُّ کلّ نظام**" (ہر بوسیدہ نظام کو توڑنا)

لوگوں نے پوچھا: "**إلٰی متٰی؟**'' (کب تک؟)

میں نے کہا: ''**إلٰی أن ترونی سکت غضبی**"

(یہاں تک کہ تم مجھے دیکھو کہ میرا غصہ ٹھنڈا ہوگیا)

پس وہ دشمن کے ساتھ باہم لڑنے لگے۔ پھر میں نے ایک شہر کا رُخ کیا اور اس کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ وہاں کے ظالم لوگوں سے میں نے لڑائی کی۔ باقی لوگوں نے بھی اس سلسلے میں میری پیروی کی۔ حتیٰ کہ ہم ایک شہر کے بعد دوسرے شہر کے نظاموں کو توڑتے اور انھیں تہ و بالا کرتے ہوئے آگے بڑھتے گئے، یہاں تک کہ ہم ''اجمیر'' پہنچ گئے۔

پھر میں نے دیکھا کہ کافر اور ظالم بادشاہ کو قوم نے پکڑ لیا، اس کو نیچے گرالیا اور چھری سے اسے ذبح کر دیا۔ جب میں نے خون اس کے گلے کی رگوں سے تیزی سے نکلتا ہوا دیکھا تو میں نے کہا:

''اب اللہ کی رحمت نازل ہوئی۔ اطمینان وسکون ان لوگوں کے شامل حال ہوگیا، جنھوں نے اس جہاد وقتال میں حصہ لیا تھا۔ وہ سب اللہ کی رحمت میں شامل ہوگئے۔''

ایک آدمی میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس نے مجھ سے ان مسلمانوں کے بارے میں سوال کیا، جو آپس کی لڑائیوں میں قتل ہوگئے۔ تو میں نے جواب دینے میں کچھ توقف کیا اور واضح جواب نہیں دیا۔

میں نے یہ خواب جمعہ کی رات ۲۱/ ذوالقعدہ ۱۱۴۴ھ (177) (16/مئی 1732ء) کو (مکہ مکرمہ میں) دیکھا۔'' **انتھٰی ملخّصًا** (178)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں: اس خواب کا مصداق اور اس کی تعبیر، جنوبی ہندوستان کے صابی دشمنوں کا مرہٹوں کی قیادت میں ایک ملّی تحریک کی صورت میں ظاہر ہونا ہے۔ اور ان کا بہت سی ہندوستانی ریاستوں جیسے اجمیر وغیرہ کے مراکز پر تسلط حاصل کر لینا ہے۔ پھر مسلمانوں کا ان سے لڑائی لڑنا اور ان کو ''دہلی'' کے قریب واقع شہر ''پانی پت'' کے معرکے (1761ء) میں شکست دینا ہے۔

(علامہ غلام علی) آزاد بلگرامیؒ نے "خزانۂ عامرہ" میں لکھا ہے:

"۱۱۴۶ھ (1734ء) میں دکن کے علاقے سے ہندوستان کو تاخت و تاراج کرنے کے ارادے سے (مرہٹہ سردار) باجی راؤ نے پیش قدمی کی۔ امیر الامرا حسین علی خان شیعی نے ۱۱۴۸ھ (1735ء) میں بادشاہ کو راضی کر کے "مالوہ" کی صوبے داری باجی راؤ کو سپرد کر دی۔ ۱۱۶۳ھ (1750ء) میں بالاجی راؤ گرفت میں آ گیا۔ اور ذوالقعدہ ۱۱۷۴ھ (1761ء) کو (پانی پت کی جنگ میں) غصے کی حالت میں مر گیا۔" انتہٰی (179)

اسی لیے ہم نے دسویں دور کے دوسرے طبقے کا آغاز نادر شاہ کے ۱۱۵۱ھ (1738ء) میں ہندوستان پر حملے سے کیا ہے۔ اور اس دور کا اختتام ۱۱۷۴ھ (1761ء) میں "پانی پت" کے میدان میں مسلمانوں کی فتح پر کیا ہے۔ اس زمانے کا سیاسی تقاضا "فکّ کلّ نظام" (ہر بوسیدہ نظام کا توڑنا) اور ہر پُرانی تعمیر کو ختم کرنا تھا۔ کیوں کہ اس زمانے میں مسلمانوں کی اجتماعی قوت اور طاقت ختم ہو چکی تھی، اس لیے نئے اجتماع کے لیے رابطے پیدا کرنا ضروری تھا۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے "حجة اللّٰه البالغه" میں اس انقلاب کے بنیادی اصول مقرر کر دیے تھے۔ انھوں نے "التّفهيماتِ الإلٰهيه" میں ہندوستانی اجتماع (سماج) میں موجود ہر جماعت اور گروہ کو اس حوالے سے متنبہ کیا۔ اس کے نتیجے میں یہ اُمرا ہوش میں آئے اور جمع ہو کر "پانی پت" کے میدان میں دشمن سے جنگ لڑی۔

پھر امام عبدالعزیز (دہلویؒ) آئے اور انھوں نے ہندوستان کے جمہور عوام کو جگایا۔ اور انھیں حکومت کے قیام کے لیے سیاسی طور پر منظّم کیا۔

تیسری نوع؛ امام عبدالعزیز بن امام ولی اللہ دہلویؒ کا تذکرہ

امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ تیرہویں صدی کے شروع کے مجدد ہیں۔ وہ ہندوستان میں اس تجدیدی تحریک کے (دوسرے) امام ہیں۔

فصل (1۔ امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے حالاتِ زندگی)

شیخ محسن یمانیؒ "اليانع الجنی" میں لکھتے ہیں:

(شاہ عبدالعزیز "سراج الہند" ہیں)

"ہمارے رہنما اور باعثِ برکت شیخ عبدالعزیز بن ولی اللہ دہلویؒ، جو اپنے زمانے میں ہمارے علما کے مشائخ میں سے ہیں اور اُن کے استاذ کے صاحبزادے ہیں، بعض لوگوں نے ان

کا لقب ''سراج الہند'' رکھا ہے۔ ان سے پہلے کے زمانے میں شیخ الاجل شیخ نصیرالدین دہلویؒ خلیفہ سلطان المشائخ (خواجہ نظام الدین دہلویؒ) چشتی کا لقب ''سراجِ دہلی'' تھا۔

(ولادت اور تعلیم وتربیت)

آپؒ ۱۱۵۹ھ (1746ء) میں پیدا ہوئے۔ آپؒ نے علم حدیث اور تمام مروّجہ علومِ اسلامی اپنے والد گرامی سے حاصل کیے۔ بعض علوم ان سے پڑھ کر، جب کہ بعض دوسرے علوم ان سے سن کر براہِ راست حاصل کیے۔ پوری تحقیق، عقل وشعور، غور وفکر اور پوری توجہ کے ساتھ ان علوم پر عبور حاصل کیا۔ یہاں تک کہ آپؒ کو تمام علوم میں ملکہ راسخہ حاصل ہوگیا۔

جب آپؒ کے والدِ گرامی (حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ) اس دارِ فانی سے کوچ کر کے اللہ کی رحمت کے جوار میں تشریف لے گئے، تو آپؒ نے اپنے والد کے تربیت یافتہ اونچے درجے کے شاگردوں (جیسے مولانا محمد عاشق پھلتیؒ اور خواجہ محمد امین کشمیری ولی اللّٰہیؒ) سے استفادہ کیا۔ اور ان سے خوب نفع اٹھایا۔ جو علوم اپنے والد سے پڑھنے سے رہ گئے تھے، ان سے حاصل کیے۔ حتیٰ کہ آپؒ نے اپنے زمانے کے فضلا پر بلند مرتبہ حاصل کرلیا۔

(درس وتصنیف میں مشغولیت)

لوگ علوم حاصل کرنے کے لیے دور دراز سے آکر آپؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے لگے۔ دور ونزدیک کے تمام لوگوں نے آپؒ کے علمی کمالات کا اقرار کیا۔ آپؒ ہمیشہ علومِ دین کے پھیلانے میں مسلسل مصروف رہے۔ ان کے انوارات سے آپؒ کا چہرہ ہمیشہ تروتازہ رہا کرتا تھا۔ آپؒ نے ان علوم کو بہت عمدہ انداز میں لوگوں کے سامنے بیان کیا۔ آپؒ زیادہ تر درس و تصنیف میں مشغول رہا کرتے تھے۔

(تربیت یافتہ جماعت کی تیاری)

اللہ تعالیٰ نے جو خصوصیتیں اور کمالات آپؒ کو عطا کی تھیں، ان میں سب سے بڑی یہ تھی کہ آپؒ کو شاگردوں کی ایک بہترین جماعت میسر آگئی۔ اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو قائم کرنے کا ارادہ کرلیتا ہے تو اس کے اسباب بھی جمع کردیتا ہے۔ اللہ نے اس جماعت کے ذریعے سے گھٹا ٹوپ اندھیروں اور ظلمتوں کو ختم کردیا۔ اس زمانے کی تمام خرابیوں کا خاتمہ کر کے ایک روشن دور کا آغاز کردیا۔ چناں چہ اس جماعت کے ذریعے سے آپؒ کے علوم و اَفکار کے پھیلاؤ کی تحریک بڑی مضبوطی سے آگے بڑھی۔ اس جماعت کے لوگ آپؒ کے دست و بازو

بن گئے۔ انھوں نے آپؒ کے شروع کیے ہوئے کاموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ ان کے ذریعے سے آپؒ کے علوم پھیلے۔ اُن کے بعد بھی ان علوم کے آثار اور نشانات قائم و دائم رہے۔

(شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی بلند تر نسبت)

امام شاہ عبدالعزیزؒ کمال اور شہرت کے ایسے مقام تک پہنچے کہ ہندوستان کے لوگ ان کے ساتھ اپنی علمی اور فکری نسبت قائم کرنے پر فخر کرتے ہیں، بلکہ ان کے شاگردوں کے ساتھ نسبت بھی قائم ہونے پر بڑا فخر محسوس کرتے ہیں۔ الغرض یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپؒ میں فضل وکمال کی تمام قسموں کو جمع کر دیا تھا۔ جو آپؒ کے ہم عصر لوگوں میں مختلف اور منتشر تھیں۔ اللہ ان سے راضی ہو اور ان کو اس امت کے سلفِ صالحین میں شامل فرمائے۔ اور ان کا حشر اس امت کے بڑے ائمہ میں سے سابقین اولین کے ساتھ فرمائے۔'' **انتہٰی ملخّصًا** (180)

(شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی امامت کا دور)

میں یہ کہتا ہوں کہ: امام عبدالعزیز دہلویؒ امام تھے۔ اور انتہائی بردبار شخص تھے۔ اللہ نے آپؒ کو توفیق دی کہ آپؒ نے اپنے والد امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے طریقے کو پھیلایا۔ آپؒ ۱۱۵۹ھ (1746ء) میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر اپنے والد کے شاگردوں مثلاً شیخ محمد امین کشمیری ولی اللّٰہیؒ اور شیخ محمد عاشق پھلتیؒ اور شیخ نور اللہ بڈھانوی دہلویؒ سے تعلیم حاصل کی۔ آپؒ شیخ محمد بن سنہ عمری متوفی ۱۱۸۶ھ (1772ء) کی جانب سے حاصل اجازتِ عامہ میں بھی شامل تھے۔

امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ مسلسل علوم و معارف اور اُن کے فوائد کو پھیلانے اور اس کی تجدید میں اُسی دن سے مشغول ہو گئے تھے، جس دن لوگوں نے آپؒ کو ۱۱۷۶ھ (1762ء) میں اُن کے والدِ گرامی کی مسند پر بٹھایا تھا۔ یہاں تک کہ ۱۲۳۹ھ (1824ء) میں آپؒ کی وفات ہو گئی۔ آپؒ گیارہویں دور (۱۱۷۴ھ تا ۱۲۷۴ھ/ 1761ء تا 1857ء) میں پہلے طبقے کے آخر میں ہیں۔

(شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے شاگردوں کے چند طبقات)

شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے شاگردوں کے چند طبقات ہیں:

1۔ پہلے طبقے میں:

(i) آپؒ کے بھائی شیخ رفیع الدین دہلویؒ

(ii) دوسرے بھائی شیخ عبدالقادر دہلویؒ

(iii) شیخ عبداللہ (شاہ غلام علی) دہلوی مظہریؒ

(iv) شیخ عبدالحیٔ بن (ہبۃ اللہ بن) نور اللہ دہلویؒ (بڑھانوی) **صدر السّعید** ہیں۔

2۔ دوسرے طبقے میں:

(i) **صدر الشّھید** محمد اسماعیل بن عبدالغنی بن ولی اللہ (دہلویؒ)

(ii) **صدر الحمید** محمد اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن اسماعیل بن منصور بن احمد عمری (فاروقی)

(iii) **امیر الشّھید** سیّد احمد حسنیؒ

(iv) شیخ رشید الدین کشمیریؒ، چاروں حضرات دہلویؒ ہیں۔

3۔ تیسرے طبقے میں:

(i) شیخ مخصوص اللہ بن رفیع الدین دہلویؒ

(ii) شیخ محمد یعقوب بن محمد افضل دہلوی مکیؒ

(iii) شیخ ابوسعید دہلوی مظہریؒ

(iv) شیخ خالد کردی دِمشقیؒ ہیں۔

فصل (2۔امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی خصوصیات)

رجب ۱۱۸۷ھ یا ۱۱۸۸ھ (1773/74ء) (181) میں امام عبدالعزیز دہلویؒ نے خواب کی حالت میں امامِ انقلاب امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے شرفِ ملاقات حاصل کیا۔ امیر المؤمنینؓ نے آپؒ کے سامنے اجتماعی حالت کی خرابیوں کی نشان دہی کی۔ اور ان کی اصلاح کا طریقۂ کار بیان کیا۔ اس کے بعد سے امام عبدالعزیز (دہلویؒ) بڑی استقامت کے ساتھ امیر المؤمنینؓ کے ارشاد کے مطابق کام کرتے رہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُن کے عزائم اور ارادوں میں برکت ڈالی۔ اُن کی زندگی میں ہی عام مسلمانوں میں اصلاح وتبدیلی کی روح سرایت کرگئی۔ اُن کے تیار کردہ حضرات عام مسلمانوں کے تعاون سے اصلاح وتبدیلی کے لیے اٹھ کھڑے ہوگئے۔ یہاں تک کہ انھوں نے "**جادۂ قویمہ محمدیہ**" (محمدیؐ اُسوۂ حسنہ کی شاہراہِ فکر وعمل) کو زندہ کرنے کے لیے ایک عارضی ہندوستانی حکومت قائم کی۔ اور ایسا بارہویں صدی ہجری کے نصفِ اوّل میں ہوا۔

(شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی خواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات اورسوال و جواب)

(امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی) "**امالئ عزیزیہ**" میں ہے کہ:

"فقیر نے خواب میں دیکھا کہ ایک بڑا میدان ہے اور وہاں ایک سفید بُراق کی طرح کا

فرش بچھا ہوا ہے۔ اس فرش پر عمدہ لباس پہنے ہوئے نورانی صورت کے بہت سے لوگ موجود ہیں۔ وہ جنابِ حضرت امیر (حضرت علی رضی اللہ عنہٗ) کی مبارک آمد کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔فقیر نے اِن سے اُن کے بارے میں دریافت کیا اور پھراس فرش پر بیٹھ گیا۔

اچانک جناب امیر (حضرت علی رضی اللہ عنہٗ) قبلے کی جانب سے تشریف لے کر آئے اور اس فرش کی طرف متوجہ ہوئے۔ تمام لوگ آپؓ کی تعظیم و اکرام کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ لوگ فرش کے آخری سرے پر آپؓ کے انتظار میں کھڑے ہوگئے۔فقیر بھی اس فرش کے درمیان میں کھڑا تھا۔ لوگوں کے سخت ہجوم کی وجہ سے فرش کے کنارے تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ آپؓ تشریف لائے اور لوگوں کی صف کو چیرتے ہوئے اس فقیر کے قریب پہنچے اور چہار زانو تشریف فرما ہوگئے۔فقیر بڑے ادب کے ساتھ دو زانو ہو کر آپؓ کے سامنے بیٹھ گیا۔

حضرت امیرالمؤمنینؓ نے مجھ پر بڑی مہربانی اور شفقت فرمائی۔انھوں نے کسی سے کوئی گفتگو نہیں فرمائی۔صرف اس فقیر کے ساتھ ہی ہم کلام ہوئے۔فقیر نے اس موقع کو غنیمت جانا۔ چند چیزیں، جو اس وقت میرے ذہن میں موجود تھیں، اُن کے سامنے پیش کیں اور اُن کا درست جواب پایا۔

(1۔ایک کتاب کے بارے میں تحقیق)

پہلی بات جو آپؓ نے فرمائی، وہ یہ تھی کہ:

''میں نے سنا ہے کہ ایک شخص نے پشتو زبان میں ایک کتاب لکھی ہے۔اس کتاب میں کچھ چیزیں میری تحقیر کی درج ہیں۔تمھیں اس بات کی اطلاع ہے یا نہیں؟''

فقیر نے عرض کیا کہ:''بندہ پشتو نہیں جانتا کہ اس زبان کی کتابوں کے حال سے آگاہ ہوتا۔آپ کی فرمائی ہوئی بات کی مَیں تحقیق ضرور کروں گا۔''

(2۔فقہی مذاہب میں افراط وتفریط)

اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ:

''فقہا کے مذاہب میں سے جناب کا پسندیدہ مذہب کون سا ہے؟

آپؓ نے فرمایا کہ:''کوئی مذہب میرا پسندیدہ نہیں ہے۔'' یا یہ فرمایا کہ:

''(کوئی بھی) ہمارے طرز کے مطابق نہیں ہے، سب میں افراط وتفریط پیدا ہوگئی ہے۔''

(3۔طریقت کے سلسلوں میں افراط وتفریط)

اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ:

''اولیاء اللہ کے طریقوں میں سے کون سا طریقہ جنابِ عالی کو پسند ہے؟''

تو آپؒ نے فرمایا کہ:

''اس معاملے میں بھی ہمارا وہی جواب ہے۔اس لیے کہ ہر طریقے میں ہمارے طریقے کے خلاف بہت سی ناپسندیدہ چیزیں پیدا ہوگئی ہیں۔ان میں کوئی نہ کوئی کمی پیدا ہوگئی ہے۔اس لیے کہ طریقت کے اصل زمانے میں تقرُّب اِلیٰ اللہ (اللہ کی قربت) کے حصول کے لیے جو معمولات مقرر کیے گئے تھے،ان میں ذکر اللہ کے ساتھ تلاوتِ قرآن اور نماز بھی شامل تھی،لیکن آج انھوں نے فقط ذکر کو تو اپنا معمول بنالیا ہے، جب کہ تلاوتِ قرآن اور نماز کو تقرُّب اِلیٰ اللہ کے لیے معمول نہیں سمجھتے۔''

(4۔ذکر اللہ کے ساتھ تلاوت اور نماز سے نسبت کا حصول)

اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ:

''تلاوتِ قرآن اور نماز کو کس طریقے پر اپنا معمول بنانا چاہیے کہ تلاوتِ قرآن اور نماز کے حوالے سے آپ کے طریقۂ معمولات کا ہمیں علم ہو جائے۔اس سلسلے میں آپؒ اپنی زبان سے کوئی بات بیان فرما دیں!''

اس سے پہلے کہ آپؒ جواب دیتے، مجھے اپنے باطن میں کچھ تاثیر معلوم ہونے لگی اور میرے باطن کی حالت میں ایسی تبدیلی پیدا ہونے لگی کہ جسے (لفظوں میں) بیان نہیں کیا جاسکتا۔اس وقت میں نے اس سوال کا جواب اپنے باطن میں موجود پایا۔

(5۔حضرت علیؓ سے شاہ صاحبؒ کی بیعت)

میں نے یہ بھی عرض کیا:

''اگرچہ مجھے بحمداللہ طریقت کے بہت سے سلسلوں کے ذریعے جنابِ عالی کے توسل حاصل ہے،لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ بلاواسطہ آپ سے بیعت کروں۔''

آپ جناب نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور فقیر کا ہاتھ پکڑ کر بیعت فرمائی۔اس وقت فقیر کے باطن میں بہت زیادہ (علوم ومعارف کا) القا ہوا۔

(6۔صحابہؓ کے باہمی اختلاف کی حقیقت)

اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ:

''اکثر صحابہ کرامؓ اور خاص طور پر قریشی لوگوں نے آپ جناب عالی سے بہت زیادہ جھگڑے اورلڑائیاں کی ہیں۔ان کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے؟ اور یہ کیوں کر ہوئیں؟''

تو آپؓ نے ان کی حقیقت بیان فرمائی کہ:

''ہم ان سے برادرانہ شکایت رکھتے تھے۔'' یا یہ فرمایا کہ: ''ہم آپس میں برادرانہ شکایت رکھتے تھے۔اور ہمارے درمیان کچھ شک رنجیاں تھیں۔ بعد میں غیرسمجھ دار لوگوں نے اس کو دور دراز تک پہنچا دیا اور بہت زیادہ پھیلا دیا۔''

(7۔سادات کی ایک جماعت کے بارے میں سیّد ہونے کی نفی)

اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ:

''فلاں جماعت خود کو سیّد کہلواتی ہے اور جنابِ عالی کی اولاد میں سے اپنے آپ کو ظاہر کرتی ہے۔''

آپؓ نے فرمایا کہ:

''وہ جماعت میری اولاد میں سے نہیں ہے۔ وہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔''

اس کے بعد یکا یک آپؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور جدھر سے تشریف لائے تھے، اسی طرف بڑی تیزی سے واپس چلے گئے۔ جب کہ دوسرے تمام لوگ جو منتظر تھے، حیرت میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔کاش کہ یہ صحبت تھوڑی دیر اور لمبی ہو جاتی۔'' انتھٰی (182)

فصل (3۔امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے اہم کام)

(الف۔ولی اللّٰہی جمعیتِ علم وفکر کی تشکیل)

امام عبدالعزیزؒ نے اپنے بھائیوں اور اپنے شاگردوں کو ان کی صلاحیت اور استعداد کے مطابق تعلیم و تربیت دینے کا اہتمام کیا تھا۔ان حضرات نے عام اہل علم کے ہاں رائج شدہ تمام علوم وفنون کی تکمیل کی۔ اس کے بعد انھوں نے فقہ، تصوف، تفسیر، حدیث اور حکمت و فلسفہ میں ''**طریقۂ محمدیہؐ**'' (محمدی اُسوۂ حسنہ) کے ''**جادۂ قویمہ**'' (شاہراہِ فکروعمل) کو دوبارہ زندہ کرنے کی دعوت دی۔اس طرح انھوں نے ولی اللّٰہی نظریہ اور فکر کی علمی جمعیت قائم کی۔

(ب۔فتویٰ دارالحرب اور سیاسی تنظیم کا قیام)

انگریز دہلی میں ۱۲۱۸ھ مطابق 1803ء میں داخل ہوئے۔امام عبدالعزیز دہلویؒ نے بعض اہل علم کی رائے کے برخلاف دہلی کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ جاری فرمایا۔(183)

انھوں نے اپنے والد حکیم الہند امام ولی اللہ دہلویؒ کے نظریات پر ایک سیاسی جماعت منظّم کرنے کی جدوجہد کا آغاز کیا۔اس سیاسی جماعت میں عام لوگوں کی شمولیت کو آسان بنانے کے لیے یہ ضروری سمجھا کہ اس جماعت کا امیر وہ ہو، جو اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبی تعلق رکھتا ہو۔ چناں چہ ۱۲۲۲ھ (/1807ء۔ صحیح یہ ہے: ۱۲۱۸ھ/ 1803ء۔ آزاد (184)) میں امیر شہید سیّداحمد بریلویؒ، آپؒ کے شاگردوں میں داخل ہوئے۔ وہ سید ابوسعید بریلوی ولی اللّٰہیؒ کے خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب امام حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب کی اولاد میں امام نفس زکیہؒ کے ساتھ جا ملتا تھا۔ امام عبدالعزیز (دہلویؒ) نے ۱۲۲۵ھ (1810ء) میں انھیں عسکری تربیت کے حصول کے لیے بھیجا۔ وہ اس سے ۱۲۳۱ھ (1816ء) میں فارغ ہوئے۔

اس کے بعد امام عبدالعزیز دہلویؒ نے انھیں دینی شعائر کے غلبے کا داعی بنایا اور دعوت کی اس تحریک کا امیر مقرر کردیا کہ وہ:

(الف) معاشرتی اور معاشی اصلاح کرکے سیّدالمرسلین ﷺ کی اتباع میں حددرجہ جدوجہد کریں۔

(ب) دین متین کے غلبے کے لیے جہاد کریں۔

صدرالسعید مولانا عبدالحئی دہلویؒ اور صدرالشہید مولانا محمد اسماعیل دہلویؒ اس عظیم مہم میں آپؒ کے ساتھ دووزرا کی حیثیت سے رہے۔ جب کہ صدرالحمید مولانا محمد اسحاق دہلویؒ دہلی ہی میں مقیم رہے۔تاکہ وہ امام عبدالعزیزؒ کی اعانت اوران کی نیابت کی ذمہ داریاں نبھائیں۔اس لیے کہ امام عبدالعزیزؒ اپنی آخری عمر میں آشوبِ چشم کی وجہ سے نابینا ہوگئے تھے۔

(ج۔شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی قائم کردہ سیاسی جماعت نے حکومت قائم کی)

اس جماعت نے ہندوستان کے بہت سے علاقوں کا سفر کیا۔اُس نے ۱۲۳۶ھ (1821ء) میں دین حق کے داعی تمام بستیوں اور شہروں میں پھیلا دیے۔انھوں نے جہاد کی دعوت کا اعلان کردیا۔محرم ۱۲۴۱ھ (1825ء) میں سندھ، قندھار اور کابل سے ہندوستان کی سرحد پر واقع افغان علاقے کے پہاڑوں کی جانب ہجرت کا آغاز ہوا۔

پھر ۱۲/ جمادی الثانیہ ۱۲۴۲ھ (11/ جنوری 1827ء) کو پنجتار میں عارضی ہندوستانی حکومت قائم کی۔

صدر السعید مولانا عبدالحئی دہلویؒ (اخیر رجب) ۱۲۴۳ھ (فروری 1828ء) (185) میں انتقال فرما گئے۔ان کے بعد شیخ محمد حسن رام پوریؒ صدر الشہیدؒ (مولانا محمد اسماعیل) کے ساتھ شامل ہوگئے، جو کہ دیوبندی جماعت کے بڑے لوگوں میں سے تھے۔ایسے ہی امیر الشہیدؒ کی رفاقت میں دیوبندی جماعت کے امام سید عبدالرحیم افغانی (ولایتی شہیدؒ) بھی رہے۔ (186)

اس جماعت کے یہ حضرات کشمیر کی حدود کے قریب ایک چھوٹے سے شہر ''بالاکوٹ'' میں ۲۷/ ذوالقعدہ ۱۲۴۶ھ (9/مئی 1831ء) میں اسی جدوجہد میں شہید ہوگئے۔اور انگریزوں کی سازشوں، مسلمان اُمرا کی رجعت پسندانہ سوچ اور عام مسلمانوں کی غداری کی وجہ سے یہ حکومت ختم ہوگئی۔

شیخ محسن یمانیؒ ''الیانع الجنی'' میں لکھتے ہیں:

''شیخ اسماعیل بن عبدالغنی (دہلویؒ) اس مشہور جنگ میں شہید ہوگئے، جب سکھ کافر دشمن نے ان پر حملہ کیا۔ جو لوگ وہاں موجود تھے، انھوں نے ہی نقصان پہنچایا۔ اپنے امام کی بیعت توڑ دی۔ وہ دشمن کے ساتھ مل گئے۔انھوں نے مسلمانوں کا خون بہانے میں اُن کا ساتھ دیا۔''

انتھٰی (187)

(د۔شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے جانشین؛ شاہ محمد اسحاق دہلویؒ)

اب دہلی میں صدر الحمیدؒ (شاہ محمد اسحاق دہلوی) باقی رہ گئے۔ وہ امام عبدالعزیز (دہلویؒ) کی زندگی میں جن اُمور کو سرانجام دیا کرتے تھے، انھیں کاموں میں مشغول رہے۔ پھر ان کے قائم مقام بن کر ۱۲۶۲ھ (1846ء) تک ہندوستان میں مسلسل دینِ حق کے داعی تیار کرنے اور انھیں پورے ملک میں پھیلانے کا کام کرتے تھے۔

انھوں نے اپنے بھائی شیخ محمد یعقوب دہلویؒ کے ساتھ ۱۲۵۸ھ (1842ء) میں ہجرت کی۔ اور مکہ مکرمہ کو اپنا مرکز بنا کر اس جماعت کی تجدید کا آغاز کیا۔ یہاں تک کہ ۱۲۶۲ھ (1846ء) میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ پھر ان کے حکم سے ان کے قائم مقام شیخ محمد یعقوب دہلویؒ ۱۲۷۲ھ (1856ء) تک کام کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ۱۲۸۳ھ (1866ء) میں (دارالعلوم دیوبند کے قیام سے) یہ کام ہمارے دیوبندی مشائخ کے پاس منتقل ہوگیا۔ چناں چہ مدرسہ دیوبند کا سنگِ بنیاد ۱۵/محرم ۱۲۸۳ھ مطابق 29/مئی 1866ء کو رکھا گیا۔ رضی الله عنهم أجمعين. (اللہ تعالیٰ ان تمام سے راضی ہوجائے۔)

چوتھی نوع

گیارہویں دور کے ائمہ میں سے امام عبدالعزیز دہلویؒ کی جماعت کا تذکرہ

گیارہویں دور (۱۱۷۴ھ/ 1761ء تا ۱۲۷۴ھ/ 1857ء) کے چند (تین) طبقات ہیں:

پہلا طبقہ: ہم نے گیارہویں دور کا پہلا طبقہ ۱۱۷۴ھ (1761ء) میں معرکۂ پانی پت سے لے کر افغان علاقے کے پہاڑوں کی جانب ہجرت کی ابتدا، یعنی ۱۲۴۴ھ (1828ء) تک کو قرار دیا ہے۔

دوسرا طبقہ: ہندوستان کی تجدیدی تحریک کے ارکان کے ساتھ مخصوص ہے۔ یعنی ۱۲۴۱ھ (1825ء) سے لے کر ۱۲۵۸ھ (1842ء) تک، جس زمانے میں صدر الحمید (حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) نے حجاز کی طرف ہجرت کی تھی۔

تیسرا طبقہ: ۱۲۵۸ھ (1842) سے ۱۲۷۴ھ (1857ء) تک، جس سال دہلی میں جنگِ آزادی لڑی گئی۔

فصل (1) امام رفیع الدین بن امام ولی اللہ دہلویؒ کا تذکرہ

شیخ محسن یمانی ''**الیانع الجنی**'' میں لکھتے ہیں کہ:

''امام عبدالعزیز کے تربیت یافتہ جماعت میں سے اہم ترین فرد، ان کے بھائی حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ ہیں۔ (علوم و افکار کی ترتیب و تدوین میں) وہ ایک محقق اور ماہر کی حیثیت رکھتے ہیں اور اپنے ہم عصروں سے کئی درجہ بلند مقام رکھتے ہیں۔ وہ علومِ شرعیہ کے علاوہ پہلے لوگوں کے دیگر علوم سے بھی انتہائی باخبر شخصیت ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اہلِ علم میں ان جیسے لوگ بہت کم پائے جاتے ہیں۔ ان کی بڑی عمدہ تصنیفات ہیں۔ ان میں سے بعض میں نے دیکھی ہیں۔

میرا مشاہدہ ہے کہ بہترین علوم وفنون پر انھوں نے بہت مختصر متن لکھے ہیں، جنھیں عمدہ انداز میں ترتیب دیا ہے۔ وہ اپنی کتابوں میں ایسے مخفی اشارات بیان کرجاتے ہیں کہ جن پر عام طور سے مطلع ہونا مشکل ہوتا ہے۔ اُن کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ بکھرے ہوئے بہت سے مسائل کو مختصر الفاظ میں ایک جگہ جمع کر کے بیان کر دیتے ہیں۔

علم حقائق کے بعض مشکل مسائل میں ان کی کتاب ''**دمغ الباطل**'' بڑی مشہور ہے۔ اس علم سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے اس کی بڑی تعریف کی ہے۔ ان کی ایک اَور مختصر و جامع کتاب ہے، جس میں انھوں نے کائنات کی تمام اشیا میں ''محبت'' کے جاری و ساری ہونے کی حقیقت بیان کی ہے اور انسانوں میں محبت کے مختلف مراحل کی وضاحت کی ہے۔ اس کتاب کا

نام ”اسرار المَحبّہ“ رکھا ہے۔ ان کے علاوہ بہت کم لوگوں کو ایسا اتفاق ہوا ہے کہ انھوں نے ”مَحبّت“ کے موضوع پر ایسے انداز میں گفتگو کی ہو۔

مجھے نہیں معلوم کہ ان سے پہلے فلاسفہ میں سے دو آدمیوں ابونصر فارابی اور ابوعلی سینا کے سوا کسی اور نے اس موضوع پر لکھا ہو۔ (188) جیسا کہ علامہ نصیر الدین طوسی کے کلام سے سمجھ میں آتا ہے۔ باقی اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے۔“ انتھٰی (189)

میں کہتا ہوں کہ: شیخ محسن نے جو یہ کہا ہے کہ ”انھوں نے مختصر متن عمدہ انداز میں ترتیب دیے ہیں۔“ اس جملے سے ان کا اشارہ امام رفیع الدین کی کتاب ”تکمیل الأذهان“ کی طرف ہے۔ یہ کتاب علم (تین فنون: ۱) منطق، (۲) تحصیلِ (علوم وفنون) اور (۳) فن تطبیق الآرا پر مشتمل ہے۔ اور دارالعلوم دیوبند میں پڑھائی جاتی ہے۔ وہاں کے اساتذہ کی اسانید ایک تسلسل کے ساتھ امام رفیع الدین دہلویؒ تک جاتی ہیں۔ امام رفیع الدین دہلویؒ کا انتقال (۶/شوال) ۱۲۳۳ھ (09/اگست 1818ء) کو ہوا۔

فصل (2) امام عبدالقادر بن امام ولی اللہ دہلویؒ کا تذکرہ

شیخ محسن یمانیؒ ”الیانع الجنی“ میں لکھتے ہیں:

”امام عبدالعزیز کے تربیت یافتہ اصحاب میں اہم ترین فرد اُن کے بھائی شاہ عبدالقادر دہلویؒ ہیں۔ وہ علوم وفنون کے بڑے فاضل تھے۔ دین میں انتہائی ورع وتقویٰ کے حامل تھے۔ وہ بڑے پرہیزگار اور متقی لوگوں میں سچی فہم وفراست اور حسن سیرت کی خصوصیات کے حامل تھے۔ ان پر بسا اوقات غیب کی باتوں کا الہام بھی ہوتا ہے۔ مجھ سے ثقہ اور قابل اعتماد لوگوں نے ان کی بعض ایسی کرامات اور خرقِ عادت باتیں بتلائی ہیں، جن سے اللہ نے انھیں نوازا تھا۔

ان سے علما کی ایک بڑی جماعت نے علوم حاصل کیے۔ جن میں اہم ترین ہمارے شیخ علامہ ابوالعُلا فضل حق عمری خیرآبادیؒ ہیں۔ ان جیسا آدمی آنکھوں نے دیکھا نہ ہوگا۔ انھوں نے کئی مرتبہ شاہ صاحب سے اپنے فیض حاصل کرنے کا تذکرہ کیا ہے۔ میں نے انھیں حضرت شاہ صاحب کی تعریف کرتے ہوئے کئی بار دیکھا ہے۔ اور وہ ان کی کرامات کے واقعات بھی ہمیں سنایا کرتے تھے۔“ انتھٰی (190)

ہم امام ولی اللہ دہلویؒ کے تذکرے میں شیخ محسنؒ کی وہ بات نقل کر چکے ہیں، جو انھوں نے ان کے ترجمہ قرآن (موضح القرآن) کے بارے میں کہی ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

”انھیں (شاہ ولی اللہ دہلویؒ) کے انفاسِ قدسیہ سے فیض یاب ہوتے ہوئے اور انھیں کے طرز اور نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ان کے صاحبزادے شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے اردو زبان میں

قرآن کا بہترین ترجمہ (موضحِ قرآن) کیا ہے۔ اس طرح ان کے بعد، لوگوں کے لیے ترجمہ کرنا آسان ہوگیا۔ اس حوالے سے وہ اور ان کی اتباع کرنے والے لوگ ایک اہم رہنما کے طور پر سامنے آئے۔'' (191)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: شیخ عبدالقادر دہلویؒ اردو زبان میں قرآن عظیم کے ترجمہ وتفسیر میں امام کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن حکیم کے معانی اخذ کرنے میں ہمارے دیوبند کے مشائخ کی اسانید حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی تک ایک تسلسل کے ساتھ جا ملتی ہیں۔ ہمارے استاذ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ تو وہ شخصیت ہیں، جنھوں نے ان کے ترجمہ قرآن کی (اپنے دور کی زبان کے مطابق) اصلاح کی ہے۔ اور (''موضحِ فرقانِ حمید'' کے نام سے) اس کی تہذیب وتدوین کی ہے۔

شاہ عبدالقادر دہلویؒ کا انتقال (۱۹/رجب) ۱۲۳۰ھ (28/جون 1815ء) کو (بدھ کے دن) ہوا۔

(تذکرہ شیخ فضل حق خیرآبادیؒ تلمیذ حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ)

شیخ فضل حق عمری خیرآبادیؒ، جن کی تعریف شیخ محسن یمانیؒ نے کی ہے، وہ شخصیت ہیں، جو پہلے صدرالشہید (حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ) سے علم الکلام کے بعض مسائل میں بحث و مباحثہ اور معارضہ کرتے رہے۔ چناں چہ بعض ایسے افراد، جو ہندوستان کی تجدیدی تحریک میں شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے سیاسی پروگرام کے مخالف تھے، ان کے ساتھ شامل ہوگئے۔ انگریزوں کی پارٹی کے سیاسی لوگوں نے ہندوستانی مہاجرین اور افغانوں کے درمیان اختلاف پیدا کرنے کے لیے ان سے تعاون لیا تھا۔

اس کے بعد شیخ فضل حق خیرآبادیؒ ہندوستانیوں کی انگریزوں کے خلاف لڑی جانے والی جنگِ آزادی (1857ء) میں انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ چناں چہ ۱۲۷۴ھ (1857ء) میں انگریزوں کے تسلط کے بعد انھیں جزائر ''انڈیمان'' کی طرف جلاوطن کردیا گیا۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ (192)

(اے ہمارے ربّ! ہمیں بھی معاف فرما اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی، جو ہم سے ایمان لانے میں سبقت لے جانے والے تھے۔)

فصل (3) امیر الشہید سیّد احمد (شہید) بن سید محمد عرفان حسنیؒ کا تذکرہ

آپؒ کا نام اور نسب اس طرح ہے:

''سیّد احمد بن محمد عرفان بن محمد نور بن محمد ہدی بن سید علیم اللہ نقشبندی بن سید محمد فضیل بریلوی۔''

حضرت سیّد صاحبؒ جائے پیدائش کے حوالے سے بریلوی ہیں اور دینی مرجعیت کے حوالے سے

دہلوی ہیں۔ ۱۲۰۱ھ (1887ء) میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۲۲ھ (صحیح یہ ہے: ۱۲۱۸ھ/ 1803ء) (193) میں دہلی آئے اور حضرت شیخ عبدالقادر دہلویؒ کے پاس قرآن عظیم کا ترجمہ پڑھا۔

سرسیّد احمد دہلوی ''آثار الصّنادید'' میں لکھتے ہیں:

''اوائل حال میں شوقِ طالبِ علمی میں وطن سے واردِ شاہ جہان آباد (دہلی) ہوکر مسجد اکبر آبادی میں فروکش ہوئے۔ صرف ونحو میں فی الجملہ سواد (ملکہ) حاصل کیا۔ اکثر خدمتِ مسجد اور اس مقام کے واردوں، خصوصاً درویشانِ پاک طینت کی — جو تحصیلِ علمِ باطنی کے شوق میں جناب مولانا (شاہ) عبدالقادر (دہلویؒ) کی خدمت میں حاضر رہتے — خاطر داری اور سرانجام مہام میں ایسے بہ دِل سرگرم ہوئے، گویا اس امر کو اہم مہام (بڑا اہم) سمجھے ہوئے تھے۔'' انتھٰی (194)

انھوں نے چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور مجددیہ طریقہ امام عبدالعزیز دہلویؒ سے حاصل کیا۔ انھوں نے سنتِ نبویہؐ کے ''**جادۂ قویمۂ محمّدیہؐ**'' (متعین کردہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) کو زندہ کرنے کے لیے ''**طریقۂ محمّدیہؐ**'' کو جاری کیا۔ ۱۲۲۵ھ (صحیح ۱۲۲۷ھ/ 1812ء ہے۔ آزاد (195)) میں انھیں امام عبدالعزیز دہلویؒ نے عسکری امور میں مہارت حاصل کرنے کے لیے بھیج دیا۔ پھر انھوں نے سیّد صاحبؒ کو 1816ء (صحیح ۱۲۳۳ھ/ 1818ء ہے۔ آزاد (196)) میں اتباعِ سنت اور جہاد کی دعوت کے لیے امام مقرر کر دیا۔ آپؒ کے ساتھ علما میں سے صدرالسعید (مولانا عبدالحئیؒ بڈھانویؒ) اور صدر الشہید (شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ) کو بہ طورِ وزیر مقرر کر دیا اور تمام کاموں کے لیے ان تینوں کی شوریٰ بنادی۔ جس حکمتِ عملی پر یہ تینوں اتفاق کرلیں تو اُسے امام عبدالعزیز دہلوی کے حکم کی حیثیت حاصل ہوتی تھی۔ (197)

۱۲۳۷ھ (صحیح ۱۲۳۵ھ/ 1820ء ہے۔ آزاد (198)) میں ان (تینوں) حضرات نے کتاب ''صراطِ مستقیم'' لکھی۔ انھوں نے اس میں ''ولایتِ نبوت'' کے طریقے کو منضبط کر دیا۔ انھوں نے اسے صوفیا کے طریقوں؛ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور مجددیہ کا مرکز ومحور بنا دیا۔ اس کتاب میں **قطب المحققین**، کامل عارفوں کے فخر، اللہ کو زیادہ جاننے والے شیخ، (امام) ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ کی اصطلاحات سے اس طریقۂ ولایتِ نبوت کی مطابقت پیدا کی۔ (199)

اس کے بعد انھوں نے (شوال) ۱۲۳۶ھ/ (جولائی) 1821ء کو جہاد کی دعوت کا اعلان کر دیا۔ (عملی طور پر) اس کی ابتدا انھوں نے حج کے (اجتماعی) اعمال سے کی۔ (چناں چہ ذوالحجہ ۱۲۳۷ھ/ 1822ء کو انھوں نے حج ادا کیا۔) (200) ۱۲۳۹ھ/ 1824ء میں وہ اس سے فارغ ہوئے۔ ۱۲۴۱ھ/ 1825ء میں انھوں نے جہاد کے لیے قوت جمع کرنی شروع کر دی۔ پھر افغان شہروں اور پہاڑی علاقوں کی طرف ہجرت

کی۔ ۱۲؍ جمادی الثانیہ ۱۲۴۲ھ/ (11؍) جنوری 1827ء کو ایک ہندوستانی عارضی حکومت قائم کی۔ اس کی سربراہی سیّد احمد (شہیدؒ) نے کی۔ اکثر افغانیوں نے امیر (کے طور پر اُن) کی امامت تسلیم کی اور ان کی بیعت کی۔ وہ لوگ شریعتِ اسلامی کے احکامات میں ان کی اطاعت کرنے لگے۔ اسی طرح ہندوستان میں رہنے والے ولی اللّٰہی لوگوں نے بھی ان کی امامت کو تسلیم کیا اور بیعت کی۔ یہ لوگ مالی اور اَفرادی قوت سے ان کی مدد کرنے لگے۔ اس کام کا مرکزی ادارہ دہلی میں تھا۔ صدرالحمید مولانا محمد اسحاق دہلویؒ اس ادارے کے مدیر اور منتظم تھے۔

اب مسلم پنجاب پر تسلط رکھنے والی (سکھ) قوتوں اور اس جماعت کے درمیان ہونے والی جنگ' برابر کی دو قوتوں کی لڑائی بن گئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی رائے میں یہ صورتِ حال تشویش ناک تھی۔ ان حالات میں کمپنی نے ولی اللّٰہی جماعت کے مخالف مسلمانوں کی مدد حاصل کی۔ اور ان کی مالی امداد کر کے انھیں افغان علاقوں میں پہنچایا۔ انھوں نے وہاں جا کر وطن پرست افغانوں اور ہندوستانی مہاجرین کے درمیان اختلافات پیدا کیے۔

ان لوگوں کے فتنہ پھیلانے کا ایک طریقہ تو یہ تھا کہ ولی اللّٰہی جماعت پر یہ الزام لگایا جاتا کہ یہ ایسے حنفی نہیں ہیں، جیسا کہ افغان شہروں کے علما و فقہا حنفی ہیں۔ (201) اسی طرح افغانیوں میں یہ پروپیگنڈا بھی کیا جاتا تھا کہ ان کی حکومت کا سربراہ اور امیر ایک ہندوستانی کیسے ہوسکتا ہے؟ افغانیوں میں عام جاہل لوگ اس پروپیگنڈے سے متأثر ہوگئے۔ نیز بعض معاملات میں خیرخواہوں کے مشورے کو نظرانداز کر کے امیر صاحبؒ نے اپنی رائے سے چند فیصلے کیے۔ چناں چہ افغان لوگوں میں یہ تأثر یہاں تک پہنچ گیا کہ انھوں نے پہلے تو حکومت کے کارندوں کو قتل کرنا شروع کردیا اور پھر اس جماعت کے مخالفین کی مدد اور تعاون کرنے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیر اور ان کے ساتھی بالاکوٹ میں ۲۷؍ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ/ (9؍ مئی) 1831ء کو کفار کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ (202)

ان شہدا میں ہمارے دیوبندی مشائخ کے ائمہ میں سے امیر شہیدؒ کے معاون سید عبدالرحیم افغانی (شہیدؒ) اور صدر الشہیدؒ کے معاون شیخ محمد حسن رام پوری (شہیدؒ) بھی تھے۔ رام پور، دیوبند کے قریب ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔

امیر شہیدؒ کی شہادت کے بارے میں ان کے ماننے والوں میں اختلاف پیدا ہوگیا:

(1) (امیر شہید کی شہادت کے بعد) صدرالحمید شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کے متبعین نے ایک جماعت بنائی۔ اس جماعت کے لوگ امیر شہیدؒ کی شہادت کا یقین رکھتے تھے اور جہاد کی دعوت دیتے تھے۔ ہم نے اس جماعت کا نام ''حزبِ دہلوی'' (دہلوی پارٹی) رکھا ہے۔

(2) شیخ ولایت علی مبارک پوری عظیم آبادی کے متبعین نے ایک دوسری جماعت بنائی، جو کہ امیر شہیدؒ کے واپس لوٹنے کا انتظار کرتی رہی۔ یہ لوگ امیر (سیّداحمد بریلویؒ) کی آمد سے پہلے جہاد کو درست نہیں سمجھتے تھے۔ اس جماعت کا نام ہم نے ''حزبِ صادق پوری'' (صادق پوری پارٹی) رکھا ہے۔

شیخ شمس الحق عظیم آبادیؒ (رہنما صادق پوری پارٹی) ''عَونُ المَعبُود'' میں لکھتے ہیں:

''اکثر عوام اور بعض خواص غازی شہید الامام الامجد سیّداحمد بریلوی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ جہاد کے معرکے میں شہید نہیں ہوئے، بلکہ وہ لوگوں کی آنکھوں سے چھپ کر پوشیدہ حالت میں رہ رہے ہیں۔ وہ اس عالم میں اب تک زندہ موجود ہیں۔ بعض لوگ اس حد تک چلے گئے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ ہم نے ان سے مکہ معظّمہ میں مطاف میں ملاقات کی ہے۔ پھر وہ وہاں سے غائب ہوگئے۔ ان کا گمان یہ ہے کہ وہ عنقریب واپس لوٹ آئیں گے۔

یہ بالکل غلط ہے۔ صحیح اور حق بات یہ ہے کہ سید امامؒ شہید ہو چکے ہیں۔ وہ لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہرگز نہیں ہیں۔ ان کے بارے میں جتنی بھی راویات بیان کی جاتی ہیں، وہ مَن گھڑت اور جھوٹی ہیں۔ اگر ان میں کچھ سچی بھی ہوں تو ان کا صحیح مطلب سمجھنا ضروری ہے۔ امیر سید شہیدؒ کی زندگی اور ان کے پوشیدہ رہنے کے سلسلے میں جھگڑا بہت لمبا ہوگیا ہے، یہاں تک کہ لوگوں نے اسے اپنے عقیدے کا حصہ بنالیا ہے۔ جو اُن کے زندہ ہونے کا انکار کرتا ہے، اس سے جھگڑتے ہیں۔ ان لوگوں کے اس عمل پر اللہ تعالیٰ سے ہی ہم شکایت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس غلط اور واہی تباہی عقیدے سے اپنی پناہ میں رکھے۔'' انتھٰی (203)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: (اس تحریر میں) ''بعض خاص لوگوں'' سے مراد شیخ جلیل امیر ولایت علی صادق پوری عظیم آبادی ہیں، جنھوں نے اس بات کی بھرپور دعوت دی۔ اس سلسلے میں ایک بڑی جماعت نے ان کی پیروی کی، جو بہ تدریج کم ہوتی جا رہی ہے۔ یہ لوگ وہ ہیں کہ جنھیں حنفیہ، رحیمیہ، ولی اللّٰہیہ، عزیزیہ، اسماعیلیہ اور اسحاقیہ طریقے سے نکال دینا چاہیے۔ انھیں اُن لوگوں کے دائرے سے بھی نکال دیا جائے، جنھوں نے 1857ء کی جنگِ آزادی لڑی تھی۔ ہم اس جماعت کا نام ہی ''صادق پوری پارٹی'' رکھتے ہیں۔ اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے۔

نواب صدیق حسن قنوجیؒ ''حِجَجُ الکِرامہ'' میں لکھتے ہیں:

''عظیم آباد اور بنگال والوں کی ایک جماعت سیّداحمد بریلوی مرحوم کے بارے میں بھی ''دعویٰ مہدیت'' کا گمان رکھتی ہے۔ یہاں تک کہ ان کے مریدوں نے اس سلسلے میں چالیس

احادیث بھی جمع کی ہیں۔ انھیں درمیان میں آنے والے مہدی قرار دیا ہے۔ اس جماعت کے لوگ ان کے غائب ہونے کے قائل ہیں اوران کے واپس آنے کے منتظر ہیں۔ یہ بڑی گمراہی ہے۔ یہ کسی طرح بھی درست نہیں۔ اس لیے کہ سید مرحوم نے کبھی بھی ایسا دعویٰ نہیں کیا۔ انھوں نے دوبارہ لوٹ کر آنے کا کوئی اشارہ ظاہر نہیں کیا ہے۔ اگر انھوں نے ایسا کوئی دعویٰ کیا ہے تو اس کی تصدیق کسی سے نہیں ہوتی۔" انتھٰی (204)

"حارق الأشرار" کے مصنف (شیخ فتح اللہؒ) نے کہا ہے ع

حق نے اسماعیلؒ کی عزت یہ کی　　لاش کو کفار سے ذلت نہ دی
پردۂ رحمت سے اپنے ڈھانک لیا　　کی تلاش اعدا نے ، لیکن کب ملی
دشت دیکھا گرچہ سَو سَو بار ہے

سیّد احمدؒ کو بھی وہ رتبہ ملا　　لاش کا ان کی نہیں پایا پتا
ورنہ ان دونوں کو کافر بے حیا　　کھینچتے اور کرتے رسوا جابجا
دوست کی ذلت سے حق کو عار ہے

ہے کسی شیطان نے ایسا لکھا　　مہدیٔ غازی ، امامِ اولیا
ڈر کے باعث غار میں جا کر چھپا　　جب وہ نکلے تب لڑے وہ باصفا
کیا بُرا یہ فرقۂ اَشرار ہے

موت سے خائف جو خود ہووے امام　　کیوں نہ ہوں ڈرپوک پھر اس کے غلام
لغو ہیں ان کی کتابیں لاکلام　　کذب ہے، بہتان ہے، باطل حرام
غرق کردینا انھیں درکار ہے

انتھٰی تلخیصہ" (205)

فصل (4) صدرالسعید مولانا عبدالحیٔ بن ہبۃ اللہ دہلویؒ کا تذکرہ

شیخ محسن یمانیؒ "**الیانع الجنی**" میں لکھتے ہیں:

"امام (شاہ) عبدالعزیز دہلویؒ کے تربیت یافتہ اصحاب میں ان کے داماد مولانا عبدالحیٔ بکری (بڈھانویؒ) بھی ہیں۔ انھیں فقہ پر بڑا اچھا عبور حاصل تھا۔ وہ درسی کتابوں کو بڑی اچھی طرح پڑھاتے تھے۔" انتھٰی (206)

میں کہتا ہوں کہ: صدرالسعید (مولانا عبدالحیٔ) نے تینوں بھائیوں: یعنی امام عبدالعزیز دہلویؒ، امام رفیع الدین دہلویؒ اورامام عبدالقادر دہلویؒ سے تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ اساتذہ کو تعلیم وتربیت دینے میں امام

کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھیں علوم حاصل کرنے کے فنی ملکات پیدا کرنے کے طریقۂ کار کا بڑا تجربہ تھا۔ عقلی فنون کے سلسلے میں ہمارے دیوبندی مشائخ کا سلسلۂ سند انھیں تک پہنچتا ہے۔

ان کا انتقال عارضی حکومت میں فتنہ وانتشار پیدا ہونے سے پہلے (اخیر رجب) ۱۲۴۳ھ (فروری 1828ء) میں ہندوستانی سرحد پر واقع (دریائے سندھ کے) کنارے (بستی ''خار'') میں ہوگیا تھا۔ (ان کا مزار بٹ خیلہ مالاکنڈ کے مشہور قبرستان میں واقع ہے۔)

فصل (5) صدر الشہید مولانا شاہ محمد اسماعیل بن عبدالغنی بن امام ولی اللہ دہلویؒ کا تذکرہ

شیخ محسن یمانیؒ ''الیانع الجنی'' میں لکھتے ہیں:

''امام عبدالعزیز دہلویؒ کے تربیت یافتہ اصحاب میں ان کے بھتیجے حضرت شاہ (محمد) اسماعیل بن عبدالغنی بھی ہیں۔ وہ اپنے زمانے کے لوگوں میں بہت زیادہ ذہین وفطین تھے۔ وہ اللہ کے دین میں سب سے زیادہ قربانی دینے والے اور سنت رسول اللہ کی بہت زیادہ حفاظت کرنے والے تھے۔ اتباعِ سنت کی طرف دعوت دینے اور اس کے لیے انتہائی غیرت مند اور سخت تھے۔ بدعات کو ردّ کرتے تھے اور بدعتیوں کی خرافات کا بہترین جواب دیتے تھے۔

ان کی تصنیف کردہ کتابوں میں:

1۔ تصوف میں ''صراطِ مستقیم''۔

2۔ ''الإیضاح (الحقّ الصّریح فی أحکام المیّت و الضّریح)''
سنت و بدعت کی حقیقت کے بیان میں ہے۔
یہ دونوں کتابیں بڑی مشہور ہیں۔ لوگ ان کی طرف بڑی رغبت رکھتے ہیں۔

3۔ ''اصول فقه'' فقہ میں ایک مختصر رسالہ ہے۔

4۔ ''تنویر العینین (فی إتّباع رفع الیدین)'' اس رسالے میں انھوں نے اپنے اکثر ساتھیوں کی رائے کے خلاف چند منفرد آرا بیان کی ہیں۔ ان میں سے ایک ''رفع یدین'' کی تشریح شوافع کے مذہب کے مطابق کی ہے۔ جیسا کہ یہی رائے احناف میں سے ابن عبدالہادی (207) (شیخ ابوالحسن کبیر سندھی) وغیرہ کی بھی ہے۔

ان مسائل میں سے ایک مقتدی کا امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنے کا جواز ہے۔ ایسی ہی ایک روایت امام محمد بن حسن (شیبانیؒ) سے بھی ہے۔ اکثر متأخرین کا اسی طرف رُجحان ہے۔ چناں چہ (شارح عقیدہ طحاویہ) ابن العزؒ (208) نے کہا ہے کہ:

''یہی قول امام ابوحفص کبیر بخاریؒ کا بھی ہے۔''

5۔ ایک اور کتاب (ردّ الإشراک و البدعة) توحید کے بیان اور شرک کے ردّ میں ہے۔
آپؒ مشہور جہاد (معرکۂ بالاکوٹ) میں اس وقت شہید ہوگئے، جب کہ سکھ کافروں نے ان پر حملہ کیا۔ اس وقت ان کے اپنے لوگوں نے انھیں چھوڑ دیا تھا۔ انھوں نے اپنے امام کی بیعت توڑ دی، حتیٰ کہ دشمن کے ساتھ مل کر حملہ آور ہوئے۔'' انتھٰی (209)

میں کہتا ہوں کہ: شیخ محمد اسماعیل (۱۲/ ربیع الثانی) ۱۱۹۳ھ/ (یکم مئی) 1779ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد (حضرت شاہ عبدالغنی دہلویؒ) کی وفات کے بعد ان کے چچا شیخ عبدالقادر دہلویؒ نے انھیں اپنے ساتھ رکھا اور ان کی کفالت کی۔ انھوں نے تینوں ائمہ (شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، شاہ رفیع الدین دہلویؒ، شاہ عبدالقادر دہلویؒ) سے تعلیم حاصل کی۔ شیخ عبدالقادر دہلویؒ نے اپنی نواسی سے ان کی شادی کی تھی۔ اس کے بطن سے ان کے ایک بیٹے محمد عمر پیدا ہوئے۔ جن کا انتقال ۱۲۶۸ھ (1852ء) میں ہوا۔

ان کی دیگر کتابوں میں ایک اہم کتاب:

6۔ ''عبقات'' بھی ہے، جو علم حقائق پر بہت عمدہ کتاب ہے۔
یہ کتاب دارالعلوم دیوبند کے درجہ تکمیل میں ''حجة اللّٰه البالغه'' اور ''تکمیل الأذهان'' کی طرح پڑھائی جاتی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں نے یہ کتاب حاصل کی۔ مجھے اس کتاب کو شائع کرنے کی اس وقت توفیق ہوئی، جب میں دیوبند میں ''جمعیت الانصار'' کا ناظم تھا۔

7۔ (منصبِ امامت: اس کتاب میں نبوت اور امامت کے بارے میں بڑی عمدہ تحقیق پیش کی ہے۔ آپ سے پہلے کسی نے اس موضوع پر ایسے عمدہ انداز میں گفتگو نہیں کی ہے۔ آزاد)

8۔ حضرت شاہ اسماعیلؒ کی توحید پر کتاب (تقوية الإيمان) میں نے اسلام کے اظہار سے پہلے پڑھی تھی۔ شرک کی خرابیوں کو سمجھنے میں اس کتاب نے مجھے بڑا نفع دیا تھا۔ یہاں تک کہ میرے اسلام لانے میں یہ کتاب بھی ایک بڑا سبب بنی تھی۔ اس لیے امام محمد اسماعیل شہیدؒ میرے شیخ اور امام ہیں۔ میں ان سے بہت زیادہ محبت کرتا ہوں۔ جیسا کہ لوگ اپنے مذاہب کے اماموں سے محبت کرتے ہیں۔ میرا سلسلۂ سند ہمارے دیوبندی مشائخ کے طریقے سے صدر الشہید تک ایک تسلسل کے ساتھ متصل ہوجاتا ہے۔

اُن کی شہادت ۲۷/ ذی القعدہ ۱۲۴۶ھ (09/ مئی 1831ء) کو ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگیا۔

ربّ توفّنی مسلماً و الحقنی من الصّالحین.

(اے میرے ربّ! مجھے مسلمان ہونے کی حالت پر موت دینا، اور ان نیک لوگوں کے

ساتھ مجھے شامل کرنا۔)

فصل (6) صدر الحمید شیخ محمد اسحاق دہلویؒ ثم مکی کا تذکرہ

شیخ محسن یمانیؒ ''الیانع الجنی'' میں لکھتے ہیں:

''امام عبدالعزیز دہلویؒ کے تربیت یافتہ اصحاب میں ان کے نواسے شیخ الاجل، محدث، ابوسلیمان، (شاہ محمد) اسحاق (دہلویؒ) ہیں۔ انھوں نے اپنے نانا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے تعلیم حاصل کی۔ ان کے بعد ان کی مسند پر بیٹھے۔ انھوں نے ان کے چھوڑے ہوئے کام کو عروج پر پہنچایا اور لوگوں کو بہت عمدہ طریقے سے فائدہ پہنچایا۔ انھوں نے اپنے نانا کے علوم و اَفکار کا فیضان لوگوں میں عام کیا۔ وہ بہترین فضائل کے حامل اور علم و تقویٰ وغیرہ کے حوالے سے بہت مشہور ہیں۔ بعض لوگوں کا ان کے بارے میں یہ کہنا ہے کہ: ''آپؒ تقویٰ پر پیدا ہوئے تھے۔''

انھوں نے مشکوٰۃ شریف کا ترجمہ (مظاہرِ حق) کیا۔ جو لوگوں میں بڑا مشہور اور پسند کیا جاتا ہے۔ انھوں نے مکہ مکرمہ ہجرت کر لی تھی۔ اور کئی سال تک وہاں قیام فرما رہے۔ آپؒ کا انتقال (روزے کی حالت میں پیر کے دن ۲۷/ رجب) ۱۲۶۲ھ (جولائی 1846ء) کو ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو ٹھنڈا رکھے۔ اور ان کا ٹھکانہ اچھا کرے۔ انھیں اچھا بدلہ عنایت کرے۔''

انتھٰی (210)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: شیخ (محمد اسحاق دہلویؒ ۱۰/ ذی الحجہ) ۱۱۹۷ھ (نومبر 1783ء) کو پیدا ہوئے۔ ان کا سلسلۂ نسب (محمد اسحاق بن محمد افضل بن اسماعیل بن منصور بن احمد عمریؒ) امام عبدالعزیز دہلویؒ کے نسب سے چوتھی پشت میں شیخ منصور بن احمد عمری پر جا کر مل جاتا ہے۔ انھوں نے تینوں ائمہ (شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، شاہ رفیع الدین دہلویؒ، شاہ عبدالقادر دہلویؒ) سے تعلیم حاصل کی تھی۔

حدیث کی کتاب ''مشکوٰۃ المصابیح'' کا جو اردو ترجمہ انھوں نے کیا تھا، اسے اُن کے شاگرد حضرت شیخ (نواب) قطب الدین دہلویؒ نے اپنی شرح ''مظاہر حق شرح مشکوٰۃ'' کے ساتھ ملا کر ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ اس سے اس کا نفع بہت عام ہو گیا۔

جن لوگوں کی سند امام شاہ عبدالعزیز (دہلویؒ) تک پہنچتی ہے، ان میں عام طور پر صدر الحمید (شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) کو علومِ دینیہ اور علم حدیث میں امام تسلیم کیا جاتا ہے، لیکن سیاسیات میں ان کی امامت کا آغاز ۱۲۵۷ھ (1841ء) میں مکہ مکرمہ کی جانب ہجرت کرنے کے بعد ہوا۔ سیاست میں ان کی امامت اُس جماعت کے لیے طے شدہ ہے، جو سیّد احمد (شہید) دہلویؒ کی شہادت تسلیم کرتی ہے۔

جہاں تک ان لوگوں کا معاملہ ہے، جنھوں نے ان (سیّد احمد شہیدؒ) کے ''امامِ غائب'' ہونے کا عقیدہ

اختیار کیا اور اس سلسلے میں انھوں نے شیخ الاجل مولانا ولایت علی صادق پوری کی موافقت کی، اور پھر ان کی آمد کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ انھوں نے سیاسیات میں صدر الحمید (شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) کی اطاعت نہیں کی۔ ان لوگوں نے ایک نئی جماعت کی بنیاد رکھی، جسے ہم ''صادق پوری جماعت'' کہتے ہیں۔ صادق پور عظیم آباد میں اس محلے کا نام ہے، جس میں شیخ ولایت علی رہتے تھے۔

''حزبِ دہلوی'' کی امامت صدر الحمید کی وفات (۱۲۶۲ھ/ جولائی 1846ء) کے بعد ان کے بھائی شیخ محمد یعقوب دہلویؒ مکی کو منتقل ہوگئی تھی۔

فصل (7) شیخ الاجل مولانا محمد یعقوب دہلوی مکیؒ کا تذکرہ

شیخ محمد یعقوب بن محمد افضل بن اسماعیل بن منصور بن احمد عمریؒ، صدر الحمید (شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) کے سگے بھائی ہیں۔ (۲۸/ ذی الحجہ) ۱۲۰۰ھ (22/ اکتوبر 1886ء) کو (دہلی میں) پیدا ہوئے۔ ان دونوں بھائیوں کی پیدائش اور حجاز کی طرف ان کی ہجرت کی پیشین گوئی امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے پہلے ہی کر دی تھی۔

شیخ محمد عاشق پھلتیؒ ''القول الجلی'' میں لکھتے ہیں:

''حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ:

''لوگوں کو آگاہ رہنا چاہیے کہ میرے یہ فرزندان ــــ کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم بہت زیادہ عطا ہوا ہے ــــ تمام کے تمام نیک بخت ہیں۔ ''مَلَکِیّة'' کی ایک خاص نوع ان کے اندر اپنا ظہور کرنا چاہتی ہے۔ لیکن غیبی تدبیر اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ دوسرے دو شخص پیدا ہوں گے۔ جو مکہ اور مدینہ میں کئی سالوں تک علومِ دین کے غلبے اور احیا کے لیے کام کریں گے۔ وہ انھیں مقامات کو اپنا وطن بنالیں گے۔ وہ اپنی ماں کے سلسلۂ نسب سے ہمارے ساتھ نسبی تعلق رکھیں گے۔ اس لیے کہ آدمی زادہ اپنی ماں کے وطن کی طرف طبعی میلان رکھتا ہے۔ اپنی ماں کے وطن کے علاوہ کسی اَور سرزمین کی طرف، کسی جماعت کا منتقل ہونا عام طور پر محال ہوتا ہے۔ ہاں! کسی جبر کی وجہ سے ایسا کرنا پڑے تو اَور بات ہے۔'' انتھٰی (211)

امیر (نواب صدیق حسنؒ) قنوجی نے ''القول الجلی'' کی مذکورہ بالا عبارت نقل کر کے لکھا ہے:

''بہ ظاہر اس پیشین گوئی کا مصداق حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے ہر دو نواسوں یعنی شاہ محمد اسحاق دہلویؒ اور شاہ محمد یعقوب دہلویؒ کے سوا اور کوئی نہیں ہے، کہ انھیں دونوں حضرات نے اپنے وطن دہلی سے ہجرت کی اور مکہ مکرمہ میں قیام کرنا پسند فرمایا۔ وہ کئی سالوں تک عربوں اور غیر عربوں میں علم حدیث کی روایت کو زندہ کرتے اور اس کی نگہداشت کرتے رہے۔''

نتھٰی (212)

میں کہتا ہوں کہ: ''علوم زندہ کرنے'' کا معنی صرف یہ نہیں کہ فقط حدیث کی روایت کو زندہ رکھا، بلکہ ان کی ایسی دعوت مراد ہے، جس میں نیک کاموں کا حکم دینا، برے کاموں سے روکنا، اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے جہاد کرنا وغیرہ سب شامل ہے۔ دینی علوم کے زندہ کرنے کے اس جامع کام میں یہ دونوں حضرات اپنی زندگی کے آخر تک پورے طور پر مشغول رہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو جائے۔

میں کہتا ہوں کہ: شیخ محمد یعقوب نے اپنے نانا امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اور ان کے تربیت یافتہ اصحاب میں سے بڑے لوگوں سے تعلیم حاصل کی تھی۔ خاص طور پر اپنے بڑے بھائی شاہ محمد اسحاق دہلویؒ سے بڑا فیض پایا۔ وہ ان کے بعد ان کے خلیفہ اور جانشین ہوئے اور متوسلین اور راہِ ہدایت کے طالبوں کو رہنمائی دیتے رہے۔ ''حزبِ دہلوی'' کی امامت انھیں کو حاصل ہوئی۔

ان کا انتقال (جمعہ کے دن) ۲۸/ذی قعدہ ۱۲۸۲ھ (14/اپریل 1866ء) کو ہوا۔ (213)

ان سے تعلیم اور فیض حاصل کرنے والوں میں شیخ مظفر حسین کاندھلویؒ، امیر امداداللہ تھانویؒ، شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ، ایسے دیوبندی جماعت کے اہم اساطین ہیں۔ مدرسہ دیوبند کی بنیاد ۱۵/محرم ۱۲۸۳ھ (29/مئی 1866ء) کو رکھی گئی۔ اس کے بعد ''حزبِ دہلوی''، ''دیوبندی جماعت'' کہلانے لگی۔

فصل (8) شیخ مخصوص اللہ دہلویؒ کا تذکرہ

شیخ محسن یمانیؒ نے ''الیانع الجنی'' میں لکھا ہے:

''شیخ الاجل شاہ مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدین عمری دہلویؒ اپنے والد شاہ رفیع الدین دہلویؒ کے انتقال کے بعد اپنے تایا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے دروس میں بڑے مقرب بن کر شریک ہوتے تھے۔ وہ انتہائی صلاح وتقویٰ سے موصوف رہے ہیں۔ قرطاس کے واقعہ یعنی دہلی کی جنگِ آزادی (1857ء) سے دو سال پہلے ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ شیخ عبدالغنی (مجددی) دہلویؒ نے ان سے کتاب ''مشکوٰۃ المصابیح'' پڑھی ہے۔'' انتہیٰ (214)

میں کہتا ہوں کہ: ۱۲۵۸ھ (1842ء) میں صدرالحمید (شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) کی ہجرت کے بعد امام عبدالعزیز دہلویؒ کے مدرسے میں وہ مدرّس رہے۔

ان کا انتقال (۱۳/ذی الحج) ۱۲۷۱ھ (27/اگست 1855ء) کو ہوا۔ (215)

فصل (9) شیخ علامہ رشیدالدین دہلویؒ کا تذکرہ

امام عبدالعزیز (دہلویؒ) کے تربیت یافتہ اصحاب میں علامہ رشیدالدین دہلویؒ بھی ہیں۔ وہ بڑے فاضل آدمی تھے۔ بہت سے علوم کے جامع تھے۔ علوم کے اکثر پہلوؤں پر بڑی مہارت رکھتے تھے۔ وہ

انتہائی عبادت گزار تھے۔ اہل سنت والجماعت کا دفاع کرنا ان کی عادت میں تھا۔

میں کہتا ہوں کہ: انھوں نے امام عبدالعزیز (دہلویؒ) سے (علوم قلم بند کرنے کا) طریقۂ تحریر اچھی طرح اخذ کیا تھا۔ ان کو اپنے دیگر ساتھیوں کے مقابلے پر اس میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ انھوں نے امام عبدالقادر (دہلویؒ) اور صدرالسعید (مولانا) عبدالحئی (بڑھانویؒ) سے بھی تعلیم حاصل کی تھی، لیکن انھوں نے خاص طور پر امام رفیع الدین دہلویؒ کی صحبت کو اپنے اوپر لازم کرلیا تھا۔

سرسیّد احمد دہلویؒ ولی اللّٰہی علی گڑھی اپنی کتاب "آثار الصّنادید" میں لکھتے ہیں:

"مولوی رشیدالدین خان شاگردِ رشید جناب مولانا رفیع الدین کے تھے۔ اور ان کی خدمت میں ایسا اخلاصِ وافر رکھتے تھے کہ حضرت موصوف آپ کی تربیت میں **مادام الحیٰوۃ** (اپنی زندگی تک) مصروف تھے۔ اگرچہ کسبِ کمال ان حضرات کے دونوں بھائی، یعنی مولانا عبدالعزیز اور مولانا عبدالقادر کی خدمت میں بھی کیا تھا، لیکن تکمیل جمیع فنون انھیں کی خدمت میں انصرام (اختتام) کو پہنچائی۔ جب تقاضائے موفور (بڑا تقاضا) حکام کی طرف سے وقوع میں آیا تو عہدۂ مدرّسی مدرسہ شاہ جہان آباد قبول فرمایا۔" انتہٰی (216)

میں کہتا ہوں کہ: شیخ رشیدالدین کا انتقال ۱۲۴۹ھ (صحیح محرم الحرام ۱۲۴۳ھ/ اگست 1827ء) میں ہوا۔ (217) اور ان سے ہمارے مشائخ کے استاذ مولانا مملوک علی نانوتویؒ نے دینی علوم اور تحصیلی فنون حاصل کیے تھے۔ وہ "دہلی کالج" میں مدرس مقرر ہوئے۔ مولانا مملوک علی (نانوتویؒ) کے بعد اسی کالج کی طرز پر مدرسہ دیوبند کی بنیاد رکھی گئی۔

فصل (10) شیخ علامہ (مفتی) الٰہی بخش کاندھلویؒ کا تذکرہ

یہ مفتی الٰہی بخش بن شیخ الاسلام کاندھلویؒ ہیں۔ انھوں نے امام عبدالعزیز دہلویؒ، امام شاہ رفیع الدین دہلویؒ اور امام عبدالقادر دہلویؒ سے تعلیم حاصل کی۔ وہ علوم و معارف کے حامل اور سنت کی اتباع کرنے والے فرد تھے۔ انھوں نے کتاب "مثنوی" پر بہت زیادہ توجہ دی (اور اس کا تکملہ لکھا)۔ ان سے ان کے بھتیجے شیخ مظفر حسین کاندھلویؒ اور شیخ (سیّد) محمد قلندر جلال آبادی نے تعلیم حاصل کی۔ ان کا انتقال (اتوار کی شام ۱۵/ جمادی الاخریٰ) ۱۲۴۵ھ (13/ دسمبر 1829ء) کو کاندھلہ میں ہوا۔

فصل (11) شیخ علامہ صدرالدین دہلویؒ کا تذکرہ

شیخ محسن یمانیؒ "الیانع الجنی" میں لکھتے ہیں:

"علامہ رشیدالدین کے ساتھیوں میں سے مفتی صدرالدین (آزردہ) بھی ہیں۔ انھیں دہلی

میں عدلیہ کی صدارت حاصل تھی۔ فتنے کے زمانے (1857ء کی جنگِ آزادی) تک وہ اس عہدے پر کام کرتے رہے۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ (دہلویؒ) سے علم حدیث کی تعلیم حاصل کی تھی۔ انھیں شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے نواسے شاہ محمد اسحاق صاحب نے اس کی اجازت لکھ کر دی تھی۔ اوراللہ زیادہ جانتا ہے۔'' انتہٰی (218)

میں کہتا ہوں کہ: مفتی صدرالدین (آزردہ) نے تینوں ائمہ (شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، شاہ رفیع الدین دہلویؒ، شاہ عبدالقادر دہلویؒ) سے تعلیم حاصل کی تھی۔

ان کا انتقال (۲۴/ربیع الاول) ۱۲۸۵ھ (15 جولائی 1868ء) میں ہوا۔

ان سے دیوبندی جماعت کے اساطین میں سے شیخ ذوالفقار علی دیوبندیؒ ـــــ والدِ گرامی حضرت شیخ الہندؒ ـــــ نے تعلیم حاصل کی تھی۔

پانچویں نوع: امام عبدالعزیز دہلویؒ کے مظہری اصحاب کا تذکرہ

فصل (1) امام شمس الدین حبیب اللہ محمد مظہر ہم عصر امام ولی اللہ دہلویؒ کا تذکرہ

شیخ محسن یمانیؒ ''الیانع الجنی'' میں امامِ ربانی شیخ احمد سرہندیؒ کے تذکرے کے بعد لکھتے ہیں:

''ان کے تربیت یافتہ متأخرین اصحاب میں سے اس طریقۂ (مجددیہ) کے نگران اور قیم شیخ شمس الدین مظہر المعروف (مرزا) ''جانِ جاناں'' شہید علوی تھے۔ وہ حضرت محمد بن حنفیہ کی اولاد میں سے ہیں۔ وہ بہت زیادہ فضائل وکمالات کے حامل ہیں۔ انھوں نے علم حدیث شیخ حاجی محمد افضل سیالکوٹیؒ سے پڑھا تھا۔ اور مجددیہ طریقہ اس سلسلے کے اکابرین سے حاصل کیا۔ سنتِ نبوؐیہ کی اتباع اور قوتِ کشفی میں ان کو بڑی مہارت تھی۔

ائمہ صوفیا اور محدثین ان کی فضیلت اور جلالتِ شان کی گواہی دیتے ہیں۔ جیسا کہ ان کے استاذ شیخ (حاجی محمد افضل) سیالکوٹیؒ، ابوعبدالعزیز (شاہ ولی اللہ دہلویؒ) اور حاجی فاخر الہ آبادی محدث کی بڑی شہرت تھی۔ انھوں نے بڑے عمدہ اشعار کہے ہیں اور بہترین نفع بخش خطوط و مکاتیب لکھے ہیں۔ وہ محدث شیخ محمد حیات سندھیؒ کے اس قول کو درست تسلیم کرتے تھے کہ:

''صحیح حدیث پر عمل کرنا واجب ہے۔ اگرچہ ایسی حدیث اپنے مسلک و مذہب کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔''

ان کا انتقال عاشورا (۱۰/محرم الحرام ۱۱۹۵ھ) کی رات شہادت کی حالت میں ہوا۔ بعض لوگوں نے ان کے سن وفات کی تاریخ، بعض احادیث میں وارد اِن الفاظ سے نکالی ہے:

"عاش حمید و مات شهیدًا." (۱۱۹۵ھ)

(قاضی ثناء اللہ اُموی ثم عثمانیؒ کا تذکرہ)

ان کے تربیت یافتہ اصحاب میں سے قاضی ثناء اللہ اُموی ثم عثمانی تھے، جو دہلی کے قریب ایک شہر ''پانی پت'' کے علما میں سے ہیں۔ وہ بڑے فقیہ، اصولِ فقہ کے ماہر، زہد وتقویٰ کے حامل اور مجتہد عالم تھے۔ انھوں نے مذہبِ حنفی میں مجتہد فی المذہب کی حیثیت سے کچھ تحقیقی مسائل اختیار کیے تھے۔ ان کی تفسیر، فقہ اور زہد وتقویٰ میں بڑی عظیم تصنیفات ہیں۔ ان کے شیخ حضرت مظہر (جانِ جاناںؒ) ان پر بڑا فخر کیا کرتے تھے۔'' انتہٰی (219)

میں کہتا ہوں کہ: امام حبیب اللہ محمد مظہر (مرزا مظہر جانِ جاناں) اور امام ولی اللہ دہلوی —— اللہ تعالیٰ ان دونوں سے راضی ہوجائے —— دونوں ایک دوسرے کے قریبی ساتھی تھے۔ یہ حضرات دو بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ تعاونِ باہمی اور مدد و نصرت کرتے تھے۔ دہلی شہران دونوں حضرات پر ہمیشہ فخر کرتا رہے گا اور اسے اس حوالے سے باقی شہروں پر بالا دستی حاصل رہے گی۔

امام محمد مظہرؒ کا انتقال (ہفتے کی رات ۱۰ر محرم الحرام) ۱۱۹۵ھ (7ر جنوری 1780ء) کو شہادت کی حالت میں ہوا۔ دہلی کے بعض شیعہ امرا کے آلۂ کار لوگوں نے دھوکے سے انھیں شہید کردیا تھا۔

حضرت (مرزا مظہر جانِ جاناں) —— اللہ ان سے راضی ہو —— کا اپنا شعر ہے ع

بہ لوحِ تُربتِ من یافتند از غیب تحریرے
کہ ایں مقتول را جُز بے گناہے نیست تقصیرے

(میری قبر کی تختی پر غیب سے یہ تحریر لکھی ہوئی پائیں گے کہ اس مقتول کا سوائے بے گناہی کے اور کوئی گناہ نہیں ہے۔)

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے علوم حاصل کیے۔ امام عبدالعزیز دہلویؒ ان کو ''بیہقیٔ عصر'' کے لقب سے پکارتے تھے۔ ان کا انتقال ۱۲۱۶ھ (صحیح یکم رجب ۱۲۲۵ھ/2 اگست 1810ء ہے۔ آزاد (220)) میں ہوا۔ میں نے اسلام کے اظہار کے بعد انھیں کی لکھی ہوئی فقہ کی سب سے پہلی کتاب ''مالا بدّ منه'' پڑھی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوجائے۔

فصل (2) شیخ عبداللہ (شاہ غلام علی) دہلوی مظہریؒ کا تذکرہ

شیخ محسن یمانیؒ ''الیانع الجنی'' میں لکھتے ہیں:

''شیخ الاجل، عارفِ اکمل، شیخ غلام علی —— جن کا لقب ''عبداللہ'' تھا —— علوی دہلوی

ہیں۔ وہ بڑے صوفی بزرگ حضرت شیخ شمس الدین محمد مظہر (مرزا جانِ جاناںؒ) کے تربیت یافتہ اصحاب میں سے تھے۔ ان کے بارے میں ان کے تربیت یافتہ خلیفہ شیخ خالد کردیؒ اپنے مشہور قصیدے میں درجِ ذیل اشعار لکھتے ہیں:

کملت مسافة کعبة الآمالِ — حمدًا لمن قد منّ بالإکمالِ

من نور الآفاق بعد ظلامها — و هدٰی جمیع الخلق بعد ضلالِ

اعنی غلام علی القرم الّذی — من لحظه، یحییٰ الرّمیم البالی

إلٰی آخر القصیده." انتهٰی (221)

(امیدوں کے کعبے کی مسافت مکمل ہوگئی۔ شکر ہے اس ذات کا، جس نے آفاق کے نور سے انھیں مکمل کرنے کا احسان اس وقت کیا، جب کہ ظلمتیں ہرسو چھائی ہوئی تھیں۔ اور تمام مخلوق کو گمراہی کے بعد ہدایت عطا فرمائی۔ اس سے میری مراد شیخ غلام علیؒ ہیں۔ یہ وہ بزرگ ہیں کہ جن کے فیضِ نظر سے بوسیدہ ہڈیوں میں زندگی کے آثار پیدا ہوجاتے ہیں۔)

شیخ (مراد بن عبداللہ) قزانیؒ "ذیل الرّشحات" میں لکھتے ہیں:

"آپ (شاہ غلام علیؒ) کی ولادت ۱۱۵۸ھ (1745ء) (222) میں پنجاب کے ایک قصبے "بٹالہ" میں ہوئی۔ ان کا نسب سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے۔ ان کے والد شیخ عبداللطیف نے خواب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیکھا، فرما رہے ہیں کہ: "اپنے بیٹے کا نام میرے نام پر رکھنا۔" جب یہ پیدا ہوئے تو انھوں نے ان کا نام "علی" رکھا۔ جب یہ سن بلوغت کو پہنچے تو انھوں نے ادب کا لحاظ کرتے ہوئے خود اپنا نام "غلام علی" رکھ لیا۔ پھر یہی نام مشہور ہوگیا۔ ان کے ایک چچا تھے۔ انھوں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان کا نام "عبداللہ" رکھ دیا۔

وہ ۱۱۷۰ھ (1756ء) میں حضرت مولانا مظہر شہیدؒ کی خدمت میں پہنچے۔ پندرہ سال تک ان کی صحبت اختیار کرکے ان سے مسلسل اَخذِ فیض کیا۔ وہ حدیث نبویؐ کے مطابق عمل کیا کرتے تھے۔ حدیث کی سند انھوں نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے صاحبزادگان سے حاصل کی تھی۔ تمام شہروں سے طالبین ہدایت ان کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ مثلاً سید اسماعیل مدنیؒ، شیخ احمد کُردیؒ، شیخ خالد رومیؒ اور شیخ محمد جان باجوڑیؒ۔ (223) پھر ان سے فیض حاصل کرنے والے لوگ تمام کرۂ ارض پر مشرق و مغرب، عرب وعجم میں پھیل گئے۔

ان کا انتقال (۲۲ر صفر) ۱۲۴۰ھ (16ر اکتوبر 1824ء) میں ہوا۔" انتهٰی (224)

میں (عبید اللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: شیخ عبداللہ (حضرت شاہ غلام علی) دہلویؒ، حضرت امام عبدالعزیز دہلویؒ کے تربیت یافتہ اصحاب میں بڑے لوگوں میں سے ہیں۔

فصل (3) شیخ ابوسعید دہلوی مظہریؒ کا تذکرہ

شیخ محسنؒ ''الیانع الجنی'' میں لکھتے ہیں:

''بڑے فقیہ، صوفی، محدث ابوسعید بن صفی القدر بن عزیز القدر بن محمد عیسیٰ بن سیف الدین بن محمد معصوم بن امامِ ربانی (مجدد الف ثانی) شیخ احمد عمری سرہندیؒ ہیں۔

شیخ ابوسعید (۲/ذوالقعدہ) ۱۱۹۶ھ (9/اکتوبر 1782ء) کو (مصطفیٰ آباد، رام پور) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے معقول ومنقول اور اصول وفروع کی کتابیں شیخ مفتی شرف الدین (رام پوری) سے پڑھیں۔ بعض کتابیں شیخ، محدث، متقن، شاہ رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے پڑھیں اور امام مسلم بن حجاج قشیری کی ''صحیح مُسلِم'' کی ان سے اجازتِ سند حاصل کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں شیخ، مسند، شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے عام اجازت سے نوازکر عزت دی۔

ان کا انتقال (یکم/شوال) ۱۲۵۰ھ (31/جنوری 1835ء کو ٹونک) میں ہوا۔ (انؒ کے صاحبزادے اور خلیفہ حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ ان کے تابوت کو لے کر چالیس روز کا سفر طے کرکے دہلی آئے۔ انھیں ان کے شیخ حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ کے پہلو میں دفن کیا۔)

انھوں نے طریقہ نقشبندیہ مجددیہ — جسے ان کے آبا واَجداد نے مرتب اور مہذب بنایا تھا — شیخ عبداللہ (شاہ غلام علی) دہلویؒ سے حاصل کیا اور ان کے روشن انوار سے وافر حصہ پایا۔ ان کے سینۂ دروں کے اَسرار کو اپنے سینے میں محفوظ کیا۔ یہاں تک کہ شیخ (غلام) علیؒ نے اپنے بعد مسترشدین کے لیے اپنا خلیفہ بنادیا۔'' انتھٰی (225)

فصل (4) شیخ خالد کردی نقشبندیؒ کا تذکرہ

شیخ مراد (بن عبداللہ) قزانیؒ نے ''ذیل الرّشحات'' میں لکھا ہے:

''شیخ خالد بن احمد بن حسین شہ زوریؒ، ان کا سلسلۂ نسب والد کی طرف سے سیدنا حضرت عثمان بن عفانؓ سے جا ملتا ہے۔ ان کی والدہ کا سلسلۂ نسب ساداتِ علویہ سے ملتا ہے۔ وہ تقریباً ۱۱۹۰ھ (1776ء) میں ''شہزور'' کے قریب ایک قصبے ''قرہ واغ'' میں پیدا ہوئے۔

انھوں نے شیخ محمد کریزیؒ اور شیخ مصطفیٰ کردیؒ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر دہلی کا سفر اختیار کیا

اور شیخ عبداللہ دہلوی (شاہ غلام علیؒ) سے نقشبندیہ مجددیہ طریقہ حاصل کیا۔ پھر آخر میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ بن شاہ ولی اللہ دہلویؒ — جو اپنے زمانے میں علما کے بادشاہ تھے — کی صحبت اختیار کی۔ یہ انھوں نے اپنے شیخ (حضرت شاہ غلام علیؒ) کے اشارے سے کیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ان کو اپنی تمام مرویات روایت کرنے کی اجازت دی۔

ان کا انتقال ۱۲۴۲ھ (1826ء) میں ہوا۔'' انتھٰی **مخلصًا** (226)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: شیخ خالد کردیؒ سے شہاب محمود آلوسیؒ (مصنف تفسیر روح البیان)، ابوالعلا (سید) محمد امین (بن عمر المعروف) ابن عابدین (شامی) دمشقیؒ (مصنف فتاویٰ شامی) اور احمد بن سلیمان اروادی طرابلسیؒ وغیرہ نے تعلیم واخذِ فیض حاصل کیا ہے۔

فصل (5) شیخ احمد سعید بن ابی سعید دہلویؒ کا تذکرہ

شیخ مراد (بن عبداللہ) قزانیؒ ''ذیل الرّشحات'' میں لکھتے ہیں:

''شیخ احمد سعید دہلویؒ کی ولادت (یکم/ ربیع الاول) ۱۲۱۷ھ (31/ جولائی 1802ء کو مصطفیٰ آباد، رام پور) میں ہوئی۔ انھوں نے طریقت کا فیض شیخ عبداللہ دہلوی (حضرت شاہ غلام علیؒ) اور اپنے والد شیخ ابوسعید دہلویؒ سے حاصل کیا۔ دیگر کتابیں شیخ فضل امام خیرآبادیؒ (227) اور مفتی شرف الدین (رام پوریؒ) سے پڑھیں۔ علم حدیث شیخ عبدالعزیز دہلویؒ کے شاگردوں مثلاً مولانا رشیدالدین خاںؒ وغیرہ....

> میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: ''وغیرہ'' سے مراد مولانا شاہ محمد اسحاق دہلویؒ بھی ہیں۔ اس کی صراحت ہمارے شیخ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (228) اور شیخ ابوالشرف بن محمد معصوم بن عبدالرشید بن (شیخ احمد سعید دہلویؒ (229)) نے کی ہے۔

....امام رفیع الدین دہلویؒ، امام عبدالقادر دہلویؒ صاحبزادگان شیخ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے حاصل کیا۔ شاہ احمد سعید دہلویؒ اکثر اوقات ان حضرات کی خدمت میں زیارت کے لیے حاضر ہوتے تھے، یا کسی دقیق مسئلے کی تحقیق، یا عربی اشعار کے معانی و مفاہیم سمجھنے کے لیے آیا کرتے تھے۔ یہ حضرات ان کا بہت زیادہ اکرام کیا کرتے تھے۔ حدیث کی سند انھوں نے شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے بھی حاصل کی۔ بعض کتابیں انھوں نے اپنے والد کے ماموں شیخ سراج احمدؒ سے بھی پڑھیں۔ انھوں نے ان سے ''**حدیث مسلسل بالأوّلیه**'' کی سند امام ربانی (مجدد الف ثانیؒ) تک حاصل کی۔ اور پھر ۱۲۷۳ھ (صحیح محرم ۱۲۷۴ھ/ اگست ستمبر 1857ء ہے) میں واقعہ دہلی (جنگِ آزادی 1857ء) کے موقع پر حرمین شریفین کا سفر کیا۔ (230) اور وہاں (مدینہ منورہ

میں ۲/ربیع الاوّل) ۱۲۷۷ھ (18/ستمبر 1860ء) میں انتقال کر گئے۔'' انتھٰی **ملخصًا** (231)

شیخ ارشاد حسین رام پوریؒ لکھتے ہیں:

''شیخ احمد سعید دہلویؒ حدیث کی کتابوں کی روایت چند طریقوں (سلسلۂ ہائے سند) سے کرتے تھے:

1۔ ان میں سے ایک یہ کہ انھوں نے شیخ الاجل، شیخ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے روایت کیا ہے۔ اور وہ اپنے والد علامہ، کمال کی بادشاہت کے قطب، فضل اور بزرگی کے دائرے کے مرکز، شیخ (شاہ) ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

2۔ ان میں سے ایک یہ کہ وہ شیخ سراج احمدؒ سے روایت کرتے ہیں۔ اور وہ اپنے والد شیخ محمد مرشدؒ سے، وہ اپنے والد شیخ محمد ارشدؒ سے، وہ اپنے والد شیخ محمد فرخؒ سے، وہ اپنے والد شیخ محمد سعید (مجددی) سے اور وہ اپنے والد امامِ ربانی مجدد الف ثانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

3۔ ان میں سے ایک یہ کہ وہ اپنے والد شیخ ابوسعید (مجددیؒ) سے روایت کرتے تھے۔ وہ اپنے والد شیخ صفی القدرؒ سے، وہ اپنے والد شیخ عزیز القدرؒ سے، وہ اپنے والد شیخ محمد عیسیٰؒ سے، وہ اپنے والد شیخ سیف الدینؒ سے، وہ اپنے والد شیخ (خواجہ) محمد معصومؒ سے، وہ اپنے والد شیخ امام ربانی (مجدد الف ثانیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔'' انتھٰی۔

شیخ ارشاد حسینؒ کا قول مکمل ہوا، جو انھوں نے شیخ نورالحسن بن امیر (نواب صدیق حسن) قنوجیؒ کے نام اجازتِ سند لکھتے ہوئے بیان کیا ہے۔ (232)

چھٹی نوع؛ ولی اللّٰہی سلسلے کے دیوبندی رہنماؤں کا تذکرہ

فصل (1) استاذ الاساتذہ شیخ علامہ مولانا مملوک علی (نانوتوی) دہلویؒ کا تذکرہ

سلطان شاہ جہاں نے شیخ محمد ہاشم (نانوتویؒ) کو 'نانوتہ' کے علاقے میں قطعۂ زمین دیا تھا، جن کا سلسلۂ نسب حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیقؓ سے مل جاتا ہے۔ انھوں نے اس علاقے کو اپنا وطن بنالیا۔ ان کی اولاد میں علمائے نانوتہ کی ایک جماعت پیدا ہوئی۔ یہ لوگ صدرالحمید مولانا شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کے حجاز ہجرت کر جانے کے بعد ''دہلوی جماعت'' کے عمدہ ترین افراد میں سے ہوئے ہیں۔

ان سب سے اہم ترین فرد، شیخ علامہ، اپنے زمانے کے استاذ الاساتذہ مولانا مملوک علی بن احمد علی بن غلام شرف بن عبداللہ بن محمد فتح بن محمد مفتی بن عبدالسمیع بن شیخ محمد ہاشم نانوتوی دہلویؒ ہیں۔ انھوں نے علامہ رشیدالدین دہلویؒ (شاگردِ رشید حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ) سے تعلیم حاصل کی۔ عربی ادب، فقہ اور

دیگر علوم وفنون میں اپنے زمانے کے علما پر سبقت لے گئے۔ وہ اپنے استاذ شیخ رشیدالدین دہلویؒ کے بعد دہلی کالج میں مدرّس مقرر ہوگئے۔

ان سے تعلیم حاصل کرنے والوں میں شیخ محمد مظہر نانوتویؒ (صدر مدرّس مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور)، شیخ عبدالرحمٰن پانی پتیؒ، شیخ احمد علی (محدث) سہارن پوریؒ، شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، شیخ الاسلام مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، شیخ علامہ مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ اور ایک بڑی جماعت ہے۔

ان سے تعلیم حاصل کرنے والوں میں (سر) سیّد احمد (خان) دہلویؒ بانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، قرآن حکیم کے مترجم شیخ (ڈپٹی) نذیر احمد دہلویؒ اور استاذ منشی ذکاء اللہ دہلویؒ (مصنف: ''تاریخ ہندوستان'') جیسے نابغہ ہائے عصر بھی ہیں۔

ان کا انتقال (۱۱/ ذی الحجہ) ۱۲۶۷ھ (7/ اکتوبر 1851ء) کو ہوا۔ (محلّہ مہندیاں، دہلی میں) امام ولی اللہ دہلویؒ کے مقبرے میں دفن ہوئے۔

''آثار الصّنادید'' میں (سرسید) لکھتے ہیں:

''جناب مولوی مملوک العلی سلّمہٗ اللہ تعالیٰ شاگردِ رشید مولوی رشیدالدین خان علمِ معقول و منقول میں استعدادِ کامل (رکھتے تھے) اور (ان کو) کتبِ درسیہ کا ایسا استحضار ہے کہ اگر فرض کرو کہ ان کتابوں سے گنجینۂ علم خالی ہوجائے تو ان کی لوحِ حافظے سے پھر نقل ان کی ممکن ہے۔ چودہ پندرہ سال سے مدرسہ شاہ جہان آبادی میں عہدۂ مدرّسی رکھتے تھے، لیکن اب کئی سال سے سرکردہ مدرّسین میں سے ہیں۔'' انتھیٰ (233)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: ان کے بیٹے مولانا شیخ محمد یعقوب (نانوتوی) دارالعلوم دیوبند میں صدر مدرّس رہے۔ ہمارے استاذ شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) نے ان سے تعلیم حاصل کی۔

فصل (2) شیخ مظفر حسین کاندھلویؒ کا تذکرہ

ان کا نام اور سلسلۂ نسب یہ ہے: ''شیخ مظفر حسین بن محمود بن شیخ الاسلام کاندھلویؒ''۔ وہ انتہائی ورع و تقویٰ والے، نیک کاموں کا حکم دینے اور منکرات سے روکنے والے فرد تھے۔ انھوں نے اپنے چچا مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ سے تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے صدرالحمید شیخ محمد اسحاق دہلویؒ سے تعلیم حاصل کی۔ نیز مولانا محمد یعقوب دہلویؒ سے بھی اخذ فیض کیا۔ ہندوستان میں یہ ان کے نائب اور قائم مقام تھے۔ انھوں نے ہی شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ کو منبر وعظ پر بٹھایا تھا۔

ان کا انتقال (مدینہ منورہ میں) جمعرات کی رات ۱۰/ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ (26/ مئی 1866ء) کو ہوا۔ اور (جنت) البقیع میں دفن ہوئے۔

فصل (3) شیخ علامہ مولانا محمد مظہر نانوتویؒ کا تذکرہ

شیخ محمد مظہر بن لطف علی بن محمد حسن بن غلام شرفؒ، شیخ محمد ہاشم نانوتویؒ کی اولاد میں سے ہیں۔ ۱۲۲۲ھ (1807ء) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے مولانا مملوک علی (نانوتویؒ)، شیخ (مفتی) صدرالدین (آزُردہ) دہلویؒ اور شیخ علامہ رشیدالدینؒ سے تعلیم حاصل کی۔ نیز انھیں صدرالحمید مولانا محمد اسحاق دہلویؒ سے بھی اجازت حاصل ہے۔ وہ فقہ، حدیث، سلوک اور دیگر علوم وفنون کے ائمہ اور علما میں سے بڑے عابد، زاہد اور اونچے درجے کے نیک لوگوں میں سے تھے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ:

''یہ نسب کے اعتبار سے صدیقی ہیں اور اَخلاق و کردار کے حوالے سے فاروقی ہیں۔
(رعب ایسا تھا کہ) آپؒ کے سامنے بہت کم لوگوں کو بات کرنے کی جرأت ہوتی تھی۔''

وہ مدرسہ (مظاہرالعلوم) سہارن پور میں (صدر) مدرّس تھے۔ ان سے اہل علم کی ایک جماعت نے علم حاصل کیا۔ ان میں ہمارے استاذ حضرت شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) بھی ہیں۔

ان کا انتقال (اتوار کے دن ۲۴/ذوالحجہ) ۱۳۰۲ھ (4/اکتوبر 1885ء) کو ہوا۔

فصل (4) دیوبندی جماعت کے امیر حضرت حاجی امداداللہ تھانوی مکیؒ کا تذکرہ

عارف باللہ، شریعت وطریقت کے جامع، اللہ کے دین کو غالب کرنے کے حوالے سے مجتہد، شیخ امام امداداللہ فاروقی (پیر کے دن ۲۲/صفر)، ۱۲۳۳ھ (2/جنوری 1818ء) کو ''نانوتہ'' میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ کے شاگرد شیخ محمد قلندر (جلال آبادیؒ) اور امیرالشہید (سیّد احمد بریلویؒ) کی شہادت کے بعد جماعتِ مجاہدین کے امیر، شیخ نصیرالدین دہلویؒ سے تعلیم حاصل کی۔

امیرالشہیدؒ کے خلیفہ حضرت شیخ نور محمد جھنجھانویؒ سے اخذ فیض کیا۔ شیخ نور محمد (جھنجھانویؒ) کا انتقال (۴/رمضان) ۱۲۵۹ھ (28/ستمبر 1843ء) کو ہوا۔

۱۲۶۱ھ (1845ء) میں امیر امداداللہ (مہاجر مکیؒ) حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ انھوں نے وہاں شیخ (شاہ) محمد اسحاق دہلویؒ کی صحبت اختیار کی اور ان سے دعوت کا طریقہ حاصل کیا۔

شیخ عبدالغنی بن عبدالواحد بڈھانویؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں ہوئے بیان کرتے ہیں:

''آج میں نے اثنائے تذکرہ میں حضرت حاجی امداداللہ کی خدمت میں گزارش کی کہ بندہ سلسلۂ خدام حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی میں داخل ہے۔ حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا: ''سبحان اللہ! وہ تو ہمارے بھی سردار ہیں۔''

شیخ عبدالغنی نے آخر تک بیان کیا ہے۔ ....'' (234)

وہ ۱۲۶۲ھ (1846ء) میں (حرمین شریفین سے) ہندوستان واپس لوٹے۔ ان کا نام پہلے ''امداد حسین'' تھا۔ حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ نے ان کا نام تبدیل کر کے ''امداد اللہ'' رکھ دیا۔

گرد و پیش کے شہروں سے لوگ ان کے پاس آنے لگے۔ اہل علم میں بڑے بڑے اکابر، جیسے مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ)، مولانا رشید احمد (گنگوہیؒ) اور شیخ فیض الحسن سہارن پوریؒ ان کے گرد جمع ہونے لگے۔ اس طرح ہندوستان کے علما کی ایک بڑی جماعت ان سے وابستہ ہوگئی۔

جنگِ آزادی 1857ء میں وہ جہادِ شاملی کے امیر تھے۔ 1857ء کے بعد انھوں نے مستقل طور پر ہندوستان سے ہجرت کی۔ ۱۲۷۶ھ (1860ء) میں حرمین شریفین پہنچے اور مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا۔ وہ دیوبندی جماعت کے امیر رہے۔

ان کا انتقال (بدھ کے روز ۱۲/ جمادی الاخریٰ) ۱۳۱۷ھ (19/ اکتوبر 1899ء) کو ہوا۔

فصل (5) شیخ عبدالغنی (مجددی) بن ابوسعید دہلوی مدنیؒ کا تذکرہ

شیخ محسن یمانیؒ ''الیانع الجنی'' میں لکھتے ہیں:

''عابد و زاہد اور رہنما شیخ عبدالغنی بن ابوسعید (دہلویؒ) ماہِ شعبان ۱۲۳۵ھ (مئی/ جون 1820ء) کو دارالسلطنت دہلی میں پیدا ہوئے۔ محدثین، فقہا اور صوفیا میں سے اہل صلاح و تقویٰ حضرات کی گود میں انھوں نے پرورش پائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو انعامات کیے تھے، ان میں سب سے بڑا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بدعات کی رسومات اور نئی گھڑی جانے والی باتوں میں مشغول ہونے سے باز رکھا۔ ان کو دین کے نفع بخش علوم کے حامل صلاح و تقویٰ رکھنے والے نیک لوگوں کی اتباع کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ انھوں نے کتاب اللہ حفظ کیا اور اس کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ نبی الامینؐ کی سنت کے پڑھنے پڑھانے کو اپنے اوپر لازم کر لیا اور امام ابوحنیفہؒ کے مذہبِ نعمان پر فقہ کے پڑھنے پڑھانے کی طرف توجہ دی۔

انھوں نے علوم کے حصول اور ان سے نفع اٹھانے کے لیے ہندوستان اور حجاز کے علما میں سے اپنے زمانے کے اکابرین کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ انھوں نے اپنے والد شیخ ابوسعید (مجددی) دہلویؒ سے امام ابوعبداللہ محمد بن حسن شیبانیؒ کی کتاب ''الموطّا'' پڑھی۔ شیخ شاہ مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدین دہلویؒ سے کتاب ''مشکٰوۃ المصابیح'' پڑھی۔ شیخ الاجل، محدث، ابوسلیمان حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ — جو شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی صاحبزادی کے بیٹے ہیں — سے اخذِ فیض کیا۔ اسی طرح انھوں نے شیخ الاجل محمد عابد انصاری سندھی مدنیؒ سے کتابیں پڑھیں اور شیخ ابوزاہد اسماعیل بن ادریس رومیؒ سے تعلیم حاصل کی۔'' انتہیٰ (235)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ (شیخ اسماعیل کا سلسلۂ سند یہ ہے:)

شیخ اسماعیلؒ روایت کرتے ہیں شیخ منصور منصوریؒ سے، وہ روایت کرتے ہیں شیخ سلیمان منصوریؒ سے، وہ روایت کرتے ہیں شیخ عبدالحیٔ شرنبلالیؒ سے اور وہ شیخ حسن شرنبلالیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح شیخ اسماعیلؒ روایت کرتے ہیں شیخ محمد طاہر سنبلیؒ، (شیخ) عبدالمالک قلعیؒ، (شیخ) صالح فلانیؒ، شیخ محمد کربزیؒ، (شیخ) عبداللہ شرقاویؒ، (شیخ) ابراہیم نابلسیؒ، (شیخ) یوسف عمریؒ، (شیخ) مصطفیٰ کورانیؒ اور (شیخ) عثمان استنبولیؒ سے بھی روایت کرتے ہیں۔

شیخ محسن یمانیؒ لکھتے ہیں کہ:

''جب ان کو بڑے مشائخ سے اجازت حاصل ہوئی تو وہ اپنے شہر (دہلی) میں حدیث کے درس و تدریس اور آثارِ صحابہؓ کی روایت کرنے میں مشغول ہوگئے۔ ان سے اس شہر کے بہت سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔ باہر سے آنے والے لوگ بھی ان سے خوب فیض یاب ہوئے۔ انھوں نے اسی دوران ''**سنن ابن ماجه**'' کی شرح اور اس کا ذیل (''**انجاح الحاجه**'' کے نام سے) تصنیف فرمائی۔ پھر جب ہندوستان میں 1857ء کا ہولناک واقعہ ہوا، دہلی پر سامراج کا تسلط ہوگیا اور وہاں کے لوگوں پر انگریزوں نے حکمرانی قائم کر لی تو انھوں نے اپنی جماعت کے ساتھ سرزمین حجاز کی جانب ہجرت کی اور مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔ یہاں آکر بھی وہ اپنے سلسلۂ روایت کو برقرار رکھتے ہوئے حدیث کی تعلیم میں مشغول رہے۔''

انتهٰی ملخصًا (236)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: ان سے ہمارے دیوبندی مشائخ: شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، شیخ الاسلام مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور ہمارے استاذ شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) نے تعلیم حاصل کی ہے۔ انھوں نے ہی مولانا رفیع الدین دیوبندیؒ کو دارالعلوم دیوبند کا مدیرِ امورِ عامہ مقرر کیا تھا۔

ان کا انتقال (بروز منگل ۶ / محرم) ۱۲۹۶ھ (21 / دسمبر 1879ء) کو ہوا۔ میں نے اپنے استاذ شیخ الاسلام رشید احمد گنگوہیؒ کو دیکھا ہے کہ وہ درسِ حدیث وغیرہ میں انھیں کی اتباع کرتے تھے۔

فصل (6) شیخ احمد علی (محدث) سہارن پوریؒ کا تذکرہ

وہ مولانا احمد علی بن لطف اللہ انصاریؒ ہیں۔ انھوں نے مولانا مملوک علی (نانوتویؒ) اور شیخ وجیہ الدین سہارن پوریؒ سے تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے صدرالحمید مولانا محمد اسحاق (دہلویؒ) سے بھی تعلیم حاصل کی تھی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ایک طویل عرصے تک وہ درس و تدریس میں مشغول رہے۔ پھر انھوں نے دہلی میں ''مطبع احمدیہ'' قائم کیا۔ اس سے قرآن عظیم اور کتب حدیث پوری تصحیح کے ساتھ شائع کیں۔ وہ

حالاتِ زمانہ کے تغیر کے باوجود احادیثِ نبویہ ﷺ کے حافظ تھے۔

انھوں نے ''صحیح بخاری'' پر حاشیہ اور تعلیقات بھی لکھیں۔ اس کام میں ان کے شریکِ کار شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم (نانوتوی) دیوبندیؒ بھی تھے۔ (کہ آخری چھ پارے کی شرح و تعلیق حضرت نانوتویؒ نے لکھی ہے۔) انھوں نے اکثر کتبِ حدیث پر حواشی لکھے ہیں۔ اس طرح ان کی وجہ سے ہندوستان کے اطراف میں علم حدیث بہت مشہور ہوگیا۔ ان سے تعلیم حاصل کرنے والوں میں شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور ہمارے استاذ حضرت شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) بھی ہیں۔

ان کا انتقال (۶ / جمادی الاولیٰ) ۱۲۹۷ھ (17 / مئی 1880ء) کو ہوا۔

فصل (7) شیخ (قاری) عبدالرحمٰن پانی پتیؒ کا تذکرہ

شیخ قاری عبدالرحمٰن بن محمد انصاری پانی پتیؒ، تقریباً ۱۲۲۷ھ (1812ء) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنے والد گرامیؒ سے اور انھوں نے شیخ علامہ رشید الدینؒ سے تعلیم حاصل کی۔ نیز شیخ مملوک علی (نانوتویؒ)، شیخ محمد قلندر جلال آبادیؒ، شیخ حسن علی لکھنویؒ اور صدر الحمید مولانا محمد اسحاق دہلویؒ سے بھی تعلیم حاصل کی۔

ان سے تعلیم حاصل کرنے والوں کی اہل علم کی ایک بڑی جماعت ہے۔ ان میں ہمارے استاذ حضرت شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) بھی شامل ہیں۔

ان کا انتقال (۵ / ربیع الثانی) ۱۳۱۴ھ (25 / ستمبر 1897ء) کو ہوا۔

فصل (8) شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم (ناتویؒ) کا تذکرہ

ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

''شیخ ابوالہاشم بن اسد علی بن غلام شاہ بن محمد بن علاؤ الدین بن محمد فتح بن مفتی محمد بن عبدالسمیع بن شیخ محمد ہاشم نانوتویؒ۔''

ان کی پیدائش ۱۲۴۸ھ (1832ء) میں ہوئی۔ انھوں نے اپنے چچا مولانا مملوک علی (نانوتویؒ)، شیخ عبدالغنی مجددی دہلویؒ، شیخ احمد علی محدث سہارن پوریؒ اور امیر امداد اللہ تھانوی (مہاجر مکیؒ) اور اہل علم کی ایک جماعت سے تعلیم حاصل کی۔

انھوں نے ۱۲۸۳ھ (1866ء) میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی۔ وہ چودھویں صدی کے مجددین میں سے تھے۔ ان کو اللہ نے یہ توفیق دی کہ ولی اللّٰہی علوم کو جدید ہندوستانی زبان (اردو) کا لباس پہنائیں۔

ان سے تعلیم حاصل کرنے والوں کی ایک بڑی جماعت رہی ہے، جس میں ہمارے استاذ حضرت شیخ الہندؒ بھی ہیں۔

ان کا انتقال (جمعرات کے دن ۴/ جمادی الاولیٰ) ۱۲۹۷ھ (15/ اپریل 1880ء) کو ہوا۔ وہ صدرالشہید مولانا محمد اسماعیل کے بہت زیادہ مشابہ تھے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام سے راضی ہوجائے۔

فصل (9) ہمارے استاذ حضرت شیخ الاسلام (مولانا) رشید احمد گنگوہیؒ کا تذکرہ

آپؒ ابومسعود، ابومحمود، رشید احمد بن ہدایت احمد انصاری گنگوہیؒ ہیں۔ ان کی پیدائش (۶/ ذوالقعدہ ۱۲۴۴ھ (10/ مئی 1829ء) میں ہوئی۔ انھوں نے مولانا مملوک علی (نانوتویؒ)، شیخ عبدالغنی مجددیؒ، شیخ احمد سعید (مجددیؒ) اور امیر امداداللہ تھانویؒ اور علما کی ایک جماعت سے تعلیم حاصل کی۔

میں نے حضرت شیخ الاسلام (گنگوہیؒ) سے ''سنن ابو داؤد'' کا ایک بڑا حصہ انتہائی فقہی تحقیق کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس طرح تحقیقی نقطۂ نگاہ سے پڑھنے سے مجھے بڑا نفع ہوا۔ میں نے ان سے بہت زیادہ نفع اٹھایا۔ میرے دل پر یہ انھیں کی صحبت کا اثر ہے کہ اس نے مجھے ہر طرح کے مشکل حالات میں اپنے نظریات کو تبدیل کرنے سے روکے رکھا۔ نیز ولی اللّٰہی طریقہ روشن ہوکر میرے سامنے آ گیا۔ اس طرح میں نے فقہ کے اہم مقامات، سلوک و طریقت کے بنیادی قاعدے، عربی زبان اور کتاب و سنت کی اصولی اور معقولی مباحث کو صحیح طور پر سمجھ لیا۔ میں نے اپنی ان آنکھوں سے خود دیکھا ہے کہ وہ بلاشبہ مذہبِ امام ابوحنیفہؒ کے مجتہد اور ماہر امام تھے۔ بلاشبہ ہمارے شیخ (گنگوہیؒ) اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلویؒ کے طریقے پر استقامت کا پہاڑ تھے۔ وہ ولی اللّٰہی تھے اور صدرالحمید حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کے بہت زیادہ مشابہ تھے۔

میں نے سنت و بدعت کے صحیح معنی آپ کی کتاب ''براهينِ قاطعه'' سے معلوم کیے، جو انھوں نے صدرالشہید (حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ) کی کتاب ''الإيضاح (الحقّ الصّريح فى أحكام الميّت و الضّريح)'' کے دفاع میں لکھی تھی۔ (237) اسی طرح میں نے توحید و شرک کا معنی و مفہوم بھی صدرالشہید کی دوسری کتاب ''تقوية الإيمان'' سے سمجھا تھا۔

بعض مشائخ نے ان کے درس سے سنی ہوئی حدیث کی پانچ کتابوں (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی) کی شرح پر مشتمل تحقیقات قلم بند کی ہیں۔ انھیں میں سے ایک شیخ عبدالکریم بائلیؒ سے میں نے جامع ترمذی، سنن ابو داؤد اور نسائی کی لکھی ہوئی تحقیقات پڑھی ہیں۔ میں نے انھیں حفظ کیا ہے۔ اگرچہ مجھے حضرت شیخ الاسلام گنگوہیؒ سے براہِ راست تمام کتبِ حدیث کی اجازتِ عامہ حاصل نہیں ہے، لیکن ان سے پڑھنے والوں سے میں نے اس کی اجازت لی ہے۔ انھوں نے مجھے ان کی روایات کی اجازت دی ہے۔

شیخ الاسلام (گنگوہیؒ)، امیر امداداللہ تھانوی (مہاجر مکیؒ) کے بعد دیوبندی جماعت کے امیر تھے۔ امام

محمد قاسم دیو بندیؒ کے بعد وہ اس جماعت کے امام ہو گئے۔ ان سے علومِ دین حاصل کرنے والے تقریباً تین سو سے زائد مشائخ ہیں۔

ان کا انتقال (جمعہ کے دن ۸/ جمادی الاخریٰ) ۱۳۲۳ھ (11/ اگست 1905ء) کو ہوا۔ اسی تاریخ کو شیخ محمد عبدہٗ مصریؒ کا بھی انتقال ہوا۔

میرا کہنا یہ ہے کہ: ہمارے استاذ (حضرت شیخ الہندؒ) کے شیخ حضرت مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ)، سید الطائفہ حضرت شیخ امداد اللہ تھانویؒ کی زبان تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کی جگہ ہمارے شیخ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ان کی زبان بن گئے، لیکن بعض لوگ (دارالعلوم دیو بند کے حوالے سے) بعض واقعات میں الجھاؤ پیدا کر کے انھیں مسخ کر دیتے ہیں۔ اس لیے واقعات کی درست وضاحت کے لیے ہم اپنے استاذ حضرت شیخ الہندؒ کے درجِ ذیل اشعار (238) یہاں لکھتے ہیں:

رحمتِ حق ہوئی حامی تو یکا یک اٹھے
چند مردانِ خدا باندھ کے صف ، ٹھونک کے خَم

سلسلہ ڈالا فقیرانہ بنامِ ایزد
کوردِہ میں کہ جہاں بیٹھے ہیں اربابِ ہَمم

اتنے میں دیکھتے ہیں کیا کہ ہے اِک مردِ خدا
آرہا تیزروی سے ہے لیے ساتھ علَم

یوسفِ علم شریعت کے خریداروں میں
جمع کر کے اخلاص سے معدود دِرَم

شوق کہے تھا بڑھو ، ضعف کہے تھا ٹھہرو
ناتوانوں کا تھا کیا کہیے عجب ضیق میں دَم

بے نیازی و توکل رخ روشن سے نمود
قطع منزل کے لیے دونوں قدم تیغ دو دَم

فصل (10) ہمارے شیخ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیو بندیؒ کا تذکرہ

میرے وہ استاذ کہ جو تمام علوم میں میرے لیے مستند حیثیت رکھتے ہیں، وہ ہمارے شیخ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن بن ذوالفقار علی بن فتح علی اُموی (عثمانی) دیو بندیؒ ہیں۔ وہ ۱۲۶۸ھ/ 1851ء میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنے والد (مولانا ذوالفقار علیؒ) اور اپنے تایا (''بڑے ابا'' یعنی مولانا مہتاب علیؒ) سے ابتدائی کتابیں پڑھیں۔

جب ۱۲۸۳ھ (1866ء) میں علمی مرکز ''دارالعلوم دیوبند'' کی بنیاد رکھی گئی تو انھوں نے حضرت مولانا محمد یعقوب بن مولانا مملوک علی نانوتوی دیوبندیؒ اور مولانا محمود دیوبندیؒ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ کی صحبت کو لازم پکڑ لیا۔ تعلیم میں انھیں سے فراغت حاصل کی۔ ہمارے شیخ حضرت شیخ الہندؒ نے دیوبندی جماعت کے اہم رہنما شیخ حافظِ (حدیث) مولانا احمد علی محدث سہارن پوریؒ، شیخ محمد مظہر نانوتویؒ، شیخ قاری عبدالرحمٰن پانی پتیؒ سے بھی اجازت حاصل کی۔ انھوں نے ان کو اپنی روایات کی اجازت عنایت فرمائی۔ اسی طرح شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ان کے لیے حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ سے بھی اجازت طلب کی۔ جب وہ ان کی خدمت میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے تھے تو انھوں نے بھی ان کو اجازت دی۔ اسی طرح اپنے شیخ کے حکم کی اتباع کرتے ہوئے حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت حاجی امداد اللہ تھانویؒ سے بھی اجازت حاصل کی۔

حضرت شیخ الہندؒ، سید عبدالرحمٰن بن سلیمان اہدل شافعیؒ سے حاصل اجازتِ عامہ بھی داخل ہیں۔ اس لیے کہ حضرت شیخ الہندؒ کے والد (حضرت مولانا ذوالفقار علیؒ) نے سید صاحبؒ کا زمانۂ حیات تقریباً 12 سال پایا ہے۔ انھوں نے انھیں کلی اجازت کچھ اس طرح دی تھی کہ جو بھی ان کی زندگی میں ان سے اجازت مانگے، اس کو اجازت ہے۔ ان کی اولاد اور جو ان کی اولاد میں پیدا ہونے والے لوگ ہیں، انھیں بھی عام اجازت ہے۔

ایسے ہی ہمارے شیخ، شیخ الہندؒ اُس اجازتِ عامہ میں بھی داخل ہیں، جو انھیں شیخ احمد بن سلیمان اروادی طرابلسی حنفیؒ نے دی تھی۔ اس لیے کہ ہمارے شیخ حضرت شیخ الہندؒ نے ان کا زمانۂ حیات تقریباً سات سال تک پایا ہے۔ انھوں نے بھی ۱۲۷۲ھ (1856ء) میں ان تمام لوگوں کو اجازت دی تھی، جو کہ ان کی زندگی میں ان سے اجازت حاصل کریں۔

جن لوگوں نے شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم (نانوتوی) دیوبندیؒ سے تعلیم پائی ہے، ان میں تین آدمی سب سے فائق اور بلند درجہ رکھتے ہیں۔ ہمارے شیخ حضرت شیخ الہند رضی اللہ عنہ ان تینوں میں سب سے زیادہ اپنے شیخ سے محبت حاصل کرنے والے تھے۔ ان کے علم و فکر اور زندگی کے مقاصد کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے۔ ان کی اتباع کرنے میں سب سے زیادہ فنا تھے۔ ہمارے شیخ حضرت شیخ الہندؒ، مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) کے علوم و معارف اور تجدیدِ دین کے کام میں ان کے عزائم کی قوت و شدت کو صحیح طور پر سمجھتے تھے۔ اس حوالے سے ان کی امامت کی حقیقت کو اچھی طرح جانتے تھے۔ ان کی نظر میں حضرت نانوتویؒ، امام فخرالدین رازیؒ اور شیخ اکبر (محی الدین ابن عربیؒ) پر بھی فوقیت اور برتری رکھتے تھے۔

ہمارے شیخ، حضرت شیخ الہندؒ نے بہت سے مشائخ سے کتابیں پڑھیں۔ اپنے ساتھیوں سے بحث و

مباحثہ اور نظر و فکر پر باہمی گفتگو کی۔ فضل و کمال کے مدارج میں بڑی سر بلندی حاصل کی، لیکن اس سب کے باوجود ان کے پیش نظر ہمیشہ ایسی استعداد حاصل کرنا رہا ہے کہ جس سے وہ اپنے شیخ اور امامِ وقت (حضرت نانوتویؒ) سے پوری طرح استفادہ کر سکیں۔ اسی وجہ سے ان کے بہت زیادہ خاص اور عمدہ علوم انھوں نے اخذ کیے۔

حضرت شیخ الہندؒ اپنی خاص مجلسوں میں اپنے استاذ کی باتوں میں سے ایسے ایسے باریک نکتے بیان کرتے تھے کہ سننے والے اس پر بڑا تعجب کرتے تھے۔ اس سے (علوم میں) کمال کے حصول کا شوق رکھنے والوں کے دلوں میں یہ بات پیدا ہوتی تھی کہ وہ شیخ الاسلام (نانوتویؒ) کی کتابیں حضرت شیخ الہندؒ سے پڑھیں۔ میں نے حضرت نانوتویؒ کی کتابوں کے سوا اُردو زبان میں لکھی ہوئی کوئی ایسی کتاب نہیں دیکھی کہ جسے ہندوستان کے علما عربی کتابوں کی طرح کسی استاذ سے پڑھتے ہوں۔ میں نے علما کو دیکھا کہ وہ حضرت شیخ الہندؒ سے حضرت نانوتویؒ کی کتابیں درساً پڑھتے تھے۔ خود میں نے شیخ الاسلام (حضرت نانوتویؒ) کی (اردو) کتاب ''حُجۃ الإسلام'' حضرت شیخ الہندؒ سے پڑھی تھی۔ اس دوران بعض اوقات مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے علم و ایمان میرے دل میں نازل ہو رہا ہے۔

مجھے اس بات کا پختہ یقین اور اعتقاد ہے کہ ہمارے استاذ حضرت شیخ الہندؒ، امام ولی اللہ دہلویؒ کی اصطلاح کے مطابق ''مفہّمین'' (239) (اللہ کی طرف سے عطا کردہ سمجھ و شعور والے لوگوں) میں سے انتہائی عمدہ فطرت انسان تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ کسی نے خواب میں کچھ دیکھا ہوتا تو انھیں پتا چل جاتا تھا کہ اس نے خواب دیکھا ہے۔ پھر وہ اپنی مجلس میں سوال کرتے کہ:

''کوئی آدمی ہے، جس نے خواب دیکھا ہو؟''

وہ اگر یہ کہتا کہ نہیں! تو آپؒ اس کے سامنے خواب کا پورا واقعہ بتلا دیتے تھے۔ انھیں نیند سے بیدار ہونے کے بعد اس واقعے کے اسی طرح ہونے کا پختہ یقین ہوتا تھا۔

ان پر اپنے شیخ (حضرت نانوتویؒ) کی تواضع و انکسار کی نسبت غالب رہتی تھی۔ ایسی نسبت کا نام امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے (''القول الجمیل'' میں) ''نسبتِ اہل بیت'' (240) رکھا ہے۔

وہ اپنے شیخ (حضرت نانوتویؒ) سے شدید محبت کی وجہ سے انھیں اکثر خواب میں دیکھا کرتے کہ وہ انھیں چند باتوں پر عمل کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔ چناں چہ وہ اصولِ تدبیر اور (حالات کے مطابق) حکمتِ عملی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان باتوں پر عمل کیا کرتے تھے۔

جو آدمی اس سلسلے کے بعض واقعات اور مثالوں کو جانتا ہے، وہ ان کے سیاسی کاموں کی طاقت و قوت کی نوعیت کو سمجھ لے گا۔ اسے معلوم ہوگا کہ اس کی مثال بڑے بڑے وزرا کے ہاں بھی نہیں ملتی۔

فصل (11) (حضرت شیخ الہندؒ کا مدبرانہ کردار)

شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، سید الطائفہ امیر امداداللہ تھانوی مکیؒ کے وکیل اور نائب تھے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کی جگہ ہمارے شیخ، شیخ الاسلام رشیداحمد گنگوہیؒ، حضرت حاجی صاحبؒ کے وکیل، نائب اور ''جامعہ قاسمیہ'' (دیوبند) کے رئیس اور سرپرست بن گئے تھے۔ مولانا محمد یعقوب (نانوتویؒ) دیوبندی دارالعلوم دیوبند میں ان کے معاون اور نائب تھے۔ چناں چہ مولانا محمد یعقوب نائبِ اوّل تھے اور ہمارے استاذ حضرت شیخ الہندؒ نائبِ ثانی تھے۔ اس طرح وہ اپنے اُن ساتھیوں کی جماعت کے لیے گویا ایک مثالی شخصیت بن گئے، جنھوں نے حضرت مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے تعلیم حاصل کی تھی اور جو ''جمعیت ثمرۃ التربیت'' میں اکٹھے کام کرتے رہے تھے۔

پھر مولانا محمد یعقوب (نانوتویؒ) کے انتقال (۳/ربیع الاول ۱۳۰۲ھ/ 21/دسمبر 1884ء) کے بعد ہمارے استاذ حضرت شیخ الہندؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا رشیداحمد گنگوہیؒ کے معاون اور نائبِ اوّل بن گئے۔ اس طرح وہ اس حیثیت میں ۱۳۰۲ھ (1884ء) سے لے کر اس وقت تک کام کرتے رہے، جب ۱۳۲۳ھ (1905ء) میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا انتقال ہوگیا۔ وہ ان سے راضی ہوکر دنیا سے تشریف لے گئے تھے۔ حضرت گنگوہیؒ کے انتقال کے بعد حضرت شیخ الہندؒ اس جماعت کے امیر اور دارالعلوم دیوبند کے رئیس بن گئے۔

(حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ میں فکر و عمل کی یکسانیت)

اگر آپ اس بات کی تفصیل جاننا چاہتے ہیں تو سنیے:

1۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) اور شیخ الاسلام حضرت مولانا رشیداحمد گنگوہیؒ دونوں حضرات ولی اللّٰہی طریقۂ فکر و عمل میں بالکل متحد تھے۔

2۔ ان دونوں حضراتؒ نے ادبی، عقلی اور فقہی علوم و فنون ایک ہی استاذ یعنی حضرت مولانا مملوک علی (نانوتویؒ) سے حاصل کیے۔

3۔ ان دونوں حضراتؒ نے علم حدیث ایک استاذ یعنی حضرت مولانا شاہ عبدالغنی (مجددیؒ) دہلوی سے حاصل کیا۔

4۔ ان دونوں حضراتؒ نے طریقۂ تصوف ایک شیخ یعنی سید الطائفہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ سے حاصل کیا۔

5۔ پھر دونوں حضراتؒ کا اس تحقیقی مسئلے میں بھی اتفاق رہا ہے کہ انگریز کے ہندوستان پر تسلط کے

بعد اس ظلم و کفر کے مقابلے پر جہاد کیا جائے۔

6۔ اس جہاد کے سلسلے میں ایک ہی امیر یعنی حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی قیادت میں کام کرنے پر بھی ان دونوں میں اتفاق تھا۔

7۔ دونوں حضرات (1857ء کی جنگ آزادی میں) وارنٹ گرفتاری جاری ہونے اور اس سے بچنے وغیرہ سے متعلق آزمائش اور ابتلا میں بھی باہم شریک تھے۔

8۔ ایک ہی طریقۂ کار کے مطابق علومِ دینیہ کی اشاعت کے سلسلے میں بھی بالکل متحد تھے۔

(ان دونوں بزرگوں کے مزاجوں میں ظاہری اختلاف)

اس تمام تر اتحاد و اتفاق کے باوجود ان دونوں حضراتؒ کے طبعی مزاجوں میں بہ ظاہر اختلاف پایا جاتا تھا۔ مزاجوں میں اس اختلاف کی نوعیت صدرالشہید حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید اور صدرالحمید حضرت مولانا محمد اسحاق دہلویؒ کے درمیان پائے جانے والے طبعی اختلاف سے بہت زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔

(الف: حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا مزاج)

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی نظر حکمتِ عملی سے متعلقہ علوم پر سب سے پہلے ہوتی تھی۔ وہ فقہا کے فتاویٰ کی فنی اور قانونی نوعیت پر حکمتِ عملی کو ترجیح دیتے تھے۔ اس لیے کہ حکمتِ عملی ہی وہ بنیادی چیز ہے، جس میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ دینی حکومت کے ختم ہوجانے کے بعد اسے دوبارہ قائم کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ جہاں تک فقہی جزئیات کا معاملہ ہے تو ان پر پورا عمل اسی وقت ہوسکتا ہے، جب کہ انھیں حکومت کا تعاون حاصل ہو۔ اسی کے ساتھ حضرت نانوتویؒ کے اَخلاق و کردار پر اجتماعیت کی روح غالب تھی۔ ان کی طبیعت میں تواضع، عفو و درگزر، آسانی اور لوگوں کو خوش آئند انداز سے دینی پیغام دینے کی تھی۔

(ب: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا مزاج)

جب کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ مذہبِ امام ابوحنیفہؒ میں فقہی جزئیات پر محققانہ اور مجتہدانہ بصیرت رکھتے تھے۔ وہ اپنے لیے تنہائی کو پسند کرتے، ذکراللہ اور عبادات میں ہمیشہ خوش رہا کرتے تھے۔ ان کے پسندیدہ اعمال میں مذہبِ حنفی کی تحقیق کے ساتھ علم حدیث کی تعلیم و تدریس اور اتباعِ سنت کی رعایت رکھتے ہوئے ذکر وفکر میں مشغول رہنا تھا۔ وہ مسلمان معاشروں میں رائج بدعات و رسومات کو ختم کرانے کے بھی بڑے داعی تھے۔ (241)

(دونوں بزرگوں کے عملی مزاج کے فرق کی ایک مثال)

میں اس سلسلے میں ایک مثال بیان کرتا ہوں، جس سے ان دونوں بزرگوں کے عملی مزاج اور طبیعت کا

فرق واضح ہوجائے گا۔

جب (قومی زوال کے نتیجے میں) مسلمان جماعت برے اعمال و بداَخلاقیوں مثلاً شرک و بدعت وغیرہ میں مبتلا ہوئی تو ایسے حالات میں شیخ الاسلام حضرت مولانا محمدقاسم (نانوتویؒ) کی سوچ یہ تھی کہ مسلمانوں کی بداَخلاقیوں کی فوری و تیز تر اصلاح کرنے سے مسلمانوں کے درمیان افتراق و انتشار پیدا ہوگا۔ ان کا یہ خیال تھا کہ مسلمانوں کی بُری عادات کے حوالے سے پیدا ہونے والی جہالت پر چند دن صبر کرلینا چاہیے۔ اس موقع پر حکمتِ عملی و تدبیر کے ساتھ ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے کہ جس سے وہ بداَعمالیوں سے نجات پا جائیں۔ ان کی رائے تھی کہ مسلمان جماعت میں افتراق و انتشار کا پیدا ہوجانا ان بداعمالیوں کے پیدا ہوجانے سے زیادہ برا ہے۔

جب کہ شیخ الاسلام مولانا رشیداحمد گنگوہیؒ کی نظر صرف مسلمانوں کی اصلاح اور ان کے اَخلاق درست کرنے پر تھی۔ وہ یہ دیکھتے تھے کہ (زوال کے دور میں اَخلاق واعمال میں ایک مضبوط اور) پختہ جماعت ضروری ہے۔ خواہ اسے دوسروں سے الگ کرنے میں افتراق وانتشار ہی کیوں نہ پیدا ہوجائے۔ وہ بڑی ثابت قدمی اور شدت سے اپنی تربیت یافتہ جماعت کی مدد ونصرت کرنے اور اس کی اتباع اختیار کرنے پر زور دیتے تھے۔

(دونوں بزرگوں کی اتباع میں حضرت شیخ الہندؒ کا کردار)

جب شیخ الاسلام مولانا محمدقاسم (نانوتویؒ) کا انتقال ہوگیا تو اب جماعت کے آگے بڑھنے کا معاملہ شیخ الاسلام مولانا رشیداحمد گنگوہیؒ کی رہنمائی پر موقوف تھا۔ اس حوالے سے (جماعت کے) کوئی دو افراد بھی اختلافِ رائے نہیں رکھتے تھے۔ اس کے باوجود (جماعت کے لوگوں کو) یہ خوف تھا کہ حضرت گنگوہیؒ کی جانب سے اپنے مزاج پر شدت اور استقامت سے کہیں ایسا نہ ہو کہ جب وہ کسی ناپسندیدہ چیز کو دیکھیں تو ان سے علاحدگی اور جدائی اختیار کرلیں۔ جماعت نے جب یہ معاملہ ان کے سامنے پیش کیا۔ اور ہر حالت میں، خواہ سختی ہو یا آسانی ہو، نہایت خوش دلی سے ان کی اطاعت کا اقرار کیا تو اس پر حضرت گنگوہیؒ راضی ہوگئے۔ اور جماعت کے آگے بڑھنے کا معاملہ اپنے پرانے طریقۂ کار کے مطابق چل پڑا۔

حضرت مولانا محمدقاسم (نانوتویؒ) کی صحبت اور محبت سے مانوس لوگ، اُن کی وفات سے بہت زیادہ متأثر ہوئے۔ یہاں تک کہ انھوں نے حزن و ملال کے غلبے کی وجہ سے علمی کاموں میں مشغول رہنا بھی چھوڑ دیا۔ اس سلسلے میں انھیں ملامت بھی نہیں کی جاسکتی، لیکن ان کی جانب سے حضرت مولانا رشیداحمد (گنگوہیؒ) کی خدمت اور صحبت میں جڑنے میں جتنی تاخیر ہوئی، اس سے فتنوں کے دروازے کھلے۔

جب ہمارے استاذ حضرت شیخ الہندؒ کو اس صورتِ حال کا اندازہ ہوا تو انھوں نے حضرت مولانا

رشید احمد (گنگوہیؒ) کی اطاعت کے لیے اسی طرح رجوع کیا، جیسا کہ وہ شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) کی اطاعت کرتے تھے۔ انھوں نے حضرت مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) کے صحبت یافتہ اپنے تمام ساتھیوں کو بھی اس بات پر آمادہ کیا۔ چناں چہ ان تمام حضرات نے متفقہ طور پر شیخ الاسلام حضرت گنگوہیؒ کی پوری اتباع کی۔ اس طرح جماعت کا نظام اپنی بنیادوں پر قائم ہوگیا۔

ہمارے استاذ حضرت شیخ الہندؒ اس سیاسی حکمتِ عملی کو کمال تک پہنچانے کے امام ہیں۔ انھوں نے اپنے ان دونوں مشائخ (کی محبت اور اطاعت) میں کوئی فرق نہیں رکھا، بلکہ دونوں کو ایک ہی درجے پر اپنی اطاعت اور فرماں برداری کا مرکز اور رہنما قرار دیا۔ جب انھوں نے ہمارے شیخ حضرت گنگوہی کی اتباع کرنے والے بعض لوگوں کو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے زیادہ محبت اور مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) کے درجے میں کمی کا اظہار کرتے دیکھا تو انھوں نے اپنے ایک طویل قصیدے میں ان دونوں مشائخ کی یکساں تعریف کی۔ اور ان دونوں کی مساوی طور پر اتباع کرنے کی دعوت دی۔ (242)

حضرت شیخ الہندؒ کی عادت تھی کہ وہ جب بھی اس اتفاق و اجتماع میں کوئی دراڑ محسوس کرتے تو اس کو ختم کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ ہم نے جب (جمعیت الانصار کے زمانے میں دارالعلوم دیوبند میں) "تکمیلِ (علوم)" کے نصاب میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی بعض کتابیں مطالعے کے لیے داخل کیں تو ہمارے شیخ حضرت شیخ الہندؒ نے ہمیں حکم دیا کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی بعض کتابیں بھی اپنے نصابی پروگرام میں شامل کریں۔ ایسا کسی علمی ضرورت کی بنا پر نہیں تھا، بلکہ جماعت کی اجتماعیت کو برقرار رکھنے کی مصلحت سے تھا۔

اسی طرح جب ہم نے دارالعلوم دیوبند میں ایک ماہنامہ مجلّہ شائع کرنا شروع کیا اور اس کا نام "القاسم" رکھا تو ہمارے شیخ حضرت شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) نے ایک دوسرا مجلّہ "الرشید" کے نام سے جاری کرنے کا حکم دیا۔

فصل (12۔ حضرت شیخ الہندؒ کا طرزِ تدریس)

ہمارے استاذ حضرت شیخ الہندؒ تقریباً ۱۲۹۵ھ (1878ء) کے زمانے سے ہی احادیثِ نبویہ کی بڑی کتابیں پڑھاتے تھے۔ آپ اپنے درس میں ہمارے علاقے کے عام علما میں مقبول شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے طریقے اور امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے طریقے کو باہم جمع کرتے تھے۔ جب ان دونوں طریقوں میں کسی جگہ اختلاف پیدا ہوجاتا تو وہ حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے طریقے کو ترجیح دیتے تھے۔ لیکن دورانِ درس اس ترجیح کو امام ولی اللہ (دہلویؒ) کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے، بلکہ فقہائے محدثین مثلاً حافظ ابن حجر (عسقلانیؒ) اور محقق (کمال الدین) ابن ہمامؒ کی طرف نسبت کیا کرتے تھے۔ یا ترجیح دینے والی

شخصیت کا نام مبہم رکھتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ: ''یہ محققین کا طریقہ ہے۔'' اس سے ان کی مراد امام ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے دہلوی اور دیو بندی متبعین ہوتے تھے۔ اس طریقۂ تدریس سے تمام عام وخواص فائدہ اٹھاتے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ جب یہ دیکھتے کہ ان طلبا میں سے کسی میں امام ولی اللہ دہلویؒ یا مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) کا طریقہ سمجھنے کی اہلیت، صلاحیت اور ذہانت و فطانت ہے تو اسے اس طریقے کی مخصوص باتوں کی جانب رہنمائی کردیتے۔

حضرت شیخ الہندؒ جب "**جامع ترمذی**'' پڑھاتے تو فقہ وحدیث میں تطبیق دینے میں ان کا یہی طریقۂ کار ہوتا تھا۔ پھر جب **صحیح امام بخاریؒ** کا درس دینا شروع کرتے تو اس کتاب میں صرف تراجم ابواب کے حل اور امام بخاریؒ کے بیان کردہ لطیف فقہی مباحث کی طرف توجہ دلایا کرتے۔ ان کی فقہی اور اجتہادی قوت' طالبِ علم کے ذہن میں بٹھاتے تھے۔ پھر جب (**بخاری شریف میں**) ''**ابواب الجہاد**" اور ''**المغازی**'' پر پہنچتے تو ان ابواب کو ایسی تحقیق سے پڑھاتے جیسا کہ لوگ ''**ابواب الطّہارت**" اور ''**الصّلوٰۃ**''کو تحقیق سے پڑھتے ہیں۔

اہل علم میں سے کسی کو اس بارے میں شک نہیں کہ ہمارے استاذ (حضرت شیخ الہندؒ) حنفی تھے اور اس کا دفاع کرتے تھے۔ وہ انتہائی ذہین وفطین تھے اور مباحثوں میں حصہ لینے والے تھے۔ سنی تھے اور ولی اللّٰہی تھے۔ وہ مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے طریقے کی اتباع کرتے تھے۔

ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ ہمارے شیخ کے ہم عصر لوگوں میں سے بعض لوگ حنفیہ کے دفاع کے لیے ہمہ وقت آمادہ اور ان کی طرف سے مناظرے کرتے رہتے تھے۔ اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے ہم عصر لوگوں میں ذہین ترین لوگوں کی ایک جماعت سنت کی اتباع کرنے اور اس کے زندہ کرنے میں بڑی جدوجہد کرتی تھی۔ لیکن جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا، جو "**ابواب الجہاد و المغازی**" کے پڑھانے میں حضرت شیخ الہندؒ پر فوقیت رکھتا ہو تو اس بات کو بیان کرنے میں ہم کوئی مبالغہ نہیں سمجھتے۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ اس طرح احادیثِ نبوّیہ کے نور سے لوگوں کے اذہان کو منور کرتے رہے۔ ان کے عزائم اور ارادوں کو مضبوط اور پختہ بناتے رہے۔ مسلسل چالیس سال تک اسی طرح اس کام میں مشغول رہے۔ وہ بڑوں کی عزت وتوقیر کرتے تھے۔ بڑے سکون و وقار کے ساتھ چھوٹوں پر شفقت فرماتے تھے۔

جب جہاد کے سلسلے میں عمل کرنے کا وقت آیا تو انھوں نے ایک لمحے کی تاخیر نہیں کی۔ انھوں نے اپنے تفسیر القرآن (ترجمہ) کے مقدمے (243) میں اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ شعر لکھا ہے ع

گو نالہ نارسا ہو ، نہ ہو آہ میں اثر
میں نے تو درگزر نہ کی ، جو مجھ سے ہوسکا

فصل (13۔حضرت شیخ الہندؒ کے قائم کردہ ادارے اور تنظیمیں)

۱۳۲۷ھ (1909ء) میں ہمارے استاذ حضرت شیخ الہندؒ نے ''ثمرۃ التربیت'' کے طرز پر ''جمعیت الانصار'' کی تنظیم شروع کی۔ (244) اور ۱۳۲۸ھ (1910ء) میں دیوبندی جماعت کے علما کی ایک عظیم مؤتمر بلائی۔ پھر وہ اہل علم کی متحد قوت کو جمع کرنے میں مسلسل مشغول رہے اور ہر سال ایک مؤتمر اور اجلاس کا انعقاد کرتے تھے۔ ۱۳۲۹ھ (1911ء) میں مرادآباد میں انھوں نے ان تمام حضرات اکابر کا اجتماع کیا۔ ۱۳۳۰ھ (1912ء) میں میرٹھ میں اجتماع کیا۔اسی سال دارالحدیث یعنی علومِ حدیث کے لیے ایک مخصوص کالج اور کلیہ کی بنیاد رکھی۔

حضرت شیخ الہندؒ ۱۳۳۱ھ (1913ء) میں درجۂ ''تکمیل'' کے نصاب کی تجدید کی۔ چناں چہ ایک کالج اور کلیہ ''درجہ تکمیل'' کے حوالے سے قائم کیا۔ جس میں عصری سکول و کالج او رمدارسِ شرعیہ کے فارغ التحصیل لوگوں کی تربیت کا مشترکہ نظام قائم کیا گیا۔ ۱۳۳۳ھ (1915ء) میں وہ حجاز تشریف لے آئے اور عملی سیاست میں شرکت کی۔ اس دوران ان کو انگریزوں نے مالٹا میں قید کردیا۔اس قید کے دوران انھوں نے قرآن کا اردو زبان میں ترجمہ ''موضحِ فرقانِ حمید'' کے نام سے مکمل کیا۔

حضرت شیخ الہندؒ ۱۳۳۸ھ (1920ء) میں اس قید سے رہا ہوئے اور ہندوستان واپس تشریف لا کر انھوں نے ''جامعہ ملیہ'' کے قیام کی افتتاحی نشست میں شرکت کی۔ اس کا سنگِ بنیاد رکھا۔اس طرح ''نظارۃ المعارف القرآنیہ'' ـــــ جسے انگریزوں نے بند کردیا تھا ـــــ اس جامعہ (ملیہ) میں ضم ہوگیا۔

اسی طرح انھوں نے ''جمعیت الانصار'' کے طرز پر ''جمعیت علمائے ہند'' قائم کی۔

ان کا انتقال ۱۸؍ ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ/ 30؍نومبر 1920ء کو (دہلی میں) امام عبدالعزیز دہلویؒ کی وفات کے ایک سو سال بعد ہوا۔ (ان کا جنازہ دیوبند لایا گیا اور ''قبرستانِ قاسمی'' میں حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔)

جب ان کو گرفتار کرکے مالٹا لے جایا گیا تو ہندستان کے مسلمانوں میں بڑا اضطراب ہوا اور عام بے چینی پھیل گئی۔ علمی مجالس اور سیاسی پارٹیوں میں بڑا احتجاج کیا گیا۔ اسی دوران ان کا لقب ''شیخ الہند'' ہوا۔ چناں چہ عام ہندوستانیوں میں وہ ''شیخ الہند'' کے نام سے پکارے جانے لگے۔ان سے براہِ راست تعلیم حاصل کرنے والے علما وفضلا ایک ہزار سے زیادہ ہیں۔ بالواسطہ طور پر ان کے فیض سے مستفید ہونے والے تین ہزار علما سے کم نہ ہوں گے۔ اس لیے ان سے بڑھ کر اَور کون ''شیخ الہند'' ہونے کا مستحق ہے۔ اللہ

تعالیٰ ان سے راضی ہو اور ان کو اعلیٰ علیّین میں اپنے سلف صالحین کے ساتھ شامل فرمائے۔ ان سے استفادہ کرنے والے لوگوں کی طرف سے آپ کو اچھی جزا اور بدلہ عنایت فرمائے۔

ربّنا! لا تحرِمنا أجره، و لا تفتنّا بعدهٗ، و اغفرلنا ذنوبنا، و إسرافنا في أمرنا، و انصرنا علیٰ القوم الکافرین.

(اے اللہ! ہمیں ان کے فیوض و برکات سے محروم نہ کرنا۔ ان کے بعد کسی فتنے میں مبتلا نہ کرنا۔ ہمارے گناہوں کو معاف فرمانا۔ ہم سے اس کام میں ہونے والے غلطیوں کو معاف فرمانا۔ ہمیں کافر و ظالم قوم پر غلبہ عطا فرمانا اور ہماری مدد و نصرت فرمانا۔)

فصل (14) کمزور بندے عبیداللہ بن سلام دیوبندی کی تعلیم و تعلّم کا تذکرہ

ہمارے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ ہی وہ شخصیت ہیں، جن سے میں نے تعلیم حاصل کی ہے۔ میں نے ان سے فقہ حنفی کی کتاب "**ھدایہ**"، اصولِ فقہ میں "**توضیح تلویح**"، "**مطوّل شرح التلخیص**" اور "**تفسیر بیضاوی**" پڑھی اور بہت سی علمی مشکلات میں ان سے رجوع کیا۔ اس طرح میرے سامنے علمی طریقۂ کار واضح ہوگیا۔ مجھے اپنے دل میں ان سے ذوقی، وجدانی اور عقلی محبت بڑی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ میں نے ان سے "**جامع ترمذی**"، تحقیق کے ساتھ پڑھی۔ باقی تمام کتب ِحدیث کی قرأت کی اور اجازت حاصل کی۔ انھوں نے مجھے رجب ۱۳۰۸ھ (فروری 1891ء) میں عام اجازت مرحمت فرمائی۔ میں نے ان کے سامنے "**مسند امام احمدؒ**"، امام طحاویؒ کی کتاب "**شرح معانی الآثار**"، امام محمدؒ کی کتاب "**مؤطّا**" اور "**کتاب الآثار**" پڑھی۔ انھوں نے ان تمام کی بھی مجھے اجازت عنایت فرمائی۔

میں نے "**سنن ابی داؤد**" شیخ الاسلام مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے پڑھی۔ اور ان کی روایات کی عام اجازت ایک ایسی جماعت سے حاصل کی، جنھوں نے ان سے تعلیم حاصل کی تھی۔ ان میں شیخ عبدالکریم بائلی دہلویؒ اور شیخ عبدالرزاق افغانی کابلی ہیں۔

پھر میں نے شیخ حسین بن محسن یمانیؒ کی صحبت اختیار کی اور ان سے تعلیم پائی۔ ان سے **صِحّاح سِتّہ** اور "**فتح الباری**" کے اطراف پڑھے۔ "**نیل الأوطار**" اور فقہائے شافعیہ کے اصول وفروع کی کتابوں کے اطراف پڑھے۔ ان سے "**مسلسلات**" کی سند حاصل کی۔ ان سے میں نے محققین شافعیہ میں حافظ ابن حجرؒ کی اتباع کرنے والے محدثین کے طریقۂ تحقیق کو سمجھا۔

میں نے شیخ ابوالخیر (احمد بن عثمان) مکیؒ سے "**المسوّی من أحادیث المؤطا**" کی مناولتاً اجازت حاصل کی۔ میں شیخ الاسلام مولانا نذیر حسین دہلویؒ کے بعض دروس میں حاضر ہوا۔ ان دونوں حضرات کی

عمومی اجازتوں میں داخل ہوگیا۔

اسی طرح میں درجِ ذیل مشائخ کی عمومی اجازت میں بھی داخل ہوا:

1۔ شیخ عباس بن جعفر مکیؒ (۱۲۴۱ھ/ 1826ء - ۱۳۲۰ھ/ 1902ء) (245)

2۔ محمد علی بن ظاہر وتری مدنیؒ (ذوالقعدہ ۱۲۶۱ھ/ 1845ء - ۱۳۲۲ھ/ 1904ء) (246)

3۔ (شیخ) عبدالجلیل بن عبدالسلام برادہ مدنیؒ (۱۲۴۲ھ/ 1827ء - ۱۳۲۶ھ/ 1908ء) (247)

4۔ شیخ نورالحسنین ہندیؒ (۲۱/ رمضان ۱۲۵۲ھ/ 31 دسمبر 1836ء) (248)

جب اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل کرتے ہوئے مجھے اُمّ القریٰ (مکہ مکرمہ) میں قیام کی توفیق دی تو میں نے یہاں کے بعض مشائخ سے بھی اجازت حاصل کی۔ مثلاً:

5۔ شیخ تاج الدین عبدالستار بن عبدالوہاب ہندیؒ (249) (۱۲۸۶ھ/ 1870ء - ۱۳۵۵ھ/ 1936ء)

6۔ شیخ عبداللہ بن محمد غازی ہندیؒ (250)

7۔ شیخ ابوالشرف عبدالقادر بن محمد معصوم مجددیؒ (251)

8۔ شیخ عبدالوہاب بن عبدالجبار دہلویؒ (۱۳۱۵ھ/ 1897ء - ۱۳۸۱ھ/ 1961ء) (252)

9۔ جب شیخ عبدالحیٔ کتانی مغربی مالکیؒ (253) ۱۳۵۱ھ (1932ء) میں حج کے لیے تشریف لائے تو میں نے ان کی صحبت اٹھائی۔ ان سے "مسلسل بالأولیه" کی حدیث کی سماعت کی۔ انھوں نے اس مجلس کے تمام حاضرین کو بالعموم اپنی روایات کی اجازت دی۔ شیخ کتانیؒ اپنے زمانے کے ''حُفّاظِ (حدیث)'' میں سے تھے۔

میں نے ان مشائخ سے بھی روایت کرنا پسند کیا، جنھوں نے ایسے ہم عصر علما سے اجازت حاصل کی تھی، جنھیں میرے مشائخ اوران کے شیوخ میں سے کسی ایک نے اجازت دی ہو۔

شیخ شمس الحق عظیم آبادیؒ نے ہمارے شیخ حسین بن محسن یمانیؒ سے سوال کیا تھا کہ آپ اپنے اہل عصر تمام علما کو اجازت دیں۔ چناں چہ انھوں نے انھیں اجازت دی، لیکن اس کے بعد وہ بھول گئے تھے۔ اس کے بعد میں نے اپنے شیخ، شیخ حسین بن محسن یمانیؒ سے اپنے تمام اہل عصر کے لیے اجازتِ عامہ کے بارے میں عرض کیا تھا۔ تو انھوں نے تمام اہل عصر کے لیے اجازتِ عامہ دے دی۔

والحمدللّٰہ (اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔)

ربّ توفّنی مسلمًا و ألحقنی بالصّالحین.

اے میرے ربّ! مجھے مسلمان ہونے کی حالت میں وفات دینا اور مجھے سلفِ صالحین کے ساتھ شامل کرنا۔

دوسرا باب

حکیم الہند مجدد امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اسانید کا تذکرہ

پہلی نوع

ہمارے استاذ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی اسانید

فصل (1) دیوبندی جماعت کی اسانید

1۔ ہمارے استاذ شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ سے اور شیخ علامہ مولانا محمد یعقوب (نانوتوی) دیوبندیؒ سے اور وہ دونوں روایت کرتے ہیں دوسرے شیخ کے والد استاذ اساتذۃ العصر شیخ علامہ مولانا مملوک علی نانوتوی دہلوی سے، وہ شیخ علامہ مولانا رشید الدین دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔ پھر شیخ علامہ رشیدالدین دہلویؒ (تین حضرات): (i) سراج الہند اور ہندوستانی تحریک کے امام (شاہ) عبدالعزیز (دہلویؒ) (ii) امام (شاہ) رفیع الدین (دہلویؒ) اور (iii) امام (شاہ) عبدالقادر (دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔ اور یہ تینوں حکیم الہند امام (شاہ) ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

2۔ شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں:

الف: شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ سے، اور وہ روایت کرتے ہیں شیخ الاسلام مولانا عبدالغنی دہلویؒ اور اپنے زمانے کے حافظ (الحدیث) مولانا احمد علی (محدث) سہارن پوری سے۔ یہ دونوں حضرات ہندوستانی تحریک کے رکن، مسندالآفاق، صدرالحمید مولانا محمد اسحاق دہلوی سے، اور وہ امام عبدالعزیزؒ، امام رفیع الدینؒ اور امام عبدالقادر سے روایت کرتے ہیں۔ اور یہ تینوں امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

ب: شیخ الاسلام، مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ روایت کرتے ہیں شیخ مظفرحسین کاندھلویؒ سے، اور وہ رشد و ہدایت کے داعی شیخ مولانا محمد یعقوب (دہلویؒ) اور مولانا محمد اسحاق (دہلویؒ) سے، اور وہ امام عبدالعزیز (دہلویؒ) سے، اور وہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ سے، اور وہ امیر امداد اللہ تھانوی مکیؒ، اور وہ شیخ نصیرالدین دہلویؒ سے اور وہ (i) صدرالحمید مولانا محمد اسحاق دہلویؒ، (ii) صدرالسعید مولانا محمد عبدالحئی دہلویؒ، (iii) صدرالشہید مولانا محمد اسماعیل دہلویؒ سے اور یہ تینوں حضرات روایت کرتے ہیں (i) امام عبدالعزیز

دہلویؒ، (ii) امام رفیع الدین دہلویؒ اور (iii) امام عبدالقادر دہلویؒ سے اور یہ تینوں حکیم الہند امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امیر (امداداللہ) تھانویؒ روایت کرتے ہیں شیخ (محمد) قلندر جلال آبادیؒ (254) سے، اور وہ مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ سے اور وہ امام عبدالعزیزؒ، شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ سے، اور یہ تینوں حضرات امام (شاہ) ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امیر (امداداللہ) تھانویؒ نے صدرالحمید مولانا محمد اسحاق دہلویؒ سے 1261ھ (1845ء) میں مکۃ المعظمہ میں روایت کی اجازت لی۔ اور انھوں نے امام عبدالعزیزؒ، شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ سے روایت کی۔ اور انھوں نے شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی۔

امیر (امداداللہ) تھانویؒ روایت کرتے ہیں شیخ نورمحمد جھنجھانویؒ (255) سے۔ اور وہ روایت کرتے ہیں شیخ عبدالرحیم شہید افغانیؒ سے، اور وہ روایت کرتے ہیں امیرالشہید سیّد احمد دہلوی سے، اور وہ روایت کرتے ہیں امام عبدالعزیز (دہلویؒ) سے، اور انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

امیر (امداداللہ) تھانویؒ نے روایت کی ہے شیخ نورمحمد جھنجھانویؒ سے، انھوں نے امیرالشہید (سیّد احمد) سے، انھوں نے امام عبدالعزیزؒ سے، انھوں نے حکیم الہند (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے دیوبندی جماعت کے اہم اراکین: (i) مولانا عبدالغنی دہلویؒ، (ii) مولانا احمد علی سہارن پوریؒ، (iii) مولانا (قاری) عبدالرحمٰن پانی پتیؒ، (iv) مولانا محمد مظہر نانوتویؒ اور (v) امیر امداد اللہ (مہاجر مکیؒ) سے روایت کی ہے۔ اور ان پانچوں حضرات نے صدر الحمید مولانا محمد اسحاق (دہلویؒ) سے، انھوں نے امام عبدالعزیز سے، انھوں نے حکیم الہند (امام ولی اللہؒ) سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے اپنے والد محترم استاذ ادیب مولانا ذوالفقار علی دیوبندی سے روایت کی، اور انھوں نے مفتی صدرالدین (آزُردہ) دہلویؒ سے، انھوں نے امام عبدالعزیزؒ، امام رفیع الدینؒ، امام عبدالقادرؒ، اور صدر الحمید مولانا محمد اسحاق دہلویؒ سے، اور پہلے تین حضرات نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے مولانا عبدالغنی دہلویؒ سے روایت کی، انھوں نے اپنے والد ابوسعید دہلویؒ اور (شاہ) مخصوص اللہ بن (شاہ) رفیع الدین دہلویؒ سے، اور ان دونوں حضرات نے امام عبدالعزیز دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

شیخ ابوسعید دہلویؒ نے شیخ عبداللہ (شاہ غلام علی) دہلویؒ سے روایت کی، اور انھوں نے امام عبدالعزیزؒ سے، انھوں نے شیخ امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے مولانا احمد علی سہارن پوریؒ سے روایت کی، انھوں نے شیخ وجیہ الدین محسنی سہارنپوریؒ

(256) سے، انھوں نے صدر السعید شیخ عبدالحیؒ سے، انھوں نے تینوں اماموں (شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، شاہ رفیع الدین دہلویؒ، شاہ عبدالقادر دہلویؒ) سے، اور انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے مولانا (قاری) عبدالرحمٰن پانی پتی سے روایت کی، انھوں نے شیخ محمد قلند جلال آبادی سے، انھوں نے مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ سے، انھوں نے (مذکورہ بالا) تینوں اماموں سے، اور انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

فصل (2) دیوبندی تسلسل کے بغیر حنفی سلسلۂ اسانید کا بیان

شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) نے شیخ عبدالغنی دہلویؒ سے روایت کی، انھوں شیخ اسماعیل بن ادریس رومیؒ (257) سے، انھوں نے شیخ محمد اخنـموی سے، انھوں نے سید مرتضٰی زبیدی سے، انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

اور شیخ اسماعیل نے شیخ منصور منصوری سے، اور انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ سے روایت کی، اور انھوں نے شیخ عبداللطیف بیروتی سے، انھوں نے (شیخ) مصطفٰی رحمتی اور (سید) مرتضٰی زبیدی سے، اور ان دونوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

شیخ (سید) مرتضٰی (زبیدی) نے محمد فاخر الہ آبادی سے، اور انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

اور شیخ (سید) مرتضٰی (زبیدی) نے (شیخ) ابوالحسن سندھیؒ (صغیر) سے، انھوں نے (شیخ) محمد حیات سندھیؒ سے، انھوں نے محمد معین (ٹھٹھوی) سندھیؒ سے، اور انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے شیخ عبدالغنی دہلویؒ سے، انھوں نے صدر الحمید مولانا محمد اسحاق دہلویؒ سے، انھوں نے عمر بن عبدالکریم مکیؒ سے، انھوں نے (شیخ) محمد طاہر بن محمد سعید سنبلؒ سے، انھوں نے شیخ منصور منصوریؒ سے، اور انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

اور شیخ عبدالغنی (دہلویؒ) نے اسماعیل رومیؒ سے، انھوں نے محمد طاہرؒ سے، انھوں نے منصور منصوریؒ سے، اور انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

اور شیخ عمر بن عبدالکریم نے (i) مصطفٰی رحمتی، (ii) (سید) مرتضٰی زبیدی اور (iii) عثمان بن محمد ازہری مدنی سے، اور ان تینوں حضرات نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

اور صدر المفید (مولانا محمد یعقوب دہلویؒ) نے مصطفٰی رحمتی اور (سید) مرتضٰی زبیدی سے اور دونوں

نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے مولانا عبدالغنی دہلویؒ سے، انھوں نے شیخ محمد عابد سندھیؒ سے، انھوں نے (اپنے چچا) شیخ محمد حسین سندھیؒ سے، انھوں نے (اپنے والد) شیخ محمد مراد سندھیؒ سے، انھوں نے شیخ محمد ہاشم سندھیؒ (258) سے، اور انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

اور شیخ محمد عابد (سندھیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) یوسف بن محمد بن علاءالدین مزجاجی حنفیؒ سے، اور وہ اپنے والد محمد بن علاءالدین حنفیؒ سے، اور انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

اور شیخ اسماعیل رومیؒ نے روایت کی ہے (شیخ) یوسف سے، انھوں نے اپنے والد محمد سے، اور انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

شیخ محمد عابد (سندھیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) صدیق بن علی یمانی حنفیؒ (259) سے، اور انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے روایت کی ہے مولانا عبدالغنی دہلویؒ سے، انھوں نے اسماعیل بن ادریس رومی سے، انھوں نے شیخ عبدالغنی نابلسیؒ کے پوتے (شیخ) ابراہیمؒ سے، انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے شیخ (قاری) عبدالرحمٰن پانی پتی سے روایت کی ہے، انھوں نے حسن علی لکھنویؒ (260) سے، انھوں نے امام عبدالعزیز دہلویؒ سے، انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

اور شیخ حسن علی لکھنویؒ نے شیخ نور الحق بن انوار الحق لکھنویؒ (261) سے، انھوں نے شیخ علامہ بحرالعلوم عبدالعلی بن امام نظام الدین لکھنویؒ سے، انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: مولانا عبدالعلی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ اس طرح ہمیں اپنے شیخ، شیخ الہندؒ کے سلسلۂ سند کے ذریعے امام نظام الدین (لکھنویؒ درسِ نظامی والے) کے ساتھ بھی اتصال حاصل ہے۔

شیخ الہندؒ، شیخ عبدالجلیل مدنی سے روایت کرتے ہیں، وہ (شیخ) سخاوت علی جونپوری (262) سے، وہ صدرالسعید (مولانا) عبدالحیٔ اور صدرالشہید (شاہ) محمد اسماعیل سے، یہ دونوں حضرات امام عبدالعزیز سے، اور وہ امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ، احمد بن سلیمان اروادی طرابلسی حنفیؒ (263) سے روایت کرتے ہیں، اور وہ (شیخ) خالد کردیؒ سے، وہ امام عبدالعزیز دہلویؒ سے، اور وہ امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اور (احمد بن سلیمان اروادی) طرابلسی روایت کرتے ہیں ابن عابدین (شامیؒ) سے، اور وہ (شیخ) محمد

شاکرؒ (264) سے، اور وہ امام ولی اللہ دہلویؒ روایت کرتے ہیں۔

اور ابن عابدین (شامیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد شاکرؒ سے، اور وہ (شیخ) محمد بن احمد بن محمد بن خیر اللہ بخاریؒ سے، اور وہ امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اور ابن عابدین (شامیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) شہاب آلوسی (مصنف تفسیر روح المعانی) سے، اور وہ (شیخ) خالد کردی سے، اور وہ امام عبدالعزیز سے، اور وہ امام ولی اللہ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ، احمد بن سلیمان اروادی سے روایت کرتے ہیں، اور وہ سیّد احمد طحطاویؒ سے، وہ مصطفیٰ طائیؒ (265) سے، اور وہ امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: بحمداللہ ہمیں اپنے شیخ، شیخ الہندؒ کے سلسلۂ سند کے فقط دو واسطوں کے ذریعے فقہائے حنفیہ کے تینوں اماموں: شیخ محمد عابد (سندھیؒ)، شیخ ابن عابدین (شامیؒ) اور شیخ احمد طحطاویؒ ــــ جنھوں نے "درّمختار" پر شروحات (یعنی بالترتیب "**طوالع الانوار علی الدّرّ المختار**"، "**ردّ المحتار علی الدّرّ المختار**"، "**حاشیه علی الدّرّ المختار**") لکھی ہیں ــــ سے اتصال حاصل ہے۔

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: سیّد احمد طحطاویؒ نے تعلیم حاصل کی ہے:

الف: شیخ احمد حافیؒ سے، اور انھوں نے علی عقدیؒ، علی سیواسیؒ، احمد دقدوسیؒ اور سید علی اسکندرؒ سے، اور ان چاروں حضرات نے محمد شاہین ارمناویؒ اور عبدالحئ شرنبلالی سے، اور ان دونوں حضرات نے احمد شوبریؒ اور حسن شرنبلالیؒ سے تعلیم حاصل کی ہے۔

ب: اور محمد حریری سے، انھوں نے حسن مقدسی سے، انھوں نے سلیمان منصوری سے، انھوں نے عبدالحئ شرنبلالی سے سندِ حدیث حاصل کی۔

ج: اور حسن بن ابراہیم جبرتی سے، انھوں نے حسن بن حسن شرنبلالیؒ (266) سے، اور انھوں نے اپنے والد (حسن شرنبلالی) سے سند حدیث روایت کی۔

د: اور مصطفیٰ طائی سے، انھوں نے اپنے والد محمد بن یونس طائی سے، انھوں نے عبدالعزیز زیادی سے، انھوں نے شاہین بن منصوری ارمناوی، عمر زہروی، عثمان نحراوی، یحییٰ شہادی، عبدالحئ شرنبلالی، احمد خموی، قائد ابیاری ثم ارمناویؒ اور حسن شرنبلالی سے سند حدیث حاصل کی۔ اور اللہ زیادہ جانتا ہے۔

فصل (3) حنفی تسلسل کے بغیر حضرت شیخ الہندؒ کی اسانید

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں، مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، وہ سید عبدالرحمٰن بن سلیمان اَہدل شافعیؒ (267) سے، وہ اپنے والد سید سلیمان بن یحییٰ اَہدل شافعی سے، وہ امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے

ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں سید عبدالرحمٰن بن سلیمان اَہدل سے، وہ سید مرتضیٰ زبیدی سے، وہ امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ الہندؒ) روایت کرتے ہیں سید مرتضیٰ بلگرامیؒ سے، اور وہ سید عبدالرحمٰن بن مصطفیٰ عیدروسؒ سے، وہ سید غلام علی آزاد بلگرامیؒ سے، وہ شیخ محمد حیات سندھیؒ سے، وہ شیخ محمد معین سندھیؒ سے، اور وہ امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اور شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں سید عبدالرحمٰن اہدل سے، اور وہ سیّد احمد بن ادریس حسنیؒ سے، وہ امیر الشہید سیّد احمد بن عرفان حسنی سے، وہ امام عبدالعزیز دہلویؒ سے، اور وہ امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں سید عبدالرحمٰن بن سلیمان اہدل سے، وہ شیخ محمد بن سنہ عمری فلانیؒ (268) سے، اور وہ امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، اور وہ عبدالرحمٰن کزبری شافعیؒ (269) سے، وہ اپنے والد محمد کربزی شافعیؒ (270) سے، وہ امام ولی اللہؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں، سید عبدالرحمٰن اہدل سے وہ سید عبدالرحمٰن بن مصطفیٰ عیدروسؒ سے، وہ سید غلام علی بلگرامی سے، اور وہ امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، وہ عبدالرحمٰن کزبری سے، وہ محمد بن محمد بن احمد امیر مالکیؒ سے، اور وہ امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں شیخ عبدالغنی دہلویؒ سے، وہ (شیخ) محمد عابد سندھیؒ سے، وہ (شیخ) صالح فلانی مالکیؒ (271) سے، (اور وہ شیخ محمد بن سنہ عمری فلانی سے) وہ امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اور شیخ محمد عابد روایت کرتے ہیں صدیق بن علی حنفیؒ سے، وہ امام محمد بن محمد علی شوکانی زیدیؒ (272) سے، اور وہ امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں احمد بن سلیمان طرابلسیؒ سے، وہ ابراہیم باجوری شافعیؒ سے، وہ عبداللہ شرقاویؒ سے، اور وہ امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ: بعض اہل علم نے کہا ہے کہ: اہل حجاز کے علما کی اکثر اسانید عمر بن عبدالکریم مکیؒ اور (شیخ محمد) عابد سندھیؒ تک پہنچتی ہیں۔ جب کہ اہل یمن کے علما کی اسانید (امام) شوکانیؒ اور عبدالرحمٰن بن سلیمان (اَہدل) تک، پہنچتی ہیں۔ اہل مصر کے علما کی اسانید امیر (محمد بن محمد بن احمد مالکیؒ) اور (عبداللہ)

شرقاویؒ تک پہنچتی ہیں۔ اور اہل دمشق کی اسانید (محمد) کر بزیؒ (شافعی) تک پہنچتی ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ: ہم اللہ تعالیٰ کی اس پر تعریف کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے شیخ، شیخ الہند —— اللہ ان سے راضی ہو —— کے سلسلے کے ذریعے تمام ممالک کے ائمہ سے (روایتِ حدیث کی اسناد کا) اتصال حاصل ہے۔

دوسری نوع

ہمارے شیخ، شیخ الاسلام رشید احمد انصاری گنگوہیؒ کی اسانید

شیخ الاسلام (مولانا) رشید احمد گنگوہیؒ روایت کرتے ہیں امام احمد سعید دہلویؒ سے، اور وہ امام عبدالعزیز دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اور امام احمد سعید (مجددیؒ) روایت کرتے ہیں صدر الحمید محمد اسحاق (دہلویؒ) اور مولانا رشید الدینؒ سے، اور یہ دونوں حضرات امام عبدالعزیز (دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

اور امام احمد سعید روایت کرتے ہیں شیخ عبداللہ سراج سے، وہ صدر الشہید مولانا محمد اسماعیل دہلویؒ سے، وہ امام عبدالعزیزؒ سے وہ امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام (مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) روایت کرتے ہیں مفتی صدر الدین (آزردہ) دہلویؒ سے، اور وہ امام عبدالعزیز سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام (رشید احمد) روایت کرتے ہیں علامہ مملوک العلی (نانوتویؒ) سے، وہ (علامہ) رشید الدین سے، وہ امام عبدالعزیز سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام (مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) روایت کرتے ہیں امیر امداد اللہ (تھانویؒ) سے، وہ شیخ نور محمد (جھنجھانویؒ) سے، وہ امیر الشہید (سیّد احمدؒ) سے، اور وہ امام عبدالعزیز سے روایت کرتے ہیں۔

اور شیخ الاسلام (مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) روایت کرتے ہیں مولانا عبدالغنی دہلویؒ سے، وہ صدر الحمید (شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) سے، وہ امام عبدالعزیز (دہلویؒ) سے، اور وہ امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ: ہمارے شیخ، شیخ الاسلام (رشید احمد گنگوہیؒ) عام اجازتوں کے ذریعے اُن تمام شیوخ سے روایت کرتے ہیں، جن سے ہمارے استاذ کے شیخ مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) نے بابِ اول میں روایت کی ہے۔ اس لیے کہ شیخ الاسلام (مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے عمر میں تقریباً چار سال بڑے تھے۔

تیسری نوع

عبیداللہ بن الاسلام دیوبندی (سندھی) کی تعلیمی اسانید

فصل (1) ہمارے حنفی مشائخ کی اسانید کا تذکرہ

عبیداللہ (سندھی) روایت کرتا ہے:

الف: شیخ تاج الدین عبدالستار بن عبدالوہاب ہندی مکیؒ سے، اور انھوں نے شیخہ صالحہ خدیجہ بنت صدرالحمید مولانا محمد اسحاق (دہلویؒ) سے، اور انھوں نے اپنے والد صدرالحمید مولانا محمد اسحاق دہلویؒ سے اور انھوں نے امام عبدالعزیز دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

ب: شیخ تاج الدین (عبدالستار) روایت کرتے ہیں شیخہ صالحہ فاطمہ بنتِ شیخ (شاہ) محمد یعقوب دہلوی مکی سے، اور انھوں نے اپنے والد شیخ محمد یعقوب (دہلویؒ) سے، انھوں نے امام عبدالعزیز (دہلویؒ) سے، اور انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

عبیداللہ روایت کرتا ہے (شیخ) عباس بن جعفر مکیؒ اور (محمد) علی بن ظاہر وتری مدنیؒ سے، اور ان دونوں حضرات نے روایت کی شیخ صدیق کمالؒ سے، انھوں نے عبداللہ سراج مکیؒ سے، انھوں نے صدرالشہید مولانا محمد اسماعیل دہلویؒ سے، انھوں نے امام عبدالعزیز دہلویؒ سے، اور امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

عبیداللہ روایت کرتا ہے شیخ عبدالجلیل بن عبدالسلام برّادہ مدنی سے، انھوں نے شیخ سخاوت علی جونپوری سے، انھوں نے صدرالسعید مولانا عبدالحیٔ اور صدرالشہید مولانا محمد اسماعیل سے، ان دونوں حضرات نے امام عبدالعزیز دہلویؒ سے اور انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

عبیداللہ روایت کرتا ہے سید العارفین محمد صدیق (بھرچونڈی) سندھیؒ سے، انھوں نے سید محمد حسن سندھیؒ سے، انھوں نے سید صبغۃ اللہ بن امام محمد راشد سندھیؒ سے، انھوں نے امیرالشہید سیّد احمد دہلویؒ سے، انھوں نے امام عبدالعزیز (دہلویؒ) سے، انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

عبیداللہ روایت کرتا ہے سید العارفین حافظ محمد صدیق سندھیؒ سے، انھوں نے شیخ محمد عابد سندھیؒ سے، انھوں نے اپنے چچا (شیخ محمد حسین بن محمد مراد سندھیؒ) سے، انھوں نے اپنے والد (شیخ محمد مراد سندھیؒ) سے، انھوں نے شیخ محمد ہاشم (ٹھٹھوی) سندھیؒ سے، انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

عبیداللہ روایت کرتا ہے:

الف: ابوالخیر (احمد بن عثمان) مکیؒ سے، انھوں نے شیخ عبدالقیوم بن عبدالحئی دہلویؒ سے، انھوں نے شیخ محمد اسحاق اور محمد یعقوب سے، اور ان دونوں نے امام عبدالعزیز سے، انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

ب: شیخ عبدالقیوم روایت کرتے ہیں سید محبوب علی دہلویؒ (273) سے، انھوں نے امام عبدالعزیز دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

ج: شیخ عبدالقیوم روایت کرتے ہیں شیخ نصیرالدین دہلویؒ (274) سے، انھوں نے صدرالسعید اور صدرالشہید سے، ان دونوں نے امام عبدالعزیز سے، اور انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

عبیداللہ روایت کرتا ہے (شیخ) ابوالخیر (احمد بن عثمان مکیؒ) سے، انھوں نے محمد شکور جعفریؒ (275) سے، انھوں نے شیخ رشیدالدین دہلویؒ سے، انھوں نے امام عبدالعزیز، امام رفیع الدین، اور امام عبدالقادر سے، ان تینوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

عبیداللہ روایت کرتا ہے (شیخ) ابوالخیر (احمد بن عثمان مکیؒ) سے، انھوں نے محمد ایوب بن قمرالدین سے، انھوں نے شیخ مظفر حسین کاندھلویؒ سے، انھوں نے شیخ محمد اسحاق اور محمد یعقوب سے، ان دونوں نے امام عبدالعزیز سے روایت کی ہے۔

عبیداللہ روایت کرتا ہے (شیخ) ابوالخیر (احمد بن عثمان مکیؒ) سے، انھوں نے علی اکرم آروی سے، انھوں نے عالم علی مرادآبادیؒ (276) سے، انھوں نے شیخ محمد اسحاق دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

عبیداللہ روایت کرتا ہے (شیخ) ابوالخیر (احمد بن عثمان مکیؒ) سے، انھوں نے شیخ لطف اللہ علی گڑھیؒ سے، انھوں نے مفتی عنایت احمد (کاکورویؒ) سے، انھوں نے صدرالحمید مولانا محمد اسحاق سے، انھوں نے امام عبدالعزیز سے راویت کی ہے۔

عبیداللہ روایت کرتا ہے (شیخ) ابوالخیر (احمد بن عثمان مکیؒ) سے، انھوں نے (شیخ) لطف اللہ سے، انھوں نے مفتی عنایت احمد (کاکورویؒ) سے، انھوں نے شیخ بزرگ علی مارہرویؒ (277) سے، انھوں نے امام عبدالعزیز سے، انھوں نے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

عبیداللہ روایت کرتا ہے (شیخ) ابوالخیر (احمد بن عثمان مکیؒ) سے، انھوں نے سید نعمان آلوسیؒ سے، انھوں نے اپنے والد شہاب (الدین آلوسیؒ، مصنف تفسیر ''روح المعانی'') سے، انھوں نے (شیخ) خالد کردیؒ سے، انھوں نے امام عبدالعزیز سے، انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

عبیداللہ روایت کرتا ہے:

الف: (شیخ) ابوالخیر (احمد بن عثمان مکیؒ) سے، انھوں نے ابوالحسنات (مولانا) عبدالحئی (لکھنویؒ)

سے، انھوں نے شیخ عبدالغنی (مجددی دہلویؒ) سے، انھوں نے صدرالحمید مولانا محمد اسحاق سے، انھوں نے امام عبدالعزیز سے روایت کی ہے۔
ب: ابوالحسنات (مولانا عبدالحئی) روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) عبدالحلیم (لکھنوی) سے، انھوں نے حسین احمد ملیح آبادیؒ سے، انھوں نے امام عبدالعزیز سے، انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔
عبیداللہ روایت کرتا ہے (شیخ) ابوالخیر سے، انھوں نے (شیخ) محمد نعیم سے، انھوں نے اپنے والد (شیخ) عبدالحکیم سے، انھوں نے اپنے والد (شیخ) عبدالرب سے، انھوں نے اپنے والد بحرالعلوم (ملا) عبدالعلی سے، انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔
عبیداللہ روایت کرتا ہے (شیخ) عبدالستار سے، انھوں نے (شیخ) ادریس مکیؒ سے، انھوں نے (شیخ) ابن عابدین (شامیؒ) سے، انھوں نے (شیخ) خالد کردیؒ سے، انھوں نے امام عبدالعزیز سے، انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔
عبیداللہ روایت کرتا ہے (شیخ) عبدالستار سے، انھوں نے (شیخ) حبیب الرحمٰن ہندی مدنیؒ سے، انھوں نے شیخ سلام اللہ دہلویؒ اور شیخ سلامت بدایونیؒ سے، ان دونوں حضرات نے امام عبدالعزیز دہلویؒ سے، انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔
عبیداللہ روایت کرتا ہے:
الف: (شیخ) عبدالستارؒ (بن عبدالوہابؒ) سے، انھوں نے شیخ رحمت اللہ (کیرانوی) ہندی مکیؒ سے، انھوں نے شیخ علی احمد سے، انھوں نے صدرالحمید (شاہ محمد اسحاق) سے، انھوں نے امام عبدالعزیز سے روایت کی ہے۔
ب: شیخ رحمت اللہ (کیرانویؒ) نے مفتی سعداللہ (لاہوریؒ) سے، انھوں نے (شیخ) حسن علی لکھنویؒ سے، انھوں نے امام عبدالعزیز سے، انھوں نے امام ولی اللہ سے روایت کی ہے۔
عبیداللہ روایت کرتا ہے (شیخ) ابوالخیر سے، انھوں نے سید حسن نقوی رامپوریؒ سے، انھوں نے شیخ (نواب) قطب الدین بن محی الدین احراری دہلویؒ سے، انھوں نے صدرالحمید (شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) سے روایت کی ہے۔
عبیداللہ روایت کرتا ہے:
الف: (شیخ) عبدالستار (بن عبدالوہابؒ) سے، انھوں نے عبدالحق ہندی مکیؒ سے، انھوں نے شیخ قطب الدین دہلویؒ سے، انھوں نے صدرالحمید (شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) سے، انھوں نے امام عبدالعزیز سے روایت

کی ہے۔

ب: شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں شیخ عبداللہ سے، انھوں نے ابوالحسن نصیرآبادیؒ سے، انھوں نے (شیخ) مراداللہ تھانیسریؒ سے، انھوں نے (شیخ) نعیم اللہ بہڑائچیؒ سے، انھوں نے قاضی امام ثناء اللہ پانی پتیؒ سے، ان دونوں حضرات نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

عبیداللہ روایت کرتا ہے (شیخ) عباس بن جعفر مکیؒ اور (محمد) علی بن ظاہر مدنیؒ سے، ان دونوں نے محمد بن حسین کتبیؒ (278) سے، انھوں نے سیّد احمد طحطاویؒ سے، انھوں نے (شیخ) مصطفیٰ بن محمد بن یونس طائی سے، انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

عبیداللہ روایت کرتا ہے شیخ ابوالشرف عبدالقادر بن محمد معصوم بن عبدالرشید بن امام احمد سعید دہلویؒ سے، انھوں نے شیخ معمر مولانا فضل الرحمٰن (گنج) مرادآبادیؒ سے، انھوں نے امام عبدالعزیز دہلویؒ سے، انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

فصل (2) ہمارے شافعی مشائخ وغیرہ کی اسانید

عبیداللہ روایت کرتا ہے شیخ الاسلام حسین بن محسن انصاری شافعیؒ سے، انھوں نے محمد بن ناصر حازمیؒ سے، انھوں نے صدر الحمید مولانا محمد اسحاق دہلویؒ سے، انھوں نے امام عبدالعزیز سے، انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

عبیداللہ روایت کرتا ہے شیخ الاسلام حسین بن محسن انصاریؒ سے، انھوں نے شیخ احمد بن محمد بن علی شوکانی (279) سے، انھوں نے اپنے والد امام محمد بن علی شوکانی زیدیؒ سے، (انھوں نے اپنے والد شیخ علی شوکانیؒ سے) انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

عبیداللہ روایت کرتا ہے شیخ الاسلام حسین بن محسن شافعیؒ سے، انھوں نے شیخ حسن بن عبدالباری اہدل شافعیؒ سے، انھوں نے (شیخ) عبدالرحمٰن بن سلیمان اہدل شافعیؒ سے، انھوں نے اپنے والد سلیمان بن یحییٰ اہدل شافعیؒ سے، انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

عبیداللہ روایت کرتا ہے شیخ الاسلام حسین بن محسن بھوپالیؒ سے، انھوں نے شیخ سلیمان بن محمد بن عبدالرحمٰن بن سلیمان بن اَہدلؒ سے، انھوں نے اپنے دادا عبدالرحمٰن بن سلیمان اَہدلؒ سے، انھوں نے سید امام احمد بن ادریس حسنی مغربیؒ سے، انھوں نے امیر الشہید احمد بن عرفان حسنی ہندیؒ سے، انھوں نے امام عبدالعزیز دہلویؒ سے، انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

عبیداللہ روایت کرتا ہے شیخ الاسلام حسین بن محسن بھوپالیؒ سے، انھوں نے عمومی اجازت کے ساتھ روایت کی سید عبدالرحمٰن بن سلیمانؒ سے، انھوں نے سید مرتضیٰ زبیدیؒ سے، انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ

سے روایت کی ہے۔

عبیداللہ روایت کرتا ہے شیخ عبدالحیٔ بن عبدالکبیر کتانی مغربیؒ مالکی سے، انھوں نے اپنے والد (عبدالکبیر کتانی مغربیؒ مالکیؒ) سے، انھوں نے شیخ عبدالغنی دہلویؒ سے، انھوں نے صدرالحمید (شیخ محمد اسحاق) سے، انھوں نے امام عبدالعزیز سے، انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

فصل (3) ہمارے صادق پوری اہل حدیث مشائخ وغیرہ کی اسانید

عبیداللہ روایت کرتا ہے شیخ الاسلام سید نذیر حسین بہاری دہلویؒ سے، انھوں نے شیخ محمد حسین صادق پوری عظیم آبادیؒ سے، انھوں نے امیرالشہید سیّد احمد (بریلویؒ) سے، انھوں نے امام عبدالعزیز سے، انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

عبیداللہ روایت کرتا ہے شیخ الاسلام مولانا نذیر حسین بہاری دہلویؒ سے، انھوں نے صدرالحمید مولانا محمد اسحاق دہلویؒ سے، انھوں نے امام عبدالعزیز دہلویؒ سے، انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

عبیداللہ روایت کرتا ہے شیخ الاسلام سید نذیر حسین دہلویؒ سے، انھوں نے شیخ شیر محمد افغانیؒ سے، انھوں نے شیخ عبدالقادر دہلویؒ سے، انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

عبیداللہ روایت کرتا ہے شیخ الاسلام مولانا نذیر حسین دہلویؒ سے، انھوں نے شیخ کرامت علی اسرائیلی سے، انھوں نے صدرالحمید مولانا محمد اسحاق اور صدرالشہید مولانا محمد اسماعیل سے، ان دونوں نے امام عبدالعزیز دہلویؒ سے، انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

عبیداللہ روایت کرتا ہے:

الف: (شیخ) عبدالستار (بن عبدالوہابؒ) مکیؒ سے، انھوں نے محمد بن عبدالرحمٰن انصاری سہارنپوری مکیؒ سے، انھوں نے صدرالحمید مولانا محمد اسحاق دہلویؒ سے، انھوں نے امام عبدالعزیز دہلویؒ سے، انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

ب: شیخ محمد بن عبدالرحمٰن روایت کرتے ہیں شیخ عبداللہ سراج سے، انھوں نے صدرالشہید مولانا محمد اسماعیل دہلویؒ سے، انھوں نے امام عبدالعزیز سے، انھوں نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

عبیداللہ روایت کرتا ہے:

الف: (شیخ) ابوالخیر (احمد بن عثمان مکیؒ) سے، انھوں نے امیر قنوجی صدیق (حسن) بن (اولاد) حسن بن (اولاد) علی بھوپالیؒ سے، انھوں نے شیخ محمد یعقوب دہلویؒ اور مفتی صدرالدین دہلویؒ سے، ان دونوں نے امام عبدالعزیز دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

ب: امیر (صدیق حسن) قنوجیؒ روایت کرتے ہیں شیخ عبدالحق بن فضل اللہ عثمانی بنارسی زیدیؒ سے، انھوں نے صدرالشہید مولانا محمد اسماعیل دہلویؒ سے، انھوں نے (اپنے) تایا صاحبان: امام عبدالعزیز دہلویؒ، امام رفیع الدین اور امام عبدالقادر سے، اور ان (تینوں حضرات) نے امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

ج: امیر (صدیق حسن بن اولاد حسن) قنوجیؒ روایت کرتے ہیں اپنے بھائی (احمد حسن بن اولاد حسنؒ) سے، انھوں نے اپنے والد (اولاد حسن بن اولاد علی بھوپالیؒ) سے، انھوں نے امیرالشہید (سیّد احمد بریلویؒ) سے، انھوں نے امام عبدالعزیز (دہلویؒ) سے، انھوں نے امام ولی اللہ (دہلویؒ) سے روایت کی ہے۔

فصل (4) امام ولی اللہ دہلویؒ کے رفیق ''طریقۂ احمدیہ مجددیہ'' کے قیم اورنگران امام شمس الدین حبیب اللہ محمد مظہر جانِ جاناں شہید تک اسانید

ہمارے تینوں مشائخ: شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، شیخ الاسلام رشید احمد گنگوہیؒ اور شیخ الاسلام محمد قاسم (نانوتوی) دیوبندیؒ روایت کرتے ہیں:

الف: شیخ عبدالغنی بن ابوسعید دہلویؒ سے۔

ب: ہمارے استاذ شیخ الاسلام رشید احمد گنگوہیؒ روایت کرتے ہیں امام احمد سعید بن ابوسعید دہلویؒ سے، اور یہ دونوں اپنے والد شیخ اجل ابوسعید دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

عبیداللہ روایت کرتا ہے شیخ ابوالشرف عبدالقادرؒ سے، انھوں نے اپنے والد شیخ محمد معصومؒ سے، انھوں نے اپنے والد شیخ عبدالرشیدؒ سے، انھوں نے اپنے والد شیخ امام احمد سعیدؒ سے، انھوں نے اپنے والد شیخ ابوسعید دہلویؒ سے، انھوں نے شیخ الاسلام عبداللہ بن عبداللطیف دہلوی (حضرت شاہ غلام علیؒ) سے روایت کی ہے۔

عبیداللہ روایت کرتا ہے:

الف: اپنے استاذ شیخ الہندؒ سے، انھوں نے (شیخ) احمد بن سلیمان اروادیؒ سے، انھوں نے (شیخ) خالد کردیؒ سے، انھوں نے شیخ الاسلام عبداللہ دہلویؒ (حضرت شاہ غلام علیؒ) سے، انھوں نے امام محمد مظہر شہید دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

ب: ہمارے استاذ شیخ الہندؒ نے روایت کی ہے مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، انھوں نے (مولانا) مملوک علی (نانوتویؒ) سے، انھوں نے (شیخ) رشید الدین سے، انھوں نے (شاہ) رفیع الدین دہلویؒ سے، انھوں نے شیخ محمد مراد سے، انھوں نے امام محمد مظہر شہید دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

عبیداللہ روایت کرتا ہے (شیخ) عبدالستار مکیؒ سے، انھوں نے (شیخ) عبدالحق مکیؒ سے، انھوں نے شیخ عبداللہ سے، انھوں نے ابوالحسن نصیرآبادیؒ سے، انھوں نے (شیخ) مراداللہ تھانیسری سے، انھوں نے شیخ نعیم اللہ بہڑایچی سے، انھوں نے امام محمد مظہر شہید دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

چوتھی نوع (280)

''جادۂ قویمہ محمدیہ'' کے احیا کی ہندوستانی تحریک کے ائمہ تک اسانید کی تلخیص

فصل (1) صدرالمفید مولانا محمد یعقوب دہلوی مکیؒ تک اسانید کی تلخیص

(جو ایک وقفے کے بعد اس فکر و عمل کے داعی ہیں)

شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) نے روایت کی ہے مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، انھوں نے شیخ مظفر حسین (کاندھلویؒ) سے، انھوں نے صدرالمفید شیخ محمد یعقوب (دہلوی مکیؒ) سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے روایت کی ہے مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، انھوں نے امام امداد اللہ (مہاجر مکیؒ) سے، انھوں نے صدرالمفید مولانا محمد یعقوب سے روایت کی ہے۔

(شیخ) ابوالخیر نے روایت کی ہے محمد ایوب بن قمرالدین سے، انھوں نے (شیخ) مظفر حسین (کاندھلویؒ) سے، انھوں نے صدرالمفید محمد یعقوب سے روایت کی ہے۔

(شیخ) ابوالخیرؒ نے روایت کی ہے امیر قنوجی (نواب صدیق حسن بھوپالیؒ) سے، انھوں نے صدرالمفید (شیخ) محمد یعقوب سے۔

(شیخ) عبدالستار تاج الدین نے روایت کی ہے مولانا محمد یعقوب کی صالحہ صاحبزادی (فاطمہ) سے، انھوں نے اپنے والد صدرالمفید (مولانا محمد یعقوب) سے روایت کی ہے۔

فصل (2) صدرالحمید مولانا محمد اسحاق دہلویؒ تک اسانید کی تلخیص

شیخ الہندؒ نے روایت کی ہے (مولانا) محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، انھوں نے (شاہ) عبدالغنی (مجددی دہلویؒ) سے، انھوں نے صدرالحمید سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے روایت کی ہے شیخ احمد علی (محدث سہارن پوریؒ) سے، انھوں نے صدرالحمید سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے روایت کی ہے قاری عبدالرحمٰن (پانی پتی) سے، انھوں نے صدرالحمید سے روایت کی

ہے۔

شیخ الہندؒ نے روایت کی ہے محمد مظہر نانوتویؒ سے، انھوں نے صدر الحمید سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے روایت کی ہے اپنے والد (مولانا ذوالفقار علیؒ) سے، انھوں نے (مفتی) صدرالدین (دہلویؒ) سے، انھوں نے صدر الحمید سے روایت کی ہے۔

شیخ عبدالستارؒ نے روایت کی ہے شیخہ خدیجہؒ سے، انھوں نے صدر الحمید سے روایت کی ہے۔

شیخ عبدالستارؒ نے روایت کی ہے محمد بن عبدالرحمٰن سے، انھوں نے صدر الحمید سے روایت کی ہے۔

(شیخ) عبدالستارؒ نے روایت کی ہے (شیخ) رحمت اللہ (کیرانویؒ) سے، انھوں نے (شیخ) علی احمدؒ سے، انھوں نے صدر الحمید سے روایت کی ہے۔

(شیخ) عبدالستارؒ نے روایت کی ہے (شیخ) عبدالحق سے، انھوں نے (نواب) قطب الدین، سے انھوں نے صدر الحمید سے روایت کی ہے۔

(شیخ) ابوالخیرؒ (احمد بن عثمان مکیؒ) نے روایت کی ہے حسن رام پوریؒ سے، انھوں نے (نواب) قطب الدین سے، انھوں نے صدر الحمید سے روایت کی ہے۔

(شیخ) ابوالخیرؒ نے روایت کی ہے (شیخ) عبدالقیوم سے، انھوں نے صدر الحمید سے روایت کی ہے۔

(شیخ) ابوالخیرؒ نے روایت کی ہے (شیخ) محمد ایوب سے، انھوں نے (شیخ) مظفر حسین (کاندھلویؒ) سے، انھوں نے صدر الحمید سے روایت کی ہے۔

(شیخ) ابوالخیرؒ نے روایت کی ہے (شیخ) لطف اللہ (علی گڑھی) سے، انھوں نے (شیخ) عنایت احمد (کاکورویؒ) سے، انھوں نے صدر الحمید سے روایت کی ہے۔

(شیخ) ابوالخیرؒ نے روایت کی ہے (شیخ) علی اکرمؒ سے، انھوں نے (شیخ) عالم علیؒ سے، انھوں نے صدر الحمید سے روایت کی ہے۔

(شیخ) حسین بن محسن (یمانی) نے روایت کی ہے محمد بن ناصر سے، انھوں نے صدر الحمید سے روایت کی ہے۔

(شیخ) ابوالشرف (عبدالقادر بن محمد معصوم) نے روایت کی ہے (شیخ) فضل الرحمٰن (گنج مرادآبادیؒ) سے، انھوں نے صدر الحمید سے روایت کی ہے۔

عبیداللہ روایت کرتا ہے (شیخ) نذیر حسین سے، انھوں نے صدر الحمید سے روایت کی ہے۔

فصل (3) صدر الشہید مولانا محمد اسماعیل دہلویؒ تک اسانید

شیخ الہندؒ نے روایت کی ہے (مولانا) محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، انھوں نے (حاجی) امداد اللہ (مہاجر

مکیؒ) سے، انھوں نے (شیخ) نصیرالدین (دہلویؒ) سے، انھوں نے صدرالشہید سے روایت کی ہے۔

(شیخ) عبدالجلیل (مدنی) نے روایت کی ہے، (شیخ) سخاوت علی جونپوریؒ سے، انھوں نے صدرالشہید سے روایت کی ہے۔

(شیخ) عباس بن جعفر مکیؒ اور (محمد) علی بن ظاہر وتری مدنیؒ نے روایت کی ہے (شیخ) صدیق کمالؒ سے، انھوں نے (شیخ) عبداللہ سراجؒ سے، انھوں نے صدرالشہید سے روایت کی ہے۔

(شیخ) عبدالستارؒ نے روایت کی ہے (شیخ) محمد بن عبدالرحمٰنؒ سے، انھوں نے (شیخ) عبداللہ سراجؒ سے، انھوں نے صدرالشہید سے روایت کی ہے۔

(شیخ) ابوالخیرؒ نے روایت کی ہے امیر قنوجی (نواب صدیق حسن بھوپالیؒ) سے، انھوں نے (شیخ) عبدالحق بن فضل اللہ سے، انھوں نے صدرالشہید سے روایت کی ہے۔

فصل (4) صدرالسعید مولانا عبدالحئ دہلویؒ تک کی اسانید

شیخ الہندؒ نے روایت کی ہے (مولانا) محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، انھوں نے (مولانا) مملوک العلی (نانوتویؒ) سے، انھوں نے (شیخ) رشیدالدینؒ سے، انھوں نے صدرالسعید عبدالحئ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے روایت کی ہے (مولانا) محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، انھوں نے (حاجی) امداداللہؒ سے، انھوں نے (شیخ) نصیرالدین (دہلویؒ) سے، انھوں نے صدرالسعید سے روایت کی ہے۔

(شیخ) عبدالجلیلؒ نے روایت کی ہے، سخاوت علی جونپوریؒ سے، انھوں نے صدرالسعید سے روایت کی ہے۔

(شیخ) ابوالخیرؒ نے روایت کی ہے (شیخ) عبدالقیوم سے، انھوں نے (شیخ) نصیرالدین (دہلویؒ) سے، انھوں نے صدرالسعید سے روایت کی ہے۔

(شیخ) ابوالخیرؒ نے روایت کی ہے (شیخ) محمد شکورؒ سے، انھوں نے (شیخ علامہ) رشیدالدین سے، انھوں نے صدرالسعید سے روایت کی ہے۔

فصل (5) امیرالشہید سیّد احمد حسنی دہلویؒ تک اسانید کی تلخیص

شیخ الہندؒ نے روایت کی ہے (مولانا) محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، انھوں نے (شیخ) نور محمد (جھنجھانویؒ) سے، انھوں نے (شیخ) عبدالرحیم شہیدؒ سے، انھوں نے امیرالشہیدؒ سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے روایت کی ہے (مولانا) محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، انھوں نے (شیخ) نور محمد (جھنجھانویؒ)

سے، انھوں نے امیر الشہیدؒ سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے روایت کی ہے امیر امداد اللہ (مہاجر مکیؒ) سے، انھوں نے امیر نصیر الدین (دہلویؒ) سے، انھوں نے امیر الشہیدؒ سے روایت کی ہے۔

عبید اللہ روایت کرتا ہے سید نذیر حسین (دہلویؒ) سے، انھوں نے محمد حسین صادق پوریؒ سے، انھوں نے امیر الشہیدؒ سے روایت کی ہے۔

عبید اللہ روایت کرتا ہے سید العارفین محمد صدیق سندھیؒ سے، انھوں نے سید محمد حسنؒ سے، انھوں نے سید صبغت اللہ (شاہؒ) سے، انھوں نے امیر الشہیدؒ سے روایت کی ہے۔

عبید اللہ روایت کرتا ہے اپنی اسانید ـــ جو صدر الحمیدؒ، صدر المفیدؒ، صدر الشہیدؒ اور صدر السعیدؒ چاروں تک ہیں ـــ کے ذریعے امیر الشہیدؒ سے۔

(شیخ) ابو الخیرؒ (احمد بن عثمان مکیؒ) نے روایت کی ہے امیر قنوجی صدیق حسنؒ سے، انھوں نے اپنی والدہؒ سے، انھوں نے اپنے والد سید اولاد حسن قنوجیؒ سے، انھوں نے امیر الشہیدؒ سے روایت کی ہے۔

فصل (6) امام عبد القادر بن ولی اللہ دہلویؒ تک اسانید کی تلخیص

شیخ الہندؒ نے روایت کی ہے (مولانا) محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، انھوں نے (مولانا) مملوک العلی (نانوتویؒ) سے، انھوں نے (شیخ) رشید الدینؒ سے، انھوں نے امام عبد القادرؒ سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے روایت کی ہے (شیخ) احمد علی (محدث سہارنپوریؒ) سے، انھوں نے (شیخ) وجیہ الدین (سہارنپوریؒ) سے، انھوں نے (شیخ) عبد الحئیؒ سے، انھوں نے امام عبد القادرؒ سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے روایت کی ہے قاری عبد الرحمٰن (پانی پتی) سے، انھوں نے (شیخ) قلندر (جلال آبادیؒ) سے انھوں نے (مفتی) الٰہی بخش (کاندھلویؒ) سے، انھوں نے امام عبد القادرؒ سے روایت کی ہے۔

عبید اللہ روایت کرتا ہے سید نذیر حسینؒ سے، انھوں نے شیر محمد افغانیؒ سے، انھوں نے امام عبد القادرؒ سے روایت کی ہے۔

عبید اللہ روایت کرتا ہے اپنی اسانید ـــ جو چاروں صدور تک اور پانچویں امیر الشہید تک ہے ـــ کے ذریعے امام عبد القادرؒ سے۔

فصل (7) امام رفیع الدین بن ولی اللہ دہلویؒ تک اسانید کی تلخیص

شیخ الہندؒ نے روایت کی ہے (مولانا) محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، انھوں نے (مولانا) مملوک العلی (نانوتویؒ) سے، انھوں نے (شیخ) رشید الدینؒ سے، انھوں نے امام رفیع الدینؒ سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے روایت کی ہے قاری عبدالرحمٰن (پانی پتیؒ) سے، انھوں نے (شیخ) قلندر (جلال آبادیؒ) سے، انھوں نے مفتی الٰہی بخش (کاندھلویؒ) سے، انھوں نے امام رفیع الدینؒ سے روایت کی ہے۔

عبیداللہ نے روایت کی ہے اپنی اسانید — جو چاروں صدور تک اور پانچویں امیرالشہید تک ہے — کے ذریعے امام رفیع الدین (دہلویؒ) سے۔

فصل (8) ولی اللّٰہی طریقے کے شارح، اس کو رواج دینے والے اور ہندوستانی تحریک کے امام، امام عبدالعزیز دہلویؒ تک اسانید کی تلخیص

شیخ الہندؒ نے روایت کی ہے (مولانا) محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، انھوں نے (مولانا) مملوک العلی (نانوتویؒ) سے، انھوں نے (شیخ) رشیدالدینؒ سے، انھوں نے امام عبدالعزیزؒ سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے روایت کی ہے (مولانا) محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، انھوں نے (شیخ) عبدالغنی (مجددی دہلویؒ) سے، انھوں نے (شاہ) محمد اسحاق (دہلویؒ) سے، انھوں نے امام عبدالعزیزؒ سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے روایت کی (حاجی) امداداللہ (مہاجر مکیؒ) سے، انھوں نے (شیخ) نصیرالدین (دہلویؒ) سے، انھوں نے (شاہ) محمد اسماعیل (شہیدؒ) سے، انھوں نے امام عبدالعزیزؒ سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے روایت کی ہے (حاجی) امداداللہ (مہاجر مکیؒ) سے، انھوں نے (شیخ) نصیرالدین (دہلویؒ) سے، انھوں نے (شیخ) عبدالحیؒ (بڈھانویؒ) سے، انھوں نے امام عبدالعزیزؒ سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے روایت کی ہے اپنے والد ذوالفقار علیؒ سے، انھوں نے (شیخ) صدر الدینؒ سے، انھوں نے امام عبدالعزیز سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے روایت کی ہے (شیخ) عبدالغنی (مجددی دہلویؒ) سے، انھوں نے اپنے والد (شیخ) ابوسعید (دہلویؒ) سے، انھوں نے (شیخ) عبداللہ دہلویؒ سے، انھوں نے امام عبدالعزیزؒ سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے روایت کی ہے (شیخ) عبدالغنی (مجددی دہلویؒ) سے، انھوں نے (شاہ) مخصوص اللہ (بن شاہ رفیع الدین دہلویؒ) سے، انھوں نے امام عبدالعزیزؒ سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے روایت کی ہے قاری عبدالرحمٰن (پانی پتیؒ) سے، انھوں نے (شیخ) حسن علی لکھنویؒ سے، انھوں نے امام عبدالعزیزؒ سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے روایت کی ہے قاری (عبدالرحمٰن) سے، انھوں نے (شیخ) قلندر (جلال آبادیؒ) سے، انھوں نے (مفتی) الٰہی بخش (کاندھلویؒ) سے، انھوں نے امام عبدالعزیزؒ سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے روایت کی ہے امیر امداداللہ سے، انھوں نے (شیخ) نور محمد (جھنجھانویؒ) سے، انھوں نے

امام عبدالعزیزؒ سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے روایت کی ہے (شیخ) احمد بن سلیمان اروادیؒ سے، انھوں نے (شیخ) خالد کردیؒ سے، انھوں نے امام عبدالعزیزؒ سے روایت کی ہے۔

شیخ الہندؒ نے روایت کی ہے (شیخ) احمد بن سلیمان (اروادیؒ) سے، انھوں نے امیر (الشہید) سیّد احمد (بریلویؒ) سے، انھوں نے امام عبدالعزیزؒ سے روایت کی ہے۔

(شیخ) عبدالرزاق کابلیؒ نے روایت کی ہے (شیخ) رشید احمدؒ سے، انھوں نے امام عبدالعزیزؒ سے روایت کی ہے۔

(شیخ) ابوالخیرؒ نے روایت کی ہے (شیخ) عبدالقیوم سے، انھوں نے (شاہ) محمد یعقوب سے، انھوں نے (شیخ) محبوب علیؒ سے، انھوں نے امام عبدالعزیزؒ سے روایت کی ہے۔

(شیخ) ابوالخیرؒ نے روایت کی ہے (شیخ) لطف اللہ (علی گڑھیؒ) سے، انھوں نے (شیخ) عنایت احمد (کاکورویؒ) سے، انھوں نے (شیخ) بزرگ علیؒ سے، انھوں نے امام عبدالعزیزؒ سے روایت کی ہے۔

(شیخ) ابوالخیرؒ نے روایت کی ہے (شیخ) ابوالحسنات (مولانا عبدالحئی لکھنویؒ) سے، انھوں نے اپنے والد (.....) سے، انھوں نے شیخ حسین احمدؒ سے اور انھوں امام عبدالعزیزؒ سے روایت کی ہے۔

(شیخ) عبدالقادر نے روایت کی ہے (شیخ) حبیب الرحمٰنؒ سے، انھوں نے (شیخ) سلامت اللہؒ سے، انھوں نے امام عبدالعزیزؒ سے روایت کی ہے۔

(شیخ) عبدالستارؒ نے روایت کی ہے (شیخ) حبیب الرحمٰنؒ سے، انھوں نے (شیخ) سلام اللہ (لکھنویؒ) سے، انھوں نے امام عبدالعزیزؒ سے روایت کی ہے۔

(شیخ) ابوالشرف (عبدالقادر) نے روایت کی ہے (شیخ) فضل الرحمٰن (گنج مرادآبادیؒ) سے، انھوں نے امام عبدالعزیزؒ سے روایت کی ہے۔

یہ قسم اوّل کا آخری حصہ ہے۔ **والحمد لِلّٰہ ربّ العالمین.**

(اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جو تمام اقوامِ عالم کا پالنے والا ہے۔)

☆

امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ تک مترجم کی اسانید

مترجم عبدالخالق آزاد بن راؤ عبدالرؤف خاں کو امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ بن الاسلام سندھیؒ سے درجِ ذیل واسطوں سے اجازت حاصل ہے:

ہمارے شیخ حضرت مولانا شاہ سعیداحمد رائے پوریؒ کو اپنے نانا مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ کی صحبت حاصل ہے۔ اور انھیں امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے تلمذ حاصل ہے۔

نیز ہمیں امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے شاگردوں:

(۱) مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی سندھیؒ

(۲) مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ

(۳) مولانا سعیداحمد اکبرآبادیؒ

(۴) مولانا علامہ محمد صدیق ولی اللّٰہی بہاول پوریؒ

سے بھی اجازت حاصل ہے۔

خاتمہ پہلی قسم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ و سلام علٰی عبادہٖ الّذین اصطفٰی. أمّا بعد!

تمام تعریفات اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور سلامتی ہو اُس کے منتخب بندوں پر۔ اس کے بعد!

یہ "**سبیل الرّشاد**" کی "قسم اوّل" کا "**خاتمہ**" ہے۔ ہم نے اس میں فقہا اور محدثین کی ایسی دوسو اسناد جمع کی ہیں، جو ائمہ حنفیہ تک جاتی ہیں۔ تاکہ ایسے لوگ اس سے استفادہ کرسکیں، جو ہماری کتاب کی آنے والی تمام (باقی سات) اقسام کا پورا مطالعہ نہیں کرسکتے۔ وہ اجمالی طور پر ولی اللّٰہی جماعت کے اُس سلسلۂ اتصال کو سمجھنا چاہتے ہیں، جو کہ انھیں امام اعظم امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہٗ اور ان کے صحبت یافتہ حضرات کے ساتھ ہے۔ یہی ائمہ احناف ہیں، جن کا فقہی مذہب ایک طویل مدت تک ہندوستان کی سلطنت اور (ترکی کی) خلافتِ عثمانیہ کا سرکاری مذہب رہا ہے۔

ہم نے اِس "**خاتمہ**" کو چند فصلوں میں تقسیم کیا ہے:

1۔ سب سے پہلے اُن فقہائے حنفیہ کی اسانید بیان کی ہیں، جن سے ولی اللّٰہی نسبت رکھنے والے حضرات نے روایت کیا ہے۔ جیسے صدر الحمید مولانا محمد اسحاق دہلویؒ اور ان کے شاگردوں کی جماعت ہے۔ یہ لوگ اجتماعی طور پر امام مسند حسن بن علی عُجیمی مکی سے روایت کرتے ہیں۔

2۔ اس کے بعد ہم نے ہندوستانی مشائخ وغیرہ کی ایک ایسی جماعت کی اسانید بیان کی ہیں، جن سے امام شاہ ولی اللہ (دہلویؒ) نے خود روایت کی ہے۔ خواہ یہ روایت امام مسند (حسن بن علی **عجیمیؒ**) کے واسطے سے ہو، یا ان کے واسطے کے بغیر روایت کی گئی ہو۔

3۔ پھر ہم نے اُن نابغۂ روزگار شخصیات کی اسانید بیان کی ہیں، جو متأخرین میں سے مجتہد اور محققین میں سے ہیں۔ جیسا کہ مجتہد محقق کمال الدین بن ہمامؒ، صدرالشریعہ (عبیداللہ بن مسعود)، علامہ برہان (الدین) مرغینانیؒ، ابوالحسن قدوریؒ اور ابوجعفر طحاویؒ ہیں۔

ہم نے ان تمام اسانید کو ان فصلوں میں واضح طور پر ترتیب دے دیا ہے، تاکہ تحقیق و تفتیش آسان ہوجائے۔ **واللّٰہ الموفّق و المُعین۔** اور اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا اور مددگار ہے۔

فصل (1۔نویں اور دسویں دور (۱۰۳۶ھ تا ۱۱۷۴ھ/ 1627ء تا 1761ء) کے علما و مشائخ کا سلسلۂ اسانید)

اس فصل میں اُن اسانید کا بیان ہے، جو شیخ عبدالملک قلعیؒ، محمد طاہر سنبلؒ، مصطفیٰ رحمتیؒ، مرتضی حسینی (زبیدی) ہندیؒ، محمد بن علاؤالدین مزجاجیؒ، عبدالخالق بن ابی بکر مزجاجیؒ، محمد ہاشم سندھیؒ، محمد حیات سندھیؒ، ابوالطّیّب سندھیؒ، امام ابوالحسن کبیر سندھیؒ، امام ولی اللہ دہلویؒ اور امام حسن بن علی عُجیمیؒ سے روایت ہیں۔

اسانید (شیخ) عبدالملک بن عبدالمنعم بن تاج الدین قلعیؒ متوفی سن ۱۲۲۸ھ (1813ء)

ہمارے استاذ شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، وہ (شاہ) عبدالغنی (مجددیؒ) سے، وہ صدرالحمید مولانا محمد اسحاق دہلویؒ سے، وہ عمر بن عبدالکریم سے اور وہ عبدالملک قلعی مکیؒ (281) سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہند روایت کرتے ہیں مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، وہ عبدالغنی (مجددیؒ) سے، وہ (i) محمد عابد سندھیؒ، (ii) عبداللہ بن محمد بن عبداللہ میرغنیؒ اور (iii) اسماعیل رومیؒ سے، اور یہ تینوں عبدالملک قلعی سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ سے، وہ (شیخ) عبداللطیف بیروتیؒ (282) سے اور وہ (شیخ) عبدالملک قلعیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید (شیخ) محمد طاہر بن محمد سعید سنبل مکیؒ متوفی 1218ھ (1803ء)

ہمارے استاذ شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، وہ (شاہ) عبدالغنی (مجددیؒ) سے، وہ صدرالحمید مولانا محمد اسحاق دہلویؒ سے، وہ عمر بن عبدالکریم مکی سے، وہ محمد طاہر سنبل مکیؒ (283) سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، وہ (شاہ) عبدالغنی (مجددیؒ) سے، وہ (شیخ) محمد عابد سندھیؒ اور اسماعیل رومیؒ سے، اور ان دونوں حضرات نے محمد طاہر سنبل مکیؒ سے روایت کی ہے۔

اسانید (شیخ) مصطفیٰ رحمتی دمشقی مدنیؒ متوفی 1205ھ (1791ء)

ہمارے استاذ شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، وہ (شاہ) عبدالغنی (مجددیؒ) سے، وہ صدرالحمید مولانا محمد اسحاق دہلویؒ سے، وہ عمر بن عبدالکریم مکیؒ سے وہ (شیخ) مصطفیٰ رحمتیؒ (284) سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں مولانا عبدالغنی دہلویؒ سے، وہ شیخ محمد عابد سندھیؒ، وہ (شیخ) مصطفیٰ رحمتیؒ

سے عام اجازت کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں مولانا محمد قاسم دیو بندیؒ سے، وہ عام اجازت کے ساتھ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبداللطیف بیروتیؒ سے، وہ (شیخ) مصطفیٰ رحمتیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ عام اجازت کے ساتھ روایت کرتے ہیں (شیخ) احمد بن سلیمان اروادیؒ سے، وہ (شیخ) محمد امین ابن عابدینؒ سے، وہ (شیخ) محمد شاکرؒ سے، وہ (شیخ) مصطفیٰ رحمتیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید سید مرتضیٰ حسینی ہندی زبیدی مصریؒ متوفی ۱۲۰۵ھ (1791ء)

ہمارے استاذ شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، وہ (شاہ) عبدالغنی (مجددیؒ) سے، وہ صدرالحمید مولانا محمد اسحاق دہلویؒ سے، وہ (شیخ) عمر بن عبدالکریم سے، وہ سید مرتضیٰ (زبیدی) ہندیؒ (285) سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالغنیؒ سے، وہ (شیخ) محمد عابدؒ سے، وہ (شیخ) یوسف مزجاجیؒ اور (شیخ) صدیق مزجاجیؒ سے، یہ دونوں (شیخ) عبدالقادر بن خلیل مدنیؒ سے، وہ سید مرتضیٰ زبیدیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں عبدالغنیؒ سے، وہ عبداللہ بن محمد بن عبداللہ میرغنیؒ سے، وہ عبدالحفیظ **عجیمی**ؒ سے، وہ سید مرتضیٰ زبیدیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، وہ شیخ عبدالغنی سے، وہ محمد عابد سندھیؒ سے، وہ اجازتِ عامہ کے ساتھ سید مرتضیٰ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں مولانا محمد قاسم دیو بندیؒ سے، وہ اپنے چچا مولانا مملوک العلی دہلویؒ سے، وہ اجازتِ عامہ کے ساتھ سید مرتضیٰ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، وہ اجازتِ عامہ کے ساتھ عبداللطیف بیروتی سے روایت کرتے ہیں اور وہ سید مرتضیٰ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ اجازتِ عامہ کے ساتھ روایت کرتے ہیں (شیخ) احمد اروادیؒ سے، وہ سیّد احمد طحطاویؒ سے، وہ (شیخ) مصطفیٰ طائیؒ سے، وہ سید مرتضیٰ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) احمد اروادیؒ سے، وہ ابن عابدین (شامیؒ) سے، وہ (شیخ) محمد شاکرؒ سے، وہ محمد بن محمد بخاری نابلسی حنفی اثریؒ سے، وہ سید مرتضیٰ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید شیخ محمد بن علاؤالدین مزجاجیؒ متوفی ۱۱۸۲ھ (1768ء)

ہمارے استاذ شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، وہ (شیخ) عبدالغنی سے، وہ

صدرالحمید مولانا محمد اسحاق سے، وہ (شیخ) عمر بن عبدالکریم سے، وہ سید مرتضیٰ زبیدیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن علاؤالدین مزجاجیؒ (286) سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، وہ (شیخ) عبدالغنی سے، وہ محمد عابد سندھیؒ سے، وہ یوسف مزجاجیؒ سے، وہ اپنے والد محمد بن علاؤالدین مزجاجی زبیدیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالغنی سے، وہ (شیخ) محمد عابد سندھیؒ سے، وہ اپنے چچا (شیخ) محمد حسین سندھیؒ سے، وہ (شیخ) عبدالخالق بن علی مزجاجیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن علاؤالدین مزجاجیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید شیخ عبدالخالق بن ابوبکر مزجاجیؒ متوفی ۱۱۸۱ھ (1767ء)

ہمارے استاذ شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، وہ (شیخ) عبدالغنی سے، وہ صدرالحمید مولانا محمد اسحاق سے، وہ (شیخ) عمر بن عبدالکریم سے، وہ سید مرتضیٰ زبیدیؒ سے، وہ (شیخ) عبدالخالق بن ابوبکر مزجاجیؒ (287) سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، وہ (شیخ) عبدالغنی سے، وہ (شیخ) محمد عابد سندھیؒ سے، وہ (شیخ) یوسف مزجاجیؒ سے، وہ (شیخ) عبدالخالق بن ابوبکر مزجاجی زبیدیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالغنیؒ سے، وہ محمد عابد سندھیؒ سے، وہ اپنے چچا محمد حسین سندھیؒ سے، وہ عبدالخالق علی مزجاجیؒ سے، وہ (شیخ) عبدالخالق بن ابوبکر مزجاجیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید شیخ محمد ہاشم (ٹھٹھوی) سندھیؒ متوفی ۱۱۷۴ھ (1760ء)

ہمارے استاذ شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، وہ (شیخ) عبدالغنیؒ سے، وہ صدرالحمید مولانا محمد اسحاقؒ سے، وہ (شیخ) عمر بن عبدالکریمؒ سے، وہ سید مرتضیٰؒ سے، وہ (شیخ) ابوالحسن سندھی صغیرؒ (288) سے، وہ شیخ محمد ہاشم سندھیؒ (289) سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، وہ شیخ عبدالغنیؒ سے، وہ محمد عابد سندھیؒ سے، وہ اپنے چچا (شیخ) محمد حسین سندھیؒ سے، وہ اپنے والد محمد مراد سندھیؒ سے، وہ علامہ محمد ہاشم سندھیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں شیخ عبدالغنیؒ سے، وہ (شیخ) عبداللہ بن محمد بن عبداللہ میرغنیؒ سے، وہ (شیخ) عبدالحفیظ عجیمیؒ سے، وہ علامہ محمد ہاشم بن عبدالغفور سندھیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید شیخ محمد حیات سندھی مدنیؒ متوفی ۱۱۶۳ھ (1750ء)

ہمارے استاذ شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، وہ شیخ عبدالغنیؒ سے، وہ صدرالحمید مولانا محمد اسحاق سے، وہ (شیخ) عمر بن عبدالکریمؒ سے، وہ سید مرتضیٰؒ سے، وہ (شیخ) ابوالحسن (بن محمد صادق صغیر) سندھیؒ سے، وہ شیخ محمد حیات سندھیؒ (290) سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، وہ شیخ عبدالغنیؒ سے، وہ (شیخ) محمد عابد سندھیؒ سے، وہ اپنے چچا (شیخ) محمد حسین سندھیؒ سے، وہ ابوالحسن سندھی صغیرؒ سے، وہ شیخ محمد حیات سندھیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں شیخ عبدالغنیؒ سے، وہ (شیخ) محمد عابدؒ سے، وہ سید مرتضیٰؒ سے، وہ (شیخ) عبدالرحمٰن بن مصطفیٰؒ سے، وہ (شیخ غلام علی) آزاد بلگرامیؒ سے، وہ شیخ محمد حیات سندھیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں شیخ عبدالغنیؒ سے، وہ (شیخ) محمد عابدؒ سے، وہ سید مرتضیٰؒ سے، وہ (شیخ) عبدالخالق بن ابوبکر مزجاجیؒ سے، وہ شیخ محمد حیات سندھیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں شیخ عبدالغنیؒ سے، وہ (شیخ) محمد عابد سندھیؒ سے، وہ (شیخ) یوسف مزجاجیؒ سے، وہ (شیخ) عبدالقادر بن خلیل مدنیؒ سے، وہ شیخ محمد حیات سندھیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید شیخ ابوالطیب (محمد بن عبدالقادر) سندھی مدنیؒ متوفی ۱۱۴۴ھ (1731ء)

ہمارے استاذ شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، وہ شیخ عبدالغنیؒ سے، وہ صدرالحمید مولانا محمد اسحاقؒ سے، وہ (شیخ) عمر بن عبدالکریمؒ سے، وہ (شیخ) محمد طاہر سنبلؒ سے، وہ (شیخ) محمد سعید سفر سے، وہ (شیخ) ابوالطیب (محمد بن عبدالقادر) سندھی (مدنیؒ) (291) سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، وہ شیخ عبدالغنیؒ سے، وہ (شیخ) محمد عابد سندھیؒ سے، وہ (شیخ) یوسف مزجاجیؒ سے، وہ (شیخ) عبدالقادر بن خلیل مدنیؒ سے، وہ ابوالطیب سندھیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید امام ابوالحسن محمد بن عبدالہادی سندھی کبیرؒ متوفی ۱۱۳۹ھ (1726ء)

ہمارے استاذ شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، وہ شیخ عبدالغنیؒ سے، وہ صدرالحمید مولانا محمد اسحاقؒ سے، وہ (شیخ) عمر بن عبدالکریمؒ سے، وہ (شیخ) محمد طاہر سنبلؒ سے، وہ (شیخ) محمد سعید سفر سے، وہ امام ابوالحسن (سندھی) کبیرؒ (292) سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں شیخ عبدالغنیؒ سے، وہ (شیخ) محمد عابد سندھیؒ سے، وہ اپنے چچا (شیخ) محمد حسین سندھیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالحسن سندھی صغیرؒ سے، وہ (شیخ) محمد حیات سندھیؒ سے، وہ امام ابوالحسن کبیرؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں شیخ عبدالغنیؒ سے، وہ (شیخ) محمد عابد سندھیؒ سے، وہ (شیخ) یوسف مزجاجیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) محمدؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) علاؤالدین مزجاجیؒ سے، وہ امام ابوالحسن کبیرؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں شیخ عبدالغنیؒ سے، وہ (شیخ) محمد عابدؒ سے، وہ سید مرتضٰی (زبیدیؒ) سے، وہ (شیخ) عبداللہ بن احمد حسینیؒ سے، وہ (شیخ) عبدالخالق بن زید مزجاجیؒ سے، وہ امام ابوالحسن کبیرؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں شیخ عبدالغنیؒ سے، وہ (شیخ) محمد عابد سندھیؒ سے، وہ (شیخ) صدیق مزجاجیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) علی بن زین مزجاجیؒ سے، وہ امام ابوالحسن کبیرؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ دہلویؒ متوفی ۱۱۷۶ھ (1762ء) کی بعض اسانید

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ عملاً حنفی تھے۔ درس و تدریس کے حوالے سے حنفی اور شافعی تھے۔

شیخ محمد ہاشم سندھیؒ اور شیخ محمد حیات سندھیؒ دونوں شیخ محمد معین (ٹھٹھوی) سندھیؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) محمد بن محمد نابلسی حنفی اثریؒ اور (شیخ) عبدالقادر بن خلیل مدنیؒ دونوں سید مرتضٰی ہندیؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ امام ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید امامِ مسند حسن بن علی عُجیمی مکیؒ متوفی ۱۱۱۳ھ (1701ء)

امام ولی اللہ دہلویؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد شیخ عبدالرحیم دہلویؒ، ابوطاہر شافعیؒ اور تاج الدین قلعی حنفیؒ سے، یہ تینوں امام مسند (حسن بن علی عُجیمی مکیؒ) (293) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عبدالملک قلعیؒ اپنے دادا (شیخ) تاج الدین قلعیؒ اور (شیخ) عبدالقادر صدیقیؒ (294) سے روایت کرتے ہیں، اور یہ دونوں امام مسند (حسن بن علی عُجیمی مکیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) محمد طاہر سنبلؒ، محمد عارف بن محمد جمالؒ اور یحییٰ بن صالح حبابؒ سے روایت کرتے ہیں، اور یہ دونوں امام مسند (حسن بن علی عُجیمی مکیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ مصطفیٰ بن ایوب) رحمتیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) حامد (بن علی بن ابراہیم) عمادیؒ (295) سے،

وہ (شیخ) تاج الدین قلعیؒ سے، وہ امام مسند (حسن بن علی عُجیمی مکیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

مصطفیٰ بن ایوب رحمتیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) صالح بن ابراہیم جنینیؒ سے، وہ امام مسند (حسن بن علی عُجیمی مکیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) محمد ہاشم سندھیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالقادر صدیقیؒ سے، وہ امام مسند (حسن بن علی عُجیمی مکیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

سید مرتضیٰؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالخالق بن ابوبکر مزجاجیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن عقیلہؒ سے، وہ امام مسند (حسن بن علی عُجیمی مکیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(۱) (شیخ) محمد سعید سفرؒ، (۲) (شیخ) محمد حیات سندھیؒ، (۳) (شیخ) علی بن زید مزجاجیؒ، (۴) (شیخ) عبدالخالق بن زید مزجاجیؒ، (۵) (شیخ) محمد بن علاؤالدینؒ، (۶) ان کے والد (شیخ محمد بن) علاؤالدین مزجاجیؒ (296) اور (۷) امام ابوالحسن کبیرؒ سے، اور یہ تمام ساتوں مشائخ امام مسندؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اور میرا غالب گمان یہ ہے کہ شیخ ابوالطیب سندھیؒ — جو (شیخ) عبداللہ بن سالم بصریؒ سے روایت کرتے ہیں — وہ بھی امام مسند سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2) ساتویں اور آٹھویں دور (۸۵۵ھ تا ۱۰۳۶ھ/ 1451ھ تا 1627ء) کے علما و مشائخ کا سلسلۂ اسانید

اس فصل میں درجِ ذیل مشائخ تک کی اسانید بیان کی گئی ہیں:

(شیخ) خیرالدین رملیؒ، (شیخ) حسن بن عمار شرنبلالیؒ، (شیخ) عبدالحکیم سیالکوٹیؒ، شیخ عبدالحق دہلویؒ، امام (مجدد الف ثانی شیخ) احمد سرہندیؒ، (شیخ) تاج الدین سنبلیؒ، (ملا) علی القاریؒ، (شیخ) قطب نہروالیؒ، (شیخ) علی بن جاراللہ بن ظہیرہؒ، (شیخ) ابن شلبیؒ، امام عبدالعزیز دہلویؒ، (شیخ) علی متقیؒ، (شیخ) زین بن نجیمؒ، شیخ عبدالقادر اُچی ہندیؒ، ابراہیم کرکیؒ، ابن شحنہؒ، علی جونپوری ہندیؒ، عبدالرحمٰن جامیؒ، زین الدین شرجیؒ، امین الدین بن ظہیرہؒ، محمد نجمیؒ، قاسم بن قطلو بغاؒ، کافیجیؒ، شمنیؒ، اقصرائیؒ، سعد دیریؒ، محقق کمال الدین بن ہمامؒ۔

اسانید (شیخ) خیرالدین رملیؒ متوفی ۱۰۸۱ھ (1670ء)

امام ولی اللہ دہلویؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد شیخ عبدالرحیم دہلویؒ سے، وہ اجازتِ عامہ کے ساتھ (شیخ) خیرالدین رملیؒ (297) سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ)، عبدالملکؒ اور (مصطفیٰ) رحمتیؒ تینوں حضرات روایت کرتے ہیں (شیخ) تاج الدین قلعیؒ سے، وہ حسن عُجیمیؒ اور نجم الدین بن خیرالدین رملیؒ سے، وہ دونوں خیرالدین رملیؒ سے روایت

کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں عبدالغنی نابلسیؒ سے، وہ محمد محسن مجیؒ سے، وہ علاؤالدین حصکفیؒ سے، اور وہ خیرالدین رملیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

ہمارے استاذ شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں (شیخ احمد) اروادیؒ سے، وہ ابن عابدین (شامیؒ) سے، وہ محمد شاکرؒ سے، وہ علی (بن محمد سالم بن ولی الدین) ترکمانیؒ (298) سے، وہ (شیخ) عبدالرحمٰن مجلدؒ (299) سے، وہ علاؤالدین حصکفیؒ سے، وہ خیرالدین رملیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید (شیخ) حسن بن عمار شرنبلالیؒ متوفی ۱۰۶۹ھ (1659ء)

امام ولی اللہؒ وغیرہ روایت کرتے ہیں تاج الدین قلعیؒ سے، وہ اپنے والد عبدالمحسن قلعیؒ اور حسن (بن علی) عجیمیؒ سے، اور یہ دونوں حضرات (شیخ) حسن بن عمار شرنبلالیؒ (300) سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہؒ روایت کرتے ہیں عبدالغنی نابلسیؒ سے، وہ اپنے والد اسماعیل نابلسیؒ سے، اور وہ حسن بن عمار شرنبلالیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

سید مرتضیٰ (زبیدیؒ) روایت کرتے ہیں حسن بن ابراہیم جبرتیؒ سے، وہ حسن بن حسن شرنبلالیؒ سے، اور وہ اپنے والد حسن بن عمار شرنبلالیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

محمد طاہر سنبلؒ روایت کرتے ہیں منصور منصوریؒ سے، وہ سلیمان منصوریؒ سے، وہ عبدالحئ شرنبلالیؒ سے، اور وہ حسن شرنبلالیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

ہمارے استاذ شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں (احمد بن سلیمان) اروادیؒ سے، وہ سیّد احمد طحطاویؒ سے، وہ (شیخ) مصطفیٰ طائیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن یونس سے، وہ (شیخ) عبدالعزیز زیادیؒ سے، وہ (سید) احمد (بن محمد حسنی) حمویؒ (301) سے، اور وہ (شیخ) حسن شرنبلالیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں (احمد بن سلیمان) اروادیؒ سے، وہ ابن عابدین (شامیؒ) سے، وہ محمد شاکرؒ سے، وہ علی (بن محمد سالم بن ولی الدین) ترکمانیؒ سے، وہ عبدالغنی نابلسیؒ سے، وہ اپنے والد سے، اور وہ حسن شرنبلالی سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید علامہ عبدالحکیم سیالکوٹیؒ متوفی ۱۰۶۷ھ (1656ء)

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں معمر محمد سعید لاہوریؒ سے، وہ محمد عارف لاہوریؒ سے، اور وہ (علامہ) عبدالحکیم سیالکوٹیؒ (302) سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد سے، وہ عبداللہ بن سعداللہ لاہوریؒ (303) سے، وہ عبداللہ لبیبؒ (304) سے، اور وہ اپنے والد (علامہ) عبدالحکیم سیالکوٹیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ متوفی ۱۰۵۲ھ (1642ء)

امام ولی اللہ دہلویؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد شیخ عبدالرحیم دہلویؒ سے، وہ اپنے بھائی شیخ ابوالرضا محمد دہلویؒ سے، اور وہ شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد سے، وہ عبداللہ بن سعداللہ (لاہوریؒ) سے، وہ عبداللہ لبیب (سیالکوٹیؒ) سے، وہ اپنے والد (علامہ عبدالحکیم سیالکوٹیؒ) سے، اور وہ شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) حسن بن علی عجیمیؒ روایت کرتے ہیں محمد حسین بن محمد مؤمن خافیؒ سے، اور وہ شیخ عبدالحق دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید شیخ تاج الدین سنبلی مکیؒ متوفی ۱۰۴۰ھ (1630ء)

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد شیخ عبدالرحیم دہلویؒ سے، وہ اپنے بھائی شیخ ابوالرضا محمدؒ سے، وہ شیخ عبداللہ بن محمد باقی (باللہؒ) سے، وہ شیخ تاج الدین سنبلیؒ (305) سے روایت کرتے ہیں۔

امام مسند حسن بن علی عجیمیؒ روایت کرتے ہیں شیخ محمد حسین بن محمد مؤمن خافیؒ سے، اور وہ شیخ تاج الدین سنبلیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید امامِ ربانی شیخ احمد سہرندیؒ متوفی ۱۰۳۷ھ (1628ء)

امامِ ربانی تعلیمی اور عملی طور پر حنفی ہیں۔ حال و مقام کے اعتبار سے حنفی شافعی ہیں۔

امام ولی اللہ دہلویؒ روایت کرتے ہیں شیخ محمد افضل سیالکوٹیؒ سے، وہ شیخ عبدالاحد سہرندیؒ سے، وہ اپنے والد شیخ محمد سعید سہرندیؒ سے، اور وہ اپنے والد امامِ ربانی (شیخ احمد سہرندیؒ مجدد الف ثانی) سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد شیخ عبدالرحیم (دہلویؒ) سے، وہ اپنے بھائی شیخ ابوالرضا محمدؒ سے، وہ شیخ عبداللہ بن محمد باقی دہلویؒ سے، اور وہ امامِ ربانی (شیخ احمد سہرندیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید علامہ (ملا) علی بن سلطان قاری ہروی مکیؒ متوفی ۱۰۱۴ھ (1605ء)

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں اسعد بن عبداللہ بن شمس الدین عتاقی مکیؒ سے، وہ اپنے والد (عبداللہؒ) سے، وہ اپنے دادا (شمس الدین عتاقیؒ) سے، اور وہ (ملا) علی قاریؒ (306) سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد سعید لاہوریؒ سے، وہ (شیخ) محمد عارف سے، وہ

(علامہ) عبدالحکیم سیالکوٹیؒ سے، وہ شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ سے، وہ حسن بن علی عُجیمیؒ سے، وہ محمد صادقؒ اور ابراہیم بیریؒ (307) سے، اور وہ دونوں حضرت عبدالرحمٰن مرشدیؒ (308) سے، وہ (ملا) علی قاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید علامہ قطب الدین محمد بن احمد نہروالی مکیؒ متوفی ۹۹۰ھ (1582ء)

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد شیخ عبدالرحیم دہلویؒ سے، وہ شیخ عبداللہ بن محمد باقی دہلویؒ سے، وہ (شیخ) امام (ربانی) احمد سہرندیؒ سے، اور وہ (شیخ) قطب (الدین) مکیؒ (309) سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد شیخ عبدالرحیم دہلویؒ سے، وہ میرزاہد ہروی اکبر آبادیؒ سے، وہ (شیخ) محمد فاضلؒ سے، وہ (شیخ محمد) صادق حلوائیؒ سے، اور وہ (شیخ) قطب مکیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد شیخ عبدالرحیم دہلویؒ سے، وہ میرزاہد (ہرویؒ) سے، وہ اپنے والد میر محمد اسلم کابلیؒ سے، وہ (شیخ) بہلول لاہوریؒ سے، اور وہ (شیخ) قطب مکیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد شیخ عبدالرحیم (دہلویؒ) سے، وہ عبداللہ بن سعد اللہ لاہوری مدنیؒ سے، وہ (شیخ) قطب مکیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام مسند حسن عُجیمیؒ روایت کرتے ہیں محمد حسین خافیؒ سے، وہ شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ سے، وہ (شیخ ملا) علی قاریؒ سے، اور وہ (شیخ) قطب مکیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام مسند حسن عُجیمیؒ روایت کرتے ہیں عبدالرحیم خافیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) صدیق خافیؒ سے، اور وہ (شیخ) قطب مکیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام مسند حسن بن علی عُجیمی مکیؒ روایت کرتے ہیں عبدالملک بن عبداللطیف بن عبدالملک عباسیؒ سے، اور وہ (شیخ) قطب مکیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید شیخ علی بن جاراللہ بن ظہیرہ مکیؒ متوفی ۹۸۶ھ (1578ء)

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) معمر محمد سعید لاہوریؒ سے، وہ (شیخ) محمد عارف سے، وہ (علامہ) عبدالحکیم سیالکوٹیؒ سے، وہ شیخ عبدالحق (محدث دہلویؒ) سے، اور وہ (شیخ) علی بن جاراللہ (بن ظہیرہ) مکیؒ (310) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) حسن بن علی عُجیمیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد صادق اور (شیخ) ابراہیم بیریؒ سے، وہ دونوں (شیخ) عبدالرحمٰن مرشدیؒ سے، وہ (شیخ) علی بن جاراللہ بن ظہیرہ مکیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید شیخ احمد بن یونس بن شلبیؒ متوفی بعد ۱۰۲۰ھ (1611ء)

(شیخ حسن بن علی) عجیمیؒ روایت کرتے ہیں عبدالملک عباسیؒ سے، وہ قطب نہروالی مکیؒ سے وہ (شیخ احمد بن یونس) ابن شلبیؒ (311) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عجیمیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) خیرالدین رملیؒ سے، وہ محمد بن عمر حانوتیؒ (312) سے، اور وہ ابن شلبیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عجیمیؒ روایت کرتے ہیں شہاب الدین خفاجیؒ (313) سے، وہ علی بن غانم مقدسیؒ سے، اور وہ ابن شلبیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عجیمیؒ روایت کرتے ہیں احمد شویریؒ سے، وہ عمر بن نجیمؒ اور ابن غانم مقدسیؒ سے، اور وہ دونوں ابن شلبیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عجیمیؒ روایت کرتے ہیں حسن شرنبلالیؒ سے، وہ محمد محبیؒ اور محمد حمویؒ اور عبدالرحمٰن مسیریؒ سے، اور یہ تینوں حضرات ابن شلبیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید امام عبدالعزیز بن (حسن بن) طاہر دہلویؒ متوفی ۹۷۵ھ (1567ء)

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد شیخ عبدالرحیم دہلویؒ سے، وہ اپنے نانا شیخ رفیع الدین دہلویؒ سے، وہ اپنے والد قطب العالم (دہلویؒ) سے، وہ اپنے والد امام عبدالعزیز (بن حسن بن طاہر) دہلویؒ (314) سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) اپنے والد شیخ عبدالرحیم دہلویؒ سے، وہ (شیخ) عظمت اللہ اکبرآبادیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) عبداللطیفؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) بدرالدینؒ سے، وہ بحر موّاج امام عبدالعزیز دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام (ربانی شیخ) احمد سرہندیؒ روایت کرتے ہیں شیخ محمد باقی (باللہ) دہلویؒ سے، وہ شیخ قطب العالم (قطب الدین بن عبدالعزیز) دہلویؒ سے، وہ اپنے والد (بحر مواج) امام عبدالعزیز دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید عارف مسند (شیخ) علی (بن حسام الدین) متقی ہندی مکیؒ متوفی ۹۷۵ھ (1567ء)

(شیخ حسن بن علی) عجیمیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالخالق ہندیؒ سے، وہ (شیخ) محمد عارف مکیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) عبدالوہاب متقیؒ سے، وہ شیخ علی (بن حسام الدین) متقیؒ (315) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عجیمیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد صادق سے، وہ عبدالرحمٰن مرشدیؒ سے، وہ حمید الدین سندھیؒ

سے، وہ رحمت اللہ سندھیؒ (316) سے، وہ شیخ علی متقیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ روایت کرتے ہیں شیخ عبدالوہاب متقیؒ سے، وہ شیخ علی متقیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

علامہ (شیخ ملا) علی بن سلطان قاریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبداللہ بن سعد سندھیؒ (317) سے، وہ شیخ علی متقیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید شیخ زین الدین بن نجیم محققؒ متوفی ۹۷۰ھ (1563ء)

(شیخ) خیرالدین رملیؒ روایت کرتے ہیں محمد بن عبداللہ تمرتاشیؒ اور محمد بن عمر حانوتیؒ سے، اور وہ دونوں (شیخ) (محقق) زین بن نجیم (مصریؒ) (318) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ حسن بن علی) عجیمیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبداللہ نحریریؒ اور (شیخ) عمر بن نجیمؒ سے، اور وہ دونوں حضرات (شیخ) محقق زین بن نجیمؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید شیخ عبدالقادر (ثانی) اوچی ہندیؒ متوفی ۹۴۰ھ (1534ء)

شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ روایت کرتے ہیں شیخ (ابوالحسن جمال الدین) موسیٰ (پاک شہید ملتانیؒ) بن (سید) حامد (گنج بخش) بن عبدالرزاق بن عبدالقادر (گیلانی اوچی) سے، وہ اپنے والد (سید حامد گنج بخش) سے، وہ اپنے والد (سیدعبدالرزاق) سے، اور وہ اپنے والد امام عبدالقادر (اُچی) ثانیؒ (319) سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید (شیخ) برہان الدین ابراہیم کَرَکیؒ متوفی ۹۲۳ھ (1517ء)

(شیخ حسن بن علی) عجیمیؒ روایت کرتے ہیں عبداللہ بن محمد نحریریؒ سے، وہ اپنے والد سے، اور وہ (شیخ) ابراہیم کرکیؒ (320) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) خیرالدین رملیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن عمر حانوتیؒ سے، وہ اپنے والد سے، اور وہ (شیخ) ابراہیم کرکیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) قطب مکیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) احمد بن یونس بن شلبیؒ سے، وہ (شیخ ابراہیم) کرکیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید (شیخ) سری الدین عبدالبر بن شحنہؒ متوفی ۹۲۱ھ (1515ء)

(شیخ) خیرالدین رملیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن عمر حانوتیؒ سے، اور وہ (شیخ) علی بن یاسین طرابلسیؒ سے، اور وہ (شیخ) ابن شحنہؒ (321) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) قطب مکیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابن شلبیؒ سے، اور وہ (شیخ) ابن شحنہؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ محمد بن عبداللہ) تمر تاشیؒ اور (شیخ) زین بن نجیمؒ دونوں روایت کرتے ہیں (شیخ) امین الدین بن عبدالعالؒ سے، اور وہ (شیخ) ابن شحنہؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید شیخ علی قوام الدین جونپوری ہندیؒ متوفی ۹۵۵ھ (1548ء)

امامِ ربانی شیخ احمد سہرندیؒ روایت کرتے ہیں شیخ عبدالاحد سہرندیؒ سے، اور وہ (شیخ) علی جونپوریؒ (322) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) تاج الدین سنبھلیؒ روایت کرتے ہیں شیخ اللہ بخش سنبھلیؒ سے، اور وہ (شیخ) علی جونپوریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) سیف الدین دہلویؒ سے، وہ (شیخ) علی جونپوریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید (شیخ) نورالدین عبدالرحمٰن جامیؒ متوفی ۸۹۸ھ (1492ء)

(شیخ حسن بن علی) عجیمیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد صادقؒ اور (شیخ) ابراہیم بیریؒ سے، اور وہ دونوں (شیخ) عبدالرحمٰن مرشدیؒ سے، وہ (شیخ) غضنفرؒ سے، وہ (شیخ) محمد امینؒ سے، وہ اپنے ماموں (شیخ) عبدالرحمٰن جامیؒ (323) سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) سیف الدینؒ سے، وہ (شیخ) امان اللہ پانی پتیؒ سے، وہ (شیخ) مودود لاریؒ (324) سے، وہ (شیخ) عبدالغفور لاریؒ (325) سے، اور وہ (شیخ) عبدالرحمٰن جامیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ربانی شیخ احمد سہرندیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) یعقوب صیر فی کشمیریؒ سے، وہ (شیخ) محمد عیانیؒ سے، اور وہ (شیخ) نورالدین عبدالرحمٰن جامیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید شیخ زین الدین احمد بن محمد بن عبداللطیف شرجیؒ متوفی ۸۹۳ھ (1488ء)

(شیخ حسن بن علی) عجیمیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالفتاح خافیؒ سے، وہ اپنے بھائی (شیخ) محمد خافیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) صدیق خافیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) محمد خافی کبیرؒ سے، وہ (شیخ) قاسم بن عبدالعلیمؒ سے، اور وہ (شیخ) زین شرجیؒ (326) سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید (شیخ) امین الدین بن ظہیرہ مکیؒ

(شیخ) علی بن جاراللہ مکیؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) جاراللہ بن امین الدین مکیؒ سے، اور وہ

اپنے والد (شیخ) امین الدین بن ظہیرہؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید شیخ محمد نجمی مکیؒ

(شیخ) علی بن جاراللہ مکیؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) جاراللہ بن امین الدین مکیؒ سے، اور وہ شیخ محمد نجمی مکیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید محقق قاسم بن قطلوبغا حافظؒ متوفی ۸۹۷ھ (1492ء)

(شیخ حسن بن علی) عُجیمیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن کمال الدین حسینیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن منصور بن محبؒ سے، وہ (شیخ) محمد بھنسیؒ سے، وہ (شیخ) قطب الدین محمد بن سلطانؒ سے، وہ (شیخ علامہ محقق) قاسم بن قطلو بغاؒ (327) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) ابن شلبیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالبر بن شحنہؒ اور (شیخ) ابراہیم کرکیؒ سے، اور وہ دونوں (شیخ) قاسم بن قطلو بغاؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عبدالعزیز بن حسن دہلویؒ، علی متقیؒ اور عبدالقادر قادریؒ تینوں حضرات روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالبر بن شحنہؒ سے، اور وہ (شیخ) قاسم بن قطلو بغاؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) ابن طولونؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) لسان الدین محمودؒ سے، اور وہ (شیخ) قاسم بن قطلو بغاؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) زین بن نجیمؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) علامہ امین الدین بن عبدالعالؒ سے، اور وہ (شیخ) قاسم بن قطلو بغا حافظؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اپنے زمانے کے ائمہ عصر چار فقہا کی اسانید

(شیخ) ابن شلبیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابراہیم کرکیؒ سے، اور وہ (شیخ) امین الدین یحییٰ بن محمد اقصرائیؒ متوفی ۸۸۰ھ (1475ء) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) ابن شلبیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابراہیم کرکیؒ سے، اور وہ (شیخ) محی الدین محمد بن سلیمان کافیجیؒ (328) متوفی ۸۷۳ھ (1468ء) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) ابن شلبیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابراہیم کرکیؒ سے، اور وہ (شیخ) تقی الدین احمد بن محمد شمنیؒ (329) متوفی ۸۷۲ھ (1468ء) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) ابن شلبیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابراہیم کرکیؒ سے، اور وہ (شیخ) سعدالدین سعدالدیریؒ (330) متوفی ۸۶۸ھ (1464ء) سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید مجتہدِ مطلق محقق کمال الدین بن ہمامؒ متوفی ۸۶۱ھ (1457ء)

(شیخ) ابن شلبیؒ، (شیخ) عبدالعزیز بن حسن لاہوریؒ، (شیخ) علی متقیؒ، (شیخ) عبدالقادر قادریؒ چاروں حضرات روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالبر بن شحنہؒ سے، اور وہ (شیخ) کمال الدین بن ہمامؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ اور (شیخ) شہاب الدین خفاجیؒ دونوں حضرات روایت کرتے ہیں (شیخ) علی بن جاراللہؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) جاراللہ بن ظہیرہؒ سے، اور وہ (شیخ) ابن ہمامؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) زین بن نجیم محقق روایت کرتے ہیں (شیخ) علامہ امین الدین بن عبدالعالؒ سے، وہ (شیخ) محقق قاسم بن قطلو بغا حافظؒ سے، اور وہ (شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ سے روایت کرتے ہیں۔

محقق ابن ہمامؒ تک فقہائے شافعیہ کی اسانید

(شیخ) ابن شلبیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) یوسف بن زکریا شافعیؒ سے، وہ اپنے والد شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ سے، اور وہ (شیخ) ابن ہمامؒ (331) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) قطب الدین نہروالی مکیؒ روایت کرتے ہیں شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ سے، اور وہ (شیخ) ابن ہمامؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فقہائے حنفیہ کی حافظ ابن حجرؒ تک اسانید

(شیخ) امین الدین بن عبدالعالؒ، (شیخ) عبدالبر بن شحنہؒ، (شیخ) قاسم بن قطلو بغاؒ اور (شیخ) محقق ابن ہمامؒ چاروں حضرات نے اپنے زمانے کے حدیث کے امام (شیخ) ابوالفضل (حافظ) بن حجر شافعیؒ متوفی ۸۵۲ھ (1449ء) سے اخذِ علم کیا ہے۔

اہم فائدہ

سلطان محمد خان فاتح کے ہاتھ پر ۸۵۷ھ (مئی 1453ء) میں قسطنطنیہ فتح ہوا تھا۔ یہ اسلام کے مراکز میں خالص عجمی دور کی ابتدا ہے۔ اس سن سے یورپ کے ارتقائی دور کی بھی ابتدا ہوتی ہے۔

فصل (3) چھٹے دور (۷۹۰ھ تا ۸۵۵ھ/ 1388ء تا 1451ء) کے علما و مشائخ کا سلسلۂ اسانید

یہ فصل بدرالدین محمود عینیؒ، ابن الفراتؒ، فناریؒ، مرشدیؒ، شہاب ہندیؒ، قاریٔ ہدایہ جلال الدین کرلانیؒ، خواجہ پارسا حافظیؒ، علامہ شریف جرجانیؒ، ابوالولید بن شحنہؒ، احمد بن ضیاء مکیؒ، علامہ تفتازانیؒ، بابرتیؒ،

قرشیؒ، سراج ہندیؒ، مغلطائیؒ، نصیرالدین دہلویؒ، ابن ترکمانیؒ اور صدر الشریعہ عبیداللہ بن مسعود بخاریؒ کی اسانید کے بیان میں ہے۔

اپنے زمانے کے سات ائمہ فقہا کی اسانید

[1] (شیخ احمد بن یونس) ابن شلبیؒ، عبدالعزیز دہلویؒ، علی متقیؒ اور عبدالقادر قادریؒ چاروں روایت کرتے ہیں ابن شحنہؒ سے، وہ قاسم (بن قطلو بغاؒ) اور (محقق) ابن ہمامؒ سے، اور وہ دونوں (بدرالدین محمود) عینیؒ متوفی ۸۵۵ھ (1451ء) سے روایت کرتے ہیں۔

[2] (شیخ احمد بن یونس) ابن شلبیؒ روایت کرتے ہیں ابراہیم کرکیؒ سے، اور وہ عزالدین عبدالرحیم بن فراتؒ متوفی ۸۵۱ھ (1448ء) سے روایت کرتے ہیں۔

[3] (شیخ احمد بن یونس) ابن شلبیؒ روایت کرتے ہیں ابراہیم کرکیؒ سے، وہ محی الدین کافیجیؒ سے، وہ شمس الدین محمد بن حمزہ فناریؒ متوفی ۸۳۴ھ (1431ء) سے روایت کرتے ہیں۔

[4] (شیخ احمد بن یونس) ابن شلبیؒ روایت کرتے ہیں ابن شحنہؒ سے، وہ قاسم بن قطلو بغاؒ سے، وہ جمال الدین محمد بن ابراہیم مرشدیؒ متوفی ۸۳۳ھ (1430ء) سے روایت کرتے ہیں۔

[5] علی قوام الدین جونپوریؒ روایت کرتے ہیں بہاؤالدین جونپوریؒ سے، وہ عیسیٰ جونپوریؒ سے، وہ ملک العلما شہاب الدین ہندی متوفی ۸۴۸ھ (1444ء) سے روایت کرتے ہیں۔

[6] (شیخ احمد بن یونس) ابن شلبیؒ روایت کرتے ہیں ابن شحنہؒ سے، وہ قاسم (بن قطلو بغا) اور ابن ہمامؒ سے، وہ دونوں سراج الدین عمر بن علیؒ قاری ہدایہ متوفی ۸۲۷ھ (1424ء) سے روایت کرتے ہیں۔

[7] (شیخ احمد بن یونس) ابن شلبیؒ، عبدالعزیز دہلویؒ، علی متقیؒ اور عبدالقادر قادریؒ چاروں روایت کرتے ہیں (عبدالبر بن) شحنہؒ سے، وہ اپنے والد (شحنہؒ) اور ابن ہمامؒ سے، وہ دونوں ابوالولید بن شحنہؒ متوفی ۸۱۵ھ (1412ء) سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید (شیخ) جلال الدین کرلانیؒ

(شیخ محی الدین محمد بن سلیمان) کافیجیؒ روایت کرتے ہیں محمد بن شہاب خافیؒ سے، وہ ابوالوقت عبدالاوّل بن علی مرغینانیؒ سے، وہ (شیخ) جلال الدین کرلانیؒ (332) سے روایت کرتے ہیں۔

شمنیؒ، اقصرائیؒ، عینیؒ اور قاریٔ ہدایہؒ چاروں روایت کرتے ہیں علاؤالدین سیرامیؒ سے، وہ (شیخ) جلال الدین کرلانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

سعدالدین دیریؒ روایت کرتے ہیں حافظ الدین بزازیؒ (333) سے، وہ اپنے والد محمد بن شہاب

کردریؒ (334) سے، اور (شیخ) وہ جلال الدین کرلانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید خواجہ محمد (بن محمد بن محمود) پارسا حافظیؒ (بخاری) متوفی ۸۲۲ھ (1419ء)

(شیخ ابرہیم) کرکیؒ روایت کرتے ہیں یحییٰ بن محمد اقصرائیؒ سے، اور وہ محمد بن محمد حافظیؒ (بخاری) (335) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عبدالرحمٰن جامیؒ روایت کرتے ہیں (خواجہ) عبیداللہ احرارؒ سے، وہ (خواجہ) علاؤالدین غجد وانیؒ سے، وہ (شیخ خواجہ) محمد (بن محمد بن محمود پارسا) حافظیؒ (بخاری) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عبدالرحمٰن جامیؒ روایت کرتے ہیں ابوالنصر بن خواجہ پارساؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) محمد بن محمد حافظیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید علامہ (سید) شریف علی (بن محمد بن علی) جرجانیؒ متوفی ۸۱۶ھ (1413ء)

(شیخ محی الدین محمد بن سلیمان) کافیجیؒ روایت کرتے ہیں محمد بن شہاب خافیؒ سے، اور وہ علامہ (سید شریف) علی (بن محمد بن علی) جرجانیؒ (336) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عبدالرحمٰن جامیؒ روایت کرتے ہیں علی سمرقندیؒ (337) سے، اور وہ علامہ شریف علی جرجانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) قطب مکیؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد علاؤالدین نہروالیؒ سے، وہ (شیخ) نورالدین ابوالفتوح سمرقندیؒ سے، اور وہ علامہ (شریف علی) جرجانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید (شیخ) احمد (بن محمد بن محمد) ابن ضیاء مکیؒ

(شیخ) زین الدین (احمد بن محمد بن عبداللطیف) شرجیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوالبقاء محمد بن احمدؒ سے، اور وہ اپنے والد (شیخ) احمد (بن محمد بن محمد) ابن ضیاء مکیؒ (338) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) محمد نجمیؒ روایت کرتے ہیں ابوحامد محمد بن احمد سے، وہ اپنے والد احمد بن ضیاء مکیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانیؒ حنفی عملاً، حنفی وشافعی تدریساً متوفی ۷۹۱ھ (1389ء)

(شیخ تقی الدین احمد بن محمد) شمنیؒ، (شیخ امین الدین یحییٰ بن محمد) اقصرائیؒ اور (شیخ بدر الدین محمود) عینیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) یحییٰ سیرامیؒ (339) سے، اور وہ علامہ (سعدالدین) تفتازانیؒ (340) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ تقی الدین احمد بن محمد) شمنیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) علاء بخاریؒ سے، اور وہ (علامہ) تفتازانیؒ

سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ محی الدین محمد بن سلیمان) کافیجیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) حیدرہ بن احمدؒ (341) سے، اور وہ علامہ تفتازانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

عارف (عبدالرحمٰن) جامیؒ روایت کرتے ہیں شمس الدین جاجرمیؒ سے، وہ علامہ تفتازانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید علامہ اکمل الدین محمد بن محمد بن محمود بابرتیؒ متوفی ۷۸۶ھ (1384ء)

(شیخ ابراہیم) کرکیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابن فراتؒ سے، اور وہ (علامہ اکمل الدین محمد) بابرتیؒ (342) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) کافیجیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) شمس فناریؒ سے، اور وہ بابرتیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ عبدالبر) ابن شحنہؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) قاسم (بن قطلوبغاؒ) سے، وہ (شیخ عبدالرحمٰن) مرشدیؒ سے، وہ (علامہ) بابرتیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) کافیجیؒ روایت کرتے ہیں محمد بن شہاب خافیؒ سے، وہ (علامہ شریف) علی جرجانیؒ سے، وہ (علامہ) بابرتیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ عبدالبر) ابن شحنہؒ روایت کرتے ہیں علامہ ابن ہمامؒ سے، وہ ابوالولید بن شحنہؒ سے، وہ (علامہ بابرتیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید (علامہ) محی الدین عبدالقادر قرشی حافظؒ متوفی ۷۷۵ھ (1373ء)

(شیخ) زین الدین شرجیؒ روایت کرتے ہیں ابوالبقاء محمد بن احمدؒ سے، وہ اپنے والد احمد بن ضیاء (مکیؒ) سے، اور وہ (علامہ) عبدالقادر قرشیؒ (343) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) محمد نجمیؒ روایت کرتے ہیں ابوحامد محمد بن احمدؒ سے، وہ اپنے والد (احمد بن ضیاء مکیؒ) سے، اور وہ محی الدین عبدالقادر قرشیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) قاسم بن قطلوبغاؒ روایت کرتے ہیں احمد بن عثمانی کلوتانیؒ (344) سے، وہ محمد بن علی قرشی مکی حافظؒ سے، اور وہ محی الدین عبدالقادر قرشیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید (شیخ) سراج الدین عمر ہندیؒ متوفی ۷۷۲ھ (1370ء)

(شیخ ابراہیم) کرکیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابن الفراتؒ سے، وہ علامہ سراج (الدین عمر) ہندیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ عبدالبر) ابن شحنہؒ روایت کرتے ہیں قاسم (بن قطلو بغاؒ) سے، وہ (شیخ) جمال الدین مرشدیؒ سے، وہ علامہ سراج الدین (عمر) ہندیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید (شیخ) علاؤالدین مغلطائی حافظؒ متوفی ۷٦٢ھ(1365ء)

وعبداللہ بن یوسف زیلعی حافظؒ متوفی ۷٦٢ھ(1361ء)

(شیخ جمال الدین) مرشدیؒ روایت کرتے ہیں اسماعیل بن ابراہیم کنانیؒ سے، اور وہ (علاؤالدین) مغلطائی حافظؒ اور (عبداللہ ابن یوسف) زیلعی حافظؒ دونوں سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید عارف، فقیہ، شیخ نصیرالدین دہلویؒ متوفی ۷۵۲ھ(1351ء)

ملک العلما شہاب الدین ہندیؒ روایت کرتے ہیں قاضی عبدالمقتدر دہلویؒ سے، وہ عارف امام نصیرالدین دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید (شیخ) علی بن عثمان (بن ابراہیم ابن) ترکمانی حافظؒ متوفی ۷۵۰ھ(1349ء)

(شیخ) زین الدین شرجیؒ روایت کرتے ہیں محمد بن محمد جزریؒ سے، وہ عبداللہ بن یوسف زیلعی حافظ سے، وہ (شیخ علی بن عثمان بن ابراہیم) ابن ترکمانی حافظؒ (345) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) احمد بن ضیاء مکیؒ روایت کرتے ہیں محی الدین عبدالقادر قرشی حافظؒ سے، وہ (شیخ علی بن عثمان بن ابراہیم) ابن ترکمانی حافظؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید امام محقق صدرالشریعہ عبیداللہ بن مسعود بخاریؒ متوفی ۷۴۷ھ(1346ء)

(شیخ) امین اقصرائیؒ روایت کرتے ہیں خواجہ پارسا حافظیؒ سے، وہ محمد طاہریؒ سے، وہ صدرالشریعہ (الاصغر عبیداللہ بن مسعود بخاریؒ) (346) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ بدرالدین محمود) عینیؒ روایت کرتے ہیں جبرائیل بغدادیؒ سے، وہ محمد بن عمر اَرزنجانیؒ سے، وہ اپنے والد (عمر ارزنجانیؒ) سے، اور وہ صدرالشریعہ (عبیداللہ بن مسعود بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

علامہ تفتازانیؒ روایت کرتے ہیں اپنے بعض مشائخ سے، اور وہ صدرالشریعہ (عبیداللہ بن مسعود بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4) پانچویں دور (۷۴۷ھ تا ۷۹۰ھ/ 1152ء تا 1388ء)

کے علما و مشائخ کا سلسلۂ اسانید

یہ فصل سلطان المشائخ نظام الدین دہلویؒ، عبدالعزیز بخاریؒ، حسین سغناقیؒ، ابوالعباس سروجیؒ،

ابوالبرکات نسفیؒ، ابوالعلاء کلاباذیؒ، حافظ الدین کبیر بخاریؒ، شیخ الاسلام (بابا) فریدالدین (مسعود گنج شکر) اجودھنی ہندیؒ، جمال الدین محمد بن اسعد بخاریؒ، (شیخ) حسن صغانی لاہوریؒ، شمس الائمہ کردریؒ، شیخ الاسلام (خواجہ) قطب الدین (بختیار کاکی) دہلویؒ، شیخ الاسلام معین الدین (چشتی) اجمیریؒ، شمس الائمہ محبوبیؒ، (ابویعقوب سراج الدین یوسف) سکاکیؒ، (علامہ) ابوبکر کاسانیؒ، فخر الدین قاضی خانؒ اور شیخ الاسلام برہان الدین علی مرغینانیؒ (صاحبِ ہدایہ) کی اسانید کے بیان میں ہے۔

اسانید عارف، فقیہ، سلطان المشائخ (خواجہ) نظام الدین دہلویؒ متوفی ۷۳۵ھ (1334ء)

ملک العلما شہاب الدین ہندیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالمقتدر دہلویؒ سے، وہ (شیخ) نصیرالدین (چراغ) دہلویؒ سے، اور وہ سلطان المشائخ (خواجہ نظام الدین اولیاء دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید محقق عبدالعزیز (بن احمد بن محمد) بخاری اصولی متوفی ۷۳۰ھ (1330ء)

(شیخ) اکمل بابرتیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن محمد کاکیؒ سے، اور وہ محقق عبدالعزیز (بن احمد بن محمد) بخاریؒ (347) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ بدرالدین محمود) عینیؒ وغیرہ روایت کرتے ہیں (شیخ) علاؤالدین سیرامیؒ سے، وہ (شیخ) جلال الدین کرلانیؒ سے، اور وہ محقق عبدالعزیز بخاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید امام محقق حسین (بن علی بن حجاج) سغناقی متوفی ۷۱۴ھ (1314ء)

(شیخ) اکمل الدین بابرتیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن محمد بخاری کاکیؒ سے، اور وہ محقق (علامہ) حسین (بن علی بن حجاج) سغناقیؒ (348) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) احمد بن ضیاء مکیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن علی قرشیؒ سے، وہ (شیخ) عبداللہ بن حجاج کاشغریؒ سے، اور وہ (شیخ) امام حسین سغناقیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) ابوالولید بن شحنہؒ روایت کرتے ہیں محقق امیر کاتب اتقانیؒ سے، اور وہ محقق (شیخ) حسین سغناقیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید محقق ابوالعباس احمد (بن ابراہیم) سروجیؒ متوفی ۷۱۶ھ (1316ء)

(شیخ) محی الدین (عبدالقادر) قرشی حافظؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) قطب الدین عبدالکریم حلبی حافظؒ سے، اور وہ (شیخ) ابوالعباس (احمد بن ابراہیم) سروجیؒ (349) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) محی الدین (عبدالقادر) قرشی حافظؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) علی بن عثمان ترکمانی حافظؒ سے، اور وہ (شیخ) ابوالعباس سروجیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

علامہ (سعدالدین) تفتازانیؒ روایت کرتے ہیں اپنے بعض حنفی مشائخ سے، اور وہ (شیخ) ابوالعباس سروجیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید محقق ابوالبرکات عبداللہ نسفیؒ متوفی ۷۱۰ھ (1310ء)

(شیخ اکمل الدین) بابرتیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ محمد بن محمد) کاکیؒ سے، وہ (شیخ محقق حسین) سغناقیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالبرکات عبداللہ نسفیؒ (350) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) احمد بن ضیاء مکیؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد محمد بن محمد بن سعید عمریؒ سے، اور وہ (شیخ) مسعود بن عمر کرمانیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالبرکات نسفیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید محقق ابوالعلاء محمود (بن ابوبکر) کلاباذی حافظؒ متوفی ۷۰۰ھ (1300ء)

(شیخ) محی الدین عبدالقادر قرشی حافظؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) قطب الدین حلبی حافظؒ سے، اور وہ (شیخ محقق محمود ابوبکر) ابوالعلاء کلاباذی حافظؒ (351) سے روایت کرتے ہیں۔

محقق سراج الدین ہندیؒ روایت کرتے ہیں قطب الدین حلبی حافظؒ سے، اور وہ (شیخ) ابوالعلاء کلاباذی حافظؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید (شیخ) حافظ الدین (محمد بن محمد نصر) کبیر (بخاریؒ) متوفی ۶۹۳ھ (1294ء)

(شیخ) عبدالعزیز بخاریؒ، (شیخ محقق) حسین سغناقیؒ اور (شیخ) محمود کلاباذیؒ تینوں حافظ الدین (محمد بن محمد نصر) کبیر (بخاریؒ) (352) سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید عارف، فقیہ، شیخ الاسلام، شیخ فریدالدین (گنج شکر) اجودھنیؒ متوفی ۶۶۴ھ (1265ء)

ملک العلما (شیخ) شہاب ہندیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالمقتدر سے، وہ (شیخ خواجہ) نصیرالدین (چراغ) دہلویؒ سے، وہ سلطان المشائخ نظام الدین دہلویؒ سے، وہ شیخ الاسلام (بابا فریدالدین مسعود گنج شکر) اجودھنیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام (ربانی شیخ) احمد سہرندیؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) عبدالاحد بن زین العابدین سہرندیؒ سے، وہ (شیخ) رُکن الدین گنگوہیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) عبدالقدوس گنگوہیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن عارف بن احمد (ردولویؒ) سے، وہ اپنے والد (شیخ عارف ردولویؒ) سے، وہ اپنے والد (شیخ) احمد عبدالحقؒ سے، وہ (شیخ) جلال الدین (محمد بن محمود عثمانی) پانی پتیؒ (353) سے، وہ (شیخ) شمس الدین پانی پتیؒ سے، وہ شیخ عارف علاؤالدین علی احمد صابر قادریؒ سے، اور وہ اپنے ماموں شیخ الاسلام فریدالدین (مسعود گنج شکر) اجودھنیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید (شیخ) جمال الدین محمد اسد بخاریؒ متوفی ۶۵۲ھ (1254ء)

(شیخ) عز بن فراتؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوہریرہ شافعیؒ سے، وہ (شیخ) ابراہیم بن محمد جوینیؒ سے، وہ (شیخ) ابراہیم محمد بخاریؒ سے، اور وہ امام جمال الدین بخاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث میں ہندوستان کے امام، فقیہ، محدث حسن صغانی لاہوریؒ متوفی ۶۵۰ھ (1252ء) کی اسانید

(شیخ خواجہ) نصیرالدین (چراغ) دہلویؒ روایت کرتے ہیں سلطان المشائخ (خواجہ) نظام الدین (اولیاؒ) سے، وہ (شیخ) کمال الدین زاہد ہندیؒ سے، وہ (شیخ) محمود بن اسد بلخی دہلویؒ سے، اور وہ (شیخ علامہ محدث) حسن صغانی لاہوریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عزالدین بن فراتؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوثناء محمود منجیؒ سے، وہ (شیخ) عبدالمؤمن شافعی دمیاطی حافظؒ (354) سے، وہ ہندوستانی محدثین کے سب سے پہلے امام حسن صغانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) قاسم بن قطلو بغاؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) تاج الدین فرغانیؒ سے، وہ اپنے چچا (شیخ) حسام الدینؒ سے، وہ (شیخ) صالح بن عبداللہ بن صباغ سے، وہ (شیخ) حسن صغانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔ یہ سند حنفی مشائخ کے تسلسل کے ساتھ مروی ہے۔

اسانید شمس الائمہ محمد بن عبدالستار کردریؒ متوفی ۶۴۲ھ (1244ء)

(شیخ) ابوالبرکات عبداللہ نسفیؒ اور (شیخ) حافظ الدین کبیر محمد بن محمد بخاریؒ دونوں شمس الائمہ کردریؒ (355) سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام فریدالدین (مسعود گنج شکر) اجودھنی ہندیؒ روایت کرتے ہیں سیف الدین باخرزیؒ سے، وہ شمس الائمہ کردریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید شیخ الاسلام قطب الدین (بختیار) کاکی دہلویؒ متوفی ۶۳۴ھ (1237ء)

امام نصیرالدین دہلویؒ روایت کرتے ہیں سلطان المشائخ نظام الدین (اولیاء) دہلویؒ سے، وہ شیخ الاسلام فریدالدین اجودھنیؒ سے، وہ شیخ الاسلام قطب الدین (بختیار کاکی) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

ہندوستان میں دعوتِ اسلامیہ کے طریقے کے بانی

شیخ الاسلام (خواجہ) معین الدین اجمیریؒ متوفی ۶۳۳ھ (1236ء) تک سلسلۃ الذہب

امام نصیرالدین دہلویؒ روایت کرتے ہیں سلطان المشائخ نظام الدین (اولیاء) دہلویؒ سے، وہ شیخ الاسلام فریدالدین (مسعود گنج شکر) اجودھنیؒ سے، وہ شیخ الاسلام قطب الدین (بختیار) دہلویؒ سے، وہ شیخ الاسلام معین الدین اجمیریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید شمس الائمہ، صدر الشریعہ کبیر عبید اللہ بن ابراہیم محبوبیؒ متوفی ۶۳۰ھ (1233ء)

صدر الشریعہ عبید اللہؒ روایت کرتے ہیں اپنے دادا تاج الشریعہ محمودؒ سے، وہ اپنے والد صدر الشریعہ اوسط احمد بن عبید اللہؒ سے، وہ اپنے والد صدر الشریعہ کبیر عبید اللہ محبوبیؒ (356) سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید (شیخ) ابویعقوب یوسف (بن ابوبکر) سکاکیؒ متوفی ۶۲۶ھ (1229ء)

(شیخ بدرالدین) عینیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عیسیٰ بن خاص سرماریؒ سے، وہ (شیخ) ابوالحسن اردبیلیؒ سے، وہ (شیخ) حسین بن محمد طوسیؒ سے، وہ (شیخ) شہاب خواخیؒ سے، وہ (شیخ) سراج الدین یوسف (بن ابوبکر) سکاکیؒ (357) سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید شیخ الاسلام ابوبکر (بن مسعود بن احمد) کاسانیؒ متوفی ۵۸۷ھ (1191ء)

(شیخ محی الدین عبدالقادر) قرشیؒ اور (علامہ علاؤالدین) مغلطائیؒ دونوں روایت کرتے ہیں (شیخ) یوسف ختنیؒ سے، وہ (شیخ) عمر بن احمد بن عدیمؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن بدر ابیضؒ سے، وہ امام ابوبکر (بن مسعود بن احمد) کاسانیؒ (ملک العلما) (358) سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید فقیہ، محقق فخرالدین حسن بن منصور ''قاضی خانؒ'' متوفی ۵۹۲ھ (1196ء)

صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں اپنے دادا تاج الشریعہ محمودؒ سے، وہ اپنے والد احمد بن عبید اللہؒ سے، وہ شمس الائمہ عبید اللہ محبوبیؒ سے، وہ (محقق) قاضی خانؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(محقق ابوالعباس احمد) سروجیؒ اور (محقق ابوالعلا محمود) کلاباذیؒ دونوں روایت کرتے ہیں (شیخ) سلیمان بن وہب اور (شیخ) محمد بن عبادؒ سے، وہ دونوں (شیخ) جمال الدین محمود حصیریؒ سے، وہ (محقق) قاضی خانؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام جمال الدین بخاریؒ روایت کرتے ہیں صدر الاسلام طاہر بن محمود بن احمد بخاریؒ سے، وہ فخرالدین قاضی خانؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابوبکر مرغینانیؒ متوفی ۵۹۳ھ (1197ء)

حافظ الدین کبیر اور ابوالبرکات نسفیؒ دونوں روایت کرتے ہیں شمس الائمہ کردریؒ سے، وہ شیخ الاسلام برہان الدین (مرغینانیؒ صاحبِ ہدایہ) (359) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) حسن صغانی ہندی حافظؒ روایت کرتے ہیں ابوحفص عمر مرغینانیؒ سے، وہ اپنے والد شیخ الاسلام علی بن ابوبکر مرغینانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام فریدالدین اجودھنیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) سیف الدین باخرزی سے، وہ شمس الائمہ

کردریؒ سے، وہ شیخ الاسلام علی مرغینانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (5) چوتھے دور (۴۱۲ھ تا ۵۴۷ھ/ 1021ء تا 1152ء)

کے علما و مشائخ کا سلسلۂ اسانید

یہ فصل (قوام الدین) حماد الصفارؒ، عمر نسفیؒ، محمود زمخشریؒ، بکر زرنجریؒ، فخر الاسلام بزدویؒ، شمس الائمہ حلوائیؒ، ابوزید دبوسی، جعفر مستغفریؒ اور ابوالحسین احمد قدوریؒ کے سلسلۂ اسناد میں ہے۔

اسانید قوام الدین حماد بن ابراہیم الصفارؒ متوفی ۵۷۶ھ (1180ء)

امام نصیرالدین دہلویؒ روایت کرتے ہیں سلطان المشائخ نظام الدین (اولیاؒ) سے، وہ شیخ الاسلام فریدالدین (اجودھنیؒ) سے، وہ شیخ الاسلام قطب الدین (بختیار کاکی) دہلویؒ سے، اور وہ (شیخ قوام الدین) حماد (بن ابراہیم الصفارؒ (360) سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام فریدالدین اجودھنیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) سیف الدین باخرزیؒ سے، وہ شمس الائمہ کردریؒ سے، اور وہ (شیخ) حماد الصفارؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام عبدالعزیز دہلویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ عبد) الوہاب دہلویؒ سے، وہ (شیخ) صدرالدین اُچیؒ سے، وہ (شیخ) جلال الدین اُچی بخاریؒ سے، وہ (شیخ) رُکن الدین (سہروردی) ملتانیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) صدرالدین (سہروردی) ملتانیؒ سے، وہ اپنے والد شیخ الاسلام (بہاؤالدین) زکریا (ملتانیؒ) سے، وہ (شیخ) کمال الدین یمنیؒ سے، اور وہ (شیخ) حماد الصفارؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید امام ابوحفص عمر (بن محمد بن احمد) نسفیؒ متوفی ۵۳۷ھ (1142ء)

حافظ الدین کبیرؒ وغیرہ روایت کرتے ہیں شمس الائمہ کردریؒ سے، وہ شیخ الاسلام مرغینانیؒ سے، اور وہ ابوحفص عمر (بن محمد بن احمد) نسفیؒ (361) سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام فریدالدین (مسعود گنج شکر) ہندیؒ روایت کرتے ہیں شیخ الاسلام قطب الدین (بختیار کاکیؒ) سے، وہ شیخ الاسلام معین الدین (اجمیریؒ) سے، وہ (خواجہ) عثمان ہارونیؒ سے، اور وہ (شیخ امام) ابوحفص نسفیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید ابوالقاسم (جاراللہ) محمود زمخشریؒ متوفی ۵۳۸ھ (1144ء)

(شیخ) ابویعقوب (یوسف بن ابوبکر) سکاکیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) سدید حناطیؒ سے، وہ (شیخ) علی بن محمد عمرانیؒ (362) سے، اور وہ جاراللہ (محمود) زمخشریؒ (363) سے روایت کرتے ہیں۔

شمس الائمہ کردریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ناصر بن عبدالسید مطرزیؒ (364) سے، وہ (شیخ) موفق

احمد بن محمد مکیؒ سے، اور وہ (شیخ) جار اللہ (محمود) زمخشریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید شمس الائمہ بکر زرنجریؒ متوفی ۵۱۲ھ (1158ء)

شمس الائمہ کردریؒ روایت کرتے ہیں شیخ الاسلام مرغینانیؒ سے، وہ (شیخ) سعید بن یوسفؒ سے، اور وہ شمس الائمہ بکر زرنجریؒ (365) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) شمس الائمہ محبوبیؒ روایت کرتے ہیں شمس الائمہ عمر زرنجریؒ سے اور وہ اپنے والد شمس الائمہ بکر بن محمد زرنجریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام فرید الدین (مسعود گنج شکر) روایت کرتے ہیں شیخ الاسلام معین الدین اجمیریؒ سے، وہ محمد بن ابوبکر بخاریؒ سے، اور وہ شمس الائمہ بکر زرنجریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید امام فخر الاسلام علی بن محمد بزدویؒ متوفی ۴۷۲ھ (1079ء)

شیخ الاسلام مرغینانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوحفص نسفیؒ سے، وہ صدر الاسلام (محمد بن محمد بن حسین) بزدویؒ (366) سے، اور وہ اپنے بھائی فخر الاسلام (علی بن محمد بن حسین) بزدویؒ (367) سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام مرغینانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) زیاد بن الیاس فرغانیؒ سے، اور وہ فخر الاسلام علی بن محمد بزدویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید شمس الائمہ عبد العزیز بن احمد حلوانیؒ متوفی ۴۵۶ھ (1064ء)

شیخ الاسلام مرغینانیؒ روایت کرتے ہیں صدر السعید احمد سے، وہ اپنے والد برہان کبیر عبد العزیز بن عمر بن مازہ بخاریؒ (368) سے، وہ شمس الائمہ سرخسیؒ سے، اور وہ شمس الائمہ حلوانیؒ (369) سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام مرغینانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوحفص نسفیؒ سے، وہ فخر الاسلام علی بن محمد بزدویؒ سے، اور وہ شمس الائمہ حلوانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ جار اللہ محمود) زمخشریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) حسین بن محمد خسرو بلخیؒ (370) سے، وہ (شیخ) عبید اللہ بن علی خطیبیؒ سے، اور وہ اپنے والد شمس الائمہ حلوانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(علامہ) ابوبکر کاسانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) علا سمرقندیؒ سے، وہ صدر الاسلام بزدویؒ سے، اور وہ شمس الائمہ حلوانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ علامہ) قاضی خانؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ظہیر کبیر حسن بن علی سے، وہ (شیخ) برہان کبیرؒ سے، وہ شمس الائمہ سرخسیؒ سے، اور وہ شمس الائمہ حلوانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) جمال الدین بخاریؒ روایت کرتے ہیں صدر الاسلام طاہر بن محمود بن احمد بن عبدالعزیز بن عمرؒ سے، وہ اپنے والد سے، وہ ان کے دادا سے، وہ اپنے والد سے، وہ (شمس الائمہ) سرخسیؒ سے، اور وہ (شمس الائمہ) حلوائیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شمس الائمہ محبوبیؒ روایت کرتے ہیں شمس الائمہ عمر زرنجریؒ سے، وہ اپنے والد شمس الائمہ بکر زرنجریؒ سے، اور وہ شمس الائمہ حلوائیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید امام ابوزید عبیداللہ دبوسیؒ متوفی ۴۳۰ھ (1039ء)

شیخ الاسلام علی مرغینانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) علاء زاہد بخاریؒ سے، وہ (شیخ) احمد بن عبدالرحمٰن ریغدمونیؒ سے، اور وہ (شیخ) ابوزید دبوسیؒ (371) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) کردریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عمر ورسکیؒ (372) سے، وہ (شیخ) عبدالرحمٰن کرمانیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن حسین ارسابندیؒ (373) سے، وہ (شیخ) محمد بن محمود زوزنیؒ (374) سے، اور وہ ابو زید دبوسیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید (شیخ) ابوالعباس جعفر مستغفریؒ متوفی ۴۳۲ھ (1040ء)

شیخ الاسلام مرغینانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عثمان بیکندیؒ (375) سے، وہ (شیخ) حسن بن عبدالملک نسفیؒ، اور وہ (شیخ ابوالعباس جعفر) مستغفریؒ (376) سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام مرغینانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوحفص نسفیؒ سے، وہ (شیخ) اسماعیل بن ابراہیم نوحیؒ اور (شیخ) حسن بن محمد سمرقندیؒ سے، اور وہ دونوں (شیخ ابوالعباس جعفر) مستغفریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید امام ابوالحسین احمد بن محمد قدوریؒ متوفی ۴۲۸ھ (1037ء)

شیخ الاسلام مرغینانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوحفص نسفیؒ سے، وہ (شیخ) خلف بن محمد شلمیؒ سے، وہ امام محمد بن علی دامغانیؒ سے، اور وہ (امام) ابوالحسین قدوریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (6) تیسرے دور (۱۹۳ھ تا ۴۱۲ھ/ 809ء تا 1021ء)

کے آخری حصے کے مشائخ کا سلسلۂ اسانید

یہ فصل (شیخ) عارف (محمد بن اسحاق) کلاباذیؒ، (محمد بن فضل) کماریؒ، (ابوبکر احمد ابن محمد) جصاصؒ، (امام ابوالحسن عبیداللہ بن حسین) کرخیؒ، استاذ (امام عبداللہ بن محمد) حارثیؒ اور (امام ابومنصور محمد بن محمد) ماتریدیؒ سے روایت کرنے کے بیان میں ہے۔

اسانید عارف، فقیہ، امام محمد بن اسحاق کلاباذی بخاریؒ متوفی ۳۸۰ھ (990ء)

(شیخ) جمال الدین بخاریؒ روایت کرتے ہیں صدر الاسلام طاہر بن محمودؒ (377) سے، وہ (شیخ) عبدالرحمٰن برکویؒ سے، وہ (شیخ) ابراہیم بن احمد مستملیؒ (378) سے، اور وہ (شیخ امام) ابوبکر (محمد بن اسحاق) کلاباذیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید (شیخ) محمد بن الفضل کماریؒ متوفی 381ھ (991ء)

(شمس الائمہ عبدالعزیز ابن احمد) حلوانیؒ روایت کرتے ہیں:

(الف) (شیخ) ابوعلی نسفیؒ (379) سے، اور وہ (شیخ محمد بن الفضل) کماریؒ (380) سے روایت کرتے ہیں۔

(ب) (امام) ابوزید دبوسیؒ سے، اور وہ ابوجعفر اسروشنیؒ (381) سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید امام ابوبکر احمد بن محمد جصاص رازیؒ متوفی ۳۷۰ھ (980ء)

(امام ابوالحسین احمد بن محمد) قدوریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن یحییٰ جرجانیؒ (382) سے، اور وہ امام ابوبکر (جصاص) رازیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) حسین نسفیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوجعفر اسروشنیؒ سے، اور وہ امام ابوبکر (جصاص) رازیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ امام) ابوزید دبوسیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوجعفر اسروشنیؒ سے، اور وہ امام ابوبکر (جصاص) رازیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید امام ابوالحسن عبیداللہ بن حسین کرخیؒ متوفی ۳۴۰ھ (951ء)

ابوالحسین قدوریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن یحییٰ جرجانیؒ سے، وہ امام ابوبکر (جصاص) رازیؒ سے، اور وہ امام ابوالحسن کرخیؒ (383) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) ابوحفص (عمر بن محمد) نسفیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابومنصور احمد حارثیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن علی سرخسیؒ سے، وہ (شیخ) ابومحمد اکفانیؒ سے، وہ (شیخ) ابوبکر احمد بن محمد دامغانیؒ سے، اور وہ (امام ابوالحسن عبیداللہ بن حسین) کرخیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید امام عبداللہ بن محمد استاذ حارثیؒ متوفی ۳۴۰ھ (952ء)

(شمس الائمہ عبدالعزیز ابن احمد) حلوانیؒ اور (ابوالعباس جعفر) مستغفریؒ دونوں روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوعلی حسین نسفیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن فضل کماریؒ سے، اور وہ استاذ (امام عبداللہ بن محمد) حارثیؒ

(384) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) ابوزید دبوسیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوجعفر اسروشنیؒ سے، وہ (شیخ) ابوبکر محمد بن فضل کماریؒ سے، اور وہ استاذ (امام عبداللہ بن محمد) حارثیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ ابوالعباس جعفر) مستغفریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابونصر احمد بن محمد بن حسین کلاباذیؒ سے، اور وہ استاذ حارثیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) حماد بن ابراہیم بن اسماعیل صفارؒ روایت کرتے ہیں اپنے دادا (شیخ) اِسماعیل صفارؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن فضل کماریؒ سے، اور وہ استاذ حارثیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

عارف، فقیہ (شیخ) ابوبکر محمد بن ابراہیم اسحاق کلاباذیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن فضل کماریؒ سے، اور وہ استاذ حارثیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدیؒ متوفی ۳۳۳ھ (944ء)

(شیخ) فخر الاسلام بزدویؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) محمد بن حسین بن عبدالکریم بزدویؒ سے، وہ اپنے دادا (شیخ) عبدالکریم بن موسیٰ سے، اور وہ (شیخ) ابومنصور ماتریدیؒ (385) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) صدر الاسلام بزدویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) اسماعیل بن عبدالصادقؒ (386) سے، وہ (شیخ) عبدالکریم بن موسیٰ سے، اور وہ امام ابومنصور ماتریدیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) ابوبکر محمد بن اسحاق کلاباذیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) فارس بن علی بغدادیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالقاسم اسحاق بن محمد حکیم سمرقندیؒ سے، اور وہ (شیخ) امام ابومنصور ماتریدیؒ سے راویت کرتے ہیں۔

فصل (7) تیسرے دور (۱۹۳ھ تا ۴۱۲ھ/ 809ء تا 1021ء)

کے پہلے حصے کے ائمہ و مشائخ کا سلسلۂ اسانید

یہ فصل ائمہ محدثین ابوجعفر (احمد بن محمد) طحاویؒ، ابوعیسیٰ ترمذیؒ، ابوداوٗد سجستانیؒ، ابوالحسین مسلم قرشیؒ اور ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ سے روایت کرنے کے بیان میں ہے۔ ان میں بعض مشائخ وہ ہیں، جنھوں نے براہِ راست (امام اعظم) امام ابوحنیفہؒ سے روایت کی ہے، اور بعض وہ ہیں، جنھوں نے اُن مشائخ سے روایت کی ہے، جنھوں نے امام ابوحنیفہؒ سے تعلیم حاصل کی۔

اسانید امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاویؒ متوفی ۲۲۱ھ (836ء)

شیخ الاسلام مرغینانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن عمر صفارؒ سے، وہ (شیخ) بکر زرنجریؒ سے، وہ شمس الائمہ حلوانیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن عمرؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن سعیدؒ سے اور انھوں نے امام طحاویؒ سے اُن کی

کتاب ''معانی الآثار'' کی روایت کی ہے۔

(شیخ) ابوحفص نسفیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابومنصور حارثیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن علی سرخسیؒ سے، وہ (شیخ) ابومحمد اکفانیؒ سے، وہ (شیخ) احمد بن محمد دامغانیؒ سے اور وہ امام طحاویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

استاذ حارثیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوطالب سعید بن محمد بردعیؒ سے، اور وہ امام ابوجعفر طحاویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید مصنف ''جامع (ترمذی)'' امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ متوفی ۲۷۹ھ (892ء)

شیخ الاسلام مرغینانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) صاعد بن اسعد سے، وہ (شیخ) برہان الکبیر عبدالعزیز بن عمر بن مازہؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن علی بن حیدرؒ سے، وہ (شیخ) علی بن احمد خزاعیؒ سے، وہ (شیخ) ہیثم بن کلیبؒ سے، اور وہ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید مصنف ''سنن (ابوداؤد)'' امام ابوداؤد سجستانیؒ متوفی ۲۷۵ھ (889ء)

امام ابوبکر (جصاص) رازیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوبکر بن محمد بن بکر بن داستہؒ سے، اور وہ امام ابوداؤد سجستانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید مصنف ''صحیح (مسلم)'' امام مسلم بن حجاج نیشاپوریؒ متوفی ۲۶۱ھ (875ء)

شیخ الاسلام مرغینانیؒ روایت کرتے ہیں محمد بن حسین بن ناصرؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن فضل فراویؒ (387) سے، وہ عبدالغافر فارسیؒ (388) سے، وہ (شیخ ابواحمد محمد بن عیسیٰ) جلودیؒ (389) سے، وہ (شیخ) ابراہیمؒ سے، اور وہ امام مسلم (بن حجاج نیشاپوریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) جمال الدین محمود حصیریؒ (390) روایت کرتے ہیں (شیخ) مؤید طوسیؒ سے، وہ محمد بن فضلؒ سے، وہ (شیخ) عبدالغافرؒ سے، وہ (شیخ) ابواحمد جلودیؒ سے، وہ (شیخ) ابراہیم بن محمد بن سفیانؒ سے، اور وہ امام مسلم (بن حجاج نیشاپوریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید مصنف ''(الجامع) الصّحیح'' (بخاری شریف) امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ۲۵۶ھ (870ء)

شیخ الاسلام مرغینانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عثمان بیکندیؒ سے، وہ (شیخ) حسن بن عبدالملک نسفیؒ سے، وہ (شیخ ابوالعباس) جعفر مستغفریؒ سے، وہ (شیخ) اسماعیل کتانیؒ سے، وہ (شیخ محمد بن یوسف) فربریؒ سے، اور وہ امام (محمد بن اسماعیل) بخاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام مرغینانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن عبدالرحمٰن مروزیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن موسیٰ

مروزیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالہیثم محمد بن بکر کشمیہنیؒ سے، وہ (شیخ محمد بن یوسف) فربریؒ سے، اور وہ امام بخاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام مرغینانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عمر نسفیؒ سے، وہ حسن بن احمد سمرقندیؒ سے، وہ (شیخ) جعفر مستغفریؒ سے، وہ (شیخ) حماد بن شاکر سے، اور وہ امام بخاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

یہ سند امام بخاریؒ تک علمائے احناف کے تسلسل کے ساتھ ہے۔

شمس الائمہ (شیخ) بکر زرنجریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) احمد بن علی ابیوردیؒ سے، وہ (شیخ) اسماعیل بن احمد کتانیؒ سے، وہ (شیخ محمد بن یوسف) فربریؒ سے، اور وہ امام بخاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اہم فائدہ (دیگر ائمہ مجتہدین کی اسانید)

اسانید امام احمد بن حنبلؒ متوفی ۲۴۱ھ (855ء)

امام ابوبکر (جصاص) رازیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالباقی بن قانع حنفی حافظؒ سے، وہ (شیخ) عبداللہ بن امام احمد (ابن حنبلؒ) سے، اور وہ اپنے والد امام احمد بن حنبلؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید امام (محمد بن ادریس) شافعیؒ متوفی ۲۰۴ھ (819ء)

امام ابوجعفر طحاویؒ روایت کرتے ہیں اپنے ماموں (شیخ) ابوابراہیم اسماعیل بن یحییٰ مزنیؒ سے، اور وہ امام محمد بن ادریس شافعیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (8) دوسرے دور (۹۲ھ تا ۱۹۳ھ/ 711ء تا 809ء) کے علما و مشائخ کا سلسلۂ اسناد

یہ فصل امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب: (امام) ابویوسفؒ، (امام) زفرؒ (بن ہذیل)، (امام) حسن بن زیادؒ، (امام) حماد (ابن امام ابوحنیفہؒ) اور امام محمد بن حسن شیبانیؒ سے روایت کرنے کے بیان میں ہے۔

اسانید امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم انصاریؒ متوفی ۱۸۲ھ (798ء)

(امام) طحاویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ احمد) ابن ابوعمرانؒ سے، وہ (شیخ) بشر بن ولید کندیؒ (391) سے، وہ امام ابویوسفؒ سے، اور وہ امام ابوحنیفہؒ اور (امام) لیث (بن سعدؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید امام زفر بن ہذیل متوفی ۱۵۸ھ (775ء)

(امام) طحاویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) احمد بن ابوعمران سے، وہ (شیخ) محمد بن سلمہؒ سے، وہ (شیخ) شداد بن حکیمؒ سے، وہ امام زفر (بن ہذیلؒ) سے، اور وہ امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) ابوبکر کلاباذیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) فارس بن علی بغدادیؒ سے، وہ (شیخ) حکیم اسحاق بن محمد بن اسماعیل سمرقندیؒ سے، وہ (شیخ) ابوبکر ورّاقؒ سے، وہ (شیخ) احمد بن خضرویہؒ سے، وہ (شیخ) حاتم اصمؒ سے، وہ (شیخ) شقیق (بن سلمہؒ) سے، وہ (امام) زفر (بن ہذیلؒ) سے، اور وہ امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید (امام) حسن بن زیاد متوفی ۲۰۴ھ (819ء)

اور (امام) حماد بن امام ابوحنیفہؒ متوفی ۱۷۰ھ (170ء)

(امام) کرخیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوسعید بردعیؒ سے، وہ (شیخ) اسماعیل بن حمادؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) حماد بن امام ابوحنیفہؒ اور حسن بن زیادؒ سے، اور وہ دونوں حضرات امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسانید امامِ ربانی ابوعبداللہ محمد بن حسن شیبانیؒ متوفی ۱۸۷ھ (786ء)

(استاذ امام عبداللہ بن محمد) حارثیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوعبداللہ محمد بن احمد بن حفصؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) ابوحفص کبیر احمد بن حفصؒ سے، وہ امام محمد (شیبانیؒ) سے، اور وہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالک بن انسؒ، سفیان بن سعید ثوریؒ، (امام) ابو یوسفؒ اور (امام) زفر (بن ہذیلؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(امام) طحاویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) احمد بن ابوعمرانؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن سلمہؒ سے، وہ (شیخ) ابوسلیمان جوزجانیؒ سے، وہ امام محمدؒ سے اور وہ امام ابوحنیفہؒ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

(امام) کرخیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوسعید بردعیؒ (392) سے، وہ (شیخ) ابوعلی دقاقؒ سے، وہ (شیخ) موسیٰ بن نصر رازیؒ سے، اور وہ امام محمدؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) ماتریدیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) احمد عیاضؒ سے، وہ (شیخ) احمد بن اسحاق جوزجانیؒ سے، وہ (شیخ) ابوسلیمان جوزجانیؒ سے، اور وہ امام محمدؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اہم فائدہ؛

(اسانید ''مؤطا امام مالکؒ'' اور ''کتاب الآثار'')

اسانید ''مؤطا'' کے مصنف امام مالکؒ متوفی ۱۷۹ھ (795ء)

(امام) مغلطائیؒ نے فرمایا ہے کہ:

''سب سے پہلے صحیح کتاب امام مالک نے تصنیف کی ہے۔''

(امام) ابوحفص نسفیؒ اپنے شیوخ کی ''معجم'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ''ہمارے شیخ احمد بن محمد بن منصور حارثیؒ کتاب مؤطا کی روایت امام محمد بن الحسن (شیبانیؒ) سے کرتے ہیں۔ اور وہ امام مالکؒ سے روایت کرتے ہیں۔

وہ (امام ابوحفص نسفیؒ مؤطا کی) روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالغفار مؤدّبؒ سے، وہ (شیخ) ابوعلی صوافؒ سے، وہ (شیخ) بشر بن موسیٰ سے، وہ (شیخ) احمد بن محمد بن مہرانؒ سے، وہ امام محمد بن حسن (شیبانیؒ) سے، اور وہ امام مالکؒ سے روایت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو۔

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: اسی سند میں ''زیادات'' کی روایت بھی امام ابوحنیفہؒ، سفیان بن سعید ثوریؒ وغیرہ سے ہے۔

مصنف ''کتاب الآثار'' امام ابوحنیفہؒ متوفی ۱۵۰ھ (767ء) سے مروی اسانید

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ: میں ''کتاب الآثار'' کی بالمشافہ روایت کرتا ہوں شیخ تاج الدین قلعی حنفیؒ سے، وہ شیخ حسن (بن علی) عُجیمیؒ سے، وہ شیخ خیرالدین رملی حنفیؒ سے، وہ شیخ محمد بن سراج الدین حانوتی حنفیؒ سے، وہ (شیخ) احمد بن شلبی حنفیؒ سے، وہ (شیخ) ابراہیم کرکی حنفیؒ سے، وہ شیخ امیرالدین یحییٰ اقصرائی حنفیؒ سے، وہ شیخ محمد بن محمد بخاری حنفیؒ سے، وہ شیخ حافظ الدین محمد بن محمد بخاری طاہری حنفیؒ سے، وہ صدرالشریعہ عبیداللہ بن مسعود حنفیؒ سے، وہ اپنے دادا تاج الشریعہ محمود محبوبی حنفیؒ سے، وہ اپنے والد صدرالشریعہ احمد حنفیؒ سے، وہ اپنے والد جمال الدین عبیداللہ ابراہیم محبوبی حنفیؒ سے، وہ محمد بن ابوبکر بخاری حنفیؒ سے، وہ ابوالفضائل شمس الائمہ بکر بن محمد زرنجری حنفیؒ سے، وہ شمس الائمہ عبدالعزیز بن احمد حلوانی حنفیؒ سے، وہ استاذ عبداللہ بن محمد حارثی حنفیؒ سے، وہ ابوحفص صغیر محمد حنفیؒ سے، وہ اپنے والد ابوحفص کبیر احمد بن حفص بخاری حنفیؒ سے، وہ امامِ ربانی محمد بن الحسن شیبانیؒ سے، وہ امام ابوحنیفہؒ سے، وہ حماد (بن ابوسلیمان مسلم اشعریؒ) سے، اور وہ (امام) ابراہیم نخعیؒ (393) وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

رضی اللّٰه عنهم۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو!

اہم فائدہ

(امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کی جامعیت)

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''حُجّة اللّٰه البالغه'' میں لکھتے ہیں کہ:

''امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ (امام) ابراہیم (نخعیؒ) اور ان کے ساتھیوں کے مذہب کو لازم پکڑے ہوئے تھے۔ چند ایک مقامات کے علاوہ عام طور پر ان کے مذہب سے تجاوز نہ کرتے تھے۔ آپؒ ان کے مذہب کے مطابق مسائل تخریج کرنے میں عظیم الشان حیثیت کے مالک تھے۔ مسائل کی تخریج کی وجوہات بیان کرنے میں انتہائی گہری نظر رکھتے تھے۔ اور فروعات کے بیان کرنے میں مکمل طور پر متوجہ رہتے تھے۔

جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے، اگر تم اس کی حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہو تو امام ابراہیم (نخعیؒ) اور ان کے ساتھیوں کے اقوال کو امام محمدؒ کی "کتاب الآثار"، ''جامع عبدالرزاق'' اور "مصنف ابن ابی شیبہ" سے جمع کر کے ان کا خلاصہ نکالو۔ پھر ان کا موازنہ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب سے کرو، تو چند ایک مقامات کے علاوہ تم ان کے دلائل اور مسائل میں کوئی فرق نہیں پاؤ گے۔ اور وہ چند مسائل بھی ایسے ہیں کہ جن میں بھی وہ فقہائے کوفہ کے دائرے سے باہر نہیں جاتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے قابل ترین مشہور شاگردوں میں امام ابو یوسفؒ ہیں۔ وہ ہارون الرشید کے زمانۂ حکومت میں قاضی القضاۃ مقرر ہو گئے تھے۔ ان کی اس عدالتی ذمہ داریوں کی وجہ سے حنفی مذہب تمام عراق، خراسان اور ماوراء النہر کے علاقوں میں ظاہر و غالب ہو گیا۔

امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں بہترین شاگرد امام محمد بن الحسن شیبانی ہیں۔ .....

یہ دونوں حضرات بھی ہر ممکن حد تک ابراہیم نخعیؒ اور ان کے ساتھیوں کے دلائل کے مطابق ہی مسائل بیان کرتے رہے۔ جیسا کہ ان کے استاذ امام ابوحنیفہؒ کیا کرتے تھے۔ چناں چہ امام محمدؒ نے کتابیں لکھیں۔ جن میں ان تینوں حضرات کی آرا کو جمع کر دیا۔ لوگوں نے ان کی کتابوں سے نفع اٹھایا۔

ان کے بعد امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں اور ماننے والوں نے ان کتابوں کی تلخیص لکھی۔ انھیں سمجھانے کی تقریب کی۔ ان کی شروحات لکھیں۔ مسائل کی تخریجات بیان کیں۔ ان کے اصول واضح کیے۔ ان کے استدلال اور دلائل جمع کیے۔ پھر وہ خراسان اور ماوراء النہر کے علاقوں میں پھیل گئے۔ اور اسی کا نام ''مذہبِ امامِ ابوحنیفہؒ'' رکھ دیا گیا۔'' انتھٰی (394)

یہ وہ آخری بات ہے، جو ہم ''قسم اوّل'' کے ''خاتمہ'' میں خلاصے کے طور پر بیان کرنا چاہتے ہیں۔

و صلّی اللّٰہ علٰی عبدہٖ و رسولہ سیدنا و سید المرسلین محمد و آلہ و سلم.

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العالمین.

دوسری قسم

نوویں دور ۱۰۳۶ھ/ 1627ء تا ۱۱۱۸ھ/ 1707ء

کے علما کی اسانید

مقدمہ

پہلا باب
نوویں دور کے علما تک امام ولی اللہ (دہلویؒ) کی اسانید

دوسرا باب
امام ولی اللہ دہلویؒ کے سلسلۂ سند کے بغیر اس دور کے ائمہ کی اسانید

مقدمہ

(اس دور کے تاریخی حقائق)

ہندوستان میں بسنے والے لوگوں کی تاریخ میں یہ زمانہ (۱۰۳۶ھ/1627ء تا ۱۱۱۸ھ/1707ء) اسلام کے ادوار میں سب سے بہترین دور ہے۔ سلطان شہاب الدین محمد شاہ جہاں ''صاحبقرانِ ثانی'' نے تختِ سلطنت پر بیٹھتے ہی پہلے سال لوگوں کو بادشاہوں کے سامنے سجدۂ تعظیم کرنے سے منع کر دیا تھا۔ (395) یہ امامِ ربانی شیخ احمد سہرندیؒ کی تجدیدی کام کے اثر کو قبول کرنے کی سب سے بڑی ظاہری دلیل ہے۔ اس کے بعد سلطان شاہ جہاںؒ ہمیشہ شریعتِ اسلام رائج کرنے اور جو کچھ پہلے فساد ہو چکا تھا، اس کی اصلاح کرنے میں لگے رہے۔ یہاں تک کہ اُن کے بعد ان کے بیٹے امام مجدد سلطان محی الدین محمد عالم گیرؒ آئے اور انھوں نے اس تجدیدی کام کی تکمیل کی۔ اس طرح انھوں نے اپنی سلطنت کو — جو ہندوستان کے تمام علاقوں پر مشتمل تھی — علمی اور عملی حوالے سے دینی بنا دیا۔

علامہ (غلام علی بلگرامی) آزادؒ ''مآثر الکرام'' میں لکھتے ہیں کہ:

> ''حقیقت یہ ہے کہ اکبر بادشاہ کے زمانے میں اسلام کی بنیاد میں کمزوری اور کوتاہی نے راستہ پیدا کرلیا تھا۔ صاحبقرانِ ثانی (سلطان شاہ جہاںؒ) نے ازسرنو قوانینِ شریعت کی بنیاد رکھی اور سلطان اورنگزیب عالمگیرؒ نے اُسے مکمل کیا۔ اِن دونوں بادشاہوں — حق تعالیٰ انھیں اپنی پناہ میں رکھے — نے اسلامیانِ ہند پر اپنا ایک بہت بڑا حق ثابت کردیا ہے۔'' انتھیٰ (396)

ہم نے اس دور (۱۰۳۶ھ تا ۱۱۱۸ھ) کے ائمہ میں سے امامِ ربانی (شیخ احمد سرہندیؒ) کو ایک امام مانا ہے۔ اگرچہ ان کی وفات (اس دور کے شروع ہونے سے) دو سال پہلے ۱۰۳۴ھ (1624ء) میں ہوگئی تھی۔ اس لیے کہ اگر اس دور میں دینی تجدید کے امام کے طور پر ان کا تذکرہ نہ کیا جائے تو اس دور کے تجدیدی کام کی رونق ختم ہو کر رہ جائے گی۔ اور اگر ہم ان کا تذکرہ آنے والے باب (اگلے دور) میں کریں تو اُن کی اولاد اور ان کے متبعین کا سلسلۂ اسانید اچھے طریقے پر منظّم انداز میں مرتب نہیں ہوسکتا۔

پہلا باب
نو ویں دور کے علما تک امام ولی اللہ (دہلویؒ) کی اسانید

پہلی نوع؛ امام رضی الدین محمد باقی (باللہ) دہلویؒ کے فیض یافتہ حضرات سے امام ولی اللہ دہلویؒ کی اسانید

فصل (1): اسانید امامِ ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سہر ندیؒ

(حضرت مجددالفِ ثانیؒ کے تجدیدی کام کی اہمیت)

میں کہتا ہوں: امام ولی اللہ دہلویؒ نے امامِ ربانی (شیخ احمد سہرندیؒ) کے بارے میں کہا ہے کہ:

''ان سے مؤمن کے علاوہ اور کوئی محبت نہیں رکھتا۔ اور ان سے سوائے منافق کے کوئی بغض نہیں رکھتا۔'' (397)

(اس سے معلوم ہوا کہ) امامِ ربانی (مجدد الف ثانیؒ) سے محبت رکھنا' دین واخلاص کے شعائر میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اُن لوگوں میں سے بنائے، جو حق کی اتباع کرتے اور اولیاء اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔ باطل سے دور بھاگتے اور اللہ کے دشمنوں سے بغض و عداوت رکھتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں کہ ہمیں اُن لوگوں میں شامل ہونے سے بچائے رکھے، جن کی مذمت اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں کی ہے:

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ (398)

(اور جب ان کے پاس پہنچتی ہے کوئی خبر امن کی یا ڈر کی، تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں۔)

ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں اُن لوگوں میں سے بنائے، جن کے بارے میں اللہ نے کہا ہے:

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ (399)

(اور اگر اس کو پہنچا دیتے رسول تک اور اپنے حاکموں تک تو تحقیق کرتے اس بات کی، جو

ان میں تحقیق کرنے والے ہیں۔)

اس آیت کی روشنی میں اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں سے بنائے، جو ممکن حد تک معاملات کی صحیح تحقیق کرتے اور درست استنباط و اجتہاد کرتے ہیں۔ انھیں جہاں مشکل پیش آتی ہے تو وہ (معاملات اور علوم کو صحیح طور پر سمجھنے والے) مجتہدین کے استنباط واجتہاد اور فہم و بصیرت پر اعتماد کرتے ہیں۔

(حضرت مجددالفِ ثانیؒ تک امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اسانید)

امام شاہ ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد ابوالفیض شیخ عبدالرحیم دہلویؒ سے، وہ (شیخ حافظ) سید عبداللہ قاری (اکبرآبادیؒ) (400) سے، اور وہ شیخ آدم بنوریؒ (401) سے اور وہ امامِ ربانی (حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سہرندیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد ابوالفیض (شیخ عبدالرحیم دہلویؒ) سے، وہ شیخ عبداللہ بن امام رضی الدین محمد باقیؒ (402) سے اور وہ امامِ ربانی (حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سہرندیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں شیخ محمد افضل دہلویؒ (403) سے، وہ شیخ عبدالاحد سہرندیؒ (404) سے، وہ اپنے والد (شیخ محمد سعید سہرندیؒ) سے، وہ اپنے والد امامِ ربانی (حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سہرندیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں شیخ محمد افضل دہلویؒ سے، وہ شیخ حجۃ اللہ سہرندیؒ (405) سے، وہ اپنے والد (شیخ محمد معصوم سہرندیؒ) سے، وہ اپنے والد اِمامِ ربانی (حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سہرندیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں شیخ محمد دلیل افغانیؒ سے، وہ شیخ محمد موسیٰ افغانیؒ سے، وہ امام محمد معصومؒ سے اور وہ اپنے والد امامِ ربانی (مجدد الف ثانیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2۔ مجموعۂ اسانید شیخ رفیع الدین محمد بن قطب العالم دہلویؒ)

یہ فصل امام رضی الدین محمد باقی (خواجہ باقی باللہ) دہلویؒ کے اصحاب میں سے شیخ رفیع الدین (محمد) بن قطب العالم بن امام عبدالعزیز دہلوی (بحر مواجؒ) تک کی اسانید میں ہے۔ (406)

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد ابوالفیض (شیخ عبدالرحیم دہلویؒ) سے، وہ اپنی والدہ بنت شیخ رفیع الدین (محمد دہلویؒ) سے اور وہ اپنے والد امام رفیع الدین دہلویؒ سے روایت کرتی ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد ابوالفیض (شیخ عبدالرحیم دہلویؒ) سے، وہ اپنے

بھائی (شیخ) ابوالرضا محمد (دہلویؒ) سے، وہ شیخ عبدللہ بن محمد باقی (خواجہ باقی باللہ دہلویؒ) سے، اور وہ امام رفیع الدین دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد ابوالفیض (شیخ عبدالرحیم دہلوی) بن (شیخ) وجیہ الدین دہلویؒ سے، وہ شیخ عبداللہ بن محمد باقی (باللہ دہلویؒ) سے اور وہ امام رفیع الدین دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد ابوالفیض (شیخ) عبدالرحیم (دہلوی) بن وجیہ الدین دہلویؒ سے اور وہ خرقِ عادت (روحانی) طریقے سے امام رفیع الدین دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3۔ مجموعۂ اسانید شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ)

یہ فصل گیارہویں صدی کے مجدد شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ تک کی اسانید میں ہے۔ جو امام رضی الدین محمد باقی (خواجہ باقی باللہ) دہلویؒ کے اصحاب میں سے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد ابوالفیض (شیخ عبدالرحیم دہلویؒ) سے اور وہ (شیخ) عبداللہ بن سعد اللہ لاہوریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں شیخ ابوطاہر مدنی (کردیؒ) سے، وہ اپنے والد شیخ ابراہیم کردیؒ سے، وہ (شیخ) عبداللہ بن سعد اللہ لاہوریؒ سے، وہ (شیخ) عبداللہ لبیب لاہوریؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) علامہ عبدالحکیم (سیالکوٹی) لاہوریؒ سے اور وہ شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد ابوالفیض (شیخ عبدالرحیم دہلویؒ) سے، وہ شیخ عبداللہ بن محمد باقی دہلویؒ سے، وہ (شیخ) حسام الدین دہلویؒ سے اور وہ شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد ابوالفیض (شیخ عبدالرحیم دہلویؒ) سے، وہ (شیخ) علامہ میرزاہد ہروی اکبرآبادیؒ سے، وہ سلطان محی الدین (اورنگ زیب) عالم گیرؒ سے، وہ شیخ محمد یحییٰ بن امام ربانی (مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ) سے اور وہ شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں معمر (شیخ) محمد سعید لاہوریؒ (407) سے، وہ شیخ محمد عارف لاہوریؒ سے، وہ (شیخ) علامہ عبدالحکیم (سیالکوٹی) لاہوریؒ سے اور وہ شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں شیخ تاج الدین (سنبھلی) مکیؒ سے، وہ امام حسن بن علی عجیمی مکیؒ سے، وہ شیخ محمد حسین بن محمد مؤمن خافی مکیؒ سے اور وہ شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4۔ مجموعۂ اسانید حضرت خواجہ باقی باللہ دہلویؒ وغیرہ)

یہ فصل امام ولی اللہ دہلویؒ کی اُن اسانید کے بیان میں ہے، جو امام رضی الدین (خواجہ باقی باللہ دہلویؒ) اور دیگر علمائے ہند کے اصحاب تک ہیں۔ یہ اسانید، وہ اپنے والد امام ابوالفیض (شیخ عبدالرحیم دہلویؒ) اور شیخ محمد افضل دہلویؒ کے سلسلے سے روایت کرتے ہیں۔

(امام) ابوالفیض (شیخ عبدالرحیم دہلویؒ) روایت کرتے ہیں اپنے بھائی (شیخ) ابوالرضا (دہلویؒ) سے اور وہ شیخ عبداللہ بن محمد باقی دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(امام) ابوالفیض (شیخ عبدالرحیم دہلویؒ)، شیخ عبداللہ بن امام محمد باقی المشہور ''خواجہ خوردؒ'' سے روایت کرتے ہیں۔

(امام) ابوالفیض (شیخ عبدالرحیم دہلویؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) علامہ محقق میر زاہد ہروی اکبر آبادیؒ سے اور وہ اپنے والد قاضی میر محمد اسلم ہرویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(امام) ابوالفیض (شیخ عبدالرحیم دہلویؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) علامہ میر زاہد ہرویؒ سے اور وہ (شیخ) علامہ محمد فاضل بدخشی لاہوریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(امام) ابوالفیض (شیخ عبدالرحیم دہلویؒ) روایت کرتے ہیں شیخ ابوالقاسم اکبر آبادیؒ سے، وہ شیخ ولی محمد اکبر آبادیؒ سے اور وہ امیر ابوالعلا اکبر آبادیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(امام) ابوالفیض (شیخ عبدالرحیم دہلویؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) امیر نورالعلا اکبر آبادیؒ سے اور وہ اپنے والد (شیخ) امیر ابوالعلا اکبر آبادیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(امام) ابوالفیض (شیخ عبدالرحیم دہلویؒ) روایت کرتے ہیں شیخ عظمت اللہ اکبر آبادیؒ سے، وہ اپنے والد شیخ عبداللطیف (اکبر آبادی) سے اور وہ اُن کے دادا شیخ بدرالدین اکبر آبادیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(امام) ابوالفیض (شیخ عبدالرحیم دہلویؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) عبداللہ بن سعداللہ لاہوریؒ سے، وہ شیخ عبداللہ لبیب (لاہوریؒ) سے، اور وہ اپنے والد (شیخ) علامہ عبدالحکیم سیالکوٹیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(امام) ابوالفیض (شیخ عبدالرحیم دہلویؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) عبداللہ بن سعداللہ لاہوریؒ سے اور وہ (شیخ) قطب الدین نہروالی مکیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ محمد افضل (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں شیخ حجۃ اللہ سہرندیؒ سے اور وہ اپنے والد امام محمد معصوم سہرندیؒ

سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ محمد افضل (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں شیخ عبدالاحد سہرندیؒ سے اور وہ اپنے والد امام محمد سعید سہرندیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

دوسری نوع؛ حرمین شریفین وغیرہ کے علما سے امام ولی اللہ دہلویؒ کی اسانید

فصل (1): امام ولی اللہ دہلویؒ کے شیخ المشائخ اور فقہ حنفی کے امام

مسند (شیخ) حسن بن علی عُجیمی مکیؒ کی اسانید کا مجموعہ

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں شیخ تاج الدین مکی حنفیؒ اور شیخ ابوطاہر مدنی شافعیؒ سے اور یہ دونوں حضرات امامِ مسند (شیخ حسن بن علی عُجیمی مکیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

سید مرتضٰی (زبیدیؒ) روایت کرتے ہیں شیخ محمد حیات سندھیؒ سے، وہ شیخ ابوالحسن (کبیر) سندھیؒ سے اور وہ امام مسند (شیخ حسن بن علی عُجیمی مکیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

سید مرتضٰی (زبیدیؒ) بلگرامیؒ روایت کرتے ہیں شیخ محمد بن علاؤالدین مزجاجیؒ سے اور وہ امام مسند (شیخ حسن بن علی عُجیمی مکیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

سید مرتضٰی (زبیدیؒ) روایت کرتے ہیں مصطفیٰ نابلسیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن احمد عقیلہؒ سے اور وہ امام مسند (شیخ حسن بن علی عُجیمی مکیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

سید مرتضٰی (زبیدیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) خیرالدین سورتیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالمکارم ہندیؒ سے، وہ (شیخ) تاج الدین قلعیؒ سے اور وہ امام مسند (شیخ حسن بن علی عُجیمی مکیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) مصطفیٰ رحمتی (دمشقی مدنیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) صالح (بن ابراہیم) جنینیؒ سے اور وہ امام مسند (شیخ حسن بن علی عُجیمی مکیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عمر بن عبدالکریم (مکیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوالفتح بن محمد بن حسن بن علی عُجیمیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ محمد بن حسن) سے، وہ اپنے دادا امام مسند (شیخ حسن بن علی عُجیمیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عمر بن عبدالکریم مکیؒ، (شیخ) اسماعیل بن ادریس رومیؒ اور (شیخ) محمد عابدؒ تینوں روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالملک بن عبدالمنعم بن تاج الدین قلعیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ عبدالمنعمؒ) سے، وہ اپنے والد (شیخ تاج الدینؒ) سے اور وہ امام مسند (شیخ حسن بن علی عُجیمی مکیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

امام محمد راشد سندھیؒ (پیر جوگوٹھ والے) روایت کرتے ہیں (شیخ) عارف فقیراللہ جلال آبادی

(شکارپوری) سندھیؒ سے، وہ (شیخ) عبدالقادر صدیقی (مکیؒ) سے اور وہ امام مسند (شیخ حسن بن علی عجیمیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) محمد عابد سندھیؒ روایت کرتے ہیں اپنے چچا (شیخ) محمد حسین (بن محمد مراد سندھیؒ) (408) سے، وہ اپنے والد (شیخ) محمد مراد سندھیؒ سے، وہ (شیخ مخدوم) محمد ہاشم (ٹھٹھوی) سندھیؒ سے، وہ (شیخ) عبدالقادر صدیقی (مکیؒ) سے اور وہ امام مسند (شیخ حسن بن علی عجیمی مکیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) محمد عابد (سندھیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد حسین (سندھیؒ) سے، وہ (شیخ) ابوالحسن صغیر (سندھیؒ) سے، وہ (شیخ) محمد حیات سندھیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالحسن کبیر (سندھیؒ) سے اور وہ امام مسند (شیخ حسن بن علی عجیمی مکیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) محمد عابد (سندھیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) یوسف بن محمد بن علاؤالدینؒ (مزجاجی) (409) اور (شیخ) صدیق بن علیؒ (مزجاجی) سے، یہ دونوں حضرات (شیخ) محمد بن علاؤالدینؒ (مزجاجی) سے اور وہ امام مسند (شیخ حسن بن علی عجیمی مکیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

عبیداللہ (سندھی) روایت کرتا ہے (شیخ) نورالحسینؒ سے، وہ (شیخ) عبدالحفیظ عجیمیؒ سے، وہ (شیخ) عبدالقادر سے، وہ (شیخ) محمد عارف بن محمد جمالؒ سے اور وہ امام مسند (شیخ حسن بن علی عجیمی مکیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(امام المسند شیخ) ابوالاسرار حسن بن علی عجیمیؒ فقہائے احناف کی ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں، ان میں: (شیخ) احمد بن محمد مخزنجی مدنیؒ، (امام المسند شیخ) محمد صادق بن احمد بن محمد مکیؒ، (شیخ) ابراہیم بن حسین بیری مکیؒ، (شیخ) محمد حسین بن محمد مؤمن خافی مکیؒ، (شیخ) عبدالخالق ہندیؒ، (شیخ) خیرالدین رملیؒ، (شیخ) عبداللہ بن محمد نحریریؒ، (شیخ) احمد بن عمر شویریؒ، (شیخ) عبدالفتاح خاصؒ، (شیخ) حسن بن عمار شرنبلالیؒ، (شیخ) شہاب الدین خفاجیؒ، (شیخ) احمد بن امین الدین بن عبدالعالؒ، (شیخ) محمد بن کمال الدین بن حمزہ حسینیؒ، (شیخ) عبدالرحیم خاصؒ، (شیخ) عبدالغنی نابلسیؒ، (شیخ) علاؤالدین محمد بن علی حصکفیؒ، (شیخ) احمد بن محمد حمویؒ، (شیخ) عمر مشرقیؒ، (شیخ) محمد سرویؒ، (شیخ) محمد شریف بن صدیق کردیؒ ہیں۔

فصل (2): علمائے حنفیہ کی اسانید کا بیان

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد (امام) ابوالفیض (شیخ) عبدالرحیم دہلویؒ سے، وہ احناف کے شیخ، شیخ خیرالدین رملیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد ابوالفیض (شیخ عبدالرحیم دہلویؒ) سے، وہ (شیخ) میر محمد زاہد ہرویؒ سے، وہ (شیخ) علامہ محمد فاضل بدخشانی لاہوریؒ (410) سے اور وہ شیخ جمال الدین لاہوریؒ

(411) سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں شیخ اسعد بن عبداللہ بن شمس الدینؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ عبداللہؒ) سے اور وہ اپنے دادا شیخ شمس الدین عتاقی مکی حنفیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) تاج الدین قلعیؒ سے، وہ امام (حسن بن علی) عجیمیؒ سے، وہ (شیخ) محمد صادقؒ اور (شیخ) ابراہیم بیریؒ سے اور یہ دونوں حضرات (شیخ) عبدالرحمٰن بن عیسیٰ مرشدیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ تاج الدین) قلعیؒ سے، وہ امام (حسن بن علی) عجیمیؒ سے، وہ (شیخ) احمد بن محمد مخزنجی مدنی سے اور وہ (شیخ) عبداللہ حضرمی مدنیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ تاج الدین) قلعیؒ سے، وہ امام (حسن بن علی) عجیمیؒ سے، وہ (شیخ) عمر مشرقیؒ (412) اور (شیخ) محمد سروریؒ سے اور یہ دونوں حضرات (شیخ) خیرالدین رملیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ تاج الدین) قلعیؒ سے، وہ امام (حسن بن علی) عجیمیؒ سے، وہ (شیخ) احمد بن عمر شوبریؒ سے اور وہ (شیخ) عمر بن نجیم (مصریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ تاج الدین) قلعیؒ سے، وہ امام (حسن بن علی) عجیمیؒ سے، وہ (شیخ) احمد بن محمد مکی حمویؒ سے اور وہ (شیخ) شہاب الدین خفاجیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ تاج الدین) قلعیؒ سے، وہ امام (حسن بن علی) عجیمیؒ سے، وہ (شیخ) محمد حسین بن محمد مؤمن خافیؒ سے اور وہ شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں:

(الف) (شیخ) تاج الدین قلعیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) عبدالمحسن قلعیؒ سے، وہ (شیخ) حسن بن عمار شرنبلالیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(ب) (شیخ) منصور منصوریؒ سے، اور وہ (شیخ) سلیمان منصوریؒ سے، وہ (شیخ) عبدالحئ شرنبلالیؒ سے اور وہ (شیخ) حسن (بن عمار) شرنبلالیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں شیخ عبدالغنی نابلسیؒ (413) سے، وہ اپنے والد شیخ اسماعیل نابلسیؒ سے، وہ (شیخ) احمد شوبریؒ سے اور وہ (شیخ) عمر قاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں شیخ عبدالغنی نابلسیؒ سے، وہ (شیخ) محمد محبیؒ سے اور وہ (شیخ)

علاؤالدین بن محمد حصکفیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): شافعی اور مالکی وغیرہ علما کی اسانید

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد ابوالفیض (شیخ) عبدالرحیم دہلویؒ سے اور وہ امام مسند (شیخ) محمد بن علا بابلی شافعیؒ (414) سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوطاہر مدنی شافعیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) ابراہیم کردیؒ، (شیخ) حسن (بن علی) عُجیمیؒ، (شیخ) احمد نخلیؒ اور (شیخ) عبداللہ بصریؒ سے اور یہ چاروں حضرات (امام مسند شیخ محمد بن علا شافعی) بابلیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد ابوالفیض (شیخ عبدالرحیم دہلویؒ) سے، وہ شیخ ابراہیم کردیؒ سے، وہ (شیخ) احمد قشاشیؒ سے اور وہ (شیخ) احمد شناوی شافعیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں شیخ ابوطاہر مدنی شافعیؒ سے، وہ اپنے والد امام مجدد شیخ ابراہیم کردی شافعیؒ سے، اور وہ ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں، جس میں: (شیخ) محمد شریف کورانیؒ (415)، (شیخ) عبدالکریم کورانیؒ (416)، (شیخ) سلطان بن احمد مزاحیؒ (417)، (شیخ) نجم محمد بن محمد دمشقیؒ، شیخ امام احمد قشاشیؒ اور امام محمد بن علا بابلیؒ وغیرہ، شامل ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالرحمٰن بن احمد نخلیؒ سے، وہ اپنے والد شیخ احمد بن محمد نخلی شافعیؒ سے، اور وہ ایک جماعت (418) سے روایت کرتے ہیں، جس میں:

(شیخ) عبدالرحمٰن بن احمد مکناسیؒ، (شیخ) محمد بن عمر بن یحییٰ ردینی یمنیؒ، (شیخ) عبداللہ بن سعید باقشیر مکیؒ، (شیخ) محمد بن علا بابلیؒ، (شیخ) منصور بن عبدالرزاق طوخیؒ، (شیخ) احمد بن عبداللطیف بشیشیؒ، (شیخ) یحییٰ بن محمد بن محمد بن ابوالبرکاتؒ، (شیخ) عیسیٰ بن محمد جعفری مالکیؒ، (شیخ) ابراہیم کردیؒ، (شیخ) محمد بن محمد بن علان صدیقی مکیؒ، (شیخ) نورعلی بن ابوبکر انصاری مکیؒ، (شیخ) احمد بن محمد بن احمد بناء مصریؒ، (شیخ) احمد بن سلیمان قرشی مصری مالکیؒ، (شیخ) احمد بن محمد بن عبدالرحمٰن ادریسیؒ، (شیخ) عبدالعزیز بن محمد بن عبدالعزیز زمرفیؒ، (شیخ) زین العابدین بن عبدالقادر طبری مکیؒ، (شیخ) عبداللہ دیری مصریؒ، (شیخ) محمد بن محمد شرنبلالی شافعیؒ، (شیخ) عبدالمالک بن محمد مغربی مالکیؒ، (شیخ) احمد بن عبدالعزیز مالکیؒ، (شیخ) عبداللہ بن علی سقافؒ، (شیخ) سید عامر بن نعمت اللہ قادریؒ، (شیخ) عبدالرحمٰن بن علی یمنیؒ، (شیخ) سعید بن محمود بلخی اکبرآبادیؒ اور (شیخ) عیسیٰ بن کنان صالحی حنبلیؒ شامل ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) عمر بن احمد بن عقیل مکیؒ سے، وہ اپنے دادا (شیخ) حافظ عبداللہ بن سالم بصری شافعیؒ سے، اور وہ ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں، جس میں: (شیخ) محمد بن علا

بابلیؒ، (شیخ) ابراہیم کردیؒ، (شیخ) محمد بن محمد بن سلیمان مغربیؒ، (شیخ) یحییٰ بن محمد شاویؒ، (شیخ) عیسیٰ بن محمد جعفریؒ، (شیخ) عبداللہ بن سعید باقشیرؒ، (شیخ) علی شبراملسیؒ، (شیخ) منصور طوخیؒ، (شیخ) علی بن جمال مکیؒ، (شیخ) امام زین الدین طبریؒ، (شیخ) امام علی بن عبدالقادر طبریؒ اور (شیخ) سید سعداللہ ہندیؒ (419) شامل ہیں۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن وفداللہ مکی مالکیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) حافظ محمد بن محمد بن سلیمان مغربی، مکی، دمشقی، مالکیؒ سے اور وہ درجِ ذیل مشائخ سے روایت کرتے ہیں:

(شیخ) ابوعبداللہ محمد بن محمد بن علی بن غازی عثمانیؒ، (شیخ) ابومہدی عیسیٰ مراکشیؒ، (شیخ) ابوالحسن علی اجھوریؒ، (شیخ) شہاب (الدین) خفاجیؒ، (شیخ) احمد بن سلامت قلیوبیؒ، (شیخ) محمد بن عمر شوبریؒ، (شیخ) محمد بن بدرالدین بلبانی صالحیؒ، (شیخ) محمد بن کمال الدین بن حمزہؒ، (شیخ) خیرالدین رملیؒ، (شیخ) حافظ (محمد بن علا) بابلیؒ، (شیخ) محمد بن مرابط دلائیؒ، (شیخ) برہان ابراہیم میمونیؒ، (شیخ) سلطان (بن احمد) مزاحیؒ، (شیخ) سعید قدورۃ جزائریؒ، (شیخ) محمد بن سعید سوسیؒ، (شیخ) ابوعبداللہ محمد بن ناصر درعیؒ۔

اور اسی طرح امام ولی اللہ دہلویؒ روایت کرتے ہیں شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم بن حسن کردی مدنی شافعیؒ سے، اور وہ روایت کرتے ہیں: اپنے والد (شیخ ابراہیمؒ)، (شیخ حسن بن علی) عجیمیؒ، (شیخ احمد) نخلیؒ، (شیخ عبداللہ) بصریؒ، (شیخ محمد) ابن سلیمان مغربیؒ، (شیخ) شمس محمد برزنجیؒ، (شیخ) ابوحامد بدیریؒ، (شیخ) سید احمد ادریسیؒ، (شیخ) عبدالمالک تجموعیؒ، (شیخ) محمد سعید کوکنیؒ، (شیخ) یونس بن یونس صعیدیؒ، (شیخ) محمد بن داؤد عنانیؒ، (شیخ) احمد بناء دمیاطیؒ، اور انھیں (شیخ) عبداللہ بن سعداللہ لاہوریؒ (420) کی اجازتِ عامہ حاصل ہے۔ اور وہ (شیخ) ابوسعود فارسیؒ اور ان کے بیٹے سے، یہاں تک کہ (شیخ) زید عبدالرحمٰن بن عبدالقادرؒ اور (شیخ) علی طولونیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

دوسرا باب

امام ولی اللہ دہلویؒ کے سلسلۂ سند کے بغیر اس دور کے ائمہ کی اسانید

پہلی نوع؛ امام حبیب اللہ بن محمد مظہر جانِ جاناں دہلویؒ کی اسانید

(سلسلۂ مجددیہ کا تسلسل)

(امامِ ربانی مجدد الف ثانیؒ کا) ''طریقۂ احمدیہ، مجددیہ'' — جس کا نام ''**قطبیہ**'' یا ''**قیومیہ**'' بھی ہے — کی امامتِ کبریٰ کا سلسلہ امامِ ربانی (مجدد الف ثانیؒ) کی اولاد میں امام محمد زبیر (سرہندیؒ) تک جاتا ہے، جو کہ امام حجۃ اللہ بن امام محمد معصوم (بن امام ربانی مجدد الف ثانیؒ) کے پوتے ہوتے ہیں۔

ان کے بعد یہ طریقہ امام محمد مظہر علوی دہلویؒ کی جانب منتقل ہوجاتا ہے۔ وہ اپنے دور میں طریقۂ احمدیہ (مجددیہ) کے ''**قیّم**'' (نگران) اور سنتِ نبویہ کو زندہ کرنے والے ہیں۔ وہ شیخ محمد افضل (سیالکوٹی) دہلویؒ سے تعلیم حاصل کرنے میں امام ولی اللہ دہلویؒ کے شریک اور ساتھی ہیں۔ اللہ ان سے راضی ہو، وہ اس سلسلۂ (مجددیہ) کے دوسرے طبقے کے اماموں میں سے ہیں۔

آپؒ کے تربیت یافتہ اصحاب میں سے شیخ عبداللہ دہلویؒ (حضرت شاہ غلام علیؒ)، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اس سلسلے کے تیسرے طبقے کے ائمہ میں سے ہیں۔ پھر امام احمد سعید (مجددی دہلویؒ) اور شیخ عبدالغنی (مجددی دہلویؒ) اس سلسلے کے پانچویں طبقے کے ائمہ میں سے ہیں، جو کہ ''دیوبندی جماعت'' کے اہم رہنماؤں میں سے ہیں۔

فصل (1): امامِ ربانی (مجدد الف ثانیؒ) کی اولاد کی اسانید

امام محمد مظہر (مرزا مظہر جانِ جاناںؒ) راویت کرتے ہیں شیخ محمد افضل دہلویؒ اور شیخ محمد عابد سنامیؒ سے، اور یہ دونوں حضرات شیخ عبدالاحد (سرہندیؒ) سے اور وہ اپنے والد امام محمد سعید سہرندیؒ سے راویت کرتے ہیں۔

امام محمد مظہر (مرزا مظہر جانِ جاناں) راویت کرتے ہیں شیخ نورمحمد بدایونیؒ سے، وہ شیخ سیف الدین سہرندیؒ اور شیخ محمد محسن دہلویؒ سے، اور یہ دونوں حضرات امام محمد معصوم سہرندیؒ سے راویت کرتے ہیں۔

امام محمد مظہر (مرزا مظہر جانِ جاناں) راویت کرتے ہیں شیخ محمد افضل دہلویؒ سے، وہ شیخ حجۃ اللہ سہرندیؒ سے اور وہ اپنے والد امام محمد معصوم سہرندیؒ سے راویت کرتے ہیں۔

امام محمد مظہر (مرزا مظہر جانِ جاناں) راویت کرتے ہیں شیخ سعداللہ دہلویؒ سے، وہ شیخ محمد صدیق سہرندیؒ سے اور وہ اپنے والد امام محمد معصوم سہرندیؒ سے راویت کرتے ہیں۔

فصل (2) : حجاز وغیرہ کے ائمہ کی اسانید

امام محمد مظہر (مرزا مظہر جانِ جاناں) راویت کرتے ہیں شیخ محمد افضل دہلویؒ سے اور وہ شیخ عبداللہ بن سالم بصری، مکی، شافعیؒ سے راویت کرتے ہیں۔

دوسری نوع؛ "مجدّدیّین" کا تسلسل رکھنے والی اسانید

عبیداللہ (سندھی) راویت کرتا ہے شیخ ابوالشرف عبدالقادر مجددی مکیؒ سے:

(الف) وہ اپنے والد شیخ محمد معصوم (مجددی) مدنی ؒ سے، وہ اپنے والد شیخ عبدالرشید (مجددی) مدنی ؒ سے، وہ اپنے والد امام احمد سعید (مجددی) دہلویؒ سے اور وہ اپنے والد (شیخ) ابوسعید (مجددی) دہلوی بن صفی القدر بن عزیز القدر بن محمد عیسیٰ بن سیف الدین بن امام محمد معصوم سہرندی (بن امام ربانی مجدد الف ثانیؒ) سے راویت کرتے ہیں۔

(ب) وہ اپنے ماموں شیخ سراج احمد مجددیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) محمد مرشد (مجددیؒ) سے، وہ اپنے والد (شیخ) محمد ارشد (مجددیؒ) سے، وہ اپنے والد (شیخ) محمد فرخ (مجددیؒ) سے اور وہ اپنے والد امام محمد سعید خازن الرحمہ (مجددی) سہرندی (بن امام ربانی مجدد الف ثانیؒ) سے راویت کرتے ہیں۔

عبیداللہ (سندھی) راویت کرتا ہے شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) سے، وہ امیر (حاجی) امداداللہ تھانوی (مہاجر) مکیؒ سے، وہ امیر نصیرالدین دہلویؒ سے، وہ شیخ محمد آفاق (دہلویؒ) سے، وہ (شیخ) ضیاء اللہ (مجددیؒ) سے، وہ امام محمد زبیر (مجددیؒ) سے، وہ اپنے دادا اِمام حجۃ اللہ (مجددیؒ) سے اور وہ اپنے والد امام محمد معصوم سہرندیؒ عروۃ الوثقیٰ (بن امام ربانی مجدد الف ثانی) سے راویت کرتے ہیں۔

تیسری نوع؛ سلسلۂ راشدیہ (قادریہ) کے ائمہ کی اسانید

عبیداللہ (سندھی) راویت کرتا ہے اپنے شیخ ابوالسراج (غلام محمد دین پوریؒ) اور ابوالحسن (تاج محمود

امروٹیؒ) سے، یہ دونوں مشائخ راویت کرتے ہیں ہمارے شیخ سیدالعارفین حافظ محمدصدیق سندھیؒ (بھرچونڈی) سے، وہ (شیخ) سید محمد حسن لاہوری سندھیؒ سے اور وہ:

(الف) امام محمد راشد سندھیؒ سے

(ب) اور (شیخ) امیر صبغت اللہ (پیر پگاڑا اول) سندھیؒ سے، وہ اپنے والد امام محمد راشد سندھیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

عبیداللہ (سندھی) روایت کرتا ہے امام رشیدالدینؒ (پیرجھنڈا سوم) سے، وہ اپنے بھائی (شیخ) سید فضل اللہؒ (پیرجھنڈا دوم) سے، وہ اپنے والد (شیخ) سید محمد یٰسینؒ (پیرجھنڈا اول) سے، وہ اپنے والد طریقۂ راشدیہ کے بانی امام (سید) محمد راشد حسینیؒ سے، وہ اپنے والد سید محمد بقا لکیاریؒ سے، وہ شیخ محمد اسماعیل بریالوی سندھیؒ (421) سے، وہ شیخ سعدی لاہوریؒ (422) سے، وہ سلسلۂ احسنیہ کے امام شیخ آدم بنوریؒ سے اور وہ امامِ ربانی (مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ) سے راویت کرتے ہیں۔

چوتھی نوع؛ سلسلۂ نظامیہ لکھنویہ کے امام، امام قطب الدین سہالویؒ کی اسانید

(شیخ) سید مرتضٰی بلگرامیؒ راویت کرتے ہیں (شیخ) صبغت اللہ خیرآبادیؒ سے، وہ (شیخ) قطب الدین شمس آبادیؒ سے اور وہ (شیخ) امام قطب الدین سہالویؒ (423) سے راویت کرتے ہیں۔

(شیخ) علامہ بحرالعلوم عبدالعلی لکھنویؒ راویت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) علامہ نظام الدین لکھنویؒ سے اور وہ اپنے والد امام قطب الدین لکھنویؒ سے راویت کرتے ہیں۔

عبیداللہ (سندھی) روایت کرتا ہے (شیخ) ناظرالدین رام پوریؒ سے، وہ (شیخ) عبدالحق خیرآبادیؒ سے، وہ (شیخ) فضل حق خیرآبادیؒ سے، وہ (شیخ) فضل امام خیرآبادیؒ سے اور وہ اپنے شیخ محبّ اللہ بہاریؒ کی اسانید کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ اور وہ (شیخ) قطب الدین شمس آبادیؒ سے اور وہ امام قطب الدین سہالویؒ سے راویت کرتے ہیں۔

پانچویں نوع؛ "سلسلۂ عُلائیہ" کے امام، امام ابوالعلا اکبرآبادیؒ کی اسانید

(شیخ) سید مرتضٰی بلگرامی راویت کرتے ہیں (شیخ) محمد فاخرالہ آبادیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) محمد یحیٰیؒ سے، وہ اپنے چچا (شیخ) محمد افضل الہ آبادیؒ سے، وہ (شیخ) سید محمد کالبویؒ سے اور وہ امیر ابوالعلا اکبرآبادیؒ (424) سے راویت کرتے ہیں۔

چھٹی نوع؛ ''سلسلۂ حقانیہ'' کے امام، شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ کی اسانید

امام ولی اللہ دہلویؒ راویت کرتے ہیں اپنے والد شیخ عبدالرحیم دہلویؒ سے، وہ اپنے بھائی (شیخ) ابوالرضا محمد دہلویؒ سے اور وہ شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ سے راویت کرتے ہیں ۔

(شیخ) علامہ بحرالعلوم (عبدالعلی لکھنویؒ) راویت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) علامہ نظام الدین (لکھنویؒ) سے، وہ (شیخ) غلام نقشبند (لکھنویؒ) سے، وہ (شیخ) پیر محمد (لکھنویؒ) سے، وہ شیخ نورالحق دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں ۔

(شیخ) سید مرتضٰی بلگرامیؒ راویت کرتے ہیں (شیخ) عبدالرحمٰن بن مصطفٰی عیدروسیؒ سے، وہ (شیخ غلام علی) آزاد بلگرامیؒ سے، وہ (شیخ) عبدالجلیل بلگرامیؒ سے، وہ (شیخ) سید مبارک بلگرامیؒ (425) سے، وہ شیخ نورالحق دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

عبیداللہ (سندھی) روایت کرتا ہے (شیخ) ابوالخیر (احمد بن عثمان بن علی ہندی مکیؒ) سے، وہ (شیخ) لطف اللہؒ سے، وہ (شیخ) عنایت احمد (کاکورویؒ) (426) سے، وہ (شیخ) نورالاسلام حقانیؒ سے، وہ اپنے والد شیخ سلام اللہ دہلویؒ سے، وہ اپنے والد شیخ، شیخ الاسلام دہلویؒ سے، وہ اپنے والد شیخ فخرالدین دہلویؒ سے، وہ اپنے والد شیخ نورالحق دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اور شیخ نورالحق دہلویؒ اپنے والد امام عبدالحق حقانی دہلویؒ سے راویت کرتے ہیں ۔

عبیداللہ (سندھی) راویت کرتا ہے اپنے شیخ، شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) سے، وہ شیخ عبدالغنی (مجددیؒ) سے، وہ شیخ اسماعیل رومیؒ سے راویت کرتے ہیں ۔ نیز ہمارے شیخ، شیخ الہندؒ راویت کرتے ہیں (حجۃ الاسلام) مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) سے، وہ (شیخ) عبداللطیف بیروتیؒ سے، یہ دونوں حضرات (شیخ اسماعیل رومیؒ اور شیخ عبداللطیف بیروتیؒ) راویت کرتے ہیں (شیخ) سید مرتضٰی بلگرامیؒ سے، وہ (شیخ) سید عبدالرحمٰن بن مصطفٰی عیدروسیؒ سے، وہ (علامہ) سید غلام علی (آزاد) بلگرامیؒ سے، وہ (شیخ) سید طفیل محمد بلگرامیؒ سے، وہ (شیخ) سید سعد اللہؒ بلگرامی سے، وہ شیخ عبدالرحیم مرادآبادیؒ سے، وہ شیخ عبدالحکیم سیالکوٹیؒ سے، وہ شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں ۔

اور (شیخ) سید عبدالرحمٰن بن مصطفٰیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) قطب علی بن عبداللہ مقبلیؒ سے، وہ اپنے بھائی (شیخ) سید احمد سے، وہ (شیخ) سید جعفر صادق سے اور وہ شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ سے راویت کرتے ہیں۔

تیسری قسم

چھٹے دور ۷۹۰ھ (1388ء) سے

(آٹھویں دور کے اختتام) ۱۰۳۶ھ (1627ء)

تک کی اسانید

مقدمہ

پہلا باب

ہندوستان میں دین کے اہم رہنماؤں کی اسانید

دوسرا باب

فقہ حنفی کے محدثین اور فقہا اساطین تک کی اسانید

تیسرا باب

فن تحصیل، اصول، کلام اور حکمت جیسے علوم وفنون کے اہم رہنماؤں کی اسانید

چوتھا باب

ائمہ شافعیہ اور مالکیہ وغیرہ کی اسانید

مقدمہ

(اس دور کے تاریخی حقائق)

یہ قسم ہندوستان کی تاریخ کے تین ادوار پر مشتمل ہے:

1۔ چھٹا دور: ۷۹۰ھ (1388ء) سے ۸۵۵ھ (1451ء) تک ہے۔ (427)

2۔ ساتواں دور: ۸۵۵ھ (1451ء) سے ۹۸۲ھ (1575ء) تک ہے۔

3۔ آٹھواں دور: ۹۸۲ھ (1575ء) سے ۱۰۳۶ھ (1627ء) تک ہے۔

(ان تینوں ادوار کی نمایاں خصوصیات)

گزشتہ ادوار اور ان تینوں ادوار کے درمیان فرق پیدا کرنے والی اہم بات یہ ہے کہ ان تینوں ادوار میں ہندوستان کی حکومت کا رُخ اسلامی خلافت کے مرکز کی طرف نہیں رہا۔

چھٹے دور سے پہلے ہندوستان کی سلطنت، خلافتِ (اسلامیہ) کے کچھ حقوق کا اعتراف کرتی تھی اور اس سے اظہارِ لاتعلقی نہیں کرسکتی تھی، (428) لیکن امیر تیمور کے انقلاب کے بعد معاملہ بدل گیا۔ (سمرقند میں) امیر تیمور کی حکومت کی ابتدا ۷۶۸ھ (1367ء) میں ہوئی۔ اس نے ۸۰۲ھ (صحیح ۸۰۷ھ / 1405ء ہے۔ (429)) میں وفات پائی۔

امیر تیمور کے ۸۰۱ھ (1399ء) میں دہلی سے واپس چلے جانے کے بعد ہندوستان کے لوگ صرف اسی کے خاندان کی طرف ہی دیکھتے رہے۔ (430) اسی لیے علم کی ریاست وحکمرانی بھی (امیر تیمور کے صدر الصدور) علامہ (سعدالدین) تفتازانی اور (امیر تیمور کے منظورِ نظر) علامہ (سید) شریف (علی) جرجانی (خلیفہ خواجہ علاؤالدین عطار خلیفہ خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ) میں منحصر ہوکر رہ گئی۔

اس دور میں اگر ائمہ فقہا اور صوفیا — جیسا کہ امام بہاؤالدین نقشبند بخاریؒ اور ان کے ہم عصر لوگ — اسلامی اجتماع کو زندہ کرنے میں جدوجہد اور کوشش نہ کرتے تو بہت تھوڑے عرصے میں عام ہندوستانی مسلمان اور صابی (ہندو) ایک ہی ملت بن کر رہ جاتے۔

(ساتویں دور کی نمایاں خصوصیات)

ساتویں دور (۸۵۵ھ/1451ء تا ۹۸۲ھ/1575ء) میں:

1۔ ہندوستانی بادشاہوں کی کوشش سے مستقل ہندوستانی سلطنت کی بنیاد پڑی۔

2۔ اس دور میں ایسی ہندوستانی زبان رائج ہوئی، جو کہ مسلمانوں اور صابئین (ہندو) کے درمیان مشترک تھی۔

3۔ بادشاہوں کے ابھارنے سے ہندوؤں نے فارسی زبان سیکھنی شروع کی اور پھر حکومتی معاملات میں داخل ہونے لگے۔ (431)

4۔ ان میں بہت ذہین اور نابغۂ روزگار شخصیتیں پیدا ہوئیں، جنھوں نے ائمہ صوفیا کی مدد اور تعاون سے اپنے دھرم کی اصلاح کرنا شروع کردی۔ انھوں نے توحید کی دعوت دی اور رسوم کی اصلاح کی۔ اس طرح عام لوگوں میں اسلامی روح پھیلا دی۔

5۔ ہندوؤں میں سے سکھ سلسلے کے بانی بابا (گرو) نانک پنجابی (432) ان میں سے ایک ہیں۔ ہمارے شیخ، شیخ الاسلام مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بابا نانک کو مسلمان قرار دیتے ہیں۔ (433)

(آٹھویں دور کی نمایاں خصوصیات)

آٹھویں دور کے ابتدائی عرصے ۹۸۷ھ (1579ء) میں سلطان جلال الدین (محمد) اکبر — جس نے تیموری خاندان میں سب سے پہلے ہندوستان کو اپنا وطن بنایا — کے عہد میں ہندوستانی حکومت کو اسلامی شریعت سے علاحدہ کرنے کی تحریک پیدا ہوئی۔ اس کا والد سلطان نصیرالدین ہمایوں جب مدد حاصل کرنے کے لیے ایران چلا گیا تھا۔ اس وجہ سے وہ صفوی حکومت کے جال میں پھنس گیا۔ (اس تحریک کے ذریعے) سلطان جلال الدین (محمد اکبر) صفوی حکمرانوں کے پھندے سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ نیز وہ اس بات کا بھی خواہش مند تھا کہ اُن جمود کے حامل فقہا کے تسلط سے بھی چھٹکارا حاصل کرلے، جو ہندوستان کے گزشتہ بادشاہوں کی یادگار رہتے۔ اس لیے کہ وہ سلطان کے خاندان کی حکومت کے قیام میں ایک دیوار کی طرح رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔

اسی پس منظر میں اس (اکبراعظم) نے شیخ مبارک بن خضر سندھیؒ اور امیر فتح اللہ شیرازیؒ کو اکبرآباد (آگرہ) میں جمع کیا۔ یہ دونوں حضرات ایسے ہم عصر تھے، کہ جنھوں نے علامہ جلال الدین دوّانیؒ اور علامہ صدرالدین شیرازیؒ کے شاگردوں سے حکمتِ عملی اور حکمتِ نظری (فلسفے) کی تعلیم حاصل کی۔ شیخ مبارکؒ کی اولاد میں سے شیخ ابوالفیضؒ اور ابوالفضلؒ ان دونوں کے نقش قدم پر چلے۔

ان لوگوں نے وطنی حکومت کے ایسے پروگرام کی بنیاد رکھی، جس کی نظر میں تمام مذاہب یکساں حیثیت

رکھتے تھے۔ بہت سی سیاسی مصلحتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے انھوں نے صابی ہندوؤں میں سے ایسے لوگوں کو اپنے ساتھ (حکومت میں) داخل کرلیا، جو ان کے ساتھ اشتراک کرنا پسند کرتے تھے۔ یہ لوگ ''مصالح مرسلہ'' (عمومی فائدے کی سماجی مصلحتوں) کو سامنے رکھ کر کام کرنا پسند کرتے تھے۔ انھوں نے اہل سنت کے فقہا کی مقرر کردہ شریعتوں کا پابند رہنا گوارا نہیں کیا۔ اس طرح انھوں نے ایسا عمومی دین گھڑ لیا تھا، جس میں ''دین الٰہی'' کے نام سے ''دین حنیفیت'' اور ''دین صابیت'' (ویدک دَھرم) کو ایک جگہ جمع کردیا تھا۔ اِسے ہندوستان کی وطنی حکومت کا سرکاری مذہب قرار دے دیا تھا۔ یہ لوگ حکومتی امور کی ذمہ داریوں کے لیے صرف انھی لوگوں کو آگے بڑھاتے تھے، جو ان کے اس پروگرام سے اتفاق رکھتے تھے۔ البتہ عام عمالِ حکومت کو مجبور نہیں کرتے تھے کہ وہ ''دین الٰہی'' کو قبول کریں۔ تاہم سلطان کے ''دیوانِ عالی'' (مرکزی دفتر) کی رُکنیت صرف انھی لوگوں کو دی جاتی تھی، جو مسلمانوں اور ہندوؤں میں سے ''دین الٰہی'' کو قبول کرتے تھے۔

ایسے حالات میں امام مجدد شیخ احمد سہرندیؒ اور ان کے پیروکار اس نئے جاری کردہ پروگرام کی بدعت کو ختم کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس طرح سلطان جہانگیرؒ کے عہد میں امورِ حکومت میں اعتدال پیدا ہوگیا۔ جہانگیر کے دور میں اربابِ حکومت ''دین الٰہی'' کی مدد نہیں کرتے تھے، البتہ اہل سنت کے مقابلے پر شیعہ جماعت کی مدد کرنے لگے۔ مجددی حضرات کی کامیابیوں کی ابتدا سلطان شہاب الدین شاہ جہاںؒ کے دور میں ہوئی اور اس پروگرام کا مکمل خاتمہ سلطان محی الدین عالم گیرؒ کے عہد میں ہوا، لیکن اس کے بعد (حکومت کے اُمرا میں) آپس کی لڑائیاں اور جھگڑے شروع ہوگئے، جنھوں نے (مغلیہ) سلطنت کو زوال تک پہنچا دیا۔ (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:)

وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا (434)

(اللہ کا مقرر کیا ہوا امر پورا ہو کر رہتا ہے)

پہلا باب
ہندوستان میں دین کے اہم رہنماؤں کی اسانید

پہلی نوع
قاضی عبدالمقتدر دہلویؒ متوفی 791ھ (1389ء) کی اسانید

فصل (1): اسانید ملک العلما (شیخ) شہاب الدین ہندیؒ

امام ولی اللہ (دہلویؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) عبدالرحیم (دہلویؒ) سے، وہ (شیخ) عبداللہ بن محمد باقی (خواجہ باقی باللہؒ) سے، وہ (شیخ) تاج الدین سنبھلیؒ سے، وہ شیخ اللہ بخش سنبھلیؒ سے، وہ شیخ علی قوام الدین جونپوریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امامِ ربانی (مجدد الف ثانیؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد شیخ عبدالاحد بن زین العابدین سہرندیؒ سے، وہ (شیخ) سید علی قوام الدین جونپوریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد شیخ سیف الدین دہلویؒ سے، وہ (شیخ) سید علی قوام الدین دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اور (شیخ سید علی قوام الدین جونپوریؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) بہاؤ الدین جونپوریؒ سے، وہ شیخ عیسیٰ جونپوریؒ سے اور وہ ملک العلما (شیخ) شہاب الدین ہندی (دولت آبادیؒ) (435) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): اسانید قاضی عبدالمقتدر دہلویؒ

شیخ رفیع الدین (محمد) دہلویؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) قطب العالم دہلویؒ سے، وہ اپنے والد امام عبدالعزیز بن حسن بن طاہر دہلویؒ سے، وہ (شیخ) قاضی خان مظفر آبادیؒ سے، وہ (شیخ) کمال الحق و الدین حسن بن طاہر دہلویؒ سے، وہ شیخ عبداللہ تلنبیؒ سے، وہ ملک العلما (شیخ) شہاب الدین

ہندی (دولت آبادیؒ) سے اور وہ قاضی عبدالمقتدر دہلویؒ (436) سے روایت کرتے ہیں۔

دوسری نوع

اسانید امام علاؤالحق لاہوری بنگالیؒ متوفی ۸۰۰ھ (1398ء)

فصل (1): اسانید بحر مواج امام عبدالعزیز دہلویؒ

شیخ رفیع الدین (محمد) دہلویؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد شیخ قطب العالم دہلویؒ سے اور وہ اپنے والد امام عبدالعزیز (بحر مواج) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ عظمت اللہ اکبر آبادیؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد شیخ عبداللطیف (اکبر آبادیؒ) سے، وہ اپنے والد شیخ بدرالدین سے اور وہ امام عبدالعزیز دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) سید شریف بلگرامیؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) سید عمر بلگرامیؒ سے، وہ (شیخ) سید حسن بلگرامیؒ سے اور وہ امام عبدالعزیز (بحر مواج) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ: سید شریف (بلگرامیؒ) کی اسناد کا ذکر (مولانا غلام علی) آزاد بلگرامیؒ نے (اپنی کتاب) "مآثر الکرام" میں کیا ہے۔

فصل (2): اسانید امام علاؤالحق لاہوریؒ

بحر مواج امام عبدالعزیز بن حسن بن طاہر دہلویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) جمال الحق قاضی خان ناصحی مظفر آبادیؒ سے، وہ (شیخ) کمال الحق حسن بن طاہر دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد شیخ سیف الدین دہلویؒ سے، وہ شیخ امان اللہ پانی پتیؒ سے، وہ شیخ محمد بن حسن بن طاہر خیالی دہلویؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) کمال الحق حسن بن طاہر دہلویؒ سے، وہ (شیخ) امیر سید حامد مانک پوریؒ سے اور وہ شیخ حسام الدین مانک پوریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) وجیہ (الدین) دہلوی علویؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن خطیر الدین گوالیاریؒ سے، وہ شیخ محمد غیاثؒ سے، وہ (شیخ) معین الدینؒ سے، وہ شیخ حسام الدین مانک پوریؒ سے، وہ شیخ (نور الحق المعروف ''نور) قطب عالم' سے اور وہ اپنے والد شیخ علاؤالحق (بن اسعد لاہوریؒ) بنگالیؒ (437) سے روایت کرتے ہیں۔

اور ملک العلما (شیخ) شہاب الدین ہندیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) سید اشرف سمانی جونپوریؒ سے، وہ

شیخ علاؤالحق بن اسعد لاہوری ثم بنگالیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

تیسری نوع

اسانید (شیخ) ابدال احمد عبدالحق ردولویؒ متوفی ۸۳۶ھ (1433ء) اور شیخ فتح اللہ اَوَدھیؒ متوفی ۸۲۱ھ (1418ء)

فصل (1): اسانید شیخ ابوسعید گنگوہیؒ

ہمارے شیخ، شیخ الہندؒ روایت کرتے ہیں امیر (حاجی) امداداللہ تھانوی (مہاجر مکیؒ) سے، وہ شیخ نور محمد جھنجھانویؒ سے، وہ شیخ عبدالرحیم (ولایتی) شہیدؒ سے، وہ شیخ عبدالباری امروہیؒ (438) سے، وہ شیخ عبدالہادی امروہیؒ (439) سے، وہ شیخ عضدالدین محمد بن حامد بن عیسیٰ امروہیؒ سے، وہ اپنے چچا شیخ محمدی بن عیسیٰ اکبرآبادیؒ سے، وہ شیخ محبّ اللہ الہ آبادیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح علامہ قطب الدین لکھنویؒ روایت کرتے ہیں قاضی گھاسی (بن داؤد الہ آبادی) سے، وہ شیخ محبّ اللہ الہ آبادیؒ سے اور وہ شیخ ابوسعید بن نورالدین بن عبدالقدوس گنگوہیؒ (440) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): اسانید امام عبدالقدوس گنگوہیؒ

امامِ ربانی (مجدد الف ثانیؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد شیخ عبدالاحد سہرندیؒ سے، وہ شیخ رکن الدین گنگوہیؒ سے اور وہ اپنے والد امام عبدالقدوس گنگوہیؒ (441) سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ ابوسعید گنگوہیؒ روایت کرتے ہیں شیخ نظام الدین بلخی (442) سے، وہ شیخ جلال الدین تھانیسریؒ (443) سے اور وہ امام عبدالقدوس گنگوہیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): اسانید (شیخ) ابدال احمد عبدالحق ردولیؒ اور شیخ فتح اللہ اودھیؒ

امام عبدالقدوس گنگوہیؒ روایت کرتے ہیں شیخ محمد بن عارف بن احمد (ردولویؒ) سے، وہ اپنے والد (شیخ عارف بن احمد ردولویؒ) سے، وہ اپنے والد امام احمد عبدالحق (ردولویؒ) (444) — اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو — سے روایت کرتے ہیں۔

اور امام عبدالقدوس گنگوہیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد قاسم اودھیؒ سے اور وہ شیخ فتح (اللہ) اودھیؒ (445) سے روایت کرتے ہیں۔

چوتھی نوع

اسانید شیخ عزیز اللہ متوکلؒ متوفی ۹۱۲ھ (1506ء)

فصل (1): اسانید شیخ علی متقیؒ

شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ روایت کرتے ہیں شیخ عبدالوہاب متقی مکیؒ سے اور وہ شیخ علی متقی ہندی مکیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ حسن بن علی) عجیمیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالخالق ہندیؒ سے، وہ (شیخ) محمد عارف مکیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) عبدالوہاب متقیؒ سے اور وہ شیخ علی متقیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ حسن بن علی) عُجیمیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابراہیم بیریؒ سے، وہ (شیخ) عبدالرحمٰن مرشدیؒ سے، وہ (شیخ) حمیدالدین سندھیؒ سے، وہ (شیخ) رحمت اللہ سندھیؒ سے اور وہ شیخ علی متقیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ (ملا) علی قاریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبداللہ بن سعد سندھیؒ سے اور وہ شیخ علی متقیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): شیخ عزیز اللہ متوکلؒ تک اسانید

شیخ علی متقی روایت کرتے ہیں شیخ عبدالحکیم ہندیؒ (446) سے، وہ اپنے والد (شیخ) باجن بن معزالدینؒ سے، وہ (شیخ) رحمتؒ اللہ سے، اور وہ اپنے والد (شیخ) عزیز اللہ متوکلؒ سے روایت کرتے ہیں۔

پانچویں نوع

اسانید امام جلال الدین بخاری اُچیؒ متوفی ۷۸۵ھ (1383ء)

امام عبدالعزیز دہلوی (بحر مواجؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) سید عبدالوہاب بخاری دہلویؒ سے، وہ (شیخ) سید صدرالدین بخاری اُچیؒ سے اور وہ اپنے بھائی شیخ الاسلام، امام جلال الدین بخاری اُچیؒ (447) سے روایت کرتے ہیں۔

امام عبدالعزیز دہلوی (بحر مواجؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) حسن بن طاہر دہلویؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) طاہر جونپوریؒ سے، وہ شیخ یوسف ایرجیؒ سے اور وہ امام شیخ الاسلام جلال الدین بخاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام عبدالقدوس گنگوہیؒ روایت کرتے ہیں شیخ محمد قاسم اَوَدھیؒ سے، وہ (شیخ) سید بدھنؒ سے، وہ (شیخ) سید اجملؒ سے اور وہ (شیخ) جلال الدین بخاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) وجیہ الدین علویؒ سے، وہ اپنے ماموں (شیخ) ابن ابوالقاسم سے، وہ (شیخ) قطب الدینؒ سے، وہ (شیخ) ابوالبرکات محمدؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اور شیخ علی متقیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) حسام الدین متقی ملتانی سے، وہ (شیخ) ابوالبرکات محمدؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) برہان الدینؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) ناصرالدین محمودؒ سے اور وہ اپنے والد (شیخ) جلال الدین بخاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

چھٹی نوع

اسانید امیر (کبیر سید) علی ہمدانی کشمیریؒ متوفی ۷۸٦ھ (1386ء)

فصل (1): اسانید (شیخ) محمد بن خطیر الدین گوالیاریؒ

امام ولی اللہ دہلویؒ روایت کرتے ہیں شیخ معمر محمد سعید لاہوریؒ سے، وہ (شیخ) محمد اشرف لاہوریؒ سے، وہ (شیخ) عبدالملکؒ سے، وہ (شیخ) بایزید ثانیؒ سے، وہ (شیخ) وجیہ الدین علویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ حسن بن علی) عجیمیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد صادقؒ سے، وہ (شیخ) عبدالرحمٰن مرشدیؒ سے، وہ (شیخ) غضنفرؒ سے، وہ (شیخ) وجیہ الدین علویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) احمد شناویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) صبغت اللہ بروجیؒ سے، وہ (شیخ) وجیہ الدین علویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ عبدالحق دہلویؒ روایت کرتے ہیں شیخ وجیہ الدین علویؒ سے، وہ شیخ محمد بن خطیر الدین گوالیاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ (ملا) علی قاریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) سید سعید بن محمود بلخی اکبرآبادیؒ سے، وہ شیخ عیسیٰ سندھی برہان پوریؒ (458) سے، وہ شیخ لشکر محمد سے اور وہ شیخ محمد بن خطیر الدین گوالیاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): اسانید امیر (کبیر سید) علی ہمدانی کشمیریؒ

امامِ ربانی (حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) یعقوب صیرفی سیالکوٹی (کشمیریؒ) سے، وہ (شیخ) حسین خوارزمیؒ (459) سے، وہ (شیخ) محمد بن صدیق خبوشانیؒ سے، وہ (شیخ) علی بیدوازیؒ سے، وہ (شیخ) رشید الدین بیدوازیؒ سے، وہ (شیخ) سید عبداللہ سے، وہ شیخ ابواسحاق ختلانیؒ سے

اور وہ امیر (کبیر سید) علی ہمدانی (کشمیریؒ) (450) سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ محمد بن خطیرالدین گوالیاریؒ روایت کرتے ہیں شیخ حمیدؒ سے، وہ (شیخ) ہدایت اللہؒ سے، وہ (شیخ) علاؤالدین شطاریؒ سے، وہ (شیخ) عبداللہ شطاریؒ سے اور وہ امیر (کبیر سید) علی ہمدانی کشمیریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

ساتویں نوع

اسانید امام محمد بن شمس الدین قادری حلبی اُچیؒ متوفی ۹۲۳ھ (1517ء)

شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) سید موسیٰ (پاک ملتانی) حسنیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) سید عبدالرزاق اُچیؒ سے، وہ اپنے والد امام عبدالقادر ثانی (اُچیؒ) سے، وہ اپنے والد امام محمد حلبی اُچیؒ (451) سے روایت کرتے ہیں۔

امام محمد راشد (روضہ دھنی) سندھیؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) محمد بقا (لکیاری) سندھیؒ سے، وہ شیخ عبدالقادر قادری خامسؒ — جن کا سلسلۂ سند امام عبدالقادر ثانی (اُچیؒ) تک پہنچتا ہے — اپنے والد امام محمد بن شمس الدین بن علی بن مسعود بن احمد بن صفی الدین بن عبدالوہاب بن امام محی الدین ابو محمد (شیخ) عبدالقادر جیلانی (بغدادیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ: امام محمد (اُچیؒ) حلب سے ملتان کے قریب اُچ میں 887ھ (1482ء) میں آئے۔

آٹھویں نوع

اسانید شیخ بہاؤالدین شطاری قادریؒ متوفی ۹۲۱ھ (1515ء)

امام ربانی (مجدد الف ثانی شیخ احمد سہرندیؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد شیخ عبدالاحد (سہرندیؒ) سے، وہ شیخ رُکن الدین گنگوہیؒ سے، وہ (شیخ) سید ابراہیم ایرجی دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اور امام ربانی (مجدد الف ثانیؒ) روایت کرتے ہیں شیخ عبدالرشید ملتانیؒ (452) سے، وہ (شیخ) نظام الدین کاکوریؒ سے اور وہ (شیخ) سید ابراہیم دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام عبدالعزیز بن حسن دہلویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) سید ابراہیم دہلویؒ سے اور وہ شیخ بہاؤالدین شطاری قادریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام قطب الدین سہالویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالسلام اعظمیؒ سے، وہ اپنے دادا شیخ عبدالکریم بن شہاب الدین بن نظام الدینؒ سے اور وہ اپنے دادا (شیخ) نظام الدینؒ سے روایت کرتے ہیں۔

نویں نوع

اسانید امام بہاؤالدین محمد بخاری نقشبندؒ متوفی ۷۹۱ھ (1389ء)

فصل (1): اسانید امام رضی الدین محمد باقی دہلویؒ متوفی ۱۰۱۴ھ (1605ء)

امام محمد سعید سہرندیؒ، امام محمد معصوم سہرندیؒ اور شیخ آدم بنوریؒ تینوں حضرات روایت کرتے ہیں امامِ ربانی (حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سہرندیؒ) سے۔

اسی طرح شیخ عبداللہ بن امام رضی الدین (خواجہ خورد) دہلویؒ روایت کرتے ہیں شیخ حسام الدین دہلویؒ، شیخ اللہ داد دہلویؒ، شیخ رفیع الدین بن قطب العالم دہلویؒ، شیخ تاج الدین سنبھلی مکیؒ اور امام ربانی شیخ احمد سہرندیؒ سے، یہ پانچوں حضرات امام رضی الدین محمد (خواجہ) باقی (باللہ) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) علامہ عبدالحکیم لاہوریؒ، شیخ محمد حسن بن محمد مؤمن خافی مکیؒ، شیخ نور الحق دہلویؒ تینوں حضرات روایت کرتے ہیں شیخ عبدالحق (محدث دہلویؒ) سے اور وہ امام رضی الدین (محمد) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام حسن بن علی عجیمیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد حسین خافیؒ سے، وہ (شیخ) تاج الدین سنبھلیؒ سے اور وہ امام رضی الدین محمد باقی (باللہ دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ: ''خلاصۃ الاثر'' میں لکھا ہے کہ:

> ''(امام رضی الدین محمد باقی دہلویؒ) نے دہلی شہر کو اپنا وطن بنا لیا تھا۔ آپؒ سے بہت سے عجیب وغریب امور ظاہر ہوئے۔ تھوڑی مدت میں آپؒ سے بہت زیادہ لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔ اور ''نقشبندیہ'' کا مبارک سلسلہ صرف انھی کے دم سے ہندوستان بھر میں پھیلا۔ آپؒ سے پہلے حضراتِ نقشبندیہ سے کوئی واقف نہ تھا۔ آپؒ کی وفات بدھ کے روز 14/ جمادی الاخریٰ ۱۰۱۴ھ (1605ء) میں ہوئی۔ آپؒ ظاہر و باطن اور تصرفات کا علم رکھتے تھے۔'' انتھٰی

فصل (2): اسانید امام عبیداللہ احرارؒ متوفی ۸۹۵ھ (1479ء)

امام رضی الدین محمد باقی دہلویؒ روایت کرتے ہیں شیخ عبدالباقی امکنویؒ سے، وہ شیخ درویش محمد امکنویؒ

سے، وہ شیخ محمد زاہد وخشویؒ سے اور وہ امام عبیداللہ احرارؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امیر ابوالعلا اکبرآبادیؒ اپنے چچا (شیخ) امیر عبداللہ اکبرآبادیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امامِ ربانی (مجدد الف ثانیؒ) اور علامہ عبدالحکیم سیالکوٹیؒ دونوں روایت کرتے ہیں شیخ کمال الدین کشمیریؒ سے، وہ امیر عبداللہ اکبرآبادیؒ سے، وہ اپنے ماموں شیخ محمد یحییٰ اکبرآبادیؒ سے، وہ اپنے چچا شیخ عبدالحق ہندیؒ سے اور وہ اپنے دادا امام عبیداللہ احرارؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اور شیخ احمد نخلیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) سعید بن محمود بلخیؒ سے، وہ (شیخ) محمد عرب بلخیؒ سے، وہ شیخ ابن یمینؒ سے، وہ شیخ عزیزان صغیرؒ سے اور وہ مخدومِ اعظم (شیخ احمد بن جلال الدینؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

اور (شیخ حسن بن علی) عجیمیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد حسین خافیؒ سے، وہ (شیخ) ہاشم دھبیدیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) محمد امین دھبیدیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) احمد بن جلال الدین المعروف "مخدومِ اعظم" سے، وہ (شیخ) قاضی محمد شاشیؒ سے اور وہ امام عبیداللہ احرارؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) احمد شناویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن محمد بن عبدالرحمٰن بھنسیؒ سے، وہ شیخ محمد امین بن اخت الجامیؒ سے، وہ (شیخ) غیاث الدین احمدؒ سے، وہ (شیخ) علاؤالدین محمدؒ سے، وہ (شیخ) نورالدین عبدالرحمٰن جامیؒ سے اور وہ امام عبیداللہ احرارؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اور (شیخ) احمد شناویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) غضنفر بروجی زکریا ساریؒ سے، وہ (شیخ) اسماعیل شروانیؒ سے اور وہ امام عبیداللہ احرارؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اور شیخ محمد بن خطیر الدین گوالیاریؒ روایت کرتے ہیں شیخ حمیدؒ سے، وہ (شیخ) ہدیۃ اللہؒ سے، وہ (شیخ) علاؤالدین شطاری ہندیؒ سے اور وہ امام عبیداللہ احرارؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): اسانید (شیخ) عبدالرحمٰن جامیؒ

امام ربانی (مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) یعقوب صیرفی سیالکوٹیؒ سے، وہ (شیخ) محمد عیانیؒ سے اور وہ (شیخ) عبدالرحمٰن جامیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اور شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) سیف الدین دہلویؒ سے، وہ شیخ امان (اللہ) پانی پتیؒ سے، وہ (شیخ سید) مودود لاریؒ سے، وہ (شیخ) رضی الدین عبدالغفور لاریؒ سے، اور وہ (شیخ) عبدالرحمٰن جامیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اور شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ملا عصام اسفرائنیؒ سے، اور وہ (شیخ) عبدالرحمٰن جامیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) احمد شناویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) غضنفر (بروجی زکریا ساریؒ) سے، وہ (شیخ) محمد امین بن اخت الجامیؒ اور وہ (شیخ عبدالرحمٰن) جامیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) احمد شناویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بھنسیؒ سے، وہ (شیخ) محمد امین (بن اخت الجامیؒ) سے، وہ (شیخ) غیاث الدین احمدؒ سے، وہ (شیخ) علاؤالدین محمدؒ سے اور وہ (شیخ) عبدالرحمٰن جامیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4): امام بہاؤالدین محمد بن محمد بخاری نقشبندؒ تک اسانید میں

امام عبیداللہ احرارؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) علاؤالدین غجدوانیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن محمد حافظیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اور امام عبیداللہ احرارؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) یعقوب چرخیؒ سے، وہ (شیخ) علاؤالدین عطارؒ سے روایت کرتے ہیں۔

یہ دونوں حضرات (محمد بن محمد حافظیؒ اور علاؤالدین عطارؒ) روایت کرتے ہیں امام بہاؤالدین محمد بن محمد بخاری نقشبندؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عارف عبدالرحمٰن جامیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) برہان الدین ابونصر بن محمد بن محمد حافظیؒ سے، وہ اپنے والد امام محمد حافظی بخاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اور (شیخ) عارف (عبدالرحمٰن) جامیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) سعدالدین کاشغریؒ سے، وہ (شیخ) علاؤالدین عطارؒ سے، یہ دونوں حضرات (شیخ عطارؒ اور محمد بن محمد حافظیؒ) امام بہاؤالدین نقشبندؒ (453) سے روایت کرتے ہیں۔

اور عارف (عبدالرحمٰن) جامیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) علی سمرقندیؒ سے، وہ (شیخ سید) شریف علی جرجانیؒ سے، وہ (شیخ) علاؤالدین عطارؒ سے اور وہ امام بہاؤالدین نقشبندؒ سے روایت کرتے ہیں۔

دوسرا باب
فقہ حنفی کے محدثین اور فقہا اساطین تک کی اسانید
پہلی نوع
اسانید امام اکمل الدین محمد بن محمد بن محمود بابرتی ؒ متوفی ۷۸۶ھ (1384ء)

(امام) کفویؒ فرماتے ہیں:

"(امام) اکمل (الدینؒ) سے ایک بہت بڑی جماعت نے فقہ کی تعلیم حاصل کی ہے۔ جن میں سیّد المحقّقین ابوالحسن سید شریف علی جرجانیؒ، شمس الدین محمد بن حمزہ فناریؒ اور بدرالدین محمود بن اسرائیلؒ وغیرہ شامل ہیں۔"

میں کہتا ہوں کہ: محبّ الدین ابوالولید بن شحنہؒ بھی ان میں شامل ہیں۔

متأخرین مجتہدینِ منتسبین کے امام محقق
کمال الدین محمد ابن ہمامؒ متوفی ۸۶۱ھ/ 1456ء کی اسانید پر
چند فصلیں
(فصل 1۔ محقق ابن ہمام کا تعارف اور اہمیت)

(امام جلال الدین) سیوطیؒ فرماتے ہیں:

"(امام کمال الدین محمد بن ہمامؒ) نے (شیخؒ) قاری الہدایہ سراجؒ سے فقہ حاصل کی۔ اور اصولِ فقہ وغیرہ میں ان کی پوری اتباع کی اور انھی سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اور جب محبّ (الدین ابوالولید) بن شحنہؒ ۸۱۳ھ (1310ء) میں قاہرہ تشریف لائے۔ تو ان کی صحبت میں بھی رہے۔ اور انھی کے ساتھ حلب تشریف لے آئے اور آخری عمر تک ان کے پاس رہے۔" انتھیٰ.

ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ:

''(امام کمال الدین محمد بن ہمامؒ) نے تمام معقولات ومنقولات کا علم اپنے اندر اس طرح جمع کرلیا تھا کہ کوئی بھی انھیں اس طرح جمع نہیں کرسکا۔ چناں چہ ان کے بارے میں کہا گیا کہ یہ اپنے زمانے میں زمین والوں میں سب سے زیادہ عالم اور سب سے زیادہ محقق تھے اور اجتہاد میں ان کا درجہ کبھی کم نہیں کیا جاسکتا۔'' انتہٰی

فصل (2): اسانید علامہ محقق احمد بن یونس شلبیؒ متوفی تقریباً ۱۰۲۰ھ (1611ء)

امام ربانی (مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) قطب الدین نہر والی مکیؒ سے اور وہ (علامہ محقق احمد بن یونس) شلبیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ بہلول لاہوریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) قطب الدین لاہوری، نہر والی، مکیؒ سے اور وہ (علامہ محقق احمد) ابن (یونس) شلبیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ جمال الدین لاہوریؒ روایت کرتے ہیں علامہ قطب الدین بن علاؤالدین لاہوری، نہر والی، مکیؒ سے اور وہ (علامہ محقق احمد) ابن (یونس) شلبیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(الف) شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ (ملا) علی قاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(ب) (شیخ) شمس الدین عتاقی مکیؒ (ملا) علی قاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(ج) (شیخ) عبدالرحمٰن مرشدیؒ (ملا) علی قاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اور ملا علی قاریؒ راویت کرتے ہیں (شیخ) قطب (لاہوری، نہر والی) مکیؒ سے اور وہ (علامہ محقق احمد) ابن (یونس) شلبیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) خیرالدین رملیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن عمر حانوتیؒ سے اور وہ (علامہ محقق احمد) ابن (یونس) شلبیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) شہاب (الدین) خفاجیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) علی بن غانم مقدسیؒ (454) سے اور وہ (علامہ محقق احمد) ابن (یونس) شلبیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) احمد شوبریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ علی) ابن غانم مقدسیؒ اور (شیخ) عمر بن نُجَیمؒ سے اور یہ دونوں حضرات (علامہ محقق احمد) ابن (یونس) شلبیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): (علامہ محقق احمد ابن یونس شلبیؒ) کی فقہائے شافعیہ اور مالکیہ سے مروی اسانید

(شیخ ابراہیم بن حسن) کردیؒ، (شیخ احمد بن محمد) نخلیؒ، (شیخ عبداللہ بن سالم) بصریؒ اور (شیخ) ابن

سلیمانؒ چاروں حضرات روایت کرتے ہیں (شیخ محمد بن علا) بابلیؒ سے اور وہ (علامہ محقق احمد) ابن (یونس) شلبیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ حسن بن علی) عجیمیؒ اور شیخ ابوالفیض (امام) عبدالرحیم دہلویؒ دونوں روایت کرتے ہیں (شیخ محمد بن علا) بابلیؒ سے اور وہ (علامہ محقق احمد) ابن (یونس) شلبیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4): اسانید محقق زین الدین بن نُجَیم متوفی ۹۷۰ھ (1562ء)

(شیخ) خیرالدین رملیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن عمر حانوتیؒ سے اور وہ (شیخ) زین بن نجیم (مصریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ حسن بن علی) عجیمیؒ اور (شیخ) احمد شوبریؒ دونوں روایت کرتے ہیں (شیخ) عبداللہ نحریریؒ اور (شیخ) عمر بن نجیم (مصری) سے اور یہ دونوں حضرات (شیخ) زین بن نجیم (مصریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ حسن بن علی) عجیمیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن کمال بن حمزہ سے، وہ (شیخ) رمضان عکاریؒ اور (شیخ) یوسف سقفیؒ سے، یہ دونوں حضرات (شیخ) محمد بن علی علمی مقدسیؒ سے اور وہ (شیخ) زین بن نجیم (مصریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔ (455)

(شیخ علاؤالدین محمد) حصکفیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابن عبدالقادر ازہریؒ اور (شیخ) خیرالدین رملیؒ سے، یہ دونوں حضرات (شیخ) محمد بن عبداللہ غزیؒ سے اور وہ (شیخ) زین بن نجیم (مصریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (5): اسانید (شیخ) حافظ شمس محمد بن طولون دمشقیؒ متوفی ۹۵۳ھ (1546ء)

(شیخ حسن بن علی) عجیمیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن کمال الدین حسینیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن منصور بن محبؒ سے، وہ (شیخ) محمد بہنسیؒ سے، اور وہ (حافظ شمس محمد) ابن طولونؒ سے روایت کرتے ہیں۔

ابن سلیمانؒ فرماتے ہیں: ''یہ سند جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، **مسلسل بالمحدّثین** ہے۔''

(شیخ علاؤالدین محمد) حصکفیؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد علی بن محمد دمشقیؒ سے، وہ (شیخ) علاؤالدین بن ناصرالدین طرابلسیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بہنسیؒ سے اور وہ (شیخ حافظ شمس محمد) ابن طولونؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ حسن بن عمار) شرنبلالیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) احمد محبیؒ سے، وہ (شیخ) زین الدین بن سلطانؒ

سے اور وہ (شیخ حافظ شمس محمد) ابن طولونؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عبدالغنی نابلسیؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) اسماعیل نابلسیؒ سے، وہ (شیخ) عمر قاریؒ سے، وہ اسماعیل نابلسیؒ سے اور وہ (شیخ) شمس (محمد) بن طولونؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (6): اسانید (شیخ) سری الدین عبدالبر بن شحنہؒ متوفی ۹۲۱ھ (1515ء)

امامِ ربانی (مجدد الف ثانی شیخ احمد سہرندیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) قطب (لاہوری نہروالی) مکیؒ سے، وہ (علامہ محقق احمد) ابن (یونس) شلبیؒ سے اور وہ (شیخ) سری (الدین) عبدالبر بن شحنہؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) خیر (الدین) رملیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن عمر حانوتیؒ سے، وہ (شیخ) علی بن یٰسین طرابلسیؒ سے اور وہ (شیخ سری الدین عبدالبر) ابن شحنہؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ حسن بن علی) عُجیمیؒ اور (شیخ خیرالدین) رملیؒ دونوں (شیخ) احمد بن امین الدین بن عبدالعالؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ امین الدینؒ) سے اور وہ (شیخ سری الدین عبدالبر) ابن شحنہؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عمر بن نجیم (مصریؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) زین بن نجیم (مصریؒ) سے، وہ (شیخ) امین الدین بن عبدالعالؒ سے اور وہ (شیخ سری الدین عبدالبر) ابن شحنہؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) شمس محمد بن محمد طولونؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) لسان الدین محمودؒ سے اور وہ (شیخ سری الدین عبدالبر) ابن شحنہؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (7): اسانید سیف الدین قاسم بن قطلو بغاؒ متوفی ۸۷۹ھ (1474ء)

(شیخ قاسم بن قطلو بغاؒ کا تعارف اور اہمیت)

(امام جلال الدین) سیوطیؒ فرماتے ہیں:

”(سیف الدین قاسم بن قطلو بغاؒ) نے قاری الھدایہ (شیخ) سراجؒ سے تعلیم حاصل کی۔ (شیخ کمال الدین) ابن ہمامؒ کی صحبت اختیار کی اور ان سے بہت نفع اٹھایا۔ (شیخ کمال الدین) ابن ہمامؒ ان کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ: ”وہ ملک مصر کے محقق ہیں۔“

ابن حجر مکیؒ نے (قاسم بن قطلو بغاؒ کے بارے میں) لکھا ہے کہ:

”انھوں نے ابن ہمامؒ کی صحبت میں رہنے پر بہت زیادہ توجہ دی۔ انھوں نے اُن (ابن ہمامؒ) سے بہت سے علوم کی سماعت کی اور ان کی اکثر تصنیفات و تالیفات ان سے پڑھیں۔ قوتِ

حافظہ اور ذہانت ان کی پہچان تھی۔ جو علوم وفنون میں آپ کی گرفت سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ (حافظ) ابن حجرؒ وغیرہ نے ان کو "**محدث، حافظ اور فقیہ**" کے الفاظ کے ساتھ یاد کیا ہے۔ انھوں نے بہت سے ماہرین علوم وفنون سے بہت کچھ سیکھا۔" **انتھٰی**

امام ربانی (مجدد الف ثانی شیخ احمد سہرندیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) قطب (الدین نہروالی) مکیؒ سے، وہ (علامہ محقق احمد) ابن (یونس) شلبیؒ سے، وہ (شیخ سری الدین عبدالبر) ابن شحنہؒ سے اور وہ (شیخ سیف الدین) قاسم بن قطلو بغاؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(الف) (شیخ حسن بن علی) **عجیمیؒ** روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن کمال الدین حسینی سے، وہ (شیخ) محمد بن منصوب بن محبّ سے، وہ (شیخ) محمد بھنسیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(ب) (شیخ علاؤالدین محمد) حصکفیؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) علی بن محمد دمشقیؒ سے، وہ (شیخ) علاؤالدین طرابلسیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بھنسیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ محمد بھنسیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) قطب الدین محمد بن سلطانؒ سے، وہ (شیخ) قاسم عجیمیؒ اور (شیخ خیرالدین) رملیؒ سے، وہ (شیخ) احمد بن امین الدین عبدالعالؒ سے اور وہ اپنے والد (شیخ امین الدینؒ) سے اور وہ (شیخ سیف الدین) قاسم (بن قطلو بغاؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عمر **نُجَیم** (مصریؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) زین بن نجیم (مصریؒ) سے، وہ (شیخ) امین الدین بن عبدالعال سے اور وہ (شیخ سیف الدین) قاسم (بن قطلو بغاؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (8): اسانید (شیخ محقق) کمال الدین ابن ہمامؒ متوفی ۸۶۱ھ (1456ء)

ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں:

"میرے مشائخ میں سے کمال الدین محمد بن ہمامؒ سے زیادہ ذہین ترین کوئی نہیں تھا۔ انھوں نے ابوالولید بن شحنہؒ کی صحبت اختیار کی، جب وہ قاہرہ تشریف لائے تھے۔ پھر انھوں نے اُن کے ساتھ حلب کا سفر کیا۔ اور ان کی وفات تک ان کے پاس رہ کر پڑھتے رہے۔ اور محدثین کی ایک جماعت سے انھوں نے روایات کی سماعت کی، جن میں حافظ العصر ابن حجر (عسقلانیؒ) بھی ہیں۔ چناں چہ حافظ سخاویؒ نے آپؒ کی روایت کی ہوئی احادیث میں سے چالیس احادیث کی تخریج کی ہے اور انھیں آگے روایت کیا ہے۔ اور ان سے بہت سے فضلا نے احادیث کی سماعت کی ہے۔ علم وفضل میں آپ اپنے ہم عصروں سے بہت بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ آپؒ کی فکر بہت صحیح اور درست تھی۔ اور بڑی عمدہ ذہانت رکھتے تھے۔ آپؒ نے (فقہ کی مشہور کتاب) "**ھدایہ**" کی ایک بڑی عمدہ شرح (**فتح القدیر**) لکھی، جو زبردست، بے مثال ہے اور تمام

شروحات پر سبقت رکھتی ہے۔ یہ شرح "کتاب الوکالہ" تک لکھی جا سکی ہے۔ کاش "ھدایہ" کی یہ شرح مکمل ہو جاتی اس لیے کہ ہر حنفی اس شرح کا محتاج ہے۔ (456)

خلاصہ یہ ہے کہ انھوں نے تمام معقولات ومنقولات کا علم اپنے اندر اس طرح جمع کر لیا تھا کہ کوئی اور اس طرح انھیں اپنے اندر جمع نہ کر سکا۔ چناں چہ ان کے بارے میں کہا گیا کہ یہ اپنے زمانے میں زمین والوں میں سب سے زیادہ عالم اور سب سے زیادہ ''محقق'' تھے۔ جو اجتہاد کے درجے سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔'' انتھٰی

امامِ ربانی (مجدد الف ثانی شیخ احمد سہرندیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) قطب (الدین نہروالی) مکیؒ سے، وہ (علامہ محقق احمد) ابن (یونس) شلبیؒ سے، وہ (شیخ سری الدین عبدالبر) ابن شحنہؒ سے، وہ (شیخ سیف الدین) قاسم بن قطلو بغاؒ سے اور وہ (شیخ محقق) کمال الدین ابن ہمامؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ عبدالحق دہلویؒ، (شیخ) شہاب الدین خفاجیؒ، اور (شیخ) عبدالرحمٰن مرشدیؒ تینوں حضرات روایت کرتے ہیں (شیخ) علی بن جاراللہ بن ظہیرہ مکیؒ سے، وہ اپنے والد (جاراللہ بن ظہیرہ مکیؒ) سے اور وہ (شیخ کمال الدین) ابن ہمامؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ابوالفیض (شیخ عبدالرحیم) دہلویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) خیر (الدین) رملیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن عمر حانوتیؒ سے، وہ (علامہ محقق احمد) ابن (یونس) شلبیؒ سے، وہ (شیخ سری الدین) ابن شحنہؒ سے اور وہ (شیخ کمال الدیں) ابن ہمامؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (9): (شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ کی فقہائے شافعیہ اور مالکیہ سے مروی اسانید

امامِ ربانی (مجدد الف ثانی شیخ احمد سہرندیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) یعقوب صیرفی سیالکوٹیؒ، وہ (شیخ) ابن حجر مکیؒ سے، وہ شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ سے اور وہ (شیخ کمال الدین) ابن ہمامؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(علامہ محقق احمد) ابن (یونس) شلبیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) جمال یوسف بن زکریاؒ سے، وہ اپنے والد شیخ الاسلام (زکریا انصاریؒ) سے، وہ (شیخ) ابن امیر الحاجؒ اور (شیخ) قاسم (بن قطلو بغاؒ) سے اور یہ دونوں حضرات (شیخ کمال الدین) ابن ہمامؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) شہاب الدین خفاجیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابراھیم بن عبدالرحمٰن علقمیؒ سے، وہ (شیخ) جلال الدین سیوطیؒ سے، وہ (شیخ) قاسم (بن قطلو بغاؒ) سے اور وہ (شیخ کمال الدین) ابن ہمامؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) حافظ محمد بن سلیمان مکیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) سعید جزائریؒ سے، وہ (شیخ) قاری سعید بن احمدؒ

سے، وہ (شیخ) سفیان سے، وہ شیخ الاسلام زکریا (انصاریؒ) سے اور وہ (شیخ کمال الدین) ابن ہمامؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (10): فقہ شافعی میں (شیخ) کمال الدین بن ہمامؒ کی اسانید

(شیخ) حافظ محمد بن سلیمان نے "صلة الخلف" میں لکھا ہے کہ:

"(شیخ) کمال الدین بن ہمامؒ نے اصول (فقہ) شافعی، (شیخ) عز بن جماعتؒ سے حاصل کیے ہیں، انھوں نے (شیخ) یوسف بن محمد بن ابراہیم دمشقیؒ سے، انھوں نے (شیخ) حسین بن ابراہیم دربلیؒ سے، انھوں نے (شیخ) ابوطاہر برکات بن ابراہیم خشوعیؒ سے، انھوں نے (شیخ) ھبة اللّٰه بن محمد اکفانیؒ سے، انھوں نے (شیخ) ابوبکر محمد بن علی بن موسیٰ حدادؒ سے، انھوں نے (شیخ) تمام بن محمد رازیؒ سے، انھوں نے (شیخ) حسن بن حبیب بن عبدالملک حصائریؒ سے، انھوں نے (شیخ) ربیع بن سلیمان مرادیؒ سے اور انھوں نے امام شافعیؒ سے، جو کہ سب سے پہلے اصول (فقہ) لکھنے والے ہیں۔" انتھٰی

فصل (11): فقہ حنفی میں شیخ کمال الدین بن ہمامؒ کی محبّ الدین ابوالولید بن شحنہؒ متوفی ۸۱۵ھ (1412ء) سے اسانید

ابن خطیبؒ فرماتے ہیں کہ:

"محبّ الدین (ابوالولید بن شحنہؒ) حدیث اور محدثین سے بے انتہا محبت رکھتے تھے۔ اپنے امام کے مذہب کے اندر رہتے ہوئے اجتہاد کرتے تھے اور انھیں کے اصول وقواعد کے مطابق (مسائل کی) تخریج کرتے تھے۔ اور ایسے اقوال اختیار فرماتے تھے، جن پر عمل کیا جاتا تھا۔" انتھٰی

(جملہ معترضہ؛ ولی اللّٰہی مشائخ ان محققین سے کم نہیں)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: امام عبدالعزیز دہلویؒ اور اُن کے شاگردوں سے لے کر ہمارے مشائخ شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ اور شیخ الاسلام مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تک کوئی بھی فقہ، حدیث اور معقول ومنقول کی جامعیت میں (شیخ) محبّ الدین ابوالولید بن شحنہؒ، (شیخ محقق) کمال الدین بن ہمامؒ اور (شیخ سیف الدین) قاسم بن قطلوبغاؒ سے کم درجے میں نہیں تھا۔

ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ٥ (457)

(یہ ہم پر اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔)

امامِ ربانی (مجدد الف ثانی شیخ احمد سہرندیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) قطب (الدین نہروالی) مکیؒ سے، وہ (علامہ محقق احمد) ابن (یونس) شلبیؒ سے، وہ (سری الدین) عبدالبر بن شحنہؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) محبّ الدین ابوالفضل بن شحنہؒ سے اور وہ اپنے والد (شیخ) محبّ الدین ابوالولید بن شحنہؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ابوالفیض (شیخ عبدالرحیم) دہلویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) خیر (الدین) رملیؒ سے، وہ (شیخ محمد بن عمر) حانوتیؒ سے، وہ (علامہ محقق احمد) ابن (یونس) شلبیؒ سے، وہ (شیخ سری الدین عبدالبر) ابن شحنہؒ سے، (شیخ) قاسم (بن قطلو بغاؒ) سے، وہ (شیخ کمال الدین) ابن ہمامؒ سے اور وہ (شیخ) ابوالولید بن شحنہؒ سے روایت کرتے ہیں۔

چند فصلیں

اسانید (شیخ) شمس الدین محمد بن حمزہ فناریؒ متوفی ۸۳۴ھ (1430ء)

فصل (1): اسانید (شیخ) محقق علامہ ابراہیم کرکیؒ متوفی ۹۲۳ھ/ 1517ء

امامِ ربانی (مجدد الف ثانی شیخ احمد سہرندیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) قطب (الدین نہروالی) مکیؒ سے، وہ (شیخ احمد) ابن (یونس) شلبیؒ سے اور وہ (شیخ محقق، علامہ) ابراہیم کرکیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) خیر (الدین) رملیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن عمر حانوتیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) عمر حانوتیؒ سے اور وہ (شیخ) ابراہیم کرکیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ حسن بن علی) عجیمیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبداللہ بن محمد نحریریؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ محمد نحریریؒ) سے اور وہ (شیخ) ابرہیم کرکیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): اسانید (شیخ) محمد بن سلیمان کافیجیؒ متوفی ۸۲۳ھ (1420ء)

امامِ ربانی (مجدد الف ثانیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) قطب (الدین نہروالی) مکیؒ سے، وہ (شیخ احمد) ابن (یونس) شلبیؒ سے، وہ (شیخ) ابراہیم کرکیؒ سے اور وہ (شیخ) محمد بن سلیمان کافیجیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امامِ ربانی (مجدد الف ثانیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) یعقوب صیرفیؒ سے، وہ (شیخ) ابن حجر مکیؒ سے، وہ (شیخ) جلال الدین سیوطیؒ سے اور وہ (شیخ) محی الدین محمد بن سلیمان کافیجیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): اسانید (شیخ) شمس الدین محمد بن حمزہ فناریؒ متوفی ۸۳۴ھ (1430ء)

(علامہ) شوکانی نے "بدر الطّالع" میں لکھا ہے کہ:

"وہ (شمس الدین محمد بن حمزہ فناریؒ) "**فصول البدائع**" کے مصنف ہیں۔ جس میں انھوں نے "**المنار**"، "**اصولِ بزدوی**"، امام رازی کی کتاب "**محصول**" اور ابن حاجب کی "**المختصر**" وغیرہ کو جمع کیا ہے۔ انھوں نے اپنے اس کام میں تقریباً 30 سال صَرف کیے۔ یہ کتاب اصولی کتب میں سے سب سے اہم تر، زیادہ نفع بخش اور بہت سے فوائد کی حامل ہے۔ اس کتاب سے ملک روم میں شعبۂ قضا سے وابستہ طلبا نے بہت فائدہ حاصل کیا۔" انتھٰی

امامِ ربانی (مجدد الف ثانیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) قطب (الدین نہروالی) مکیؒ سے، وہ (شیخ احمد) ابن (یونس) شلبیؒ سے، وہ (شیخ ابراہیم) کرکیؒ سے، وہ (شیخ) محی الدین کافیجیؒ سے اور وہ (شیخ) شمس (الدین محمد بن حمزہ) فناریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امامِ ربانی (مجدد الف ثانیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) یعقوب صیرفیؒ سے، وہ (شیخ) ابن حجر مکیؒ سے، وہ شیخ الاسلام، (شیخ) زکریا انصاریؒ سے، وہ (شیخ) حافظ ابن حجر (عسقلانیؒ) سے اور وہ (شیخ) شمس (الدین محمد بن حمزہ) فناریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

چند فصلیں

علمائے روم کی اسانید بالخصوص (شیخ) علامہ شمس فناریؒ تک

فصل (1): اسانید ابن کمال پاشاؒ

(شیخ) شہاب (الدین) خفاجیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) علی بن غانم مقدسیؒ سے، وہ (شیخ) عبداللہ بن عبدالعزیزؒ سے اور وہ (شیخ) ابن کمال پاشاؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): اسانید مفسر (شیخ) ابوسعودؒ

(شیخ) شہاب الدین خفاجیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) سعد الدین بن حسنؒ سے اور وہ (شیخ) ابوسعود محمد عمادیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): اسانید (شیخ) سعداللہ بن عیسیٰ بن امیر خان المشہور "سعدی چلپیؒ"

(شیخ حسن بن عمار) شرنبلالیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) فتح اللہ بن محمود بیونیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ

محمود بیو نیؒ) سے، وہ (شیخ) نوراللہؒ سے اور وہ (شیخ سعداللہ بن عیسیٰ بن امیر خان) سعدی چلپیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4): اسانید محمد بن فراموز المشہور ''ملا خسروؒ'' متوفی ۸۸۵ھ (1451ء)

کتاب ''شقائق'' کے مصنف لکھتے ہیں کہ:

''(محمد بن فراموز) کے والد (فراموز) اصلاً رومی تھے، پھر مسلمان ہوگئے۔ ان کی ایک بیٹی تھی، جس کا خاوند خسرو نام کا ایک امیر تھا۔ فراموز کے اس بیٹے محمد نے خسرو کی گود میں پرورش پائی۔ اور اپنے والد کی وفات کے بعد ''اخی زوجۃ خسرو'' (خسرو کی بیوی کے بھائی) کے نام سے مشہور ہوئے۔ پھر خسرو کا نام غالب آگیا۔ اور یوں ''ملا خسروؒ'' مشہور ہوگئے۔ آپ کے شاگردوں میں یوسف بن جنید، حسن چلپی بن محمد شاہ فناریؒ اور حسن بن عبدالصمد سامسونیؒ وغیرہ ہیں۔'' انتہٰی

(مفسر شیخ) ابوسعود (محمد عمادیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) حسن چلپیؒ (458) سے اور وہ (شیخ) علامہ (محمد بن فراموز ملا) خسروؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(مفسر شیخ) ابوسعود (محمد عمادیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالرحمٰن بن علی مؤیدؒ سے، وہ (شیخ) سعداللہ سامسونیؒ سے اور وہ اپنے والدؒ سے اور وہ (شیخ) علامہ (محمد بن فراموز ملا) خسروؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (5): (شیخ) محمد بن ادمغان کی شمس الدین فناریؒ سے روایت کردہ اسانید

(شیخ) ابن کمال پاشاؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) مصلح الدین قسطلانیؒ اور (شیخ) لطف اللہ توقانیؒ سے، یہ دونوں حضرات دوسرے کے والد مولانا (شیخ) خضر بیگؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) علامہ (محمد بن فراموز ملا) خسروؒ روایت کرتے ہیں (شیخ برہان الدین) حیدر (بن محمود) ہرویؒ (تلمیذ علامہ تفتازانیؒ) سے، وہ (شیخ علاؤالدین) علی عربی (حلبیؒ) سے اور وہ (شیخ) خضر بیگؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح ابن کمال پاشاؒ روایت کرتے ہیں محی الدین محمدؒ سے اور وہ اپنے والد ابراہیم خطیبؒ سے روایت کرتے ہیں۔

یہ دونوں (شیخ خضر بیگؒ اور ابن کمال پاشاؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن ادمغانؒ سے اور وہ (شیخ) شمس الدین محمد بن حمزہ فناریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

چند فصلیں

اسانید (شیخ) عزالدین عبدالرحمٰن فراتؒ متوفی ۸۵۱ھ (1447ء)

فصل (1): اسانید (شیخ) جمال الدین محمد بن ابراہیم مرشدی مکیؒ

امامِ ربانی (مجدد الف ثانیؒ) روایت کرتے ہیں قطب (الدین نہروالی) مکیؒ سے، وہ (شیخ) ابن (یونس) شلبیؒ سے، وہ (شیخ سری الدین عبدالبر) ابن شحنہؒ سے، وہ (شیخ سیف الدین) قاسم بن قطلوبغاؒ سے اور وہ (شیخ) جمال ابوالمحاسن محمد بن ابراہیم مرشدی (مکیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

امام ربانی (مجدد الف ثانیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) یعقوب صیرفیؒ سے، وہ (شیخ حافظ) ابن حجر مکیؒ سے، وہ شیخ الاسلام، (شیخ) زکریا انصاریؒ سے، وہ (شیخ) نجم عمر بن فہد مکیؒ اور (شیخ) عبدالرحمٰن بن محمد بن ابراہیمؒ سے، یہ دونوں حضرات دوسرے کے والد (شیخ) محمد بن ابراہیم مرشدی (مکیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): اسانید (شیخ) عز (الدین عبدالرحیم) بن فراتؒ

امامِ ربانی (مجدد الف ثانیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) قطب مکیؒ سے، وہ (شیخ احمد) ابن (یونس) شلبیؒ سے، وہ (شیخ) ابراہیم کرکیؒ سے اور وہ (شیخ) عزالدین عبدالرحیم بن فراتؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ حسن بن علی) عجیمیؒ اور (شیخ خیرالدین) رملیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) احمد بن امین الدین بن عبدالعالؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ امین الدینؒ) سے اور وہ (شیخ عزالدین عبدالرحیم) ابن الفراتؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عمر بن نجیم (مصریؒ) روایت کرتے ہیں اپنے بھائی (شیخ) زین بن نجیم بن امین الدین بن عبدالعالؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ نجیمؒ) سے وہ اپنے دادا (شیخ) عبدالعالؒ سے اور وہ (شیخ عزالدین عبدالرحیم) ابن الفراتؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ربانی (مجدد الف ثانیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) یعقوب صیرفیؒ سے، وہ (شیخ حافظ) ابن حجر مکیؒ سے، وہ (شیخ) زکریا انصاریؒ سے، وہ (شیخ) عبدالرحمٰن بن محمد بن ابراہیمؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ محمد بن ابراہیمؒ) سے اور وہ (شیخ عزالدین عبدالرحیم) ابن الفراتؒ سے روایت کرتے ہیں۔

پہلی نوع کی فصلوں کا خاتمہ

اسانید امام اکمل الدین بابرتیؒ

(شیخ) محمد قاسمؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) کمال الدین بن ہمامؒ سے، وہ (شیخ) محبّ الدین ابوالولید بن شحنہؒ سے اور وہ (امام) اکمل الدین بابرتیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) ابراہیم کرکیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محی الدین محمد بن سلیمان کافیجیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن شہاب بن محمود خافیؒ سے، وہ (شیخ) محقق (سید شریف) علی جرجانیؒ سے اور وہ (امام اکمل الدین) بابرتیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امامِ ربانی (مجدد الف ثانی) روایت کرتے ہیں (شیخ) قطب مکیؒ سے، وہ (شیخ احمد) ابن (یونس) شلبیؒ سے، وہ (شیخ سری الدین عبدالبر) ابن شحنہؒ سے، وہ محمد قاسمؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن ابراہیم مرشدیؒ سے اور وہ (امام اکمل الدین) بابرتیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امامِ ربانی (مجدد الف ثانیؒ) روایت کرتے ہیں (قطب) مکیؒ سے، وہ (شیخ احمد) ابن (یونس) شلبیؒ سے، وہ (شیخ ابراہیم) کرکیؒ سے، وہ (شیخ محبّ الدین محمد بن احمد) اقصرائیؒ سے اور وہ (امام اکمل الدین) بابرتیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امامِ ربانی (مجدد الف ثانیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) قطب مکیؒ سے، وہ (شیخ احمد) ابن (یونس) شلبیؒ سے، وہ (شیخ) ابراہیم کرکیؒ سے، وہ (شیخ) عزالدین (عبدالرحیم) بن فراتؒ سے اور وہ (امام اکمل الدین) بابرتیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ابوالفیض (شیخ عبدالرحیم) دہلویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) خیر (الدین) رملیؒ سے، وہ (شیخ محمد بن عمر) حانوتیؒ سے، وہ (شیخ احمد) ابن (یونس) شلبیؒ سے، وہ (شیخ ابرہیم) کرکیؒ سے، وہ (شیخ محمد بن سلیمان) کافیجیؒ سے، وہ (شیخ) شمس الدین محمد بن حمزہ فناریؒ سے اور وہ (امام اکمل الدین) بابرتیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

دوسری نوع

اسانید امام علاؤ الدین علی سیرامیؒ متوفی ۷۹۱ھ (1388ء)

فصل (1): اسانید ابو حامد بن محمد بن احمد بن ضیا مکیؒ متوفی ۸۵۴ھ (1450ء)

شیخ عبدالحق دہلویؒ، (شیخ) شہاب الدین خفاجیؒ اور (شیخ) عبدالرحمٰن مرشدیؒ تینوں حضرات روایت

کرتے ہیں (شیخ) قاضی علی بن جاراللہ بن ظہیرہ مکیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) جاراللہ بن ظہیرہؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) امین الدینؒ سے، وہ (شیخ) محمد نجمیؒ سے اور وہ (شیخ) ابوحامد محمد بن احمد بن ضیا عمری مکیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): اسانید ابوالبقا محمد بن احمد بن ضیا مکیؒ؛ متوفی ۸۵۴ھ (1450ء)

(شیخ حسن بن علی) عُجیمیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالفتاح خاصؒ سے، وہ اپنے بھائی (شیخ) محمد سے، وہ اپنے والد (شیخ) محمد خاصؒ سے، وہ (شیخ) ابوالقاسم بن عبدالعلیم قربتیؒ سے، وہ (شیخ) زین الدین احمد بن محمد شرجیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالبقا محمد بن احمد بن ضیا مکیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اور یہ دونوں بھائی (شیخ) ابوالبقاؒ اور (شیخ) ابوحامدؒ اپنے والد (شیخ) احمد بن ضیا مکیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): اسانید امام علاؤالدین احمد بن محمد سیرامیؒ؛ متوفی ۷۹۰ھ (1388ء)

(شیخ سیف الدین) محمد قاسم بن قطلو بغاؒ اور (شیخ) کمال الدین بن ہمامؒ دونوں راویت کرتے ہیں (شیخ) سراج الدین عمر قارئ ہدایہؒ سے اور وہ (امام) علاؤالدین (احمد بن محمد) سیرامیؒ سے راویت کرتے ہیں۔

(شیخ سیف الدین) محمد قاسم بن قطلو بغاؒ اور (شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ دونوں راویت کرتے ہیں (شیخ) بدرالدین محمود عینیؒ سے اور وہ (شیخ) علاؤالدین (احمد بن محمد) سیرامیؒ سے راویت کرتے ہیں۔

(شیخ) ابوالبقا محمد بن احمد بن ضیاؒ اور (شیخ) ابوحامد محمد بن احمد بن ضیاؒ دونوں راویت کرتے ہیں (شیخ سراج الدین عمر) قارئ ہدایہؒ سے اور وہ (شیخ) علاؤالدین (احمد بن محمد) سیرامیؒ سے راویت کرتے ہیں۔

(شیخ ابراہیم) کرکیؒ راویت کرتے ہیں (شیخ) محبّ الدین محمد بن احمد اقصرائیؒ سے، وہ (شیخ) علامہ سراج الدین عمر بن علی کناتی قارئ ہدایہؒ سے اور وہ (شیخ) علاؤالدین (احمد بن محمد) سیرامیؒ سے راویت کرتے ہیں۔

امامِ ربانی (مجدد الف ثانیؒ) راویت کرتے ہیں (شیخ) قطب مکیؒ سے، وہ (شیخ احمد) ابن (یونس) شلبیؒ سے وہ (شیخ ابراہیم) کرکیؒ سے، وہ (شیخ) تقی الدین محمد شمنیؒ اور (شیخ) امین الدین یحییٰ بن محمد اقصرائیؒ سے اور یہ دونوں حضرات (امام علاؤالدین احمد بن محمد) سیرامیؒ سے راویت کرتے ہیں۔

تیسری نوع

اسانید (شیخ) شمس الدین قونویؒ متوفی ۷۸۸ھ (1386ء)

فصل (1): اسانید سعدالدین بن شمس الدین دیریؒ متوفی ۸۶۸ھ (1363ء)

(شیخ) شمس بن طولونؒ راویت کرتے ہیں ابوالفتح مزیؒ سے اور وہ (شیخ) سعدالدین (بن شمس الدین) دیریؒ سے راویت کرتے ہیں۔

امامِ ربانی (مجدد الف ثانیؒ) راویت کرتے ہیں (شیخ) قطب مکیؒ سے، وہ (شیخ احمد) ابن (یونس) شلبیؒ سے، وہ (شیخ) ابراہیم کرکیؒ سے اور وہ (شیخ) سعدالدین (بن شمس الدین) دیریؒ سے راویت کرتے ہیں۔

امامِ ربانی (مجدد الف ثانیؒ) راویت کرتے ہیں (شیخ) قطب مکیؒ سے، وہ (شیخ احمد) ابن (یونس) شلبیؒ سے، وہ (شیخ سری الدین عبدالبر) ابن شحنہؒ سے، وہ (شیخ) قاسمؒ سے اور وہ (شیخ) سعدالدین (بن شمس الدین) دیریؒ سے راویت کرتے ہیں۔

اسی میں سے ایک **فصل**: امامِ ربانی (مجدد الف ثانیؒ) راویت کرتے ہیں (شیخ) بہلول بدخشیؒ سے، وہ (شیخ) عبدالرحمٰن بن فہدؒ سے، وہ اپنے چچا (شیخ) جاراللہ بن فہدؒ سے، وہ (شیخ) شمس سخاویؒ سے اور وہ (شیخ) سعدین (بن شمس الدین) دیریؒ سے راویت کرتے ہیں۔

(شیخ) شمس بن طولونؒ راویت کرتے ہیں (شیخ) ابوالبقا محمد بن عماد عمریؒ سے، وہ (شیخ) شمس الدین سخاویؒ سے اور وہ (شیخ) سعدالدین (بن شمس الدین) دیریؒ سے راویت کرتے ہیں۔

فصل (2): اسانید (شیخ) شمس قونویؒ، عبدالکریم کرمانیؒ اور (محمد بن شہاب) بزازیؒ

قاضی القضاۃ (شیخ) سعدالدین (بن شمس الدین) دیریؒ راویت کرتے ہیں (شیخ) شمس الدین قونویؒ اور وہ (شیخ) عبدالکریم کرمانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) سعدالدین دیریؒ اور (شیخ محمد بن سلیمان) کافیجیؒ دونوں راویت کرتے ہیں (شیخ) حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب الدینؒ سے اور وہ اپنے والد (شیخ) محمد بن شہاب بزازیؒ سے راویت کرتے ہیں۔

(شیخ) یوسف چلپیؒ راویت کرتے ہیں (شیخ) احمد بن عبداللہ قریمیؒ سے، وہ (شیخ) شرف الدین بن کمال قریمیؒ سے، وہ (شیخ) حافظ الدین (محمد بن محمد بن شہاب الدینؒ) سے، وہ اپنے والد (شیخ) محمد بن شہاب الدین بزازیؒ سے راویت کرتے ہیں۔

چوتھی نوع

اسانید امام ابوالوقت نظام الدین عبدالاول برہانی (مرغینانیؒ)

(شیخ محمد بن سلیمان) کا فیجیؒ راویت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن شہاب بن محمود خافی ؒ سے اور وہ (شیخ) نظام الدین عبدالاول بن علی مرغینانی ؒ سے راویت کرتے ہیں۔

پانچویں نوع

اسانید امام قوام الدین امیر کاتب اتقانیؒ متوفی ۷۵۸ھ (1356ء)

ہم اس باب میں ان کا تذکرہ اس لیے لائے ہیں، تاکہ فقہا کی اسانید کا نظام زیادہ مربوط انداز میں سامنے آئے۔ آپؒ حنفیہ کے سربراہ تھے اور فقہ میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ انھیں اپنے اوپر بڑا اعتماد تھا۔ وہ اپنے مخالفین کے حوالے سے بڑی عصبیت رکھتے تھے، جیسا کہ اس کا ذکر (امام) کفویؒ نے کیا ہے۔ محبّ ابوالولید بن شحنہؒ نے طویل مدت تک ان کی صحبت اختیار کی، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

(شیخ) خیر (الدین) رملیؒ راویت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن عمر حانوتی ؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ عمر حانوتیؒ) سے، وہ (شیخ) محمد بن جرباشؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن محمد حریریؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) محمد بن علی حریریؒ سے اور وہ امام قوام الدین (امیر کاتب) اتقانیؒ (459) سے راویت کرتے ہیں۔

تیسرا باب

فن تحصیل، اصول، کلام اور حکمت جیسے علوم وفنون کے اہم رہنماؤں کی اسانید

فصل (1): اسانید علامہ محقق جلال الدین دوانیؒ متوفی ۹۰۸ھ (1502ء)

امام ابوالفیض (شیخ) عبدالرحیم دہلویؒ راویت کرتے ہیں علامہ (شیخ) میرزاہد ہروی اکبرآبادیؒ سے، وہ علامہ (شیخ) محمد فاضل بدخشیؒ سے، وہ محقق (شیخ) محمد یوسف قراباغیؒ سے، وہ محقق (شیخ) حبیب اللہ میرزا جان شیرازیؒ سے، وہ علامہ (شیخ) محمود شیرازیؒ سے اور وہ محققین کے امام، علامہ (شیخ) جلال الدین دوانیؒ (460)

سے راویت کرتے ہیں۔

محقق علامہ (شیخ) ابراہیم کردی مدنی ؒ راویت کرتے ہیں (شیخ) عبدالکریم کورانی ؒ سے، وہ (شیخ) احمد کردیؒ سے، وہ (شیخ) میرزا جان شیرازیؒ سے، وہ (شیخ) محمود شیرازیؒ سے اور وہ علامہ (شیخ جلال الدین) دوانی ؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اور اسی طرح علامہ (شیخ) ابراہیم کورانی ؒ راویت کرتے ہیں (شیخ) عبدالملک بن عبداللطیف بزبانی ؒ سے، وہ (شیخ) قطب مکیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ علاؤالدین احمد بن محمد نہروالیؒ) سے اور وہ (علامہ محقق شیخ جلال الدین) دوانی ؒ سے راویت کرتے ہیں۔

امامِ ربانی (مجدد الف ثانیؒ) راویت کرتے ہیں (شیخ) قطب مکیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) علاؤالدین احمد بن محمد نہروالیؒ سے اور وہ محققین کے استاذ (شیخ) جلال الدین محمد دوانی ؒ سے راویت کرتے ہیں۔

(الف) امامِ ربانی (مجدد الف ثانیؒ) شیخ بہلول بدخشی لاہوریؒ سے راویت کرتے ہیں۔

(ب) علامہ (شیخ) میر زاہد اکبرآبادیؒ راویت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) میر محمد اسلم کابلیؒ سے اور وہ شیخ بہلول بدخشیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ بہلول بدخشی لاہوریؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالرحمٰن بن فہد مکیؒ سے، وہ اپنے چچا (شیخ) جابر اللہ بن فہدؒ سے، وہ (شیخ) اسماعیل بن برہان الدین علویؒ سے، وہ (شیخ) عبدالرحمٰن ایجیؒ سے اور وہ محقق (علامہ، شیخ) جلال الدین دوانی ؒ سے راویت کرتے ہیں۔

شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) وجیہ الدین علویؒ سے، وہ (شیخ) عماد الدین طارمیؒ اور وہ محقق (جلال الدین) دوانی ؒ سے راویت کرتے ہیں۔

(شیخ) ابوسعود استنبولیؒ راویت کرتے ہیں (شیخ) عبدالرحمٰن بن علی بن مؤیدؒ سے اور وہ محقق (علامہ، شیخ جلال الدین) دوانی ؒ سے راویت کرتے ہیں۔

شیخ احمد شناویؒ راویت کرتے ہیں (شیخ) سید غضنفر بروجیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالفضل کازرونیؒ سے اور وہ علامہ (شیخ جلال الدین) دوانی ؒ سے راویت کرتے ہیں۔

(شیخ) حسن بن علی عجیمیؒ راویت کرتے ہیں (شیخ) محمد علی بن حسین بن علی حسینی لاہوریؒ سے، وہ (شیخ) سید عبداللہ بن عارفؒ سے، وہ (شیخ) بہاؤالدین حسین عاملیؒ سے، وہ (شیخ) عبداللہ یزدیؒ سے، وہ (شیخ) جمال الدین شیرازیؒ سے، وہ (علامہ، شیخ) جلال الدین دوانی ؒ سے راویت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) محمد علی لاہوریؒ راویت کرتے ہیں (شیخ) میرزا ابوالقاسم بن عباس جیلانی ؒ سے، وہ (شیخ) سید محمد باقر استرابادیؒ سے، وہ (شیخ) فخرالدین محمد بن حسین سماکیؒ سے، وہ (شیخ) جمال الدین

شیرازی سے اور وہ (محقق علامہ، شیخ) جلال (الدین) دوانی سے راویت کرتے ہیں۔

اسی طرح (میرزا ابوالقاسم بن عباس) جیلانی راویت کرتے ہیں (شیخ) سلطان حسین اللہ وشنی سے، وہ (شیخ) میرزا جانؒ سے، وہ (شیخ) جمال الدین محمود شیرازیؒ سے اور وہ (محقق، علامہ، شیخ) جلال (الدین) دوانی سے راویت کرتے ہیں۔

امام محمد سعید (سرہندیؒ) اور امام محمد معصوم (سرہندیؒ) دونوں حضرات راویت کرتے ہیں شیخ طاہر لاہوریؒ سے، وہ (شیخ) امیر فتح اللہ شیرازیؒ سے، وہ (شیخ) محمود شیرازیؒ سے اور وہ محقق (علامہ شیخ جلال الدین) دوانی سے راویت کرتے ہیں۔

علامہ قطب الدین سہالویؒ راویت کرتے ہیں (شیخ) عبدالسلام اعظمیؒ سے، وہ (شیخ) عبدالسلام لاہوریؒ سے، وہ (شیخ) امیر فتح اللہ شیرازیؒ سے، وہ (شیخ) جمال الدین محمود شیرازیؒ سے اور وہ محقق (علامہ شیخ جلال الدین) دوانی سے راویت کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ: اسی طرح (شیخ) ابوالفیضؒ اور (شیخ) ابوالفضلؒ اپنے والد شیخ مبارک بن خضر سندھی اکبرآبادیؒ سے راویت کرتے ہیں، وہ (شیخ) رفیع الدین صفوی اکبرآبادیؒ سے اور وہ محقق (علامہ شیخ) جلال الدین دوانی سے راویت کرتے ہیں۔

اور (شیخ) امیر فتح اللہ شیرازیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) غیاث الدین شیرازیؒ سے، وہ علامہ صدرالدین شیرازیؒ سے، جو کہ امام جلال الدین دوانی کے مخالف ہیں۔

اسی طرح (شیخ) عبدالرحمٰن بن مؤیدؒ راویت کرتے ہیں (شیخ) صدرالدین شیرازیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) غیاث الدین شیرازیؒ سے اور وہ (شیخ) قوام الدین کلیاریؒ سے راویت کرتے ہیں۔

فصل (2): اسانید علامہ (سید) شریف علی جرجانیؒ

(محقق، علامہ، شیخ) جلال (الدین) دوانیؒ راویت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) اسعد دوانیؒ اور (شیخ) مظہرالدین کازرونی سے اور وہ دونوں علامہ (سید) شریف (علی) جرجانی سے راویت کرتے ہیں۔

(شیخ) احمد شناویؒ راویت کرتے ہیں (شیخ) غضنفر نہروالیؒ سے، وہ (شیخ) عبدالرحمٰن بن مسعود کازرونی سے، وہ (شیخ) نورالدین احمد طاویؒ سے اور وہ علامہ (سید شریف علی) جرجانیؒ سے راویت کرتے ہیں۔

(شیخ) عارف جامیؒ راویت کرتے ہیں (شیخ) علی سمرقندیؒ سے اور وہ علامہ (سید شریف علی) جرجانی سے راویت کرتے ہیں۔

علامہ (محمد بن سلیمان) کافیجیؒ راویت کرتے ہیں محمد بن شہاب بن محمود خافی سے اور وہ علامہ (سید شریف علی) جرجانی سے راویت کرتے ہیں۔

(شیخ) محمد بن ادمغانؒ راویت کرتے ہیں (شیخ) فخر عجمیؒ سے اور وہ علامہ (سید شریف علی) جرجانیؒ سے راویت کرتے ہیں۔

فصل (3): اسانید علامہ (شیخ) سعدالدین مسعود تفتازانیؒ

(شیخ) جلال الدین دوانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) مظہرالدین کازرونیؒ سے اور وہ علامہ (شیخ سعدالدین مسعود) تفتازانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ محمد) قاسم بن قطلو بغاؒ اور (شیخ کمال الدین) ابن ہمامؒ دونوں روایت کرتے ہیں (شیخ بدرالدین محمود) عینیؒ سے، وہ (شیخ) یحییٰ سیرامیؒ سے اور وہ علامہ (شیخ سعدالدین مسعود) تفتازانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ محمد) قاسم بن قطلو بغاؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) علاؤالدین محمد بن محمد بن محمد بخاریؒ سے اور وہ (علامہ شیخ سعدالدین مسعود) تفتازانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ تقی الدین محمد) شمنیؒ اور (شیخ محبّ الدین محمد بن احمد) اقصرائیؒ دونوں روایت کرتے ہیں (شیخ) یحییٰ سیرامیؒ سے اور وہ علامہ (سعدالدین مسعود) تفتازانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

محقق (تقی الدین محمد) شمنیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) علاء (الدین محمد بن محمد) بخاریؒ سے اور وہ علامہ (سعدالدین مسعود) تفتازانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

علامہ (محمد بن سلیمان) کافیجیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) حیدرہ بن احمدؒ سے اور وہ علامہ (سعدالدین مسعود) تفتازانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عارف جامیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) شمس الدین جاجریؒ سے اور وہ علامہ (سعدالدین مسعود) تفتازانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

چوتھا باب

ائمہ شافعیہ اور مالکیہ وغیرہ کی اسانید

فصل (1): اسانید شیخ (حافظ) ابن حجر مکیؒ

امامِ ربانی (مجدد الف ثانیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) یعقوب صیرفی سیالکوٹیؒ سے اور وہ (شیخ حافظ) ابن حجر مکیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امامِ ربانی (مجدد الف ثانیؒ) کو (شیخ حافظ) ابن حجر مکیؒ سے عمومی اجازت حاصل ہے۔

شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالوہاب متقیؒ سے، وہ (شیخ) علی متقیؒ سے

اور وہ (شیخ حافظ) ابن حجر مکیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ابوالفیض (شیخ عبدالرحیم) دہلویؒ روایت کرتے ہیں شیخ محمد بن علاؤالدین بابلیؒ سے، وہ (شیخ) ابوبکر شنوانیؒ سے اور وہ (شیخ حافظ) ابن حجر مکیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): اسانید شیخ عبدالوہاب شعراوی (شعرانیؒ)

امام ابوالفیض (شیخ عبدالرحیم) دہلویؒ روایت کرتے ہیں شیخ ابراہیم کردیؒ سے وہ (شیخ) احمد قشاشیؒ سے، وہ (شیخ) احمد شناویؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) علی بن عبدالقدوس شناویؒ سے اور وہ شیخ عبدالوہاب شعراویؒ (461) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح شیخ ابراہیم کردیؒ روایت کرتے ہیں شیخ عبدالباقی حنبلیؒ سے، وہ شیخ عبدالرحمٰن بن یوسف حنبلی بہوتیؒ سے اور وہ شیخ عبدالوہاب شعراویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): اسانید امام جلال الدین سیوطیؒ

امامِ ربانی (مجدد الف ثانیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) بہلول بدخشی لاہوریؒ سے، وہ شیخ عبدالرحمٰن بن فہد مکیؒ سے، وہ اپنے چچا (شیخ) جاراللہ بن فہدؒ سے اور وہ امام (شیخ) جلال الدین سیوطیؒ (462) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ احمد) ابن (یونس) شلبیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) یوسف بن عبداللہ ارمیونیؒ سے اور وہ (امام جلال الدین) سیوطیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4): اسانید (شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ)

(شیخ) شہاب (الدین) خفاجیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) شمس (الدین) رملیؒ سے، وہ شیخ الاسلام (زکریا) انصاریؒ (463) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ احمد) ابن (یونس) شلبیؒ اور (شیخ) عبداللہ نحریریؒ دونوں روایت کرتے ہیں (شیخ) جمال یوسف بن زکریاؒ سے اور وہ اپنے والد شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (5): اسانید (شیخ) حافظ ابن حجر (عسقلانیؒ)

امام ابوالفیض (شیخ) عبدالرحیم دہلویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) میرزاہد اکبرآبادیؒ سے، وہ (شیخ) محمد فاضل بدخشیؒ سے، وہ (شیخ) محمد یوسف قراباغیؒ سے، وہ (شیخ) میرزا جان شیرازیؒ سے، وہ (شیخ) محمود شیرازیؒ سے، وہ (شیخ) جلال الدین دوانیؒ سے اور وہ (شیخ) حافظ ابن حجر (عسقلانیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

اور امامِ ربانی (مجدد الف ثانیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) بہلول بدخشیؒ سے، وہ (شیخ) عبدالرحمٰن بن

فہدؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) عبدالقادرؒ اور اپنے چچا (شیخ) جاراللہ بن عبدالعزیزؒ سے، وہ دونوں اپنے والد (شیخ) حافظ عبدالعزیز بن فہدؒ سے، وہ اپنے دادا (شیخ) حافظ تقی الدین محمد بن فہدؒ سے، وہ (شیخ) حافظ ابن حجر (عسقلانیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

ابن حجر مکیؒ روایت کرتے ہیں وہ شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ، (شیخ) عبدالحق سنباطیؒ اور (شیخ) جلال الدین سیوطیؒ سے، ان میں سے تیسرے (جلال الدین سیوطیؒ)، (شیخ) حافظ ابن حجر (عسقلانی) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) عبدالوہاب شعراویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ الاسلام) زکریا انصاریؒ سے اور وہ حافظ ابن حجر (عسقلانیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ سیف الدین) محمد قاسم بن قطلو بغاؒ اور (شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ دونوں (شیخ) حافظ ابن حجر (عسقلانیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (6): اسانید قطب اسماعیل (بن ابراہیم ہاشمی زبیدی) جبرتیؒ

شیخ عبدالحق دہلویؒ روایت کرتے ہیں شیخ عبدالوہاب متقی ؒ سے، وہ شیخ علی متقی ؒ سے، وہ (شیخ) ابوالحسن محمد بن محمد بکریؒ سے، وہ (شیخ) رضی الدین عامری غزیؒ سے، وہ (شیخ) عارف شرف الدین محمد بن زین الدین مراغیؒ سے اور وہ قطب اسماعیل بن ابراہیم ہاشمی جبرتی زبیدیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (7): اسانید امام احمد زروقؒ

شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ روایت کرتے ہیں شیخ عبدالوہاب متقی ؒ سے، وہ شیخ علی متقی ؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن محمد سخاویؒ سے، وہ (شیخ) طاہر زواویؒ سے، وہ (شیخ) احمد بن موسیٰ بنتینیؒ سے اور وہ امام احمد زروق ؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (8): اسانید شیخ الاسلام احمد بن علی وفائی مفلحی حنبلیؒ اور شیخ عبدالرحمٰن بہوتیؒ

امام ابوالفیض (شیخ) عبدالرحیم دہلویؒ روایت کرتے ہیں شیخ ابراہیم کردیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن محمد بن سلیمان دوانی ؒ سے، وہ (شیخ) ابوعبداللہ محمد بن بدرالدین بلبانی صالحیؒ سے اور وہ شیخ الاسلام شہاب الدین احمد بن علی وفائی مفلحی حنبلی قادریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح شیخ ابراہیم کردیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالباقی حنبلیؒ سے اور وہ (شیخ) عبدالرحمٰن بن یوسف حنبلی بہوتی ؒ سے روایت کرتے ہیں۔

چوتھی قسم

پانچویں دور ۵۴۲ھ - ۷۹۰ھ/ 1147ء - 1388ء

کے علما کی اسانید

☆

مقدمہ

باب اول

مسلمانوں کی ذہنیت کی تجدید کرنے والے بنیادی رہنماؤں کی اسانید

بالخصوص امام یوسف بن ایوب ہمدانی حنفیؒ کے اصحاب کا تذکرہ

دوسرا باب

(شیخ) برہانِ کبیر بخاریؒ کے اصحاب میں سے مذہب حنفی کے

اہم مجتہدین فقہا اور محدثین کی اسانید

تیسرا باب

تحصیل، اصول (فقہ)، جدال (مناظرہ) اور فلسفہ کے علوم وفنون

کے اہم رہنماؤں کی اسانید

خاتمہ ابواب قسم چہارم

مقدمہ

(اس دور کے تاریخی حقائق)

سلطان خسرو شاہ (464) غزنی سے آیا اور اس نے ۵۴۲ھ (1147ء) (465) میں (عباسی خلیفہ ابوعبداللہ محمد)مقتفی لامراللہ (بن مستنظہر باللہ) کے زمانۂ خلافت (۱۲/ ذوالحجہ ۵۳۰ھ/ ستمبر 1136ء تا ۲/ ربیع الاوّل ۵۵۵ھ مارچ 1160ء) میں لاہور کو اپنی سلطنت کا دارالحکومت بنایا۔ پھر ۵۸۲ھ (1186ء) میں لاہور سے غزنوی حکومت اور سلطنت ختم ہوگئی۔اس پرغوری حکومت کا ایک وزیر حاکم بن گیا۔ (466)

سلطان شہاب الدین غوریؒ کی جدوجہد اور کوشش سے ۵۸۹ھ (1193ء) میں دہلی فتح ہوا۔ پھر ۶۰۲ھ (1205ء) میں (عباسی خلیفہ) ناصرلدین اللہ کے زمانۂ خلافت (ذوالقعدہ ۵۷۵ھ/ 1180 تا آخر ماہِ رمضان ۶۲۲ھ/ 1225ء) میں سلطان قطب الدین (ایبک) دہلوی کی کوششوں سے ہندوستان میں مستقل حکومت کی بنیاد پڑی۔ (467)

ہندوستان کے سلاطین میں سے سلطان غیاث الدین بلبن، (سلطان) ناصر الدین محمود، (سلطان) شمس الدین اُلتمش، (سلطان) علاؤالدین اسکندر اور سلطان ابوالمجاہد محمد عادل، دنیا کے بڑے سلاطین میں سے گزرے ہیں۔ ان سلاطین کی وجہ سے دہلی میں علم و صلاح کے حامل اتنے لوگ جمع ہو گئے کہ جن کی مثال مسلمان ممالک میں کہیں اورنہیں ملتی۔

اس (پانچویں) دور (۵۴۲ھ/ 1147ء تا ۷۹۰ھ/ 1388ء) میں ہندوستان کی حکومت و سلطنت، خلافتِ اسلامیہ کے بعض حقوق کوتسلیم کرنے کے باوجود اپنے تمام اداروں میں ایک مستقل حکومت تھی۔ یہاں تک کہ ۸۰۱ھ (دسمبر 1398ء) میں امیر تیمور (گورگان نے ہندوستان پر حملہ کیا اور) دہلی آیا۔
اس (تیموری انقلاب) نے ہندوستانیوں سے (خلافتِ اسلامیہ سے وابستگی کے رہے سہے) فکر اور تصور کو بھی ختم کر کے رکھ دیا۔اس کے بعد ہندوستانی حکمرانوں نے قومی اور وطنی سیاست کے اصولوں سے اپنی وابستگی کا آغاز کیا۔

باب اوّل

مسلمانوں کی ذہنیت کی تجدید کرنے والے بنیادی رہنماؤں کی اسانید بالخصوص امام یوسف بن ایوب ہمدانی حنفی کے اصحاب کا تذکرہ

پہلی نوع

مجددین فقہا اور عارفین کے امام سیدنا محی الدین ابومحمد عبدالقادر جیلانیؒ کی اسانید

فصل (1)

امام محی الدین قدس سرہٗ کی اولاد میں سے ہندوستان آنے والے حضرات کا تذکرہ

(1۔امام شیخ علاؤالدین علی احمد صابر کلیری قادریؒ)

ہندوستان میں امام (شیخ عبدالقادر جیلانیؒ) کی اولاد میں سے ہماری معلومات کے مطابق جس فرد نے سب سے پہلے ہندوستان میں سکونت اختیار کی، وہ شیخ علاؤالدین علی احمد صابر کلیریؒ ہیں۔ وہ سید عبدالرحیم بن عبدالسلام بن امام عبدالوہاب بن امام محی الدین (شیخ عبدالقادر جیلانیؒ) کے بیٹے ہیں۔ (468)

وہ سلسلۂ چشتیہ کے ائمہ میں سے بڑے امام تھے۔انھوں نے ۶۹۰ھ (1291ء) میں وفات پائی۔

انھوں نے شیخ الاسلام (خواجہ) فریدالدین (گنج شکر) اجودھنیؒ سے فیض حاصل کیا اور انھوں نے امام قطب الدین (بختیار) کاکی دہلویؒ سے اور انھوں نے ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کے بانی اور مؤسس امام (خواجہ) معین الدین چشتی اجمیریؒ سے تعلیم حاصل کی۔

اسی طرح انھوں نے ''مثنوی (رومی)'' کی تعلیم (خواجہ) قطب (الدین بختیار کاکی) دہلویؒ سے حاصل کی، اور انھوں نے (شیخ) شمس الدین رومیؒ سے، انھوں نے (شیخ) عبداللہ رومیؒ سے، انھوں نے

(کتاب کے مصنف شیخ) جلال الدین رومیؒ سے اُن کی کتاب کی تعلیم حاصل کی۔

اسی طرح شیخ الاسلام (خواجہ فرید الدین گنج شکر) اجودھنیؒ نے شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے بھی تعلیم حاصل کی۔ اور امام محی الدین (شیخ) عبد القادر جیلانیؒ سے بھی اخذ و روایت کی ہے۔

(2۔ شیخ محمد حلبی اُچی قادریؒ)

ان کے بعد ۸۸۷ھ (1452ء) میں سلسلۂ قادریہ کے ائمہ میں سے ایک امام، شیخ محمد حلبی بن شمس الدین (نصر بن شاہ میر) بن علی بن مسعود بن (ابو العباس) احمد بن صفی الدین بن امام عبد الوہاب بن امام عبد القادر (جیلانیؒ، دریائے) سندھ کے (کنارے) ایک شہر ''اُچ'' میں تشریف لائے۔ انھوں نے ۹۲۲ھ (1516ء) میں وفات پائی۔

ان کے بیٹے شیخ عبد القادر ثانیؒ بہت عظیم الشان امام تھے، جن کا انتقال ۹۴۰ھ (1533ء) میں ہوا۔ امام محمد اُچیؒ کی اولاد اور ان کے پیروکاروں سے سلسلۂ (قادریہ) بہت زیادہ پھیلا۔

(3۔ سید اسماعیل بن سید ابدال لاہوری قادریؒ)

ان کے بعد سید اسماعیل بن سید ابدال بن نصر بن (محمد بن) موسیٰ بن عبد الجبار بن ابو صالح (نصر) بن عبد الرزاق بن امام محی الدین (جیلانی لاہوری) قدس سرہٗ ہندوستان کے شہروں (لاہور اور دہلی) سے ہوتے ہوئے (ایک شہر) ''رنتھنبور'' میں تشریف لائے۔ وہ بھی (سلسلۂ قادریہ کے) امام ہیں۔ انھوں نے ۹۹۴ھ (1585ء) میں وفات پائی۔ (469)

ان سے ہندوستان کے مشائخ میں سے تین مشائخ نے فیض حاصل کیا:

[۱] شیخ محمد بن حسن بن طاہرؒ [۲] شیخ امان اللہؒ [۳] شیخ عبد الرزاقؒ

(4۔ سید شاہ قمیص قادری ساڈھورویؒ)

اسی زمانے میں سید شاہ قمیص بن ابو الحیات بن محمود بن محمد بن احمد بن داؤد بن علی بن ابو صالح نصر بن عبد الرزاق بن امام عبد القادر (جیلانیؒ، قادری ساڈھوروی) ہندوستان تشریف لائے۔ انھوں نے ۹۹۲ھ (1584ء) میں وفات پائی۔ (470)

فصل (2): امام عبد الوہاب جیلانی بغدادیؒ کے واسطے سے میری اسناد کا ذکر

(اور سلسلۂ قادریہ راشدیہ سے میرا تعلق)

میں نے اپنے شیخ، سید العارفین، حافظ محمد صدیق (بھرچونڈی) سندھیؒ کے ہاتھوں پر بیعت کی ہے۔ انھوں نے مجھے ''ذکرِ جلی'' اور ''ذکرِ خفی'' کی تلقین فرمائی۔

پھر میں نے اپنے شیخ ابوالسراج غلام محمد دین پوریؒ کی صحبت اختیار کی اور میں نے اُن سے ''اشغال'' اور ''اذکار'' حاصل کیے۔

میں نے اپنے شیخ ابوالحسن تاج محمود امروٹیؒ کی صحبت اختیار کی اور انھوں نے مجھے طریقت کے سلسلے کی دوسروں کو تلقین کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ یہ دونوں حضرات ہمارے شیخ سید العارفین (حافظ محمد صدیق بھرچونڈی سندھیؒ) کے خواص اصحاب میں سے ہیں۔

ہمارے شیخ، سید العارفین (حافظ محمد صدیق بھرچونڈی سندھیؒ) نے سید محمد حسن لاہوری سندھیؒ سے سلسلے کا فیض حاصل کیا اور انھوں نے سلسلۂ راشدیہ (قادریہ) کے بانی امام محمد راشد حسینی (روضہ دھنی) سندھیؒ سے طریقت کا سلسلہ حاصل کیا ہے۔

اسی طرح میں نے شیخ امام رشید الدین (پیر جھنڈا سوم) کی صحبت اختیار کی اور اُن سے اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی تلقین حاصل کی۔ انھوں نے اپنے بھائی (شیخ) سید محمد فضل اللہ (پیر جھنڈا دوم) سے، ان دونوں نے اپنے والد (شیخ) سید محمد یٰسین (پیر جھنڈا اول) سے، انھوں نے اپنے والد (شیخ) امام محمد راشد حسینی (روضہ دھنی سندھیؒ) سے، انھوں نے اپنے والد (شیخ) سید محمد بقا حسینی لکیاری سندھیؒ سے اور (شیخ) سید محمد بقاؒ نے ''شیرگڑھ'' میں مقیم (شیخ) سید عبدالقادر خامس سے، اور انھوں نے اپنے آباؤ اجداد کے تسلسل سے امام عبدالقادر ثانی (اُچیؒ) سے فیض حاصل کیا۔ اس سلسلے کے بزرگوں کے نام اس وقت میرے سامنے نہیں ہیں۔ (471)

شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ ابوالحسن جمال الدین) سید موسیٰ (پاک) شہیدؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ سید) حامد (گنج بخش گیلانی) سے، وہ (اپنے والد شیخ) عبدالرزاق سے، وہ اپنے والد امام عبدالقادر ثانیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) محمد حلبی اُچیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) شمس الدینؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) علیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) مسعودؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ ابوالعباس) احمدؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) صفی الدینؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) سیف الدین (سید) عبدالوہابؒ سے اور وہ اپنے والد امام محی الدین ابومحمد عبدالقادر جیلانیؒ (472) سے روایت کرتے ہیں۔

رضی اللہ عنہم۔ (اللہ تعالیٰ ان تمام سے راضی ہو)

فصل (3): امام عبدالرزاق جیلانی بغدادیؒ کے واسطے سے میری اسانید

میں نے اپنے شیخ، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی صحبت اختیار کی اور ان سے کلمہ توحید کی تلقین حاصل کی، انھوں نے روایت کیا ہے مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ سے، انھوں نے امیر امداد اللہ تھانوی (مہاجر مکیؒ) سے، انھوں نے شیخ نور محمد جھنجھانویؒ سے، انھوں نے (شیخ) سید عبدالرحیم (ولایت) شہیدؒ سے، انھوں

نے (شیخ) سید رحم علی (ساڈھوروی) سے، انھوں نے (شیخ) سید عبدالحق سے، انھوں نے (شیخ) سید محمد غوث سے، انھوں نے (شیخ) سید ابومحمد سے، انھوں نے (شیخ) شاہ محمد سے، انھوں نے (شیخ) سید قمیص سے، انھوں نے (شیخ) سید الیاس مغربی سے، انھوں نے (شیخ) سید عبدالحق مغربی سے، انھوں نے (شیخ) سید مولانا مغربی سے، انھوں نے (شیخ) سید احمد القدس سے، انھوں نے (شیخ) سید عبدالقادر رأس سے، انھوں نے (شیخ) سید عبدالوہاب سے، انھوں نے (شیخ) سید موسیٰ سے، انھوں نے (شیخ) سید یحییٰ زاہد سے، انھوں نے (شیخ) سید زین الدین سے، انھوں نے (شیخ) سید امام عبدالرزاق (بغدادی جیلانی) سے اور انھوں نے اپنے والد امام محی الدین ابومحمد عبدالقادر جیلانی کی صحبت اٹھائی ہے۔ (473)

امام (شاہ) ولی اللہ دہلوی روایت کرتے ہیں شیخ محمد افضل (سیالکوٹی) دہلوی اور شیخ ابوطاہر (کردی) مدنی سے، اور یہ دونوں حضرات شیخ عبداللہ بن سالم بصری سے اور وہ (شیخ) سید سعداللہ سلونی الہٰ آبادی سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح ہمارے شیخ، شیخ الہند (مولانا محمود حسن دیوبندی) روایت کرتے ہیں مولانا شیخ عبدالغنی دہلوی سے، وہ شیخ اسماعیل رومی مدنی سے، وہ علامہ (شیخ) محمد آفندی سے، وہ علامہ (شیخ) سید مرتضیٰ بلگرامی سے، وہ علامہ (شیخ) محی الدین نورالحق بن عبداللہ حسینی سے، وہ (شیخ) سید سعداللہ بن محمد ہندی سے، وہ (شیخ) معمر شیخ عبدالشکور حسینی سے، وہ (شیخ) مسعود اسفرائنی سے، وہ شیخ علی حسینی سے، وہ شیخ جعفر احمد حسینی سے، وہ شیخ ابراہیم حسینی سے، وہ شیخ عبداللہ حسینی سے، وہ شیخ (امام) عبدالرزاق بغدادی سے اور وہ اپنے والد امام محی الدین ابومحمد عبدالقادر جیلانی سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امام ربانی (مجدد الف ثانی) روایت کرتے ہیں اپنے والد شیخ عبدالاحد سرہندی سے اور وہ شیخ کمال (الدین) کیتھلی (474) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امامِ ربانی (مجدد الف ثانی) روایت کرتے ہیں شیخ سکندر (کیتھلی) سے، وہ اپنے دادا شیخ کمال (الدین کیتھلی) سے، وہ (شیخ) سید فضیل سے، وہ (شیخ) سید گدا رحمٰن سے، وہ (شیخ) سید شمس الدین عارف سے، وہ (شیخ) سید گدا رحمٰن بن ابوالحسن سے، وہ (شیخ) شمس الدین صحرائی سے، وہ (شیخ) سید عقیل سے، وہ (شیخ) سید بہاؤالدین سے، وہ (شیخ) سید عبدالوہاب سے، وہ (شیخ) سید شرف الدین قتال سے، وہ (شیخ) سید (امام) عبدالرزاق سے اور وہ اپنے والد امام عبدالقادر جیلانی سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح شیخ عبدالحق (محدث) دہلوی روایت کرتے ہیں (شیخ) وجیہ الدین علوی سے، وہ (شیخ) محمد بن خطیر الدین گوالیاری سے، وہ شیخ حمید سے، وہ (شیخ) ہدایت اللہ سے، وہ (شیخ) علاؤالدین شطاری سے، وہ (شیخ) عبدالوہاب قادری سے، وہ (شیخ) عبدالرؤف قادری سے، وہ (شیخ) محمود قادری سے، وہ (شیخ)

علی حسینیؒ سے، وہ (شیخ) جعفر بن احمد حسینیؒ سے، وہ (شیخ) ابراہیم حسینیؒ سے، وہ (شیخ) عبداللہ قادریؒ سے، وہ (شیخ امام سید) عبدالرزاق قادریؒ سے اور وہ اپنے والد امام عبدالقادر جیلانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امام عبدالعزیز بن طاہر دہلویؒ، شیخ رکن الدین گنگوہیؒ اور شیخ نظام الدین کاکورویؒ تینوں حضرات روایت کرتے ہیں (شیخ) سید ابراہیم بن معین الدین ایرجی دہلویؒ (475) سے، وہ شیخ بہاؤالدین جیندی شطاریؒ (476) سے، وہ اپنے والد (شیخ) ابوالعباس احمدؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) حسنؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) موسیٰ سے، وہ اپنے والد (شیخ) علیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) محمدؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) حسنؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) محمدؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) ابونصرؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) ابوصالح سے، وہ اپنے والد (شیخ امام) عبدالرزاق سے اور وہ امام محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4): (شیخ) شمس الدین حدادؒ (کے واسطے سے) اسانید

(شیخ) سید جلال الدین (سرخ بخاری کبیر) اُچیؒ روایت کرتے ہیں شیخ ابوالمکارم فاضلؒ سے، وہ شیخ قطب الدین ابوالغیثؒ سے، وہ شیخ شمس الدین علی افلحؒ سے، وہ شمس الدین حدادؒ (477) سے اور وہ امام محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح شیخ (قطب الدین) ابوالغیثؒ روایت کرتے ہیں قطب ابوالاشبال علی بن عمر اَہدلؒ سے اور وہ قطب سیدی محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (5): اسانید امام محی الدین محمد بن علی بن عربیؒ (ابن عربی)

امام (شاہ) ولی اللہ دہلویؒ روایت کرتے ہیں شیخ ابوطاہر کردی (مدنیؒ) سے، وہ اپنے والد (شیخ) ابراہیم کردیؒ سے، وہ (شیخ) احمد قشاشیؒ سے، وہ (شیخ) احمد شناویؒ سے، وہ (شیخ) ابوعلی بن عبدالقدوس شناویؒ سے، وہ (شیخ) امام عبدالوہاب شعراویؒ (شعرانی) سے، وہ (شیخ) جلال الدین سیوطیؒ سے، وہ (شیخ) کمال الدین محمدؒ سے، وہ (شیخ) شمس الدین محمد بن محمد بن جزریؒ سے، وہ (شیخ) عمر بن اَمیلہ مراغیؒ سے، وہ (شیخ) عز احمد بن ابراہیم فاروقیؒ سے اور وہ امام (شیخ اکبر) محی الدین محمد بن علی بن عربیؒ (ابن عربی) (478) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح شیخ عبدالحق (محدث) دہلویؒ روایت کرتے ہیں شیخ عبدالوہاب متقیؒ سے، وہ (شیخ) علی متقیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالحسن بکریؒ سے، وہ (شیخ) رضی الدین عامری غزیؒ سے، وہ (شیخ) عارف شریف الدین محمد بن زین الدین عثمانی مراغیؒ سے، وہ (شیخ) قطب اسماعیل بن ابراہیم ہاشمی جبرتیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالحسن علی بن عمروانیؒ سے اور وہ (شیخ اکبر) محی الدین ابن عربیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) شمس (الدین) فناریؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) حمزہ فناریؒ سے، وہ (شیخ) صدرالدین قونویؒ سے، وہ (شیخ) محی الدین ابن عربیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (علامہ سید) شریف علی جرجانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) قطب الدین رازیؒ سے، وہ علامہ قطب الدین شیرازیؒ سے، وہ عارف صدرالدین قونویؒ (479) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (علامہ سید) شریف علی جرجانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) اکمل الدین بابرتیؒ سے، وہ (شیخ) محمود بن عبدالرحمٰن اصفہانیؒ سے، وہ علامہ قطب الدین شیرازیؒ سے، وہ (شیخ) عارف صدرالدین قونویؒ سے اور وہ (شیخ اکبر) محی الدین محمد بن علی بن عربیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) علاؤالحق (بن اسعد لاہوری) بنگالیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) سراج الدین (عثمان) اَوَدھیؒ سے، وہ سلطان المشائخ (خواجہ) نظام الدین (اولیا) دہلویؒ سے، وہ شیخ الاسلام (خواجہ) فریدالدین (گنج شکر) اجودھنیؒ سے، وہ (شیخ) سعدالدین حموی لاہوریؒ سے، وہ (شیخ اکبر) محی الدین ابن العربیؒ سے، وہ (شیخ) جمال الدین یونس بن یحییٰ بن ابوالبرکات ہاشمیؒ سے اور وہ امام محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (6): امام شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (کے واسطے سے) اسانید

امام جلال الدین حسینی بخاری اُچی (مخدوم جہانیاں جہان گشتؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) سید احمد کبیر بخاریؒ سے، وہ اپنے والد امامِ کبیر (شیخ) جلال الدین کبیر (سرخ) بخاری اُچیؒ سے، وہ امام بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ سے اور وہ امام شہاب الدین سہروردیؒ (480) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح شیخ عبدالحق ردولویؒ روایت کرتے ہیں شیخ جلال الدین پانی پتیؒ سے، وہ شیخ شمس الدین پانی پتیؒ سے، وہ شیخ علاؤالدین علی احمد صابری قادریؒ سے، وہ شیخ الاسلام (خواجہ) فریدالدین (گنج شکر) اجودھنیؒ سے، وہ امام شہاب الدین سہروردیؒ سے اور وہ امام محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

دوسری نوع

ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کے بانی امام معین الدین اجمیریؒ کی اسانید

فصل (1): اسانید شیخ نصیرالدین محمود 'سراجِ دہلی'

(علامہ غلام علی) آزاد بلگرامیؒ نے ''سُبحة المرجان'' میں لکھا ہے کہ:

''شیخ نصیرالدین محمود اور آپؒ کے اکثر خلفائے کرام — اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو منور فرمائے — کا طریقۂ کار شریعت نبوؐیہ کی سنتوں پر عمل پیرا ہونا اور دینی علوم کی تدریس میں مشغول رہنا تھا۔

شیخ (نصیرالدین محمود) قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ:

''ایک شرعی مسئلے میں غور وفکر کرنا، ایسی ہزار رکعت سے افضل اور بہتر ہے، جن میں عُجب (اپنے آپ کو نیک سمجھنا) اور ریا کاری شامل ہو۔''

شیخ نصیرالدین محمودؒ کا انتقال ۱۸/ رمضان المبارک ۷۵۷ھ (28/ اگست 1356ء) کو اشراق کے وقت ہوا۔ ان کی مرقدِ معطر (عطر بیز قبر) دہلی میں ہے۔'' انتھیٰ (481)

ملک العلما (شیخ) شہاب الدین ہندیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) قاضی عبدالمقتدر دہلویؒ اور شیخ محمد خواجگیؒ دہلویؒ سے اور یہ دونوں حضرات امام نصیرالدین (محمود) دہلویؒ (482) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح شیخ فتح اللہ (بن نظام الدین صوفی) اَودھیؒ روایت کرتے ہیں شیخ صدرالدین حکیم (احمد بن شہاب دہلویؒ) سے اور وہ امام نصیرالدین (محمود) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امام عبدالقدوس گنگوہیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابن حکم اَودھیؒ سے، وہ (شیخ) صدرالدین اَودھیؒ سے، وہ (شیخ) سید محمد یوسف حسینی دہلویؒ سے اور وہ (شیخ) امام نصیرالدین دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): اسانید سلطان المشائخ، امام نظام الدین دہلویؒ

(سید غلام علی) آزاد بلگرامیؒ فرماتے ہیں کہ:

''شیخ نصیرالدین (محمود) اور سلطان المشائخ نظام الدین بدایونی دہلویؒ کے سچے خلیفہ اور ان کے سجادہ نشین تھے۔'' انتھیٰ (483)

(شیخ) قاضی عبدالمقتدر دہلویؒ، شیخ نصیرالدین محمود (دہلویؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امام علاؤالحق لاہوری ثم بنگالیؒ، شیخ سراج الدین (عثمان) اَودھیؒ (484) سے روایت کرتے ہیں۔

یہ دونوں حضرات سلطان المشائخ (خواجہ) نظام الدین (اولیا) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): اسانید شیخ الاسلام (خواجہ) فریدالدین (گنج شکر) اجودھنیؒ

ملک العلما (شیخ) شہاب الدین ہندی (دولت آبادیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ قاضی) عبدالمقتدر

(دہلویؒ) سے، وہ (شیخ) نصیرالدین (محمود دہلویؒ) سے، وہ (سلطان المشائخ) نظام الدین (دہلویؒ) سے اور وہ شیخ الاسلام (خواجہ) فریدالدین (گنج شکر اجودھنیؒ) (485) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) ابدال احمد ردولویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) جلال الدین (محمود عثمانی) پانی پتیؒ سے، وہ (شیخ) شمس الدین (ترک) پانی پتیؒ (486) سے، وہ (شیخ) علاؤالدین (علی احمد صابر کلیریؒ) سے اور وہ شیخ الاسلام (خواجہ) فریدالدین (گنج شکر اجودھنی) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) علی متقیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالحکیمؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) ابن معزالدینؒ سے، وہ (شیخ) رحمت اللہؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) عزیز اللہؒ سے، وہ (شیخ) رکن الدین مودود (چشتیؒ) سے اور وہ شیخ الاسلام فریدالدین (گنج شکر اجودھنیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4): اسانید امام قطب الدین (خواجہ بختیار) کا کی دہلویؒ

امام نصیرالدین (محمود) دہلویؒ روایت کرتے ہیں سلطان المشائخ نظام الدین دہلویؒ (487) سے، وہ شیخ الاسلام (خواجہ) فریدالدین (گنج شکر) اجودھنیؒ سے اور وہ امام قطب الدین (بختیار کا کی) دہلویؒ (488) سے روایت کرتے ہیں۔

امام سراج الدین (عثمان) اَوَدھیؒ روایت کرتے ہیں سلطان المشائخ (نظام الدین دہلویؒ) سے، وہ (شیخ) کمال الدین زاہدؒ سے، وہ (شیخ) برہان محمود بلخی دہلویؒ سے اور وہ امام قطب الدین (بختیار کا کی) دہلویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (5): اسانید امام (خواجہ) معین الدین حسن حسینی (چشتی) اجمیریؒ

سلطان المشائخ امام نظام الدین دہلویؒ، امام علاؤالدین صابر کلیریؒ اور شیخ رکن الدین مودود چشتیؒ تینوں حضرات روایت کرتے ہیں شیخ الاسلام (خواجہ) فریدالدین (گنج شکر) اجودھنی سے، وہ امام قطب الدین دہلویؒ سے اور وہ شیخ الاسلام، امام (خواجہ) معین الدین (حسن حسینی) چشتی اجمیریؒ (489) سے روایت کرتے ہیں۔

تیسری نوع

(سلسلۂ سہروردیہ کے بانی) امام ابونجیب عبدالقاہر سہروردی بغدادیؒ کی اسانید

فصل (1): اسانید امام نجم الدین کُبریٰ

امیر (کبیر سید) علی ہمدانی کشمیریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) شرف الدین محمود عبداللہ مرزوقانیؒ اور شیخ

تقی الدین علی دوستی سمنانیؒ سے، یہ دونوں حضرات امام الدولہ احمد بن محمد بن سمنانیؒ سے، وہ شیخ آذر الدین عبدالرحمٰن اسفرائنیؒ سے، وہ شیخ جمال الدین احمد جوزقانیؒ سے، وہ شیخ رضی الدین علی لالاغزنویؒ سے، وہ شیخ نجم الدین (کبریٰ) ابوالجناب احمد بن عمر بن محمد خوارزمی امام شہیدؒ (490) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح شیخ محمد بن خطیر الدین گوالیاریؒ روایت کرتے ہیں شیخ حمیدؒ سے، وہ (شیخ) ہدایت اللہؒ سے، وہ (شیخ) علاؤالدین شطاریؒ سے، وہ (شیخ) علی بدایوانیؒ سے، وہ (شیخ) کریم الدین اوَدھیؒ سے، وہ (شیخ) جمال الدین اوَدھیؒ سے، وہ امام احمد بن یحییٰ مُنیریؒ سے، وہ (شیخ) نجیب الدین فردوسی دہلویؒ سے، وہ (شیخ) رکن الدین فردوسی دہلویؒ سے، وہ (شیخ) بدرالدین سمرقندی دہلویؒ سے، وہ (شیخ) سیف الدین باخرزیؒ سے اور وہ (شیخ) امام نجم الدین کُبریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح ملک العلما (شیخ) شہاب (الدین) ہندی (دولت آبادیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) قاضی عبدالمقتدر (دہلویؒ) سے، وہ شیخ نصیرالدین (محمود دہلویؒ) سے، وہ سلطان المشائخ نظام الدین (دہلویؒ) سے، وہ شیخ الاسلام (خواجہ) فریدالدین (گنج شکر اجودھنیؒ) سے، وہ (شیخ) سعدالدین حمویؒ اور (شیخ) سیف الدین باخرزیؒ سے اور یہ دونوں حضرات امام نجم الدین کبریٰ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح علامہ (سید شریف) علی جرجانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) علاؤالدین عطارؒ سے، وہ (شیخ خواجہ) بہاؤالدین نقشبندؒ سے، وہ (شیخ) سلطان الدینؒ سے، وہ شیخ احمدؒ سے، وہ (شیخ) کمال حیدریؒ سے اور وہ امام نجم الدین کبریٰ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): اسانید امام شہاب الدین سہروردیؒ

شیخ الاسلام جلال الدین بخاری اُچی (مخدوم جہانیاں جہان گشتؒ) روایت کرتے ہیں شیخ الاسلام ابوالفتح رکن الدین ملتانیؒ سے، وہ شیخ الاسلام صدرالدین عارف (ملتانیؒ) سے اور وہ شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح شیخ الاسلام سید جلال الدین بخاری (اُچی مخدوم جہانیاں جہان گشتؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) سید احمد کبیرؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) سید جلال الدین کبیر بخاری اُچیؒ سے، وہ شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا (ملتانیؒ) سے اور وہ امام شہاب الدین سہروردیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح شیخ الاسلام (خواجہ) فریدالدین (گنج شکر) اجودھنیؒ روایت کرتے ہیں شیخ سعدالدین حمویؒ سے اور وہ امام شہاب الدین سہروردیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح شیخ الاسلام (خواجہ) فریدالدین (گنج شکر) اجودھنیؒ امام شہاب الدین سہروردیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): اسانید امام ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردیؒ

امام نجم الدین کبریٰ روایت کرتے ہیں (شیخ) عمار بن یاسرؒ سے اور وہ امام ابـو النجیب (عبدالقاہر) سہروردیؒ (491) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امام شہاب الدین سہروردیؒ اپنے چچا امام ابوالنّجیب عبدالقاہر سہروردیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

چوتھی نوع

طریقۂ نقشبندیہ کے پہلے بانی امام عبدالخالق غجدوانی کی اسانید

امام بہاؤالدین نقشبند بخاریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) امیر کلال بخاریؒ (492) سے، وہ شیخ معمر (خواجہ بابا) محمد سماسیؒ (493) سے، وہ شیخ علی رامیتنیؒ (494) سے، وہ شیخ ابوالخیر فغنویؒ (495) سے، وہ شیخ عارف ریوگریؒ (496) سے اور وہ امام (خواجہ) عبدالخالق بن عبدالجلیل غجدوانیؒ (497) سے روایت کرتے ہیں۔

پانچویں نوع

اسانید امام ابومدین شعیب بن حسن مغربیؒ

فصل (1): اسانید (شیخ) حافظ ابوعبداللہ جلاسؒ

قطب اسماعیل جبرتیؒ روایت کرتے ہیں شیخ فجاعیؒ سے، وہ (شیخ) برہان الدین علویؒ سے، وہ (شیخ) ابوالعباس احمد بن ابراہیمؒ سے، وہ (شیخ) ابوالفضل قاسم بن سعد بن محمدؒ سے اور وہ (شیخ) حافظ ابوعبداللہ بن یوسف جلاسؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): اسانید (شیخ) حافظ (علاؤالدین) مغلطائی (حنفیؒ)

(شیخ) سعید جزائریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) سعید مقریؒ سے، وہ (شیخ) احمد بن حجی وہرانیؒ سے، وہ شیخ الاسلام ابراہیم تازیؒ سے، وہ (شیخ) صالح بن محمد زواویؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن مخلصؒ سے، اور وہ (شیخ علاؤالدین) حافظ مغلطائی بن قیلج حنفیؒ (498) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): اسانید امام ابومدین (شعیب بن حسن) مغربیؒ

(شیخ) حافظ ابوعبداللہ جلاسؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوبکر محمد بن یوسف بن سدی ازدیؒ سے، وہ (شیخ) احمد بن ابوجعفر خزاعیؒ سے اور وہ امام ابومدین (شعیب بن حسن) مغربیؒ (499) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) حافظ (علاؤالدین) مغلطائیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوعبداللہ عربانؒ سے، وہ شیخ جماعتؒ سے، وہ (شیخ) ابومحمد باجوریؒ سے، وہ (شیخ) قطب ابومحمد صالحؒ سے اور وہ امام ابومدین (شعیب بن حسن) مغربیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) اسماعیل جبرتیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) علی بن عمر وانیؒ سے، وہ (شیخ) محی الدین محمد بن علی بن عربی شیخ اکبرؒ سے اور وہ امام ابومدین (شعیب بن حسن) مغربیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

تکمیل انواع بابِ اوّل؛ اسانید امام ابویوسف بن ایوب ہمدانی حنفیؒ

امام شہاب الدین سہروردیؒ اور امام ابومدین شعیب (بن حسن) مغربیؒ دونوں حضرات، امام محی الدین ابومحمد عبدالقادر جیلانی بغدادیؒ سے اور وہ امام یوسف بن ایوب ہمدانیؒ (500) سے روایت کرتے ہیں۔

امام (خواجہ) معین الدین چشتی اجمیری حنفیؒ روایت کرتے ہیں شیخ الامام، امام زادہ محمد بن ابوبکر بخاری حنفیؒ سے اور وہ امام یوسف بن ایوب ہمدانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام بہاؤالدین نقشبند بخاریؒ اپنی حنفی اساتذہ کی مسلسل اسناد کے ساتھ امام عبدالخالق بن عبدالجمیل غجدوانی حنفی سے روایت کرتے ہیں اور وہ امام یوسف بن ہمدانی حنفیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

دوسرا باب
(شیخ) برہانِ کبیر بخاریؒ کے اصحاب میں سے مذہب حنفی کے اہم مجتہدین فقہا اور محدثین کی اسانید

پہلی نوع
امام، مجتہد، شیخ الاسلام علی بن ابوبکر بن عبدالجلیل مرغینانیؒ "صاحبِ ہدایہ" کی اسانید

فصل (1): اسانید امام جلال الدین کرلانیؒ

(شیخ) بدرالدین عینیؒ، (شیخ) سراج الدین "قاریٔ ہدایہ"، (شیخ تقی الدین محمد) شمنیؒ اور (شیخ محبّ الدین محمد بن احمد) اقصرائیؒ چاروں روایت کرتے ہیں (شیخ) علاءالدین سیرامیؒ سے، وہ (شیخ) جلال الدین کرلانی کا فیجیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن شہاب خافیؒ سے اور وہ (شیخ) عبدالاوّل مرغینانی سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) سعدالدین دیریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) حافظ الدین بزازیؒ سے، وہ اپنے والد سے اور یہ دونوں (شیخ عبدالاوّل اور والد حافظ بزازیؒ) حضرات (امام) جلال الدین کرلائیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): اسانید امام عبداللہ بن حجاج کاشغری (جمالؒ)

(شیخ سیف الدین محمد) قاسم بن قطلو بغاؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) احمد بن عثمان کلوثانیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن علی بن ضرغامؒ سے اور وہ (امام عبداللہ بن حجاج) کاشغری جمالؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) محمد بن ابراہیم مرشدیؒ، (شیخ) محمد بن علی قرشی مکیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) ابوالبقا اور (شیخ) ابو حامد دونوں روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) احمد بن ضیا مکی ؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن علی قرشیؒ سے اور وہ (شیخ امام) عبداللہ بن حجاج کاشغری (جمالؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): اسانید امام، حافظ، قطب الدین عبدالکریم بن محمد بن عبدالنور حلبیؒ

(شیخ) ابوحامد محمد بن احمد بن ضیا عمری مکیؒ اور (شیخ) ابوالبقا محمد بن احمد بن ضیا عمری مکیؒ دونوں روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) احمد بن ضیا مکیؒ سے، وہ دو حضراتِ علامہ (شیخ) محی الدین عبدالقادر بن محمد قرشی مکی حافظؒ اور (شیخ) شمس الدین محمد بن علی بن محمد قرشی مکی حافظؒ سے، اور یہ دونوں حضرات (شیخ) قطب عبدالکریم بن محمد بن عبدالنور حلبی حافظؒ (501) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) جمال محمد بن ابراہیم مرشدیؒ اور (شیخ) عز (الدین) بن فراتؒ دونوں روایت کرتے ہیں (شیخ) سراج الدین عمر بن اسحاق ہندیؒ (502) سے اور وہ قطب (الدین شیخ عبدالکریم) حلبیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) محمد قاسم بن قطلو بغا حافظؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محی الدین عبدالقادر بن محمد (قرشی) حافظؒ سے اور وہ قطب الدین (شیخ عبدالکریم) حلبی حافظؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ قاضی) عبدالمقتدر دہلویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) جمال مرشدیؒ سے، وہ (شیخ) سراج (الدین عمر بن اسحاق) ہندیؒ سے اور وہ قطب (الدین شیخ عبدالکریم بن محمد بن عبدالنور) حلبی حافظؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4): اسانید امام علاؤالدین عبدالعزیز بن احمد بن محمد بخاریؒ

(شیخ) سعدالدین دیریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالکریم کرمانیؒ سے، وہ (شیخ) برہان بلغاریؒ سے، وہ (شیخ) عزالدین محمد بن محمد خبازیؒ سے اور وہ امام (علاؤالدین) عبدالعزیز (بن احمد بن محمد) بخاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) شمس فناریؒ، (شیخ ابوالولید) ابن شحنہؒ، (علامہ سید شریف) علی جرجانیؒ، (شیخ جمال محمد بن ابراہیم) مرشدیؒ اور (شیخ عزالدین) ابن فراتؒ پانچوں حضرات روایت کرتے ہیں (شیخ) اکمل الدین بابرتیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن محمد کاکیؒ سے اور وہ امام (علاؤالدین) عبدالعزیز (بن احمد بن محمد) بخاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) علاؤالدین سیرامیؒ، (شیخ) عبدالاول مرغینانیؒ اور (شیخ) محمد بن شہاب بزازیؒ تینوں حضرات

روایت کرتے ہیں (شیخ) جلال الدین کرلانیؒ سے اور وہ امام (علاؤالدین) عبدالعزیز (بن احمد بن محمد) بخاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

تتمۂ فصل (4): اسانید امام حسام الدین حسین بن علی سغناقیؒ

(شیخ) شمس فناریؒ، (شیخ) ابوالولید بن شحنہؒ (علامہ سید شریف) علی جرجانیؒ، (شیخ) جمال (محمد بن ابراہیم) مرشدیؒ اور (شیخ عزالدین) ابن فراتؒ پانچوں حضرات روایت کرتے ہیں (شیخ) اکمل الدین بابرتیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن محمد سنجاری کا کیؒ سے اور وہ امام حسین بن علی سغناقیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) علاؤالدین سیرامیؒ، ابوالوقت (عبدالاول) مرغینانیؒ اور (شیخ) محمد بن شہاب بزازیؒ تینوں حضرات روایت کرتے ہیں (شیخ) جلال الدین کرلانیؒ سے اور وہ امام حسام الدین (حسین) سغناقیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) جمال محمد (بن ابراہیم) مرشدیؒ، (شیخ) احمد بن ضیا عمری (مکیؒ) اور (شیخ) احمد بن عثمان کلوثانیؒ تینوں حضرات روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن علی قرشی مکیؒ اور (شیخ) محمد بن علی بن ضرغامؒ سے، یہ دونوں حضرات (شیخ) عبداللہ بن حجاج کاشغریؒ سے اور وہ امام حسین سغناقیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

علامہ سعدالدین (مسعود) تفتازانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) احمد بن ابوطالب حجار کاشغریؒ سے اور وہ امام حسین سغناقیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) بدرالدین عینیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عیسیٰ بن خاص سرماریؒ سے، وہ (شیخ) شمس الدین کساریؒ اور (شیخ) تاج کردیؒ سے اور یہ دونوں حضرات امام حسام الدین سغناقیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) جبرائیل بن صالح بغدادیؒ، (شیخ) یوسف بن موسیٰ ملطیؒ، (شیخ) جلال بتالیؒ اور (شیخ) محمد بن علی حریریؒ چاروں حضرات روایت کرتے ہیں (امام قوام الدین) امیر کاتب اتقانیؒ سے اور وہ امام حسام الدین سغناقیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (5): اسانید حافظ ابوالعلا امام محمود بن ابوبکر کلاباذی فرضیؒ

(شیخ سیف الدین) محمد قاسم بن قطلو بغاؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالقادر قرشی حافظؒ سے، وہ (شیخ) قطب حلبی حافظؒ سے اور وہ (شیخ) حافظ ابوالعلا محمد بن ابوبکر کلاباذی، بخاری، فرضی سے روایت کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ: (شیخ) ابوالحسنات (مولانا عبدالحئی) لکھنویؒ نے ''الفوائد البهيه'' میں لکھا ہے:

امام ذہبی نے ''مشتبہ النسبت'' میں ''فرضی'' کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''حافظ ابوالعلا محمود بن ابوبکر کلاباذی بخاری فرضیؒ، بڑے امام اور مصنف ہیں۔ اور علم الفرائض میں سربرآوردہ شخصیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حدیث اور اسماء الرجال کے بڑے عالم ہیں۔ اور ''مرأۃ الجنان'' میں لکھا ہے کہ:

''حافظ ابوالعلا محمود بن ابوبکر بخاری صوفیؒ علم فرائض کے امام تھے۔'' انتھٰی (503)

امام ذہبیؒ نے ان کا تذکرہ ''تذکرۃ الحفاظ'' میں بھی کیا ہے۔

فصل (6): اسانید امام حافظ الدین محمد بن محمد بن نصر بخاری کبیرؒ

(امام قوام الدین) امیر کاتب اتقانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) احمد بن اسعد بخاریؒ اور (شیخ) ابراہیم بن احمد عقیلیؒ سے، یہ دونوں حضرات امام حسین بن علی سغناقیؒ، امام عبدالعزیز بن احمد بخاریؒ اور امام محمود بن ابوبکر کلاباذیؒ سے، اور یہ تینوں حضرات امام حافظ الدین کبیر (بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (7): اسانید (شیخ) ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفیؒ

(شیخ) عز (الدین) بن فراتؒ، (شیخ) ضیا محمد بن محمد بن سعید عمریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) ابوالبقا (محمد بن احمد بن ضیا مکیؒ) اور (شیخ) ابوحامد (محمد بن احمد بن ضیا مکیؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) احمد بن ضیا عمریؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) محمد بن محمد بن سعید عمریؒ سے، وہ (شیخ) قوام الدین مسعود بن ابراہیم کرمانیؒ سے اور وہ (شیخ) ابوالبرکات عبداللہ نسفی کاکیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (امام جلال الدین) کرلانیؒ، (عبداللہ بن حجاج) کاشغریؒ، (شیخ شمس الدین) کساریؒ، (شیخ تاج) کردریؒ اور (امام قوام الدین امیر کاتب) اتقانیؒ سے، یہ چھ حضرات امام حسین بن علی سغناقیؒ سے اور وہ ابوالبرکات (عبداللہ بن احمد) نسفیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (8): اسانید (شیخ) امام حمیدالدین ضریرؒ

(امام قوام الدین) امیر کاتب اتقانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) احمد بن اسعد بخاریؒ سے اور وہ (شیخ) حمیدالدین علی بن محمد بن محمد ضریر رامشی بخاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عز (الدین) بن فراتؒ اور (شیخ) جمال (الدین محمد بن ابراہیم) مرشدیؒ دونوں روایت کرتے ہیں (شیخ) سراج ہندیؒ سے، وہ (شیخ) وجیہ الدین دہلویؒ، ملک العلما (شیخ) سراج ثقفی دہلویؒ، (شیخ) رُکن الدین بدایونیؒ اور (شیخ) شمس الدین خطیبؒ سے، یہ چاروں حضرات (شیخ) شرف الدین ابوالقاسم تنوخیؒ سے اور وہ (شیخ) حمیدالدین ضریرؒ سے روایت کرتے ہیں۔

قطب (الدین شیخ عبدالکریم بن محمد بن عبدالنور) حلبیؒ روایت کرتے ہیں امام محمود کلاباذیؒ سے اور وہ (شیخ) حمیدالدین ضریرؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (9): اسانید امام محمد بن محمد بن الیاس مایمرغیؒ

(امام علاؤالدین علی) سیرامیؒ (امام جلال الدین) کرلانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (امام اکمل الدین محمد بن محمد) بابرتیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ محمد بن محمد) کاکیؒ سے، یہ دونوں حضرات امام حسین بن علی سغناقیؒ اور امام عبدالعزیز بن احمد بن محمد بخاریؒ سے اور یہ دونوں حضرات دوسرے (امام عبدالعزیز) کے چچا امام محمد بن محمد بن الیاس مایمرغیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (10): اسانید شمس الائمہ محمد بن عبدالستار بن محمد کردریؒ

(شیخ قاضی) عبدالمقتدر دہلویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) نصیرالدین (محمود) دہلویؒ سے، وہ (سلطان المشائخ شیخ) نظام الدین دہلویؒ سے، وہ (خواجہ) فریدالدین (گنج شکر) اجودھنیؒ سے، وہ (شیخ) سیف الدین باخرزیؒ سے اور وہ شمس الائمہ (محمد بن عبدالستار بن محمد) کردریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عز (الدین) بن فرات روایت کرتے ہیں (شیخ) ضیا محمد بن محمد بن سعید عمریؒ سے، وہ (شیخ) قوام الدین مسعود بن ابراہیم کرمانیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالعباس احمد بن علی ساعاتیؒ سے، وہ امام ظہیرالدین محمد بن عمر نوجاباذیؒ سے اور وہ شمس الائمہ (محمد بن عبدالستار) کردریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام حافظ الدین کبیرؒ، امام ابوالبرکات نسفیؒ، امام حمیدالدین ضریرؒ اور امام محمد مایمرغیؒ، چاروں حضرات شمس الائمہ (محمد بن عبدالستار) کردریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (11): اسانید امام نظام الدین ابوحفص عمر مرغینانیؒ

(شیخ سیف الدین محمد) قاسم بن قطلوبغاؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) تاج الدین احمد فرغانیؒ سے، وہ اپنے چچا (شیخ) حسام الدینؒ سے، وہ (شیخ) صالح بن عبداللہ بن صباغؒ سے، وہ امام حسن بن صغانی لاہوریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ قاضی) عبدالمقتدر دہلویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) نصیرالدین (محمود) دہلویؒ سے، وہ سلطان المشائخ (خواجہ) نظام الدین (اولیا) دہلویؒ سے، وہ (شیخ) کمال الدین زاہدؒ سے، وہ (شیخ) محمود بن اسعد بلخی دہلویؒ سے، وہ (شیخ) حسن صغانی لاہوریؒ سے اور وہ امام ابوحفص (عمر) مرغینانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (12): اسانید شیخ الاسلام علی بن ابوبکر مرغینانیؒ متوفی ۵۹۳ھ (1166ء)

امام حافظ الدین کبیرؒ، امام ابوالبرکات (نسفیؒ)، امام حمیدالدین (ضریرؒ)، امام فخرالدین محمد مایمرغیؒ، امام محمد بن عمر ظہیرالدینؒ اور امام سیف الدین (باخرزیؒ، چھ حضرات) روایت کرتے ہیں شمس الائمہ (محمد بن عبدالستار) کردریؒ سے اور وہ شیخ الاسلام علی (بن ابوبکر) مرغینانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام حسن صغانی لاہوریؒ روایت کرتے ہیں امام ابوحفص عمر مرغینانیؒ سے اور وہ اپنے والد امام، شیخ الاسلام علی بن ابوبکر بن عبدالجلیل مرغینانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

دوسری نوع

اسانید امام حسن بن منصور قاضی خان اوزجندیؒ

فصل (1): اسانید امام علی بن عثمان ابن مصطفیٰ ترکمانیؒ

(شیخ) حافظ عز (الدین) بن فرات روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ جمال) مرشدیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ اسماعیل بن ابراہیم) کنانیؒ سے، اور یہ دونوں (حافظ عزالدین اور شیخ کنانی) حضرات (شیخ) حافظ عبداللہ بن یوسف زیلعیؒ (504) سے اور وہ (امام) حافظ علی بن عثمان ترکمانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ جمال) مرشدیؒ روایت کرتے ہیں اسماعیل بن ابراہیم کنانیؒ سے اور وہ امام علی بن عثمان ترکمانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) احمد بن ضیا عمریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محی الدین عبدالقادر قرشیؒ سے اور وہ امام علی بن عثمان ترکمانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): اسانید امام عثمان بن مصطفیٰ ترکمانیؒ

(شیخ) سعدالدین دیریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) شمس الدین قونویؒ سے، وہ (شیخ) تاج الدین اسماعیل بن خلیلؒ سے اور وہ (امام) عثمان بن مصطفیٰ ترکمانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) محی الدین عبدالقادر قرشیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) جمال الدین عبداللہ زیلعیؒ سے اور وہ (امام) علی بن عثمان ترکمانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): اسانید امام صدرالشریعہ عبیداللہ بخاریؒ

(شیخ) حامی روایت کرتے ہیں (شیخ) ابونصر بن محمد حافظیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) محمد بن محمد طاہریؒ سے اور وہ (امام) صدرالشریعہ (عبیداللہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(علامہ ابراہیم) کرکیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) امین الدین یحییٰ اقصرائیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن محمد حافظیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن محمد طاہریؒ سے اور وہ (امام) صدرالشریعہ (عبیداللہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ بدرالدین محمود) عینیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) جبرائیل بن صالح بغدادیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن عمر ازرنجانیؒ سے، وہ اپنے والد (عمر ازرنجانیؒ) سے اور وہ (امام) صدرالشریعہ (عبیداللہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ تقی الدین محمد) شمنیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) علا بخاریؒ سے، وہ (علامہ سعدالدین مسعود) تفتازانیؒ سے اور وہ اپنے اسناد کے ساتھ امام صدرالشریعہ (عبیداللہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4): اسانید امام ابوالعباس احمد بن ابراہیم سروجیؒ

(شیخ) احمد بن ضیا مکیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالقادر قرشیؒ سے، وہ قطب (الدین شیخ عبدالکریم بن محمد بن عبدالنور) حلبیؒ سے اور وہ (امام) ابوالعباس (احمد بن ابراہیم) سروجیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) احمد بن ضیا (مکیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالقادر قرشیؒ اور (شیخ) احمد بن عثمان ترکمانیؒ سے، یہ دونوں حضرات (شیخ) علی بن عثمان ترکمانیؒ اور اُن کے والد (شیخ) عثمان (ترکمانیؒ) سے اور یہ دونوں حضرات (احمد بن ابراہیم) سروجیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ تقی الدین محمد) شمنیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) علا بخاریؒ سے، وہ (علامہ سعدالدین مسعود) تفتازانیؒ سے اور وہ اپنی اسناد کے ساتھ ابوالعباس (احمد بن ابراہیم) سروجیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (5): اسانید امام جمال الدین حصیری بخاریؒ

(شیخ) عز (الدین) بن فراتؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ضیا محمد بن محمد بن سعید عمریؒ سے، وہ (شیخ) قوام الدین مسعود بن ابراہیم کرمانیؒ سے، وہ (شیخ) عبدالعزیز بن محمد بن محمود زوزنیؒ سے اور وہ (شیخ) جمال الدین محمود حصیریؒ بخاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عبدالقادر قرشیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) تقی الدین یوسفؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) رشیدالدین اسماعیل بن عثمان قرشیؒ سے اور وہ (امام جمال الدین) حصیریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) ابوالعباس (احمد بن ابراہیم) سروجیؒ اور (شیخ) ابوالعلا محمود کلاباذیؒ دونوں روایت کرتے ہیں (شیخ) سلیمان بن وہبؒ اور (شیخ) محمد بن عباد خلاطیؒ سے اور یہ دونوں حضرات (امام) جمال الدین حصیریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (6): اسانید امام صدرالشریعہ عبیداللہ بن ابراہیم محبوبیؒ

صدرالشریعہ عبیداللہ بن مسعود بخاری روایت کرتے ہیں اپنے دادا تاج الشریعہ محمودؒ سے، وہ اپنے والد صدرالشریعہ احمد بن عبیداللہؒ سے اور وہ اپنے والد صدرالشریعہ اکبر عبیداللہ (محبوبیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

امام حسین سغناقیؒ، امام عبدالعزیز بخاریؒ اور امام محمود کلاباذیؒ تینوں روایت کرتے ہیں امام حافظ الدین کبیر بخاریؒ سے اور وہ امام عبیداللہ بن ابراہیم محبوبیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

تتمہ فصل (6): اسانید (امام یوسف بن ایوب ہمدانی حنفیؒ)

امام عبیداللہ بن ابراہیم محبوبی روایت کرتے ہیں امام زادہ محمد بن ابوبکر بخاریؒ سے اور وہ (شیخ) عارف یوسف بن ایوب ہمدانی حنفیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (7): اسانید امام فخرالدین حسن بن منصور قاضی خانؒ

(شیخ) ابوالعباس (احمد بن ابراہیم) سروجیؒ اور (شیخ) ابوالعلا کلاباذیؒ دونوں روایت کرتے ہیں (شیخ) سلیمان بن وہبؒ اور (شیخ) محمد بن عباد (خلاطیؒ) سے، یہ دونوں حضرات (شیخ) جمال الدین محمود حصیری بخاریؒ سے اور وہ (شیخ) فخرالدین قاضی خانؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام حافظ الدین کبیرؒ، امام ابوالبرکات (نسفیؒ)، امام حمیدالدین (ضریرؒ)، امام فخرالدین محمد مایمرغیؒ، امام ظہیرالدینؒ اور امام سیف الدین (باخرزیؒ) چھ حضرات روایت کرتے ہیں (شیخ) شمس الائمہ (محمد بن عبدالستار بن محمد) کردریؒ سے اور وہ امام حسن بن منصور قاضی خانؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام صدرالشریعہ اوسط احمد بن عبیداللہؒ اور امام حافظ الدین کبیرؒ دونوں روایت کرتے ہیں شمس الائمہ محبوبیؒ سے اور وہ امام حسن بن منصور قاضی خانؒ سے روایت کرتے ہیں۔

تیسری نوع

اسانید ملک العلما (شیخ) ابوبکر بن مسعود بن احمد کاسانیؒ

فصل (1): اسانید (امام) حافظ علاؤالدین مغلطائی بن قلیج بکجریؒ

(شیخ) جمال محمد بن ابراہیم مرشدیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) اسماعیل بن ابراہیم کنانیؒ سے اور وہ (شیخ) حافظ علاؤالدین مغلطائیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

تتمہ فصل (1): (حافظ مغلطائی سے شوافع کی اسانید)

(شیخ) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) حافظ ابراہیم بن حسین عراقیؒ سے اور وہ (شیخ) حافظ (علاؤالدین) مغلطائیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابراہیم نازی مغربیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) صالح بن محمد زواویؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن مخلصؒ سے اور وہ حافظ (علاؤالدین) مغلطائیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

میں (عبیداللہ سندھیؒ) کہتا ہوں کہ: (امام) مغلطائیؒ فرماتے ہیں:

''سب سے پہلے (حدیث میں) صحیح کتاب (امام) مالک (بن انسؒ) نے تصنیف کی۔''

اور امام (شاہ) ولی اللہ دہلویؒ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ (505)

فصل (2): اسانید (شیخ) عمر بن احمد بن عدیم حلبیؒ

(شیخ) حافظ (علاؤالدین) مغلطائی (بن قلیج بکجریؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) یوسف بن عمر ختنیؒ سے اور وہ (شیخ) عمر بن احمد عدیم (حلبیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) حافظ عبدالقادر قرشیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) یوسف بن عمر ختنیؒ سے اور وہ (شیخ) عمر بن احمد بن عدیم (حلبیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): اسانید ملک العلما (امام ابوبکر بن مسعود بن احمد) کاسانیؒ

(شیخ) عمر بن احمد بن عدیمؒ روایت کرتے ہیں محمد بن یوسف بدر ابیض قاضی عسکرؒ سے اور وہ امام ابوبکر (بن مسعود بن احمد) کاسانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

تتمہ فصل (3): (اسانید امام علاؤالدین سمرقندیؒ اور شیخ میمون مکحولیؒ)

(شیخ) عمر بن احمد بن عدیمؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن یوسف بدر ابیضؒ سے، وہ اپنے والد

(شیخ) یوسفؒ سے، وہ (شیخ) علی بن حسن برہان بلخیؒ سے اور (شیخ) بدرابیضؒ سے، وہ ملک العلما (امام) ابوبکر کاسانیؒ سے اور وہ امام علاؤالدین محمد بن احمد سمرقندیؒ اور (شیخ) ابومعین میمون مکحولیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

چوتھی نوع

اسانید امام، صدرالاسلام طاہر بن محمود بن احمد بن عبدالعزیز (بن) عمر بن مازہ بخاریؒ

حافظ ابن حجر (عسقلانی) شافعیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوہریرہ بن ذہبی شافعیؒ سے، وہ (شیخ) ابراہیم بن محمد جوینیؒ سے، وہ (شیخ) ابراہیم محمد بخاری حنفیؒ سے، وہ امام جمال الدین محمد بن اسعد بخاری حنفیؒ سے اور وہ امام صدرالاسلام طاہر بن محمود بن صدرالسعید بن برہانِ کبیرؒ سے روایت کرتے ہیں۔

دوسرے باب کی انواع کا تکملہ

اسانید برہانِ کبیر عبدالعزیز بن عمر بن مازہ بخاریؒ

امام علی بن ابوبکر بن عبدالجلیل مرغینانیؒ روایت کرتے ہیں صدرالسعید تاج الدین احمدؒ سے اور وہ اپنے والد امام عبدالعزیز (بن عمر بن مازہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

امام حسن بن منصور قاضی خانؒ روایت کرتے ہیں ظہیرالدین حسن بن علیؒ سے اور وہ اپنے والد ظہیر کبیر امام عبدالعزیز (بن عمر بن مازہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

امام علاؤالدین ابوبکر کاسانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ ابومعین) میمون مکحولؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن محمد قلانسؒ سے، وہ (شیخ) عبدالعزیز بن عثمان سمرقندیؒ سے اور وہ امام عبدالعزیز (بن عمر بن مازہؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

امام صدرالاسلام طاہر روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) محمودؒ سے، وہ اپنے والد صدرالسعید احمدؒ سے اور وہ اپنے والد برہانِ کبیر امام عبدالعزیز (بن عمر بن مازہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

تیسرا باب

تحصیل، اصول (فقہ)، جدال (مناظرہ) اور فلسفہ کے علوم و فنون کے اہم رہنماؤں کی اسانید

پہلی نوع

امام ابومنصور ماتریدیؒ کے متبعین کی اسانید

اصولِ فقہ کے ائمہ کے بارے میں چند فصلیں

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ:

ہم نے گزشتہ ابواب میں اصولِ (فقہ) کے درجِ ذیل اماموں کی ایک جماعت کا ذکر کیا ہے۔

1۔ صدرالشہید مولانا محمد اسماعیل دہلویؒ، جو اپنی کتاب ''اصولِ فقه'' میں ایک خاص اسلوب رکھتے ہیں۔

2۔ امام عبدالعزیز (دہلویؒ)، جنھوں نے اپنی بعض امالی میں اپنے مسلک کو واضح کیا ہے۔

3۔ امام ولی اللہ دہلویؒ، جنھوں نے "حجّة اللّٰه البالغه'' کے ایک باب میں اصولِ فقہ کا تعین کیا ہے۔

4۔ بحرالعلوم علامہ عبدالعلی لکھنویؒ، جنھوں نے (اصولِ فقہ کی کتاب) "شرح مسلّم الثّبوت'' لکھی ہے۔

5۔ امام علامہ نظام الدین لکھنویؒ، جنھوں نے "شرح مسلّم الثّبوت''، لکھی ہے۔

6۔ علامہ محبّ اللہ بہاریؒ، جنھوں نے (اصولِ فقہ پر ایک کتاب) "مسلّم الثّبوت" لکھی ہے۔

7۔ ملک العلما شہاب الدین ہندیؒ، جنھوں نے امام فخرالاسلام کے "اصولِ (بزدوی)" کی شرح کی ہے۔

8۔ امام کمال الدین ابن ہمامؒ، جنھوں نے (اصولِ فقہ پر) ''**تحریر الاصول**'' لکھی ہے۔
9۔ شمس الدین محمد بن حمزہ فناریؒ، جنھوں نے (اصولِ فقہ پر) ''**فصول البدائع**''، لکھی ہے۔
10۔ علامہ (سعدالدین مسعود) تفتازانیؒ ،جنھوں نے (اصولِ فقہ پر) ''**التلویح**''، لکھی ہے۔

فصل (1): اسانید امام صدرالشریعہ عبیداللہ بن مسعود بخاری مصنف ''التوضیح''

(شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) بدرالدین عینی سے، وہ (شیخ) جبرائیل بن صالح بغدادیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن عمر ارزنجانیؒ سے، وہ اپنے والد (عمر ارزنجانیؒ) سے اور وہ صدرالشریعہ (عبیداللہ بن مسعود بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ روایت کرتے ہیں (شیخ بدرالدین) عینیؒ سے، وہ سیرامیؒ سے، وہ (علامہ سعدالدین مسعود) تفتازانیؒ سے، وہ اپنی اسناد کے ساتھ امام صدرالشریعہ عبیداللہ (بن مسعود) بخاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): اسانید امام امیر کاتب اتقانیؒ مصنف ''تبیین شرح منتخب حُسامی''

(شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) بدرالدین عینیؒ سے، وہ (شیخ) جبرائیل بن صالح بغدادی سے اور وہ (امام قوام الدین) امیر کاتب اتقانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محبّ الدین ابوالولید بن شحنہؒ سے اور وہ (امام قوام الدین) امیر کاتب اتقانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): اسانید امام عبدالعزیز بخاریؒ مصنف ''التحقیق شرح الحُسامی'' اور ''الکشف شرح فخر الاسلام''

(شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) سراج الدین قاری الہدایہؒ سے، وہ (شیخ) علاؤالدین سیرامیؒ سے، وہ (شیخ) جلال الدین کرلانیؒ سے اور وہ امام عبدالعزیز بخاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محبّ الدین ابوالولید بن شحنہؒ سے، وہ (شیخ) اکمل الدین بابرتیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن محمد کاکیؒ سے اور وہ (امام) عبدالعزیز بخاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4): اسانید امام حسین بن علی سغناقیؒ

مصنف ''الکافی شرح البزدوی''اور ''شرح التّمهيد للمكحولی''

(شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) سراج الدین قاری الہدایہؒ سے، وہ علاؤ (الدین علی) سیرامیؒ سے، وہ (شیخ) جلال الدین کرلانیؒ سے اور وہ امام حسین سغناقیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوالولید بن شحنہؒ سے اور وہ (امام قوام الدین امیر کاتب) اتقانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ ابوالولید) ابن شحنہؒ روایت کرتے ہیں (شیخ اکمل الدین) بابرتیؒ سے، وہ (محمد بن محمد) کاکیؒ سے، اور یہ دونوں حضرات (اتقانی اور کاکی) امام (حسین بن علی) سغناقیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (5): اسانید امام حسام الدین محمد بن عمر اخسیکثیؒ مصنف ''مختصر حُسامی''

امام عبدالعزیز بخاریؒ اور امام حسین سغناقیؒ دونوں روایت کرتے ہیں امام حافظ الدین کبیرؒ سے اور وہ امام حسام الدین اخسیکثیؒ (506) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عز (الدین) بن فراتؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ضیا عمریؒ سے، وہ (شیخ) مسعود کرمانیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالعباس ساعاتیؒ سے اور وہ امام (حسام الدین محمد بن عمر) اخسیکثیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (6): اسانید امام الاصولیین فخر الاسلام علی بن محمد بزدویؒ

امام عبدالعزیز بخاریؒ اور امام حسین سغناقیؒ دونوں روایت کرتے ہیں امام حافظ الدین کبیرؒ سے، وہ (شیخ) ابوحفص عمر نسفیؒ سے، وہ امام فخر الاسلام (علی بن محمد) بزدویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

چند فصلیں

عربی ادب کے ائمہ کی اسانید

فصل (1): اسانید امام سراج الدین یوسف بن محمد سکاکیؒ مصنف ''مفتاح العلوم''

(شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) بدر (الدین) عینیؒ سے، وہ (شیخ) عیسیٰ بن خاص سرماریؒ سے، وہ (شیخ) ابوالحسن اردبیلیؒ سے، وہ (شیخ) نظام حسین بن محمد طوسیؒ سے وہ (شیخ) شہاب خوافیؒ سے اور وہ (شیخ) ابویعقوب یوسف (بن محمد) سکاکی حنفیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): اسانید امام ابوالقاسم محمود بن عمر (جاراللہ) زمخشریؒ

(شیخ ابو یعقوب یوسف) سکاکیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) سدید حناطیؒ سے، وہ (شیخ) علی بن محمد عمرانیؒ سے اور وہ (شیخ) جاراللہ (محمود بن عمر) زمخشریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(امام حسین بن علی) سغناقی روایت کرتے ہیں (شیخ) حافظ الدین کبیرؒ سے، وہ (محمد بن عبدالستار بن محمد) کردریؒ سے، وہ (شیخ) ناصر بن عبدالسید مطرزیؒ سے، وہ (شیخ) موفق احمد بن محمد مکیؒ سے اور وہ (امام ابوالقاسم محمود بن عمر جاراللہ) زمخشریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

چند فصلیں: (علم) جدل، (علم الکلام) اور تحصیل کے ائمہ کی اسانید

فصل (1): اسانید امام ابوالبرکات عبداللہ نسفیؒ مصنف ''العمدة و الإعتماد''

(شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محبّ (الدین ابوالولید) ابن شحنہؒ سے، وہ (امام قوام الدین) امیر کاتب اتقانیؒ سے، وہ امام حسین بن علی سغناقیؒ سے اور وہ (امام ابوالبرکات عبداللہ) نسفیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

تتمہ فصل (1): اسانید (شیخ) برہان محمد بن محمد بن محمد نسفیؒ

مصنف ''عقائدِ نسفیه'' اور ''تلخیص التّفسیر الکبیر'' وغیرہ

(شیخ) جمال مرشدیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد بن محبّ مقدسیؒ سے، وہ (شیخ) قاسم بن محمدؒ سے اور وہ (شیخ) برہان (محمد بن محمد بن محمد) نسفیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): اسانید امام ابوحفص عمر نسفیؒ مصنف ''العقیده'' اور ''الجواهر''

شیخ الاسلام (خواجہ) معین الدین (چشتی) اجمیریؒ روایت کرتے ہیں شیخ عثمان ہارونیؒ سے اور وہ امام ابوحفص عمر نسفیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): اسانید امام ابومعین میمون بن محمد نسفیؒ متوفی ۵۰۸ھ (1114ء)

مصنف ''التّمهید لقواعد التوحید'' اور ''تبصرة الأدلّة''

شمس الائمہ (محمد بن عبدالستار بن محمد) کردریؒ روایت کرتے ہیں شیخ الاسلام مرغینانیؒ سے، وہ ضیاء الدین نبدیجیؒ سے، وہ (شیخ) علاؤالدین سمرقندیؒ سے، وہ (شیخ) ابومعین (میمون بن محمد) نسفیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عمر بن احمد بن عدیم روایت کرتے ہیں محمد بن یوسف بدر ابیض (قاضی عسکرؒ) سے، وہ امام ابوبکر کاسانیؒ سے، وہ (شیخ) علاؤ (الدین) سمرقندیؒ سے اور وہ ابومعین (میمون بن محمد) نسفیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4): اسانید امام الدنیا فی الجدال، امام عبدالعزیز بن عثمان نسفیؒ مصنف ''المنقذمن الزّلل فی مسائل الجدل'' اور ''الفحول فی الاصول''

ابومعین (میمون بن محمد) نسفیؒ روایت کرتے ہیں محمد بن محمد بن نصر قلانسؒ سے اور وہ امام عبدالعزیز بن عثمان بن ابراہیم نسفیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (5): ''علم الخلافیات'' کے بانی امام ابوزید عبیداللہ بن عمر دبوسیؒ مصنف ''الأسرار''، ''تقویم الأدلّة'' کی اسانید

شمس الائمہ کردریؒ روایت کرتے ہیں شیخ الاسلام (علی بن ابوبکر) مرغینانیؒ سے، وہ علامہ (شیخ) زاہد بخاریؒ سے، وہ (شیخ) احمد بن عبدالرحمٰن ریغدمونیؒ سے اور وہ امام ابوزید (عبیداللہ بن عمر) دبوسیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

پہلی نوع کی فصلوں کا خاتمہ

اسانید امام ابومنصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدیؒ

میں (عبیداللہ سندھیؒ) کہتا ہوں کہ: وہ (امام ابومنصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدیؒ) ''**تاویلات القرآن و بیان وھم المعتزلة**''، ''**(کتاب) المقالات**'' اور ''**کتاب التوحید**'' وغیرہ کتابوں کے مصنف ہیں۔

(امام محمود بن سلیمان) کفویؒ کہتے ہیں:

''آپؒ متکلمین کے امام ہیں۔ مسلمانوں کے عقائد کی تصحیح کرنے والے ہیں۔ انھوں نے بہت عمدہ تصانیف لکھیں اور باطل عقائد رکھنے والے لوگوں کے جھوٹے اقوال کا رد کیا ہے۔ ان کی تصانیف میں ''**کتاب التّوحید**''، ''**کتاب المقالات**'' اور ''**کتاب اوھام المعتزله**'' ہیں۔ انھوں نے ابومحمد باہلی کی کتاب ''**اصولِ خمسہ**'' کا ردّ کیا ہے اور بعض رافضیوں کے نظریۂ امامت کا ردّ کیا ہے۔ قرامطہ (کے عقائد) کا ردّ کیا ہے۔ ان کی تصانیف فقہ میں شریعت کا ماخذ ہیں اور اصولِ فقہ وغیرہ میں علمِ کلام کے حوالے سے ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ انھوں

نے ۳۳۳ھ (944ء) میں وفات پائی۔'' انتھٰی (507)

امام ابو حفص نسفیؒ روایت کرتے ہیں فخر الاسلام علی بن محمد بزدویؒ اور اُن کے بھائی ابوالیسر صدر الاسلام محمد بن محمد بزدویؒ سے، وہ دونوں اپنے والد (شیخ) محمد بن حسین بن عبدالکریم بن موسیٰ بزدویؒ سے، وہ اپنے دادا (شیخ) عبدالکریم بن موسیٰ بزدویؒ سے اور وہ امام ابومنصور (محمد بن محمد) ماتریدیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ابوحفص نسفیؒ روایت کرتے ہیں امام ابوالیسر محمد بن محمد بزدویؒ سے، وہ (شیخ) اسماعیل بن عبدالصادق بن عبداللہ خطیبؒ سے، وہ (شیخ) عبدالکریم بن موسیٰ بزدویؒ اور وہ امام ابومنصور (محمد بن محمد) ماتریدیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) ابومعین (میمون بن محمد) نسفیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن محمد بن نصر بن محمد قلانسؒ سے، وہ اپنے دادا (شیخ) نصر بن محمد قلانسؒ سے اور وہ امام ابومنصور (محمد بن محمد) ماتریدیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام طاہر بن محمودؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالرحمٰن برتویؒ سے، وہ (شیخ) ابراہیم بن احمد مستملیؒ سے، وہ (شیخ) عارف ابوبکر محمد بن اسحاق کلاباذیؒ سے، وہ (شیخ) فارس علی بغدادیؒ سے، وہ (شیخ) اسحاق بن محمد حکیم سمرقندیؒ سے اور وہ امام ابومنصور (محمد بن محمد) ماتریدیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

دوسری نوع

امام ابوالحسن اشعریؒ کے متبعین کی اسانید

فصل (1): اسانید امام قاضی ناصر الدین عبداللہ بن عمر بیضاویؒ

(شیخ سیف الدین) محمد قاسم بن قطلو بغاؒ اور (شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ دونوں روایت کرتے ہیں (شیخ) بدرالدین عینیؒ سے، وہ (شیخ) قطب الدّین رازیؒ سے، وہ (شیخ) قاضی عبدالرحمٰن ایجیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح علامہ (شیخ) سعدالدّین (مسعود) تفتازانیؒ علامہ (شیخ) عضدالدین ایجیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) قاضی شہاب الدّین (دولت آبادی) ہندیؒ روایت کرتے ہیں مولانا (شیخ) محمد خواجگی دہلویؒ سے، وہ مولانا (شیخ) معین الدّین عمرانی دہلویؒ سے، وہ علامہ (شیخ) عضدالدّین ایجیؒ سے، وہ شیخ زین الدّین ہنکیؒ سے اور وہ (امام) قاضی ناصرالدّین (عبداللہ بن عمر) بیضاویؒ (508) سے روایت کرتے

ہیں۔

فصل (2): اسانید امام فخر الدین رازیؒ (متوفی ۶۰۶ھ/ 19/ مارچ 1210ء)

(امام) قاضی (ناصر الدین عبداللہ بن عمر) بیضاویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) تاج محمد بن حسین ارمویؒ اور (شیخ) صقر ارمویؒ کے شاگردوں سے، وہ (شیخ) تاج ارمویؒ اور (شیخ) صقر ارمویؒ سے اور یہ (509) دونوں حضرات امام فخر الدین رازیؒ (510) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) شمس الدین محمد بن حمزہ فناریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) علاؤالدین اسود حنفیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن ابوبکر بن احمد ارمویؒ سے اور وہ امام (فخر الدین) رازیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) شمس فناریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) جمال الدین بن؟؟ محمد بن محمد بن فخر الدین اقصرائی حنفیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) محمد بن محمد بن فخر الدین حنفیؒ سے اور وہ اپنے دادا امام فخر الدین رازی شافعیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: ابن خلکان نے ذکر کیا ہے کہ:

> ''غزنی کے حکمران (سلطان) شہاب الدین غوری نے امام رازیؒ سے کچھ مالی معاملہ کیا تو انھوں نے اس کا پورا حق ادا کیا۔ اس پر (شہاب الدین غوری) نے اُن کا بڑا اِکرام کیا اور انھیں اس کی طرف سے بہت زیادہ مال حاصل ہوا۔'' انتھٰی (511)

فصل (3): اسانید امام ابوحامد محمد بن محمد غزالیؒ

(شیخ) حافظ ابن حجر (عسقلانیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) ابواسحاق ابراہیم بن احمد تنوخیؒ سے، وہ (شیخ) سلیمان بن حمزہؒ سے، وہ (شیخ) عمر دینوریؒ سے، وہ (شیخ) عبدالخالق بن احمد عبدالقادرؒ سے اور وہ امام ابوحامد (محمد بن محمد) غزالیؒ (512) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محبّ بن ظہیرہؒ سے، وہ (شیخ) ابوالفضل عبدالرحیم عراقیؒ سے، وہ (شیخ) علا بن عطارؒ سے، وہ امام یحییٰ بن شرف نوویؒ سے، وہ (شیخ) کمال اربلیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن محمدؒ سے، وہ (شیخ) عبدالغفار قزوینیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالقاسم رافعیؒ سے، وہ امام محمد بن فضلؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن یحییٰ نیشاپوریؒ سے اور وہ حجۃ الاسلام (شیخ) ابوحامد محمد بن محمد غزالیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4): اسانید امام اہل سنت ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعریؒ

امام فخر الدین رازیؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد امام ضیاء الدین عمر رازیؒ سے، وہ (شیخ) امام

ابوالقاسم سلیمان بن ناصر انصاریؒ سے، اور وہ امام الحرمین، عبدالملک بن عبداللہ جوینیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امام ابوحامد محمد بن محمد غزالیؒ روایت کرتے ہیں امام الحرمین عبدالملک جوینیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالقاسم اسکافؒ سے، وہ امام ابواسحاق شیرازیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امام (خواجہ) معین الدین (چشتی) اجمیریؒ روایت کرتے ہیں محمد بن ابوبکر بخاریؒ سے، وہ امام یوسف بن ایوب ہمدانیؒ سے، وہ امام ابواسحاق شیرازیؒ سے، وہ شیخ ابوالحسن باہلیؒ سے اور وہ امام ابوالحسن اشعریؒ (513) سے روایت کرتے ہیں۔

تیسری نوع

فلسفہ اشراقیہ اور مشائیہ کے اہم رہنماؤں کی اسانید

فصل (1): اسانید علامہ قطب الدین شیرازیؒ "جامع بین المسلکین"

امام ولی اللہ دہلویؒ روایت کرتے ہیں امام ابوالفیض عبدالرحیم بن وجیہ (الدین) دہلویؒ سے، وہ علامہ (شیخ) میرزاہد اکبرآبادیؒ سے، وہ علامہ (شیخ) محمد فاضل بدخشی لاہوریؒ سے، وہ علامہ (شیخ) محمد یوسف (قراباغیؒ) سے، وہ محقق (شیخ) حبیب اللہ میرزا جان شیرازیؒ سے، وہ علامہ (شیخ) محمود شیرازیؒ سے، اور وہ فلسفے کے دونوں مسلکوں کے جامع اور حکمتِ عملیہ کے محقق امام جلال الدین دوانیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) سعدالدین دوانیؒ سے، وہ (سید) شریف علی جرجانیؒ سے، وہ (شیخ) قطب الدین رازیؒ سے، وہ علامہ (شیخ) قطب الدین شیرازیؒ (514) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح محقق (شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوالولید بن شحنہؒ سے، وہ (شیخ) اکمل الدین بابرتیؒ سے، وہ (شیخ) شمس الدین محمود بن عبدالرحمٰن اصفہانیؒ سے، وہ علامہ (شیخ) قطب الدین شیرازیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح محقق (شیخ سیف الدین) محمد قاسم بن قطلو بغاؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) بدرالدین (محمود) عینیؒ سے، وہ (شیخ) قطب الدین رازیؒ سے اور وہ علامہ (شیخ) قطب الدین شیرازیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): فلسفہ اشراقیہ کے امام، عارف محی الدین ابن عربیؒ کی اسانید

(شیخ) قطب الدین رازیؒ اور (شیخ) شمس الدین اصفہانیؒ دونوں روایت کرتے ہیں علامہ (شیخ)

قطب الدین شیرازیؒ سے، وہ (شیخ) صدرالدین قونویؒ سے اور وہ شیخ اکبر (محی الدین ابن عربیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) شمس الدین محمد بن حمزہ فناریؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) حمزہ فناریؒ سے، وہ (شیخ) صدرالدین قونویؒ سے اور وہ شیخ اکبر (محی الدین ابن عربیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

سلطان المشائخ (خواجہ) نظام الدین دہلویؒ روایت کرتے ہیں شیخ الاسلام (خواجہ) فریدالدین (گنج شکر) اجودھنیؒ سے، وہ (شیخ) سعیدالدین حمویؒ سے اور وہ شیخ اکبر (محی الدین ابن عربی) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عبدالوہاب شعراویؒ (شعرانی) روایت کرتے ہیں (امام) جلال (الدین) سیوطیؒ سے، وہ (شیخ) کمال الدین (ابن ہمامؒ) سے، وہ (شیخ) ابن جزریؒ سے، وہ (شیخ) عمر بن امیلہ مراغیؒ سے، وہ (شیخ) احمد بن ابراہیم فاروقیؒ سے اور وہ شیخ اکبر (محی الدین ابن عربیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) علی متقیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوالحسن بکریؒ سے، وہ (شیخ) رضی الدین غزیؒ سے، وہ (شیخ) شرف الدین مراغیؒ سے، وہ (شیخ) اسماعیل جبرتیؒ سے، وہ (شیخ) علی بن عمروانیؒ سے اور وہ شیخ اکبر (محی الدین ابن عربیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): فلسفہ مشائیہ کے محقق، امام نصیرالدین طوسی شیعیؒ کی اسانید

علامہ جلال الدین دوانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) مظہرالدین گاذرونیؒ سے، وہ (شیخ) علاؤالدین قرطاسیؒ سے، وہ (شیخ) تاج الدین قرطاسیؒ سے، وہ (شیخ) شہاب الدین ابوبکر گاذرونیؒ سے اور وہ علامہ (امام نصیرالدین) طوسیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

علامہ (سید) شریف علی جرجانیؒ روایت کرتے ہیں شیخ مخلص الدین شیرازیؒ سے، وہ اپنے والد علامہ (شیخ) قطب الدین شیرازیؒ سے اور وہ (امام) علامہ نصیرالدین طوسیؒ (515) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4): فلسفہ مشائیہ کے مدوّن، رئیس ابوعلی حسین ابن سینا حنفیؒ کی اسانید

(امام) علامہ نصیرالدین طوسیؒ روایت کرتے ہیں شیخ فریدالدین داماد نیشاپوریؒ سے، وہ (شیخ) سید صدرالدین سرخسیؒ سے، وہ (شیخ) افضل الدینؒ سے، وہ (شیخ) ابوالعباس ملوکریؒ سے اور وہ (شیخ) ابوعلی (حسین) ابن سیناؒ (516) سے روایت کرتے ہیں۔

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: (شیخ) ابوعلی ابن سیناؒ نے فقہ کی تعلیم امام ابوبکر احمد بن ابوعبداللہ محمدؒ سے حاصل کی، انھوں نے (شیخ) محمد بن فضل کماریؒ سے اور انھوں نے استاذ عبدالحارثی سبذمونیؒ سے حاصل کی۔

خاتمہ ابواب قسم چہارم

چوتھی قسم کے ابواب کا خاتمہ اہل علم کی ایک ایسی جماعت کے تذکرے میں ہے، جو حدیث کے یاد کرنے اور فقہ میں اجتہاد کرنے کے حوالے سے جامع شخصیات ہیں۔ اور انھوں نے شیخ الاسلام علی مرغینانیؒ اور فقیہ العصر قاضی خانؒ کے شاگردوں سے تعلیم حاصل کی ہے۔

حافظ (شیخ سیف الدین محمد) قاسم بن قطلو بغاؒ درجِ ذیل پانچ ائمہ سے روایت کرتے ہیں:

حافظ (شیخ) عزالدین ابن فراتؒ، (شیخ) حافظ محمد بن ابراہیم مرشدیؒ، (شیخ) مجتہد کمال الدین ابن ہمامؒ، (شیخ) بدرالدین محمود عینیؒ، (شیخ) سعدالدین سعد بن محمد بن عبداللہ دیریؒ۔

پھر حافظ ابن فراتؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) حافظ محی الدین عبدالقادر قرشیؒ سے، اور (شیخ) حافظ محی الدین (شیخ) عبدالقادر قرشی درجِ ذیل چار حفاظ سے روایت کرتے ہیں:

(شیخ) حافظ علی بن عثمان ترکمانی، (شیخ) حافظ عبداللہ بن یوسف زیلعیؒ، (شیخ) حافظ قطب الدین عبدالکریم حلبیؒ، اور (حافظ) مسند الدنیا احمد بن ابوطالب بن شحنہ حنفیؒ المشہور ''حجار'' سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح قطب (عبدالکریم بن محمد بن عبدالنور) حلبیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) حافظ محمود کلاباذیؒ سے، وہ (شیخ) حافظ الدین محمد بن محمد بن نصر بخاری محدثؒ سے، وہ (شیخ) شمس الائمہ (محمد بن عبدالستار بن محمد) کردریؒ سے اور وہ شیخ الاسلام علی مرغینانی اور (شیخ) فخر الدین قاضی خانؒ سے روایت کرتے ہیں۔

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: (شیخ سیف الدین محمد) قاسم بن قطلو بغاؒ اور کمال الدین بن ہمام کا تذکرہ ابن حجر مکیؒ نے اپنی اسانید میں کیا ہے۔ انھوں نے کہا ہے:

> ''(حافظ) ابن حجر (عسقلانیؒ) وغیرہ نے قاسم (بن قطلو بغاؒ) کی تعریف ''محدث''، ''حافظ'' اور ''فقیہ'' کے الفاظ سے کی ہے۔ اور کمال الدین (ابن ہمامؒ) کے تعریف میں کہا ہے کہ: آپؒ نے معقول ومنقول کے تمام علوم اس طرح اپنے اندر جمع کر لیے تھے کہ آپ کے علاوہ کسی اور میں اس طرح جمع نہیں تھے۔ یہاں تک کہ آپ کو تمام دنیا کا عالم اور اپنے زمانے کا محقق کہا جاتا ہے۔ اور آپ کا درجہ اجتہاد سے کسی طرح کم نہیں۔'' انتھٰی

قطب (الدین عبدالکریم بن محمد بن عبدالنور) حلبیؒ، (علی) ابن (عثمان) ترکمانیؒ، (شیخ عبداللہ بن یوسف) زیلعیؒ اور (شیخ) عبدالقادر قرشی کا تذکرہ حسینی، ابن فہد اور سیوطی نے اپنے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں کیا ہے۔ اور (حافظ) محمود کلاباذیؒ کا تذکرہ (امام) ذہبی نے اپنے '**تذکرۃ الحفاظ**'' میں کیا ہے۔ حافظ الدین بخاری کی تعریف حافظ محمود کلاباذیؒ نے ان الفاظ سے کی ہے کہ:

> ''آپ امام، عالم ربانی، زاہد، قاضی، محقق اور محدث تھے۔'' انتھٰی

قطب (الدین عبدالکریم بن محمد بن عبدالنور) حلبی (امام) ابوالعباس (احمد بن ابراہیم) سروجیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح عبداللہ بن یوسف زیلعیؒ روایت کرتے ہیں علی بن عثمان ترکمانیؒ سے، وہ ابوالعباس (احمد بن ابراہیم) سروجیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن عباد خلاطیؒ سے، وہ (شیخ) جمال الدین محمود بن احمد بن عبدالسید حصیری بخاری محدثؒ سے اور وہ (شیخ) قاضی خانؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ جمال) مرشدیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ حافظ علاؤالدین) مغلطائی بن قلیجؒ سے اور وہ (شیخ) ابن شحنہ جمارؒ اور (شیخ) یوسف بن عمر ختنی فقیہ محدثؒ سے، اور (یوسف بن عمر) ختنیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عمر بن عدیمؒ سے، وہ (شیخ) قاضی عسکر محمد بن یوسف بدرا بیضؒ سے اور وہ ملک العلما امام ابوبکر (بن مسعود بن احمد) کاسائیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: (شیخ حافظ علاؤالدین) مغلطائیؒ کا تذکرہ حسینیؒ، ابن فہدؒ اور سیوطیؒ نے اپنے "تذکرۃ الحُفّاظ" کے "ذیول" میں کیا ہے۔ (517)

اسی طرح (امام ابوالعباس احمد بن ابراہیم) سروجیؒ، (امام جمال الدین) حصیریؒ اور (ملک العلما شیخ ابوبکر بن مسعود بن احمد) کاسائیؒ حدیث کی روایت میں مشغول رہنے والے لوگ تھے۔

رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (اللہ تعالیٰ ان تمام سے راضی ہوجائے)

(فصل) شیخ الاسلام مرغینانی مصنف "ہدایہ" تک میری فقہ کی سند کا ذکر

میں (عبیداللہ سندھی) نے ائمہ حنفیہ کے مذہب میں فقہ کی تعلیم نجم الائمہ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ سے حاصل کی۔ وہ بہت عمدہ مدرس اور شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے طریقۂ تحقیق کے بڑے ماہر تھے۔ شیخ الاسلام (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) مجدد تھے۔ ان کا میلان مجتہدین منتسب کی طرف تھا، جیسا کہ صدرالشہید مولانا محمد اسماعیل دہلویؒ بھی ایسا ہی میلان رکھتے تھے۔

میں نے اپنے شیخ، شیخ الہند (مولانا محمود حسنؒ) سے (فقہ حنفی کی) فروعات میں "ھدایہ" پڑھی۔ اصولِ (فقہ) میں "التّوضیح و التّلویح" پڑھی۔ فقہی اخذ و استنباط کے لیے جامع ترمذی وغیرہ پڑھیں۔

حضرت شیخ الہندؒ نے فقہ کی تعلیم شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم (نانوتوی) دیوبندیؒ سے حاصل کی اور انھیں سے تکمیل کی۔

میں نے شیخ الاسلام مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے سنن ابوداؤد کو فقہی بصیرت کے ساتھ پڑھا۔ ان کا رُجحان مجتہدین فی المذہب کے طریقے کی طرف تھا، جیسا کہ صدرالحمید مولانا محمد اسحاق دہلویؒ بھی اسی طرح کا رجحان رکھتے تھے۔

مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) اور مولانا رشید احمد (گنگوہی) نے شیخ مملوک علی (نانوتویؒ) اور شیخ عبدالغنی (مجددی) دہلویؒ سے تکمیل کی۔ شیخ مملوک علی (نانوتویؒ) نے شیخ رشیدالدین دہلویؒ سے تکمیل کی۔ اور انھوں نے شیخ عبدالحئی (بڈھانوی) دہلویؒ، شیخ رفیع الدین دہلویؒ، امام عبدالعزیز دہلویؒ اور امام عبدالقادر دہلویؒ سے علوم کی تکمیل کی۔ شیخ عبدالحئی (بڈھانویؒ) نے شیخ عبدالقادر دہلویؒ اور امام عبدالعزیز دہلویؒ اور امام رفیع الدین دہلویؒ سے تعلیم کی تکمیل کی۔ شیخ رفیع الدین دہلویؒ اور شیخ عبدالقادر دہلویؒ دونوں حضرات نے امام عبدالعزیز دہلویؒ سے تعلیم کی تکمیل کی۔

شیخ عبدالغنی (مجددی) دہلویؒ نے اپنے والد (شیخ ابوسعید دہلویؒ) اور شیخ محمد اسحاق دہلویؒ سے تعلیم حاصل کی اور شیخ محمد اسحاق دہلویؒ نے اپنے نانا امام عبدالعزیز دہلویؒ سے تعلیم حاصل کی۔

امام عبدالعزیز (دہلویؒ) نے اپنے والد امام ولی اللہ دہلویؒ سے تکمیل کی، انھوں نے اپنے والد امام عبدالرحیم دہلویؒ سے تعلیم حاصل کی اور پھر شیخ تاج الدین قلعی مکی اور شیخ ابوطاہر مدنیؒ سے تکمیل کی۔

شیخ تاج الدین قلعی اور شیخ ابوطاہر مدنی دونوں نے اپنے زمانے کی منفرد شخصیت شیخ حسن بن علی عجیمیؒ سے تعلیم حاصل کی اور انھوں نے ابراہیم بن حسن بیریؒ اور محمد صادق بن احمد مکیؒ سے اور ان دونوں نے عبدالرحمٰن بن عیسیٰ مرشدیؒ اور انھوں نے علی بن جاراللہ بن ظہیرہؒ سے اور انھوں نے اپنے والد (جاراللہ بن ظہیرہ) اور انھوں نے کمال الدین ابن ہمامؒ سے تعلیم حاصل کی۔

اسی طرح علی بن جاراللہ بن ظہیرہؒ نے اپنے والد جاراللہ سے، انھوں نے اپنے والد امین الدین بن ظہیرہ سے، انھوں نے محمد نجمیؒ سے، انھوں نے ابوحامد محمد ابن احمد بن ضیا (مکیؒ) سے، انھوں نے اپنے والد احمد بن ضیا مکیؒ سے تعلیم حاصل کی۔

شیخ حسن بن علی عجیمیؒ نے شیخ احمد بن محمد خزنجیؒ سے تعلیم حاصل کی، انھوں نے عبداللہ حضرمی مدنیؒ سے، انھوں نے محمد بن عبدالقادر نحراویؒ سے، انھوں نے احمد بن یونس شلبیؒ سے، انھوں نے ابن شحنہؒ سے، انھوں نے قاسم بن قطلو بغاؒ سے، انھوں نے کمال الدین ابن ہمامؒ سے، انھوں نے محبّ ابن شحنہؒ سے، انھوں نے اکمل الدین بابرتیؒ سے، انھوں نے کاکیؒ سے، انھوں نے (حسین علی) سغناقیؒ سے، انھوں نے حافظ الدین کبیرؒ سے تعلیم حاصل کی۔

اسی طرح احمد بن ضیا مکیؒ نے حافظ محی الدین عبدالقادر قرشیؒ سے، انھوں نے قطب حلبیؒ سے، انھوں محمود کلاباذیؒ سے، انھوں نے حافظ الدین کبیرؒ سے، انھوں نے شمس الائمہ کردریؒ سے اور انھوں نے شیخ الاسلام علی مرغینانیؒ سے اُن کی کتاب "ھدایہ" کی تعلیم حاصل کی۔

اصولِ فقہ میں صدر الشریعہ (عبیداللہ ابن مسعود بخاریؒ) تک میری سند

(شیخ) قاسم بن قطلو بغاؒ اور (شیخ) کمال الدین ابن ہمامؒ دونوں روایت کرتے ہیں بدرالدین عینیؒ، وہ جبرئیل بن صالح بغدادیؒ سے، وہ محمد بن عمر ارزنجانیؒ سے، وہ اپنے والد (عمر ارزنجانیؒ) سے، وہ امام صدر الشریعہ (عبیداللہ ابن مسعود بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح احمد بن یونس شلبیؒ روایت کرتے ہیں ابراہیمؒ سے، وہ ابراہیم کرکیؒ سے، وہ یحییٰ اقصرائیؒ سے، وہ محمد بن محمد حافظی سے، وہ محمد بن محمد طاہریؒ سے، وہ امام صدرالشریعہ (عبیداللہ بن مسعود بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

عربی ادب، جدال و مناظرہ، فلسفہ اور فنونِ تحصیل میں محقق جلال الدین دوانیؒ تک میری سند

امام عبدالرحیم دہلویؒ روایت کرتے ہیں میرزاہد ہروی اکبرآبادیؒ سے، وہ محمد فاضل بدخشیؒ سے، وہ محمد یوسف قراباغیؒ سے، وہ مرزا جان شیرازیؒ سے، وہ محمود شیرازیؒ سے، اور وہ جلال الدین دوانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

میں نے اپنے شیخ، شیخ الہندؒ سے علامہ تفتازانیؒ کی کتاب ''**مطوّل شرح تلخیص المفتاح**'' پڑھی اور ''**تفسیر بیضاوی**'' پڑھی، اُن کی سند امام (شاہ) عبدالرحیم دہلویؒ تک پہنچتی ہے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''**القول الجمیل**'' میں لکھتے ہیں:

> ''میں نے تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، نحو، صرف، کلام، اصول اور منطق وغیرہ علوم کو اپنے والدِ گرامیؒ سے پڑھا۔ انھوں نے ان علوم کی چھوٹی کتابیں تو اپنے بھائی ابوالرضا محمدؒ سے پڑھیں۔ اور بڑی کتابیں امیرزاہد ہرویؒ سے، جو مشہور حواشی کے مصنف ہیں۔ امیرزاہد ہرویؒ نے میرزا فاضلؒ سے، انھوں نے ملا یوسف کوسجؒ سے، انھوں نے مرزا جانؒ وغیرہ سے، انھوں نے مشہور محقق جلال الدین دوانیؒ سے، انھوں نے اپنے والد اسعدؒ وغیرہ سے، اور انھوں نے علامہ تفتازانیؒ اور علامہ شریف جرجانیؒ کے شاگردوں سے تعلیم حاصل کی۔'' انتہٰی (518)

رضی اللہ عنہم اجمعین ۝

پانچویں قسم

چوتھے دور (۴۱۲ھ/ 1021ء تا ۵۴۷ھ/1152ء)

کے علما کی اسانید

مقدمہ

پہلا باب

اللہ کی ''محبتِ ذاتیہ'' کا استنباط کرنے والے اہم صوفیا کی اسانید

دوسرا باب

مذہبِ حنفی میں اجتہادی طریقے کے بانی مجتہدین فقہا کی اسانید

مقدمہ

(اس دور کے تاریخی حقائق)

اگر تم چاہو تو اس دور کا آغاز اُس سنّ سے کرسکتے ہو، جب امیر ناصرالدین سبکتگین نے ۳۶۶ھ (976ء) میں ہندوستان پر اپنی افواج بھیجیں، لیکن ہندوستان پر اُن کی حکومت کی حفاظت اُسی وقت ہوئی، جب یمین الدولہ سلطان محمود غزنویؒ اَنار اللّٰہ بُرھانَہٗ (اللہ تعالیٰ اُن کی عظمت کو روشن رکھے۔) ۳۸۷ھ (997ء) میں تختِ سلطنت پر بیٹھے۔ یوں ان کی جدو جہد سے ۴۱۲ھ (1021ء) میں ہندوستانی حکومت کا لاہور میں قیام ہوا تھا۔ اس لیے ہم نے اس دور کا آغاز اسی سن سے کیا ہے، تاکہ سلطان محمود غزنویؒ کی جدو جہد اور ان کی کوشش کا تذکرہ اس دور کے شروع میں آجائے۔

(ہندوستان کی فتح میں صوفیائے کرامؒ کی کاوشیں)

مسلمانوں کے لیے ہندوستان کے فتح ہونے میں بڑی تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر ہندوستان کے لوگ فلاسفہ کی ایک جماعت کی اتباع کرتے تھے۔ چناں چہ اُن میں فلاسفہ کے افکار اتنے راسخ ہو چکے تھے کہ اس فلسفے (ویدانت) کی روح گویا اُن کے گوشت اور خون میں پیوست ہوچکی تھی۔

جب مسلمانوں میں اشراقی (روشن ضمیر) صوفی پیدا ہوئے تو ان لوگوں نے ہندوستانی لوگوں کی ذہنیت کا صحیح اندازا لگایا۔ اُنھوں نے ہندوستان کے شہروں کی طرف ظاہری اور خفیہ طور پر بہت سی جماعتیں بھیجیں۔ انھوں نے ہندوستان کے جوگیوں کا اس حوالے سے مقابلہ کیا۔ اس طرح ہندوستانی شہروں کی فتوحات میں مسلمانوں کو اپنے غزوات میں کامیابی حاصل ہوئی۔

یہی وجہ ہے کہ طریقت کے سلسلے کے بڑے مشائخ (ہندوستان میں ہونے والے) جہاد کے اس غزوے میں شریک رہے ہیں۔ اس لیے کہ خفیہ جماعتوں کے کام ان مشائخ کے بغیر منظّم انداز میں آگے نہیں بڑھتے۔ چناں چہ شیخ محمد بن ابواحمد چشتیؒ سومنات کے غزوے میں شریک رہے ہیں۔ وہ چشتیہ طریقے کے امام تھے۔ ان کا انتقال ۴۱۱ھ (1020ء) میں ہوا۔ اسی طرح سلطان محمود غزنویؒ کے جہاد میں امام ابوالحسن خرقانیؒ کی جہدوجہد اور کوشش بھی شامل ہے۔

پہلا باب

اللہ کی ''محبتِ ذاتیہ'' کا استنباط کرنے والے اہم صوفیا کی اسانید

(انسانی روح کا نقطۂ نورانی اور ''محبتِ ذاتیہ'' کے وِجدانی تقاضے)

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''حجّة الله البالغه'' میں فرماتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ انسان کی روح میں ایک ''نورانی لطیفہ'' ہے، جو طبعی طور پر اللہ عز و جل کی جانب ایسا میلان اور جھکاؤ رکھتا ہے، جیسا کہ لوہا مقناطیس کی طرف کشش رکھتا ہے۔ یہ ایک ایسا پہلو ہے، جو وجدانی طور پر معلوم ہوتا ہے۔ پس ہر وہ آدمی، جو انسانی نفس کے لطائف میں گہرائی سے غور و فکر کرے اور ہر ایک لطیفے کے تمام تقاضوں کو سمجھ لے تو ضروری ہے کہ وہ اس نورانی لطیفے کو پالے گا۔ وہ طبعی طور پر اس لطیفۂ نورانی کا میلان اللہ کی طرف محسوس کرے گا۔

اہلِ وجدان کے نزدیک اللہ کی طرف اس نقطۂ نورانی کے میلان کو ''محبتِ ذاتیہ'' کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ جیسا کہ دیگر تمام وجدانی چیزوں کی ہوتی ہے کہ جنھیں عقلی دلائل سے نہیں سمجھا جاسکتا، جیسے بھوکے آدمی کی بھوک اور پیاسے کی پیاس کو عقلی دلائل سے نہیں سمجھا جاسکتا۔'' انتھٰی (519)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: اس نورانی لطیفے میں جب مکمل طور پر ایسا استغراق ہوجائے کہ انسان اس حالت میں کسی دوسری چیز کا قطعی کوئی شعور نہ رکھتا ہو، یہاں تک کہ اس شعور کا علم بھی اُسے نہ رہے، تو اسی کا نام ''فنا فی الله'' اور ''بقا بالله'' ہے۔ اس دور کے ائمہ اس بلند مرتبت معرفت کو مستنبط کرنے میں کامیاب ہوگئے اور اسی کو انھوں نے صوفیا کے تمام طریقوں کا مرکز اور محور بنا لیا۔

پہلی نوع

سید الطائفہ امام جنید بغدادیؒ کے متبعین کی اسانید

فصل (1): اسانید امام ابوحامد محمد (بن محمد طوسی) غزالیؒ

امام محی الدین ابنِ عربیؒ روایت کرتے ہیں ابوالحسن عبداللہ بن محمد بن عیشونؒ سے، وہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربیؒ سے اور وہ امام ابوحامد محمد بن محمد طوسی غزالیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ابومدین شعیب (بن حسن) مغربیؒ روایت کرتے ہیں شیخ ابوالحسن علی بن حزمؒ سے، وہ فقیہ ابوبکر ابن العربیؒ سے اور وہ امام (ابوحامد محمد) غزالیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): اسانید شیخ الاسلام ابواسماعیل عبداللہ بن ابومنصور محمد انصاری ہرویؒ

امام محی الدین ابن عربیؒ روایت کرتے ہیں شیخ عبدالوہاب بن علی بن سکینہ بغدادیؒ سے، وہ ابوالفتح عبدالملک بن عبداللہ کروخیؒ سے اور وہ شیخ الاسلام عبداللہ ہرویؒ (520) سے روایت کرتے ہیں۔

امام محی الدین ابن عربیؒ روایت کرتے ہیں جمال الدین ابومحمد یونس بن یحییٰ ہاشمیؒ سے، وہ امام محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ سے، وہ ابوالوقت عبدالاول بن عیسٰی بن شعیب ہرویؒ اور ابوالفتح کروخیؒ سے اور یہ دونوں حضرات شیخ الاسلام اسماعیل عبداللہ انصاری ہرویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): اسانید امام ابوالقاسم قشیریؒ

(شیخ) عارف یوسف (بن ایوب) ہمدانیؒ اور امام ابوحامد غزالیؒ دونوں روایت کرتے ہیں شیخ فضیل بن محمد فارندیؒ سے اور وہ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ (521) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4): اسانید امام علی بن عثمان ہجویری لاہوریؒ

امام (خواجہ) معین الدین چشتی اجمیریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) سید یعقوب زنجانی لاہوریؒ (522) سے اور وہ اپنے سلسلۂ سند کے ذریعے شیخ امام علی بن عثمان ہجویری لاہوریؒ (523) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (5): اسانید سلطان العارفین امام ابوسعید فضل اللہ بن ابوالخیرؒ

امام (خواجہ) معین الدین چشتی اجمیریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) یعقوب زنجانی لاہوریؒ سے، وہ اپنی اسناد کے ساتھ امام علی بن عثمان ہجویری لاہوریؒ سے اور وہ سلطان العارفین امام ابوسعید بن ابوالخیرؒ (524) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (6): اسانید امام ابوعبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمیؒ مصنف ''طبقاتِ صوفیا''

امام علی بن عثمان ہجویریؒ روایت کرتے ہیں امام ابوسعید فضل اللہ (بن ابوالخیرؒ) سے اور وہ امام ابوعبدالرحمٰن محمد سلمیؒ (525) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح حافظ ابن حجر (عسقلانیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) ابو ہریرہ ابن ذہبیؒ سے، وہ (شیخ) ابونصر شیرازیؒ سے، وہ (شیخ) عبدالرحمٰن بن علی بکریؒ سے، وہ (شیخ) ابوزرعہ طاہر بن ابوالفضل بن طاہرؒ سے، وہ (شیخ) ابوبکر احمد بن علی شیرازیؒ سے اور وہ (شیخ) ابوعبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (7): اسانید امام محمد بن ابواحمد چشتیؒ

امام (خواجہ) معین الدین (چشتی) اجمیریؒ روایت کرتے ہیں شیخ عثمان ہارونیؒ سے، وہ شیخ شریف زندنیؒ سے، وہ شیخ مودود چشتیؒ سے، وہ اپنے والد شیخ یوسف بن محمد بن سمعان چشتیؒ سے، اور وہ اپنے ماموں امام محمد بن ابواحمد چشتیؒ (526) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (8): اسانید امام ابوالقاسم جرجانیؒ

امام عبدالقاہر (ابونجیب) سہروردیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) احمد غزالیؒ سے، وہ (شیخ) ابوبکر نساجؒ سے، اور وہ امام ابوالقاسم جرجانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عارف یوسف (بن ایوب) ہمدانیؒ اور امام ابوحامد غزالیؒ دونوں روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوعلی فضل بن محمد فارندیؒ سے اور وہ امام ابوالقاسم علی جرجانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (9): اسانید امام ابوطالب محمد بن علی بن عطیہ حارثی مکی حنفیؒ مصنف ''قُوتُ القلوب''

امام ابوحامد غزالیؒ روایت کرتے ہیں امام الحرمین (شیخ) عبدالملکؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) ابومحمد جوینیؒ سے اور وہ (شیخ) ابوطالب مکی حنفیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح حافظ مغلطائیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوالعباس حجارؒ سے، وہ (شیخ) عبدالعزیز بن دُلفؒ سے، وہ (شیخ) ابوالفتح محمد بن یحییٰ روائیؒ سے، وہ (شیخ) ابوعلی محمد بن محمد بن عبدالعزیز مہدیؒ سے، وہ (شیخ) عمر بن ابوطالب محمد بن علی مکیؒ سے اور وہ اپنے والد ابوطالب مکی حنفیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں: امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

''کتاب ''قوت القلوب'' کے بارے میں علما کا کہنا ہے کہ دین اسلام میں اس جیسی کوئی

کتاب اہل تصوف کے سلسلۂ طریقت کی باریکیوں کے بیان کرنے میں اور کوئی نہیں لکھی گئی۔
اور تصوف و سلوک پر جتنی بھی دیگر کتابیں لکھی گئی ہیں، وہ سب اسی سے ماخوذ ہیں، جیسے "احیاء (علوم دین)"، "غنیۃ الطالبین" اور "عوارف (المعارف)" وغیرہ ہیں۔" انتھیٰ (527)

فصل (10): اسانید امام ابوبکر بن ابوابراہیم اسحاق کلاباذی بخاری حنفیؒ

مصنف "التعرّف"

امام طاہر بن محمود بن صدر السعیدؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) زاہد عبدالرحمٰن برکویؒ سے، وہ (شیخ) ابرہیم بن احمد مستملیؒ سے، اور وہ شیخ ابوبکر محمد بن ابوابراہیم اسحاق کلاباذی (بخاری) حنفی (528) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (11): اسانید امام ابوعبداللہ محمد بن خفیف شیرازیؒ

امام شہاب الدین سہروردیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) فرج زنجانیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالعباس نہاوندیؒ سے، اور وہ امام ابوعبداللہ محمد بن خفیف شیرازیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

دوسری نوع

سلطان العارفین بایزید بسطامیؒ کے متبعین کی اسانید

ان کے متبعین میں اہم تر شخصیت امام ابوالحسن خرقانیؒ (529) ہیں، جو عام طور پر تمام سلسلوں کے امام سمجھے جاتے ہیں اور خاص طور پر طریقۂ نقشبندیہ کے امام ہیں۔

امام عبدالقادر جیلانی عارف یوسف (بن ایوب) ہمدانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امام معین الدین چشتی (اجمیریؒ) روایت کرتے ہیں امام ابوبکر بن محمد بخاریؒ سے، وہ شیخ عارف یوسف (بن ایوب) ہمدانیؒ سے، وہ شیخ ابوعلی فضیل بن محمد فارمدیؒ سے، اور وہ امام ابوالحسن خرقانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ابوحامد غزالیؒ روایت کرتے ہیں (ابوعلی فضیل بن محمد) فارمدیؒ سے اور وہ امام ابوالحسن خرقانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابواسماعیل عبداللہ انصاری ہرویؒ امام ابوالحسن خرقانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

دوسرا باب
مذہبِ حنفی میں اجتہادی طریقے کے بانی مجتہدین فقہا کی اسانید
پہلی نوع
شمس الائمہ حلوانی، امام عبدالعزیز بن احمد بخاریؒ کے متبعین کی اسانید

(امام) ذہبیؒ فرماتے ہیں:

(امام عبدالعزیز بن احمد بخاریؒ) کا انتقال ۴۵۶ھ (1063ء) میں ہوا۔

(علامہ) سمعانیؒ فرماتے ہیں:

''ان کا تذکرہ حافظ ابومحمد عبدالعزیز بن محمد نخشبیؒ نے اپنے مشائخ کی معجم (کتاب) میں کیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ: ''اُن مشائخ میں سے شمس الائمہ ابومحمد حلوانیؒ بھی ہیں، جو بڑے شیخ اور علوم کی بہت سی اقسام کے عالم تھے۔ حدیث اور حدیث سے تعلق رکھنے والوں کی بڑی عظمت رکھتے تھے۔ مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اصل میں خود صاحبِ حدیث تھے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اس لیے کہ وہ حدیث کی بڑی تعظیم کرتے تھے، البتہ وہ کوفیوں (احناف) کے مذہب پر فتویٰ دیتے تھے۔'' انتہیٰ (530)

پہلی نوع کا ایک حصہ

شمس الائمہ سرخسی امام محمد بن احمد بن ابو سہل مجتہدؒ کے واسطے سے شمس الائمہ حلوانی ؒ سے علوم حاصل کرنے والوں کی اسانید

فصل (1): امام، برہانِ کبیر عبدالعزیز بن عمر مازہ بخاریؒ کے واسطے سے شمس الائمہ سرخسیؒ کی اسانید

شیخ الاسلام علی مرغینانیؒ روایت کرتے ہیں صدرالسعید تاج الدین احمد بن امام عبدالعزیزؒ سے اور وہ اپنے والد برہانِ کبیر (عبدالعزیز بن مازہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام علی مرغینانیؒ روایت کرتے ہیں صدرالشہید حسام الدین عمر بن امام عبدالعزیز سے، اور وہ اپنے والد برہانِ کبیر (عبدالعزیز بن مازہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام علی مرغینانی روایت کرتے ہیں (شیخ) احمد بن عبدالرشید بخاریؒ سے، وہ (شیخ) ظہیر کبیر علی بن عبدالعزیز مرغینانی سے اور وہ برہانِ کبیر (عبدالعزیز بن مازہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فقیہ النفس حسن بن منصور قاضی خانؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ظہیرالدین حسن بن علی بن عبدالعزیز مرغینانیؒ سے اور وہ برہانِ کبیر (عبدالعزیز بن مازہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ الاسلام علی) مرغینانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ضیاءالدین محمد بن حسین بن ناصر برسوخسیؒ سے، وہ (شیخ) علاؤ (الدین) سمرقندیؒ سے، وہ فلانیؒ سے، وہ (شیخ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود) نسفیؒ سے اور وہ برہانِ کبیر (عبدالعزیز بن مازہ بخاریؒ) روایت کرتے ہیں۔

ملک العلما ابوبکر کاسانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) علاؤ (الدین) سمرقندیؒ سے، وہ (شیخ) میمون بن محمد قلانسیؒ سے، وہ (شیخ) عبدالعزیز بن عثمان نسفیؒ سے اور وہ برہانِ کبیر (عبدالعزیز بن مازہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) محمد بن بدرابیض یوسف (بن حسینؒ) روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) بدرابیضؒ سے وہ (شیخ) علی بن حسن برہان بلخیؒ سے اور وہ برہانِ کبیر (عبدالعزیز بن مازہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) محمد بن بدرابیض یوسف بن حسین روایت کرتے ہیں (شیخ) مسعود بن شجاع بن محمد امویؒ سے، وہ برہان بلخیؒ سے اور وہ برہانِ کبیر (عبدالعزیز بن مازہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

صدرالاسلام (شیخ) طاہر بن محمود بن احمد بن عبدالعزیزؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) محمودؒ سے وہ اپنے والد (شیخ) احمدؒ سے اور وہ برہانِ کبیر (عبدالعزیز بن مازہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

شمس الائمہ کردریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عمر بن محمد عقیلیؒ سے، وہ صدرالشہید (شیخ) عمر بن عبدالعزیزؒ سے اور وہ اپنے والد برہانِ کبیر (عبدالعزیز بن مازہ بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): برہانِ کبیر کے واسطے کے بغیر شمس الائمہ محمد بن ابوسہل سرخسیؒ کی اسانید

شیخ الاسلام مرغینانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عثمان بن علی بیکندیؒ، (شیخ) عمر بن حبیب بن علی زندوارسیؒ اور (شیخ) محمد بن ابراہیم بن انوش حصیریؒ سے، اور یہ تینوں حضرات (شمس الائمہ) سرخسیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

امام قاضی خان روایت کرتے ہیں (شیخ) حسن بن علی مرغینانیؒ سے، وہ شمس الائمہ محمود اوزجندیؒ — جو (شیخ) قاضی خانؒ کے دادا ہیں — اور (شیخ) مسعود بن حسن کشانیؒ سے اور یہ دونوں حضرات (شمس الائمہ) سرخسیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

پہلی نوع کا دوسرا حصہ

شمس الائمہ بکر بن محمد زرنجریؒ کے واسطے سے

شمس الائمہ حلوانیؒ سے علوم حاصل کرنے والوں کی اسانید

فصل (1) شمس الائمہ عمر بن بکر زرنجریؒ کے واسطے سے

اُن کے والد شمس الائمہ بکر زرنجریؒ کی اسانید

شیخ الاسلام (خواجہ) فریدالدین (گنج شکر) اجودھنیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) سیف الدین باخرزیؒ سے، وہ شمس الائمہ کردریؒ سے، اور وہ شمس الائمہ عمر زرنجریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

حافظ الدین بخاری کبیرؒ روایت کرتے ہیں امام عبیداللہ بن ابراہیم محبوبی (صدر الشریعہؒ) سے، وہ شمس الائمہ عمر زرنجریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

شمس الائمہ کردریؒ روایت کرتے ہیں ناصرالدین مطرزیؒ سے، وہ (شیخ) موفق بن احمد مکیؒ سے، اور وہ شمس الائمہ عمر زرنجریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

دوسری نوع

شیخ الاسلام علی مرغینانیؒ وغیرہ کی ائمہ محدثین فقہا کی اسانید

میں نے ان اسانید کو حافظ محی الدین (عبدالقادر) قرشیؒ کی "جواھر المضئیۃ" سے منتخب کیا ہے۔

فصل (1): امام محمد (شیبانیؒ) کی روایت سے مؤطا امام مالکؒ کی اسانید

شیخ الاسلام علی بن ابوبکر مرغینانی "مؤطا" کی روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوحفص عمر بن محمد نسفیؒ سے، وہ (شیخ) ابومنصور احمد بن محمد حارثیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالفضل احمد بن خیرونؒ سے، وہ (شیخ) ابوطاہر عبدالغفار مؤدبؒ سے، وہ (شیخ) ابوعلی صوافؒ سے، وہ (شیخ) ابوعلی بشر بن موسیٰ سے، وہ (شیخ) ابوجعفر احمد بن محمد مہرانؒ سے، وہ امام محمد بن حسن شیبانیؒ سے اور وہ امام دارِہجرہ امام مالک بن انسؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): صحیح امام بخاریؒ کی اسانید

شیخ الاسلام علی بن ابوبکر مرغینانیؒ فرماتے ہیں کہ:

"میں نے محمد بن عبدالرحمٰن بن ابوبکر خطیب کشیمھنی مروزیؒ سے صحیح بخاری شریف کا اکثر حصہ پڑھا۔ انھوں نے اس کی اجازت مجھے ۵۴۵ھ (1150ء) میں دی۔ وہ کہتے ہیں کہ: ہم سے (شیخ) ابوالخیر محمد بن موسیٰ بن عبداللہ صفار مروزیؒ نے ۴۷۱ھ (1078ء) میں روایت کی۔ وہ کہتے ہیں کہ: ہم سے ابوالہیثم محمد بن بکر بن محمد کشیمھنیؒ نے ۳۸۸ھ (998ء) میں روایت کی۔ وہ کہتے ہیں کہ: ہم نے (شیخ) ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن مطر فربریؒ کے سامنے ۳۱۶ھ (928ء) میں قرأت کی۔ وہ کہتے ہیں کہ: ہم سے (شیخ امام) ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل (بن ابراہیم) بخاریؒ نے ۲۵۲ھ (866ء) میں (صحیح بخاری کی) روایت کی اور وہ بڑے امام اور زاہد تھے۔"

اسی طرح شیخ الاسلام (علی بن ابوبکر) مرغینانیؒ (صحیح بخاری کی) روایت کرتے ہیں (شیخ) عثمان بیکندیؒ سے، وہ (شیخ) حسن بن عبدالملک نسفیؒ سے، وہ (شیخ) جعفر بن محمد مستغفریؒ سے، وہ (شیخ) اسماعیل بن محمد کشائیؒ سے، وہ (شیخ محمد بن یوسف بن مطر) فربریؒ سے، اور وہ امام (ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل) بخاریؒ سے اُن کی کتاب "جامع الصّحیح" کی روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح شیخ الاسلام (علی بن ابوبکر مرغینانیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) عمر نسفیؒ سے، وہ (شیخ) حسن سمرقندیؒ سے، وہ (شیخ) جعفر بن محمد مستغفریؒ سے، وہ (شیخ) حماد بن شاکرؒ سے، وہ امام (ابوعبداللہ محمد بن

اسماعیل) بخاریؒ سے روایت کرتے ہیں۔ یہ اسناد حنفی حضرات کے تسلسل کے ساتھ ہیں۔

فصل (3): امام مسلمؒ کی ''صحیح (مسلم)'' کی اسانید

شیخ الاسلام علی (بن ابوبکر) مرغینانیؒ فرماتے ہیں کہ: مجھے (شیخ) ضیاء الدین محمد بن حسین بن ناصرؒ نے کتاب ''صحیح مسلم'' کی اجازت دی، انھیں (شیخ) محمد بن فضل سے فراویؒ سے، انھیں (شیخ) ابوالحسین عبدالغافر فارسیؒ سے، انھیں (شیخ) جلودیؒ سے، انھیں (شیخ) ابراہیم بن محمد بن سفیان فقیہؒ سے، اور انھیں امام مسلم نیشاپوریؒ سے اجازت حاصل ہے۔

فصل (4): ''جامع ترمذی'' کی اسانید

شیخ الاسلام علی مرغینانیؒ نے (شیخ) ضیاء الدین صاعد بن اسعد بن اسحاق مرغینانیؒ سے مرغینان میں کتاب ''جامع التّرمذی'' کی سماعت کی، انھوں نے برہان الائمہ (شیخ) عبدالعزیز بن عمرؒ سے سماعت کی، انھوں نے (شیخ) ابوبکر محمد بن علی بن حیدرہؒ سے سماعت کی، انھوں نے (شیخ) علی بن احمد بن محمد خزاعیؒ سے سماعت کی، انھوں نے (شیخ) ابوسعید الہیثم بن کلیب شامیؒ سے سماعت کی، اور انھوں نے (مصنف کتاب امام) ابوعیسیٰ ترمذیؒ سے (اُن کی کتاب ''جامع ترمذی'' کی) سماعت کی۔

شیخ الاسلام (علی بن ابوبکر مرغینانیؒ) نے (شیخ) ابوشجاع عمر بن محمد بن عبداللہ بسطامیؒ سے کتاب ''شمائل الترمذی'' پڑھی، انھوں نے (شیخ) ابوالقاسم احمد بن محمد بن عبداللہ خلیلیؒ سے، انھوں نے (شیخ) شریف ابوالقاسم علی بن احمد خزاعیؒ سے، انھوں نے (شیخ) ہیثم بن کلیبؒ سے اور انھوں نے (امام ابوعیسیٰ) ترمذیؒ سے (شمائل ترمذی) پڑھی۔

فصل (5): (امام) ابوجعفر طحاویؒ کی ''معانی الآثار'' کی اسانید

شیخ الاسلام علی مرغینانی کتاب ''معانی الآثار'' کی روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن عمر بن عبدالملک صفارؒ سے، وہ (شیخ) بکر بن محمد بن علی بن فضل زرنجریؒ سے، وہ شمس الائمہ (شیخ) ابومحمد عبدالعزیز بن احمد حلوائیؒ سے، وہ (شیخ) ابوبکر محمد بن عمر بن حمدانؒ سے، وہ (شیخ) ابوابراہیم محمد بن سعید بن ابراہیمؒ سے اور وہ (مصنف کتاب) امام ابوجعفر طحاویؒ سے (اُن کی کتاب ''معانی الآثار'' کی) روایت کرتے ہیں۔

رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو۔

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: یہ سب سے آخری سند ہے، جو میں نے شیخ الاسلام علی مرغینانی مصنف ''ھدایہ'' کی اسانید سے اخذ کی ہے۔

فصل (6): امام محمد بن حسن شیبانیؒ کی ''کتاب الآثار'' کی اسانید

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:

''میں امام محمد بن حسن (شیبانیؒ) کی ''کتاب الآثار'' کی روایت اپنی اُس اسناد کے ساتھ روایت کرتا ہوں، جو (شیخ) تاج الدین قلعیؒ کے واسطے سے صدرالشریعہ تک جاتی ہے۔

(شیخ تاج الدین قلعیؒ روایت کرتے ہیں شیخ حسن بن علی) عُجیمیؒ سے، وہ (شیخ خیرالدین) رملیؒ سے، وہ (محمد بن سراج الدین عمر) حانوتیؒ سے، وہ (علامہ ابراہیم) کرکیؒ سے، وہ (شیخ محبّ الدین محمد بن احمد) اقصرائیؒ سے، وہ (ابونصر بن محمد) حافظیؒ سے وہ (شیخ محمد بن محمد) طاہریؒ سے اور وہ صدرالشریعہ (عبیداللہ بن مسعود بخاریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔'' (531)

صدرالشریعہ عبیداللہ بن مسعود بخاریؒ کی ''کتاب الآثار'' کی اسانید

صدرالشریعہ روایت کرتے ہیں اپنے دادا تاج الشریعہ محمودؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) عبیداللہ بن ابراہیم محبوبی امام زادہؒ سے، وہ شمس الائمہ (شیخ) بکر زرنجریؒ سے، وہ شمس الائمہ (شیخ) عبدالعزیز بن احمد حلوائیؒ سے، وہ (شیخ) ابوعلی نسفیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن فضل بخاریؒ سے، وہ (شیخ) عبداللہ بن محمد حارثیؒ سے، وہ (شیخ) ابوحفص صغیرؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) ابوحفص کبیرؒ سے، اور وہ امام ربانی محمد بن حسن شیبانیؒ سے ''کتاب الآثار'' کی روایت کرتے ہیں۔

فصل (7): (شیخ) جمال الدین حصیریؒ کی ''صحیح امام مسلم'' کی اسانید

(امام محمود بن سلیمان) کفویؒ فرماتے ہیں:

''محمود بن احمد بن عبد السید جمال الدین بخاری حصیریؒ بڑے فاضل امام تھے۔ اپنے زمانے میں مذہبِ حنفی کی سربراہی اُن پر ختم تھی۔ انھوں نے (شیخ) مؤید طوسیؒ سے نیشاپور میں ''**صحیح مسلم**'' کی سماعت کی۔'' انتہٰی (532)

امام شاہ ولی اللہ (دہلویؒ) ''**الإرشاد (إلیٰ مهمّات الأسناد)**'' میں فرماتے ہیں:

''جہاں تک صحیح مسلم کا تعلق ہے تو اس کی روایت دمیاطیؒ نے ابوالحسن مؤید بن محمد طوسی نیشاپوریؒ سے کی ہے، انھوں نے اس کا سماع کیا ہے فقیہ الحرم (شیخ) محمد بن فضل فراویؒ سے، انھوں نے (شیخ) حسن عبدالغافر بن محمد بن عبدالغافر فارسیؒ سے، انھوں نے (شیخ) ابواحمد محمد عیسیٰ جلودیؒ سے، انھوں نے ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن سفیان زاہد نیشاپوریؒ سے اور انھوں نے اس کتاب کے مؤلف (امام مسلمؒ) سے روایت کی ہے۔'' (533)

فصل (8): شمس الائمہ (شیخ) بکر زرنجریؒ کی "صحیح امام بخاری" کی اسانید

شمس الائمہ (شیخ) بکر زرنجریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوعلی اسماعیل بن احمد دبیوردیؒ سے، وہ (شیخ) ابوعلی اسماعیل بن احمد کشانیؒ سے، وہ (شیخ محمد بن یوسف) فربریؒ سے اور وہ امام بخاریؒ سے کتاب **"جامع الصحیح"** کی روایت کرتے ہیں۔

فصل (9): (شیخ) قاسم بن قطلو بغاؒ کی روایت سے "مسند إمام ابو حنفیه للخوارزمی" کی اسانید

(شیخ سیف الدین حافظ محمد) قاسم بن قطلو بغاؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) تاج الدین احمد بن محمد بغدادی فرغانیؒ سے، وہ (شیخ) حیدرہ بن محمد بن یحییٰ عباسؒ سے، وہ (شیخ) صالح بن عبداللہ بن صباغؒ سے، وہ (شیخ) ابومؤید محمد بن محمود بن محمد خوارزمیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (10): قاسم بن قطلو بغاؒ کی روایت سے "مشارق (الأنوار) للصّاغانی" کی اسانید

(شیخ سیف الدین حافظ محمد) قاسم بن قطلو بغاؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) تاج الدین احمد فرغانیؒ سے، وہ اپنے چچا (شیخ) حسام الدینؒ سے، وہ (شیخ) صالح بن عبداللہ بن صباغؒ سے، وہ امام حسن صغانی لاہوری سے (اُن کی کتاب) "مشارق الأنوار" کی روایت کرتے ہیں۔

چھٹی قسم

تیسرے دور (۱۹۳ھ/858ء تا ۴۱۲ھ/1021ء)

کے علما کی اسانید

مقدمہ

پہلا باب

''نسبت'' کے حصول کے قوانین کی روشنی میں

زہد و تقویٰ کے اعمال منضبط کرنے والے ائمہ مرشدین کی اسانید

دوسرا باب

امام ابو حنیفہؒ سے نسبت رکھنے والے فقہا محققین اور مجتہدین منتسبین کی اسانید

مقدمہ

(اس دور کے تاریخی حقائق)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں:

(خلیفہ ہارون الرشید کے انتقال ۱۹۳ھ/ 858ء کے بعد امین الرشید اور مامون الرشید کے درمیان پیدا ہونے والے) فتنوں کے بعد اس دور کے خلفا میں مامون (الرشید کے زمانۂ خلافت ۱۹۸ء/ 813ء تا ۲۱۸ھ/ 833ء) سے لے کر (خلیفہ) قادر باللہ (اسحاق بن مقتدر کے زمانۂ خلافت ۳۸۱ھ/ 991ء تا ۴۲۲ھ/ 1031ء) تک دس خلفا ہیں، جنھوں نے دریائے سندھ کے پار شہروں اور علاقوں پر حکومت کی ہے۔ اس لیے ان علاقوں کے رہنے والے لوگوں میں بعد میں مسلمان ہونے والی شمال مغربی ہندوستان کی اقوام سے دین اسلام میں زیادہ رسوخ پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت کے مراکز میں اقتدار حاصل کرنے والی عجمی (ایرانی) اقوام کے غلبے سے ہندوستانی مسلمان بھی بہت متأثر ہوتے رہے ہیں۔

(علامہ شیخ محمد) خضری (بک) لکھتے ہیں:

”اہل خراسان اور بعد میں مسلمان ہونے والے موالی کے ہاتھوں عباسیوں کی حکومت اور سلطنت قائم ہوئی۔ اسی سبب سے عباسی دورِ خلافت میں ان لوگوں کو ایسا بڑا مرتبہ اور مقام حاصل ہوا، جو کسی طرح بھی عربوں کے مقام سے کم نہ تھا۔ اس لیے کہ (عباسی) حکومت کی عظمت اور شان انھیں کی وجہ سے قائم تھی۔ چناں اس دور میں اہل خراسان اور اہل عرب میں بڑے عظیم قائدین پیدا ہوئے۔

مامون کی حکومت اور خلافت کا قیام اہل خرسان کے ہاتھوں ہوا۔ اس لیے اس حکومت میں ان کی عظمتِ شان میں اضافہ ہوا۔ جتنی ان کی عظمتِ شان میں اضافہ ہوا، اتنی ہی عربوں کے غلبے میں کمی ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ اس دور میں کوئی قابل ذکر عرب رہنما اور مشہور قائد نہ رہا جیسا کہ منصور، مہدی اور (ہارون) الرشید کے عہد میں تھا۔ اس دور میں عسکری قوتوں کو کنٹرول کرنے والے تمام بڑے لوگ صرف اہل خراسان میں سے تھے اور انھیں پر بہت زیادہ اعتماد کیا

جانے لگا۔ البتہ اس دور میں ماوراء النہر کے علاقوں میں بسنے والے ترکوں میں سے کچھ عناصر ایسے تھے کہ جن میں سے چند قائدین کے نام سامنے آتے ہیں۔ حکومت کے عسکری لشکروں کی یہ حقیقت اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ اس دور میں عرب خلافت اور حکومت محض برائے نام کی رہ گئی تھی۔'' انتھٰی (534)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں:

میرے نزدیک یہ بات ثابت شدہ ہے کہ (اس دور میں) ''خلقِ قرآن'' کا جو مسئلہ (یعنی قرآن اللہ کی مخلوق ہے یا اس کا کلام ہے) پیدا ہوا تھا، وہ دراصل عجمی ذہنیت کا عرب ذہنیت کے ساتھ ٹکراؤ کا معاملہ تھا۔ (535) اس کے نتیجے میں دینی حوالے سے عربی زبان کو مقدم سمجھنے اور اس کی برتری کا رعب لوگوں کے دلوں سے ختم ہو گیا۔ اس دور میں ان لوگوں نے ایسے اصولوں کی بنیاد رکھ دی، جن سے واضح طور پر یہ نتیجہ ظاہر ہوتا تھا کہ (عربی زبان پر مشتمل) قرآنی الفاظ کی نسبت، اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف حقیقت پر مبنی نہیں ہے، بلکہ ان پر '' کلام اللہ'' کے لفظ کا اطلاق مجازی طور پر کیا جانا چاہیے۔

"خاتم فقهاء العرب" (عربوں میں آخری فقیہ) امام احمد بن حنبلؒ نے اس نظریے کا بڑی شدت سے انکار کیا، جب کہ اہل عجم سے تعلق رکھنے والے بڑے محدثین جیسا کہ امام یحییٰ بن معینؒ، علی ابن مدینیؒ، اور امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ وغیرہ بھی اس مسئلے سے خاصے متأثر ہوئے۔

اگر آپ چاہیں تو حنفی اور شافعی فقہا کے باہمی اختلافات کو بھی عرب و عجم کے اس باہمی جھگڑے کے تناظر میں دیکھ سکتے ہیں۔ ورنہ ائمہ مجتہدین امام مالک و (امام) شافعی اور امام ابوحنیفہ، (امام سفیان) ثوری اور (امام) ابویوسف کے مسالک کے درمیان باہمی قربت ہونے کے باوجود (اس دور میں حنفیوں اور شافعیوں کے درمیان پیدا ہونے والے) اس اختلاف وافتراق کی شدت کا اور کوئی معنی نہیں ہے۔

واللّٰہ الموفق و الھادی. (اللہ ہی توفیق اور ہدایت دینے والا ہے)

پہلا باب
''نسبت'' کے حصول کے قوانین کی روشنی میں
زہد وتقویٰ کے اعمال منضبط کرنے والے ائمہ مرشدین کی اسانید

(نسبت کی حقیقت اور اس کی اقسام)

امام ولی اللہ دہلویؒ ''القول الجميل'' میں لکھتے ہیں:

''صوفیا کے تمام طریقوں — قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، مجددیہ — کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ انسانی نفس میں ایک خاص ہیئت اور کیفیت پیدا ہوجائے، جسے صوفیا کی اصطلاح میں ''نسبت'' کہا جاتا ہے۔ اور اطمینان، سکینت اور نور کے ذریعے اللہ عزوجل کے ساتھ ربط پیدا ہوجائے۔

اس ''نسبت'' کی حقیقت ایک ایسی کیفیت کا نام ہے، جس میں ملائکہ سے مشابہت (تشبّہ بالملکوت) اختیار کرنے یا عالم جبروت کی طرف متوجہ ہونے (تطلّع إلی الجبروت) کی وجہ سے انسان کے نفس ناطقہ میں سرایت کرجاتی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ طالب جب عبادات، طہارات اور ذکر واذکار پر برابر عمل کرتا رہے تو اس کے ''نفسِ ناطقہ'' کے اندر فرشتوں کے مشابہ ایک مستقل صفت قائم ہوجاتی ہے۔ اور ''عالمِ جبروت'' کی طرف ''توجہ'' کرنے سے ایک راسخ ملکہ پیدا ہوجاتا ہے۔ اس طرح اس نسبت کی دو شاخیں ہیں:

(۱) فرشتوں کے مشابہ مستقل صفت۔ (تشبّه بالملكوت)

(۲) ''عالمِ جبروت'' کی طرف ''توجہ''۔ (تطلّع إلى الجبروت)

اور ان میں سے ہر ایک شاخ کی بہت سی قسمیں ہیں:

(الف) ایک عشق ومحبت کی ''نسبت'' ہے، جس میں اللہ تعالیٰ سے محبت کی صفت دل میں راسخ ہوجاتی ہے۔

(ب) دوسری نسبت ''نفس شکنی'' یعنی نفس کی خواہشات کو ختم کرنے اور اس کی لذتوں سے مکمل برأت ظاہر کرنے کی ہے۔ میرے والدِ بزرگوار اس ''نسبت'' کو ''نسبت اہل بیت'' کا نام دیا کرتے تھے۔

(ج) تیسری نسبت ''مشاہدہ'' کی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مجردِ محض یعنی ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف ہر دم متوجہ رہنے کا ملکہ حاصل ہو جائے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضوری کے بہت سے رنگ ہیں۔ ان میں سے کبھی تو ''عشق و محبت'' کا رنگ غالب ہوتا ہے اور کبھی ''نفس شکنی'' کا رنگ اثر دکھاتا ہے۔ کبھی ان کے علاوہ ''یادداشت'' کا رنگ ہوتا ہے۔ جب کبھی طالب کے ''نفسِ ناطقہ'' میں اس رنگ کا مستقل ملکہ پیدا ہو جاتا ہے تو یہ ملکہ ''نسبت'' کہلاتا ہے۔'' (536)

(نسبت کے حصول کا طریقہ اور نسبتِ سکینت)

شیخ امام (شاہ ولی اللہ دہلویؒ) مزید فرماتے ہیں:

''تمھیں کہیں یہ گمان نہ ہو کہ یہ ''نسبت'' صرف ان اشغال و وظائف ہی کے ذریعے حاصل ہوسکتی ہے۔''

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: ان سے مراد سلسلۂ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، مجددیہ کے وہ اشغال و وظائف ہیں، جن کی تفصیلات امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ''القول الجمیل'' میں بیان فرمائی ہیں۔

امام (شاہ ولی اللہ دہلویؒ) فرماتے ہیں:

''ہاں! اس میں شک نہیں کہ اس ''نسبت'' کے حصول کا ایک طریقہ یہ اشغال و وظائف بھی ہیں، لیکن اس کے علاوہ اس کے حصول کے اور طریقے بھی ہیں۔ میرے نزدیک اس مسئلے میں غالب رائے یہ ہے کہ صحابہؓ اور تابعینؒ ان اشغال و وظائف کے علاوہ ''سکینت کی نسبت'' دوسرے طریقوں سے حاصل کرتے تھے۔

ان میں سے ایک طریقہ یہ تھا کہ وہ خلوت میں پورے خضوع و حضور کے ساتھ نمازیں پڑھتے، ذکر و تسبیح کرتے اور طہارت پر برابر قائم رہتے۔ موت، جو دنیاوی لذتوں کو مٹانے والی ہے، اُس کو ہر دم یاد کرتے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فرماں برداروں کے لیے ثواب اور نافرمانوں کے لیے جو عذاب مقرر کر رکھا ہے، اُس پر دھیان دینے سے مادی لذتوں سے اُن کی طبیعت اُچاٹ ہو جاتی۔ اور دل ان سے بے تعلق ہو جاتا۔ چناں چہ اس طریق سے اُن میں یہ ''نسبت'' پیدا ہو جاتی تھی۔

اس کے حصول کا ایک طریقہ یہ تھا کہ وہ قرآنِ مجید کی برابر تلاوت کرتے۔ اور اس کے معانی و مطالب میں غور وتدبر فرماتے۔ نیز وعظ و نصیحت کی باتیں اور دل کو نرم کرنے والی احادیث سنتے۔ الغرض وہ ان چیزوں کو ایک مدتِ دراز تک باقاعدگی سے کرتے۔ اس سے اُن کے اندر ایک مستقل ملکہ اور ایک نفسی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔ وہ اس مستقل ملکہ اور اس نفسی کیفیت کی آخر عمر تک برابر حفاظت کرتے۔

یہ ہے وہ کیفیت، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے مشائخ کے ذریعے بطورِ تسلسل اور وراثت کے چلی آتی ہے۔ اب اس کیفیت کے برحق ہونے میں تو کوئی شک نہیں۔ البتہ یہ اَور بات ہے کہ اس کیفیت کے کئی رنگ ہیں۔ اور اس کے حصول کے طریقے بھی کئی ہیں۔ (537)

میں نے اپنے والد بزرگوار (شاہ عبدالرحیم دہلوی) قدس سرہٗ کو ایک طویل واقعہ بیان کرتے سنا ہے۔ فرماتے تھے کہ میں نے خواب میں حضرات حسن، حسین اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو دیکھا۔ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اپنی ''نسبت'' کے متعلق پوچھا کہ کیا یہ وہی ''نسبت'' ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ لوگوں کے ہاں ہوتی تھی۔ اس پر حضرت علیؓ نے مجھے اپنی ''نسبت'' میں گہری توجہ کرنے کا حکم دیا۔ انھوں نے بھی اس میں پورا غور وتامل کیا۔ پھر فرمایا کہ: ''ہاں! ہاں! بغیر کسی فرق کے یہ وہی نسبت ہے۔''

(صحابہؓ کی نسبتِ سکینت کے بلند مرتبہ احوال)

جو طالب ''نسبتِ سکینہ'' پر برابر قائم رہے، اُس پر وقتاً فوقتاً بڑے بڑے بلند مرتبہ احوال و کوائف وارد ہوتے رہتے ہیں۔ طالب کو چاہیے کہ وہ ان مواقع کو غنیمت سمجھے۔ اور جان لے کہ یہ احوال، اس کی طاعات وعبادات کے قبول ہونے اور باطنِ نفس اور سویدائے دل (دل کی گہرائی) میں ان کے مؤثر ہونے کی علامات ہیں۔

(الف: اطاعتِ خداوندی کی حالت)

ان بلند مرتبہ احوال میں سے ایک یہ ہے کہ طالب سب چیزوں پر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری کو ترجیح دے۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے اُس کے دل میں غیرت کا جذبہ پیدا ہو جائے۔

اس ضمن میں امام مالکؒ نے ''مؤطا'' میں عبداللہ بن ابوبکرؓ سے روایت کیا ہے کہ:

''ایک دن ابوطلحہ انصاریؓ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک خوش رنگ چڑیا اُڑی۔ اور وہ برابر اِدھر اُدھر چکر لگاتی اور باغ کے گھنے درختوں میں سے نکلنے کی جگہ تلاش کرتی رہی۔

ابوطلحہؓ کو یہ منظر بہت پسند آیا اور انھوں نے نماز ہی میں اس چڑیا کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ ایک بار نظر اُٹھاتے۔ اس چڑیا کو دیکھ لیتے۔ پھر نماز میں مصروف ہو جاتے۔ اس دوران وہ بھول گئے کہ انھوں نے کتنی رکعتیں پڑھیں۔ اس پر انھوں نے سوچا کہ نماز میں یہ خلل میرے اس مال یعنی باغ کی دل کشی کی وجہ سے ہوا ہے۔ چناں چہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور باغ میں اُن کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا، وہ آپؐ سے بیان کیا۔ اور کہا کہ: یارسول اللہ! میں یہ باغ اللہ کی راہ میں صدقہ دیتا ہوں۔ آپ اسے جہاں چاہیں، خرچ کریں۔'' (538)

قرآن میں حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ بھی اسی حالت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ حضرت سلیمانؑ ایک دفعہ اپنے گھوڑوں کو دیکھنے میں اس قدر مصروف تھے کہ نماز قضا ہوگئی۔ اس پر آپ نے غیراللہ سے تعلق منقطع کرنے کے لیے فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ، فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ گھوڑوں کی گردنیں اور پاؤں کاٹنے کا حکم دیا۔ (539)

(ب: خوفِ خداوندی کی حالت)

اِن بلند مرتبہ احوال میں سے ایک حال، اللہ کا خوف بھی ہے۔ اور اللہ کا یہ خوف اس طرح ہونا چاہیے کہ اس کا اثر بدن اور جوارح (اعضا) پر ظاہر ہو۔

حُفّاظِ حدیث نے اصول (صحاح ستہ) میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبیؐ نے فرمایا کہ:

''سات شخص ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے گا۔'' حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ان اشخاص کا ذکر کرتے ہوئے آخر میں فرمایا کہ: ''ان میں سے ایک شخص وہ ہوگا، جس نے تنہائی میں خدا کو یاد کیا اور اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔'' (540)

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک قبر پر کھڑے ہوئے اور اتنا روئے کہ اُن کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔'' (541)

نیز احادیث میں مروی ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کی نماز پڑھتے تھے تو آپؐ کے سینۂ مبارک سے جوشِ گریہ کی وجہ سے ایسی آواز آتی تھی، جیسے کہ آگ کے اُوپر دیگ چڑھی ہو۔'' (542)

(ج: سچے خواب دیکھنا)

ان احوال میں سے ایک رؤیائے صالحہ (سچے خواب) بھی ہے۔ اس سلسلے میں حفاظِ حدیث

ایک حدیث روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایک مردِ صالح کا سچا خواب دیکھنا نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔'' (543)

نیز آپؐ نے فرمایا کہ:

''میرے بعد نبوت تو ختم ہوجائے گی۔ البتہ ''مبشرات'' کا سلسلہ برابر قائم رہے گا۔'' صحابہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ''مبشرات'' کیا ہیں؟ فرمایا کہ: ''رؤیائے صالحہ (سچے خواب)، جو ایک نیکوکار آدمی خود دیکھتا ہے یا کوئی دوسرا اُس کے لیے دیکھتا ہے۔ یہ رؤیائے صالحہ نبوت کے چھیالیسویں حصے میں سے ایک ہے۔'' (544)

چناں چہ یہی تفسیر ہے قرآن مجید کی اس آیت لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (545) کی۔ یعنی بشارت ہے مؤمنوں کے لیے اس دنیا کی زندگی میں۔ (546)

رؤیائے صالحہ (سچے خوابوں) سے مراد یہ ہے کہ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، یا بہشت و دوزخ کو، یا نیک لوگوں اور انبیا کو، یا متبرک مقامات، مثلاً خانۂ کعبہ، مسجد نبویؐ یا بیت المقدس کو خواب میں دیکھے۔ یا وہ مستقبل میں ہونے والے واقعات کو خواب میں دیکھے اور وہ بعد میں ویسے ہی رونما ہوں۔ یا وہ گزرے ہوئے واقعات کو بعینہٖ اُسی شکل میں دیکھے، جس شکل میں کہ وہ وقوع پذیر ہو چکے ہیں۔ یا وہ انوار کو خواب میں دیکھے۔ یا پاکیزہ چیزوں کو، جیسے دودھ کا پینا اور شہد اور گھی کا کھانا وغیرہ ہیں۔ اور جن چیزوں کا ذکر کتبِ حدیث کے ''بابِ رؤیا'' میں آچکا ہے، خواب میں دیکھے۔

یا وہ فرشتوں کو دیکھے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ:

''ایک شخص ایک رات قرآن پڑھ رہا تھا کہ ایک سائبان ظاہر ہوا، جس میں چراغوں کی روشنیاں تھیں .... الخ'' (547)

(د: سچی فراست اور شعور)

ان احوال میں سے سچی فراست اور واقعہ کے مطابق مناسب بات کا شعور حاصل ہوجانا بھی ہے۔

حدیث میں آیا ہے:

''مؤمن کی فراست سے بچو، کیوں کہ مؤمن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔'' (548)

(ھ: دعا کی قبولیت)

ان احوال میں سے ہی دعا کا قبول ہونا اور طالب اپنی پوری ہمت اور توجہ سے جو کچھ اللہ

سے مانگ رہا ہو، اُس کا ظاہر ہونا بھی ہے۔ اسی کی طرف اُس حدیث میں اشارہ ہے، جس میں آپؐ فرماتے ہیں:

"بعض غبار آلود، پریشان حال اور پھٹے پرانے کپڑوں والے لوگ ہوتے ہیں کہ کوئی ان کی پروا نہیں کرتا، لیکن اگر وہ اللہ کے بھروسے پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ یقینی طور پر اُن کی قسم پوری کر دیتا ہے۔" (549)

الغرض یہ اور اس سے ملتے جلتے جو اَور احوال و واقعات ہیں، یہ سالک کے ایمان کی صحت، اس کی طاعات و عبادات کی قبولیت اور اس کے باطن میں نور کے سرایت کر جانے پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لیے طالب کو چاہیے کہ وہ ایسے مواقع کو ہاتھ سے جانے نہ دے اور انھیں غنیمت سمجھے۔

(فنا و بقا کا مقام)

اس "نسبت" کے حصول کے بعد اس سے ایک اور بلندتر مقام آتا ہے۔ اور وہ مقام "فنا وبقا" یعنی اللہ کے وجود میں فنا ہوکر، اُس کے وجود کے ساتھ بقا حاصل کرنا ہے۔

میرے نزدیک یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ مقامِ فنا و بقا کی کیفیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے مشائخ تک سندِ متصل کے ذریعے نہیں پہنچی۔ بلکہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک عطا ہے، جس کو وہ چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے بغیر وراثت کے عطا کر دیتا ہے۔" انتھیٰ (550)

یہ ہے وہ آخری بات، جو ہم امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تحریر میں سے یہاں نقل کر رہے ہیں۔

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ:

چوتھے دور کے ائمہ کے پیشِ نظر (نسبت کے حصول کا) یہی وہی عروج رہا ہے۔ ہم نے "تمہید" کی پچھلی قسم میں اس کی بعض خصوصیات کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔

تیسرے دور میں ائمہ کی توجہ اس بات کی طرف رہی کہ وہ زہد وتقویٰ کے حصول کے لیے اعمال کی ایسی ترتیب اور ان میں نئی تنظیم پیدا کریں، جس سے بہت تھوڑے وقت میں "نسبت" کا حصول ممکن ہوجائے۔

اس تیسرے دور میں اس فن کے امام سید الطائفہ امام ابوالقاسم جنید بغدادیؒ اور سلطان العارفین امام ابو یزید بسطامیؒ ہیں۔ اور یہ دونوں حضرات اپنی نسبت کے سلسلے کو امام موسیٰ کاظم بن جعفر صادق تک پہنچاتے ہیں۔

رضی اللّٰہ عنھم. (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔)

پہلی نوع

طریقت میں ہوش وحواس برقرار رکھنے والے لوگوں کے امام

(سیدالطائفہ) امام ابوالقاسم جنید بغدادیؒ کی اسانید

فصل (1): اسانید سیدنا امام محی الدین (شیخ) عبدالقادر جیلانیؒ

امام محی الدین ابومحمد (شیخ) عبدالقادر جیلانیؒ روایت کرتے ہیں امام، فقیہ، صوفی، (شیخ) ابوسعید مبارک بن علی مخزومیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالحسن علی بن محمد بن یوسف قرشیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالفرح یوسف طرطوسیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالفضل عبدالواحد تمیمیؒ (551) سے، وہ اپنے والد شیخ عبدالعزیز تمیمیؒ سے، وہ (شیخ) ابوبکر محمد بن دُلف شبلیؒ سے اور وہ سید الطائفہ (حضرت شیخ) جنید (بن محمد بن جنید) بغدادیؒ (552) سے روایت کرتے ہیں۔

جہاں تک صحبت کے طریقے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں سیدنا امام ابومحمد (شیخ) عبدالقادر جیلانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) یوسف بن ایوب ہمدانیؒ سے، وہ (شیخ) ابوعلی فارمدیؒ سے، وہ امام ابوالقاسم قشیریؒ سے، وہ (شیخ) ابوعلی دقاقؒ سے، وہ (شیخ) ابوالقاسم نصرآبادیؒ اور (شیخ) ابوالحسین حضرمیؒ سے، یہ دونوں حضرات (شیخ) ابوبکر شبلیؒ سے اور وہ سید الطائفہ (شیخ) جنید بغدادیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) ابوعلی فارمدیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوالقاسم جرجانیؒ سے، وہ (شیخ) ابوعثمان مغربیؒ سے، وہ (شیخ) ابوعلی کاتبؒ سے، وہ (شیخ) ابوعلی رودباریؒ سے اور وہ امام ابوالقاسم جنید بغدادیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

تکمیل فصل (1): امام احمد بن حنبل تک فقہا کے سلسلۂ صحبت کا تذکرہ

سیدنا شیخ الاسلام قطب عبدالقادر جیلانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) مبارک بن علی مخزومیؒ سے، وہ (شیخ) ابوجعفر عبدالخالق بن عیسیٰؒ سے اور وہ (شیخ) ابویعلیٰ فراءؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح شیخ الاسلام (شیخ عبدالقادر جیلانیؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوالخطاب محفوظ بن خطاب کلوذیؒ اور (شیخ) ابوالوفا علی بن عقیل بغدادیؒ سے، یہ دونوں حضرات نے (شیخ) امام ابویعلیٰ فراءؒ سے، وہ (شیخ) ابوعبداللہ حسن بن علی بن مروان بن حامدؒ سے، وہ (شیخ) ابوعبداللہ بن بطہ عکبریؒ سے، وہ (شیخ) ابوبکر عبدالعزیز بن غلام الخلالؒ سے، وہ (شیخ) ابوبکر مروزیؒ، (شیخ) حرب کرمانیؒ، (شیخ) حنبلؒ، (شیخ) صالحؒ اور

(شیخ) عبداللہؒ سے اور یہ تمام حضرات امام احمد بن (محمد بن) حنبل (553) — اللہ ان سے راضی ہو — سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): اسانید مصنف ''کشف المحجوب'' امام علی ہجویری لاہوریؒ

امام علی (بن عثمان) ہجویری لاہوریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوالفضل ختلیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالحسن حصریؒ سے، وہ (شیخ) ابوبکر شبلیؒ سے اور وہ سید الطائفہ (امام جنید بغدادیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

امام علی (بن عثمان) ہجویری (لاہوریؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ) امام ابوسعید بن ابوالخیرؒ سے، وہ (شیخ) ابوالفضل سرخسیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالنصر سراجؒ سے، وہ (شیخ) ابومحمد مرتعسؒ اور (شیخ) جعفر خلدیؒ سے اور یہ دونوں حضرات سید الطائفہ (امام جنید بغدادیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): اسانید امام شیخ الاسلام عبداللہ انصاری ہرویؒ

شیخ الاسلام عبداللہ انصاری ہرویؒ روایت کرتے ہیں امام یحییٰ بن عمار شیبانیؒ سے، وہ امام ابوعبداللہ محمد بن حنیف شیرازیؒ سے، وہ (شیخ) رویمؒ سے اور وہ سید الطائفہ (شیخ) جنید بغدادیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4): اسانید امام ابوحامد محمد غزالیؒ

امام (ابوحامد محمد) غزالیؒ روایت کرتے ہیں امام الحرمین عبدالملک (جوینیؒ) سے، وہ اپنے والد شیخ ابومحمد عبداللہ بن یوسف جوینیؒ سے، وہ امام ابوطالب مکی حنفیؒ سے، وہ (شیخ) ابوبکر شبلیؒ سے اور وہ (سید الطائفہ امام) ابوالقاسم (شیخ) جنید بغدادیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (5): اسانید امام عبدالقاہر سہروردیؒ

امام عبدالقاہر سہروردیؒ روایت کرتے ہیں امام احمد غزالیؒ سے، وہ (شیخ) ابوبکر نساجؒ سے، وہ (شیخ) ابوالقاسم جرجانیؒ سے اور وہ (شیخ) ابوعثمان مغربیؒ سے، وہ (شیخ) ابوعلی رود باریؒ (554) سے اور وہ ابوالقاسم (شیخ جنید) بغدادیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امام عبدالقاہر سہروردیؒ روایت کرتے ہیں اپنے چچا (شیخ) عمر بن محمد بن عبداللہ سہروردیؒ سے، وہ اپنے والد (شیخ) محمد بن عمویہ (عبداللہ) سہروردیؒ سے، وہ (شیخ) احمد دینوریؒ سے، وہ (شیخ) ممشاد دینوریؒ (555) سے اور وہ (سید الطائفہ) ابوالقاسم (شیخ جنید) بغدادیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (6): اسانید امام شہاب الدین سہروردیؒ

امام شہاب الدین (عمر بن محمد کبریٰ) سہروردیؒ روایت کرتے ہیں اپنے چچا (شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر

سہروردیؒ) سے، وہ (شیخ) فرج زنجانیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالعباس نہاوندیؒ سے، وہ (شیخ) ابوعبداللہ محمد بن خفیف شیرازیؒ سے، وہ (شیخ) رویمؒ سے، وہ امام ابوالقاسم (شیخ جنید) بغدادیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (7): اسانید امام ابوعبدالرحمٰن (محمد بن حسین) سلمی (نیشاپوریؒ)

امام علی (بن عثمان) ہجویری (لاہوریؒ) روایت کرتے ہیں (شیخ امام) ابوسعید بن ابوالخیر سے، وہ (شیخ) ابوعبدالرحمٰن (محمد بن حسین) سلمی (نیشاپوریؒ) سے، وہ (شیخ) ابوالقاسم نصرآبادیؒ سے، وہ (شیخ) ابوبکر شبلیؒ سے اور وہ ابوالقاسم (شیخ جنید) بغدادیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (8): اسانید امام ابوبکر محمد بن ابراہیم کلاباذیؒ

(شیخ) محمد بن ابوابراہیم کلاباذیؒ، (شیخ) محمد بن فضل کماریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) محمد بن ابراہیم کلاباذیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن غالبؒ سے، وہ (شیخ) ابوعبداللہ محمد بن خفیفؒ سے، وہ (شیخ) رویمؒ سے اور وہ امام ابوالقاسم (شیخ) جنید بغدادیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) محمد بن ابراہیم کلاباذیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) فارس بن علی بغدادیؒ سے، وہ (شیخ) ابوعمرو سے اور وہ امام ابوالقاسم (شیخ) جنید بغدادیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

دوسری نوع

جذب وسُکر والوں کے امام، امام ابویزید بسطامیؒ کی اسانید

امام محی الدین (شیخ) عبدالقادر اور امام عبدالخالق غجدوانیؒ دونوں روایت کرتے ہیں (شیخ) یوسف بن ایوب ہمدانیؒ سے، وہ (شیخ) ابوعلی فارمدیؒ سے اور وہ امام ابوالحسن خرقانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امام ابوحامد غزالیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوعلی فارمدیؒ سے اور وہ امام ابوالحسن خرقانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح شیخ الاسلام عبداللہ انصاری ہرویؒ روایت کرتے ہیں امام ابوالحسن علی بن جعفر خرقانیؒ سے، وہ (شیخ) ابوالمظفر طوسیؒ سے، وہ (شیخ) ابویزید عشقیؒ سے، وہ شیخ محمد مغربیؒ سے اور وہ سلطان العارفین ابویزید (شیخ) طیفور بسطامیؒ (556) سے روایت کرتے ہیں۔

تیسری نوع

اسانید امام ابواسحاق شامیؒ

طریقۂ چشتیہ کی دریافت کرنے والے امام محمد بن ابواحمد چشتی اپنے والد (شیخ) امام ابواسحاق شامیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

دوسرا باب

امام ابوحنیفہؒ سے نسبت رکھنے والے فقہا محققین اور مجتہدین منتسبین کی اسانید

پہلی نوع

اسانید امام ابوالحسن عبیداللہ بن حسین کرخیؒ

فصل (1): اسانید امام ابوالحسین احمد بن محمد قدوریؒ

(شیخ) ابوحفص نسفیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) خلف بن احمد شلجیؒ سے، وہ (شیخ) ابوعبداللہ محمد بن علی دامغانیؒ سے اور وہ امام ابوالحسین (احمد بن محمد) قدوریؒ (557) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): اسانید امام ابوبکر احمد بن علی جصاص رازیؒ

(شیخ) محمد بن علی دامغانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) حسین صمریؒ سے، وہ (شیخ) ابوبکر محمد بن موسیٰ خوارزمیؒ سے اور وہ (شیخ) ابوبکر (جصاص) رازیؒ (558) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) ابوزید دبوسیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوجعفر استروشنیؒ سے اور وہ (شیخ) ابوبکر جصاص رازیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(امام ابوالحسین احمد بن محمد) قدوریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) محمد بن یحییٰ جرجانیؒ سے اور وہ امام ابوبکر (جصاص) رازیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): اسانید (شیخ) عتبہ (بن خثیمہ بن محمد ابوالہیثم نیساپوریؒ)

(شیخ) ابوعبداللہ دامغانیؒ روایت کرتے ہیں صاعد بن محمدؒ سے اور وہ (شیخ) عتبہ (بن خثیمہ بن محمد ابوالہیثم نیساپوریؒ) (559) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) ابومحمد ناصحیؒ، (شیخ) عتبہ (بن خثیمہ بن محمد ابوالہیثم نیساپوریؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4): اسانید (شیخ) ابومحمد عبداللہ بن عمر اکفانیؒ

(شیخ امام ابوالقاسم محمود بن عمر جاراللہ) زمخشریؒ اور (شیخ ابوحفص) عمر نسفیؒ دونوں حضرات روایت کرتے ہیں (شیخ) ابومنصور احمد بن محمد بن احمد حارثیؒ سے، وہ (شیخ) ابونصر محمد بن علی بن حسین سرخسیؒ سے اور وہ (شیخ) ابومحمد عبداللہ بن عمر اکفانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (5): اسانید امام ابوالحسن (عبیداللہ بن حسین) کرخیؒ اور (شیخ) ابوطاہر (محمد بن محمد) دباسؒ

(شیخ) ابومحمد اکفانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوبکر احمد بن محمد دامغانیؒ سے اور وہ (شیخ) ابوالحسن (عبیداللہ بن حسین) کرخیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) ابوبکر خوارزمیؒ اور (شیخ) ابوعبداللہ جرجانیؒ دونوں حضرات روایت کرتے ہیں امام ابوبکر (جصاص) رازیؒ سے اور وہ (امام) ابوحسن (عبیداللہ بن حسین) کرخیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) عتبہ (بن خثیمہ بن محمد ابوالہیثم نیساپوریؒ) روایت کرتے ہیں قاضی الحرمین (شیخ) احمد بن محمد نیشاپوری سے، وہ (شیخ) ابوطاہر (محمد بن محمد) دباسؒ (560) اور امام ابوالحسن (عبیداللہ بن حسین) کرخیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

دوسری نوع

اسانید امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاویؒ

فصل (1): اسانید امام ابوعبداللہ بن محمد بن یعقوب حارثی سبذمونیؒ

شمس الائمہ حلوانیؒ، (شیخ) جعفر مستغفریؒ اور (شیخ) محمد بن علی بن حیدر زاہدیؒ تینوں حضرات روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوعلی نسفیؒ سے اور وہ (شیخ) محمد بن فضل کماریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) ابوزید دبوسیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوجعفر استروشنیؒ سے اور وہ (شیخ) ابوبکر محمد بن

فضل کماریؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) رئیس ابوعلی ابن سیناؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوبکر احمد بن عبداللہؒ سے اور وہ (شیخ) محمد بن فضل کماریؒ روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) ابراہیم بن اسماعیل صفارؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ اسماعیل صفارؒ) سے، وہ (شیخ) محمد بن فضل کماریؒ سے اور وہ (شیخ) استاذ (امام ابوعبداللہ بن محمد بن یعقوب) حارثی سندمونیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ جعفر) مستغفریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) حافظ ابونصر احمد بن محمد بن حسین کلاباذی بخاریؒ سے اور وہ (شیخ امام ابوعبداللہ بن محمد بن یعقوب حارثیؒ) سبذمونیؒ (561) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): اسانید امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاویؒ

استاذ (شیخ امام ابوعبداللہ بن محمد بن یعقوب) حارثی سندمونیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوطالب سعید بن محمد بردعیؒ سے اور وہ امام ابوجعفر طحاویؒ (562) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) ابومحمد اکفانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوبکر احمد بن محمد دامغانیؒ سے اور وہ امام ابوجعفر طحاویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) شمس الائمہ حلوانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوبکر محمد بن عمر بن حمدانؒ سے، وہ (شیخ) ابوابراہیم محمد بن سعید ترمذیؒ سے اور وہ (شیخ امام) ابوجعفر طحاویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

تیسری نوع

اسانید امام ابومنصور (محمد بن محمد بن محمود) ماتریدیؒ

فخر الاسلام (علی بن محمد) بزدویؒ اور صدر الاسلام بزدویؒ دونوں روایت کرتے ہیں اپنے والد (شیخ) محمد بن حسین بن عبدالکریم (بزدویؒ) سے اور وہ اپنے داد (شیخ) عبدالکریم بن موسیٰ بزدویؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح صدر الاسلام بزدویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) اسماعیل بن صادق بن عبداللہؒ سے، وہ (شیخ) عبدالکریم بن موسیٰ بزدویؒ سے اور وہ امام ابومنصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

چوتھی نوع

اسانید امام ابوجعفر محمد بن عبداللہ ہندوانیؒ

(شیخ) اسماعیل صفارؒ اور صدر الاسلام بزدویؒ دونوں حضرات روایت کرتے ہیں (شیخ) ابو یعقوب یوسف سیاریؒ، وہ (شیخ) ابواسحاق حاکم نوقدیؒ سے اور وہ (امام ابوجعفر محمد بن عبداللہ) ہندوانیؒ (563) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) علی اخسیکثیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) لقمان بن حکیم بن فضلؒ سے وہ (شیخ) ابواللیث سمرقندیؒ سے اور وہ امام ابوجعفر (محمد بن عبداللہ) ہندوانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

ساتویں قسم

دوسرے دور (۹۲ھ/711 تا ۱۹۳ھ/809ء)

کے علما کی اسانید

مقدمہ

پہلا باب

''عربی عصبیت'' پر اعتماد کی بجائے اسلامی ملتوں کے درمیان مشترک
''حقانی عصبیت'' پر اعتماد کی دعوتِ انقلاب دینے والے ائمہ کی اسانید

دوسرا باب

قضا، افتا اور تدریس کے فرائض سرانجام دینے والے فقہا کی اسانید

مقدمہ

(اس دور کے تاریخی حقائق)

(ہندوستان میں اسلام کے دوسرے دور کا آغاز ولید بن عبدالملک (اموی) کے زمانۂ خلافت میں امیر محمد بن قاسم ثقفیؒ کی ہندوستان آمد ۹۲ھ/ 711ء سے شروع ہوتا ہے اور قریش کے بارہ خلفا میں سے آخری خلیفہ ہارون الرشید عباسی کے انتقال ۱۹۳ھ/ 809ء تک کا زمانہ دوسرا دور ہے۔ جیسا کہ اس کتاب کے مقدمے میں لکھا ہے۔)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ:

اگر آپ چاہیں تو اس دور کا آغاز دورِ اول کے آخر ۳۵ھ (656ء) سے شروع کر کے اس کا اختتام ۱۹۳ھ (809ء) تک کر سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں پہلے دور میں خلفائے راشدین:

[1] (حضرت) ابوبکر (صدیق)

[2] (حضرت) عمر (فاروق)

[3] (حضرت) عثمان (غنی رضی اللہ عنہم) ہیں۔

دوسرے دور کے خلفا میں: امیر المؤمنین (حضرت) علیؓ بن ابی طالب سے لے کر (ہارون) الرشید تک نو خلفا بنتے ہیں، ان میں چار خلفا بنو ہاشم میں سے ہیں:

[4] (حضرت) علیؓ بن ابی طالب (واقعہ) تحکیم تک

[5] (خلیفہ) منصور (عباسی)

[6] (خلیفہ) مہدی (عباسی)

[7] (خلیفہ ہارون) الرشید (عباسی)

پانچ خلفا بنو امیہ سے ہیں:

[8] (حضرت امیر) معاویہؓ (ابن ابی سفیانؓ، حضرت حسنؓ سے) صلح کے بعد

[9] (خلیفہ) عبدالملک بن (مروان، حضرت عبداللہ) ابن زبیرؓ کے بعد

[10] (خلیفہ) ولید بن عبدالملک (اموی)

[11] اس کا بھائی (خلیفہ) سلیمان بن عبدالملک (اموی)

[12] (خلیفہ) عمر بن عبدالعزیز (اموی)

باقی عرصہ فتنے اور انتشار کا زمانہ ہے۔ اگرچہ اُن میں کچھ دن باقی دنوں سے اچھے بھی رہے ہیں۔

ان بارہ خلفا پر بخاریؒ اور مسلمؒ میں روایت کردہ حدیث:

(لا یزال هٰذا الدّین عزیزًا منیعًا إلٰی إثنی عشر خلیفةً کلّهم من قریش.)(564)

(یہ دین بارہ خلفا تک طاقتور اور غالب رہے گا۔ یہ تمام خلفا قریش میں سے ہوں گے)

کے مطابق غلبۂ دین کا وعدہ پورا ہوگیا۔ اس حدیث کی شرح میں یہی رائے زیادہ بہتر ہے۔

باقی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ زیادہ جانتا ہے اور وہ ہی توفیق اور ہدایت دینے والا ہے۔

پہلا باب

''عربی عصبیت'' پر اعتماد کی بجائے اسلامی ملتوں کے درمیان مشترک ''حقانی عصبیت'' پر اعتماد کی دعوتِ انقلاب دینے والے ائمہ کی اسانید

(عربی عصبیت اور حقانی عصبیت کی حقیقت)

(حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد) فتنے کے زمانے میں ایک طرف بنوامیہ میں سے ''عربی عصبیت'' کی طرف دعوت دینے والے کھڑے ہوگئے، اور وہ عثمانی لوگ تھے۔

دوسری طرف بنو ہاشم کے لوگ ''دینی عصبیت'' کی طرف دعوت دینے لگے، اور وہ علوی تھے۔

پہلے بنواُمیہ کا غلبہ رہا، ان کے بعد بنو ہاشم کو غلبہ حاصل ہوگیا۔

ہارون الرشید کے بعد دوسری اقوام کے اُمی لوگ آ گئے، جو اُن کے ساتھ شامل ہوتے گئے۔ ان عجمی لوگوں کا تعلق ایران، ترکستان اور ہندوستان سے تھا۔

پہلی نوع

اسانید امام جعفر (صادق) بن محمد بن علی بن حسین شہید رضی اللہ عنہم

فصل (1): اسانید امام موسیٰ کاظمؒ

(سید الطائفہ) ابوالقاسم (شیخ) جنید بغدادیؒ روایت کرتے ہیں اپنے ماموں (شیخ) سری سقطیؒ سے اور وہ (شیخ معروف) کرخیؒ سے، وہ امام علی رضاؒ سے اور وہ اپنے والد امام موسیٰ کاظمؒ (بن امام جعفر صادقؒ) سے روایت کرتے ہیں۔ (565)

اسی طرح (شیخ) ابویزید بسطامیؒ، (شیخ) جعفر بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادقؒ سے اور وہ اپنے والد (امام موسیٰ کاظمؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): اسانید (امامِ اعظم) امام ابوحنیفہ (نعمان بن ثابتؒ)

(سید الطائفہ شیخ) جنید بغدادیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) سری سقطیؒ، وہ (شیخ) معروف کرخیؒ سے، وہ (شیخ) داؤد طائیؒ سے اور وہ (امامِ اعظم) امام ابوحنیفہؒ (566) سے روایت کرتے ہیں۔

(سید الطائفہ شیخ) جنید بغدادیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) سری سقطیؒ سے، وہ (شیخ) بشر بن حارث حافیؒ سے، وہ (شیخ) فضیل بن عیاضؒ سے اور وہ (امامِ اعظم) امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) ابویزید بسطامیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) شقیق بلخیؒ سے، وہ (شیخ) ابراہیم بن ادھم بلخیؒ سے اور وہ (امامِ اعظم) امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) ابواسحاق شامیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) علی دینوریؒ سے، وہ (شیخ) ابوہبیرہ بصریؒ سے، وہ (شیخ) حذیفہ مرعشیؒ سے، وہ (شیخ) ابراہیم بن ادھمؒ سے اور وہ (امامِ اعظم) امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): اسانید امام جعفر صادقؒ

امام علی رضاؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد امام موسیٰ کاظمؒ سے اور وہ اپنے والد امام جعفر صادقؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) جعفر المشہور کذابؒ روایت کرتے ہیں اپنے والد امام موسیٰ کاظمؒ سے اور وہ اپنے والد (امام) جعفر صادقؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ) داؤد طائیؒ اور (شیخ) ابراہیم بن ادھمؒ دونوں روایت کرتے ہیں امام ابوحنیفہؒ سے اور وہ امام جعفر صادقؒ سے روایت کرتے ہیں۔

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: (امام) ذہبی نے ''**تذکرۃ الحفاظ**'' میں لکھا ہے کہ:

''امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: ''میں نے جعفر (صادق) بن محمدؒ سے زیادہ فقیہ کوئی نہیں دیکھا۔''

انتھیٰ (567)

فصل (4): امام ابوحنیفہؒ کے واسطے کے بغیر مشائخ طریقت کا امیر المؤمنین علی بن ابوطالبؓ کے ساتھ اتصال

(شیخ) داؤد طائیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) حبیب عجمیؒ سے، وہ (شیخ) حسن بصریؒ سے، وہ امام حسن بن علیؓ سے اور وہ اپنے والد امیر المؤمنین علیؓ بن ابی طالب سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) ابراہیم بن ادھمؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) فضیل بن عیاضؒ سے، وہ (شیخ) عبدالواحد

بن زیدؒ سے، وہ (شیخ) حسن بصریؒ سے، وہ (امام) حسن بن علیؓ سے، اور وہ اپنے والد امیرالمؤمنین (حضرت علیؓ بن ابی طالب) سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ) داؤد طائیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) حبیب بن سلیم راعیؒ سے، وہ (حضرت) سلمان فارسیؓ سے، اور وہ امیرالمؤمنین علیؓ بن ابی طالب سے روایت کرتے ہیں۔

اور (حضرت) سلمان فارسیؓ، امیرالمؤمنین (حضرت) ابوبکر صدیقؓ سے بھی روایت کرتے ہیں۔

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ:

یہ بات مشہور ہے کہ (حضرت) حسن بصریؒ نے امیرالمؤمنین (حضرت) علیؓ بن ابوطالب سے (براہِ راست) تعلیم حاصل کی ہے، حال آں کہ اس معاملے میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ (568)

صحیح بات یہی ہے اور جس میں کوئی شک نہیں ہے کہ (حضرت) حسن بصریؒ نے امام ابومحمد حسن بن علیؓ سے فیض حاصل کیا اور انھوں نے اپنے والد امیرالمؤمنین (حضرت علی المرتضٰی) سے فیض حاصل کیا ہے۔

رضی اللّٰہ عنھم اجمعین. اللہ تعالیٰ ان سب حضرات سے راضی ہو۔

دوسری نوع

علوی اماموں رضی اللہ عنہم کی اسانید

فصل (1): اسانید امام زید (بن علی بن حسین) شہید رضی اللہ عنہٗ

(شیخ) داؤد طائیؒ اور (شیخ) ابراہیم بن ادھمؒ دونوں روایت کرتے ہیں امام ابوحنیفہؒ سے اور وہ (امام) زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالبؒ (569) سے روایت کرتے ہیں۔

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: خوارزمیؒ کہتے ہیں کہ: امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا:

''میں نے زید بن علی بن حسینؒ سے زیادہ حاضر جواب کسی کو نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ میں نے زید بن علیؒ سے کہا: اللہ تعالیٰ نے گناہوں کا بھی اندازہ مقرر کیا ہوا ہے۔ تو انھوں نے فرمایا: کیا پھر زبردستی گناہ کروایا جاتا ہے؟۔'' انتھیٰ

زیدیوں کی کتابوں میں سے ایک کتاب ''روض النّضیر'' میں لکھا ہے کہ:

حافظ یحیٰی بن حسین بن محمد بن قاسمؒ نے فرمایا:

''امام ابوحنیفہ نے (حضرت) زید بن علیؒ کے پاس دو سال کی مدت تک تعلیم حاصل کی۔

اور امام ابوحنیفہؒ نے زید بن علیؒ کی طرف کچھ مال بھیجا تو انھوں نے فرمایا: جس کام میں آپ

مشغول ہیں، اس میں اس مال کو استعمال کیجیے۔ اور زید (بن علیؒ) کی جانب سے (امام) ابوحنیفہ کی طرف آنے والے قاصد فضیل بن زبیر تھے۔'' انتھیٰ (570)

فصل (2): اسانید نفس ذکیہ (امام) محمد بن عبداللہ ابراہیم بن عبداللہ شہیدینؒ

(شیخ) داؤد طائیؒ اور (شیخ) ابراہیم بن ادھمؒ دونوں روایت کرتے ہیں امام ابوحنیفہؒ سے، وہ امام محمدؒ (مہدی، نفس زکیہ) بن عبداللہ بن حسن (مثنیٰ بن حسن) بن علیؓ بن ابی طالب اور امام ابراہیم بن عبداللہؒ بن حسن بن علیؓ بن ابی طالب سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): اسانید امام حسن بن محمدؒ (ابن حنفیہ) بن علیؓ بن ابی طالب

(شیخ) داؤد طائیؒ اور (شیخ) ابراہیم بن ادھمؒ دونوں روایت کرتے ہیں امام ابوحنیفہؒ سے اور وہ امام حسن بن محمد ابن حنفیہ سے روایت کرتے ہیں۔

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: امام مالک (محمد) ابن شہاب (زہریؒ) سے مؤطا میں روایت کرتے ہیں۔ (امام) سیوطیؒ ''**اسعاف المبطّأ** (برجال المؤطّا)'' میں لکھتے ہیں:

''ابومحمد، حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب، مدنی، اپنے والد (امام محمد) ابن حنفیہ، (حضرت عبداللہ) ابن عباسؓ، (حضرت) جابرؓ (ابن عبداللہ) اور (حضرت) سلمہ بن الاکوعؓ سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے روایت کرنے والوں میں (ابن شہاب) زہریؒ اور عمرو بن دینار ہیں۔ (امام) دارِقطنی فرماتے ہیں: ''(حسن بن محمدؒ) پہلے وہ آدمی ہیں، جنھوں نے ''إرجاء'' (کے عقیدے) کے بارے میں کلام کیا ہے۔ اور وہ صحیح حدیث بیان کرنے والے شخص ہیں۔'' ابن حبان فرماتے ہیں: ''آپ اہل بیت میں افضل ترین آدمی ہیں۔ اور ''**علم الإختلاف**'' میں لوگوں میں سب سے زیادہ عالم ہیں۔'' (عمرو) ابن دینار کہتے ہیں کہ: ''(امام) زہری کی حیثیت ان کے بچوں کی سی ہے۔ ان کا انتقال ۹۵ھ (714ء) میں ہوا۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ: ۱۰۱ھ (720ء) میں ان کا انتقال ہوا۔'' انتھیٰ (571)

حافظ ابن حجر (عسقلانیؒ) ''تہذیب'' میں لکھتے ہیں:

''ایوب فرماتے ہیں کہ: ''میں ''إرجاء'' (کے عقیدے) سے برأت کا اعلان کرتا ہوں۔ اہل مدینہ میں سے جس آدمی نے سب سے پہلے اس سلسلے میں گفتگو کی، انھیں حسن بن محمد کہا جاتا ہے۔''

نیز حافظ (ابن حجر عسقلانی) کہتے ہیں:

''میں حسن بن محمدؒ (ابن حنفیہ) کی کتاب سے واقف ہوں۔ جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ:

''ہم (حضرت) ابوبکرؓ اور (حضرت) عمرؓ سے محبت رکھتے ہیں اور ان کے سلسلے میں ہم جہاد کریں گے۔ اس لیے کہ ان دونوں حضرات کے بارے میں امت میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی اور ان دونوں حضرات کی خلافت کے بارے میں کسی کو کوئی شک نہیں ہے۔ البتہ ان حضرات کے بعد ہم ان لوگوں کے بارے میں امید رکھتے ہیں جو فتنے میں داخل ہوئے اور ہم ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔ ...الیٰ آخر الکلام''

حسن بن محمدؒ نے جو بات کہی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ (حضرت عثمانؓ کے عہد میں) فتنے کے زمانے میں جن دو جماعتوں کے درمیان لڑائی ہوئی، ان میں سے کسی ایک کو صحیح یا غلط ہونے کے بارے میں وہ اپنی کوئی قطعی رائے نہیں رکھتے تھے۔ اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان دونوں جماعتوں کے معاملے کے بارے میں (بہتری اور اچھائی کی) امید رکھنی چاہیے۔ (یہی عقیدۂ ارجاء کی حقیقت ہے) اُن (حسن بن محمدؒ) کی اس رائے کی وجہ سے انھیں بُرا بھلا نہیں کہا جاسکتا۔ اور اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے۔'' انتھیٰ (572)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ:

امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ کی طرف ''عقیدۂ إرجاء'' کی جو نسبت کی گئی ہے، اس کا مطلب اور مفہوم بھی یہی ہے، جو اوپر بیان ہوا۔ جہاں تک امامِ ابوحنیفہؒ کے بعد آنے والے حنفیہ کا تعلق ہے تو ان میں اہلِ سنت بھی ہیں اور وہ بہت زیادہ تعداد میں ہیں۔ اور ان میں ''ارجاء'' کا عقیدہ رکھنے والے گمراہ اور بدعتی بھی ہیں۔ (573) انھی میں سے بشر بن غیاث مریسی ہے۔

(محمود بن سلیمان) کفویؒ (اس کے بارے میں) کہتے ہیں کہ:

''اس شخص نے امامِ ابوحنیفہ کی مجلس میں شرکت کی ہے اور ان سے کچھ چیزیں اخذ بھی کی ہیں۔ پھر امامِ ابویوسف کی صحبت میں بھی رہا ہے۔ یہاں تک کہ اس نے کمال حاصل کرلیا۔''

انتھیٰ (574)

عبدالقادر قرشیؒ نے لکھا ہے:

''امامِ طحاویؒ فرماتے ہیں: میں نے قاضی ابوعبید علی بن حسینؒ سے سنا ہے، وہ فرماتے ہیں: مجھ سے ابن فہم نے روایت کیا ہے، اور انھوں نے فرمایا: مجھ سے ابن زنجویہ نے روایت کیا ہے، اور وہ فرماتے ہیں کہ: مجھ سے (امام) احمد بن حنبل نے روایت کیا ہے کہ: میں حضرت قاضی ابویوسف کی مجلس میں موجود تھا، جب انھوں نے بشر (بن غیاث) مریسی کو اپنی مجلس سے نکل

جانے کا حکم دیا۔ وہ اپنا پاؤں گھسیٹتا ہوا نکل گیا۔ پھر کچھ عرصے کے بعد میں نے اس کو مجلس میں دیکھا تو اس سے پوچھا گیا کہ تو دوبارہ مجلس میں کیوں آیا؟ اس نے کہا کہ: کل جو کچھ میرے ساتھ ہوا، اس کی وجہ سے میں علم میں سے اپنے حصے کو ختم نہیں کروں گا۔'' انتہٰی (575)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ:

امامِ ابو یوسفؒ کے شاگردوں میں (قاضی ابوالولید) بشر بن ولید کندی بھی ہیں، جو اہل سنت کے اماموں میں سے ایک امام ہیں اور آزمائش کے زمانے میں امام احمد (بن حنبلؒ) کے رفقا میں سے ہیں۔ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلو اور ورق گردانی کرنے والے بے وقوف فلسفیوں میں سے مت بنو۔

واللّٰه الموفّق. اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

تیسری نوع

اسانیدِ امامِ ابوحنیفہؒ

فصل (1): انقلاب کی دعوت سے متعلق امام ابوحنیفہ کے نظریے کی تشریح

(امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حوالے سے امام ابوحنیفہؒ کا نظریہ)

امام ابوبکر (احمد بن علی جصاص) رازیؒ (آیت عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ (576) (تم پر اپنی جان کی فکر لازم ہے، تمھارا کچھ نہیں بگاڑتا جو کوئی گمراہ ہو، جب کہ تم ہدایت یافتہ ہو۔) کے تحت) لکھتے ہیں:

''ہم سے مکرم بن احمد قاضیؒ نے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں کہ: ہم سے احمد بن عطیہ کوفیؒ نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ: ہم سے (شیخ) حمانیؒ نے بیان کیا اور وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے (حضرت عبداللہ) ابن مبارکؒ سے سنا ہے، انھوں نے فرمایا کہ:

''جب (امامِ اعظم) امام ابوحنیفہؒ کے پاس (امام) ابراہیم (بن میمون) صائغؒ (577) کے قتل کی خبر پہنچی تو آپ اتنا روئے کہ ہم نے یہ سمجھا کہ یہ عن قریب مر جائیں گے۔ اس کے بعد جب میں ان سے تنہائی میں ملا تو انھوں نے فرمایا کہ:

''اللہ کی قسم یہ بڑے عقل مند انسان تھے اور مجھے ان کے بارے میں اسی بات کا ڈر تھا۔''

میں نے پوچھا کہ: اس کا کیا سبب ہوا؟ تو انھوں نے فرمایا کہ:

''یہ میرے پاس آیا کرتے تھے اور مجھ سے سوالات کیا کرتے تھے۔ ان کی شخصیت ایسی تھی

کہ یہ اپنی جان کو اللہ کی اطاعت میں بہت زیادہ خرچ کرنے والے اور بہت زیادہ متقی اور پرہیزگار تھے۔ (احتیاط وتقوے کا یہ عالم تھا کہ) میں جب بھی اس کے سامنے (کھانے کی) کوئی چیز رکھتا تو یہ اس کے بارے میں مجھ سے سوال کرتے تھے، نہ کھانا پسند کرتے اور نہ اس کو چکھتے تھے۔ بسا اوقات مطمئن ہوجاتے تو تھوڑا بہت کھا لیتے تھے۔

انھوں نے مجھ سے ''امر بالمعروف'' اور ''نہی عن المنکر'' کے بارے میں سوالات کیے۔ یہاں تک کہ ہم اس بات پر متفق ہوئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک فریضہ ہے۔''

اس کے بعد انھوں نے مجھ سے کہا کہ:

''آپ اپنا ہاتھ بڑھائیے، تاکہ میں آپ سے بیعتِ (جہاد) کروں۔''

(ان کو شہید کرکے) دنیا نے میرے اور ان کے درمیان اندھیرا پیدا کردیا۔

میں نے پوچھا کہ: کیسے؟ تو امامِ اعظمؒ نے فرمایا کہ:

''ابراہیم صائغؒ مجھے اللہ کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں ایک حق کی طرف دعوت دے رہے تھے، میں نے انھیں اس پر روکا اور ان سے کہا کہ:

''اگر اس کام کو ایک اکیلا آدمی لے کر کھڑا ہوگا تو وہ قتل کردیا جائے گا۔ اس سے لوگوں کا کوئی کام بھی درست نہیں ہوگا، لیکن اگر اس کام کے لیے بہترین صلاحیت والے مددگار اور معاونین موجود ہوں اور ایک ایسا آدمی ان کا سردار ہو، جس پر اللہ کے دین کے سلسلے میں اعتماد کیا جاسکے، تو دشمن اس کا رُخ نہیں موڑ سکتا۔''

امامِ ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ:

''وہ اس بات کا تقاضا کرتے رہتے تھے۔ وہ جب بھی میرے پاس آتے، اصرار کرنے والے قرض خواہ کی طرح مجھ سے اس بات کا تقاضا کرتے رہتے تھے۔

میں ان سے کہتا کہ:

یہ ایک ایسا کام ہے، جو ایک آدمی سے نہیں ہوسکتا۔ انبیا علیہم السلام کو بھی اس وقت تک اس بات کا حکم نہیں دیا گیا، جب تک کہ آسمان (اللہ کی جانب) سے اس کام پر فیصلہ نہیں ہوگیا۔ یہ ایک ایسا فریضہ ہے، جو دیگر ایسے فرائض کی طرح نہیں ہے، جنھیں ایک آدمی اکیلا بھی کرسکتا ہے۔ یہ ایک ایسا کام ہے کہ جب بھی کسی اکیلے آدمی نے یہ کام کرنے کی کوشش کی تو اس کا خون بہا دیا گیا۔ گویا کہ اس نے اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش کردیا۔

مجھے ان کے بارے میں یہی ڈر لگا رہتا تھا کہ وہ خود اپنی جان کو ہلاک کرنے کے درپے

ہیں۔ اور جب ایک آدمی قتل ہو جائے تو کسی دوسرے کو یہ جرأت نہیں ہوتی کہ وہ ایسا کام کر کے اپنے آپ کو قتل ہونے کے لیے پیش کرے، لیکن وہ اس سلسلے میں انتظار میں رہتے تھے۔

پھر وہ ''مرو'' چلے گئے، جہاں ابومسلم (خراسانی حکمران) تھا۔ تو انھوں نے اس کے ساتھ بڑے سخت انداز میں گفتگو کی۔ اس نے انھیں گرفتار کر لیا۔ اس پر اہل خراسان اور وہاں کے رہنے والے فقہا اور عبادت گزار جمع ہو گئے۔ یہاں تک کہ انھوں نے انھیں رہا کروالیا۔ دوبارہ انھوں نے اسی انداز میں بات کی، تو اس نے اسے سخت تنبیہ کی۔ اس کے بعد انھوں نے سہ بارہ وہی بات دہرائی، اور اس سے کہا کہ:

''میں اللہ تعالیٰ کے لیے جتنے کام بھی کرتا ہوں، ان میں سب سے زیادہ افضل تجھ سے جہاد کرنے کو سمجھتا ہوں۔ میں اگرچہ اپنے ہاتھ سے تجھ سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتا، لیکن اللہ نے مجھے دکھا دیا ہے کہ میں ضرور اپنی زبان کے ذریعے سے تمھارے ساتھ جہاد کروں اور میں تجھ سے اس سلسلے میں بغض رکھتا ہوں۔''

اس پر اس (ابومسلم خرسانی) نے انھیں قتل کر دیا۔''

انتھیٰ ما رواہ ابوبکر رازی (ابوبکر رازی نے جو بات بیان کی ہے، وہ مکمل ہوگئی) (578)

(مشکل حالات میں جدوجہد کرنے والے ائمہ انقلاب)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ:

امیرالمؤمنین (حضرت) علیؓ بن ابوطالب کے بعد (حضرت) امام حسنؓ (بن علیؓ) اس کام کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے ساتھیوں نے ان سے بیعت کی۔ پھر انھیں لوگوں نے ان سے خیانت کی اور انھیں اکیلا چھوڑ دیا، اس لیے وہ مصالحت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ وہ (حضرت امام حسنؓ) ایک ایسے سردار تھے کہ اللہ نے ان کے ذریعے سے مسلمانوں کے درمیان صلح کرائی۔ (579)

ان کے بعد (حضرت امام) حسینؓ (بن علی بن ابوطالب) اس کام کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ آپؓ کربلا میں شہید کر دیے گئے۔

پھر (حضرت) حسن (مثنیٰ) بن حسن (بن علیؓ بن ابوطالب اس کام کے لیے) اٹھ کھڑے ہوئے۔ عبدالملک بن مروان کے زمانے میں ان کی بیعت کی گئی۔ ان کی طرف دعوت دینے والے لوگوں میں (امام) عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث (متوفی ۸۴ھ/ 703ء) بھی تھے۔ اس کام میں ان کی اتباع کرنے والوں میں (امام) عامر (بن شراحیل) شعبی ہیں، جو کہ امام ابوحنیفہؒ کے بڑے مشائخ میں سے ہیں۔ انھیں میں (حضرت) سعید بن جبیرؒ بھی تھے۔

پھر ہشام (بن عبدالملک) کے زمانے میں (حضرت امام) زید بن علیؒ (بن حسین بن علیؓ بن ابوطالب اس کام کے لیے) اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھیں بھی ۱۲۲ھ (739ء) شہید کر دیا گیا۔ (580)

پھر یحییٰ بن زیدؒ (بن علی بن حسین بن علی بن ابوطالب اس کام کے لیے اٹھ) کھڑے ہوئے اور انھیں ۱۲۶ھ (744ء) میں شہید کر دیا گیا۔ (581)

پھر (خلیفہ) منصور (عباسی) کے زمانے میں (حضرت امام، نفس زکیہ، مہدی) محمد بن عبداللہ بن حسنؒ (مثنیٰ) بن حسن (بن علیؓ بن ابوطالب) (582) اور ان کے بھائی (حضرت امام) ابراہیم بن عبداللہ (583) اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھیں بھی ۱۴۵ھ (763ء) میں شہید کر دیا گیا۔

امام ابوحنیفہؒ ان لوگوں میں سے ہیں، جنھوں نے ان دونوں حضرات کی مالی معاونت اور افرادی قوت کے ساتھ مدد کی۔ اسی لیے (خلیفہ) منصور (عباسی) نے آپ کو جیل میں قید کر دیا، یہاں تک ۱۵۰ھ (767ء) میں قید کی حالت میں ہی آپ کا انتقال ہو گیا۔ (584)

اللہ تعالیٰ ان تمام کی مغفرت فرمائے اور ان سب سے راضی ہو جائے۔

تکمیل فصل (1): (جہاد و انقلاب کی اہمیت)

امام ابوبکر (جصاص) رازیؒ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ'' (585)

(تم اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کرو)

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں مال اور جان، دونوں سے جہاد کرنا فرض قرار دیا ہے۔

جس آدمی کے پاس مال ہو اور ایسا مریض ہو کہ جہاد پر نہ جا سکے، یا ایسا ضعیف اور کمزور ہو کہ لڑائی کی صلاحیت نہیں رکھتا، تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے مال کے ذریعے سے جہاد کرے۔ اس طور پر کہ دوسرے آدمی کو اپنا مال دے اور اس کے ذریعے سے جہاد میں شریک ہو جائے۔ جیسا کہ اگر اس کے پاس جسمانی طور پر جہاد کی طاقت و قدرت ہوتی، تو اس پر جان سے جہاد کرنا فرض تھا۔ اگرچہ وہ مالدار اور غنی نہ بھی ہوتا۔

جو آدمی جہاد و قتال کی طاقت و قوت رکھتا ہے اور اس کے پاس مال بھی ہے تو اس پر اپنی جان اور مال، دونوں طرح سے جہاد کرنا فرض ہے۔

جو آدمی اپنی جان کے حوالے سے جہاد کرنے سے عاجز ہے اور مال بھی نہیں رکھتا تو اس پر اللہ اور اس کے رسول کے دین کی سربلندی اور خیر خواہی کے حوالے سے جہاد کرنا فرض ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ (586)

(نہیں ہے کچھ گناہ ضعیفوں پر، اور نہ مریضوں پر، اور نہ ان لوگوں پر جن کے پاس خرچ کرنے کو نہیں ہے، جب کہ دل سے وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ہوں) (587)

(جان و مال کے ساتھ جہاد کی چند قسمیں)

امام ابوبکر (جصاص) رازیؒ فرماتے ہیں:

''مال کے ساتھ جہاد کرنے کی دو صورتیں ہیں:

(الف) ایک یہ کہ انسان آلاتِ جنگ، اسلحہ، سواری اور سفرخرچ یا اس سے متعلقہ ایسی چیزوں پر اپنا مال خرچ کرے، جن کی خود اسے لڑنے کے لیے ضرورت ہے۔

(ب) دوسرے یہ کہ اپنا مال دوسرے ایسے افراد پر خرچ کرے کہ جو جہاد میں شریک ہیں اور ان کے سفرخرچ اور دیگر ضروریات میں ان کی معاونت کرے۔

اسی طرح جان کے ذریعے سے جہاد کرنے کی بھی چند قسمیں ہیں:

(الف) ان میں سے ایک یہ کہ خود جہاد کے لیے نکلے اور براہِ راست لڑائی میں شریک ہو۔

(ب) دوسرے یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جہاد کی فرضیت کے بارے میں (لوگوں کے سامنے) بیان کرے اور جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہونے والوں کے لیے عمدہ انعامات کا تذکرہ کرے اور اس سے منہ موڑ کر بیٹھنے والوں کے لیے سزاؤں کا تذکرہ کرے۔

(ج) ایک قسم یہ ہے کہ جہاد کا حکم دے اور لوگوں کو اس کی طرف ترغیب دے۔

(د) ایک قسم یہ ہے کہ دشمن کے راز معلوم کیے جائیں اور ان کی جنگی حکمتِ عملیوں سے مجاہدین کو باخبر کیا جائے اور انھیں درست مشورے دیے جائیں۔ اور جنگی معاملات کے سلسلے میں مسلمانوں کی بہترین اور عمدہ تدابیر کی طرف رہنمائی کی جائے۔'' (588)

(جہاد و انقلاب کے لیے اجتماعیت کی نوعیت)

(نیز امام ابوبکر جصاص رازیؒ فرماتے ہیں:)

اگر کوئی پوچھے کہ کیا فاسق و فاجر کے ساتھ مل کر جہاد کرنا جائز ہے؟ تو اس سے کہا جائے گا کہ مجاہدین میں سے ہر ایک پر جہاد کرنا فرض ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ کفار کے ساتھ جہاد کرے، اگرچہ لشکر اور امیرِ لشکر فاسق و فاجر ہی کیوں نہ ہوں۔....

جہاد کی فرضیت بیان کرنے والی تمام آیات میں فاسقوں کے ساتھ شامل ہو کر جہاد کرنے

اور نیک اور عادل لوگوں کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کے سلسلے میں کوئی فرق بیان نہیں کیا گیا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کی فرضیت بیان کرتے ہوئے فاسقوں اور فاجروں کو چھوڑ کر صرف عدل و انصاف والوں کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کا حکم نہیں دیا۔ جب ہر ایک پر دشمنوں کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے تو عدل و انصاف قائم کرنے والوں کے ساتھ اور فاسق و فاجر لوگوں کے ساتھ جہاد کرنے کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (589)

(اکیلا آدمی کب جہاد و انقلاب کے لیے قربانی دے سکتا ہے؟)

امام ابوبکر رازیؒ فرماتے ہیں:

''(جہاں تک ایک آدمی کا دشمن کی اجتماعی طاقت کے خلاف حملہ آور ہونے کا تعلق ہے، تو اس سلسلے میں حضرت امام) محمد بن حسن (شیبانیؒ) نے ''سِیَرِ کبیر'' میں لکھا ہے:

(الف) اگر ایک اکیلا آدمی (دشمن کے) ایک ہزار آدمیوں پر حملہ کرنا چاہے اور ایسی صورت میں اسے بچ نکلنے یا دشمن کو مغلوب کرنے کی امید ہو تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(ب) لیکن اگر بچ نکلنے اور دشمن کو شکست دینے کی امید نہ ہو تو ایسے حملے کو مَیں پسند نہیں کرتا۔ اس لیے کہ یہ مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے بغیر اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ مناسب بات یہ ہے کہ آدمی ایسا کام اُس وقت کرے، جب اسے مسلمانوں کو بچانے یا انھیں فائدہ پہنچانے کی امید ہو۔

(ج) اگر اپنے بچنے کی امید نہ ہو اور نہ ہی دشمن کو شکست دینے کی امید ہو، لیکن اس کے اس عمل کے نتیجے میں دیگر مسلمانوں میں ایسی ہی جرأت اور ہمت پیدا ہو جائے اور وہ بھی سب مل کر اس کی طرح دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں تو پھر اِن شاء اللہ ایسی جرأت کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لیے کہ اگر دشمن کو شکست دینے کی امید ہو اور اپنے بچنے کی امید نہ ہو تو مَیں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ ایسا آدمی دشمن پر حملہ آور ہو۔ اسی طرح جب اسے امید ہو کہ اس کے علاوہ دوسرے افراد بھی دشمن کو شکست دینے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے، تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ اس سلسلے میں وہ اجر کا مستحق ہوگا۔

(د) اکیلے ایک آدمی کا حملہ آور ہونا صرف اس وقت ناجائز ہے، جب کہ کسی بھی صورت میں کوئی نفع حاصل نہ ہوتا ہو۔

(ھ) اگر بچ نکلنے کی امید بھی نہیں ہے اور دشمن کو بظاہر نقصان بھی نہیں ہے، لیکن دشمن پر رعب پیدا

ہوتا ہے، تو تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لیے کہ دشمن پر رعب پیدا کرنا، اسے مغلوب کرنے کے سلسلے میں سب سے افضل کام ہے اور اسی میں مسلمانوں کا نفع ہے۔''

(''سیر کبیر'' کی عبارت نقل کر کے امام) ابوبکر (جصاص رازیؒ) فرماتے ہیں کہ:

''امام محمدؒ نے اکیلے ایک آدمی کے جہاد کے حوالے سے جتنی وجوہات بیان کی ہیں، وہ صحیح ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر تمام شکلوں میں اکیلے آدمی کا جہاد کرنا جائز نہیں۔'' (590)

امام ابوبکر جصاص رازیؒ لکھتے ہیں کہ:

''جہاں تک ایک انسان کا اپنی جان کی قربانی دے کر دین کے غالب کرنے کا فائدہ حاصل ہوتا ہو، تو یہ ایک بڑا بلند اور معزز مقام ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس مقام کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی اس آیت میں تعریف کی ہے:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ (591)

(اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر خرید لیا کہ ان کے لیے جنت ہے، اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں۔)

اس جیسی آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے، جو اپنی جان کو اللہ کے لیے قربان کر دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں مناسب یہ ہے کہ ''امر بالمعروف'' اور ''نہی عن المنکر'' اس وقت کیا جائے، جب دین کے حوالے سے نفع حاصل ہونے کی امید ہو۔ چناں چہ ایسے موقع پر اگر اپنی جان کی قربانی دی جائے، یہاں تک کہ شہید کر دیا جائے۔ تو یہ شہدا کے اعلیٰ و درجات میں سے ہوگا۔'' (592)

(ظالم حکمران کے سامنے عدل و انصاف کی بات کہنا جہاد ہے)

(امام) ابوبکر (جصاص رازیؒ) فرماتے ہیں کہ:

''ہم سے روایت کیا محمد بن عمرؒ نے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے خبر دی ہے احمد بن محمد ابن عمر بن مصوب مروَزیؒ نے، وہ کہتے ہیں کہ: میں نے ابوعمارہؒ سے سنا، انھوں نے کہا کہ: میں نے حسن بن رشیدؒ سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ: میں نے (امامِ اعظم) امام ابوحنیفہؒ سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ:

''ہمیں (حضرت) ابراہیم صائغ نے خبر دی، اور وہ روایت کرتے ہیں عکرمہؒ سے اور وہ ابن عباسؓ سے اور وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

''سیّد الشّهداء حمزة بن عبدالمطّلب و رجل قام إلىٰ إمام جائر فأمرهٗ و

نهاهُ فقتلهُ.''

(شہیدوں کے سردار (حضرت) حمزہؓ بن عبدالمطلب ہیں اور ہر وہ آدمی ہے، جو ظالم امام کے سامنے اٹھ کھڑا ہو اور اسے نیکی کا حکم دے اور اس کو ظلم سے روکے، اس وجہ سے وہ حکمران اُسے شہید کر دے۔)

(ظالم حکمران کے خلاف آواز نہ اٹھانے کی سوچ کی نفی)

(امام) ابوبکر رازیؒ کہتے ہیں:

''ایک فضول سی قوم کا یہ گمان ہے کہ:

''اللہ کی جانب سے حرام کیے گئے قتل انسانیت اور ظلم وستم کے حوالے سے حکمرانوں پر کوئی تنقید نہیں کرنی چاہیے۔ ہاں! البتہ سلطان اور حکمران کے علاوہ دیگر لوگوں کو ایسے غلط کاموں سے زبان اور ہتھیار کے بغیر، ہاتھ سے روکنا چاہیے۔''

ایسے لوگ امت پر ایسے شرّ کی حیثیت رکھتے ہیں، جو اس کے مخالف دشمنوں کی جانب سے پیدا کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ یہ گروہ لوگوں کو حکمرانوں کے ظلم وستم کے خلاف ان کے سامنے آواز اٹھانے سے روکتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کا یہ عمل فاسقوں اور فاجروں کے غلبے کا سبب بن جاتا ہے، بلکہ اسلام کے دشمنوں اور مجوسیوں کو غالب کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ حتیٰ کہ سرحدوں کے ختم ہو جانے، ظلم کو پھیلانے، شہروں کو تباہ و برباد کرنے، دین اور دنیا کو مٹانے کا سبب بن جاتا ہے۔ ایسے عمل کے نتیجے میں الحاد و زندقہ اور انتہا پسندی غالب آجاتی ہے اور ''ثنویت''، ''مزدکیت'' اور ''خرمیت'' (593) ایسے غلط مذاہب غالب آجاتے ہیں اور ان کا یہ عمل ''امر بالمعروف'' کو چھوڑنے اور ''نہی عن المنکر'' سے بچنے اور ظالم بادشاہ کی مخالفت کو چھوڑنے کا سبب بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی مددگار ہے۔

ہم سے بیان کیا ہے محمد ابن بکرؒ نے، وہ روایت کرتے ہیں (امام) ابوداؤدؒ سے، اور وہ روایت کرتے ہیں محمد بن عباد واسطیؒ سے، وہ یزید بن ہارونؒ سے، وہ اسرائیلؒ سے، اور وہ محمد بن جحادہؒ سے، وہ عطیہ عوفیؒ سے، وہ ابوسعید خدریؓ سے اور وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''أفضل الجهاد كلمة عدلٍ عند سلطانٍ جائرٍ أو أمير جائرٍ.''

(سب سے بہترین جہاد، ظالم سلطان یا ظالم حکمران کے سامنے عدل وانصاف کی بات کہنا ہے۔)

انتھٰی بحمد اللّٰہ ما اردنا التقاتہ من احکام القرآن للامام ابی بکر الرازی.

(امام ابوبکر جصاص رازیؒ کی ''احکام القرآن'' سے جن باتوں کو ہم نے نقل کرنے کا ارادہ کیا تھا، اللہ کی حمد وثنا سے وہ مکمل ہوگیا۔) (594)

دوسرا باب

قضا، افتا اور تدریس کے فرائض سرانجام دینے والے فقہا کی اسانید

پہلی نوع

امام ابوحنیفہ کے شاگردوں؛ امام ابویوسفؒ، امام زفر (بن) ہذیلؒ امام محمد بن حسنؒ، حسن بن زیادؒ اور حماد بن امام ابوحنیفہؒ کی اسانید

فصل (1): اسانید امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم انصاریؒ

امام طحاویؒ روایت کرتے ہیں ابوحازمؒ سے، وہ بکر بن محمد عمیؒ سے اور وہ نصیر بن یحییٰؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح ابوجعفر ہندوانیؒ روایت کرتے ہیں ابوالقاسم صفارؒ سے، وہ نصیر بن یحییٰ سے، وہ محمد بن سماعہؒ سے اور وہ امام ابویوسفؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(امام) طحاویؒ روایت کرتے ہیں ابن ابی عمرانؒ سے اور وہ بشر بن ولید کندیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (امام) طحاویؒ روایت کرتے ہیں بکار بن قتیبہؒ سے اور وہ ہلال بن یحییٰ بن مسلمؒ رائے سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (امام) طحاویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابن ابی عمرانؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن سلمہؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن شجاع ثلجیؒ سے، وہ (شیخ) حسن بن ابومالکؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اور یہ تینوں (بشر بن ولید کندی، ہلال بن یحییٰ اور حسن بن ابومالک) امام (قاضی) ابویوسفؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): اسانید امام زفر بن ہذیلؒ

(امام) طحاویؒ، (شیخ) ابن ابی عمرانؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ ابوجعفر) ہندوانیؒ، (شیخ) اسکافؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اور یہ دونوں (شیخ ابن ابی عمرانؒ اور شیخ اسکافؒ، شیخ) محمد بن سلمہؒ سے، وہ (شیخ) شداد بن حکیمؒ سے، اور وہ امام زفر (بن ہذیلؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(امام) طحاویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) بکار بن قتیبہؒ سے، وہ (شیخ) ہلال بن یحییٰ بن ابومسلم رائےؒ سے اور وہ امام زفر بن ہذیل سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): نعمانی (حنفی) مذہب کو قلم بند کرنے والے امام محمد بن حسن شیبانیؒ کی اسانید

امام عبداللہ بن محمد بن یعقوب حارثی بخاریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوعبداللہ محمد بن احمد بن حفص (امام ابوحفص صغیر) سے، وہ اپنے والد امام ابوحفص (کبیر، احمد بن حفص) (595) سے، اور وہ امام محمد بن حسن (شیبانیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

امام طحاویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابن ابی عمرانؒ سے اور وہ (شیخ) محمد بن مسلمہؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ ابوجعفر) ہندوانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) اسکافؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن مسلمہؒ سے اور وہ (شیخ) ابوسلیمان جوزجانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امام ابومنصور ماتریدیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) احمد عیاضیؒ سے، وہ (شیخ) احمد بن اسحاق جوزجانیؒ سے اور وہ (شیخ) ابوسلیمان جوزجانیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امام عبداللہ حارثی بخاریؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) عبدالرحیم سمنانیؒ سے، وہ (شیخ) ابوسلیمان جوزجانیؒ سے، وہ امام محمد بن حسن (شیبانیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(شیخ ابوجعفر) ہندوانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوالقاسم صفارؒ سے، وہ (شیخ) نصیر بن یحییٰ سے، وہ (شیخ) ابوسلیمان جوزجانیؒ اور محمد بن سماعہؒ سے اور یہ دونوں حضرات امام محمد (بن حسن شیبانیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(امام) طحاویؒ اور (شیخ) ابوطاہر دباسؒ دونوں روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوحازمؒ سے، وہ (شیخ) بکر بن محمد عمیؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن سماعہؒ سے، وہ امام محمد (شیبانیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(امام) کرخیؒ روایت کرتے ہیں ابوسعید بردعیؒ سے، وہ (شیخ) ابوعلی دقاقؒ سے، وہ (شیخ) موسیٰ بن نصیر رازیؒ سے اور وہ امام محمد (شیبانیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

(امام) طحاویؒ، (شیخ ابوطاہر) دباسؒ اور (شیخ) ابوسعید بردعیؒ تینوں روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوحازمؒ سے، وہ (شیخ) عیسیٰ بن ابانؒ سے اور وہ امام محمد (بن حسن شیبانیؒ) سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4): اسانید (امام) حسن بن زیادؒ اور (امام) حماد بن امام ابوحنیفہؒ

(امام) کرخیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوسعید بردعیؒ سے، وہ (شیخ) اسماعیل بن حماد بن امام ابوحنیفہؒ سے اور وہ اپنے والد (شیخ) حماد بن امام ابوحنیفہؒ اور (امام) حسن بن زیادؒ سے روایت کرتے ہیں۔

(امام) طحاویؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوحازمؒ سے اور وہ (شیخ) بکر بن محمد عمیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح (شیخ ابوجعفر) ہندوانیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوالقاسم صفارؒ سے، یہ دونوں (شیخ بکر بن محمد عمیؒ اور شیخ ابوالقاسم صفارؒ، شیخ) نصیر بن یحییٰؒ سے، وہ (شیخ) محمد بن سماعہؒ سے اور وہ (امام) حسن بن زیادؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (5): امام ابوحنیفہ کے شاگردوں کے حالاتِ زندگی - اللہ ان سے راضی ہو

تذکرہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ (۸۰ھ/ 699ء - ۱۵۰ھ/ 767ء)

(امام) ذہبیؒ ''تذکرۃ الحُفّاظ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''عراق کے فقیہ (حضرت) نعمان بن ثابت بن زوطی تیمی کوفی کی پیدائش ۸۰ھ (699ء) میں ہوئی۔ انھوں نے حضرت عطا (ابن یسارؒ)، نافعؒ، عبدالرحمٰن بن ہرمز اعرجؒ، عدی بن ثابتؒ، سلمہ بن کہیلؒ، ابوجعفر محمد بن علیؒ، قتادہؒ، عمرو بن دینارؒ، ابواسحاقؒ اور بہت سے حضرات سے تعلیم حاصل کی ہے۔ آپؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کرنے والوں میں (امام) زفر بن ہذیلؒ، (امام) داؤد طائیؒ، (امام) قاضی ابویوسفؒ، (امام) محمد بن حسن (شیبانیؒ)، اسد بن عمروؒ، حسن بن زیاد لولویؒ، نوح الجامعؒ اور ابومطیع بلخیؒ ہیں۔ اسی طرح آپؒ نے فقہ حماد بن ابوسلیمانؒ وغیرہ سے حاصل کی۔'' انتہیٰ (596)

تذکرہ امام ابویوسفؒ (۱۱۳ھ/ 731ء - ۱۸۲ھ/ 798ء)

(امام) ذہبیؒ ''تذکرۃ الحُفّاظ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''عراقیوں کے فقیہ (امام ابویوسف) یعقوب بن ابراہیم انصاری کوفی، امامِ ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں۔ آپؒ نے ہشام بن عروہؒ، ابواسحاق شیبانیؒ، عطاء بن سائبؒ اور ان کے طبقے کے لوگوں سے حدیث کی سماعت ہے۔ اور آپ سے روایت کرنے والوں میں فقیہ (امام) محمد بن حسن (شیبانیؒ)، (امام) احمد بن حنبلؒ، بشر بن ولیدؒ، یحییٰ بن معینؒ اور ان کے علاوہ بہت سے حضرات شامل ہیں۔'' انتہیٰ (597)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ:

امام ابو یوسفؒ نے "کتاب الخراج" میں اعمشؒ، منصورؒ، پھر امام مالکؒ اور لیث (بن سعدؒ) سے بھی روایات بیان کی ہیں۔

حافظ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں:

"مشرق سے مغرب تک کے تمام عالم میں مَیں کسی ایسے قاضی اور جج کو نہیں جانتا، جن کے سپرد عہدۂ قضا کیا گیا ہو، سوائے (امام) ابو یوسفؒ کے، جنھیں اپنے زمانے میں اس عہدے پر فائز کیا گیا اور دوسرے (امام) احمد بن ابوداؤدؒ کو، جو اپنے زمانے میں اس منصب پر فائز رہے ہیں۔" انتھٰی

تذکرہ امام محمد بن حسن شیبانیؒ (۱۳۲ھ/ 750ء - ۱۸۹ھ/ 805ء)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

"آپ محمد بن حسن بن خرق شیبانیؒ ہیں۔ آپ نے فقہ کی تعلیم (امام) ابوحنیفہ سے حاصل کی اور حدیث کی سماعت (امام سفیان) ثوریؒ، مسعرؒ، (امام) اوزاعیؒ، (امام) مالک بن انسؒ اور ایک بڑی جماعت سے کی ہے۔ اور آپ سے روایت کرنے والوں میں (امام) شافعیؒ اور ابوسلیمان جوزجانیؒ وغیرہ ہیں۔" انتھٰی

(امام) طحاویؒ فرماتے ہیں:

ہمیں خبر دی ابن ابوعمران نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی محمد بن مروان حفافؒ نے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہؒ سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ (امام) محمد بن حسن (شیبانیؒ) فرماتے تھے:

"میں داؤد طائی کے پاس اُن کے گھر جاتا اور اُن سے کسی مسئلے کے بارے میں دریافت کرتا۔ پس اگر اُن کے دل میں یہ بات آتی کہ مجھے اس مسئلے کی کسی دینی امر میں ضرورت ہے تو وہ اس کا جواب دے دیتے، اور اگر اُن کے دل میں یہ بات ہوتی کہ یہ ہمارے سمجھے ہوئے مسائل میں سے ہے، تو میرے چہرے کی طرف دیکھ کر صرف مسکرا دیتے اور فرماتے: "بے شک ہماری اپنی مصروفیت ہے، بے شک ہماری اپنی مصروفیت ہے۔" انتھٰی

تذکرہ امام زفر بن ہذیلؒ (۱۱۰ھ/ 728ء - ۱۵۸ھ/ 775ء)

(امام عبدالقادر) قرشیؒ "طبقات" میں لکھتے ہیں:

"ابوعمر کہتے ہیں کہ (امام) زفرؒ عقل مند، دین دار، سمجھ دار اور انتہائی پرہیزگار آدمی تھے۔

حدیث میں آپ پر پورا اعتماد کیا جا سکتا ہے۔'' انتھٰی (598)

(ملا) علی قاریؒ، مبارک سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ:

''میں نے (امام) زفرؒ سے سنا کہ جب کوئی حدیث موجود ہو تو ہم اپنی رائے سے کوئی مسئلہ اخذ نہیں کرتے۔ اور جب کوئی اثر اور حدیث آجائے تو اپنی رائے چھوڑ دیتے ہیں۔'' عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ: ''جب (امام) زفر بصرہ تشریف لائے تو ان کے سامنے'' جامع (مسند) سفیان (ثوری)'' پیش کی گئی، تو انھوں نے فرمایا کہ: ''یہ ہمارا کلام ہے، جو دوسروں کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔'' انتھٰی (599)

تذکرہ (امام) حسن بن زیادؒ (متوفی ۲۰۴ھ/ 819ء)

(امام عبدالقادر) قرشی لکھتے ہیں:

''یحییٰ بن آدم فرماتے ہیں کہ: ''میں نے حسن بن زیادؒ سے زیادہ فقیہ کسی اور کو نہیں دیکھا۔ آپؒ کوفہ میں قضا کے منصب پر فائز رہے۔ پھر اُس سے استعفیٰ دے دیا۔ آپؒ سنت سے محبت رکھتے اور اس کی اتباع کرتے تھے۔ آپؒ (امام) زفرؒ اور (امام) ابو یوسفؒ سے فقہ میں اختلاف رکھتے تھے۔'' (امام) سمعانیؒ فرماتے ہیں کہ: '' آپ (امام) ابوحنیفہ کی روایت قبول کرتے تھے اور بہت اچھے اخلاق کے مالک تھے۔'' انتھٰی (600)

تذکرہ امام حماد بن نعمان ابن امام (ابوحنیفہؒ۔ متوفی ۱۷۰ھ/ 786ء)

(امام عبدالقادر) قرشیؒ فرماتے ہیں:

''آپؒ نے اپنے والد (امام ابوحنیفہؒ) سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور اپنے زمانے میں فتاویٰ بھی دیے۔ آپؒ (امام) ابو یوسفؒ، (امام) محمدؒ، (امام) زفرؒ، (امام) حسن بن زیادؒ کے طبقے میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ پر زہد و تقویٰ کا بہت غلبہ تھا۔'' انتھٰی (601)

تذکرہ زاہد (حضرت) ابراہیم بن ادھم بلخیؒ (متوفی ۱۶۱ھ/ 778ء)

(ملا) علی قاریؒ، شمس الائمہ کردریؒ سے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''(حضرت) ابراہیم بن ادھمؒ، امام (ابوحنیفہ) کے شاگرد ہیں اور اُن سے روایت بھی کی ہے۔ امام (ابوحنیفہؒ) نے ان کو نصیحت کی اور ان کو علم و عمل کو باہم جمع کرنے پر ابھارا تھا۔'' انتھٰی

دوسری نوع

امامِ ابوحنیفہ کے صحبت یافتہ فقہا محدثین کی جماعت کی اسانید

فصل (1): امام ابوحنیفہؒ کے صحبت یافتہ لوگوں کی اسانید

(۱) امامِ ابو یوسفؒ (۱۱۳ھ/ 731ء - ۱۸۲ھ/ 798ء)

آپؒ سے امامِ اہل سنت (امام) احمد بن حنبلؒ نے روایت کی ہے۔

اس کا ذکر (امام) ذہبیؒ نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں کیا ہے۔(602)

(۲) امام محمد بن حسن (شیبانیؒ ۔۱۳۲ھ/ 750ء-۱۸۹ھ/ 805ء)

امام مالکؒ کے بعد امام المسلمین امام محمد بن ادریس شافعی نے آپؒ سے روایت کی ہے۔

اس کا تذکرہ حافظ ابن حجرؒ نے کیا ہے۔(603)

(۳) امام عبداللہ بن مبارکؒ (۱۱۸ھ/ 736ء-۱۸۱ھ/ 797ء)

حافظ (ابن حجرؒ) نے ''تھذیب (التّھذیب)'' میں لکھا ہے:

''محمد بن مزاحم کہتے ہیں کہ میں نے (امام عبداللہ) ابن مبارکؒ (604) کو فرماتے ہوئے سنا، وہ کہتے تھے کہ: ''لوگوں میں سے سب سے زیادہ فقہ جاننے والے (امام) ابوحنیفہؒ ہیں، میں نے فقہ میں ان جیسا آدمی نہیں دیکھا۔'' اور یہ بھی فرمایا کہ: ''اگر اللہ تعالیٰ (امام) ابوحنیفہؒ اور (امام سفیان) ثوریؒ کے ذریعے میری مدد نہ فرماتا تو میں بھی عام لوگوں کی طرح ہوتا۔''

انتھٰی (605)

امام اسحاق (بن ابراہیم حنظلی مروزی المعروف) ابن راہویہؒ، (امام عبداللہ) ابن مبارکؒ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔

(امام) ذہبیؒ ان کے حالاتِ میں لکھتے ہیں کہ:

''انھوں نے (امام عبداللہ) ابن مبارکؒ سے روایات سنی ہیں اس دور میں جب کہ وہ بچے تھے۔'' انتھٰی (606)

نیز انھوں نے امام بخاریؒ کے حالاتِ زندگی میں لکھا ہے کہ:

''امام بخاری کو (امام عبداللہ) ابن مبارکؒ کی تمام تصانیف اس وقت حفظ یاد ہوگئی تھیں، جب کہ ابھی وہ بچے تھے۔'' انتھٰی (607)

امام اسحاق بن ابراہیم حنظلی (المعروف ابن راہویہؒ) نے امام بخاریؒ کو "جامع الصحیح" کی جمع و تدوین کا مشورہ دیا تھا۔ (اس کی دلیل وہ روایت ہے، جو شیخ حسین بن محسن انصاریؒ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے اپنے سلسلۂ سند کے ساتھ ہم سے بیان کی۔)

ہم سے شیخ حسین بن محسن انصاریؒ نے روایت کیا ہے، انھوں نے (شیخ) محمد بن ناصر حازمیؒ سے، انھوں نے (شیخ) محمد بن عابد سندھیؒ سے، انھوں نے (شیخ) صالح فلانیؒ سے، انھوں (شیخ) محمد بن سنہؒ سے اور انھوں نے (شیخ) ابوعبداللہ شریفؒ سے روایت کی ہے۔

اسی طرح ہم سے شیخ الہندؒ نے روایت کیا ہے، انھوں نے شیخ عبدالغنی (مجددی) دہلویؒ سے اور انھوں نے (شیخ) محمد عابد سندھیؒ سے روایت کی ہے۔

اسی طرح ہم نے (حضرت) شیخ الہندؒ سے راویت کی ہے، انھوں نے (شیخ) عبدالرحمٰن بن اہدلؒ سے، انھوں نے (شیخ محمد) ابن سنہؒ سے، انھوں نے (شیخ) ابوعبداللہ شریفؒ سے، انھوں نے (شیخ) ابن ارکماشؒ سے، انھوں نے حافظ ابن حجرؒ سے، انھوں (شیخ) ابوالعباس احمد بن عمر لولویؒ سے، انھوں نے حافظ ابوالحجاج مزیؒ سے، انھوں نے (شیخ) یوسف بن یعقوبؒ سے، انھوں نے (شیخ) ابویمین کندیؒ سے، انھوں نے (شیخ) ابومنصور قزازؒ سے، انھوں نے حافظ ابوبکر خطیبؒ سے، انھوں نے (شیخ) محمد بن احمد بن یعقوبؒ سے، انھوں نے (شیخ) محمد بن نعیمؒ سے، انھوں نے فرمایا: میں نے (شیخ) خلف بن محمد بخاریؒ سے سنا، انھوں نے فرمایا کہ: میں نے ابراہیم بن معقل نقیؒ سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ (امام) ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ نے کہا کہ:

> "ہم (امام) اسحاق بن راہویہؒ کے پاس تھے، تو انھوں نے فرمایا کہ: "کاش تم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث پر مشتمل ایک مختصر کتاب جمع کردو!۔" (امام بخاری) فرماتے ہیں کہ: یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی اور میں نے **"جامع الصّحیح"** میں احادیث جمع کرنی شروع کردیں۔"

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: امام عبداللہ بن مبارک نے امام ابوحنیفہؒ سے کئی روایات بیان کی ہیں، اور انھیں فقہائے حنفیہ نے لیا ہے۔

(امام) طحاویؒ فرماتے ہیں:

> "ہم سے ابوحامد احمد بن علی نیشاپوریؒ نے روایت کیا ہے، ان سے علی بن حسن رازیؒ نے، ان سے ابوسلیمان نے، وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے (امام عبداللہ) ابن مبارکؒ سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ: میں نے امام ابوحنیفہؒ سے ایک ایسے آدمی کے بارے سوال کیا، جو اپنے مال کی

زکوٰۃ اپنے شہر میں خرچ کرنے کی بجائے دوسرے شہر میں بھیجتا ہے؟ تو آپؒ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں، جب کہ وہ اپنے رشتے داروں کی وجہ سے اپنے مال کی زکوٰۃ ایک شہر سے دوسرے شہر بھیجتا ہے۔'' یہ بات میں نے (امام) محمد بن حسن کے سامنے بیان کی۔ توانھوں نے فرمایا: ''یہ بات اچھی ہے اور یہ (امام) ابوحنیفہ کا قول ہے۔ البتہ ہم نے اس سلسلے میں امام ابوحنیفہؒ سے کچھ نہیں سنا۔'' ابوسلیمان فرماتے ہیں کہ: ''یہ بات (امام) محمد بن حسن (شیبانیؒ) نے اس طرح لکھی کہ: محمد بن حسن نے اس کو (امام عبداللہ) ابن مبارکؒ سے سنا اورانھوں نے (امام) ابوحنیفہؒ سے سنا۔'' انتھٰی

اس طرح امام محمد بن حسنؒ بھی ان سے روایت کرنے والوں میں شامل ہیں۔

خطیب (بغدادیؒ) فرماتے ہیں:

''ہمیں حسن بن ابوبکرؒ نے خبر دی، ان کو عبدالصمد بن علی بن محمد بن مکرمؒ نے، ان کو ابوبکر اسماعیل بن فضل بن موسیٰ بلخیؒ نے، ان کو محمد بن حسنؒ نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ یعنی ابن مبارکؒ نے خبر دی، ان کو شعبہؒ نے، ان کو شعیب بن حبحابؒ نے، ان کو (حضرت) انس (ابن مالکؓ) نے بیان کیا کہ:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو آزاد کیا اور ان کی آزادی کو ہی ان کا مہر بنایا۔''

ابوبکر اسماعیل بن فضل کہتے ہیں: شعیب (بن حبحاب) سے شعبہ کی روایت سوائے عبداللہ ابن مبارک کے اور کوئی روایت نہیں کرتا، اس لیے یہ سند غریب ہے۔'' انتھٰی (608)

(۴) امام وکیع بن جراحؒ (۱۲۹ھ/ 747ء - ۱۹۷ھ/ 813ء)

(امام) ذہبیؒ ''تذکرۃ الحُفّاظ'' میں لکھتے ہیں:

''یحییٰؒ کہتے ہیں کہ: میں نے (وکیع بن جراحؒ) سے زیادہ افضل کوئی شخص نہیں دیکھا کہ جو راتوں کو کھڑے ہوکر اللہ کی عبادت کرتے اور (دن میں) مسلسل روزے رکھتے ہیں اور امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں۔'' انتھٰی (609)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ (امام) ذہبیؒ نے فرمایا:

''بعض ائمہ نے کہا ہے کہ (امام) ابوداؤدؒ اَخلاق و عادات میں (امام) احمد بن حنبل کے مشابہ تھے، اور (امام) احمد بن حنبلؒ اَخلاق و عادات میں (امام) وکیع (بن جراحؒ) کے مشابہ تھے۔'' انتھٰی (610)

اور (امام) ذہبیؒ نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں امامِ ابوحنیفہ کے حالاتِ زندگی میں لکھا ہے کہ:

’’(امام) ابوداؤد نے فرمایا کہ ’’(امام) ابوحنیفہؒ بڑے امام تھے۔‘‘ انتھٰی (611)

(۵۔امام) یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہؒ (۱۱۹ھ/ 737ء - ۱۸۲ھ/ 798ء)

(امام) ذہبیؒ ’’تذکرۃ الحفاظ‘‘ میں لکھتے ہیں کہ:

’’حافظ یحییٰ بن زکریا ابوسعید ہرانی وادعیؒ امام ابوحنیفہ کے شاگرد اور احادیث کی سند میں قابل اعتماد، ماہر اور فقیہ تھے۔ علی بن مدینی نے فرمایا: ’’(امام) سفیان ثوریؒ کے بعد کوفہ میں ان (یحییٰ بن زکریاؒ) کے سوا کوئی اور زیادہ قابل اعتماد نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ اپنے زمانے میں علم کی انتہائی بڑی شخصیت یحییٰ بن ابی زائدہؒ کی تھی۔‘‘ انتھٰی (612)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں: (امام عبدالقادر) قرشیؒ نے لکھا ہے:

’’(امام) طحاویؒ کہتے ہیں کہ ابن ابی ثورؒ نے مجھے لکھا کہ: مجھ سے سلیمان بن عمرانؒ نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں مجھ سے اسد بن فرات نے روایت کی، وہ فرماتے ہیں کہ: امام ابوحنیفہؒ کے ایسے شاگرد، جنھوں نے کتابیں مدوّن کیں، چالیس آدمی تھے۔ ان میں سے دس متقدمین میں سے ہیں: (امام) ابویوسفؒ، (امام) زفرؒ، (امام) داؤد طائیؒ، اسد بن عمروؒ، یوسف بن خالد سمتیؒ، یحییٰ بن زکریا بن ابوزائدہؒ، یہ وہ حضرات ہیں کہ جوان کے لیے تحریرات لکھا کرتے تھے۔‘‘ انتھٰی (613)

(٦۔امام) قاسم بن معن بن عبدالرحمٰن مسعودیؒ (متوفی ۱۷۵ھ/ 791ء)

(امام عبدالقادر) قرشیؒ لکھتے ہیں:

’’قاسم بن معنؒ، شریک بن عبداللہؒ کے بعد کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ آپؒ اُن افراد میں سے ایک ہیں، جن کے بارے میں امام ابوحنیفہ نے کہا تھا: ’’تم میرے دل کا سرور ہو اور میرے غموں کو دور کرنے والے ہو۔ ... (امام) طحاویؒ فرماتے ہیں: ’’ہمیں ابن ابی عمرانؒ نے بتایا کہ: قاسم بن معنؒ فقہ میں امام ہیں اور وہ امام ابوحنیفہؒ کے بڑے اہم شاگردوں میں سے ہیں۔‘‘ انتھٰی (614)

(امام) ذہبیؒ فرماتے ہیں:

’’قاسم بن معنؒ سے روایت کرنے والوں میں عبدالرحمٰن بن مہدیؒ، ابونعیمؒ اور دوسرے حضرات شامل ہیں۔ ... ابوحاتم فرماتے ہیں کہ: ’’آپ ثقہ آدمی ہیں اور حدیث اور شعر کو لوگوں میں سے سب سے زیادہ روایت کرنے والے ہیں۔ اور عربی ادب اور فقہ کو بہت زیادہ جاننے والے ہیں۔‘‘ انتھٰی (615)

(۷۔امام) حفص بن غیاث نخعیؒ (۱۱۷ھ/ 735ء- ۱۹۴ھ/ 810ء)

(امام عبدالقادر) قرشی لکھتے ہیں:

''قاضی امام حفص بن غیاث امام (ابوحنیفہؒ) کے شاگرد تھے۔ آپؒ ان لوگوں میں سے ایک ہیں، جن کے بارے میں امام (ابوحنیفہؒ) نے فرمایا تھا: ''تم میرے دل کا سرور ہو اور میرے غموں کو دور کرنے والے ہو۔'' اور (امام) ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ (امام) ابوحفصؒ نے اللہ تعالیٰ کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق بخشی۔'' انتھٰی (616)

حافظ ابن حجرؒ نے ''فتح الباری'' کے مقدمے میں لکھا ہے کہ:

''(علی) ابن مدینیؒ فرماتے ہیں کہ: یحییٰ بن سعید قطانؒ کہا کرتے تھے کہ: امام اعمشؒ کے شاگردوں میں (امام) حفصؒ سب سے زیادہ قابل اعتماد ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: میں اس کا انکار کرتا تھا، جب میں کوفہ پہنچا تو میرے سامنے ابن عمر نے اپنے والد کا خط، جو امامِ اعمش سے روایت کردہ تھا، دکھایا۔ اس کے بعد میں علی قطانؒ کی روایات کو بیان کرنے لگا۔ میں کہتا ہوں کہ: امامِ بخاریؒ نے امام اعمشؒ کی حدیث کے سلسلے میں امام حفصؒ پر اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ اس لیے کہ وہ اعمشؒ کی سنی ہوئی حدیثوں کے درمیان اور ان کی تدلیس (گڈ مڈ) کردہ روایات کے درمیان فرق اور امتیاز بیان کیا کرتے تھے۔ اس بات کی تنبیہ ابوالفضل بن طاہر نے بیان کی ہے۔'' انتھٰی (617)

(۸۔امام) مکی بن ابراہیم بلخیؒ (۱۲۶ھ/ 744ء- ۲۱۵ھ/ 830ء)

(امام عبدالقادر) قرشیؒ لکھتے ہیں:

''(امام) مکی بن ابراہیمؒ تاجر تھے، امام (ابوحنیفہؒ) نے انھیں نصیحت کی تو انھوں نے تجارت چھوڑ دی اور امام (ابوحنیفہؒ) کی صحبت اختیار کرلی، یہاں تک کہ وہ خود امام بن گئے۔ اور بارہ سال تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہے۔'' انتھٰی (618)

(امام) ذہبی ''تذکرۃ الحفاظ'' میں فرماتے ہیں:

''امام، حافظ مکی بن ابراہیم (بلخیؒ) نے یزید بن ابی عبیدؒ، (امام) جعفر صادقؒ، (امام) بھز بن حکیمؒ، (امام) ابوحنیفہؒ، ہشام بن حسانؒ، ابن جریجؒ اور بہت سے لوگوں سے روایات بیان کی ہیں۔ اور ان سے روایت کرنے والوں میں (امام) بخاریؒ، (امام) احمدؒ، (یحییٰ) ابن معینؒ اور (امام) ذہلیؒ شامل ہیں۔'' انتھٰی (619)

حافظ (ابن حجر) ''فتح (الباری)'' میں فرماتے ہیں:

''مکی بن ابراہیمؒ، (امام) بخاریؒ کے بڑے مشائخ میں سے ایک ہیں۔'' انتھٰی (620)

(۹۔امام) ابو عاصم ضحاک نبیلؒ (۱۲۲ھ/ 740ء - ۲۱۲ھ/ 828ء)

(امام عبدالقادر) قرشیؒ لکھتے ہیں:

''(امام) صیمریؒ نے فرمایا: امام (ابوحنیفہؒ) کے شاگردوں میں سے (امام) ابو عاصمؒ ضحاک بن مخلد بھی ہیں۔'' انتھٰی (621)

(امام) ذہبیؒ ''تذکرۃ الحفاظ'' میں فرماتے ہیں:

''امام بخاریؒ نے بلخ میں مکیؒ بن ابراہیم سے حدیث کی سماعت کی اور بصرہ میں (امام) ابو عاصمؒ سے حدیث کی سماعت اس وقت کی، جب کہ ان کے چہرے پر کوئی بال نہیں تھا۔'' انتھٰی (622)

(۱۰۔امام) یحییٰ بن سعید قطانؒ (۱۲۰ھ/ 738ء - ۱۹۸ھ/ 813ء)

(امام عبدالقادر) قرشیؒ فرماتے ہیں:

''خطیب (بغدادیؒ) نے ''تاریخ بغداد'' میں (یحییٰ) ابن معینؒ سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے یحییٰ بن سعید قطانؒ سے یہ سنا کہ: ''ہم (امام) ابوحنیفہؒ کے پاس بیٹھے تھے اور ان سے حدیث کی سماعت کر رہے تھے، اور اللہ کی قسم جب بھی میں نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا تو مجھے محسوس ہوا کہ وہ اللہ سے بہت ڈرتے ہیں۔'' انتھٰی (623)

(امام) ذہبیؒ نے (امام) وکیع کے تذکرے میں ''تذکرۃ الحفاظ'' میں لکھا ہے:

''یحییٰ کہتے ہیں کہ: یحییٰ (بن سعید) قطانؒ (امام) ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔'' انتھٰی (624)

(۱۱) امام یزید بن ہارونؒ (۱۱۸ھ/ 736ء - ۲۰۶ھ/ 821ء)

(امام) ذہبیؒ ''تذکرۃ الحفاظ'' میں امام ابوحنیفہؒ کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

''(امام ابوحنیفہ) سے حدیث کی تعلیم حاصل کرنے والوں میں (امام) وکیع (بن جراحؒ) اور یزید بن ہارونؒ ہیں۔ اور ضرار بن مرو فرماتے ہیں کہ: یزید بن ہارون سے سوال کیا گیا کہ (امام سفیان) ثوریؒ اور (امام) ابوحنیفہؒ میں سے کون زیادہ فقیہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا: (امام) ابوحنیفہ زیادہ فقیہ ہیں اور (امام) سفیان (ثوریؒ) حدیث کے زیادہ حافظ ہیں۔ نیز یزید (بن ہارون) فرمایا کرتے تھے: میں نے (امام) ابوحنیفہ سے زیادہ پرہیزگار اور زیادہ عقل مند کسی اور کو نہیں دیکھا۔'' انتھٰی (625)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: (امام) دارمیؒ اور ایک بڑی جماعت نے یزید بن ہارونؒ سے احادیث روایت کی ہیں۔

فصل (2): امام ابویوسفؒ، زفرؒ اور محمد بن حسنؒ کے شاگردوں کی اسانید

(۱۔امام) معلیٰ بن منصور رازیؒ (متوفی ۲۱۱ھ/ 827ء)

(امام عبدالقادر) قرشیؒ لکھتے ہیں:

''انھوں نے امامِ ابویوسفؒ اور امام محمدؒ سے ان کی کتابیں اور امالی اور نوادر کی روایت کی ہیں اور اس سلسلے میں ان کے ساتھ (امام) ابوسلیمان جوزجانیؒ بھی شریک ہیں۔ اور یہ دونوں حضرات زہد وتقویٰ، دین داری، فقہ اور حدیث کو یاد کرنے میں بڑے اونچے مرتبے پر فائز ہیں۔'' انتھیٰ (626)

(امام) ذہبیؒ ''تذکرۃ الحفاظ'' میں لکھتے ہیں:

''وہ اجتہاد اور حدیث میں جامعیت کے حامل، امامت کے منصب پر فائز تھے۔

''کاشف'' میں لکھا ہے: عجلی فرماتے ہیں کہ: ''وہ بڑے ثقہ، سمجھ دار اور سنت پر عمل کرنے والے فرد تھے۔ لوگوں نے ایک سے زیادہ مرتبہ انھیں قضا کا منصب سونپنا چاہا تو انھوں نے انکار کر دیا۔ آپؒ امامِ ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے بڑے شاگردوں میں سے ایک تھے۔'' انتھیٰ (627)

امام ابوداؤدؒ، ابوثور ابراہیم بن خالد کلبیؒ کے واسطے سے ان سے حدیث لینے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

''امام شافعیؒ کے شاگرد معلیٰ بن منصورؒ ہیں۔ یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں: معلیٰؒ ثقہ تھے، البتہ امام احمد بن حنبلؒ ان سے روایت نہیں لیتے تھے، اس لیے کہ وہ اجتہاد اور رائے سے کام لیتے تھے۔'' انتھیٰ

سنن ابی داؤد میں امام ابوداؤدؒ کا قول مکمل ہوا۔ (628)

(۲) امام بشر بن ولید کندیؒ (متوفی ۲۸۸ھ/ 901ء)

(امام عبدالقادر) قرشی لکھتے ہیں:

''قاضی بشر بن ولید بن خالد بن ولید کندیؒ مشہور لوگوں میں سے ایک ہیں۔ انھوں نے امام مالک بن انسؒ اور حماد بن زیدؒ وغیرہ سے روایات کی سماعت کی ہے۔ وہ امام ابویوسفؒ کے مخصوص شاگردوں میں سے ایک ہیں اور انھیں سے فقہ حاصل کی۔ وہ امام محمد بن حسنؒ کی روایات کو آگے منتقل کرنے والے ہیں۔ لوگوں نے انھی کے ذریعے سے امامِ محمدؒ کی فقہ، نوادر اور

مسائل اس کثرت سے حاصل کی ہیں کہ اس سے زیادہ کثرت کے ساتھ جمع ہونا ممکن نہیں۔ آپؒ امامِ ابو یوسف سے بھی ان کی کتابیں اور ان کی امالی کو روایت کرنے میں سب سے آگے ہیں۔ آپ کا انتقال ۲۸۸ھ (901ء) میں ہوا۔ ان سے روایت کرنے والے (امام) ابوداوٗد بھی ہیں۔'' انتھٰی (629)

خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ:

''مجھے علی بن ابی علی بصریؒ نے خبر دی اور انھیں ابوبکر محمد بن احمد بن سباغ نیشاپوریؒ نے، انھیں احمد بن صلتؒ نے، وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے قاضی بشر بن ولید (کندیؒ) سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ:

''ہم (امام سفیان) ابن عیینہؒ کے پاس تھے، جب ان کے سامنے کوئی مشکل مسئلہ آتا تو وہ کہا کرتے تھے کہ امامِ ابوحنیفہ کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد یہاں ہے۔ چناں چہ بشر سے کہا جاتا کہ اس مسئلے کا جواب دو، تو اس پر میں جواب دیتا۔تو وہ کہا کرتے کہ: ''دین کے سلسلے میں فقہا کی بات کو تسلیم کرنے میں سلامتی ہی سلامتی ہے۔'' انتھٰی (630)

(۳۔امام) محمد بن عبداللہ بن مثنٰی بن عبداللہؒ

بن انس بن مالک بصری (انصاریؒ) (۱۱۸ھ/ 736ء - ۲۱۵ھ/ 830ء)

(امام عبدالقادر) قرشیؒ فرماتے ہیں:

''صیمریؒ نے فرمایا کہ: امام زفرؒ کے مخصوص شاگردوں میں محمد بن عبداللہ انصاریؒ ہیں۔ اور خطیب فرماتے ہیں: کہ وہ امام ابویوسفؒ اور امام زفرؒ کے شاگردوں میں سے ایک ہیں۔'' انتھٰی (631)

(امام) ذہبیؒ ''تذکرۃ الحفاظ'' میں لکھتے ہیں:

''ساجیؒ فرماتے ہیں کہ: وہ ایک ایسے جلیل القدر عالم ہیں، جن پر اجتہاد اور رائے کا غلبہ ہے۔'' انتھٰی (632)

حافظ (ابن حجرؒ) ''فتح (الباری)'' کے مقدمے میں فرماتے ہیں:

''محمد بن عبداللہ بن مثنٰی امام بخاریؒ کے قدیم مشائخ میں سے ہیں۔ ابن معین وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ: ''علمائے اہل حدیث نے ان کی تضعیف نہیں کی، سوائے اس کے کہ اجتہاد اور رائے پر ان کی نظر تھی۔ جہاں تک حدیث کی سماعت کا تعلق ہے، تو ان کا سماع ثابت ہے۔'' انتھٰی (633)

آٹھویں قسم

خیر القرون پر مشتمل پہلا دور (آغازِ ہجرت تا ۳۵ھ (656ء)

کے علما کی اسانید

مقدمہ

پہلا باب

''خیر القرون'' کے ائمہ ثلاثہ تک امام ابوحنیفہؒ کی اسانید

دوسرا باب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک امام ابوحنیفہؒ کا سلسلۂ صحبت

مقدمہ

(اس دور کے تاریخی حقائق)

یہ دور آغازِ ہجرت سے لے کر ۳۵ھ (656ء) تک ہے یا آغازِ بعثت سے ۴۸ بعثت (656ء) تک ہے۔

امام ولی اللہ دہلویؒ "ازالۃ الخفاء" میں لکھتے ہیں:

"ایک بڑی جماعت — جس میں (حضرت) عمرؓ، (عبداللہ) ابن مسعودؓ، عمران (ابن حصین)، حذیفہ (ابن یمان) وغیرہ شامل ہیں — کی روایت سے یہ بات ثابت ہے کہ:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر وہ لوگ جو ان کے قریب تر ہوں، پھر وہ جو ان کے قریب تر ہوں۔ پھر ایسی قوم پیدا ہوگی کہ (مال و جاہ کے حصول کی جلد بازی میں) کبھی گواہی کے الفاظ، قسم اٹھانے سے پہلے ادا کرے گی اور کبھی قسم کے الفاظ گواہی دینے سے پہلے ادا کرے گی۔" (634)

پس پہلا دور ہجرت سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک کے تبدیل شدہ حالات پر مشتمل ہے۔" انتہٰی (635)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: "خیرالقرون" والی حدیث کی ایسی تشریح ہم نے صرف امام ولی اللہ دہلویؒ کے ہاں پائی ہے۔ انھوں نے واضح دلائل کے ساتھ "ازالۃ الخفاء" میں اس تشریح کو اس طرح بیان کر دیا ہے کہ اس کے صحیح ہونے پر دل پورا مطمئن ہو جاتا ہے۔

ہم نے امام (ولی اللہ دہلویؒ) کے زمانے سے لے کر اب تک اپنے تمام مشائخ کو دیکھا ہے کہ وہ سب اس پر متفق ہیں۔ چناں چہ تفسیر، حدیث، فقہ، سلوک اور عقائد کے باب میں ان کے بیان کردہ تمام دینی معارف میں حدیث کی اسی تشریح کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔

ولی اللّٰہی جماعت کے محققین اور پھر دیو بندی حضرات "خیرالقرون" میں حضرت عثمان کی شہادت سے پہلے کے زمانے کی تقلید کرنے اور اس کی اتباع کرنے کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ فقط

پہلا باب

’’خیر القرون‘‘ کے ائمہ ثلاثہ تک امام ابوحنیفہؒ کی اسانید

فصل (1): اسانید امام ابراہیم نخعیؒ اور (امام) عامر (بن شراحیل) شعبیؒ

امام ابوحنیفہؒ، حماد بن ابی سلیمانؒ، حکم بن عتیبہؒ، منصورؒ اور اعمشؒ سے روایت کرتے ہیں، یہ چاروں حضرات امام ابراہیم بن یزید بن قیس بن اسود نخعیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امام ابوحنیفہ، امام عامر بن شراحیل شعبیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: (امام) ذہبیؒ فرماتے ہیں:

’’(امام) ابوحنیفہ کے بڑے مشائخ میں سے (امام عامر بن شراحیل) شعبیؒ ہیں۔‘‘ انتہٰی (636)

اسی طرح امام ابوحنیفہؒ روایت کرتے ہیں سلیمان شیبانیؒ، سلمہؒ اور سعید بن مسروقؒ سے اور یہ تینوں (عامر بن شراحیل) شعبیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (2): سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے ائمہ تک اسانید

امام ابوحنیفہؒ روایت کرتے ہیں امام جعفر صادقؒ سے، وہ اپنے والد (امام) محمد باقرؒ سے اور وہ اپنے والد (امام) زین العابدین علیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امام ابوحنیفہؒ روایت کرتے ہیں امام زید شہیدؒ سے، وہ اپنے والد (امام) زین العابدینؒ سے اور وہ اپنے والد (امام) حسین (بن علی) شہیدؓ سے روایت کرتے ہیں۔

اسی طرح امام ابوحنیفہؒ روایت کرتے ہیں نفس زکیہ محمد بن عبداللہ بن حسنؒ سے، وہ اپنے والد عبداللہؒ سے، وہ اپنے والد (حضرت) حسن بن حسنؒ سے، وہ اپنے چچا (امام) حسین (بن علی) شہیدؓ اور اپنے والد (امام) سید حسنؓ سے، یہ دونوں حضرات اپنے والد (امیر المؤمنین حضرت) علیؓ بن ابی طالب اور اپنی والدہ سیدۃ النسا فاطمہ زہراؓ سے، وہ ان (حسن و حسین) کے نانا سید الانبیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (3): اسانید ائمہ آلِ عبداللہ بن مسعودؓ

(امام) ابوحنیفہؒ روایت کرتے ہیں قاسم بن عبدالرحمٰنؒ سے، وہ اپنے والد عبدالرحمٰن بن عبداللہؒ سے اور وہ اپنے والد عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں۔

(امام) ابوحنیفہ روایت کرتے ہیں معن بن عبدالرحمٰنؒ سے، وہ اپنے والد عبدالرحمٰنؒ سے اور وہ اپنے والد عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں۔

(امام) ابوحنیفہؒ روایت کرتے ہیں عون بن عبداللہؒ سے، وہ عبیداللہ بن عبداللہؒ سے اور وہ اپنے والد عبداللہ بن عتبہ بن مسعودؓ سے اور وہ عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں۔

فصل (4): حضرات عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ اور (عبداللہ) بن مسعودؓ وغیرہ تک اسانید

امام ابوحنیفہؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابواسحاق سبیعیؒ سے، وہ (شیخ) عمرو بن میمون اودیؒ سے اور وہ (حضرت) عمرؓ (بن خطاب)، علیؓ (بن ابی طالب) اور (عبداللہ) ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) منصورؒ اور (شیخ) اعمشؒ سے، یہ دونوں حضرات ابووائلؒ سے اور وہ (حضرت) عمرؓ (بن خطاب)، (حضرت) عثمانؓ (بن عفان، حضرت) علیؓ (بن ابی طالب) اور (عبداللہ) ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں۔

امام (ابراہیم) نخعیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) علقمہ بن قیسؒ سے اور وہ (حضرت) عمرؓ (بن خطاب)، (حضرت) عثمانؓ (بن عفان، حضرت) علیؓ (بن ابی طالب) اور (عبداللہ) ابن مسعودؓ اور (حضرت) ابودرداؓ سے روایت کرتے ہیں۔

امام (ابراہیم) نخعیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) اسود بن یزید بن قیسؒ سے اور وہ (حضرات) عمرؓ، ابن مسعودؓ، معاذؓ اور حذیفہؓ سے روایت کرتے ہیں۔

امام (ابراہیم) نخعیؒ روایت کرتے ہیں (شیخ) ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ سے اور وہ (حضرات) عثمانؓ، علیؓ اور ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں۔

امام (ابراہیم) نخعیؒ اور امام شعبیؒ دونوں روایت کرتے ہیں (شیخ) عبیدہ بن عمر سلمانیؒ سے اور (حضرات) علیؓ اور ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں۔

امام (ابراہیم) نخعیؒ اور امام شعبیؒ دونوں روایت کرتے ہیں (شیخ) ربیع ابن خثیمؒ سے اور وہ (حضرات) ابن مسعودؓ اور ابوایوب (انصاریؓ) سے روایت کرتے ہیں۔

دوسرا باب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک امام ابوحنیفہؒ کا سلسلۂ صحبت

فصل (1): (امام) ابراہیم نخعیؒ کا سلسلۂ صحبت

امام ولی اللہ دہلویؒ "ازالۃ الخفاء" میں فرماتے ہیں:

"ساتویں فصل: صوفیا کے اُس سلسلۂ صحبت کے تذکرے اور اس کے آج تک باقی رہنے میں ہے۔ یہ ایک ایسا سلسلہ ہے کہ جس کی ابتدا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی اور حضرت امیر المؤمنین عمرؓ بن خطاب کے واسطے سے آج ہمارے زمانے تک پہنچا ہے۔

یہاں پر ہم اہل عراق کے سلسلۂ صحبت کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اس علاقے کے اکثر مسلمان صوفیا کے اس سلسلۂ صحبت کی طرف متوجہ رہے ہیں۔

سب سے پہلے ہم یہاں ایک نکتہ بیان کرتے ہیں، جسے اپنے پیش نظر رکھنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے زمانے میں لوگوں کا اپنے مشائخ کے ساتھ ربط اور تعلق، (رسمی طور پر کسی) بیعت اور خرقۂ خلافت کے ذریعے سے نہیں ہوتا تھا، بلکہ اپنے مشائخ کے ساتھ لوگوں کا تعلق صرف صحبت کے حوالے سے ہوتا تھا۔ نیز اس زمانے میں لوگ صرف ایک ہی شیخ اور ایک ہی سلسلے سے وابستہ نہیں ہوتے تھے، بلکہ ان میں سے ہر ایک فرد بہت سے مشائخ کی صحبت میں بیٹھتا تھا اور بہت سے سلسلوں کے ساتھ ربط اور تعلق رکھتا تھا۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں ہوتا تھا کہ ان کا سلسلۂ صحبت، صحابہؓ میں سے صرف کسی ایک صحابی تک پہنچتا ہو۔ سوائے اس کے کہ ان میں سے کسی فرد کو، کسی ایک صحابی کے ساتھ زیادہ رغبت پیدا ہو جائے۔ اور لوگوں کے دلوں پر ان کے اثرِ صحبت کا زیادہ اعتراف پایا جاتا ہو۔ یا ان کی شہرت اس وجہ سے ہو کہ یہ فلاں (بلند مرتبہ صحابی) کے صحبت یافتہ افراد میں سے ہیں۔ اور یہ ان کی شناخت بن چکی ہو۔

مجھ کو ہمارے شیخ ابوطاہر (کردی مدنیؒ) نے خبر دی ہے اور وہ روایت کرتے ہیں اپنے شیخ

حسن عجمی مکیؒ سے، انھوں نے فرمایا کہ: میں نے اپنے شیخ، شیخ عیسیٰ مغربی سے سوال کیا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ: کیا طالب کے لیے صرف ایک ہی شیخ ہونا چاہیے، جس سے وہ (وصول الی اللہ کا طریقہ) اخذ کرے؟ آیا وہ کسی دوسرے شیخ کی صحبت میں بھی جا سکتا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ:

''الأب واحد و الأعمام شتّٰی.''

(باپ ایک ہی ہوتا ہے اور چچے بہت سے ہو سکتے ہیں۔)

(حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بلند مرتبت شخصیت اور ان کا سلسلۂ صحبت)

جب یہ نکتہ واضح کیا جا چکا تو جان لو کہ (حضرت) عبداللہ بن مسعودؓ صحابہ میں سے بڑے بلند مرتبت صحابی ہیں۔ آپؓ وہ صحابی ہیں، جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی بشارتیں دی ہیں اور اُن کو اپنے بعد قرآن کی فہم و بصیرت، فقہ اور وعظ و نصیحت بیان کرنے میں اپنی امت پر اپنا قائم مقام بنایا ہے۔ وہ ہر وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے اور آپؐ کی خدمت کرنے کی وجہ سے معزز ترین صحابہ میں سے ہیں۔ اور صحابہ میں آپؓ ''صاحب السواد'' (آپؐ کا سامان سنبھالنے والے) اور ''صاحب السواک والمطہرہ'' (آپؐ کی مسواک اور لوٹے کو سنبھالنے والے) کے لقب سے مشہور تھے۔.....

(حضرت) عبداللہ بن مسعودؓ ان تمام فضائل و مناقب کے باوجود امیر المؤمنین (حضرت) عمرؓ بن خطاب کی صحبت میں رہے۔ اور ان کے دل پر ان کی صحبت کے اثرات بڑے گہرے ہیں۔

ابو عمر روایت کرتے ہیں کہ (حضرت عبداللہ) ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ: ''اگر عرب کے تمام قبیلوں کا علم ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور (حضرت) عمرؓ کا علم دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو (حضرت) عمرؓ کے علم والا پلڑا بھاری ہوگا۔'' صحابہ کرامؓ یہ رائے رکھتے تھے کہ: ''10 میں سے 9 حصے علم (حضرت) عمر اپنے ساتھ ہی لے گئے۔'' نیز انھوں نے فرمایا کہ: ''ایک ایسی مجلس، جس میں مَیں حضرت عمرؓ کی خدمت میں بیٹھتا تھا، ایک سال بھر کے عمل سے زیادہ مجھ میں اعتماد اور استقامت پیدا کرتی تھی۔'' نیز انھوں نے فرمایا کہ: ''(کسی جگہ پہنچنے کے لیے) اگر تمام لوگ کسی ایک وادی کے راستے پر چلیں اور (حضرت) عمر کسی اور گھاٹی میں سے ہو کر جائیں تو میں (حضرت) عمر کی گھاٹی والا راستہ اختیار کروں گا۔''

(حضرت) ابو عمر فرماتے ہیں کہ: جب (حضرت) عتبہ بن مسعودؓ کا انتقال ہوا تو اُن کی

وفات پر اُن کے بھائی (حضرت) عبداللہ بن مسعودؓ روتے رہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ: کیا آپ رو رہے ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ: ''ہاں! اس لیے کہ وہ نسبی حوالے سے میرا بھائی تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کے حوالے سے میرا ساتھی تھا۔ اور مجھے (حضرت) عمر بن خطاب کے سوا سب سے زیادہ محبوب تھا۔''

(حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے صحبت یافتہ حضرات)

(حضرت) عبداللہ بن مسعودؓ کے صحبت یافتہ کچھ ایسے حضرات ہیں، جو ''عبداللہ بن مسعود کے صحبت یافتہ اصحاب'' کے حوالے سے مشہور ہیں۔ ان کی پہچان اور شناخت اسی لقب سے ہے۔ وہ ایک طویل زمانے تک اُن کی صحبت میں رہے اور ان کی بزرگی اور بڑائی کا بڑی خوب صورتی کے ساتھ اظہار کرتے رہے۔ اور ان کی عظمتِ شان کی تعریف کرتے رہے۔

اُن میں: [۱] (حضرت) علقمہ بن قیس، [۲] (حضرت) اسود بن یزید نخعی، [۳] (حضرت) عمرو بن میمون اَوَدھی اور [۴] (حضرت) ربیع بن خثیم ہیں۔

اس کے بعد ان (چاروں) حضرات کے بھی صحبت یافتہ ایسے حضرات ہیں، جو اس حوالے سے مشہور و معروف تھے۔ ان کی شناخت اور پہچان بھی اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ حضرت عبداللہ (ابن مسعودؓ) کے صحبت یافتہ افراد کے صحبت یافتہ ہیں۔ ان میں سے [۱] (حضرت) ابراہیم نخعیؒ، [۲] (حضرت) ابواسحاق سُبیعیؒ، [۳] (حضرت) اعمشؒ اور [۴] (حضرت) منصورؒ ہیں۔

ان (چاروں) حضرات کی طویل عرصے تک صحبت اٹھانے والوں میں (حضرت) سفیان ثوریؒ ہیں۔ انھوں نے ان حضرات سے بہت زیادہ فیض حاصل کیا۔ یہی حال (حضرت) فضیل بن عیاضؒ کا بھی تھا۔

پھر ایک پوری جماعت ایسی ہے، جس نے (حضرت) سفیان ثوریؒ کی صحبت اٹھائی ہے۔ ان میں سے (حضرت) داؤد بن نصر طائیؒ اور (حضرت) ابراہیم بن ادھم بلخیؒ ہیں۔

(حضرت) داؤد (بن نصر) طائی کی صحبت میں (حضرت) معروف (کرخیؒ) رہے۔ اور ان کی صحبت میں (حضرت) سری سقطیؒ رہے، اور ان کی صحبت میں (سیدالطائفہ حضرت) جنید بغدادیؒ رہے۔ اور ان کا سلسلہ اتنا مشہور ہے کہ بیان کی ضرورت نہیں ہے۔'' انتھیٰ (637)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد اور صحبت یافتہ حضرات ان کی رائے اور فقہی اقوال سے بالکل بھی آگے پیچھے نہیں ہوتے تھے۔ امام ذہبیؒ ''تذکرہ'' میں لکھتے ہیں:

''حضرت عبداللہ ابن مسعود کا انتقال مدینہ منورہ میں ۳۲ھ (653ء) میں ہوا۔ آپؓ کی عمر تقریباً 60 سال تھی۔ اور آپؓ کے شاگرد صحابہؓ میں سے کسی کو بھی آپؓ پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔'' انتھیٰ (638)

فصل (2): حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں میں امام ابراہیم نخعیؒ تک امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کا سلسلۂ صحبت

جاننا چاہیے کہ امام ابوحنیفہؒ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کی جماعت میں سے تھے۔ ان کی شناخت حضرت ابراہیم نخعیؒ کے علاوہ کسی طور بھی نہیں تھی۔ امام ولی اللہ دہلویؒ ''**حجة اللّٰه البالغه**'' کے باب ''**اسباب إختلاف الفقهاء**'' میں فرماتے ہیں کہ:

''امامِ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابراہیم نخعیؒ اور ان کے ساتھیوں کے مذہب کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے۔ آپ چند ایک مسائل کو چھوڑ کر ان کے مذہب کو نظرانداز نہیں کرتے تھے۔ آپ حضرت امام ابراہیم نخعیؒ کے اصولوں کی روشنی میں مسائل کی تخریج واستنباط میں بڑے عظیم الشان مرتبے پر فائز تھے۔ اصولِ کلیہ کی روشنی میں تخریج وتحقیق کے مختلف پہلوؤں کی نشان دہی میں انتہائی باریک بینی اور گہرائی سے کام لیتے تھے۔ آپ کی پوری توجہ فروعی مسائل کی تحقیق ونشان دہی کی طرف تھی۔

یہ جو کچھ ہم نے کہا ہے، اس کی حقیقت اگر تم معلوم کرنا چاہتے ہو تو امام محمدؒ کی ''**کتاب الآثار**''، ''**جامع عبدالرزاق**'' اور ''**مصنف ابن ابی شیبه**'' میں امام ابراہیم نخعیؒ اور ان کے ساتھیوں کے فقہی اقوال کا خلاصہ نکال لو۔ پھر ان کا امامِ ابوحنیفہؒ کے مذہب کے ساتھ موازنہ کرو تو آپ کو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ چند ایک مقامات کو چھوڑ کر عام طور پر امام ابوحنیفہؒ (امام) ابراہیم نخعیؒ کے (اقوال و) دلائل سے ہٹ کر کسی طور پر بھی الگ رائے قائم نہیں کرتے۔ وہ چند ایک مقامات بھی ایسے ہیں، جن میں امام صاحب فقہائے کوفہ کے مذہب سے باہر نہیں جاتے۔

آپ کے مشہور ترین شاگردوں میں قابل ذکر (امام) ابو یوسف ہیں اور ان میں سے سب سے بہترین تصنیف وتالیف کرنے والے اور درس وتدریس کی پابندی کرنے والے (امام) محمد بن حسن (شیبانیؒ) ہیں۔ اور یہ دونوں حضرات بھی (امام) ابراہیم نخعیؒ ان کے ساتھیوں کے بیان کردہ دلائل کی اسی طرح پابندی کرتے ہیں، جس طرح کہ امامِ ابوحنیفہؒ کرتے ہیں۔'' انتھیٰ (639)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ:

یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ امام داؤد طائیؒ نے جیسے امام سفیان ثوریؒ کی صحبت اٹھائی ہے، ایسے ہی انھوں نے امام ابوحنیفہؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی ہے، بلکہ ان کی پہچان بھی اسی حوالے سے ہے۔ اسی لیے امام ذہبیؒ نے ان کا تذکرہ ان لوگوں میں کیا ہے، جنھوں نے امام ابوحنیفہؒ سے فقہ حاصل کی۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ (سید الطائفہ حضرت) جنید (بغدادیؒ) کا سلسلۂ طریقت، امام ابوحنیفہؒ کے طبقے کے علما سے ہی پھوٹا ہے۔ رضی اللہ عنہم

فصل (3): صوفیا کی صحبت کے مختلف سلسلوں کی حکمت کا تذکرہ

امام ولی اللہ (دہلویؒ) ''**ھمعات**'' میں لکھتے ہیں:

''اس فقیر کو اس بات پر آ گاہی ہوئی ہے کہ تصوف کے طریقوں میں چار بڑے تغیرات ہوئے ہیں:

(1۔تصوف و احسان کا پہلا دور)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کے زمانے میں چند نسلوں تک اپنے اولین مقصد کے تحت اہل کمال کی زیادہ تر توجہ شریعت کے ظاہری احکام کی طرف رہی ہے۔ ان لوگوں کے دیگر باطنی مراتب انھی احکامات کی پابندی میں ہی پوشیدہ تھے۔ چناں چہ ان بزرگوں کا ''احسان'' اور تصوف یہی تھا کہ وہ نماز پڑھتے، روزے رکھتے، ذکر و تلاوت کرتے، حج کرتے، صدقہ اور زکوٰۃ دیتے اور جہاد کرتے تھے۔ ان میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ تھا، جو ایک گھڑی بھی سر نیچے کیے باطنی حوالے سے غور و فکر میں غرق نظر آتا۔ یہ بزرگ، خدا تعالیٰ سے قرب و حضوری کی نسبت حاصل کرنے کے لیے مخصوص اذکار و اعمال کو اپنا نصب العین نہیں بناتے تھے کہ صرف انھی کے ذریعے سے تربیت کے حصول کی کوشش کریں۔ ہاں! البتہ ان اہل کمال بزرگوں میں سے محققین نماز اور ذکر و اذکار کے ذریعے مناجاتِ خداوندی کی لذت حاصل کرتے تھے۔ اور قرآن مجید کی تلاوت سے وہ نصیحت حاصل کرتے تھے۔ یہ حضرات بخل کی عادت سے چھٹکارا پانے کے لیے زکوٰۃ دیتے، یا غیرتِ خداوندی کا لحاظ کرتے ہوئے مال کی محبت کو غیر اللہ میں مشغولیت قرار دے کر پورا مال اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتے۔ اسی طرح شریعت کے دیگر احکامات اسی جذبے سے بجا لاتے تھے۔

ان میں سے کوئی شخص ایسا نہ تھا، جو بے ہوش ہوتا ہو۔ نہ اسے وجد آتا اور نہ وہ جوش میں آ کر کپڑے پھاڑنے لگتا۔ اور نہ ''شطح'' یعنی خلافِ شرع کوئی لفظ اس کی زبان سے نکلتا۔ یہ

بزرگ تجلی کے ظہور اور اس کی پوشیدگی وغیرہ کی کوئی خبر نہیں بیان کرتے تھے۔ ان کی رغبت و آرزو بہشت کی جانب تھی۔ اور ان میں ڈر اور خوف جہنم کی آگ کا تھا۔ کشف و کرامات اور خلافِ عادت امور ان سے بہت کم ظاہر ہوتے۔ اور سرمستی اور بےخودی کی کیفیت بھی شاذ و نادر ہی ان پر طاری ہوتی۔ اور اگر کبھی کبھی یہ باتیں ان سے ظاہر بھی ہوتیں تو محض اتفاق سے ایسا ہوتا تھا۔ نہ کہ اپنے ارادے سے وہ یہ امور ظاہر کرتے ہوں۔ جیسا کہ کسی مہارت اور ملکہ سے یہ کام سرانجام دیے جاتے ہیں۔

اس ضمن میں جب کبھی ان سے کوئی ایسی بات ظاہر ہوئی تو اس کی صورت یہ ہوتی کہ وہ جس چیز کو از روئے ایمان، قلب کی گہرائیوں سے مانتے تھے، وہ چیز بے اختیار ان کی زبان پر آجاتی، جیسا کہ ان صحابہؓ میں سے ایک (حضرت ابوبکرؓ جب مرض الموت کی حالت میں تھے، اور عیادت کرنے والوں نے ان سے کہا کہ کیا ہم آپ کے لیے طبیب کو بلائیں؟ تو انھوں) نے فرمایا تھا کہ: ''الطّبیب أمرضنی''. (640) ''طبیب (یعنی اللہ تعالیٰ) ہی نے مجھے بیمار کیا ہے۔''

اس ضمن میں یہ بھی ہوتا تھا کہ یہ بزرگ خواب میں بعض چیزوں کو دیکھ لیتے یا فراست سے نامعلوم چیز کو معلوم کر لیتے، لیکن یہ چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ عوام کی بھی ان تک رسائی ہوسکتی ہے۔

عام طور پر اس طبقے کے حالات ایسے ہی تھے، إلاَّ ما شاء اللّٰہ۔

(2۔ تصوف و احسان کا دوسرا دور)

سید الطائفہ (حضرت) جنید (بغدادیؒ) کے زمانے میں یا ان سے کچھ عرصہ پہلے (تصوف کے) ایک دوسرے رنگ کا فیضان ظاہر ہوا۔ چناں چہ اس زمانے میں عام لوگ تو اسی طریقے پر کاربند رہے، جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، جب کہ خاص لوگوں نے بڑی جدوجہد اور مشقت آمیز ریاضتوں، دنیا سے مکمل قطع تعلق اور (اللہ کے ساتھ) دائمی مشغولیت کی وجہ سے چند دیگر کیفیات بھی حاصل کر لیں۔ اور وہ دل کا براہِ راست اللہ کے ساتھ تعلق کی نسبت کو حاصل کرنا تھا۔ یہ حضرات اسی کی طرف متوجہ ہو گئے اور اسی کی تربیت اور مہارت حاصل کرنے میں لگے رہے۔ اور ایک طویل مدت تک اپنا سر جھکائے مراقبے کی حالت میں رہنے لگے۔ اور یوں تجلی کے ظہور اور پوشیدگی اور اُنس و وحشت کے احوال ان کے سامنے روشن تر ہو کر ظاہر ہونے لگے۔ یہ حضرات ان احوال کو نکات و اشارات کی صورت میں بیان کرتے تھے۔ ان میں سب سے سچے وہ بزرگ تھے، جنھوں نے اپنی زبان سے وہی کچھ بیان کیا، جو خود ان پر گزرتا تھا۔

ان میں سماع کی طرف رغبت رکھنے والے ہوتے تھے۔ بے خودی میں بے ہوش ہو جانے، کپڑے پھاڑنے اور جھوم اٹھنے کی حالت ان پر طاری ہوجاتی۔ ان سے فراستِ ایمانی اور وارد ہونے والے خیالات کی بنیاد پر گفتگو کا ظہور ہوتا۔ یہ لوگ مخلوق سے دور بھاگتے اور پہاڑوں اور صحراؤں کا رخ کرتے۔ کھانے پینے کی لذیذ چیزوں کو چھوڑ کر درختوں کے پتوں اور گھاس پھوس پر اکتفا کرتے۔ زیب و زینت کے ملبوسات چھوڑ کر کھردرے اور موٹے لباس پہنتے۔ نفس کے مکروفریب، شیطان اور دنیا کی سازشوں کو اچھی طرح سمجھتے اور اپنے نفس کو بڑے مجاہدے میں ڈالتے۔ ان کے اخلاص کا حال یہ تھا کہ وہ خدا کی عبادت جہنم کے ڈر اور جنت کی لالچ میں نہیں کرتے تھے، بلکہ صرف اللہ کی محبت اور چاہت کی وجہ سے اس کی عبادت کرتے تھے۔

''توجہ'' کا یہ مطلب کہ: ''اپنے نفس کو ''حقیقت الحقائق'' کی جانب جامع طور پر متوجہ کرلیا جائے، یہاں تک کہ اللہ کا رنگ ان کے اندر پیوست ہوجائے اور اس کی صفتِ قدیم کائنات کی ناپائیداری پر غالب آجائے۔'' اس زمانے میں واضح طور پر سامنے نہیں آیا تھا۔ اس میں کچھ چیزیں آپس میں مخلوط طور پر ملی ہوئی تھیں۔ ان میں کوئی آدمی ایسا نہیں تھا کہ اس معنی میں ''توجہ'' اس کے سامنے نصب العین کے طور پر ہو اور وہ اسی کی طرف واضح طور پر رہنمائی دیتا ہو۔ اور اس کا ایک متعین راستہ اس کے سامنے ہو۔ البتہ عبادت اور طاعتِ خداوندی کے انوار غالب تھے۔ اور ''توجہ'' کا یہ مفہوم اچانک چمکنے والی بجلی کی طرح کبھی کبھار ان کے سامنے ظاہر ہوتا تھا۔ ؎

شب خیال طرہ شوخے بدل پیچید و رفت
ساعتے ہم چوں شب قدر از برم جوشید و رفت

(رات کو ایک شوخ خیال دل میں پیدا ہوا اور چلا گیا، ایک گھڑی میں ایسے، جیسے شبِ قدر نے جوش مارا اور ختم ہوگئی۔)

(3۔ تصوف و احسان کا تیسرا دور)

سلطان الطریقت، شیخ ابوسعید بن ابوالخیرؒ اور شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کے زمانے میں (تصوف کی) ایک اور صورت کا فیضان ہوا۔ اس زمانے میں عام لوگ تو (شریعت کے) اعمال پر قائم رہے اور خاص لوگ قلبی احوال پر عمل پیرا رہے۔ اور خاص الخاص لوگوں نے ایک ''جذبہ'' دریافت کرلیا کہ جس کے سبب سے انھیں مخصوص طریقے پر ''توجہ'' کے حصول کا طریقہ معلوم ہوا۔ اور اپنے ''وجود'' کے ''حجابات'' (پردوں) کو توڑنے کا راستہ ملا۔ یہاں تک کہ انھوں نے اس ''ذاتِ'' (الٰہی) تک رسائی حاصل کی، کہ جو تمام اشیا کی ''قیوم'' ہے۔ یہ لوگ اس ذات میں گم

ہو گئے اور ان کے نفوس اسی کے رنگ میں رنگے گئے۔ چناں چہ اس حال میں نہ ان کو اوراد و وظائف کی چنداں ضرورت رہی اور نہ انھیں مجاہدے اور ریاضتیں کرنے اور نفس اور دنیا کے فریبوں کو جاننے کی طرف توجہ دینے کی ضرورت رہی۔ ان کی تمام تر کوشش کا مقصد یہ ٹھہرا کہ جس طرح بھی ہو، اس ''توجہ'' کی نسبت کی تکمیل کریں۔ ''توجہ'' کے علاوہ باقی جو نسبتیں ہیں، یہ لوگ انھیں ''نورانی حجاب'' سمجھتے تھے۔

اس زمانے میں ''توحیدِ وجودی'' اور ''توحیدِ شہودی'' میں فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ درحقیقت ان بزرگوں کا اصل مقصد یہ تھا کہ اس کیفیت کے حصول کے لیے اپنے نفس کو پامال کریں۔ ان کے پیشِ نظر یہ نہیں تھا کہ کائنات کے اصل حقائق، جیسا کہ وہ ہیں، ان کی تحقیق میں مشغول ہوں۔

(4۔ تصوف و احسان کا چوتھا دور)

ان حضرات کے بعد شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ اور ان سے کچھ پہلے کا زمانہ آتا ہے۔ اس عہد میں ان اہلِ کمال بزرگوں کے ذہنوں میں مزید وسعت پیدا ہوتی ہے اور یہ لوگ کیفیات و احوال کی منزل سے آگے بڑھ کر حقائق تصوف کی بحث و تدقیق کرنے (اللہ تعالیٰ کی) ''ذاتِ واجب الوجود'' سے یہ کائنات کس طرح صادر ہوئی؟ ان بزرگوں نے ''وجود'' کے ظہور کے مختلف درجات اور ''تــنــزُّلات'' دریافت کیے اور اس امر کی تحقیق کی کہ 'واجب الوجود' سے سب سے پہلے کس چیز کا صدور ہوا؟ اور یہ صدور کس طرح عمل میں آیا؟ الغرض! یہ اور اس طرح کے دوسرے مسائل ان لوگوں کا موضوعِ بحث بن گئے۔

خلاصہ یہ کہ تصوف کی یہ چاروں جماعتیں دراصل ایک ہیں، لیکن اپنے اپنے رنگ کے اعتبار سے مختلف شکل وصورت رکھتے ہیں۔ باقی اللہ تعالیٰ ان کے حالات کو بہتر جانتا ہے۔

ان میں سے جب کوئی بزرگ اس دنیا سے انتقال کر جاتے ہیں تو (ان کے حالات درجِ ذیل ہوتے ہیں:)

(الف) ان کے نفس میں ایک ایسی ''حالت'' جگہ پکڑ لیتی ہے، جو انھوں نے زندگی میں اپنی ہمت اور جدوجہد سے حاصل کی تھی۔ ان کے نفس کی یہ حالت ایک ایسے آئینے یا پانی کے ایک ایسے حوض کی مانند ہے، جس نے آفتابِ حقیقت (ذاتِ باری تعالیٰ) کا عکس پورے طور پر قبول کرلیا ہو۔

(ب) ان کا نفس دوسرے لوگوں کے لیے ایک ایسا راستہ کھولنے کا سبب بنتا ہے، جس سے

"**مبدءُ المبادی**"، یعنی خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ قریب ہو جاتا ہے۔

(ج) ان کے انوارات سے کائنات میں موجود تمام علوی اور سفلی موجودات روشن ہوجاتے ہیں۔ اس طور پر کہ جیسا کہ جب بادل چھا جائیں تو فضا کے اندر رطوبت اور نمی پیدا ہوجاتی ہے۔ اور زمین پر چلنے والی ہوا میں تبدیلی آ جاتی ہے۔ ایسے ہی ان حضرات کے سبب سے زمین کی فضا اور ہوا کا رنگ تبدیل ہوجاتا ہے اور (محبتِ الٰہی کا) ایک خاص ارغونی رنگ کرۂ ارض پر اپنا فیضان کرتا ہے۔

الغرض! تصوف کے یہ چاروں راستے ملاءِ اعلیٰ میں سچائی کے قدم پر ہیں۔

یہ ضروری ہے کہ ہر ایک جماعت کے کلام کا مطلب ان کے ذوق کی مناسبت سے لینا چاہیے۔ ایک جماعت کی بات کو دوسری جماعت کے ذوق اور مزاج کے مطابق نہیں پرکھنا چاہیے۔'' انتھیٰ (641)

میں (عبیداللہ سندھی) کہتا ہوں کہ: ان (ادوار) کے ساتھ پانچویں (اور چھٹے) دور کا ہم اضافہ کرتے ہیں۔ (642)

(5۔ تصوف کا پانچواں دور)

پانچویں دور میں (تصوف کے) تیسرے اور چوتھے دور کے معارف کے درمیان فرق کی وضاحت پر مبنی تجدید کا ظہور ہوا۔ یہ دور سلطان جلال الدین محمد اکبر کے عہدِ سلطنت میں حضرت مجدد الف ثانی کے شیخ، امام (باقی باللہ) رضی الدین دہلویؒ کے زمانے سے امامِ ربانی مجدد الف ثانیؒ کے ظہور تک کا دور ہے۔

(6۔ تصوف کا چھٹا دور)

چھٹا دور وہ ہے، جو سلطان محی الدین محمد عالم گیر کے عہدِ سلطنت میں امام عبدالرحیم دہلویؒ کے زمانے سے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ تک کا دور ہے۔ جو کہ تمام (ادوار اور) سلسلوں میں جمع و تطبیق کا دور ہے۔

غفر اللّٰہ لھم و رضی عنھم

(اللہ تعالیٰ ان کی لغزشیں معاف فرمائے اور ان سے راضی ہوجائے)

(تکملۂ کتاب از حضرت مصنفؒ)

''و آخر دعوانا أن الحمد للّٰہ ربّ العالمین، و العاقبة للمتّقین، و الصّلٰوة و السّـلام علٰی سیّد محمّد، و آلہٖ، و أصحابه، و علٰی جمیع عباد اللّٰہ الصالحین، نهایة ما ینبغی أن یسأله السائلون.

تـمّـت تبییـض عـلـٰی یـد مـؤلّـفهٖ عبیداللّٰہ . ثامن/ رجب ١٣٤٩ھـ (29/ نوفمبر 1930ء) فی بلد اللّٰہ الحرام.

و الحمد لِلّٰہ الّذی بنعمته تتمّ الصّالحات.''

(اس کتاب میں) ہماری آخری بات اور دعا یہی ہے کہ سب تعریف اللہ رب العالمین کی ہے۔ اور بہترین انجام متقی لوگوں کے لیے ہے۔ حضرت سید محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی آل، اصحاب اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر درود و سلام ہو، اتنا کہ جس کا سوال کرنا، سوال کرنے والوں کے لیے مناسب ہے۔

اس کتاب کے مؤلف عبیداللہ (سندھی) کے ہاتھوں ۸/ رجب ۱۳۴۹ھ (29/ نومبر 1930ء) کو اللہ کے محترم شہر (مکۃ المکرّمہ) میں اس کتاب کا نسخہ صاف ہوکر تیار ہوگیا۔ اس پر اُس اللہ کی حمد وثنا ہے کہ جس کے انعامات کی وجہ سے نیکی کے تمام کام پورے ہوتے ہیں۔

(تکملۂ ترجمہ از مترجم)

مترجم عرض پرداز ہے کہ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے **"التّمهيد لتعريف ائمّة التجديد"** کے اس حصے **''سبيل الرّشاد كالزّيل علىٰ الانتباه و الإرشاد''** کی تصنیف کے ٹھیک 81 سال بعد اس کا ترجمہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

اس ترجمے کی تکمیل ۳؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ/ 29؍نومبر 2011ء کو بروز منگل، اشراق کے وقت ہوئی۔ اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے، کم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دینی شعور وآگہی کے حوالے سے اس کتاب سے پورا پورا فیض حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

"التّمهيد لتعريف ائمّة التجديد" کا اُردو ترجمہ تقریباً بارہ سال پہلے غالبًا 1999ء میں اپنے آبائی شہر ہارون آباد ضلع بہاولنگر میں قیام کے دوران شروع کیا تھا۔ ابتدائی چند ابواب کا ترجمہ اسی زمانے میں ہوگیا تھا، لیکن اپریل 2001ء میں لاہور منتقل ہوجانے کے بعد ادارہ رحیمیہ لاہور کی تعمیر وترقی کے سلسلے میں مصروفیات کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ اس طرف بالکل توجہ نہ دی جاسکی۔

2009ء میں سہ ماہی مجلّہ ''شعور وآگہی'' کے آغاز سے اس ترجمے کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا۔ چناں چہ گزشتہ دوسالوں میں سفر وحضر میں اس کتاب کے ترجمے کا کام جاری رہا، حتیٰ کہ گزشتہ سال حج بیت اللہ کے سفر کے دوران بلد اللہ الحرام مکۃ المکرّمہ اور مدینہ منورہ میں بھی فرصت کے اوقات میں یہ کام جاری رہا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ بارہ سال بعد اس کتاب کے ترجمے کی تکمیل بھی آج ہارون آباد میں اپنے آبائی مکان پر ہورہی ہے۔

اس کتاب کی ترجمے کی توفیق اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہوئی اور اس کی طرف توجہ اپنے مشائخ رائے پور بالخصوص حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہٗ کے سبب سے ہوئی۔ اس کام کی تکمیل انھیں کے ایما، توجہات اور فیوضات و برکات کی وجہ سے ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ولی اللّٰہی سلسلے کے تمام بزرگوں اور رائے پوری مشائخ رحمہم اللہ کا فیض ہمیشہ ہمیشہ جاری رکھے۔

و الحمد للّٰه علىٰ ذالک حمداً كثيراً طيباً مباركاً.

حوالہ جات وحواشی

حوالہ جات وحواشی

التّمهيد لتعريف أئمّة التجديد

1۔ القرآن: 87:21۔

2۔ شیخ سیدالعارفین حافظ محمد صدیق سندھیؒ بھرچونڈی: آپؒ کے والدِ گرامی کا نام میاں محمد ملوک تھا۔ آپؒ کا تعلق ''سمہ'' قوم سے ہے۔ آپؒ کی پیدائش بارہویں صدیِ ہجری کے آخری عشرے میں میاں محمد ملوک کے ہاں ہوئی۔ ابتداء آپؒ نے حضرت خواجہ محکم الدین سیرانیؒ سے فیض حاصل کیا اور پھر سوئی شریف میں حضرت سید محمد حسن جیلانی لاہوریؒ، خلیفہ حضرت امام محمد راشد سندھیؒ کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ حفظِ قرآن بھی انھی سے کیا اور ابتدائی علوم کی کتابیں بھی انھیں سے حاصل کیں۔ آپؒ نے ان سے بیعت سلوک کے ساتھ ساتھ بیعتِ جہاد بھی فرمائی تھی۔ اور سوئی شریف میں سید احمد شہیدؒ کے لشکر کی آمد پر سید صاحبؒ کی زیارت بھی کی۔حضرت سید محمد حسن جیلانیؒ نے پٹن منارہ میں کفر وشرک کے خلاف جو جہاد کیا تھا، اس کے سپہ سالار بھی حضرت مولانا حافظ محمد صدیق صاحبؒ تھے۔حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ابتداء آپؒ سے ہی فیض حاصل کیا۔حضرت سندھیؒ لکھتے ہیں: ''اللہ کی خاص رحمت سے جس طرح ابتدائی عمر میں اسلام کی سمجھ آسان ہوگئی تھی، اس طرح کی خاص رحمت کا اثر یہ بھی ہے کہ سندھ میں حضرت حافظ محمد صدیق صاحب کی خدمت میں پہنچ گیا، جو اپنے وقت کے جنید اور سید العارفین تھے۔ چند ماہ ان کی صحبت میں رہا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اسلامی معاشرت میرے لیے اس طرح طبیعتِ ثانیہ بن گئی، جس طرح ایک پیدائشی مسلمان کی ہوتی ہے۔'' (ذاتی ڈائری) آپؒ کا انتقال ۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۳۰۸ھ/ 1891ء کو بھرچونڈی شریف میں ہوا، وہیں آپؒ کا مزار ہے۔ (یدِ بیضا۔ تذکرہ سید العارفین حضرت محمد صدیق بھرچونڈیؒ۔ تالیف: میاں خلیل احمد دین پوری۔ ص: 59 تا 65،طبع: امیر جماعت درگاہ عالیہ دین پور، ضلع رحیم یار خان)

3۔ شیخ ابوالسراج غلام محمد دین پوریؒ: آپؒ کے والدِ گرامی کا نام حاجی نور محمد تھا۔ آپؒ کا خاندان ''اکیانہ بلوچ'' کے نام سے مشہور ہے، جو دریائے جہلم کے کنارے ضلع جھنگ میں مغلوں کے زمانے سے آباد ہے۔ اسی خاندان کے ایک سردار حاجی نور محمد خان ہیں۔ آپؒ کی پیدائش ان کے ہاں ۱۲۵۱ھ/ 1835ء میں موضع عالمے خان شرقی، ضلع جھنگ میں ہوئی۔ بچپن میں ہی آپؒ کے والد کا انتقال ہوگیا۔بچپن میں ہی بستی مولویان ضلع رحیم یار خان میں مولوی شریف اللہ مرحوم کے خاندان میں آگئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں کے مدرسے میں مولوی فقیر اللہ صاحبؒ سے حاصل کی۔ اور پھر وہیں حضرت سید العارفین حافظ محمد صدیق سے بیعت ہوئے اور

اُن سے تربیت حاصل کی اور تقریباً 28 سال ان کی خدمت اور صحبت میں رہے۔ حضرت سید العارفینؒ نے آپؒ کو اپنا خلیفہ بنایا۔ آپؒ نے تقریباً 1876ء میں خان پور کٹورہ کے نزدیک ایک بستی میں قیام کیا، جو بعد میں دین پور کے نام سے مشہور ہوئی۔ آپؒ سے بہت زیادہ فیض جاری ہوا۔ 1888ء میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے دین پور میں آپؒ کی خدمت میں آئے اور انھی کے ذریعے سے حضرت سید العارفین مولانا حافظ محمد صدیق سے بیعت ہوئے۔ آپؒ کی ایک شادی حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی صاحبزادی سے ہوئی، جن سے ڈاکٹر ظہیرالحق دین پوری پیدا ہوئے۔ آپؒ نے حضرت سندھیؒ کے تمام کاموں کی سرپرستی فرمائی اور خاص طور پر تحریک ریشمی رومال کے لیے بھی انتہائی جدوجہد اور کوشش کی۔ آپؒ کا انتقال ۳۰/ ذوالحجہ ۱۳۵۴ھ/ 24/ مارچ 1936ء کو دین پور شریف میں ہوا اور وہیں آپؒ کا مزار ہے۔ (یدِ بیضا۔ سوانح عمری حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ۔)

4۔ اردو خودنوشت ''ایک نومسلم کی انقلابی زندگی کا سادہ خاکہ'' میں مولانا سندھیؒ لکھتے ہیں: ''بھر چونڈی سے رخصت ہوکر میں اس طالب علم کے ساتھ ریاست بہاول پور کی دیہاتی مسجد میں ابتدائی عربی کتابیں پڑھتا رہا۔ اس نقل و حرکت میں دین پور پہنچا۔ جہاں سید العارفین کے خلیفہ اول مولانا ابوالسراج غلام محمد صاحب رہتے تھے۔ **ھدایۃ النحو** تک کتابیں میں نے یہیں مولانا عبدالقادر صاحب سے پڑھیں......شوال ۱۳۰۵ھ / جولائی 1888ء) میں دین پور متصل خان پور سے کوٹلہ رحم شاہ چلا آیا اور مولوی خدا بخش صاحب سے کافیہ پڑھی۔'' (خطبات و مقالات مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مرتبہ مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری، ص 216، مطبوعہ دارالتحقیق و الاشاعت، لاہور)

5۔ مولانا سندھیؒ اپنی اردو خودنوشت میں لکھتے ہیں:

''حکمت و منطق کی کتابیں جلدی ختم کرنے کے لیے چند ماہ مولانا احمد حسن صاحب کان پوری کے مدرسے میں چلا گیا۔ اور پھر چند ماہ مدرسہ عالیہ رام پور میں رہ کر مولوی ناظر الدین صاحب سے کتابیں پڑھ لیں۔''

(خطبات و مقالات مولانا عبیداللہ سندھیؒ، ص 217)

6۔ مولانا سندھیؒ نے اردو خودنوشت میں لکھا ہے:

''مولانا سید احمد صاحب دہلویؒ نے میرے جوابات کی بہت تعریف کی، اور فرمایا: ''اگر اس کو کتابیں ملیں تو شاہ عبدالعزیز ثانی ہوگا۔'' (خطبات و مقالات، ص 217)

7۔ دہلوی، شاہ ولی اللہؒ، **ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفا** (عربی اردو مترجم) ج: 04۔ ص: 151۔ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی۔

8۔ مولانا سندھیؒ اپنی اردو خودنوشت میں لکھتے ہیں:

''حدیث کی باقی کتابوں مولوی عبدالکریم صاحب پنجابی دیوبندی سے جلد جلد ختم کرلیں۔ مجھے یاد ہے کہ **سنن نسائی** اور **سنن ابن ماجہ** میں نے چار چار دن میں پڑھی ہیں اور سراجی دو گھنٹے میں ختم کی۔ مولوی صاحب حضرت مولانا محمد قاسمؒ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ کے غیر معروف مگر محقق شاگرد تھے۔''

(خطبات و مقالات، ص 218)

9۔ امام، عالم، علامہ، محدث، فقیہ، شیخ الاسلام، شیخ عبدالحق بن سیف الدین بن سعد اللہ بخاری، دہلوی، محدثِ مشہورؒ: آپؒ ہندوستان میں سب سے پہلے عالم ہیں، جنھوں نے علم حدیث پر تصنیف و تالیف اور تدریس کا اہتمام کیا۔ آپؒ ماہِ محرم الحرام/ ۹۵۸ھ/ 1551ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد سے قرآن حکیم کی تعلیم حاصل کی اور دیگر علوم و فنون حاصل کیے۔ آپؒ نے شیخ موسیٰ بن حامد حسنی اُچیؒ سے 22 سال کی عمر میں ۹۸۵ھ/ 1577ء بیعت کی۔ اور دیگر علما و مشائخ سے فیوضات و برکات حاصل کیں۔ پھر حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ اور حج و زیارت سے مستفید ہوئے۔ وہاں پر آپؒ نے شیخ عبدالوہاب بن ولی اللہ متقیؒ جیسے علما سے علم حدیث حاصل کیا۔ خاص طور پر ان سے ''مشکوٰۃ المصابیح'' پڑھی۔ نیز ان سے ذکر و اَذکار اور طریقت کا سلسلہ بھی اخذ کیا۔ انھوں نے اپنا خرقۂ خلافت اور اجازت سے مشرف فرمایا۔ اس کے بعد دہلی میں تشریف لائے۔ اور اس عرصے میں علم حدیث کے پھیلاؤ اور شریعت و طریقت کے فروغ کے لیے بہت کام کیا۔ اور چھوٹی بڑی بہت سی تصنیفات لکھیں۔ آپؒ کا انتقال پیر کے دن ۲۳/ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ / 1642ء میں ہوا۔ اور ''حوضِ شمسی'' کے قریب آپؒ کو دفن کیا گیا۔

(نُزهة الخواطر. ج: 05۔ ص: 219 تا 229۔ طبع: طیب اکیڈمی، ملتان)

10۔ شیخ ابوالحسن مولانا سید تاج محمود امروٹیؒ: آپؒ کے والدِ گرامی سید عبدالقادر شاہ اپنے وقت کے بڑے عالم و فاضل تھے۔ آپؒ کی ولادت گوٹھ دیوانی (ضلع خیر پور میرس سندھ) میں غالبًا 1859ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والدِ محترم سے حاصل کی۔ پھر مولانا عبدالقادر پھنواری پنو عاقل، ضلع سکھر سے تعلیم حاصل کی۔ ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد حضرت سید العارفین حافظ محمد صدیقؒ کی صحبت بابرکت میں تشریف لے گئے اور تربیت حاصل کر کے فیض یاب ہوئے۔ آپؒ نے حضرت سید العارفینؒ سے خلافت حاصل کرنے کے بعد امروٹ شریف تعلقہ گڑھی یٰسین میں مستقل قیام فرما کر خانقاہ کی بنیاد ڈالی۔ آپؒ سندھ کے بڑے عالم دین اور بزرگِ کامل تھے۔ آپؒ نے قرآن مجید کا سندھی زبان میں ترجمہ بھی کیا، جس میں حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے معاونت کی۔ دیوبند سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد حضرت سندھیؒ امروٹ شریف میں کئی سال تک قیام پذیر رہے۔ آپؒ نے انگریزوں کے خلاف جدوجہدِ آزادی میں بڑا کام کیا۔ بقول مولانا سید ابوالحسن علی ندوی:
''مولانا سید تاج محمود امروٹی پر جلال اور جذبۂ جہاد غالب تھا۔ کراماتِ جلیہ کا ان سے ظہور ہوا۔ کئی بار انگریزوں کو چیلنج کیا اور ان کے مقابلے میں آ گئے، مگر حکومت عام شورش کے خطرے کی وجہ سے کنارہ کر گئی۔''
(پرانے چراغ، از مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، ص: 148، طبع مجلس نشریاتِ اسلام کراچی) ان کا انتقال ۳/ جمادی الثانیہ ۱۳۴۸ھ/ 5/ نومبر 1929ء کو ہوا۔ (ید بیضا۔ ص: 71 تا 73۔ طبع: دین پور، ضلع رحیم یار خان)

11۔ مولانا سندھیؒ اپنی اردو خود نوشت میں لکھتے ہیں:
''(مولانا تاج محمود امروٹیؒ نے) میرا نکاح سکھر کے اسلامیہ سکول کے ماسٹر مولوی محمد عظیم خان یوسف زئی کی لڑکی سے کرایا۔ میری والدہ کو بلایا، وہ میرے پاس آخر وقت تک اپنے طرز پر رہیں۔''

(خطبات و مقالات، ص: 219)

12۔ شیخ المشائخ حضرت مولانا تاج محمود امروٹیؒ کا تحریر کردہ قرآن حکیم کا یہ سندھی ترجمہ گزشتہ ایک صدی سے مسلسل

طبع ہو رہا ہے۔ اور اب تاج کمپنی نے بہت خوب صورتی کے ساتھ اس کی اشاعت جاری رکھی ہوئی ہے۔

13۔ اردو خود نوشت میں مولانا لکھتے ہیں: ''رجب ۱۳۰۸ھ (1891ء) میں حضرت شیخ الہندؒ نے اجازت نامہ تحریر فرما کر بھیج دیا۔ اور مولوی کمال الدین صاحب نے مجھ سے سنن ابی داؤد پڑھی۔''

(خطبات ومقالات، ص: 219)

14۔ شیخ امیر صبغت اللہ پیر پگاڑا اول سندھیؒ: آپؒ کی وِلادت ۱۱۸۳ھ/ 1769ء کے آخر میں ہوئی۔ آپؒ نے تمام تر تعلیم وتربیت اپنے والدِ گرامی شیخ امام محمد راشد سندھیؒ ''روضہ دھنی'' سے حاصل کی۔ آپؒ کو ''پیر پگاڑا اول'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ شیخ امام محمد راشد سندھیؒ کے انتقال کے بعد ان کے سجادہ نشین آپؒ بنے۔ اور اپنے والدِ گرامی کی پگڑی آپؒ کے سر پر باندھی گئی، جب کہ دوسرے بھائی سید محمد یٰسین شاہ کے پاس امام محمد راشد سندھیؒ کا علم (جھنڈا) تھا۔ اس لیے انھیں ''پیر جھنڈا اول'' کہا جاتا ہے اور یہ ''پیر پگاڑا اول'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ جب جہادِ حریت کے لیے یاغستان کے علاقے میں جا رہے تھے تو راستے میں حیدر آباد میں قیام کے دوران حضرت امیر صبغت اللہ شاہ نے آپؒ کو پیر جو گوٹھ آنے کی دعوت دی اور حضرت سید صاحبؒ کے لشکر کو اپنے پاس پندرہ دن تک قیام کروایا۔ بعد میں حضرت سید صاحبؒ کے اہل و عیال اور پورا خاندان بھی آپؒ کے پاس قیام پذیر رہا۔ اور حضرت سید صاحبؒ نے ہی آپؒ کی جماعت کو ''حُر'' کا خطاب دیا۔ آپؒ کا انتقال ۶ / رمضان المبارک ۱۲۴۶ھ/ فروری 1831ء میں ہوا۔

(مخزنِ فیضان، ملفوظات حضرت سائیں محمد راشد روضہ دھنی مع تاریخ خاندانِ راشدیہ پیرانِ پگاڑا۔ مترجم: حکیم ابوالحسان۔ ص: 407 تا 409۔ طبع: جمعیت علمائے سکندریہ، درگاہ شریف، پیر جو گوٹھ، خیر پور، سندھ)

15۔ شیخ سید محمد راشد سندھیؒ: آپؒ ''روضہ دھنی'' کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپؒ کی پیدائش ۶ / رمضان المبارک ۱۱۷۰ھ/ 1757ء میں ہوئی۔ آپؒ کے والدِ گرامی حضرت سید محمد بقا شاہ شہیدؒ بن سید محمد امام شاہ حسینیؒ ہیں۔ آپؒ نے ابتدائی تعلیم حافظ زین الدینؒ اور مولانا محمد اکرمؒ سے حاصل کی۔ ابتدائی کتابوں کی تعلیم کے بعد علامہ فقیر اللہ علوی شکار پوریؒ سے تعلیم حاصل کی۔ اور پھر حضرت مخدوم یا رمحمد کوٹری کبیر (ضلع نواب شاہ) کے درس میں رہے۔ آپؒ کا سلسلۂ بیعت اپنے والدِ گرامی حضرت سید محمد بقا لکیاریؒ سے ہے اور ان کے انتقال ۱۱۹۸ھ/ 1783ء کے بعد آپؒ سلسلۂ قادریہ میں ان کے جانشین بنے۔ قادریہ راشدیہ سلسلہ آپؒ سے ہی ہوا۔ آپؒ کا انتقال پیر جو گوٹھ (سندھ) میں یکم / شعبان ۱۲۳۴ھ/ 1818ء کو ہوا۔ آپؒ کا جسدِ خا کی پہلے پُرانی درگاہ میں دفن کیا گیا تھا، پھر سیلاب کے خطرے کے پیش نظر آپؒ کے پوتے سید گوہر علی شاہ نے جمادی الاولیٰ ۱۲۵۰ھ/ اکتوبر 1834ء میں آپؒ کا تابوت نئی خانقاہ میں منتقل کیا۔ جہاں آپؒ کا مزار قائم ہے۔

(مخزنِ فیضان، مترجم: حکیم ابوالحسان۔ ص: 395 تا 406)

16۔ شیخ سید محمد حسن جیلانی لاہوری سندھیؒ: آپؒ اصل میں لاہور کے رہنے والے تھے اور حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے تھے۔ آپؒ امام محمد راشد سندھیؒ سے بیعت ہوئے اور پھر انھی کے حکم سے سوئی شریف سندھ میں خانقاہ قائم کی۔ آپؒ نے سید احمد شہیدؒ کی تحریک میں مدد اور تعاون کیا۔ ۱۲۴۱ھ/ 1826ء میں جب حضرت سید صاحبؒ کی جماعت سوئی میں تشریف لائی تو سید صاحبؒ نے جہاد کی حقیقت آپؒ کے سامنے

بیان کی اور شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ نے احادیثِ جہاد کی تشریح کی۔ آپؒ نے شریعتِ محمدیؐ کے نفاذ اور تبلیغ وتوحید کے مقاصد کے لیے پٹن منارہ میں ایک جہاد بھی کیا تھا۔ اور وہاں سے غلط رسومات کو مٹا کر دین کے غلبے کا اعلان کیا۔ آپؒ کا وصال: ۱۲۵۴ھ/ 1838ء میں ہوا۔ (یدبیضا۔ص: 61-60۔طبع: دین پور)

17۔ سید محمد بقا شہید بن سید محمد امام شاہ حسینی: آپؒ کی پیدائش یکم رشعبان ۱۱۳۵ھ/ 1723ء کو ضلع خیر پور میرس (سندھ) کے قریب ایک بستی ''رحیم ڈنہ کلہوڑا'' میں ہوئی۔ آپؒ نے سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ مخدوم محمد اسماعیل بریالویؒ خلیفہ حضرت شیخ سعدی لاہوریؒ سے فیض حاصل کیا اور ایک طویل عرصے تک ان کی صحبت میں رہے۔ پھر انھوں نے فرمایا کہ: ''آپؒ کی اصل امانت ایک دوسرے بزرگ کے پاس ہے، جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے ہیں۔'' چناں چہ پیرکوٹ، ضلع جھنگ کے بزرگ حضرت شیخ سید عبدالقادر آخرین سے وابستہ ہوئے، اُن سے بھی فیض حاصل کیا اور پھر اُن کے جانشین بنے۔ ایک سفر کے دوران چند قزاقوں نے آپؒ پر حملہ کردیا، جس سے آپؒ شدید زخمی ہوگئے۔ اسی حالت میں آپؒ کی شہادت ۱۰رمحرم الحرام ۱۱۹۸ھ/ 1783ء کو ہوئی۔ (حوالہ بالا ص: 388 تا 394)

18۔ قنوجی، نواب، صدیق حسن، بھوپالی، **الحِطّه فی ذکر الصّحاح السّتّه**، ص 256، طبع **دار الجیل، بیروت**۔

19۔ بلگرامی، آزاد، سید، غلام علی، ''**سبحة المرجان فی آثارِ ہندوستان**''، ص 52۔
(انٹرنیٹ ایڈیشن) www.al-mustafa.com

20۔ مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندیؒ، مکتوباتِ امام ربانی، مکتوب نمبر 29، ص 94، جلد دوم، طبع ادارہ اسلامیات، لاہور۔

21۔ **سبحة المرجان فی آثارِ ہندوستان**، ص: 52، 53۔

22۔ اردو خود نوشت میں حضرت سندھیؒ لکھتے ہیں:

''۱۳۱۵ھ (نومبر 1897ء) میں دیوبند پہنچا، اپنے مطالعے کا نمونہ دو رسالے لکھ کر ساتھ لے گیا۔ ایک علم حدیث میں، دوسرا فقہ حنفی میں۔ حضرت مولانا شیخ الہندؒ نے دونوں رسالے پسند فرمائے، اس دفعہ دس بارہ حدیث کی مشہور کتابوں کے اطراف سنا کر دوبارہ شفہاً اجازت حاصل کی۔'' (خطبات ومقالات، ص 221)

23۔ اردو خود نوشت میں ہے کہ: ''اس کے بعد میرے تعلیمی اور سیاسی تمام مشاغل حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ سے وابستہ ہوگئے۔'' (ایضاً، ص 222)

24۔ شیخ حسین بن محسن بن محمد انصاری یمنیؒ: آپؒ ۱۴رجمادی الاولیٰ ۱۲۴۵ھ/ 11رنومبر 1829ء کو یمن کے ایک شہر ''حدیدہ'' میں پیدا ہوئے۔ آپؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد شیخ محسن بن محمد انصاریؒ سے حاصل کی۔ اپنے والد کی وفات کے بعد ایک بستی ''مراوعہ'' میں تشریف لے گئے۔ اور فقہ شافعیؒ کے مطابق فقہی مہارت حاصل کی۔ پھر آپؒ نے یمن سے ''زبید'' شہر کا سفر کیا۔ اور وہاں سید علامہ سلیمان بن محمد بن عبدالرحمٰن اہدلؒ سے صحاح ستہ کی تعلیم حاصل کی۔ پھر قاضی محمد بن علی شوکانیؒ کے صاحبزادے شیخ صفی الدین احمد شوکانیؒ سے بھی حدیث کی اجازت حاصل کی۔

شیخ حسین یمانیؒ یمن سے ''حدیدہ'' کے قریب ''لُحیــہ'' شہر کے قاضی مقرر ہوئے۔ وہاں آپؒ چار سال تک

خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اس کے بعد ''حدیدہ'' کے نواب احمد پاشا نے اپنے مطلب کا آپؒ سے فتویٰ لینا چاہا،لیکن آپ نے انکار کردیا۔ اس پر اس نے آپ پر بڑا ظلم کیا۔ آپؒ نے عہدۂ قضا سے استعفا دیا۔ اور یمن سے ہجرت کی۔ اور ہندوستان آکر بھوپال میں قیام کیا۔ یہاں ان سے بہت سے علما نے استفادہ کیا۔ چناں چہ نواب صدیق حسن قنوجیؒ، مولانا سید عبدالحئی حسنی لکھنویؒ وغیرہ نے سندِ حدیث حاصل کی۔ آپؒ کا انتقال بھوپال میں ہی ۱۱/ جمادیٰ الاخریٰ ۱۳۲۷ھ/ 30/ جون 1909ء کو منگل اور بدھ کی درمیانی رات، صبح کے وقت ہوا۔ (نُزهة الخواطر. جلد: 08۔ص: 121-126۔طبع: لکھنؤ)

25۔ اردو خودنوشت میں لکھتے ہیں: ''اس مدرسے میں بھی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں کی، اور امام مالک کو بھی خواب میں دیکھا۔'' (خطبات و مقالات، ایضاً ص 222)

26۔ **قال الشّافعي: (محمد بن إدريس) إذا ذكر العلماء فمالک النجم، وماأحد أمنّ عليّ من مالک. بحواله مواهب الجليل فی مختصر الشيخ خليل، باب ترجمه مالک، الجزء 1، ص 82، ''المكتبة الشاملة''.**

27۔ دارالعلوم ''القاسم'' اور ''الرشید'' کے نام سے رسائل نکلتے تھے، اس سلسلے کی تمام تفصیلات ان دونوں رسالوں میں برابر چھپتی رہی ہیں۔ ملاحظہ ہو ''القاسم'' و ''الرشید'' 1909ء تا 1913ء۔

28۔ یہاں پر یہ وضاحت کرنا بے جا نہ ہوگا کہ بعض محققین نے مولانا سندھیؒ کی اس روایت پر غیرضروری طور پر اپنے شکوک وشبہات کا اظہار کیا ہے۔ چناں چہ ہمارے محترم دوست مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی نے اپنی کتاب ''استاذ الکل مولانا مملوک العلی نانوتویؒ'' میں لکھا ہے کہ ''اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ سرسید نے مولانا مملوک العلیؒ سے یا دہلی کالج میں پڑھا ہو''، ''مولانا سندھیؒ سے پہلے کسی نے اس کا تذکرہ نہیں کیا''۔ (ص 532) ''صرف مولانا سندھیؒ کی وجہ سے اس کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔'' (ص 545) اور پھر خود ہی خیال آرائی فرمائی ہے کہ: ''میرا خیال ہے کہ مولانا سندھیؒ نے سرسید احمد کے دلی کالج کے طالب علم ہونے کی روایت غالباً فرحت اللہ بیگ سے حاصل کی ہے۔'' (''استاذ الکل مولانا مملوک العلی نانوتویؒ'' ص 544، از مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی، طبع: حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، کاندھلہ، ضلع مظفرنگر، طبع بارِ اوّل: مارچ 2009ء)

ہماری رائے یہ ہے کہ یہ سب باتیں درست نہیں ہیں۔ اس لیے کہ مولانا سندھیؒ وہ فرد ہیں، جنھوں نے حضرت شیخ الہند قدس سرہ کی صحبت اُٹھائی اور سلسلۂ ولی اللّٰہی کے ان علما کے بارے میں جو خاص طور پر دہلی اور اس کے اطراف سے تعلق رکھتے ہیں، شیخ الہندؒ سے رہنمائی لی ہے۔ نیز حضرت سندھیؒ کے ایک اہم استاذ حضرت مولانا محمد احمد نانوتویؒ ثم دیوبندی ہیں۔ جو حضرت نانوتویؒ کے صاحبزادے اور دارالعلوم دیوبند کے مہتمم رہے ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ اور مولانا محمد احمدؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے فیض یافتہ اور ان کی روایات کے امین ہیں۔ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ وہ رہنما ہیں، جنھیں مولانا مملوک العلیؒ سے نہ صرف تلمذ حاصل ہے، بلکہ آخری وقت تک ان کی خدمت میں مصروف و مشغول رہے۔ پھر مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، جو کہ حضرت مولانا مملوک العلیؒ کے صاحب زادے اور دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرّس بھی رہے۔ ان حضرات کی روایات و حکایات سے دارالعلوم دیوبند کے در و بام خوب واقف رہے ہیں۔ مولانا سندھیؒ کی

تمام تر تربیت دارالعلوم دیوبند کے ماحول میں ہوئی۔ حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ سے آپ نے اس سلسلے کے بہت سے واقعات و حکایات سنی ہیں۔ خاص طور پر مولانا مملوک العلی نانوتویؒ سے متعلق روایات انھوں نے دارالعلوم دیوبند میں ان ہی حضرات سے سنی ہیں۔ چناں چہ خود تحریر فرماتے ہیں:

"سمعت من مناقب شیخ الإسلام (النانوتویؒ) وقائعه کثیراً عن جماعة، منهم الشیخ أبوالطیب أحمد بن شیخ الإسلام الدیوبندی مدیر دارالعلوم فإنه کان یحکی لنا کل یوم شیئًا من الواقعات. کان أستاذ الأساتذة مولانا مملوک العلی یتفرس فی حقهٖ انه سیصیر مثل مولانا محمد إسماعیل الشهید." (ص 11، التمهید)

پھر علی گڑھ اور دیوبند سے متعلق واقعات ومعاملات کے سلسلے میں حضرت سندھیؒ کو تمام رہنمائی حضرت شیخ الہندؒ سے حاصل ہوئی ہے۔ چناں چہ حضرت سندھیؒ لکھتے ہیں:

"وفوق ذالک إنما تعلّمتُ فی تلک الملازمة کیف یمکن الاتحاد مع جماعات المسلمین المخالفین لطریقتها فی بعض شئونهم." (التمہید، ص 24)

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی یہ اطلاع کہ "سرسید احمد خان اور حضرت نانوتویؒ مولانا مملوک العلی نانوتویؒ کے شاگرد ہیں" اپنے اساتذہ کرام خاص طور پر حضرت شیخ الہندؒ اور مولانا محمد احمدؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند سے روایت کردہ ہے۔ اس لیے یہ قابل اعتماد ہے۔ خاص طور پر اس لیے کہ ہندوستان کی مختلف جماعتوں اور گروہوں کے درمیان باہمی تعلقات کے جو سیاسی، سماجی اور نظریاتی پہلو ہیں، اُن پر مولانا سندھیؒ کی خاص نظر ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ اس اطلاع کا ثبوت کتابی حوالے سے نہیں ملتا اور یہ کہ اس کا اعتراف خود سرسید نے نہیں کیا۔ اس لیے اس روایت یا اطلاع کا انکار کردیا جائے۔ یہ درست نہیں اس لیے کہ جو حوالہ جات خود محقق و موصوف نے بیان کیے ہیں۔ انھیں میں ایسے اشارات اور قرائن موجود ہیں، جو اس اطلاع کی تصدیق کرتے ہیں۔ جنھیں محقق موصوف نے نظر انداز کردیا ہے۔ خود سرسید نے "آثارُ الصّنادید" میں مولانا مملوک العلیؒ کے تذکرے میں جو کچھ لکھا ہے، اس کے **اقتضاء النّص** سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سرسید نے ان سے فیض حاصل کیا ہے۔ اگرچہ سیاسی وجوہات کی بنا پر وہ کھل کر اس کا اظہار نہیں کرتے۔

سرسید کے یہ الفاظ محقق موصوف نے بھی نقل کیے ہیں: "(مولانا مملوک العلی کو) کتبِ درسیہ کا ایسا استحضار ہے کہ اگر فرض کرو ان کتابوں سے گنجینۂ علم خالی ہوجائے تو ان کی لوحِ حافظہ سے پھر نقل ان کی ممکن ہے۔" ("استاذ الکل مولانا مملوک العلی نانوتویؒ" ص: 538) سوال یہ ہے کہ سرسید نے اگر مولانا مملوک العلیؒ کی مجالس درس میں شرکت نہیں کی تو "کتبِ درسیہ" کے استحضار کی حالت کا اندازہ کیسے ہوا؟ یہ عبارت تقاضہ کرتی ہے کہ مولانا مملوک العلیؒ کی صحبت سے انھوں نے فیض اُٹھایا ہے۔ جب کہ سرسید کے مکتوبات سے جو عبارت محقق موصوف نے نقل کی ہے، اس سے پہلے لکھتے ہیں کہ: "ان مندرجات میں بھی مولانا سے ذاتی روابط کا ذکر بلکہ اثر و نشان بھی نہیں جھلکتا۔" (ص 540) حال آں کہ مکتوبات سے نقل کردہ عبارت میں مولانا مملوک العلی نانوتویؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ وغیرہ کا تذکرہ کرنے کے بعد سرسید لکھتے ہیں: "ان سب بزرگوں سے مجھے

ذاتی واقفیت ہے۔'' (''استاذ الکل مولانا مملوک العلی نانوتویؒ'' ص540) سرسید کی یہ عبارت نہ صرف ذاتی روابط کا اظہار کررہی ہے، بلکہ ذاتی واقفیت اور تعلق کو بھی واضح کررہی ہے۔

پھر اس کتاب میں مصنف کی تحقیق کے ایک اور پہلو پر بھی غور کیا جانا ضروری ہے۔ ایک طرف سرسید مولانا مملوک العلیؒ کے ''کتب درسیہ کے استحضار'' کی خبر دے رہے ہیں اور پھر ان سے اپنی ''ذاتی واقفیت'' کی نشان دہی بھی کررہے ہیں، لیکن اس سب کے باوجود وہ مولانا مملوک العلی نانوتویؒ کے فیض یافتہ یا ان سے استفادہ کرنے والے نہیں ہیں۔ لیکن خود مصنف کتاب ہمارے محقق دوست نتائج اَخذ کرنے پر آتے ہیں تو بغیر کسی واضح ثبوت کے مولانا مملوک العلی نانوتویؒ کو حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ کا شاگرد ثابت کرنے کے لیے دور دراز کے قیاسات بیان کرتے ہیں۔ چناں چہ اسی کتاب میں لکھتے ہیں: ''اس لیے قیاساً کہا جاسکتا ہے کہ مولانا مملوک العلی حضرت مفتی (الٰہی بخش) صاحب سے عربی ادب کی اعلیٰ درجے کی کتابیں .... پڑھ رہے ہوں گے۔'' (''استاذ الکل مولانا مملوک العلی نانوتویؒ''۔ص 93)

حال آں کہ جس قلمی بیاض سے یہ نتائج اَخذ کیے جارہے ہیں، اس بیاض پر تحریرات کے اندراج کی تاریخ نہیں ہے۔ جب کہ یہ بھی ممکن ہے کہ بیاض پر یہ تحریر مولانا مملوک العلی کے زمانۂ تدریس کی ہو۔ اس کا قرینہ اس تحریر کے آخر میں ''مملوک الطلباء مملوک العلی'' (''استاذ الکل مولانا مملوک العلی نانوتویؒ'' ص 91) کے دستخط ہیں۔

اب ایک طرف تو محقق موصوف مولانا مملوک العلیؒ کو مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ کا شاگرد ثابت کرنے کے لیے تو اپنے اندازوں اور قیاسات پر اعتماد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس کے بعد حضرت مفتی الٰہی بخش کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا ہوگا۔'' (ص105) چناں چہ اپنے قیاس اور اندازے کی بنیاد پر مولانا مناظر احسن گیلانی اور مفتی محمود احمد نانوتویؒ کی تحریرات کا انکار کرتے ہیں۔ جب کہ دوسری طرف مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی روایت کردہ اطلاع اور روایت پر جو یقیناً انھوں نے دارالعلوم دیوبند میں اپنے اساتذہ سے سنی ہے، اعتماد کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ سرسید مولانا مملوک العلیؒ سے استفادے اور تلمذ کا کھل کر اظہار نہیں کرتے تو اس کی وَجہ محقق کے بیان کردہ اس جملے سے خود بخود واضح ہوجاتی ہے کہ:

''مولانا مملوک العلیؒ کے صاحبزادے مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ مدرسہ دیوبند کے صدر مدرس ممتاز عالم اور سرسید کے ہم عصر تھے۔ مولانا یعقوب کو سرسید احمد کے مذہبی نظریات سے کھلا اختلاف تھا۔ مولانا نے ان کی تردید وتنقید بھی کی۔'' (''استاذ الکل مولانا مملوک العلی نانوتویؒ'' ص540) یہی سبب ہے کہ سرسید جو کہ مولانا یعقوب نانوتوی کے ہم عصر تھے، مولانا مملوک العلی سے اپنے تلمذ واستفادے کا کھل کر اظہار نہیں کر پا رہے تھے۔ سیاسیات کے میدان میں اس طرح کے اعترافات حکومتِ وقت کی نظر میں اہم سیاسی نتائج کے حامل ہوتے ہیں۔ خاص طور پر 1857ء کے بعد کے دور میں اس طرح کے اظہارات اور اعترافات کے نتائج سیاسی طور پر نہایت خطرناک تھے۔

پھر سیاست کے میدان میں کردار ادا کرنے والی شخصیات کے اعمال وافعال اور اقوال وتحریرات کا درست تجزیہ وہی کرسکتا ہے، جس نے سیاست کے میدان میں شہ سواری کی ہو۔ اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے بارے

میں یہ بات مسلمہ ہے کہ وہ سیاست کے میدان کے شہ سوار ہیں۔ یہی نہیں بلکہ قائدین کی حیثیت رکھتے ہیں۔اسی لیےاس روایت کومولانا سیدمحمدمیاں صاحب (ناظمِ عمومی جمعیت علمائے ہند) اورڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی جیسے صاحبان نے نہ صرف قبول کیا ہے، بلکہ دیوبند وعلی گڑھ کے تعلقات کے حوالے سے انھیں اپنے تجزیے کی بنیاد بنایا ہے۔محقق موصوف محض کتابی علم وتدقیق کے پیچھے پڑ گئے، جو حقائق سمجھنے کے لیے کافی نہیں ہے۔

29۔ چناں چہ مولانا سندھیؒ نے کابل میں لاہور سے ہجرت کرکے جانے والے نوجوان طلبا کو قرآنیات پر جو دروس دیے تھے، انھیں "الدّین والسّیاسة فی القرآن" کے عنوان سے ظفرحسن ایبک نے چار جلدوں میں لکھا تھا۔غالبًا یہ عنوان مولانا سندھیؒ ہی کا دیا ہوا ہے۔ یہ چاروں جلدیں راقم سطور کے پاس محفوظ ہیں۔

30۔ ''علی گڑھ یونیورسٹی گزٹ'' کی اشاعت 25 فروری 1914ء سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سندھیؒ کی اپیل پر ''مولوی محمد علی شاہ اور مولوی انیس احمد رفقائے ''نظارۃ المعارف القرآنیۃ'' کو اشاعت اسلام کے لیے انگلستان بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ (''علی گڑھ یونیورسٹی گزٹ''، ص: 5-6 ک: 1-201، بحوالہ ''برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علما کا کردار'' از ایچ بی خان، طبع قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد)

31۔ حضرت سندھیؒ اپنے سفرنامہ کابل میں لکھتے ہیں:

''اپریل 1915ء کے شروع میں دہلی سے سندھ آیا۔ اور چار مہینے مختلف مقامات پر گزارے۔ دوستوں سے آخری ملاقات اور ضمناً راستے کے خطرات سے محفوظ رہنے کی تدابیر میں مصروف رہا۔ بفضلہٖ تعالیٰ بلوچستان سے گزر کر 15 اگست (1915ء) کی نمازِ مغرب سرحد افغانستان میں پڑھی۔ اور توکل علی اللہ بغیر کسی پاسپورٹ حاصل کرنے کے، افغانستان میں داخل ہوا'' ....''اس طرح ہم 15 اکتوبر 1915ء کو کابل پہنچے۔اتفاقاتِ زمانہ میں یہ بھی ایک عجیب بات سمجھی جائے گی کہ اس تاریخ 15 اکتوبر 1922ء کو ہمیں کابل سے سفر کرنے کا پاسپورٹ مل گیا۔ اگرچہ ہماری روانگی 22 اکتوبر کو عمل میں آئی۔''

(کابل میں سات سال، ذاتی ڈائری از حضرت سندھیؒ ص 50, 59، طبع: مکی دارالکتب، لاہور)

32۔ حضرت سندھیؒ اپنے سفرنامہ کابل میں لکھتے ہیں:

''لوگوں کے مشورے سے ہم نے کام کرنے والوں کی ایک جماعت بنائی، جسے ''جنود اللہ'' کہا جاتا تھا۔ اس میں اگر عسکریت تھی تو اس قدر، جتنی ''سالویشن آرمی'' میں موجود ہے۔ اس نظام سے ہم نوجوانوں کی باہمی رقابتوں کو دور کرسکے۔'' (کابل میں سات سال، ذاتی ڈائری از حضرت سندھیؒ ص 76)

33۔ یہاں مطبوعہ نسخے میں رحیم آباد لکھا ہے۔ غالبًا یہاں عظیم آباد ہے۔سہوِقلم سے رحیم آباد لکھا گیا۔

34۔ اردو خودنوشت میں مولانا سندھیؒ لکھتے ہیں:

''1922ء میں امیر امان اللہ خاں کے دور میں میں نے کانگریس کمیٹی کابل بنائی، جس کا الحاق ڈاکٹر (مختار احمد) انصاری کی کوششوں سے کانگریس کے ''گیا'' سیشن نے منظور کرلیا۔ برٹش ایمپائر سے باہر یہ پہلی کانگریس کمیٹی ہے۔ اور اس پر فخر محسوس کرتا ہوں کہ میں اس کا پہلا پریذیڈنٹ ہوں۔''

(خطبات و مقالات، ص 224)

مولانا سندھیؒ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''1920ء میں ہندوستانی مسلمان ہجرت کرکے ہزاروں کی تعداد میں افغانستان آئے۔ افغانستانی ترکستان میں ان کے لیے نوآبادی قائم کرنے کا قانون بنایا گیا۔ جس میں انھیں مکمل لوکل سیلف گورنمنٹ کے حقوق دیے گئے۔ اسی ضمن میں ہم نے ہندوستانی یونیورسٹی کابل کے لیے اجازت حاصل کرنے کی کوشش شروع کی۔ یونیورسٹی کا اساسی قانون پہلی بار افغانستان کی ''شاہی کونسل برائے وضع قوانین'' نے چند ترمیمات کے لیے واپس کردیا۔ لیکن 1922ء میں ترمیم شدہ صورت میں منظور کرلیا۔ اور چند ایک کام بھی شروع ہوگئے۔ ہندوستانی یونیورسٹی کابل کے لیے شاہی فرمان حاصل کرنے سے پہلے ضروری تھا کہ نیشنل کانگریس کی برانچ کابل میں قائم کی جائے۔ اس لیے ہمیں ''کانگریس کمیٹی کابل'' بنانے کی ضرورت پیش آئی۔''

(خطابات ومقالات، مقالہ: آزاد برصغیر کا دستوری خاکہ، ص137)

35۔ القرآن 86:12۔

36۔ مولانا سندھیؒ ''کابل میں سات سال'' میں لکھتے ہیں:

''اب ہم نومبر 1922ء میں دریائے جیحون عبور کرکے ترمذ میں سوویٹ کارندوں کے مہمان ہوئے۔ اور دنیا کی انٹرنیشنل سیاست کا نیا مشاہدہ شروع کردیا۔'' (ذاتی ڈائری، ص101)

37۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اس عبارت سے مولانا سندھیؒ کا استدلال یہ ہے کہ جب کسی سوسائٹی کی آبادی دس ہزار سے اوپر ہوجائے تو اس پر سیاسی حکومت کا کنٹرول قائم کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ تاکہ وسائل رزق کی پیدائش، تقسیم، تبادلہ اور استعمالات کے نظام انسانی فائدے کے لیے بنائے جاسکیں۔ چناں چہ شاہ صاحبؒ کے یہ الفاظ:

"فالسّياسة المدنية تبحث عن مكاسبهم."

(شہری سیاست، ان کے پیشوں اور وسائل معاش سے بحث کرے)

اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ شہر کی سیاسی حکومت پر لازمی ہے کہ وہ لوگوں کے پیشوں اور ذرائع معاش میں مداخلت کرے۔ اور غور وفکر کے بعد سوسائٹی کے مجموعی مفادات کے مطابق ان پیشوں کی تقسیم کرے۔ چناں چہ شاہ صاحبؒ کے یہ جملے بھی قابل غور ہیں:

"فإن وزعت المكاسب و أصحابها على الوجه المعروف الذى تعطيه الحكمة و قبض على أيدى المكتسبين بالأكساب القبيحة صلح حالهم."

اس عبارت سے لوگوں کے معاشی معاملات میں حکومتی دخل اندازی کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

38۔ حجّة الله البالغه، از امام شاه ولی الله دهلویؒ، أبواب ابتغاء الرزق، ص:282,281، ج:2، طبع بیروت۔

39۔ ایضاً، باب إقامة الإرتفاقات و إصلاح الرّسوم، ص 305 تا 308۔

40۔ القرآن 179:2۔

41۔ المسوّی من أحادیث المؤطا، الإمام ولی الله دهلویؒ، ص 255، 256، مطبوعه جمعية

السلفية بمكة المكرمة، ۱۳۵۱ھ۔

42۔ إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء، ص 476، جلد 3، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی ۔

43۔ ایضاً۔ص: 474۔

44. القرآن 6:59.

45. القرآن 7:59.

46. القرآن 8:59.

47. القرآن 9:59.

48. القرآن 10:59.

49۔ ازالة الخفاء عن الخلفاء، جلد 3، ص 481 تا 483۔ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی ۔

50. القرآن 41:8.

51۔ ازالة الخفاء عن الخلفاء، جلد 3، ص 487۔

52۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کا یہ مفصل فتویٰ "فتاویٰ عزیزیہ" میں موجود ہے۔اس کی اصل عبارت درج ذیل ہے:

"حضرت شیخ جلال تھانیسری قدس اللہ سرہ در رسالۂ خود (احکامِ اراضیٔ ہند) اختیار فرمودہ اند کہ زمین ہندوستان در ابتدائے فتح مانند سوادِ عراق کہ در عہدِ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ مفتوح شدہ بود، موقوف بر مِلکِ بیت المال است، و زمین داراں را بیش از تولیت و داروغگی تردد، وفراہم آوردن مزارعین، و اعانت و زراعت وحفظ دخلے نیست ۔" (فتاویٰ عزیزیہ از حضرت امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، ج: 1، ص: 43، طبع مجتبائی، دہلی انڈیا)

(حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری نے اپنے رسالے میں یہ مؤقف اختیار فرمایا ہے کہ ہندوستان کی سرزمین اپنی فتح کے زمانۂ ابتدا سے ہی عراق کی زمینوں کی طرح (جو کہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں فتح ہوا تھا) بیت المال کی ملک پر ہی قائم ہے ۔اور زمین داروں کو اس کے سوا کہ وہ اس کے متولی و داروغہ ہیں اور کاشت کاروں کو تلاش کر کے زمین دینے اور زراعت میں اعانت بہم پہنچانے اور اسی ذمہ داری کے غور وفکر میں رہنے کے سوا اور کوئی حق نہیں ہے ۔اور نہ ان کی ملکیت کا کوئی دخل ہے۔)

چناں چہ اس کی بنیاد پر مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے لکھا ہے کہ:

"علمائے اسلام کے فتاویٰ سے یہ ثابت ہوگیا کہ ہندوستان کی زمین حکومت کی ملکیت اور بیت المال کی ملکیت سمجھی جاتی رہی ہے ...علمائے اسلام کے ان فتاویٰ کے علاوہ مغل بادشاہوں نے اراضیٔ ہند پر جو تصرفات قائم رکھے، نیز بادشاہ شاہ عالم نے سرطامس روکو دیوانی احکام سپرد کرتے ہوئے زمین داروں کے متعلق جو معاہدہ کیا اور سراج الدولہ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو بنگال میں دیوانی اختیارات حوالے کرتے ہوئے بنگال کی زمینوں سے متعلق جو معاہدہ کیا، وہ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں کہ یہ بادشاہ اور ابتدائی دور میں خود انگریزی حکومت، اراضیٔ ہند کو زمین دار اور تعلقہ دار کی ذاتی اور شخصی ملکیت نہیں سمجھتے ۔ اور حکومت کی ملک شمار کرتے ہوئے ان کو نگران اور قیم کی حیثیت دیتے تھے۔"

(اسلام کا اقتصادی نظام، از حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ ص 411 تا 416، طبع مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور)

53۔ مولانا سندھیؒ کا ترتیب دیا ہوا یہ انقلابی پروگرام ''آزاد برصغیر کا دستوری خاکہ'' کے عنوان سے 15 ستمبر 1924ء کو ترکی سے طبع ہوا تھا، لیکن 1925ء میں حکومتِ برطانیہ نے اس پر پابندی عائد کردی تھی۔ پھر 1926ء میں اس کا انگریزی ترجمہ کیا گیا۔ ابواب قائم کرکے بظاہر جزوی تبدیلیاں کر کے دوبارہ شائع کیا گیا، تاکہ پابندی کی زد میں نہ آئے۔فروری 1956ء میں یہ پروگرام ''انجمن ترقی اردو (پاکستان)'' کراچی کے سہ ماہی مجلّے ''تاریخ و سیاست'' کے شمارے میں طبع ہوا۔ بعد میں پروفیسر محمد سرور (مرحوم) نے حضرت سندھیؒ کے ''خطبات و مقالات'' ترتیب دیےتو اس میں شامل ہوکر طبع ہوا۔ستمبر 2002ء میں راقم سطور نے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے خطبات و مقالات کونئی ترتیب اورمزید مقالوں کے اضافے کے ساتھ مرتب کیا ہے اوراس کا نیا ایڈیشن شائع کیا ہے۔ اس میں دیکھیے! صفحات 131 تا 191۔

54۔ القرآن 2:54.

55۔ حضرت سندھیؒ نے اس آیت سے جو یہ استدلال کیا ہے کہ ''رجعت پسندلوگ اپنے آپ کوقتل کرلیں'' تو اس سے مراد سیاسی طور پراپنے آپ کو راستے سے ہٹانا ہے۔ اس سے حقیقی طور پر اپنے آپ کوقتل کرنا مراد نہیں ہے۔ اصل میں سیاسی طور پر اپنی طاقت ضائع کردینا، قوم کی ایسی خودکشی ہے، جو جدوجہدِ آزادی کے راستے میں حقیقی جان کے قتل سے کہیں زیادہ نقصان دِہ ہے۔

56۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ یہ بات لکھتے ہوئے قرآن حکیم میں سورت القصص کی اس آیت مبارکہ سے استدلال کررہے ہیں: وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ [illegible] (5:28)
(اور ہم چاہتے تھے کہ ان پر احسان کریں، جو ملک میں کم زور کردیے گئے تھے۔اور انھیں سردار بنادیں۔ اور انھیں وارث بنادیں۔)

57۔ حجّة اللّٰه البالغه، ج1، ص 204 تا 206، طبع بیروت۔

58۔ سلک الدّرر، فی أعیان القرن الثانی عشر، الجزء الرّابع، تالیف: السّیّد محمد الخلیل المرادی.

59۔ حجة اللّٰه البالغه، باب إقامة الإرتفاقات و إصلاح الرسوم، ص 306۔

60۔ التفهيمات الإلٰهية، از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، تفہیم نمبر 69، جلد اول، طبع حیدر آباد، سندھ۔

61۔ القرآن: 10:59۔

62۔ القرآن: 2:147۔

63۔ اردو خودنوشت میں مولانا سندھیؒ لکھتے ہیں کہ:
''۱۳۴۴ھ (1926ء) میں موسمِ حج پر مکہ معظّمہ میں ''مؤتمر خلافت'' منعقد ہوئی۔ میرے تمام دوست اس میں آرہے تھے۔ میں نے محض ان سے ملنے کی خاطر اِٹلی کے راستے سے مکہ معظّمہ پہنچنے کی کوشش کی، مگر میں مؤتمر ختم ہونے کے بعد صفر ۱۳۴۵ھ (اگست 1926ء) میں پہنچا۔'' (خطبات ومقالات، ص 226،)

64۔ اردو خودنوشت میں حضرت سندھیؒ لکھتے ہیں:
''(مکہ مکرمہ میں) میں اپنی پوزیشن صحیح طور پر پہچانتا تھا۔ میں نے حجاز گورنمنٹ کو یقین دلایا کہ یہاں میں کوئی سیاسی پروپیگنڈا نہیں کروں گا۔ اُس نے مجھے نیشنلسٹ تسلیم کرلیا۔ اس وَجہ سے ایک طرح میں محفوظ ہوگیا۔''

(خطبات و مقالات، ص 227، طبع لاہور۔)

65۔ کتاب الہند از البیرونی، ص 64، طبع دائرۃ المعارف عثمانیہ، حیدرآباد دکن (انڈیا)

66۔ تمہید کے اصل نسخے میں یہ عبارت اغلاط سے پُر ہے۔ غالبًا کاتب کی کوتاہی ہے۔ اس سے صحیح مفہوم سمجھنا مشکل ہوجاتا ہے۔ اس کی تصحیح کے لیے قوسین میں استاذ محترم مولانا غلام مصطفٰی قاسمیؒ نے ''کتاب الہند'' کی اصل عبارت سے جملے نقل کرکے بڑھائے ہیں۔

(اصل کتاب کے لیے دیکھیے! کتاب ''تحقیق ما فی الہند'' از البیرونی، ص 64، طبع دائرۃ المعارف عثمانیہ، حیدرآباد دکن۔ انڈیا)

67۔ آزاد، بلگرامی، کتاب ''مآثر الکرام''، ص 7، طبع مفید عام، آگرہ (انڈیا) 1910ء۔

68۔ آزاد، بلگرامی، کتاب ''سبحة المرجان فی آثارِ هندوستان''، ص 25، انٹرنیٹ ایڈیشن۔

69۔ ایضاً، ص 30۔

70۔ دہلویؒ، مفتی ذکاءاللہ، تاریخ ہندوستان، ج 1، ص 244، طبع شمس المطابع، دہلی (انڈیا) 1897ء۔

71۔ ابن تیمیہ، شیخ الاسلام، منهاج السنه، ص 272، جلد 6، مکتبہ شاملہ۔

72۔ القرآن 2:219۔

73۔ مواهب الجليل فی مختصر للشيخ خليل، باب ترجمة مالک، ص 82. مکتبہ شاملہ۔

74۔ المسوّٰی من أحاديث المؤطا، از امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، ص 63، جلد اول، طبع بیروت۔

75۔ الحِطّه فی ذکر الصحاح الستة، نواب صدیق حسن قنوجی، بھوپالیؒ، ص 289، طبع بیروت۔

76۔ ایضاً ص 406۔

77۔ ابجد العلوم، نواب صدیق حسن قنوجی بھوپالیؒ، ص 123، جلد 3، طبع مکتبہ قدوسیہ، لاہور، 1983ء۔

78۔ لکھنوی، ابوالحسنات، عبدالحئی، التعليق الممجد علی مؤطا الامام محمدؒ، ص 25، طبع کراچی، 1961ء۔

79۔ التفهيماتِ الإلٰهيه، جلد 2، ص 245، طبع المجلس العلمی، ڈھابیل (انڈیا) ومجموعہ وصایا اربعہ از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، مرتبہ: محمد ایوب قادریؒ، ص 50، طبع شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد

80۔ شوکانی، محمد بن علی بن محمد، نیل الاوطار، شرح منتقی الاخبار، جلد 1، ص 50، طبع در الاحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، 1999ء

81۔ هدية الشيعه، از مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، ص 256، طبع حقانیہ، کراچی۔

82۔ مشکوٰة المصابيح، کتاب العلم، الفصل الثانی، ص 36، جلد 1، طبع مجتبائی، دہلی۔

83۔ حجة اللّٰه البالغه، ص 404 تا 417۔

84۔ بوارق المعرفه، مشموله انفاس العارفين، ص 84، مطبوعہ مطبع احمدی، متعلق مدرسہ عزیزی، دہلی، 1897ء۔

85۔ الجزء اللطيف، مشموله انفاس العارفين، ص 194، مطبوعہ مطبع احمدی، دہلی، 1897ء۔

86۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ:

''شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے قرآنِ حکیم کا فارسی میں ترجمہ کیا، جب کہ ہندوستانی سلطنت ختم ہونے پر تھی، یہ ترجمہ عجمی زبانوں میں جتنے ترجمے ہوئے، ان سب میں بے نظیر تھا......اس کے بعد شاہ صاحب کے بیٹوں نے اردو میں ترجمے شروع کیے، اس لیے کہ زمانہ بدل گیا تھا.....ان میں سب سے اچھا ترجمہ ''موضح القرآن'' شاہ عبد القادر دہلویؒ کا ہے۔اس کی اردو آج بعض حیثیتوں سے متروک ہو رہی تھی، میرے استاذ حضرت مولانا شیخ الہندؒ نے آج کے دور کے موافق اس کی اردو درست کردی، ......خالی یہ ترجمہ پڑھنے سے جو مطلب سمجھ آتا ہے، وہ فارسی میں بھی نہیں آتا، اس لیے کہ اس میں جو حکمت کے کلمے ہیں، وہ ٹھیک ٹھیک ترجمہ کر دیئے گئے ہیں، اس لیے کہ حکمت کو حکیم ہی کا دماغ سمجھ سکتا ہے۔

ہمیں اس ترجمہ کے چند اوراق (حضرت شیخ الہندؒ نے) دیو بند میں سنائے، اصل میں تو آپؒ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کو یہ ترجمہ سنا رہے تھے، اس طرح ہم کو بھی سننے کا شرف حاصل ہوگیا۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ سنانے میں لگا، جس میں آپ نے شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے ترجمہ میں تبدیلیاں کر کے بتائیں، اور بتایا کہ ان کی کیا ضرورت ہے''۔ (امالی عبیدیہ قلمی، ص: 194، مکتوبہ مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ۔ محفوظہ لائبریری اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد)

87۔ بخاری، کتاب الاذان، باب وجوب القراء ۃ للامام، حدیث نمبر 756، ص 158، طبع بیروت۔

88۔ القرآن 7: 204۔

89۔ بوارق المعرفہ، مشمولہ انفاس العارفین، ص 69۔ مطبوعہ مطبع احمدی، دہلی، 1897ء۔

90۔ الجزء اللطیف، مشمولہ انفاس العارفین، ص 195، مطبوعہ، دہلی، 1897ء۔

91۔ القول الجمیل فی بیان سواء السبیل، از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، ص 211، فصل 11، طبع مکتبہ رحمانیہ، لاہور۔

92۔ انفاسِ رحیمیہ (مکتوبات امام عبدالرحیم دہلویؒ) ص 27، طبع مجتبائی، دہلی 1333ھ/ 1915ء۔

93۔ بوارق المعرفہ، مشمولہ انفاس العارفین، ص 82۔

94۔ الجزء اللطیف، مشمولہ انفاس العارفین، ص 196۔

95۔ فتاویٰ عزیزی، جلد اول، ص 16-17، طبع در مطبع مجتبائی، دہلی، 1341ھ۔

96۔ مولانا سندھیؒ ''شاہ ولی اللہؒ اور ان کی سیاسی تحریک، استدراک و تصحیح'' میں لکھتے ہیں:

''امام ولی اللہ دہلویؒ دعویٰ کرتے ہیں کہ ''ہند کے مسلمانوں سے اپنی حکومت قائم کرنے کی طاقت، اس وقت افاغنہ کی طرف منتقل ہوچکی ہے۔'' (الخیر الکثیر، از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ)

ہم جانتے ہیں کہ افاغنہ (پشتو بولنے والے) بھی ہندوستانی اقوام میں سے ایک قوم ہیں، جس میں ایرانی، ترکی، اسرائیلی، عربی قبائل مخلوط ہوچکے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اسی غرض سے امام عبدالعزیز دہلویؒ اپنی انقلابی پارٹی کو افغانوں سے ملانا ضروری سمجھتے ہیں۔ امام عبدالعزیزؒ کے آخری کاموں کا مرکز الامیر الشہید اور مولانا عبدالحیؒ اور مولانا محمد اسماعیلؒ کا اجتماع تھا۔ ان کے لیے افغانستان کی ہجرت کا فیصلہ امام عبدالعزیز نے کیا تھا۔ اگرچہ عمل اُن کی وفات کے بعد شروع ہوا۔ ہمیں معلوم ہے کہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم سے روحانی طور پر معلوم ہوا تھا کہ: ''افغانوں کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔''
(خطبات ومقالات، ص 405، طبع لاہور)

97۔ مولانا غلام رسول مہر نے ''جماعتِ مجاہدین'' میں لکھا ہے کہ:

''مولوی محمد حسن موصوف رام پور منہاراں کے رہنے والے تھے۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ اور مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ سے علم کی تکمیل کی۔ دورانِ جہاد میں انتہائی سادگی سے زندگی گزاری۔ یہاں تک کہ اپنے لیے سونے کی بھی کوئی خاص جگہ مقرر نہ کی۔ سید صاحبؒ کی باتیں سننے کے شوق میں پاس بیٹھے رہتے۔ نیند آتی تو وہیں زمین پر سو جاتے۔ شاہ اسماعیل کے بعد لشکرِ اسلام میں عجز، حلم، خاکساری اور قابلیت کے لحاظ سے مولوی محمد حسن جیسا کوئی نہ تھا۔'' (جماعتِ مجاہدین، ص 279، طبع کتاب منزل، لاہور)

98۔ حضرت گنگوہیؒ کے اس بیان کا حوالہ ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ ممکن ہے کہ یہ بات خود حضرت گنگوہیؒ سے مولانا سندھیؒ نے دورانِ سبق سنی ہو۔

99۔ **الحیات بعد الممات**، سوانح میاں نذیر حسین محدث دہلوی، مؤلفہ فضل حسین بہاری، ص 123، طبع مکتبہ اثریہ، شیخو پورہ، 1984ء۔

100۔ **التاج المکلل**، از نواب صدیق حسن بھوپالی، ص 179-180، طبع **شرف الدین الکتبی و اولادہٗ**۔

101۔ مولانا غلام رسول مہرؒ نے ''سرگزشتِ مجاہدین'' میں لکھا ہے کہ:

''آپ (میاں نذیر حسین دہلوی) کو گرفتار کر کے دہلی سے راولپنڈی لے گئے، اور وہاں کم و بیش ایک سال جیل خانے میں نظر بند رکھا۔ دو آدمی ساتھ تھے۔ ایک میر عبدالغنی، ساکن سورج گڑھ، جو بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے۔ انھوں نے جیل خانے میں ہی وفات پائی۔ دوسرے صاحب عطاء اللہ تھے، جنھوں نے اس زمانے میں پوری صحیح بخاری (اُن سے) سبقاً سبقاً پڑھی۔ اور قرآن مجید بھی حفظ کرلیا۔ میاں صاحب نے سرکاری لائبریری سے کتابیں منگوانے کی اجازت لے لی تھی، اور ان کا بیش تر وقت مطالعے میں گزرتا تھا۔''
(سرگزشتِ مجاہدین، جلد 4، ص 402، طبع لاہور۔ نیز سوانح میاں نذیر حسین دہلوی، **الحیات بعد الممات**، ص 82، طبع مکتبہ اثریہ، شیخو پورہ، 1984ء)

102۔ کمالاتِ امدادیہ در قصص الاکابر لخصص الاصاغر، مرتب: مولانا اشرف علی تھانویؒ، ص 75، طبع ملتان۔

103۔ یہ قول غالباً حضرت سندھیؒ نے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے براہِ راست سنا ہے۔

104۔ القول الجمیل فی بیان سواء السبیل، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، ص 193-198، عربی/اردو، طبع مکتبہ رحمانیہ، لاہور

105۔ **الجامع الصحیح البخاری**، حدیث 6498، ص 1321، طبع بیروت۔

106۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے صاحب زادے حضرت مولانا شاہ رفیع الدین دہلویؒ نے تاریخ پر ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ۱۲۰۰ھ تک اہم تاریخی واقعات درج کیے ہیں۔ اس کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کے دنیا میں آنے کے وقت سے شروع ہونے والی تاریخ کے حساب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش 3323 (آدمی، آدم علیہ السلام کی طرف منسوب) میں ہوئی ہے۔

اورحضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش 5584 (آدمی) میں ہوئی ہے۔ (''رسالة فی التواریخ'' ازشاہ رفیع الدین دہلویؒ، قلمی مخطوطہ، ورق نمبر 81 اور 83، محفوظ لائبریری جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی)

اس تقویم کے مطابق حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے درمیان 2261 سال کا فاصلہ ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''سنِ حنیفی ''اور ''سنِ عیسوی'' کے درمیان 2261 سال کا فرق ہے۔ جب کہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے 2000 سال کا فرق بیان کیا ہے۔ غالبًا یہ اندازے کی بنیاد پر ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ کا یہ رسالہ ''رسالة فی التواریخ،، حضرت سندھیؒ کی نظر سے نہیں گزرا۔ اس رسالے کا قلمی نسخہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ (آزادرائے پوری)

107۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے ''أنفاس العارفین'' حالات حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔

108۔ طباطبا نے ''سِیَرُ المتأخرین'' میں لکھا ہے کہ: ''ہمایوں کی حکومت کی مدت پہلی مرتبہ دس سال رہی۔ جب کہ دوسری مرتبہ دس ماہ رہی۔ یعنی سال 962ھ میں۔''

(سِیَرُ المتأخرین، ج:1، ص164، طبع نول کشور 1314ھ)

ہمایوں ۹۱۳ھ/ 1507ء میں پیدا ہوا اور پہلی مرتبہ ۹۳۷ھ/ 1530ء میں ہندوستان کا بادشاہ بنا۔ تقریباً دس سال حکومت کے بعد شیر شاہ سوری نے اسے ہندوستان سے بے دخل کر دیا۔ سولہ سال تک ایران اور کابل وغیرہ کی سیاحت کے بعد ۲/ ربیع الثانی ۹۶۲ھ/ 25/ فروری 1555ء کو اُس نے لاہور فتح کیا۔ اور پھر ۲/ شعبان ۹۶۲ھ/ 23/ جون 1555ء کو سکندر شاہ کو شکست دے کر اپنی بادشاہت دوبارہ قائم کی۔ ۱۱/ ربیع الاوّل ۹۶۳ھ/ 24 جنوری 1556ء کو اس کا انتقال ہو گیا۔

مولانا سندھیؒ نے ہمایوں کے دوسرے دور (شعبان ۹۶۲ھ تا ۹۶۳ھ) کو سلاطینِ ہند کے شان دار دور میں شامل کیا ہے۔

109۔ ''سِیَرُ المتأخرین'' میں لکھا ہے کہ: ''کتاب مجمع السلاطین کے مطابق ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر ہمایوں بادشاہ کے انتقال کے بعد ۳/ ربیع الثانی ۹۶۳ھ/ 15/ فروری 1556ء بروز جمعة المبارک دوپہر کے وقت لاہور کے قریب قصبہ ''کلانور'' میں تخت نشین ہوا۔ اور ۱۲/ جمادی الاخریٰ ۱۰۱۴ھ/ 25/ اکتوبر 1605ء بروز بدھ اس کا انتقال ہوا۔ آگرہ کے قریب سکندرہ میں اسے دفن کیا گیا۔ ان کی کل مدتِ عمر 64 سال، 11 مہینے، 7 دن، سلطنت اور حکومت کی مدت (ہجری حوالے سے) 51 سال، 2 ماہ، 9 دن ہے۔''

(سِیَر المتأخرین، جلد 01، ص 166)

110۔ شہزادہ سلیم بن جلال الدین محمد اکبر ۱۴/ جمادی الثانیہ ۱۰۱۴ھ/ 27/ اکتوبر 1605ء بروز جمعرات کو دار الخلافہ قلعہ اکبر آباد (آگرہ) تخت نشین ہوا۔ اور سِیَر المتأخرین کے مطابق ۲۸/ صفر ۱۰۳۶ھ/ 18/ نومبر 1626ء میں اس کا انتقال ہوا۔ لیکن ''مجمع السلاطین' کے مطابق اس کا انتقال ۱۰۳۷ھ/ 1627ء میں ہوا۔

(سِیَر المتأخرین، ج:1، ص 253)

111۔ سلطان شہاب الدین شاہ جہاں کی ولادت اکبر بادشاہ کے چھتیسویں سالِ جلوس میں ۳۰/ ربیع الثانی ۱۰۰۰ھ/ 15 جنوری 1592ء کو دارالسلطنت لاہور میں ہوئی۔ اکبر نے اپنے اس پوتے کا نام ''سلطان خرم'' رکھا۔

(عملِ صالح المعروف شاہ جہاں نامہ، از محمد صالح کمبوہ، جلد اول، ص 22، اردو ترجمہ ڈاکٹر ناظر حسن دہلوی، مطبوعہ اردو سائنس بورڈ، لاہور)

سلطان شاہ جہان کا انتقال ۱۰۷۶ھ/ 1665ء میں ہوا۔

مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی لکھتے ہیں: ''۱۰۶۹ھ (1659ء) یہ سلطان شاہ جہان کی وفات کی تاریخ نہیں ہے، بلکہ سلطان عالم گیر کی تخت سلطنت پر بیٹھنے کی تاریخ ہے۔''

112۔ سلطان اورنگزیب عالمگیر کے بارے میں منشی ذکاء اللہ نے لکھا ہے:

''خافی خان نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ اورنگ زیب ۱۰۲۸ھ مطابق 1619ء میں پیدا ہوا۔ اور اس کی تاریخِ ولادت ''آفتاب عالم تاب'' لکھی۔ جب کہ بادشاہ نامہ میں تاریخِ ولادت ۱۵/ ذوالقعدہ ۱۰۲۷ھ (5/ نومبر 1618ء) لکھی ہے۔ اور ظفر نامہ میں ۱۵/ ذوالقعدہ ۱۰۲۸ھ (25/ اکتوبر 1619ء) لکھی ہے۔ وہ صوبہ احمد آباد اور مالوہ کی سرحدوں پر واقع ''دوحد'' میں پیدا ہوئے۔''

(تاریخِ ہندوستان، از منشی ذکاءاللہ، جلد 8، ص 4078، طبع سنگِ میل پبلشر، لاہور)

''سلک الدر'' کے مصنف کے مطابق: ''سلطان اورنگزیب عالمگیر نے ۱۰۶۹ھ (1658ء) میں نظامِ مملکت چلانا شروع کیا۔ اور پچاس سال حکمرانی کے بعد کہ ماہِ ذوالقعدہ ۱۱۱۸ھ (فروری 1707ء) میں ان کا انتقال ہوا۔ اس طرح انھوں نے اپنی حکمرانی کے پچاس سال گزارے۔ اللہ تعالیٰ اُن پر اپنی وسیع رحمت نازل فرمائے۔''

113۔ ''مجمع السلاطین'' کے مطابق سلطان معزالدین کو فرخ سیر نے قتل کیا تھا۔ اور اُسے ہمایوں کے مقبرے میں دفن کیا گیا۔ (غلام مصطفیٰ قاسمی)

114۔ ابوالفتح ناصر الدین محمد شاہ خلف جہاں شاہ بن بہادر شاہ ۱۵/ ذوالقعدہ ۱۱۳۱ھ/ 29/ستمبر 1719ء میں تخت نشین ہوا۔ اور اس کے وفات بروز جمعرات ۲۷/ربیع الثانی ۱۱۶۱ھ/ 25/اپریل 1748ء کو ہوئی۔

(مجمع السلاطین، ص 86)

115۔ احمد شاہ بادشاہ بن محمد شاہ ابدالی ۲/ جمادیٰ الاولیٰ ۱۱۶۱ھ/ 30/اپریل 1748ء کو پانی پت کے مقام پر تخت نشین ہوا۔ اس کے زمانے میں مغل حکومت کا اکثر ملک ان کے قبضے سے جا چکا تھا۔ دکن مرہٹوں اور نظام الملک کے فرزندان کے قبضے میں تھا۔ عظیم آباد اور بنگال مہابت خان کے قبضے میں تھا۔ الہ آباد اور اودھ صفدر جان کے تصرف میں تھا۔ اور بریلی و مراد آباد علی محمد روہیلہ کے زیر اختیار تھا۔ اور فرخ آباد قائم خان بنگش کے زیر تسلط تھا۔ اس بادشاہ کی اولاد کا کوئی نام و نشان کتابوں میں نظر نہیں آتا۔ صرف ایک بیٹا بیدار بخت تھا۔

(مجمع السلاطین، ص 27)

116۔ عزیز الدین عالم گیر ثانی بن معزالدین جہاں دار شاہ بن بہادر شاہ، اس کی ولادت جمعہ کے روز ۱۰۹۹ھ / 1688ء میں انوپ بائی کے پیٹ سے ہوئی۔ اور وہ ۱۰/شعبان ۱۱۶۷ھ/ 2/جون 1754ء کو تخت نشین ہوا۔ اس کے وفات ۸/ربیع الثانی ۱۱۷۳ھ/ 29/نومبر 1759ء کو ہوئی۔ اس کے زمانے میں مرہٹہ سرداروں نے بہت زیادہ غلبہ حاصل کرلیا تھا۔ بالآخر ہندوستان کے اُمرا مثلاً نواب شجاع الدولہ، نواب نجیب الدولہ

وغیرہ نے اپنی مدد کے لیے احمد شاہ ابدالی کو طلب کیا تھا۔ (مجمع السلاطین، ص 28)

117۔ ابوالنصر معین الدین محمد اکبر شاہ بن شاہ عالم کی ولادت ۷/رمضان ۱۱۷۳ھ/ 27/اپریل 1760ء کو ہوئی اور ۷/رمضان ۱۲۲۱ھ/ 18/نومبر 1806ء کو تخت نشین ہوا۔ اور اس کی وفات بروز جمعہ ۲۷/جمادی الثانیہ ۱۲۵۳ھ/ 28/ستمبر 1837ء کو ہوئی۔اس بادشاہ کی حکومت سوائے قلعہ مبارک کے اَور کہیں نہیں تھی۔ایک لاکھ روپے انگریز کمپنی کی سرکار سے اس کو آتا تھا۔صرف ایک موضع کوٹ قاسم اور چند دیہات و باغات کی آمدنی اس کو آتی تھی۔ (مجمع السلاطین، ص 29)

118۔ ابوالمظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ ثانی بن محمد اکبر بادشاہ ثانی ۲۸/جمادی الثانیہ ۱۲۵۳ھ/ 29/ستمبر 1837ء میں تخت نشین ہوا۔ (مجمع السلاطین، ص 30)

119۔ خواجہ عبیداللہ احرار امام ناصرالدینؒ: آپؒ تاشقند کے قریب یاغستان میں ماہِ رمضان المبارک ۸۰۶ھ/ 1404ء میں پیدا ہوئے۔بچپن سے ہی رُشد و ہدایت کے آثار ان پر غالب تھے۔ ان کے ماموں خواجہ ابراہیمؒ، ان کی تعلیم کے لیے انھیں تاشقند سے سمرقند لے گئے۔شغلِ باطنی کا غلبہ علمِ ظاہری کی تکمیل میں مانع رہا۔ 22 سال کی عمر سے 29 برس کی عمر تک وہ سفر میں رہے۔سمرقند میں وہ مولانا نظام الدین خلیفہ حضرت علاؤالدین عطارؒ کی صحبت میں حاضر ہوتے تھے۔سمرقند ہی میں وہ سید قاسم تبریزیؒ کی صحبت سے مشرف ہوئے۔ پھر دیگر بزرگوں سے فیض پاتے ہوئے خواجہ یعقوب چرخیؒ کی خدمت میں پہنچے۔مولانا یعقوب فرمایا کرتے تھے: ''جو طالب کسی بزرگ کی صحبت میں آنا چاہے، اُسے خواجہ عبیداللہ کی طرح آنا چاہیے کہ چراغ اور تیل بتی سب تیار ہے، صرف دیا سلائی دکھانے کی دیر ہے۔'' حضرت خواجہ یعقوب چرخیؒ سے خلافت حاصل کی۔ وہ نقشبندی سلسلے کے بڑے بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی تاریخ وفات ۲۹/ربیع الاوّل ۸۹۵ھ/ 1490ء ہے۔ (تذکرہ مشائخ نقشبند۔ از علامہ نور بخش توکلی۔ص: 143 تا 158۔طبع: لاہور۔ نیز دیکھئے! الأنوار القدسیه فی مناقب السادة النقشبندیه، ص 157، طبع مطبع السعادت، 1344ھ، مصر)

120۔ شیخ محمد زاہد وخشیؒ کی نسبت قصبہ ''وخش'' کی طرف ہے۔ جو حصار میں ایک جگہ ہے۔ اور شیخ کا مدفن ہے۔ ''خزینة الأصفیاء'' میں ہے کہ: ''مولانا محمد زاہد وخشیؒ خواجہ عبیداللہ اَحرارؒ کے سچے خلیفہ ہیں۔'' شیخ شرف الدین ''روضة السلام'' والے فرماتے ہیں کہ: ''مولانا محمد زاہد خواجہ یعقوب چرخیؒ کے رشتہ داروں میں سے تھے۔ اور آپؒ کی بیٹی کے بیٹے تھے۔ سب سے پہلے انھوں نے خواجہ یعقوب کے خلفائے عظام کی صحبت سے بہت زیادہ حصہ حاصل کیا۔ چناں چہ زہد و ریاضت کا ایک بہت بڑا حصہ انھیں سے حاصل کیا اور اسم با مسمّٰی بن گئے۔لیکن ابھی طلبِ خدا باقی تھی کہ اشارۂ غیبی سے حضرت خواجہ احرارؒ کی خدمت سے مستفیض ہوئے۔ خواجہ محمد زاہد کا انتقال ۹۳۶ھ/ 1530ء میں ہوا۔ اور ان کا مزار پُر انوار ''وخش'' کے مقام پر زیارت گاہِ مخلوق ہے۔

(خزینة الأصفیاء، از مفتی غلام سرور لاہوریؒ، ج: 1، ص 602 طبع: مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور)

121۔ مولانا درویش محمدؒ مولانا محمد زاہدؒ کے بڑے خلفا میں سے ہیں۔ ان کا انتقال ۹۷۰ھ/ 1563ء میں ہوا۔

(خزینة الاصفیاء، جلد 01، ص 603)

''انوار القدسیہ'' کے مصنف کے مطابق اگرچہ مولانا محمد زاہدؒ سے بہت سے تربیت یافتہ اصحاب تھے، لیکن وہ

عظیم ترین شخصیت، جس میں اس نسبت کا ''سر'' سرایت کر گیا۔ اور اس سلسلے کے شیخ بنے، محمد خواجگی الامکنگی قدس سرہٗ ہیں۔ (انوار القدسیہ، ص 178)

122۔ ان سے مراد حضرت خواجگی امکنگیؒ ہیں۔ مولانا قاسمی لکھتے ہیں کہ:

مناقب ساداۃ النقشبندیہ، ص 178 میں لکھا ہے کہ: ''امکنگی کی نسبت ''امکنہ'' کی طرف ہے۔ جس کا صحیح تلفظ الف کے زیر، میم ساکن اور کاف اور نون کی فتح کے ساتھ اور پھر ہا، لیکن یہ ہا بعد میں کاف سے بدل دی گئی ہے۔ یہ بخارا کے قریب ایک بستی کا نام ہے۔ خواجہ عبد الباقی امکنگی کے بہت سے کامل خلفا اور اولیا ہیں۔ اور ان میں سے سب سے کامل ترین، جس میں اس نسبتِ عالیہ کا راز سرایت کیا ہوا ہے، شیخ محمد الباقی رضی اللہ عنہ، جو اس سلسلے کی شیخ ہیں۔''

''امکنکی کی نسبت سے مشہور وہی بزرگ ہیں، جن کا ابھی پیچھے ''**مناقب السّاداۃ**'' کی عبارت میں تذکرہ ہوا۔ اور ''صاحب المناقب'' ان کا نام محمد الخواجگی الأمکنکی ذکر کیا ہے۔

''**خزینۃ الاصفیاء**، جلد 1، ص 604 میں لکھا ہے کہ: ''مولانا خواجگی امکنگی حضرت خواجہ محمد درویش کے فرزندانِ ارجمند میں سے ہیں۔ اور ان کے حق پسند خلفا میں سے ہیں۔ انھوں نے ظاہری اور باطنی تربیت والدِ بزرگوار سے حاصل کی تھی۔ اور سمرقند کے اطرف میں قصبہ ''امـــکـــنک'' میں سکونت اختیار کی تھی۔ صاحبِ ''روضۃ السّلام'' کے مطابق خواجہ امکنکی کی وفات ۱۰۰۸ھ/ 1600ء میں ہوئی۔ اور ان کا مزار ''امکنک'' بستی میں ہے۔ اور ان کی عمر 90 سال ہوئی۔

میرا یہ کہنا ہے کہ حضرت الاستاذ سندھیؒ نے شیخ عبد الباقی اور ان کی سن وفات ۱۰۱۰ھ/ 1602ء کا جو تذکرہ کیا ہے، مجھے ان کی زندگی کے بارے میں کچھ معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ واللہ اعلم۔ (مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی)

مترجم عرض کرتا ہے کہ عبد الباقی حضرت خواجہ باقی باللہ کا نام ہے، جیسا کہ **نُزھۃ الخواطر** میں اس کی تصریح ہے۔ حضرت خواجگی امکنگیؒ کی وفات ۱۰۰۸ھ/ 1600ء میں ہوئی ہے۔ غالباً حضرت سندھیؒ نے جس کتاب سے یہ ۱۰۱۰ھ کا سن لیا ہے، اس کی طباعتی غلطی ہے۔ (آزاد)

123۔ حضرت خواجہ باقی باللہ ۵/ ذوالحجہ ۹۷۱ھ/ 15/ جولائی 1564ء کو کابل میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کا نام محمد رضی الدین تھا، لیکن زیادہ تر باقی باللہ یا محمد باقی باللہ یا عبد الباقی کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپؒ کے والد قاضی عبد السلام اہلِ علم میں سے تھے۔ ابتدائی تعلیم آپؒ نے اپنے والدِ گرامی سے حاصل کی۔ اس کے بعد انھوں نے ملا صادق حلوائی سے تعلیم حاصل کی۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد تصوف اور سلوک کے حصول کے لیے مختلف مشائخ سے تعلق قائم کیا۔ پھر دہلی میں شیخ قطبِ عالم بن شیخ عبد العزیز موّاج کی خدمت میں رہ کر یادِ حق میں مشغول رہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''انفاس العارفین'' میں لکھتے ہیں کہ ''ایک رات شیخ قطب العالم پر منکشف ہوا کہ حضرت خواجہ (باقی باللہ) کا حصہ بخارا میں ہے۔ وہ اسی وقت باہر آئے اور حضرت خواجہ سے کہا کہ آپ کو مشائخ بخارا بلاتے ہیں، روانہ ہو جایئے۔ اس وقت خرقہ موجود نہ تھا، فقط ایک ازار تھی۔ شیخ نے وہ عنایت کی۔ حضرت خواجہ نے اسی کو بطور دستار کے لپیٹا اور بخارا روانہ ہو گئے۔'' سمرقند کے مضافات میں امکنہ میں حضرت مولانا خواجگی امکنگی کی خدمت میں پہنچے۔ انھوں نے کمال محبت سے آپ کو نقشبندی سلسلے میں تعلیم

دی، خلافت عطا کی اور ہندوستان واپسی کا حکم دیا۔ وہاں سے روانہ ہوکر حضرت خواجہ باقی باللہ غالبًا 1597ء میں لاہور آئے اور پھر لاہور سے دہلی آئے۔ کچھ عرصے بعد حضرت مجدد الف ثانیؒ نے دہلی میں ۱۰۰۵ھ/ 24 /جولائی 1599ء کو آپ سے بیعت کی۔ نیز حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ بھی آپؒ کے حلقہ عقیدت میں شامل ہوئے۔ دہلی میں آپؒ کا قیام تین چار سال سے زیادہ نہیں رہا۔ چناں چہ ۱۴/ جمادی الاخریٰ ۱۰۱۲ھ/ 19 /نومبر 1603ء بروز بدھ کو آپؒ کا وصال دہلی میں ہوا۔ وہاں آپؒ کا مزار مرجع عام و خاص ہے۔

(رودِ کوثر، از شیخ محمد اکرام، تذکرہ خواجہ محمد باقی باللہ، ص: 190، طبع: ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔ ونزہۃ الخواطر۔ ص: 214۔ ج: 5)

124۔ شیخ الاجل، امام العارف، بحرالحقائق والمعارف، شیخ الاسلام والمسلمین، شیخ احمد بن عبدالاحد بن زین العابدین سرہندی، مجدد الف ثانیؒ: ان کی پیدائش سرہند میں شوال/۹۷۱ھ/ 1564ء میں ہوئی۔ انھوں نے زیادہ تر علوم اور طریقۂ چشتیہ اپنے والدِ گرامی شیخ عبدالاحد سے حاصل کیا۔ بعض علومِ عقلی شیخ کمال الدین کشمیری سے حاصل کیے۔ حدیث کی سند شیخ یعقوب بن حسن صیر فی کشمیریؒ سے حاصل کیے۔ وہ 17 سال کی عمر میں تمام علومِ ظاہری سے فراغت کے بعد تصنیف و تدریس میں مشغول ہوگئے۔ اسی زمانے میں آپؒ نے ایک رسالہ "رسالة في إثبات النبوّة" تحریر کیا، جس پر علما نے ان کی بڑی تعریف کی۔ اس کے بعد ان کے والدِ گرامیؒ نے ان کو اپنا خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔

۱۰۰۷ھ/ 1598ء میں جب ان کے والدِ گرامی کا انتقال ہوگیا، تو انھوں نے حج کے ارادے سے دہلی کا سفر کیا۔ وہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق سے آپؒ کو شیخ الاجل شیخ رضی الدین عبدالباقی (خواجہ باقی باللہ) نقش بندیؒ متوفی ۱۰۱۲ھ/ 1603ء کی صحبت حاصل ہوئی۔ انھوں نے ان سے طریقۂ نقشبندیہ اخذ کیا۔ پھر اس میں اتنے مشغول ہوئے کہ بہ تدریج ترقی کرتے ہوئے مقامِ قطبیت اور فردیت پر فائز ہوگئے۔ یہاں تک کہ ان کو ان کے شیخ نے مرتبۂ تکمیل وترقی کے اعلیٰ مدارجِ قرب تک پہنچنے کی خوش خبری دی۔ اپنی خلافت اور جانشینی سے مشرف فرمایا۔ وہ سرہند واپس تشریف لائے۔ مسندِ ارشاد پر تشریف فرما ہوئے۔ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہوگئے۔ وہ فقہ، اصولِ فقہ، علم کلام، تفسیر، حدیث، تصوف وغیرہ کی کتابیں بڑی تحقیق سے پڑھاتے تھے۔

اس عرصے میں ان کی شہرت دور دراز تک پھیل گئی تو حاسدین اور ان کے دشمنوں نے ان کے خلاف سازشیں شروع کردیں۔ بادشاہِ وقت جہانگیر سے شکایات کی گئیں۔ چناں چہ جہانگیر نے ان کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ ان سے سوالات کیے۔ ان کے جوابات سے وہ مطمئن ہوا، لیکن حاسدین نے سلطان جہانگیر کو اس بات کا غصہ دلایا کہ انھوں نے سجدۂ تعظیمی نہیں کیا۔ اس پر جہانگیر نے ان کو "گوالیار" کے قلعے میں قید کردیا۔ شاہ جہاں اور دیگر علما نے کتبِ فقہ لے جا کر ان سے عرض کیا کہ بادشاہوں کو سجدۂ تعظیمی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لیے آپ سلطان سے معذرت کرلیں! لیکن حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا:

"یہ رخصت ہے۔ عزیمت یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ نہ کیا جائے۔"

تین سال تک وہ اس قلعے میں قید رہے۔ اس عرصے میں انھوں نے قرآنِ پاک حفظ کرلیا۔ پھر سلطان جہانگیر

نے قید سے اس شرط پر نکالا کہ وہ ان کے ساتھ لشکر میں رہیں گے۔ جہاں لشکر جائے گا، ساتھ ساتھ رہیں گے۔ اس طرح شیخ نے شاہی لشکر میں آٹھ سال قیام کیا۔ سلطان جہاں گیر کی وفات کے بعد شاہ جہاں نے بادشاہ بن کر ان کو سرہند جانے کی اجازت دی۔

حضرت مجدد الف ثانی سرہند تشریف لائے اور باقی ساری عمر درس و تدریس اور رُشد وارشاد کے پھیلاؤ میں مصروف رہے۔ انھوں نے بہت سی تصنیفات لکھی ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور تین جلدوں میں ان کے "**مکتوبات مجدد الف ثانی**" ہیں، جو علوم وشرائع اور حقائق و معارف سے بھرپور ہیں۔ ان کی زندگی میں ان کے مخالفوں میں سے شیخ محمد صالح اورنگ آبادی، محمد عارف اور عبداللہ سورتی وغیرہ نے ان مکتوبات میں سے کچھ من پسند اقوال جمع کر کے مدینہ منورہ کے ایک مفتی سید محمد برزنجیؒ سے ان کے خلاف کفر کا فتویٰ لیا۔ اگرچہ حرمین شریفین کے محققین علمائے کرام نے اس کی تصدیق نہیں کی، لیکن کفر بازی پر مبنی یہ فتویٰ بہت زیادہ پھیلایا گیا۔ اسی بنا پر عرب کے محققین علما نے ان کے مکتوبات کے صحیح عربی تراجم کیے۔ ان کی عبارات کے صحیح مفہوم سمجھائے۔ ان کے مخالفین میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ بھی ہیں، جنھوں نے ایک رسالہ ان کے خلاف لکھا۔ جس کا جواب حضرت الامام شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور حضرت شیخ غلام علی دہلویؒ وغیرہ علما و مشائخ نے دیا۔ انھوں نے اپنے زمانے کے بعض نام نہاد مشائخ کی طرف سے شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کے "نظریۂ وحدت الوجود" کے غلط استعمال کی وجہ سے جو الحاد و زندقہ پیدا ہو رہا تھا، اس کا جواب دیا۔ "نظریۂ وحدت الشہود" کی اساس پر "وحدت الوجود" کے غلط استعمال کا راستہ روکا۔ چناں چہ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ان دونوں نظریات کی حقیقت و ماہیت اور ان کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے ان نظریات کے غلط استعمال کرنے والوں کا ردّ کیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا انتقال ۲۸/صفر ۱۰۳۴ھ / 1624ء میں سرہند میں ہوا۔ ان کے صاحبزادے حضرت شیخ محمد سعید نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ سرہند شریف میں ہی ان کا مزار ہے۔ (نزهة الخواطر، ج:5،ص: 46)

125۔ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی لکھتے ہیں: "یہ بزرگ وہی ہیں، جو شاہ غلام علی کے نام سے مشہور ہیں۔ پنجاب کے ایک قصبے "بٹالہ" میں ۱۱۵۸ھ (1745ء) میں پیدا ہوئے۔ علم کے حصول کے بعد حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان کی شہادت کے بعد ان کی مسند پر قائم مقام ہوئے۔ لوگوں کا بہت زیادہ آپ کی طرف رجوع ہوا۔ لوگ دور دراز سے سفر کر کے آتے تھے۔ یہاں تک کہ روم، شام، عراق، حجاز، خراسان، ماوراء النہر وغیرہ ممالک سے سفر کر کے آپؒ کی خدمت میں آتے تھے۔ آپؒ کا انتقال صفر ۱۲۴۰ھ (1824ء) میں دہلی میں ہوا۔ (**مناقب السادة النقشبندیه بتغییر یسیر و زیادة**، ص 210)

نُزهة الخواطر میں لکھا ہے: "شیخ غلام علی ۱۲۵۶ھ/ 1743ء میں پنجاب کے شہر بٹالہ میں پیدا ہوئے۔ وہیں نشو و نما پایا۔ اور بہت سے شہروں سے علم حاصل کیا۔ پھر دہلی کا سفر کیا اور صحیح بخاری حضرت شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ العمری الدہلوی سے پڑھی اور ان سے سندِ حدیث حاصل کی۔

(نزهة الخواطر و بهجة المسامع و النواظر، از مولانا عبدالحئی لکھنوی جلد 7،ص 356)

126۔ شیخ پیر محمد بن اولیا جون پوری ثم لکھنویؒ مراد ہیں۔ یہ فضل و کمال میں مشہور مشائخ میں سے ایک ہیں۔ 26

رمضان ۱۰۲۷ھ/ 16 ستمبر 1618ء میں پیدا ہوئے۔ اور دہلی کا سفر کیا۔ اور دہلی میں شیخ عبداللہ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ اور ان سے تمام طُرق میں اجازت حاصل کی۔ ۱۴/ جمادی الاخری ۱۰۸۵ھ / 15 ستمبر 1674ء میں لکھنؤ شہر میں ان کا انتقال ہوا۔ (نزھۃ الخواطر، جلد 05، ص 96)

127۔ شیخ غلام نقشبند لکھنویؒ بڑے اساتذہ میں سے تھے۔ ۱۹/ ذوالحجہ ۱۰۵۱ھ/ 21/ مارچ 1642ء میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے شیخ پیر محمد لکھنوی سے ''شرح چغمینی''، ''قدوری'' اور ''تفسیر بیضاوی'' کا کچھ حصہ پڑھا۔ اور پھر ان کے استاذ میر محمد نے ان کو اپنے شیخ پیر محمد کا سجادہ نشین بنایا۔ چناں چہ وہ ایک مدت تک وہیں مقیم رہے۔ ۱۱۲۷ھ/ 1714ء میں رجب کے آخر (بعض کے مطابق جمادی الاولیٰ) میں شہر لکھنؤ میں ان کا انتقال ہوا۔ اور اپنے پیر شیخ پیر محمد کے قریب دفن ہوئے۔ (نزہۃ الخواطر، ج:6، ص 219 تا 222)

128۔ ملا نظام الدین لکھنوی: یہ استاذ الاساتذہ ہیں۔ اور درسِ نظامی انھی کی طرف منسوب ہے۔ شیخ عبدالعلی بحرالعلوم ان کے بیٹے ہیں۔ نزھۃ الخواطر میں لکھا ہے کہ: ''انھوں نے شیخ غلام نقشبند لکھنوی سے تعلیم حاصل کی۔'' ان کا انتقال ۱۱۶۱ھ/ 1748ء میں ہوا۔

129۔ شیخ عبداللہ لاہوریؒ مدینہ منورہ میں قیام فرما رہے۔ اور وہاں انھوں نے شیخ ابراہیم بن حسن کردی مدنی سے تعلیم حاصل کی۔ ان کا انتقال ۱۰۸۳ھ/ 1672ء میں ہوا۔ (نزھۃ الخواطر، جلد 05، ص 353)

130۔ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ لکھتے ہیں کہ شیخ حافظ محمد صدیق بھر چونڈوی سندھیؒ نے شیخ محمد حسن سندھیؒ (سوئی والا) کی صحبت اختیار کی تھی۔ اور وہ ہمارے شیخ المشائخ سید محمد راشد (پیر جو گوٹھ والے) کے تربیت یافتہ اصحاب میں سے تھے۔ حضرت حافظ صاحب یہ واقعہ سنایا کرتے تھے کہ حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ جب سکھوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تشریف لے گئے تو اس دوران اپنے لشکر کے ساتھ ہمارے پیر و مرشد شیخ محمد حسنؒ کی بستی ''سوئی والا'' میں تشریف لائے۔ حضرت حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک علمی بات میرے شیخ محمد حسن اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے درمیان ہوئی تھی۔ تو حضرت سید احمد شہیدؒ نے مولانا محمد اسماعیل دہلویؒ کو طلب کیا۔ اور وہ لشکر کے اونٹ چرانے کے لیے گئے ہوئے تھے۔ جب وہ تشریف لائے تو ان دونوں حضرات کے درمیان میں کھڑے ہوگئے۔ اور اس مسئلے پر بڑی عمدہ تحقیق پیش فرمائی۔ جس سے ہمارے یہ دونوں بڑے شیخ رحمہما اللہ بہت خوش ہوئے۔ یہ واقعہ میرے شیخ، شیخ ابوالسراج (غلام محمد) دین پوریؒ نے بیان کیا ہے۔ اس واقعے کو ان کے صاحب زادے ڈاکٹر مولانا ظہیر الحسن نے اپنے رسالہ ''راستہ'' میں بھی طبع کرایا ہے۔

131۔ ان سے مراد سید رشید الدین بن سید محمد یٰسین صاحب العلم (پیر جھنڈا) بن سید محمد راشد بانی طریقۂ قادریہ راشدیہ ہیں۔ اور شیخ محدث رُشد اللہ سید رشید الدین کے بیٹے۔ اور یہ وہی بزرگ ہیں، جنھوں نے حضرت الاستاذ المؤلف (مولانا سندھیؒ) کے لیے بہت سی کتابیں جمع کیں۔ اور مدرسہ دارالرشاد کی بنیاد (پیر جھنڈا میں) رکھی۔ (قاسمی)

132. القرآن 10:59.

133۔ ''التمهيد لتعريف ائمّة التجديد'' کا ایک قلمی نسخہ دارالعلوم دیو بند کے کتب خانے میں ہے۔ اس میں اس

سرگزشت کی تکمیل کی مذکورہ تاریخ لکھی ہے۔ دیکھیے عکس قلمی نسخہ "التمھید لتعریف ائمّة التجدید"، ص 88، موجود کتب خانہ دارالعلوم دیوبند، کتاب نمبر 8748۔

134۔ **الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللّٰہ و أسانید وارثی رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ و آلہٖ و سلّم:**
حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اپنے تحریر کردہ اس رسالے کے مقاصد تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
''ایں رسالہ ایست مسمّٰی بہ "**الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللّٰہ و أسانید وارثی رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ و آلہٖ و سلّم**" مؤلف برائے تعریفِ سلاسلِ مشہور کہ ایں فقیر درظاہرِ علم و باطنِ علم بہ آں متمسک شدہ و خود را برطرفے ازاں بستہ، **جعل اللّٰہ تالیفھا خالصاً لوجہ الکریم، و أعاد علیّ و علیٰ النّاس منھا الحظّ الجسیم۔**'' (الانتباہ، ص:2، طبع: مجتبائی، دہلی)
(یہ رسالہ جس کا نام ''**الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللّٰہ و أسانید وارثی رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ و آلہٖ و سلّم**'' ہے، مشہور سلاسل کے تعارف کے لیے لکھا گیا ہے۔ اس فقیر نے علم ظاہری اور علم باطنی انھیں کے ذریعے سے حاصل کیا ہے۔ اور اپنے آپ کو انھیں حضرات کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس تالیف کو خالص اپنی رضا کے لیے قبول فرمائے اور مجھے اور لوگوں کو اس سے کامل حصہ عطا فرمائے۔)
اس رسالے میں ایک مقدمہ اور آٹھ فصلیں ہیں، جن میں تصوف اور طریقت کے تمام سلاسل کے شجرات، معمولات و وظائف اور طریقہ ہائے تربیت کو بیان گیا ہے۔

135۔ **الإرشاد إلیٰ مھمّات علم الأسناد:** یہ بھی حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا علم حدیث کی اسناد پر ایک اہم اور مختصر رسالہ ہے۔ اس میں علم حدیث کی اسانید بیان کی گئی ہیں۔ اس کا آغاز کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:
"**الحمد للّٰہ الّذی خصّ ھذہٖ الأُمّة المرحومة بفضیلة عظیمة، ھی حفظ الأسناد، و أمدّ من شاء منھم بعلوّہٖ و سعة طُرقہٖ، و ما أعظم من إمداد، و الصّلوٰة و السّلام علیٰ سیّدنا المبعوث من اللّٰہ ھادیاً و اماماً، و علیٰ آلہٖ و صحبہٖ و حملة دینہٖ، الحائزین من السّعادة سِھاماً.**
امّا بعد! فیقول خادم حدیث النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ و سلّم، المفتقر إلیٰ رحمة ربّہ الکریم. أحمد المعروف بولی اللّٰہ بن عبدالرّحیم الدّھلوی أحسن اللّٰہ تعالیٰ إلیہ و إلیٰ مشائخہٖ و أبویہ: ھٰذہٖ رسالة مسمّات ب "الإرشاد إلیٰ مھمّات علم الأسناد." ھدانی علیٰ تالیفھا احتیاج أھل العصر إلیٰ متنھا، فإنّ ھٰذا العلم صار فی عصرنا نسیاً منسیّاً، و کاد أھل العصر لجھلھم بفضلہٖ، یتّخذونہ سُخریّاً. رتبتھا علیٰ مقدّمة و فصول...''
(**الإرشاد إلیٰ مھمّات علم الأسناد**، ص: 20، طبع: سجاد پبلشرز، حسین منزل، پیسہ اخبار، لاہور، فروری 1960ء)
یہ رسالہ ایک مقدمہ اور تین فصلوں پر مشتمل ہے، جس میں حضرت شاہ صاحبؒ نے علم حدیث کی کتابوں کی اسانید بیان کی ہیں۔

136۔ ہمیں امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی کتاب "**التّمھید**" کا ایک ابتدائی مسودہ دستیاب ہوا ہے، جس پر کتاب لکھنے کے آغاز کی تاریخ ۸ر شوال ۱۳۴۷ھ/ 1929ء درج ہے۔ اس مسودے میں تاریخ سے متعلق

چند ابتدائی باتیں حضرت سندھیؒ نے تحریر کی ہیں۔اسی مسودے میں تاریخ کے ادوار ومراحل کا تعین کرنے کے لیے حضرت سندھیؒ نے درجِ ذیل اصول اور ضابطہ بیان کیا ہے:

"مبدأ أدوار التّاريخ لايكون إلّا إنقلابًا عموميًّا، يتغيّر به ذهنية عامّة النّاس من الحالة السّيّئة إلىٰ الحالة الحسنة، أو فتنة إرتجاعية يفسد بها النّظام الإرتقائى، فالفتن الّتى حدثت فى الإسلام قبل تمكّن الحكومة فى الهند لانبحث عنها إلّا إجمالاً." (عکس قلمی مسودہ تحریر کردہ: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی،ص 55، بتاریخ: 8/شوال 1347ھ/ 19/ مارچ 1929ء)

(تاریخ کے مختلف ادوار کا آغاز یا تو کسی ایسے عمومی انقلاب سے ہوتا ہے، کہ جس سے (سماجی زندگی میں) بری حالت سے اچھی حالت کی جانب تبدیلی پیدا ہونے پر عام لوگوں کے ذہن وفکر میں تغیر وتبدل ہوجائے۔ یا ایسے رجعت پسند فتنے سے کسی دور کا آغاز ہوتا ہے، جس نے سوسائٹی کے ارتقائی نظام میں فساد برپا کردیا ہو۔ اسلام کی تاریخ میں ایسے فتنے، جو ہندوستان میں (اسلام کی) حکومت قائم ہونے سے پہلے پیدا ہوئے، ان سے ہم صرف اجمالی طور پر بحث اور گفتگو کرتے ہیں۔)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی تاریخ میں جب بھی کوئی مثبت انقلاب اور تبدیلی پیدا ہو یا کوئی منفی تغیر آئے اور اس کے اثرات خاصے عرصے تک انسانی سوسائٹی پر مرتب ہوں تو وہ تاریخ کا ایک دور یا مرحلہ قرار پائے گا۔ حضرت سندھیؒ نے "التّمهيد" کے اس ابتدائی مسودے میں دلیل کے طور پر حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی وہ عبارت پیش کی ہے، جو انھوں نے ایک حدیث کی تشریح میں بیان کی ہے:

قال صلّى اللّٰه عليه وسلّم: "إنّ هذا الأمر بدأ نبوّةً و رحمةً، ثمّ يكون خلافةً و رحمةً ثمّ ملكاً عضوضاً. ثمّ كائن جبريّةً و عتوّاً و فساداً فى الأرض.." (مشكوٰة المصابيح، حديث 5362)

"أقول: فالنّبوّة إنقضت بوفاة النّبىّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم، و الخلافة الّتى لاسيف فيها بمقتل عثمانؓ، و الخلافة (مطلقاً) بشهادة علىّؓ و خلع الحسنؓ، و الملک العضوض مشاجرات بنى اُميّة، و مظالمهم إلىٰ ان استقر أمر معاويةؓ، و الجبرية و العتوّ خلافة بنى عبّاس فإنّهم مهّدوها علىٰ رسوم كسرىٰ و قيصر." (حجة اللّٰه البالغه، باب الفتن، ج:2،ص: 533،طبع: دیوبند)

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اس حکومت کا آغاز نبوت اور رحمت سے ہوا۔ پھر خلافت اور رحمت ہوگی۔ پھر سخت نظم وضبط والی حکمرانی ہوگی۔ پھر ظلم وجبر اور زمین میں فساد ہوگا۔ .."

میں (امام شاہ ولی اللہ دہلوی) کہتا ہوں کہ:

"نبوت" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ختم ہوگئی۔ اور ایسی "خلافتِ (راشدہ)"، جس میں باہمی لڑائی جھگڑا نہیں تھا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت پر ختم ہوگئی۔ اور حضرت علیؓ کی شہادت اور حضرت حسنؓ کی معزولی پر "خلافت"، ختم ہوگئی۔ 'سخت نظم وضبط کی حکمرانی' سے مراد بنواُمیہ کے جھگڑوں اور مظالم کے بعد حضرت معاویہؓ کی مستحکم حکومت قائم ہونے کا زمانہ ہے۔ 'ظلم وجبر کی حکمرانی' سے مراد خلافتِ بنی عباس ہے کہ انھوں نے عام طور پر قیصر وکسریٰ کی رسوم اختیار کرلی تھیں۔)

مسودے کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی تاریخ کے بارہ ادوار متعین کرنے میں حضرت

سندھیؒ نے حدیث کی روشنی میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بیان کردہ مندرجہ بالا اصول کو اپنے پیشِ نظر رکھا ہے۔ یعنی جب بھی کسی اہم واقعے یا تبدیلی کے نتیجے میں سماجی زندگی میں ایسا مثبت یا منفی تغیر پیدا ہوا تو اسی موقع سے ایک نئے دور کا آغاز اور اختتام متعین کیا گیا ہے۔ چوں کہ حضرت سندھیؒ ہندوستان کی تاریخ کے ادوار اور مراحل متعین کر رہے ہیں، اس لیے صرف ہندوستانی سماج میں ہونے والے تغیرات و تبدلات کو انھوں نے اپنے پیشِ نظر رکھا ہے۔

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ "**ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء**" میں "خیر القرون" والی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے "قرن" کی حقیقت اس طرح لکھتے ہیں:

"قرنِ اوّل از زمانِ ہجرتِ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم است تا زمانِ وفاتِ وے صلی اللہ علیہ وسلم۔ وقرنِ ثانی از ابتدائے خلافتِ حضرت صدیق تا وفاتِ حضرت فاروق رضی اللہ عنہما۔ وقرنِ ثالث قرنِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ۔ ودر ہر قرنے قریب بہ دوازدہ سال بودہ۔

قرن در لغت: قوم "**متقارنین فی السّنّ**" بعد ازاں قومے کہ در ریاست وخلافت مقترن باشند، گفتہ شد۔ چوں خلیفہ دیگر باشد، و وزرا حضورِ دیگر، و امرائے دیگر، و رؤسا جیوشِ دیگر، و سپاہیانِ دیگر، و حربیانِ دیگر، و ذمیانِ دیگر، تفاوت قرون با ہم مے رسد۔"

(**إزالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء. المقصد الأوّل، فصل چھارم، أحادیثِ خلافت، مسند عبداللّٰہ بن مسعودؓ، جلد أوّل،** ص: 87-286، طبع قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی)

(ا۔ پہلا قرن (دور) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے زمانے سے شروع ہو کر آپؐ کے وِصال تک ہے۔ (اھ/ 622ء تا ۱۱ھ/ 632ء)

۲۔ دوسرا قرن (دور) حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے آغاز سے لے کر حضرت عمر فاروقؓ کی وفات تک ہے۔ (۱۱ھ/ 632ء تا ۲۴ھ/ 643ء)

۳۔ تیسرا قرن (دور) حضرت عثمانؓ کا زمانہ ہے۔ (۲۴ھ/ 643ء تا ۳۵ھ/ 656ء)

ان میں سے ہر ایک "قرن" (دور) تقریباً بارہ سال کا ہوتا ہے۔

"قرن" لغت میں ایسی قوم پر بولا جاتا ہے، جو تاریخی سن کے حساب سے ہم عصر ہو۔ اس کے بعد یہ لفظ ایسی قوم کے لیے استعمال کیا جانے لگا، جو خلافت اور ریاست میں ایک ہی زمانے میں اکٹھے ہوں۔ چناں چہ جب کوئی دوسرا خلیفہ آجائے، نئے لوگ اُس کے وزرا بن جائیں، عوام، فوج کے سپاہی اور سپہ سالارانِ لشکر تبدیل ہو جائیں اور دشمن بھی بدل جائیں تو ایسی صورت میں ایک دور دوسرے دور سے مختلف ہو جاتا ہے۔)

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ہندوستان کی چودہ سو سالہ مسلم تاریخ کے بارہ ادوار اور پانچ اطوار و مراحل مقرر کرنے کے لیے تاریخ کا اسی تناظر میں تجزیہ کیا ہے۔ جب بھی کوئی نیا حکمران آیا، اُس کے نئے وزرا مقرر ہوئے، عوام، فوج کے سپاہی اور سپہ سالار بدل گئے، حتیٰ کہ دشمن بھی بدل گئے تو وہ ایک نیا طور یا تاریخی مرحلہ قرار پاتا ہے۔ پھر اس مرحلے میں ذیلی ادوار کی تقسیم بھی اسی تناظر میں کی گئی ہے۔ (آزاد)

137۔ قریش کے بارہ خلفا کے بارے میں ایک حدیث آتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"**لایزال الإسلام عزیزا إلی إثنی عشر خلیفةً ... کلھم من قریش**"۔ (رواہ مسلم، حدیث نمبر 4708، طبع بیروت) کہ ''اسلام اس وقت تک ہمیشہ غالب رہے گا، جب تک کہ بارہ خلیفہ رہیں گے۔ اور وہ تمام کے تمام قریش سے ہوں گے۔'' اور ایک دوسری روایت میں ہے: "**لایزال ھٰذا الدین عزیزاً منیعًا إلی إثنی عشر خلیفة... کلھم من قریش**'' (رواہ مسلم حدیث نمبر 4710، طبع بیروت) ''ہمیشہ یہ دین زبردست اور غالب رہے گا۔ جب تک بارہ خلفا ہوں گے۔ اور وہ تمام قریش سے ہوں گے۔''

مولانا سندھیؒ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے "**التمھید**" میں دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں: ''ان بارہ خلفا سے مراد درجِ ذیل خلفا ہیں: (1) حضرت ابوبکر صدیقؓ، (2) حضرت عمر فاروقؓ، (3) حضرت عثمان ابن عفانؓ، (4) حضرت علی کرم اللہ وجہہ، (5) حضرت امیر معاویہؓ (حضرت حسنؓ سے صلح کے بعد) (6) عبدالملک ابن مروان اُموی (حضرت عبداللہ ابن زبیر کے بعد)، (7) ولید ابن عبدالملک اُموی، (8) سلیمان ابن عبدالملک اُموی، (9) عمر بن عبدالعزیز اُموی، (10) منصور عباسی، (11) مہدی عباسی، (12) ہارون الرشید عباسی (متوفی 193ھ)۔ ان بارہ خلفا کے زمانے میں اسلام مضبوط اور مستحکم رہا۔ ان کے درمیان کے باقی حکمرانوں اور بعد کے حکمرانوں کے زمانے میں انتشار اور کمزوری رہی۔ ان کا زمانہ تقریباً دوسو سال کا بنتا ہے۔ (التمھید، ص 19-318)

138۔ القرآن: 10:59۔

139۔ منشی ذکاء اللہ نے ''تاریخ ہندوستان'' میں جامع مسجد دہلی کی تعمیر کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''شاہ جہان کے حکم سے ۱۰ر شوال ۱۰۶۰ھ/ 6 ر اکتوبر 1650ء میں معماروں اور سعداللہ خان دیوان (وزیر اعظم) اور فاضل خان خانساماں نے ایک پہاڑی پر ایک مسجدِ عالی کی بنیاد رکھی۔ جو قلعہ (دہلی) کی سمت مغرب میں ہزار گز کے فاصلے پر واقع ہے۔ ہر روز اوّل سے آخر تک اس کو پانچ ہزار سنگ تراش (اور مزدور وغیرہ) .... بناتے رہے۔... اور سعداللہ خان اور خلیل اللہ خان کے اہتمام سے 6 سال میں دس لاکھ روپے کے صَرف (خرچ) سے تمام تیار ہوئی۔''

(تاریخ ہندوستان، جلد نمبر 07، ص 7-406، طبع سنگ میل پبلشرز، لاہور)

140۔ انفاس العارفین، ص 191 (اردو ترجمہ از سید محمد فاروق قادری) طبع مکتبہ الفلاح، دیوبند، انڈیا۔

141۔ القول الجمیل، ص 197 (اردو ترجمہ از پروفیسر محمد سرور) طبع رحیمیہ مطبوعات، لاہور۔

142۔ ایضاً، ص 190۔

143۔ ایضاً، ص 97-196۔

144۔ حضرت سندھیؒ نے اس کتاب میں شیخ محسن یمانیؒ کی کتاب "**الیانع الجنی**" کے بہت سے اقتباسات نقل کیے ہیں۔ اس کا سبب خود حضرت سندھیؒ نے آخر میں بیان کیا ہے کہ "**الیانع الجنی**'' دراصل شیخ عبدالغنی محدث دہلویؒ کے بیان کردہ واقعات کی ترجمانی ہے۔ شیخ محسنؒ کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے اپنے شیخ اور استاذ کے بیان کردہ ان واقعات کو بہترین عربی زبان اور بڑے ادبی انداز میں بیان کردیا ہے۔

شیخ محسن بن یحییٰ بکری تُرہٹی علاقہ ''تُرہٹ'' کے شہر ''پورنیا'' میں پیدا ہوئے۔ اپنے علاقے کے علما سے صرف

ونحو اور ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر کانپور میں شیخ سلام اللہ صدیقیؒ سے دیگر علوم کی تکمیل کے ساتھ بخاری شریف کے ابتدائی حصے کی سماعت کی۔ اس کے بعد علامہ فضل حق خیر آبادیؒ سے علومِ فلسفہ اور منطق حاصل کیے۔ پھر حرمین شریفین کا سفر کیا اور مدینہ منورہ میں شیخ عبدالغنی بن شیخ ابوسعید دہلوی مجددیؒ کی خدمت میں رہ کر صحاح ستہ کی اسانید اور دیگر ولی اللّٰہی علوم و اَفکار حاصل کیے۔ انھوں نے ولی اللّٰہی سلسلے کے علما کی تمام اسانید اور ان حضرات کے حالات وسوانح پر بڑی عمدہ کتاب "**الیانع الجنی من أسانید شیخ عبدالغنی**" لکھی۔ شیخ محسن یمانیؒ کا انتقال ۱۹ رجب ۱۲۸۰ھ/ 31 دسمبر 1863ء کو مدینہ منورہ میں ہوا۔

(دیکھیے! نزھة الخواطر، ازمولانا عبدالحئی لکھنویؒ، جلد نمبر 07، ص 447، طبع لکھنؤ)

145۔ **الیانع الجنی من أسانید شیخ عبدالغنی، مطبوعہ علی ھامش کشف الاستار عن رجال معانی الآثار**، از شیخ محسن بن یحیٰی بکری تُرہٹی یمانی، ص 79، طبع: **دار الاشاعت بدیوبند، الھند**۔

146۔ چناں چہ حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ نے شیخ حسام الدینؒ کو لکھا تھا:

"اپنی ذات سے گزر جانا چاہیے۔ اور دوست میں پیوست ہوجانا چاہیے۔ "ظاہر" سے "باطن" کی طرف سفر کرنا چاہیے۔ اور "باطن" سے "بطن البطون" کی جانب یعنی "مرتبۂ ظلیت" سے "مرتبۂ اصلیت" کے "حقائق" کی جانب پہنچنا چاہیے اور "حقائق" سے "حقیقت الحقائق" میں پیوست ہوجانا چاہیے۔ یہی مطلب ہے اس قول کا کہ: "**الفقر إذا تمّ ھو اللّٰه**" (فقر جب مکمل ہوتا ہے تو وہی اللہ ہے۔) اس کا مطلب یہ نہیں کہ ممکن واجب ہوجاتا ہے اور واجب ممکن ہوجائے۔ جس کسی نے بھی یہ بات کہی ہے، وہ فضول، لغو میں مبتلا اور اہل شرک کی گمراہی اور حلول کے غلط نظریے کو مانتا ہے۔ **أعاذنا اللّٰه من إعتقاد الزّنادقه** (اللہ ہمیں زندیقوں کے عقیدے سے محفوظ رکھے۔) ایسا آدمی تجلی کی حقیقت کو نہیں جانتا۔"

(رسائل (مکتوبات) حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ، مکتوب نمبر 26 بنام شیخ حسام الدین، ص 203 (اردو ترجمہ)، مطبوعہ خانقاہ سراجیہ، کندیاں، ضلع میانوالی)

147۔ شیخ حجۃ اللہ نقشبندؒ نے فرمایا:

"بایزید بسطامیؒ کی بات تو روشنائی سے لکھی گئی ہے، مگر آپ کا یہ نکتۂ معرفت آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔"

انفاس العارفین، ص 156 (اردو ترجمہ از سید محمد فاروق قادری) طبع مکتبہ الفلاح، دیوبند، انڈیا۔

148۔ امام ولی اللہ دہلویؒ نے لکھا ہے کہ:

"حضرت والدِ گرامی کا معمول تھا کہ صبح کو سب سے پہلے تہجد کے نوافل پڑھتے تھے۔ اور پھر ہمیشہ تلاوت میں مشغول رہتے تھے۔ اس کے بعد اپنے دوستوں کے حلقے میں روزانہ قرآن حکیم کے دو تین رکوع کی تلاوت کرتے تھے۔ اور بڑے تدبر کے ساتھ ان کے معانی اور مفاہیم بیان کرتے تھے۔"

(**انفاس العارفین**، ص: 199-189)

149۔ خواجہ حسام الدین دہلویؒ: ان کے والد قاضی نظام الدین بدخشی تھے۔ اکبرِاعظم نے انھیں "قاضی خان" کا لقب دے کر اپنے امرا میں شامل کر لیا تھا۔ ان کا سلسلۂ نسب ایک طرف سے حضرت حسن بصریؒ تک پہنچتا ہے۔ ۹۷۷ھ/ 1569ء میں ان کی ولادت ہوئی۔ انھوں نے ابتدائی عمر سے علوم و معارف حاصل کیے اور

ان میں مہارت حاصل کی۔ والدِ گرامی کے انتقال کے بعد عہدۂ اِمارت ان کو مل گیا تھا۔ ان کی شادی شیخ مبارک ناگوری کی بیٹی اور اکبر کے وزیرِ اعظم ابوالفضل اور فیضی کی بہن سے ہوئی تھی۔ اکبرِ اعظم نے انھیں خانِ خاناں عبدالرحیم بن بیرم خان کے ساتھ دکن کی مہم پر بھیج دیا تھا۔

اسی اثنا میں وہ فقرا سے ملتے رہے۔ اس طرح محبتِ الٰہی کا غلبہ اتنا زیادہ ہوا کہ منصبِ حکومت چھوڑ کر ترکِ دنیا کا فیصلہ کرلیا۔ اکبر بادشاہ سے اجازت طلب کی، لیکن اجازت نہ ملی تو بہ ظاہر دیوانہ بن کر بڑی مشکل سے اجازت حاصل کی۔ وہاں سے سیدھا دہلی پہنچے اور حضرت خواجہ باقی باللہ سے مرید ہوکر تربیت پائی۔ سلوک و تصوف کی منازل طے کیں اور ان کے بلند مرتبہ خلفا میں آپؒ کا شمار ہونے لگا۔ خواجہ باقی باللہ کے صاحبزادے حضرت خواجہ خورد نے آپؒ کو ''افضل و اکمل اصحابِ حضرت خواجۂ ما'' اور ان کا ''جانشین حقیقی'' لکھا ہے۔ حضرت خواجہ حسام الدین دہلویؒ نے اگرچہ بہ ظاہر سلطنت اور اِمارت سے علاحدگی اختیار کر لی تھی، اور حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے مزار کی خدمت اور اپنے شیخ کے سلسلے کے پھیلاؤ میں مصروف رہے تھے، لیکن حکومت وسلطنتِ مغلیہ میں ان کا اثر و رسوخ بدستور تھا۔ چناں چہ سیاسی حوالے سے جہانگیر کے بعد شاہ جہان کی جانشینی کے لیے مسلسل دعا اور ہر طرح کی جدوجہد کرتے رہے۔ اسی طرح آپؒ ہمیشہ محتاجوں اور غریبوں کی حاجت روائی کے لیے مسلسل کوشاں رہتے اور امرا کو اس سلسلے میں سفارش کیا کرتے تھے۔ الغرض! آپؒ طریقت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ حکومت وسلطنت کے سیاسی اور معاشی امور میں مسلسل رہنمائی دیتے اور اپنا خاموش کردار ادا کرتے رہتے تھے۔ حضرت خواجہ حسام الدین دہلویؒ کے تربیت یافتہ اصحاب میں حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے صاحبزادے حضرت خواجہ خوردؒ ہیں۔ اور حضرت خواجہ خوردؒ حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ کے اجل مشائخ میں سے ہیں۔ حضرت سندھیؒ کا اشارہ بھی اسی طرف ہے۔

150۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''انفاس العارفین'' میں لکھتے ہیں:

''اِس فقیر نے بعض دوستوں سے سنا تھا کہ حضرت والا (والدِ گرامی) کا نامِ نامی عالم ملکوت میں ''ابوالفیض'' ہے۔ اس بارے میں مَیں نے آپؒ (والدِ گرامی) سے تنہائی میں پوچھا تو ہنس کر فرمایا: ''ہاں! ایسے ہی ہے۔ اور تمھارا نام عالمِ ملکوت میں ''ابوالفیاض'' ہے۔'' (انفاس العارفین، ص185، اردو ترجمہ، طبع دیوبند)

151۔ انفاس العارفین، ص 191۔

152۔ **الیانع الجنی، علی ھامش کشف الاستار عن رجال معانی الآثار، ص 80۔**

153۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''انفاس العارفین'' میں لکھتے ہیں:

''حضرت شیخ ابوالرضا محمد دہلویؒ نے فرمایا کہ میں نے لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا دیکھا کہ ''**قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم: "حسنات الأبرار سیّاٰت المقرّبین"**'' (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے نزدیک گناہ کا درجہ رکھتی ہیں'')

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ علمائے محدثین نے اس حدیث کو گزشتہ بزرگوں کا قول قرار دیا ہے، مگر حقیقت میں یہ صحیح حدیث ہے۔'' (انفاس العارفین، ص209)

اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں کہ: ''حضرت شیخ ابوالرضا دہلویؒ نے فرمایا:

''صاحبِ تحقیق متکلمین (فلاسفہ) ''حقیقتِ ممکن'' اور ''حقیقتِ واجب'' کے درمیان تباین (فرق کے حوالے) سے ایک ایسا معنی مراد لیتے ہیں، جسے قبول کر لینے سے صوفیا کی تحقیقات پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ اگر اس پر خوب غور کیا جائے تو صوفیائے کرام اور فلاسفہ کے درمیان بہت ہی معمولی اختلاف رہ جاتا ہے۔ قدیم فلاسفہ کے کلام کو صوفیا کے بیان کردہ حقائق پر محمول کرنا ممکن العمل ہے۔''

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کے نزدیک صوفیا کے علوم جمع و فرق کی باریکیوں پر مشتمل ہیں۔ اور متکلمین فلاسفہ کے علوم کا موضوع محض فرق پر اکتفا کرنا ہے۔ اس باریک فرق کو ہم اختلاف کا نام نہیں دے سکتے، بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک طبقے نے صرف چند چیزوں پر اکتفا کر لیا ہے۔ اور بعض چیزوں کو اپنے پیش نظر نہیں رکھا۔'' (انفاس العارفین، ص 211)

154۔ **القول الجمیل**، ص 197، (اردو ترجمہ) طبع رحیمیہ مطبوعات، لاہور 2010ء۔

155۔ ایضاً، ص 189۔

156۔ **الیانع الجنی**، ص 80۔

157۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے حرمین کے مشائخ کے تعارف کے لیے ایک رسالہ ''**أنسان العین فی مشائخ الحرمین**'' کے نام سے لکھا ہے، جو ''انفاس العارفین'' کا حصہ ہے۔ ان مشائخ کے حالات کے لیے اسے ملاحظہ کیا جائے۔ (انفاس العارفین، ص 374 تا 403)

158۔ **انفاس العارفین، الجزء اللطیف بترجمة عبدالضعیف**، ص 204، طبع مجتبائی، دہلی، 1335ھ۔

159۔ چناں چہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''**تفهیماتِ الٰهیه**'' میں فرماتے ہیں:

''مے گوید فقیر ولی اللہ عفی عنہ ایں کلماتِ چند است کہ اولاد و اَحبابِ خود را باآں وصیت مے کنم .... ما مردم عربیم کہ در دیارِ ہندوستان آبائے ما بغربت افتادہ اند، و عربیتِ نسب و عربیت لسان ہر دو فخر ما است کہ مارا بہ سیدِ اولین و آخرین و افضل انبیاء المرسلین و فخر موجودات **علیه و علیٰ آلهٖ الصّلوات و التّسلیمات** نزدیک مے گردانند۔'' (**الفهیماتِ الإلٰهیه**، تفہیم نمبر 246، جلد 2، ص 296، طبع حیدر آباد، سندھ)

(فقیر ولی اللہ عفی عنہ اپنی اولاد اور دوستوں کے لیے یہ چند کلمات بہ طورِ وصیت کے کہتا ہے۔ ....
ہم عربی لوگ ہیں۔ اور ہمارے آباؤ اَجداد ہندوستان کے شہروں میں اَجنبی حالت میں آئے تھے۔ عربی نسب اور عربی زبان دونوں چیزیں ہمارے لیے فخر کا باعث ہیں۔ کہ اس کے ذریعے سے ہم اپنے آپ کو سید الاولین والآخرین افضل انبیاء المرسلین فخر موجودات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سمجھتے ہیں۔)

160۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ایک رسالہ ''**المقدّمة فی قوانین التّرجمة**'' لکھا ہے۔ جس میں عربی زبان سے دوسری زبان میں ترجمے کے اصول و قوانین مرتب اور مدوّن کیے ہیں۔ یہ رسالہ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کے اردو ترجمے کے ساتھ ''برہان'' کے دو شماروں یعنی اکتوبر، نومبر 1945ء میں چھپا تھا۔ اس کے کئی قلمی نسخے مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہیں۔ ہم نے کتب خانہ دار العلوم ندوۃ العلما لکھنؤ سے اس کے دو مخطوطے حاصل کیے ہیں اور انھیں تحقیق، تخریج اور اُردو ترجمے کے ساتھ کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔ یہ کتاب ''قرآنی ترجمہ نگاری کی اہمیت اور اس کے اصول و قوانین'' کے عنوان سے رحیمیہ مطبوعات

لاہور کی جانب سے شائع ہوچکی ہے۔

161۔ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ "عُجالۂ نافعہ" میں لکھتے ہیں:

''وبرائے فہم معانی اَحادیث و **رفع تعارض من بینها** حضرت والا ماجد قدس سرہٗ قواعدِ عجیبہ وفوائدِ غریبہ تنسیق فرمودہ اند۔'' (احادیث کے معنی سمجھنے اور ان کے تعارض اور اختلافی پہلوؤں کو دور کرنے کے لیے حضرت والا ماجد قدس سرہٗ نے بہت عمدہ قواعد وضوابط اور اچھوتے فوائد بڑی ترتیب سے بیان کیے ہیں۔)

(**عجالۂ نافعہ**، از حضرت الامام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، ص 17، طبع نور محمد کارخانۂ تجارت، آرام باغ، کراچی)

162۔ علم حدیث کی کتاب "**المسوّیٰ**" کے بارے میں شیخ محسن یمانیؒ کی کتاب "**الیانع الجنی**" کی یہ عبارت "**التّمهید**" کے مطبوعہ اور قلمی نسخوں میں علم اصولِ تفسیر کے ذیل میں لکھی گئی ہے۔ جب کہ وہاں پر اس عبارت کا ذکر کرنا علم تفسیر کے سیاق وسباق سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ حال آں کہ اسے علم حدیث کی بحث میں ہونا چاہیے۔ غالباً ایسا سہواً ہوا ہے۔ ہم نے اس کا ترجمہ علم حدیث کی بحث میں کردیا ہے۔ (آزاد)

163۔ استخراج واستنباط کی ان دس قسموں کی تفصیل کے لیے دیکھئے! **حجة اللّٰه البالغه، از امام شاه ولی اللّٰه دهلویؒ، المبحث السّابع، باب کیفیة فهم المراد من الکلام**۔

164۔ **الیانع الجنی، علی هامش کشف الاستار عن رجال معانی الآثار**، تلخیص صفحات 84 تا 89۔

165۔ ایضاً، ص 89۔

166۔ ایضاً، ص 90-91۔

167۔ شیخ ابوالعُلا سے مراد علامہ فضل حق خیرآبادیؒ ہیں۔ یہ "**الیانع الجنی**" کے مصنف شیخ محسن یمانیؒ کے استاذ اور حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے شاگرد ہیں۔ چناں چہ شیخ محسنؒ نے "**الیانع الجنی**" میں ایک جگہ لکھا ہے کہ:

''حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ سے ہمارے استاذ علامہ ابوالعُلا فضل حق عمری خیرآبادیؒ نے تعلیم حاصل کی۔''

(**الیانع الجنی**، ص 75) شہر ''الور'' ہندوستان میں اسی نام کی ایک ریاست کا دارالحکومت رہا ہے۔ مولانا فضل حق خیرآبادیؒ وہاں قیام فرما رہے ہیں۔

168۔ **الیانع الجنی، علی هامش کشف الاستار عن رجال معانی الآثار**، صفحات 92-93۔

169۔ **التفهیمات الالٰهیه**، تفہیم نمبر 14، جلد نمبر 02، ص 19، طبع حیدرآباد، سندھ۔

170۔ **الیانع الجنی، علی هامش کشف الاستار عن رجال معانی الآثار**، ص 91۔

171۔ ایضاً، ص 91۔

172۔ ایضاً، ص 91۔

173۔ ایضاً، ص 91-92۔

174۔ ایضاً، ص 93۔

175۔ ایضاً، ص 93-94۔

176۔ ایضاً، ص 95۔

177۔ اس پر مولانا سندھیؒ نے ''**التّمهید**'' کے حاشیے پر یہ لکھا ہے:

’’شاہ صاحبؒ نے یہ خواب ۲۱؍ ذوالقعدہ ۱۱۴۴ھ/ 17؍مئی 81 سروراجی کو دیکھا۔ جب کہ مسلمانوں کو پانی پت کے میدان میں ۶؍ جمادیٰ الاخریٰ ۱۱۷۴ھ/ جنوری 1761ء/ 7؍جنوری 111 سروراجی کو فتح حاصل ہوئی۔‘‘ (عبیداللہ سندھی)

مولانا سندھیؒ ’’شاہ ولی اللہ اور اُن کی سیاسی تحریک‘‘ میں تحریر فرماتے ہیں:

’’اب ان (شاہ صاحبؒ) کی انقلابی قوتِ علمی اپنے مرتبۂ کمال پر پہنچ گئی۔ جو کچھ انھیں مستقبل میں پیش آنے والا ہے، اُسے انھوں نے خواب میں دیکھ لیا۔ چناں چہ انھوں نے شب جمعہ ۲۱؍ ذی قعدہ ۱۱۴۴ھ/ 1731ء کو مکہ معظّمہ میں ایک الہامی خواب دیکھا۔ اس کا حاصل (خلاصہ) ہم اپنی زبان میں تحریر کرتے ہیں:

(الف) انھیں یقین دلایا گیا کہ وہ ان مفاسد کے علاج میں ایک مستقل ذمہ دار حیثیت کے مالک ہیں، یعنی ان کا انقلابی کمال اپنی مستقل حکومت کا مقتضی ہے۔

(ب) انھیں بتایا گیا کہ پہلا نظام توڑ کر اس کے عوض وہ نیا نظام قائم کرنے کا ذریعہ بنیں گے۔ یعنی وہ ہندوستانی مسلمان کے تمام دینی علوم اور سیاسی واجتماعی تحریکات میں مستقل امام ہوں گے۔

(ج) انھیں سمجھایا گیا کہ ان کی اصلاحات نافذ ہونے کے لیے باہمی لڑائیوں کا طویل سلسلہ پیش آنے والا ہے۔

اس طرح سارے خواب کا حاصل یہ نکلا کہ حکیم الہند مکمل اجتماعی انقلاب کے شروع کرنے والے ہیں۔‘‘

(شاہ ولی اللہ اور اُن کی سیاسی تحریک، از امام عبیداللہ سندھیؒ، ص: 26 تا 30، طبع اوّل، ناشر مطبوعہ کتاب خانہ پنجاب، لاہور، 1942ء)

اس پر مولانا نورالحق علویؒ (تلمیذ امام عبیداللہ سندھیؒ) حاشیے میں لکھتے ہیں:

حضرت مولانا (عبیداللہ سندھی) **عمّ فیضهم** کتاب ”التّمهید“ (حصہ اردو) ص۲۰ میں فرماتے ہیں:

’’استبدادی حکومتوں کا خاصہ ہے کہ حکمران کے ماسوا کوئی شخص سیاسیات پر رائے زنی نہیں کرسکتا۔ اس لیے حکمائے اسلام کا ایک طبقہ، جو شعر و شاعری کا مذاق رکھتا ہے، اپنی منظوم تصانیف میں قصص و حکایات یا مدائح و نصائح کی صورت میں اپنی رائے ظاہر کرتا ہے۔ اور جنھیں اس طرح اظہارِ خیالات کا موقع نہیں ملتا، ان کے افکارِ صادقہ کا سلسلہ واقعاتِ مستقبلہ کی صورت اختیار کر کے خواب میں نظر آتا ہے۔ ان کے معتقد اس بشارت کو سنتے ہیں۔ اور اس کی تعبیر میں غور کرتے ہیں اور حقیقتِ واقعہ عریاں ہو کر نظر آنے لگتی ہے۔

شاہ صاحبؒ نے اپنا انقلابی نظریہ حجاز میں مکمل کر لیا تھا۔ جسے آپؒ نے ’’**فیوض الحرمین**‘‘ میں ایک خواب کی شکل میں لکھا ہے۔ .....

اس خواب کی تعبیر میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرہٹوں کی بڑھی ہوئی قوت کی شکست کا اشارہ ہے اور شاہ ولی اللہ ایک طرح پر اس کے سرانجام دینے کا واسطہ ہیں۔ اجمیر کا ذکر اس لیے آتا ہے کہ دہلی کا روحانی مرکز اجمیر تھا۔ خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ اجمیر میں تشریف لائے اور یہیں سے اشاعتِ اسلام کا کام شروع کیا، جس کے نتیجے میں دہلی فتح ہوا۔

اس خواب کے دو سال بعد ۱۱۴۶ھ/ 1734ء میں (مرہٹہ سردار) باجی راؤ شمالی ہند پر حملہ آور ہوا۔ ادھر

۱۱۵۲ھ/ 1739ء میں نادر شاہ کی یلغار سے تمام سابقہ انتظامات کمزور ہونا شروع ہوئے۔ نادر شاہ کے بعد احمد شاہ ابدالی نے اس سلسلے کو جاری رکھا، جس میں مسلمانوں کی خانہ جنگی اوران کے نظامِ سلطنت کی بوسیدگی ظاہر کرنے کے ماسوا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا، مگر اسی احمد شاہ نے ۱۹/ ذوالقعدہ ۱۱۷۴ھ/ جنوری 1761ء میں پانی پت پر مرہٹوں کا خاتمہ کر دیا۔...

اس واقعے کے قاعدے "فکّ کلّ نظام" کو شاہ ولی اللہ نے اپنے انقلابی نظریے کا عنوان قرار دیا۔ اور تفسیر وحدیث وفقہ وتصوف کی تمام کتابوں میں جو پچاس کے قریب ہیں، مناسب مواقع پر اجتماع کے فساد کی تفصیل اور انقلاب کی ضرورت پر کافی بسط سے بحث کی ہے۔ محمد نورالحق علوی۔"

(حاشیہ "شاہ ولی اللہ اور اُن کی سیاسی تحریک"، ص: 28)

178۔ **فیوض الحرمین،** ص: 88-89، مطبع احمدی دہلی۔ بمع اردو ترجمہ، ص: 266، 270، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز، کراچی۔

179۔ "خزانۂ عامرہ"، علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کی تصنیف ہے، جس میں انھوں نے فارسی زبان میں ہندوستان کے شعرا کی شاعری اوران کے حالاتِ زندگی کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ (نزھۃ الخواطر، جلد نمبر 6، ص209) یہ کتاب ہمیں نہیں مل سکی، اس لیے اس عبارت کا حوالہ ہمیں دستیاب نہیں ہوا۔

180۔ **الیانع الجنی،** ص 73-74۔

181۔ یہاں پر حضرت سندھیؒ کا درجِ ذیل حاشیہ ہے:

"ہم نے اس سن (۱۱۸۷ھ) کا تعین امالی میں حضرت شاہ عبدالعزیز کے اس قول سے کیا ہے کہ:

" ہفت سال مے گزرد کہ بست وہفتم رجب شبِ معراج علیٰ اکثر روایات فقیر در خواب دید۔... اِلیٰ آخرہٖ" (سات سال گزر گئے کہ ۲۷/ رجب اکثر روایات کے مطابق معراج کی رات کو فقیر نے خواب میں دیکھا۔ اِلیٰ آخرہٖ)

اس لیے کہ یہ امالی شیخ محمد مظہر دہلویؒ (مرزا مظہر جانِ جاناں) کے سوال کے جواب میں امام عبدالعزیز (دہلویؒ) نے لکھوائی تھی جیسا کہ ہمارے شیخ، شیخ الاسلام رشید احمد گنگوہیؒ نے بھی اسے بیان کیا ہے۔ جسے شیخ عاشق الٰہی (میرٹھیؒ) نے "تذکرۃ الرشید" (ج:2، ص: 267، مطبوعہ مکتبہ مدنیہ اُردو بازار، لاہور، ۱۴۰۶ھ) ...... میں ذکر کیا ہے۔ شیخ محمد مظہر کی وفات ۱۲۹۵ھ/ 1878ء میں ہوئی۔ اگر ہم یہ فرض کریں کہ ان کے درمیان ہونے والی خط وکتابت ان کے انتقال سے ایک سال پہلے ہوئی، تو جو تاریخ ہم نے تحریر کی ہے، وہ متعین ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔ (کتبہٗ عبیداللہ سندھی)

182۔ امالی عزیزیہ از حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ: یہ کتاب ہمیں نہیں ملی، البتہ "تذکرۃ الرشید" میں حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا یہ ملفوظ نقل کیا گیا ہے:

"ایک بار شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جناب امیرالمؤمنین علی کرم اللہ وجہہٗ کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ مذاہبِ اربعہ میں (سے) کون (سا) مذہب آپ کے مذہب کے مطابق ہے؟ (انھوں نے) فرمایا: "کوئی بھی نہیں۔" پھر سلاسل اربعہ کو دریافت کیا۔ اس کی بابت بھی وہی جواب ارشاد ہوا کہ: "کوئی بھی

نہیں۔''
جب اس خواب کی خبر مرزا (مظہر) جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کو ہوئی تو آپؒ نے شاہ صاحبؒ سے پوچھ بھیجا کہ یہ خواب ''اضغاث اَحلام'' (پراگندہ خیالات) تو نہیں ہیں؟ اس کے کیا معنی کہ سلاسلِ اربعہ اور مذاہبِ اربعہ میں سے کوئی ایک بھی جنابِ امیر (حضرت علیؓ) کے موافق نہ ہو؟
شاہ صاحبؒ نے جواب لکھا کہ: ''یہ خواب رؤیائے صالحہ ہے اور عدمِ موافقت کا یہ مطلب ہے کہ من کل الوجوہ اور ہر ہر جزئیات میں کوئی سلسلۂ (طریقت) اور کوئی مذہبِ (فقہی) آپؓ کے مذہب کے مطابق نہیں ہے۔ اس لیے کہ ہر ایک مذہب مذاہبِ صحابہؓ کا مجموعہ ہے۔ کوئی مسئلہ حضرت صدیق کے مطابق ہے تو کوئی مسئلہ حضرت علی کے اور کوئی حضرت عبداللہ بن مسعود کے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اور یہی حال سلاسلِ مشائخ کا ہے۔'' (تذکرۃ الرشید، ج:2،ص: 267)
سیّدوں کی جس جماعت کا تذکرہ حضرت شاہ صاحبؒ کے خواب میں آیا ہے، اس سے مراد غالباً ''ساداتِ بارہہ'' ہیں، جنھوں نے مغل حکومت کے زوال میں بڑا کردار ادا کیا۔ (آزاد)

183۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ ''فتاویٰ عزیزیہ'' میں ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:
''در کتبِ معتبرہ اکثر ہمیں روایت اختیار کردہ کہ دارالاسلام دارالحرب مے تواند شد'' .... ''دریں شہر (دہلی) حکم امام المسلمین اصلاً جاری نیست وحکم رؤسائے نصاریٰ بے دغدغہ جاری است۔''
(فقہ کی معتبر کتابوں میں اسی روایت کو اختیار کیا گیا ہے کہ دارالاسلام دارالحرب بن سکتا ہے۔ ...
اس شہر (دہلی) میں مسلمانوں کے حکمران کا حکم بالکل جاری نہیں ہورہا، جب کہ عیسائی حکمرانوں کا حکم بغیر کسی رُکاوٹ کے جاری ہے۔) (فتاویٰ عزیزیہ، جلداول،ص: 16،طبع در مطبع مجتبائی، دہلی، ۱۳۴۱ھ)
ایک اور سوال کے جواب میں شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:
''آں چہ مرقوم شدہ کہ دارالاسلام گاہے دارالحرب نمے شود قولِ مرجوح است و اصح آں است کہ دارالاسلام دارالحرب مے شود.... بریں تقدیر معمولۂ انگریزاں و اشباہِ ایشاں لاشبہ دارالحرب است۔ واللہ اعلم''
(وہ جو ایک قول کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ ''دارالاسلام کبھی دارالحرب نہیں ہوسکتا''، یہ قول مرجوح ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ: ''دارالاسلام دارالحرب ہو جاتا ہے۔ ... ان دلائل کی روشنی میں انگریزوں اور اُن جیسے ظالم حکمرانوں کے زیرِ تسلط ملک بغیر کسی شک وشبہے کے دارالحرب ہے۔''
(فتاویٰ عزیزیہ، جلداول،ص 10-109، طبع در مطبع مجتبائی، دہلی، ۱۳۴۱ھ)

184۔ حضرت سندھیؒ نے حضرت سیّد احمد شہیدؒ کی رائے بریلی سے لکھنؤ اور دہلی آمد کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، غالباً ''حیاتِ طیبہ'' از مرزا حیرت دہلوی کی بنیاد پر لکھا ہے۔ ورنہ ''وقائع سیّد احمد شہیدؒ'' میں حضرت سید صاحبؒ کے ''مخبرِ رازگفتار صداقت شعار'' میاں دین محمدؒ کے مطابق حضرت سیّد صاحبؒ 17، 18 سال کی عمر میں دہلی تشریف لائے۔ جب کہ اُن کی پیدائش ۱۲۰۱ھ کی ہے۔ اس کے مطابق ۱۲۱۸ھ میں حضرت سیّد صاحبؒ کا دہلی آنا ثابت ہوتا ہے۔ چناں چہ ''وقائع سیّد احمد شہیدؒ'' میں تحریر ہے کہ:
''حضرت امیر المؤمنین موصوف جب سترہ اٹھارہ برس کے ہوئے، تب قصبہ رائے بریلی سے واسطے حصولِ علوم

ومعرفتِ الٰہی کے طرف بلدۂ مراد شاہجہان آباد کے روانہ ہوئے۔ تب چندروز میں بعد طے منازل اور مراحل کے بیچ خدمت سراپا برکت امام المحدثین رئیس المفسرین قدوۂ اہل تمیز حضرت مولانا و مرشدنا شاہ عبدالعزیز مرحوم ومغفور کے پہنچ کر ملاقات سے شرف یاب ہوئے۔''

(وقائع سیّد احمد شہید، ص: 11۔عکس قلمی نسخہ۔مطبوعہ: سید احمد شہید اکیڈمی۔لاہور۔ 2007ء)

سیّد صاحب دہلی آتے ہی چندروز کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے بیعت ہوئے۔ چناں چہ ''وقائع'' میں ہے کہ:

''بعد گزرنے چند ایام نیک انجام کے شبِ جمعہ کو اوپر دستِ مبارک قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین مولانا ممدوح پُرفتوح (شاہ عبدالعزیز دہلویؒ) کے شرفِ بیعت سے بیچ خاندانِ ہدایت نشان چشتیہ اور نقشبندیہ اور قادریہ کے مشرف ہوئے۔ اور شب و روز امام المحدثین کے رہنے لگے۔ عنایتِ الٰہی سے چند مدت میں تمام مقاماتِ عام سلوک کے طے فرمائے۔'' (وقائع، ص: 12)

اسی طرح ''وقائع احمدی'' اور ''منظورۃ السّعداء'' ہے، کے مطابق آپؒ نے چندسال دہلی میں گزارے۔ ایک جگہ لکھا ہے: ''سہ چہارسال'، جب کہ صحیح یہ ہے کہ سیّد صاحبؒ تقریباً چھ سال (۱۲۱۸ھ سے ۱۲۲۳ھ تک) حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں دہلی میں قیام پذیر رہے۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ سیّد صاحبؒ دہلی آتے ہی حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے بیعت ہوگئے تھے۔ اس تناظر میں غلام رسول مہر کا یہ لکھنا درست نہیں ہے کہ:

''(سیّد صاحبؒ) پہلے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ پھر ۱۲۲۲ھ میں شاہ صاحبؒ سے بیعت کی۔''

(سیّد احمد شہید، از غلام رسول مہر، ص: 68۔مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور)

اس لیے کہ ''وقائع سیّد احمد شہید'' کے مطابق حضرت سیّد صاحبؒ ۱۲۱۸ھ میں شاہ صاحبؒ کی خدمت میں آتے ہی اُن سے بیعت ہوگئے تھے اور تقریباً چھ سال تک ظاہری علوم کی تعلیم کے ساتھ ساتھ باطنی فیوض اور سلوک کی تربیت کے مراحل بھی طے کیے۔ (آزاد)

185۔ حضرت مولانا عبدالحئی بڈھانویؒ کی وفات کے بارے میں ''وقائع سیّد احمد شہید'' میں لکھا ہے کہ:

''مہینہ رجب کا تھا۔ ان روزوں (دِنوں) مولانا عبدالحئی صاحب بہ سبب مرض بواسیر کے سخت بیمار تھے۔ جو دوا ہوتی تھی، کوئی مفید نہ پڑتی تھی۔ روز بروز بیماری بڑھتی جاتی تھی یہاں تک کہ حالت نزع کی پہنچی۔ کسی وقت آپؒ بے ہوش ہو جاتے اور کسی وقت ہوش میں آتے تھے۔ آپؒ کا یہ حال سن کر حضرت (سیّد احمد شہید) علیہ الرحمۃ تشریف لائے۔ جب مولانا صاحبؒ کو ہوش آیا، حضرتؒ کو دیکھا اور پہچانا۔ حضرتؒ نے پوچھا کہ: ''اس وقت کیا حال ہے؟'' کہا: ''نہایت تکلیف ہے۔ آپ میرے واسطے دعا کریں اور میرے سینے پر اپنا قدم مبارک دھریں کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس مصیبت سے مجھ کو نجات دے۔'' آپؒ نے فرمایا: ''مولانا صاحب! آپؒ کے سینہ میں علم قرآن و حدیث کا ہے۔ یہ اس قابل نہیں کہ میں اس پر اپنا قدم رکھوں۔'' پھر آپؒ نے بسم اللہ کر کے اپنا دستِ مبارک رکھا۔ مولانا صاحبؒ کو قدرے تسکین ہوئی اور کئی بار اللّٰہ رفیق الأعلیٰ، رفیق الأعلیٰ اپنی زبان سے کہا اور یہی کہتے کہتے انتقال فرمایا۔ إنا للّٰہ و إنّا إلیہ

راجعون۔۔۔
اوّل عشرہ ماہ ذی الحجہ (۱۲۴۲ھ/ جولائی 1827ء) کا تھا (کہ مولانا عبدالحئیؒ) حضرتؒ کے لشکر ظفر پیکر میں ہندوستان سے تشریف لائے تھے اور اخیر عشرہ ماہ رجب (۱۲۴۳ھ/فروری 1828ء) میں فوت ہوئے تو کچھ روز کم آٹھ مہینے وہاں زندہ رہے تھے۔''

(وقائع سیّد احمد شہید،ص: 1257 و 1259،عکس قلمی نسخہ،مطبوعہ:سید احمد شہید اکیڈمی لاہور، 2007ء)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا عبدالحئی بڈھانویؒ کا انتقال اخیر رجب ۱۲۴۳ھ/ فروری 1828ء میں ہوا۔ ان کا مزار بٹ خیلہ ضلع مالاکنڈ کے مشہور قبرستان میں ہے۔ راقم سطور نے وہاں حاضری دی ہے۔ مزار پر جو قریب کے زمانے میں کسی نے کتبہ لکھوایا ہے، اس پر تاریخ وفات 1830ء لکھا ہے، جو غلط ہے۔

186۔ حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی شہیدؒ نے سب سے پہلے سلسلۂ قادریہ میں شاہ رحم علی ساڈھوری (مزار پنجلاسہ) سے نسبت و کمالات حاصل کیے۔ اس کے بعد سلسلۂ چشتیہ میں حضرت شاہ عبدالباری قدس سرہٗ سے تکمیل نسبت فرمائی۔ ان کے وصال کے بعد حضرت الامیر الشہید سیّد احمد بریلوی قدس سرہٗ کے دستِ حق پرست پر بیعتِ جہاد فرمائی اور اپنے خلفا بالخصوص حضرت میاں جیونور محمد جھنجھانوی قدس سرہٗ کو بھی از سرِ نو بیعت کرنے کا حکم دیا۔ خود بھی جہاد میں شریک ہوئے اور اپنے خلفا کو بھی شریکِ جہاد فرمایا۔ آپؒ حضرت میاں جیو جھنجھانویؒ کو ساتھ لے کر حضرت سیّد صاحبؒ کے ہمراہ جہاد کے لیے چل دیے۔ بعد میں حضرت میاں جیو جھنجھانوی قدس سرہٗ کو مجاہدین کے مالی تعاون کے لیے واپس بھیج دیا۔ اسی دوران حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی شہیدؒ خود طورو مایار کے اس میدان میں شہید ہوگئے۔

صوبہ خیبر پختونخواہ کے ضلع مردان سے گیارہ کلومیٹر جنوب میں قصبہ ''طورو'' واقع ہے۔ طورو سے ڈیڑھ دو کلومیٹر کے فاصلے پر ''مایار'' کے نام سے ایک گاؤں آباد ہے۔ طورو اور مایار کے درمیان ایک میدان میں ۲۷/ رمضان المبارک ۱۲۴۵ھ/ 23/ مارچ 1830ء کو حضرت سیّد احمد شہیدؒ کی باغی سردار سلطان محمد خان کے ساتھ ایک جنگ ہوئی تھی۔ اس جہاد میں ہمارے چشتیہ اور قادریہ سلسلے کے بزرگ حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی شہید قدس سرہٗ بھی اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ شہید ہوگئے تھے۔ ان کا مزار مبارک ان قصبوں کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ ''وقائع سیّد احمد شہید'' میں لکھا ہے:

''(اس جنگ میں فتح کے بعد) حضرت (سیّد احمد شہیدؒ) نے موضع طورو میں آکر نماز عصر کی پڑھی اور چند لوگ زخمی مقتل سے اٹھا آئے تھے اور نو لاشیں بھی۔ بعد نماز کے آپؒ نے فرمایا کہ زخمیوں کی مرہم پٹی کی تدبیر کی جاوے اور لاشوں کے دفن کرنے کو مولانا محمد اسماعیل صاحب کو فرمایا۔ پھر چند ملکی لوگوں کو لے جاکر مولانا صاحب نے باہر طورو کے مشرق اور شمال کے کونے میں ایک بڑی سی قبر کھدوائی۔۔۔نو صاحبوں کی لاشیں آئی تھیں، وہ یہ تھے: (۱) موضع طورو کے مولوی عبدالرحمٰن صاحب، (۲) اور حاجی عبدالرحیم صاحب پھلے والے کہ سر اُن کا دھڑ سے جدا ہوگیا تھا، (۳) اور سیّد ابو محمد صاحب نصیر آبادی، (۴) اور شیخ عبدالحکیم پھلتی۔۔۔انھیں انھی کپڑوں میں جو پہنے ہوئے تھے بے غسل کے اُسی ایک قبر میں دفن کیا۔۔

قبر میں لاشیں اس ترتیب سے رکھی گئی تھیں کہ سب کے آگے قبلے کی طرف حاجی عبدالرحیم صاحبؒ کی لاش

رکھی۔ اُن کے اَوروں کے پیچھے سیّد ابومحمد صاحبؒ کی، اُن کے پیچھے میر رُستم علی کی، اُن کے پیچھے مولوی عبدالرحمٰن کی اور اُن کے پچھے کریم بخش کی۔ اور اُن کے پیچھے باقی لاشیں آگے پیچھے رکھی گئیں۔ اور سب کے پیچھے شیخ عبدالرحمٰن کی لاش رکھی گئی۔ اور بعد اس کے مولانا (شاہ محمد اسماعیل) صاحبؒ نے فرمایا کہ: ان سب کے چہرے ان کے عماموں کے دامن سے چھپا دو۔ ...پھر کئی آدمی ایک بڑی سی چادر قبر کے منہ پر تان کر کھڑے ہوئے نیچے سے اور سب مٹی دینے لگے اور تختے بنگلے کچھ نہیں رکھے۔ اسی طور صرف مٹی سے توپ دیا۔ بعد اس کے مولانا صاحبؒ اور سب نے مل کر بہت دیر تک ان سب کے لیے دعائے مغفرت کی اور اس وقت جو لوگ شریک دفن میں تھے، اُن شہیدوں کی محبت میں افسوس اور زاری اور تاسف واشک باری کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ یہ لوگ جس مراد کو آئے تھے، اُس مراد کو پہنچے۔ اور ہم لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ ایسی شہادت نصیب کرے۔ پھر وہاں سے ہم سب حضرت (سیّد احمد شہید) علیہ الرحمہ کے پاس آگئے۔''

(وقائع سیّد احمد شہیدؒ،عکس قلمی نسخہ،ص:45-1843،مطبوعہ سیّد احمد شہید اکیڈمی، لاہور)

حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی شہیدؒ اور دیگر شہدا کا یہ مقبرہ ''مزار سنگر بابا'' کے نام سے علاقے بھر میں مشہور ہے۔ پشتو میں سنگر' مورچے کو کہتے ہیں۔ مزار سے تھوڑے فاصلے پر کلپانی نالا بہہ رہا ہے۔

187۔ الیانع الجنی ،علی ہامش کشف الاستار عن رجال معانی الآثار، ص 76،طبع دار الاشاعت بدیوبند، الہند۔

188۔ محبت کے موضوع پر علامہ ابن حزمؒ کی کتاب "**طوق الحمامة فی الاُلفة و الاُلّاف**" بھی ہے۔ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے مجاز مولانا ڈاکٹر محمد افضل نے ابن حزمؒ کی اس کتاب اور حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ کی کتاب "**أسرار المحبّة**" کے تقابلی جائزے پر مبنی ایک مضمون لکھا تھا۔ یہ مضمون "**مَحبّت اور فلسفۂ مَحبّت**؛ علامہ ابن حزمؒ و شاہ رفیع الدین دہلویؒ کی نظر میں'' کے عنوان سے سہ ماہی مجلّہ ''شعور و آگہی'' لاہور کی جلد 3، شمارہ 2 (اپریل تا جون 2011ء) میں طبع ہو چکا ہے۔

189۔ **الیانع الجنی، علی ھامش کشف الاستار عن رجال معانی الآثار**، ص 75۔

190۔ ایضاً۔

191۔ ایضاً۔

192۔ القرآن: 10:59۔

193۔ تفصیلات کے لیے دیکھئے حاشیہ نمبر 184۔

194۔ **آثار الصّنادید**، از سر سید احمد خان، ص: 491، طبع: سینٹرل بک ڈپو، اردو بازار، جامع مسجد دہلی، 1965ء۔

195۔ حضرت سندھیؒ نے یہاں بھی غالباً مرزا حیرت دہلویؒ کی کتاب کی بنیاد پر ۱۲۲۵ھ لکھا ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ سید صاحبؒ ۱۲۲۷ھ/ 1812ء میں نواب امیر الدولہ ولد محمد امیر خان کے لشکر میں عسکری اُمور میں مہارت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ اس لیے کہ ۱۲۲۶ھ میں آپؒ کا رائے بریلی میں ہونا تاریخی دستاویزات سے ثابت ہے۔ جیسا کہ مولانا علی میاںؒ نے ''سیرت سید احمد شہیدؒ'' میں لکھا ہے۔

(سیرت سید احمد شہیدؒ، از غلام رسول مہر، جلد: 1، ص:132، مطبوعہ: لکھنؤ)

196۔ حضرت سندھیؒ نے اس کتاب میں اور ''شاہ ولی اللہؒ اور ان کی سیاسی تحریک'' میں بھی ۱۲۳۱ھ اور 1816ء لکھا

ہے، جو درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ حضرت سید صاحبؒ نواب صاحب کی انگریزوں سے صلح ہونے کے بعد ان کے لشکر سے علاحدہ ہوکر شعبان ۱۲۳۳ھ میں دہلی تشریف لے آئے تھے۔ ان کے آنے کے تھوڑے عرصے بعد دہلی میں طاعون کی وبا پھیلی، جس میں حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ کا ۶/شوال ۱۲۳۳ھ/ 09/ اگست 1818ء میں انتقال ہوا۔ جیسا کہ اس کا تفصیلی واقعہ ''وقائع سید احمد شہیدؒ'' میں ہے۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے! وقائع سید احمد شہیدؒ۔ ص: 81 تا 89)

197۔ امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ اپنی کتاب ''شاہ ولی اللہؒ اور ان کی سیاسی تحریک'' میں لکھتے ہیں کہ:

''امام عبدالعزیز دہلویؒ کے آخری عہد میں ہندوستان کی سیاست میں سخت ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ انھوں نے اپنے بعد کام کرنے کے لیے اپنے لوگوں میں سے کسی میں امامت کی صلاحیت نہیں دیکھی۔ تاکہ کسی کو ڈکٹیٹر بناتے۔ اس لیے دو بورڈ بنا دیے گئے:

(الف) عسکری امور کے لیے سید احمد شہیدؒ امیر اور مولانا عبدالحئی اور مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ مشیر مقرر ہوئے۔ امام عبدالعزیزؒ نے اپنی تمام جماعت کو حکم دیا کہ جس معاملے پر سید احمد (شہیدؒ)، مولانا عبدالحئی، مولانا محمد اسماعیل (شہیدؒ) تینوں جمع ہو جائیں اس کو امام عبدالعزیزؒ کا حکم سمجھنا چاہیے۔

(ب) تنظیمی امور کے لیے مولانا محمد اسحاق (دہلویؒ) امیر اور مولانا محمد یعقوب دہلویؒ (برادر مولانا محمد اسحاق دہلویؒ) مشیر۔ مولانا محمد اسحاق کو ہر معاملے میں اپنے ساتھ شریک رکھ کر شاہ عبدالعزیز (دہلویؒ) نے لوگوں کو سمجھا دیا کہ ان کا حکم میرا حکم ہے۔ امام عبدالعزیز دہلویؒ کا یہ فیصلہ فقط امام ولی اللہؒ کے (البدور البازغہ میں بیان کردہ:) اصول (''**اجتماع عقلاء القوم و مبرزیهم**'' (قوم کے عقل مند اور منتخب لوگوں کے اجتماعی بورڈ/ پارلیمان سے نظام چلایا جائے)[البدور البازغہ، ص: 94] پر ٹھیک اترتا ہے۔

امام عبدالعزیزؒ نے سید احمد شہیدؒ کے بورڈ کو پہلی دفعہ ۱۲۳۱ھ (صحیح یہ ہے: ۱۲۳۳ھ/ 1818ء۔ اس لیے کہ سید صاحبؒ نواب کے لشکر سے اسی سال واپس آئے تھے۔ آزاد) میں بیعتِ طریقت لینے کے لیے اور دوسری دفعہ ۱۲۳۶ھ/ 1821ء میں بیعتِ جہاد لینے کے لیے دورے پر بھیجا۔ اس کے بعد (انھیں) سارے قافلے سمیت حج پر جانے کا حکم دیا، تاکہ ان کی تنظیمی قوت کا تجربہ ہو جائے۔

جب قافلہ حج سے ۱۲۳۹ھ/ 1824ء میں واپس آیا تو امام عبدالعزیزؒ فوت ہو چکے تھے۔ (شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کا انتقال ۷/شوال ۱۲۳۹ھ/ 5/ جون 1824ء کو دہلی میں ہوا، جب کہ سید صاحبؒ حج سے واپس ۲۹/ شعبان ۱۲۳۹ھ کو رائے بریلی پہنچے تھے۔ آزاد) انھوں نے اپنے آخری وقت میں مولانا محمد اسحاق (دہلویؒ) کو مدرسہ سپرد کر کے اپنا قائم مقام بنا دیا تھا۔ **رضی اللّٰہ عنهم و عنّا معهم أجمعین**.'' (شاہ ولی اللہؒ اور ان کی سیاسی تحریک، از مولانا عبیداللہ سندھیؒ، ص: 152-153، مطبوعہ کتاب خانہ پنجاب، لاہور، 1942ء)

198۔ ''**صراطِ مستقیم**'' کی تصنیف وتالیف کا عرصہ حج پر جانے سے پہلے رائے بریلی کے قیام کا ہے۔ سید صاحبؒ ۱۲۳۴ھ میں دہلی سے اپنے آبائی وطن رائے بریلی تشریف لائے تھے۔ مولانا غلام رسول مہر نے لکھا ہے:

''صراطِ مستقیم کی تسوید قیامِ دہلی کے دوران میں شروع ہوئی تھی۔ ... اس کتاب کی تکمیل رائے بریلی پہنچ کر ہوئی۔'' (سید احمد شہیدؒ، از مولانا غلام رسول مہر، ص: 143، طبع: شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور) اندازہ یہ ہے کہ

۱۲۳۵ھ/ 1820ء میں اس کتاب کی تکمیل ہوئی اور مکہ مکرمہ میں حج کے موقع پر ۱۲۳۷ھ/ 1822ء میں مولانا عبدالحئیؒ بڈھانویؒ نے اس کا عربی زبان میں ترجمہ کیا۔ (سید احمد شہیدؒ، ص: 224)

199۔ حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کتاب "**صراطِ مستقیم**" کے دیباچے میں تحریر فرماتے ہیں:

"یہ عاجز (سید احمد شہید کی) اس مجلس عالی میں کلماتِ ہدایت سننے میں کامیاب ہوا تو عام مسلمانوں کی نصیحت اور طالبانِ قربِ الٰہی کی خیرخواہی کا یہ تقاضا ہوا کہ غائبین بھی ان فیوضِ الٰہیہ میں حاضرین کے ساتھ شریک ہوں۔ اس کا طریقہ اس کے علاوہ کوئی نہیں کہ ان بلند پرواز مضامین کو تحریر کے پنجرے میں قید کیا جائے۔ ...

اس کتاب کی اثنائے تحریر میں چند اوراق جناب افادت مآب، قدوۂ فضلائے زمان، زبدۂ علمائے دوران مولانا عبدالحئی ادام اللہ برکاتہ — جو حضرت سید صاحب کی بارگاہِ عالی کے ملازموں کے سلک میں منسلک ہیں — کے لکھے ہوئے ہیں۔......

قارئین کے سمجھانے کی سہولت کے لیے بعض مقامات میں کسی قدر تقدیم وتاخیر اور بعض جگہ چند مقدمات کی تمہید اور تمثیلات بیان کرنے اور سلف کی اصطلاحات سے تطبیق دینے کی ضرورت پڑی۔ خاص **قطب المحققین، فخر العرفاء المكمّلين، أعلمهم بالله،** حضرت شیخ ولی اللہ قدس سرہٗ کی اصطلاح سے مطابق کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوا۔....

اس کتاب کا نام "صراطِ مستقیم" رکھا۔ اور ایک مقدمہ اور چار باب اور ایک خاتمے پر اس کو مرتب کیا گیا۔ بابوں کو فصلوں پر اور فصلوں کو "ہدایات" پر اور ہدایات کو "تمہیدات" اور "افادات" پر تقسیم کیا۔ مبادی کو لفظِ "تمہید" سے اور مقاصد کو لفظِ "افادہ" سے شروع کیا۔"

(دیباچہ صراطِ مستقیم، از سید احمد شہیدؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ، اردو ترجمہ: مولانا محمد اکرم، مطبوعہ: اسلامی اکیڈمی، اردو بازار، لاہور)

200۔ حج کی فرضیت کے حوالے سے اس زمانے میں بعض علما کی جانب سے شکوک وشبہات پیدا کرنے اور شرائط نہ پائے جانے کے سبب حج کی عدم ادائیگی کی باتیں ہو رہی تھیں۔ اس سلسلے میں بعض لوگوں نے فتوے بھی جاری کیے۔ ان کے جواب میں حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ اور حضرت مولانا عبدالحئی بڈھانویؒ نے حج کی فرضیت کے لیے فتویٰ دیا۔ سید صاحبؒ نے یہ دونوں فتاویٰ آخری فیصلے کے لیے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی خدمت میں روانہ کیے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ان پر حتمی فیصلہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

"علومِ دینیہ اور عقلیہ میں اسماعیل اور عبدالحئی کا پایا مجھ سے کم نہیں ہے۔ جن لوگوں نے فریضۂ حج کو ساقط قرار دیا، ان کے سامنے فتاویٰ کی دو چار مشہور کتابوں کے سوا کچھ نہیں۔ ...ان کے لگائے ہوئے حکموں پر عمل پیرا ہونا سراسر گمراہی ہے۔"

اس فتوے کی آمد کے بعد حضرت سید صاحبؒ شوال ۱۲۳۶ھ/ جولائی 1821ء کو اپنے وطن رائے بریلی سے حج کے لیے روانہ ہوئے۔ شعبان ۱۲۳۷ھ/ مئی 1822ء میں مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے اور ذوالحجہ ۱۲۳۷ھ میں آپؒ نے حج کیا۔ مولانا غلام رسول مہرؒ لکھتے ہیں کہ:

"حج کے موقعے پر مولانا عبدالحئی (بڈھانویؒ) نے حرمِ پاک میں مشکوٰۃ شریف اور شاہ محمد اسماعیل (شہیدؒ) نے "**حجّة الله البالغه**" کا درس دینا شروع کر دیا تھا۔ مولانا عبدالحئی نے "صراطِ مستقیم" کا عربی میں ترجمہ

کیا، جس کی نقلیں بعض اصحاب نے لے لیں۔ ۱۲۳۷ھ کے حج میں قاضی (محمد بن علی) شوکانیؒ بھی آئے تھے اور شہر سے باہر ٹھہرے تھے۔ مولانا عبدالحیؒ اور مولانا منصور الرحمٰنؒ نے قاضی صاحبؒ سے ملاقات کی تو انھوں نے "اتحاف" کا ایک ایک نسخہ دونوں کو تحفتاً دیا۔"

(سید احمد شہیدؒ از غلام رسول مہر۔ ص: 224۔ طبع شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور)

201۔ حضرت سید احمد شہیدؒ اُس علاقے کے علما کے نام اپنے ایک مکتوب "مکتوبہ مؤرخہ ۱۹ ربیع الثانی ۱۲۴۵ھ/ستمبر 1829ء" میں لکھتے ہیں:

"دریں ایام چناں مسموع گردید کہ: بعض از مجادلینِ بے انصاف، و مکابرینِ بااعتساف چندے از وساوس فساد انگیز، وشبہات عناد آمیز، بہ نسبت ما فقرائے مہاجرین، وضعفائے مجاہدین برتافتہ۔ در جمہورِ انام از خواص وعوام مثلش ساختہ۔... **معاذ اللّٰہ من ذٰلک**۔....

از جملہ مفتریاتِ آں مفتریاں آں است کہ ایں فقیر را بلکہ زمرۂ مجاہدین را بہ الحاد و زندقہ نسبت مے نمایند۔ یعنی چناں اظہار مے کنند کہ ایں جماعت مسافرین ہیچ مذہب ندارند، و بہ ہیچ مسلک تقید نیستند، بلکہ محض راہِ نفسانیت مے پویند۔ و بہ ہر وجہ لذاتِ جسمانی مے جویند، خواہ موافق کتاب باشد، خواہ مخالف۔ **معاذ اللّٰہ من ذٰلک**۔

پس باید دانست کہ نسبتِ ما مردم بایں امرِ شنیع افترائے است قبیح، و بہتانِ است صریح، ایں فقیر و خاندانِ ایں فقیر در بلادِ ہندوستان گم نام نیست، اُلوف اُلوفِ انام از خواص وعوام، ایں فقیر و اسلافِ ایں فقیر را مے دانند کہ مذہبِ ایں فقیر ابـاً عـن جدٍّ مذہبِ حنفی است، و بالفعل ہم جمیع اقوال و افعال ایں ضعیف برقوانین اصولِ حنفیہ، و آئین قواعدِ ایشاں منطبق است۔ ہم گے ازاں خارج از اصولِ مذکورہ نیست، **إلّا ماشاء اللّٰہ**۔....

آرے در ہر مذہب طریق محققین دیگر مے باشد، وطریقے غیر ایشاں دیگر۔ ترجیح بعضے روایات بربعضے دیگر نظر بہ قوتِ دلیل، توجیہ بعضے عبارات منقول از سلف، وتطبیق مسائل مختلفہ مدوّن در کتب و امثالِ ذالک دائماً از کاروبارِ اہل تدقیق و تحقیق است۔ بہ ایں سبب ایشاں خارج از مذہب نمے تواند شد، بلکہ ایشاں را لُبِّ لبابِ اہل مذہب باید شمرد۔"

(انھیں دنوں میں جیسا کہ سنا گیا ہے کہ عدل و انصاف سے عاری بعض تنگ دل جھگڑالُو لوگ سچائی کا انکار کرنے والے ہم فقرائے مہاجرین اور ضعفائے مجاہدین کے بارے میں فساد انگیز خیالات اور دشمنی کا اظہار کرنے والے شکوک وشبہات عام و خاص لوگوں میں پھیلا رہے ہیں۔... اللہ ان سے پناہ میں رکھے۔.....

ان کی جھوٹی اور گھڑی ہوئی باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس فقیر بلکہ تمام مجاہدین کی جماعت پر الحاد و زندقہ کا الزام لگاتے ہیں۔ وہ یہ پراپیگنڈا کرتے ہیں کہ یہ مسافرین کی جماعت کوئی مذہب نہیں رکھتی۔ یہ کسی مسلک کے پابند نہیں ہیں، بلکہ محض خواہشاتِ نفسانی کے راستے پر چل رہے ہیں۔ ان کا مقصد سوائے جسمانی لذات حاصل کرنے کے اور کچھ نہیں۔ خواہ کوئی بات کتاب اللہ کے موافق ہو یا مخالف۔ اللہ اس سے پناہ میں رکھے۔

جاننا چاہیے کہ ہمارے متعلق اس قسم کا غلط پراپیگنڈا سراسر جھوٹ اور واضح بہتان ہے۔

یہ فقیر اور اس فقیر کا خاندان ہندوستان کے شہروں میں گم نام نہیں ہے۔ ہزار ہا ہزار لوگ عوام وخواص میں سے اس فقیر اور اس کے اسلاف (شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور شاہ عبدالعزیز دہلویؒ) کو جانتے ہیں کہ اس فقیر کا مذہب

باپ دادا سے مذہبِ حنفی چلا آ رہا ہے۔عملی طور پر اس کمزور بندے کے تمام اقوال و افعال، اصولِ احناف کے قوانین اور ان کے قواعد و دستور العمل پر پورا اترتے ہیں۔ وہ کسی بھی طور پر احناف کے اصولِ مذکورہ سے خارج نہیں۔ الا ماشاءاللہ!

البتہ ہر مذہب میں محققین کا طریقہ عام لوگوں سے ہٹ کر ہوتا ہے اور غیر محققین کا طریقہ دوسرا ہوتا ہے۔ چناں چہ ہمیشہ اہل تحقیق و تدقیق کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ دلیل کی قوت کی بنیاد پر بعض روایات کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں۔ سلف سے منقول شدہ بعض عبارات کی دلائل کی بنیاد پر صحیح توجیہ کرتے ہیں۔ کتابوں میں مدوّن شدہ مسائل کے درمیان باہم تطبیق پیدا کرتے ہیں۔ لیکن اس وجہ سے وہ فقہی مذہب کے دائرے سے خارج نہیں ہوجاتے، بلکہ ایسے لوگوں کو تو فقہی مذہب کا لُبِّ لباب اور مغز سمجھا جاتا ہے۔)

(مکاتیب سید احمد شہیدؒ، عکس قلمی نسخہ، ورق 116، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، لاہور، نومبر 1975ء)

202۔ امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ اپنی کتاب ''شاہ ولی اللہؒ اور ان کی سیاسی تحریک'' میں لکھتے ہیں کہ:

''پشاور کے افغان سردار (سلطان محمد خان) نے امیر شہیدؒ سے لڑ کر شکست کھائی۔ اس سے حزبِ ولی اللہ کا ایک صوبے کی حکومت پر قبضہ ہوگیا۔ امام عبد العزیزؒ کے تربیت یافتہ علما حکومت کے مناصب پر مقرر ہوئے۔ چند دنوں میں حزبِ ولی اللہ نے ایسے نمونے کی حکومت قائم کر دی، جس کی نظیر دیکھنے کو نہیں ملتی۔ یہ حکومت بہ آسانی سندھ تک وسیع ہو کر ماورائے سندھ کو انقلاب کا مستقل مرکز بنا دیتی ہے۔

شکست خوردہ افغان خاندان امیر شہیدؒ کے پاس تائب ہو کر آیا اور معافی مانگ کر اس نے ملک واپس لینا چاہا۔ اس پر امیر شہیدؒ راضی ہوگئے۔ اس موقع پر جماعتِ مجاہدین کے خواص وعوام سب متفق الکلمہ تھے کہ یہ فیصلہ غلط ہے۔ مولانا اسماعیلؒ اور ہندوستانی اور افغانی اہل الرائے نے پورا زور صَرف کیا کہ امیر شہیدؒ یہ غلطی نہ کریں، مگر انھوں نے کسی کی نہ مانی۔

اس خاندان نے حکومت واپس لیتے ہی افغانوں کے قومی جذبات کو ابھار کر ایسی سازش کا انتظام کرلیا کہ ہر ہر قریے کے لوگوں نے ایک ہی رات میں انقلابی حکومت کے تمام سرداروں اور سپاہیوں کو تہِ تیغ کر ڈالا۔ کابل کے قیام کے زمانے میں ہم نے اس فتنے کے متعلق کافی معلومات حاصل کر لی ہیں۔ اس کی ابتدا خویشگی کے اس خان سے ہوئی، جس کی لڑکی کا جبراً نکاح ہوا تھا۔ اس میں زیادہ رہنمائی کرنے والا خٹک کا خان تھا، جس سے خویشگی خان نے صلح کر لی تھی۔

امیر شہیدؒ اس واقعے سے (کہ قاضی، مفتی، حاکم، سپاہی، غرض ساری جماعت قتل کر دی گئی) بہت متاثر ہوئے۔ وہ اپنا فوجی مرکز کشمیر میں منتقل کرنا چاہتے تھے۔ بالاکوٹ تو راستے کی ایک منزل تھی۔ سکھوں کے ولی عہد شیر سنگھ نے حملہ کردیا۔ فوج ایسے میدان میں گھر چکی تھی کہ نہ کوئی سردار باقی رہا تھا، نہ سپاہی۔ تحقیق سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ امیر شہیدؒ کا سر کاٹ کر رنجیت سنگھ کو دکھانے کے لیے لاہور لایا گیا۔ بغیر سر کے امیر شہیدؒ کا جنازہ مولانا اسماعیل شہیدؒ کے جنازے کے ساتھ بالاکوٹ میں دفن ہوا ہے۔'' (شاہ ولی اللہؒ اور ان کی سیاسی تحریک، از مولانا عبید اللہ سندھیؒ، ص 169-171، مطبوعہ کتاب خانہ پنجاب، لاہور، 1942ء)

203۔ **عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، ابواب المهدی۔** مصنّفہ: علامہ محمد شمس الحق عظیم آبادی۔

جلد: 07۔ص: 344۔طبع: دارالحدیث، القاہرہ، مصر۔ 2001ء۔

204۔ **حِجَجُ الکِرامہ**، مؤلفہ نواب صدیق حسن قنوجیؒ۔ یہ کتاب ہمیں دستیاب نہیں ہوسکی۔

205۔ یہ رسالہ "**حارق الأشرار**" مؤلفہ شیخ فتح اللہ مرحوم، ایک طویل مخمس پر مشتمل ہے، جس میں 243 بند ہیں۔ حضرت سندھیؒ نے ان میں معرکہ بالاکوٹ سے متعلق چار مخمس نمبرز 228، 229، 231 اور 233 یہاں لکھے ہیں۔ (رسالہ حارق الأشرار، منظومہ: شیخ فتح اللہ، ص: 441-442، شامل **مجموعہ تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان**۔ طبع: دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی)

206۔ **الیانع الجنی، علی ہامش کشف الاستار عن رجال معانی الآثار**۔ ص: 76۔

207۔ حاشیہ از حضرت سندھیؒ: "ابن الہادی سے مراد شیخ ابوالحسن بن عبدالہادی سندھی کبیر ہیں۔ اس لیے کہ وہ رفع یدین کیا کرتے تھے۔ اور اللہ زیادہ جانتا ہے۔ کتبۂ عبیداللہ"

208۔ حاشیہ از حضرت سندھیؒ: "کہا گیا ہے کہ ابن العز سے مراد "**العقیدۃ الطحاویۃ**" کے شارح ہیں۔ اور اللہ زیادہ جانتا ہے۔ عبیداللہ"

209۔ **الیانع الجنی، علی ہامش کشف الاستار عن رجال معانی الآثار**، ص 76۔

210۔ ایضاً، ص 60۔

211۔ **القول الجلی فی ذکر آثار الولی. مؤلفہ**: مولانا محمد عاشق پھلتیؒ، فارسی، ص: 239-240، عکس مطبوعہ شاہ ابوالخیر اکیڈمی، دہلی۔

212۔ **اتحاف النُّبلاء**۔ مصنفہ: نواب صدیق حسن قنوجیؒ۔ ص: 430-431۔ مطبوعہ: نظامی، کانپور۔ ۱۲۸۸ھ۔

213۔ حاشیہ از حضرت سندھی: "جب صدرالحمید (شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) نے ام القریٰ مکہ مکرمہ کی جانب ہجرت کی تو دہلی میں ان کی اتباع کرنے والے اکابرین میں مولانا احمد سعید دہلویؒ، مولانا مملوک علی نانوتوی ثم دہلویؒ، مولانا عبدالغنی (مجددی) دہلویؒ وغیرہ تھے۔ شیخ احمد سعید (مجددی) دہلویؒ جنگِ آزدی 1857ء میں صدرالحمیدؒ کی اتباع کرنے والوں کے ساتھ شریک ہونے کی دعوت دیا کرتے تھے۔ جب کہ سید نذیر حسین (بہاری) ان لوگوں میں سے تھے، جنھوں نے جدوجہدِ آزادی کے اس کام سے علاحدگی اختیار کی۔ اس طرح دو جماعتیں ہوگئیں۔ اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے۔ شیخ احمد سعید (مجددی) ۱۲۱۷ھ / 1802ء میں پیدا ہوئے۔ اور سید نذیر حسین ۱۲۲۰ھ (1805ء) میں پیدا ہوئے۔ کتبۂ عبیداللہ سندھی"

214۔ شیخ محسن یمانیؒ نے "**الیانع الجنی**" میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

"مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ جب لوگ دو فرقوں میں تقسیم ہوگئے تھے، اور وہابی اور قبر پرست جماعتیں وجود میں آ گئی تھیں تو حضرت شاہ مخصوص اللہ دہلویؒ نے ان دونوں جماعتوں سے برأت کا اعلان کیا۔ انھوں نے کسی کی طرف اپنے میلان کا اظہار نہیں کیا۔ ہاں! اُن میں بعض ائمہ فقہا (امام ابوحنیفہؒ) کے ساتھ بڑی شدت کے ساتھ وابستگی پائی جاتی تھی۔ اسی لیے بسا اوقات جھگڑا کرنے والوں سے بحث مباحثے میں ان کو بہت زیادہ غصہ آجاتا تھا۔" (**الیانع الجنی**، ص: 60)

215۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے مجموعہ فتاویٰ "فتاویٰ عزیزی" کے مقدمے میں محمد بیگ مرحوم نے لکھا ہے کہ:

''بعد از ہجرت حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب، مولوی موسیٰ صاحب (متوفی ۱۲/ رجب ۱۲۵۹ھ/ 9/ جون 1843ء) ومولوی مخصوص اللہ صاحب (متوفی ۱۳/ ذوالحجہ ۱۲۷۱ھ/ 27/ اگست 1855ء) فرزندان حضرت شاہ رفیع الدین صاحب بہ مدرسہ شاہ (عبدالعزیز) صاحب بہ درس و تدریس مشغول شدند۔ الحال بجز مولوی معزالدین صاحب از نبیرہ گان حضرت شاہ رفیع الدینؒ دیگرے یافتہ مے شود۔ وحق تعالیٰ درعمرِ وے برکت دہاد۔ محمد بیگ مرحوم ماہ رمضان المبارک/ ۱۳۴۱ھ/ اپریل/ مئی 1923ء۔''

(فتاویٰ عزیزی، مقدمہ، ص: 12، طبع در مطبع مجتبائی، واقع دہلی، رمضان المبارک ۱۳۴۱ھ/ اپریل/ مئی 1923ء)

(حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کی ہندوستان سے مکہ مکرمہ ہجرت کے بعد مولوی موسیٰ صاحب اور مولوی مخصوص اللہ صاحبؒ صاحبزادگان حضرت شاہ رفیع الدین صاحب (دہلویؒ)' مدرسہ شاہ عبدالعزیز صاحب میں درس و تدریس میں مشغول ہوگئے تھے۔ اس وقت حضرت شاہ رفیع الدین (دہلویؒ) کے پوتوں میں سے سوائے مولوی معزالدین صاحبؒ اَور کوئی موجود نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔)

مولوی بشیرالدین احمد ''واقعات دارالحکومت دہلی'' میں لکھتے ہیں:

''مولوی مخصوص اللہ صاحب مولانا شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے فرزندِ رشید ہیں۔ علم وفضل میں گوئے سبقت اقران و امثال سے لے گئے۔ ایک مدتِ دراز تک تدریس وتعلیم میں مصروف رہے۔ علومِ دینی کے مشاغل میں شبانہ روز مصروف رہتے تھے۔ پچیس برس تک مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں روز وعظ قرأتِ کلامِ الٰہی وحدیثِ رسالت پناہی کرتے تھے۔ آخر میں گوشہ نشین ہوگئے اور اولیائے کرام کی سی زندگی بسر کرنے لگے۔ اور بجز عبادتِ الٰہی اور تقویٰ کے اور کچھ کام نہ رہا۔ اور سچ پوچھئے اس سے بڑھ کر ہے بھی کون سا کام۔''

(واقعاتِ دارالحکومت دہلی، از بشیر احمد، حصہ دوم۔ ص: 589,90۔ مطبوعہ: دہلی۔ ۱۳۳۷ھ/ 1919ء)

ان کا مزار مقبرۂ ولی اللّٰہی مہندیان (دہلی) میں ہے۔

(دیکھئے! شاہ ولی اللہؒ اور ان کا خاندان۔ مؤلفہ: حکیم محمود احمد برکاتی۔ ص: 180۔ طبع: لاہور)

216۔ آثار الصّنادید، مؤلفہ: سرسید احمد خان، ص: 540۔

217۔ مولانا سیّد عبدالحیٔ لکھنویؒ نے ''نزهة الخواطر'' میں لکھا ہے:

''توفی سنة ثلاث و أربعين و مائتين و ألف (۱۲۴۳ھ) و له ستّون سنة.'' (جلد: 7، ص: 199)

(اُن کا انتقال ۱۲۴۳ھ میں ہوا اور اُن کی عمر ساٹھ سال تھی۔)

یہی صحیح ہے۔ اس لیے کہ مولانا فضل حق خیرآبادی نے ان کے انتقال کی خبر اپنے ایک خط مکتوبہ ۱۴/ محرم الحرام ۱۲۴۳ھ/ 7/ اگست 1827ء میں شیخ احمد بن محمد یمنی کو دی ہے۔ (دیکھئے! کتاب ''استاذ الکل مولانا مملوک العلی نانوتویؒ''، از نورالحسن راشد کاندھلوی۔ ص: 128-139۔ طبع: کاندھلہ۔ 2009ء)

218۔ اليانع الجنى، على هامش كشف الاستار عن رجال معانى الآثار، ص: 77۔

219۔ ایضاً، ص 67۔

220۔ مولانا سیّد عبدالحیٔ حسنیؒ ''نزهة الخواطر'' میں ان کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

''مات فى غرّة رجب سنة خمسين و عشرين و مائتين و ألف. (۱۲۲۵ھ) ببلده ''پانی پت''.

(ان کا انتقال یکم رجب ۱۲۲۵ھ/ 2/اگست 1810ء میں شہر پانی پت میں ہوا۔)

(نزہۃ الخواطر، جلد: 7۔ص: 129)

221۔ الیانع الجنی، علی ھامش کشف الاستار عن رجال معانی الآثار، ص: 67-68۔

222۔ "نزھۃ الخواطر" میں ہے کہ "ان کی ولادت ۱۱۵۶ھ/ 1743ء میں ہوئی۔" (جلد: 7۔ص: 392)

223۔ ان سے فیض حاصل کرنے والوں میں شیخ ابوسعید دہلویؒ، ان کے بیٹے شیخ احمد سعید دہلویؒ، شیخ رؤف احمد رام پوریؒ، شیخ بشارت اللہ بہرائچیؒ اور سید ابوالقاسم واسطیؒ ہیں۔ (مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی)

224۔ ذیل الرّشحات، از شیخ مراد بن عبداللہ قزانی۔ یہ کتاب ہمیں دستیاب نہیں ہوسکی۔

225۔ الیانع الجنی علی ھامش کشف الاستار عن رجال معانی الآثار، ص 63۔

یہاں پر مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ حاشیے میں لکھتے ہیں کہ:

"شیخ ابوسعیدؒ نے حرمین شریفین کا سفر ۱۲۴۹ھ میں کیا۔ دہلی میں اُن کے قائم مقام اُن کے بڑے صاحبزادے شیخ احمد سعید مجددی ہوئے۔ جب کہ اُن کے دوسرے بیٹے حضرت شاہ عبدالغنی مجددی اپنے والد شیخ ابوسعید کے ساتھ سفر میں تھے۔ وہ جب مکہ مکرمہ پہنچے تو اُن کا استقبال مفتیٔ احناف شیخ عبداللہ سراجؒ، مفتیٔ شافعیہ شیخ عمرؒ، مفتی عبداللہ میرغنی حنفیؒ، اُن کے چچا شیخ یٰسین حنفیؒ اور شیخ محمد عابد سندھیؒ وغیرہ نے کیا۔"

(نزہۃ الخواطر، جلد 7، ص: 14)

226۔ ذیل الرّشحات، از شیخ مراد بن عبداللہ قزانی۔

227۔ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"اس عبارت سے مراد استاذ الاساتذہ مولانا فضل حق خیرآبادیؒ (صحیح: فضل امام خیرآبادیؒ) ہیں، جیسا کہ "نزھۃ الخواطر" میں اس کی تصریح موجود ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ:

"شیخ احمد سعید یکم ربیع الثانی ۱۲۱۷ھ/ 1802ء میں رامپور میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنے والد اور اپنے والد کے ماموں شیخ سراج احمدؒ سے تعلیم حاصل کی۔ بعض درسی کتابیں مفتی شرف الدین سے پڑھیں۔ پھر لکھنؤ آئے اور وہاں بعض کتابیں شیخ محمد اشرف سے پڑھیں اور بعض کتابیں علامہ نورالحق سے پڑھیں۔ پھر انھوں نے دہلی کا سفر کیا اور انھوں شیخ فضل امام خیرآبادیؒ، شیخ رشیدالدین دہلویؒ سے علوم حاصل کیے۔ وہ علوم حاصل کرنے کے زمانے میں شیخ اجل شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم دہلویؒ کے صاحبزادگان شیخ عبدالعزیز دہلویؒ، شیخ رفیع الدینؒ اور شیخ عبدالقادر دہلویؒ کے پاس کبھی مسائل کی تحقیق کے لیے اور کبھی درس سننے کے لیے آیا کرتے تھے۔" (ان کا انتقال ۲/ربیع الاوّل ۱۲۷۷ھ/ 1860ء کو مدینہ منورہ میں ہوا۔ جنت البقیع میں حضرت عثمانؓ کے قریب دفن کیے گئے۔) (نزھۃ الخواطر، ج: 7، ص: 47)

228۔ مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھیؒ نے "تذکرۃ الرشید" میں مولانا صادق الیقین کرسویؒ کے حوالے سے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی یہ روایت نقل کی ہے:

"سمعت الشاہ احمد سعید، یقول: سمعت الشاہ محمد اسحاق، یقول: سمعت الشاہ أھل اللّٰہ دھلوی .... إلیٰ آخرہٖ."

(دیکھیے! تذکرۃ الرشید، جلد: 2،ص: 253، مطبوعہ مکتبہ مدنیہ لاہور، ۱۴۰۶ھ)

اسی طرح شیخ عبدالوہاب بن عبدالستار مکیؒ "**فیض الملک**" میں لکھتے ہیں:

"**فکان (شیخ احمدسعید دھلوی) قد قرأ کتب الحدیث علیٰ الشّیخ إسحاق ابن بنت الشّیخ عبدالعزیز الدّھلویؒ.**" (شیخ احمد سعید دہلویؒ نے حدیث کی کتابیں حضرت شاہ محمد اسحاق نواسہ حضرت شیخ عبدالعزیز دہلویؒ سے بھی پڑھیں۔) (**فیض الملک الوھّاب المتعالی بأبناء أوائل القرن الثالث عشر و التّوالی**۔ تالیف: شیخ عبدالستار بن عبدالوہاب صدیقی ہندی مکیؒ، جلد: 1، ص: 116، مطبوعہ: مکہ مکرمہ)

229۔ یہاں پر ہمارے پیش نظر "**التمھید**" کے مطبوعہ اور قلمی دونوں نسخوں میں یہ عبارت ہے:

"**عبدالرّشید بن إمام عبدالقادر أبنا الشّیخ ولی اللّٰہ الدّھلویؒ.**"

اس عبارت میں غالباً "**عبدالرّشید بن**" کے بعد "**حضرت شاہ احمد سعید دھلوی**" کاتب سے رہ گیا ہے۔ اس لیے کہ ایک تو حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ دوسرے یہ کہ شیخ عبدالرشید مجددیؒ (متوفی ۱۲۸۷ھ/ 1870ء) حضرت شاہ احمد سعید دہلویؒ کے صاحبزادے ہیں۔ ان کے صاحبزادے شاہ محمد معصوم مجددیؒ ہیں، جنھوں نے مکہ معظّمہ میں ۱۳۴۱ھ/ 1923ء میں وفات پائی۔ ان کے بیٹے شیخ ابوالشرف ہیں، جن سے حضرت سندھیؒ کی مکہ مکرمہ میں ملاقات ثابت ہے۔

غالباً "**التّمھید**" کی اس مذکورہ عبارت میں سے "... **ابن شاہ احمدسعید دھلویؒ و امام رفیع الدین دھلویؒ** ..." کی عبارت کاتب سے رہ گئی ہے۔

230۔ حضرت شاہ احمد سعید مجددیؒ نے 1857ء کی جنگِ آزادی میں جہادِ آزادی کے حق میں فتویٰ دیتے ہوئے درجِ ذیل الفاظ پر صاد کیا تھا:

''چوں فرنگیان بر دہلی حملہ آور شدہ اند، و جان و مال مسلماناں در خطر است، لہٰذا بر مسلمانانِ ہند جہاد فرض شدہ۔'' (چوں کہ انگریز دہلی پر حملہ آور ہیں، اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی جان اور مال کو خطرہ درپیش ہے، اس لیے ہندوستان کے مسلمانوں پر جہاد فرض ہے۔)

(مقدمہ رسالہ "**اثبات المولّد و القیام**"۔ از: محمد اقبال مجددی، ص: 5۔ مطبوعہ: استنبول)

1857ء میں انگریزوں کے دِلّی پر تسلط کے بعد حضرت شاہ احمد سعید دہلویؒ کے لیے دہلی میں قیام کرنا مشکل ترین ہوگیا، تو انھوں نے محرم ۱۲۷۴ھ/ اگست، ستمبر 1857ء کو عشا کی نماز کے بعد اپنے اہل وعیال، خلفا اور خانقاہ کے دیگر متعلقین و متوسلین کے ہمراہ حرمین شریفین کے ارادے سے دہلی سے لاہور کا سفر کیا۔ انگریز کی فوج کے ایک رسال دار میجر نور رنگ خان گنڈاپور نے ان کا تعاقب کیا۔ ملاقات پر معلوم ہوا کہ وہ ان کے خلیفہ حضرت خواجہ دوست محمد قندھاریؒ کا مرید ہے۔ اس لیے اس نے ان کو گرفتار کرنے کے بجائے خیریت سے لاہور جانے دیا۔ لاہور آ کر انھوں نے کچھ دن قیام کیا۔

پھر ۱۰/ ربیع الثانی ۱۲۷۴ھ/ 28 نومبر 1857ء کو لاہور سے روانہ ہوکر ڈیرہ اسماعیل خان کے قریب خانقاہ موسیٰ زئی شریف پہنچے۔ تقریباً دو ماہ وہاں قیام کے بعد براستہ ٹھٹھہ، بمبئی شوال ۱۲۷۴ھ/ مئی جون 1858ء میں مکہ مکرمہ پہنچے۔ پھر حج کے بعد مدینہ منورہ میں مستقل قیام پذیر رہے۔

(تفصیلات کے لیے دیکھیے! تذکرہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی، ڈیرہ اسماعیل خان، مؤلفہ: محمد نذیر رانجھا، ص: 109 تا 116، مطبوعہ: جمعیت پبلی کیشنز، لاہور)

231۔ **ذیل الرّشحات۔** تالیف: شیخ مراد بن عبداللہ قزانی۔

232۔ شیخ ارشاد حسین رام پوریؒ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اولاد میں سے ہیں۔ رام پور میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ پھر دہلی کا سفر کیا اور حضرت شیخ احمد سعید دہلویؒ کی صحبت اختیار کی۔ انھیں سے حدیث کی سند اور طریقۂ مجددیہ کی تربیت اور خلافت حاصل کی۔ پھر واپس رام پور جا کر درس وتدریس اور ارشاد وتلقین میں مصروف ہوگئے۔ انھوں نے شیخ نورالحسن بن نواب صدیق حسن قنوجیؒ کے نام اجازتِ حدیث کی تحریر لکھ کر دی تھی، جس کا حوالہ دیا گیا ہے۔

ان کا انتقال پیر کے دن ۱۵/ جمادی الاخریٰ ۱۳۱۱ھ/ 25 دسمبر 1893ء کو ہوا۔

(دیکھیے! **نزھة الخواطر**، جلد:8، ص: 57، طبع: لکھنؤ)

233۔ **آثار الصّنادید**، مؤلفہ: سرسید احمد خان، ص: 578۔

234۔ روایت شیخ عبدالغنی بن عبدالواحد بڈھانویؒ۔ اس روایت کا حوالہ دریافت نہ ہوسکا۔

235۔ **الیانع الجنی، علی ھامش کشف الاستار عن رجال معانی الآثار**، ص 58۔

236۔ ایضاً۔ ص: 59۔

237۔ ”**براھینِ قاطعہ**“ دراصل حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ کی تصنیف ہے، جو انھوں نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے حکم سے مولانا عبدالسمیع رام پوری کی کتاب ”**انوارِ ساطعہ**“ کے جواب میں لکھی تھی۔ اس کتاب میں سنت و بدعت کی حقیقت بہت عمدہ انداز میں بیان کی گئی ہے۔ اس کتاب کو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے مکمل طور پر پڑھا تھا۔ انھوں نے اس کتاب پر تقریظ لکھ کر اس کے لفظ لفظ کی تائید و تصدیق کی تھی۔ حضرت سندھیؒ نے اسی وجہ سے اس کتاب کو حضرت گنگوہیؒ کی تصنیفات میں شمار کیا ہے۔ نیز اس کتاب کی تصدیق حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ نے اپنے ایک خط بنام مولوی نذیر احمد رام پوریؒ میں کی ہے۔ اس کتاب میں سنت وبدعت کی حقیقت کے لیے صفحات 34 تا 51 ملاحظہ فرمائیں۔ اور حضرت گنگوہیؒ کی تقریظ کے لیے صفحہ 274 اور حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کے خط کے لیے صفحہ 275 تا 280 ملاحظہ فرمائیں۔ یہ کتاب پاکستان میں پہلی بار ۲۴/ رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ/ جون 1987ء میں طبع ہوئی۔

(**براھینِ قاطعہ**، از مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی، 1987ء)

238۔ قصیدہ مشتمل بر بعض حالات مدرسہ اسلامیہ دیوبند۔ یہ قصیدہ 92 اشعار پر مشتمل ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے یہ قصیدہ دارالعلوم دیوبند کے ایک اجلاس منعقدہ ۲۰/ صفرالمظفر ۱۳۲۴ھ/ 15 اپریل 1906ء میں پیش فرمایا۔ ”کلیاتِ شیخ الہند“ کے مرتب مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ کے مطابق اس قصیدے نے حاضرین مجلس کو مضطر اور بے قرار بنا دیا۔ (کلیاتِ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، مرتبہ: سید اصغر حسین، مطبوعہ: مطبع قاسمیہ، دیوبند، ۱۳۴۰ھ۔ طبع ثانی: مجلس یادگار شیخ الاسلام پاکستان، کراچی۔ ص: 67-71۔ اشاعت: 1996ء)

239۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ”**حجّة اللّٰه البالغه**“ میں ”**مفھّمون**“ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ جن کی ملکیت اور بہیمیت میں کش مکش کے بجائے باہمی مصالحت پائی جاتی ہے۔ ان کی ملکیت انتہائی بلند ہوتی ہے۔ اُن میں ملاءِ اعلیٰ کی جانب سے نازل ہونے والے داعیۂ حقانیہ کی بنیاد پر یہ طاقت وقوت پیدا ہوتی ہے کہ وہ عدل و انصاف اور بہترین نظام کے قیام کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ان پر ملاءِ اعلیٰ کی جانب سے اس حوالے سے بہترین علوم اور الٰہی احوال مترشح ہوتے ہیں۔''

(دیکھیے! **حجة الله البالغه**، جلد: 1۔ص: 84۔طبع بیروت)

240۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''**القول الجميل**'' میں ''نسبتِ اہل بیت'' کے متعلق فرماتے ہیں:

''دوسری نسبت ''نفس شکنی'' یعنی نفس کی خواہشات کو ختم کرنے اور اس کی لذتوں سے مکمل برأت ظاہر کرنے کی ہے۔ میرے والدِ بزرگوار اس ''نسبت'' کو ''نسبتِ اہل بیت'' کا نام دیا کرتے تھے۔''

(القول الجمیل فی بیان سواء السّبیل، اردو ترجمہ، ص: 134، طبع رحیمیہ مطبوعات، لاہور، 2014ء)

241۔ حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کے مزاجوں کا یہ فرق ''ارواحِ ثلاثہ'' میں بھی بیان کیا گیا ہے:

''مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے پاس کوئی بیٹھا ہوا ہوتا تو (آپ نمازِ) اشراق اور چاشت بھی قضا کر دیتے تھے۔ ...آپؒ کے پاس جب تک کوئی بیٹھا رہتا، برابر اس کے ساتھ بات چیت کرتے اور بولتے رہتے۔

مولانا رشید احمد صاحبؒ کی اَور شان تھی۔کوئی بیٹھا ہو، جب وقت اشراق یا چاشت کا آیا، وضو کرکے وہیں نماز پڑھنے کھڑے ہوگئے۔ یہ بھی نہیں کہ کچھ کہہ کر اٹھیں کہ میں نماز پڑھ لوں یا اٹھنے کی اجازت لیں۔ جہاں کھانے کا وقت آیا، لکڑی لی اور چل دیے۔ چاہے کوئی نواب ہی کا بچہ بیٹھا ہو۔ وہاں یہ شان تھی، جیسے بادشاہوں کی شان۔ایک تو بات ہی بہت کم کرتے تھے اور اگر کچھ مختصر سی بات کہی تو جلدی سے ختم کر کے تسبیح لے کر ذکر میں مشغول ہوگئے۔کسی نے کوئی بات پوچھی تو جواب مختصر دے دیا۔اور اگر نہ پوچھی تو گھنٹوں بیٹھا رہے، انھیں کچھ مطلب نہیں۔''....

(ایک دفعہ) مولانا محمد قاسم صاحبؒ، مولانا گنگوہیؒ سے فرمانے لگے کہ:

''ایک بات پر بڑا رشک آتا ہے کہ آپ کی نظر فقہ پر بہت اچھی ہے۔ ہماری نظر ایسی نہیں۔''

(حضرت گنگوہیؒ) بولے کہ: ''جی ہاں! ہمیں کچھ جزئیات یاد ہوگئیں تو آپ کو رَشک ہونے لگا۔ اور آپ مجتہد بنے بیٹھے ہیں، ہم نے کبھی آپ پر رشک نہیں کیا۔''

ایسی ایسی باتیں ہوا کرتی تھیں۔ یہ انھیں اپنے سے بڑا سمجھتے تھے اور وہ انھیں۔'' (ارواحِ ثلاثہ، **قصص الأكابر لحصص الاصاغر**، افادات مرتبہ: مولانا اشرف علی تھانویؒ، ص: 71-72۔ ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان)

اکابر کے مزاجوں میں فرق کے حوالے سے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہٗ کے یہاں رحم دِلی اور دل داری کا بہت غلبہ تھا، جب کہ حضرت حافظ ضامن صاحبؒ بہت تیز مزاج تھے۔ اسی طرح حضرت اقدس (مولانا رشید احمد) گنگوہی قدس سرہٗ اور حضرت (اقدس مولانا محمد قاسم) نانوتوی قدس سرہٗ میں طبعی اختلاف تھا کہ حضرت (مولانا محمد قاسم) نانوتویؒ کے یہاں دل داری کا مضمون بہت بڑھا ہوا تھا۔

حضرت تھانویؒ ''**حسن العزيز**'' جلد اول ۴۹۵ میں فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا محمد قاسم (نانوتویؒ) صاحب کے پاس کوئی بیٹھا ہوا ہوتا تو اشراق اور چاشت (کی نماز) بھی قضا کر دیتے تھے۔ جب کہ مولانا رشید احمد (گنگوہی) صاحب کی اور (دوسری) شان تھی۔ کوئی بیٹھا ہو، جب وقتِ اشراق یا چاشت آیا، وضو کرکے نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوگئے۔ جہاں کھانے کا وقت آیا، لکڑی (لاٹھی) لی اور چل دیے۔ چاہے کوئی نواب کا بچہ بھی بیٹھا ہو، وہاں بادشاہوں کی شان تھی۔
حضرت نانوتویؒ کھلم کھلا کسی کو بُرا بھلا نہیں کہتے تھے اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ صاف صاف کہتے تھے۔ لگی لپٹی نہیں رکھتے تھے۔ چاہے کوئی رہے، چاہے کوئی جائے۔''

(حسن العزیز، تالیف: مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ ج:1۔ ص:495۔ مطبوعہ تھانہ بھون)

اس اختلافِ طبائع کا فرق ان حضرات کے خدام میں بھی نمایاں ہے۔ حضرت شیخ الہند (مولانا محمود حسن) رحمۃ اللہ اور حضرت (مولانا سید حسین احمد) مدنی رحمۃ اللہ میں قاسمی رنگ کا غلبہ تھا اور حضرت (مولانا خلیل احمد) سہارن پوری رحمۃ اللہ اور حضرت (مولانا اشرف علی) تھانوی رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے رنگ کا غلبہ تھا۔ اور حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم (رائے پوری) قدس سرہٗ کا تو عجیب معاملہ تھا، رنگِ طبیعت تو قاسمی رنگ کا تھا، لیکن ہیبت کا اثر خدام پر اتنا تھا کہ عملاً گنگوہی طرز کا ظہور رہتا تھا۔''

(ضمیمہ خوانِ خلیل از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، ص: 60-59۔ مطبوعہ سہارن پور)

242۔ دیکھیے ''قصیدۂ مدحیہ در ثنا و منقبت مرشدان والا مقام جناب مولانا محمد قاسم صاحب و حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہما'' یہ قصیدہ 135 اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے آخری اشعار یہ ہیں:

قبر سے اُٹھ کے پکاروں جو رشید و قاسم — بوسہ دیں لب کو مرے مالک و رضواں دونوں
ہادیٔ خلق رہیں ان کے غلام و خدام — اور حسّاد و عدوّ غولِ بیاباں دونوں
ان کے اصحاب رہیں تکیہ زنِ مسندِ دیں — خصم و بدخواہ رہیں خوار و پریشاں دونوں
آل و اتباع ہوں مسعود و سعید و طیب — اور بداندیش و شقی خائب و خزیاں دونوں
اُن کے چہرہ پہ رہے غازۂ امن وایماں — زیب سر اِن کے رہے نکبت و خذلاں دونوں

عاقب ان کے مجنوں کی ہو یاربّ محمود
اور مخالف کو سدا ذلت و خسراں دونوں

(کلیاتِ شیخ الہندؒ۔ مرتبہ: سید اصغر حسین۔ ص: 56-64۔ اشاعت: 1996ء)

243۔ مقدمہ ترجمہ قرآن حکیم، ص: 10، مشمولہ: شیخ الہندؒ کا اصل مقدمہ ترجمہ قرآن حکیم، مرتبہ مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی، ناشر: مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، کاندھلہ ضلع شاملی، جنوری 2016ء۔ نیز ''موضح الفرقان'' ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ بمع تفسیر عثمانی۔ ص: 811۔ مطبوعہ: دارالقرآن، اردو بازار، لاہور۔

244۔ ''جمعیت الانصار'' کی تنظیم سازی کے کیا مقاصد تھے؟ اس حوالے سے ''قواعد و مقاصد جمعیت الانصار'' میں امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

''ابوالحسین عبیداللہ بن الاسلام السندھی مدرسہ عالیہ دیوبند اور جمعیت الانصار کے متعلق معلومات تازہ کرنے کی غرض سے عرض پرداز ہے کہ اہل علم کی نظر میں کوئی تعلیم گاہ اسلامی' دارالعلوم یا مذہبی یونیورسٹی نہیں بن سکتی،

جب تک اس میں آں حضرت ﷺ کی تعلیمات شائع کرنے والے معنوی خلفا تیار کرنے کا پورا تہیہ نہ کر لیا جاوے۔ جن کی تفصیل میں شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ (فیوض الحرمین میں) ارشاد فرماتے ہیں۔

"(ولأصحاب الخلافة الباطنية أعنى) المعتنين بتعليم الشّرائع، والقرآن، والسّنن، والآمرين بالمعروف، والنّاهين عن المنكر، والّذين يحصل بكلامهم نصرة الدّين، إمّا بالمجادلة كالمتكلّمين، أو بالموعظة كخطباء الإسلام، أو بصحبتهم كمشائخ الصّوفيه و الّذين يقيمون الصّلوة، و الحجّ، و الدّين، يدلّون علىٰ طريق اكتساب الإحسان، و المرغّبون فى النّسک، و التّزهّد، والقائمون بهٰذا لأمر، هُم الّذين نُسمّيهم هٰهنا بالخلفاء الباطنيّين".

(فیوض الحرمین، از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، مشہد نمبر 36، ص: 197، طبع: محمد سعید اینڈ سنز، کراچی)

(جو قرآن و سنت اور شریعت کی تعلیم کی طرف متوجہ ہونے والے ہوں۔ بھلائی کا حکم قائم کرنے والے اور برائی کو روکنے والے ہوں، وہ ایسے لوگ ہوں کہ جن کی گفتگو سے دین کا غلبہ ہوتا ہو۔ خواہ مباحثے کے ذریعے، جیسے متکلمین ہیں، یا وعظ و نصیحت کے ذریعے، جیسے خطبائے اسلام ہیں۔ یا ان کی محبت اور توجہ سے دین کا غلبہ ہو، جسے مشائخ صوفیہ جو نماز و حج قائم کرتے ہیں اور احسان کے طریقۂ کار کی رہنمائی کرتے ہیں اور جو زہد و پرہیز گاری میں رغبت رکھتے ہیں۔ جو حضرات ان تمام امور کو سر انجام دیتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں، جنھیں ہم خلفائے باطن کہتے ہیں۔)

("قواعد و مقاصد جمعیت الانصار"، طبع شدہ ماہنامہ القاسم 1913ء، مشمولہ: خطبات و مقالات، مرتبہ: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری، ص: 99، طبع دار التحقیق و الاشاعت، لاہور)

245۔ شیخ عباس بن جعفر مکیؒ مکہ مکرمہ کے بڑے مشائخ میں سے تھے۔ انھوں نے شیخ محمد عابد سندھیؒ سے اجازتِ حدیث حاصل کی تھی۔ ۱۲۸۶ھ/ 1869ء میں وہ بندرگاہ جدہ کے قاضی بنے۔ تین سال تک یہاں خدمات سرانجام دیتے رہے۔ پھر رجب ۱۳۱۰ھ/ 1893ء میں مکہ مکرمہ کے مفتی رہے۔ ان کا انتقال جمعہ کے دن ۱۳ / ربیع الثانی ۱۳۲۰ھ/ 20 / جولائی 1902ء کو ہوا۔ انھوں نے شیخ عبدالستار دہلویؒ کو اجازتِ عامہ عطا کی۔

(فيض الملک الوهّاب المتعالى بأبناء أوائل القرن الثّالث عشر و التّوالى. ج: 1، ص: 774)

246۔ سید محمد علی بن ظاہر وِتری مدنی بغدادیؒ مدینہ منورہ میں ذوالقعدہ ۱۲۶۱ھ/ نومبر 1845ء میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ ابتدائی اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ سے علمِ حدیث حاصل کیا اور ان کی صحبت اختیار کی۔ فقہ اور دیگر علوم مدینہ منورہ کے دیگر مشائخ سے حاصل کیے۔ پھر علوم کے حصول کے لیے مصر، قسطنطنیہ اور مراکش کا سفر کیا۔ پھر مدینہ منورہ آ کر مسجد نبویؐ اور اپنے گھر میں میں تعلیم و تدریس میں مشغول رہے۔ ان کا انتقال جمعہ کی نماز سے پہلے یکم جمادی الاخری ۱۳۲۲ھ/ 13 / اگست 1904ء کو ہوا اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ انھوں نے شیخ عبدالستار دہلویؒ کو اجازتِ عامہ عطا کی۔

(فيض الملک، جلد: 3۔ ص: 1751)

247۔ سید عبدالجلیل بن عبدالسلام برّادہ مدنی اسلمی حنفیؒ ۱۲۴۲ھ/ 1826ء میں پیدا ہوئے۔ وہ مراکش کے مشہور شہر "فاس" کے اہلِ علم و فضل اور اہلِ بیت کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتدائی تربیت مراکش میں حاصل

کی۔ وہ علامہ عبدالمجید منّانی کے خصوصی اصحاب میں سے ہیں۔ انھیں کے ساتھ ۱۲۵۸ھ/ 1842ء میں انھوں نے حج کیا۔ پھر حرمین شریفین کے اساتذہ سے تربیت حاصل کی، جن میں حضرت شیخ عبدالغنی مجددیؒ سے بھی اجازت حاصل کی۔ انھوں نے بھی شیخ عبدالستارؒ کو اِجازتِ عامہ عطا کی تھی۔

ان کا انتقال ۱۳۲۶ھ/ 1908ء میں ہوا۔ (فیض الملک، جلد: 1۔ص:782)

248۔ شیخ نورالحسنین بن مولانا محمد حیدر بن ملا مبین بن ملا محبّ اللہ سہالوی انصاری فرنگی محلیؒ ملا قطب الدین سہالویؒ کی اولاد میں سے ہیں۔ حیدرآباد دکن میں ۲۱ رمضان ۱۲۵۲ھ/ 31 دسمبر 1836ء کو پیدا ہوئے۔ اپنے چچاؤں سے انھوں نے تعلیم حاصل کی۔ نیز اپنے نانا شیخ عبدالحئیؒ لکھنویؒ اور شیخ عبدالحلیم بن امین اللہ لکھنویؒ سے تعلیم حاصل کی۔ ان کو حضرت شیخ محمد عابد سندھیؒ سے بھی اجازت حاصل تھی۔ انھوں نے شیخ عبدالستار دہلویؒ کو اجازتِ عامہ عطا کی تھی۔ ان کا انتقال ستر سال کی عمر کے بعد کسی سن میں ہوا۔

(فیض الملک، ج:3،ص:1939)

249۔ شیخ تاج الدین عبدالستار بن عبدالوہاب ہندیؒ: ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے: شیخ عبدالوہاب بن محمد خدایار بن عظیم حسین یار بن احمد یار مبارک شاہی بکری صدیقی حنفی دہلوی مکیؒ۔ ان کی کنیت ابوالفیض اور ابوالاسعاد ہے۔ ان کے تایا غلام نبی بن محمد خدایار خان ۱۲۴۵ھ/ 1829ء میں دہلی سے مکہ مکرمہ کاروبار کے لیے آ گئے تھے۔ جب کہ ان کے والد ۱۲۴۹ھ/ 1833ء میں حج کے لیے مکہ آئے اور یہیں قیام پذیر ہو گئے۔ ان کے تایا غلام نبی دہلویؒ (۱۲۰۰ھ/ 1786ء - ۱۲۷۴ھ/ 1857ء) نے مکہ مکرمہ میں حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ اور شاہ محمد یعقوب دہلویؒ کی صحبت اختیار کی۔ ان کے لیے ''محلّہ شامیہ'' میں ''رباط'' وقف کیں۔

شیخ عبدالستارؒ کی پیدائش ۲۵ ذوالقعدہ ۱۲۸۶ھ/ 26 فروری 1870ء کو مکہ مکرمہ میں ''محلّہ شامیہ'' میں ہوئی۔ شیخ عبدالستار نے ابتدائی تعلیم مکہ مکرمہ میں اپنے ''محلّہ شامیہ'' میں حاصل کی۔ پھر مدرسہ صولتیہ میں داخل ہو کر وہاں کے علما سے علومِ متداولہ حاصل کیے۔ اور شیخ عباس بن جعفر بن صدیق مکی وغیرہ بڑے مشائخ سے تعلیم حاصل کی۔

وہ عصر کی نماز کے بعد **باب المحکمة الشّرعیه** کے پاس بخاری شریف کا درس دیتے تھے۔ حرم میں بابِ عمرہ کے قریب ''رباطِ داؤدی'' میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے۔

انھوں نے ۱۳۱۳ھ/ 1895ء میں ایک بڑی لائبریری اور مکتبہ قائم کیا تھا۔ اسے وقف کر کے اس کی نگرانی اور نظم ونسق کے لیے شیخ عبدالوہاب بن عبدالجبار دہلویؒ کو مقرر کیا اور تحریر لکھ دی کہ میری وفات کے بعد یہی اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ یہ لائبریری ''**مکتبه فیضیه مکیه مبارک شاهیه بکریه**'' کے نام سے مشہور تھی۔ آج کل اسے ''**مکتبة الحرم المکّی**'' مکہ مکرمہ میں ضم کر دیا گیا ہے۔ یہ لائبریری اس مکتبے کے ایک اہم کولیکشن کے طور پر مشہور و معروف ہے۔ خاص طور پر اس کے وہ مخطوطات بڑی اہمیت کے حامل ہیں، جن کا تعلق مکہ مکرمہ اور حجاز کی تاریخ سے ہے۔

ان کی کئی تصانیف ہیں، جن میں اہم ترین کتاب ''**فیض الملک الوهّاب المتعالی بأبناء الاوائل القرن الثّالث عشر و التّوالی**'' تین جلدوں میں ہے، جسے ڈاکٹر عبدالملک بن عبداللہ بن دہیش نے

2009ء میں دوسری مرتبہ تحقیق کے ساتھ مکہ مکرمہ سے شائع کیا ہے۔
حضرت سندھیؒ نے نہ صرف اِن سے اجازتِ حدیث لی، بلکہ انھیں جن مشائخ سے اجازتِ عامہ حاصل تھی، حضرت سندھیؒ اُس میں بھی داخل ہیں۔
شیخ عبدالستارؒ کا انتقال ۱۳۵۵ھ/ 1936ء میں مکہ مکرمہ میں ہوا۔ (فیض الملک، جلد: 2۔ص: 1206)

250۔ شیخ عبداللہ بن محمد غازی ہندیؒ سے کون سے بزرگ مراد ہیں، اور ان کے حالات کیا ہیں، ہمیں دستیاب نہیں ہوسکے۔

251۔ شیخ ابوالشرف عبدالقادر بن محمد معصوم بن شیخ عبدالرشید بن شیخ احمد سعید بن شیخ ابوسعید مجددیؒ: ان کے والد حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے اپنے والد کے چچا حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ سے تعلیم حاصل کی تھی۔ اپنے دادا شیخ احمد سعید مجددیؒ سے طریقت کا فیض حاصل کیا۔ اپنے والد شیخ عبدالرشید کے انتقال کے بعد انھوں نے ''رامپور'' میں ''خانقاہِ معصومیہ مجددیہ نقشبندیہ'' کی بنیاد رکھی تھی۔ انھوں نے 32 سال تک وہاں قیام فرمایا۔ پھر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ ۱۰ر شعبان ۱۳۴۱ھ/ 28ر مارچ 1923ء کو انتقال فرمایا۔

(نزھۃ الخواطر۔جلد: 8۔ص: 481)

شیخ ابوالشرف عبدالقادرؒ بھی اپنے والد کے ساتھ حرمین شریفین میں قیام فرما رہے۔ حضرت سندھیؒ کی ان سے وہاں پر بھی ملاقات ہوئی۔ اور اجازتِ حدیث حاصل کی۔ ان کے پورے حالات دستیاب نہیں ہوسکے۔

252۔ شیخ عبدالوہاب بن عبدالجبار بن عبدالرحمٰن بن علی جان دہلویؒ دہلی میں ۱۳۱۵ھ/ 1897ء میں پیدا ہوئے۔ پھر دو سال کی عمر میں مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ وہاں مکہ کے مشائخ سے انھوں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ خاص طور پر شیخ عبدالستار بن عبدلوہابؒ ان کے اساتذہ میں سے ہیں۔ ان کو بہت سے اساتذہ سے اجازتِ حدیث حاصل ہے۔

اس خاندان کا بڑا گہرا تعلق حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور حضرت شاہ اسحاق دہلویؒ کی تحریک سے رہا ہے۔ حاجی علی جانؒ دہلی کے مشہور تاجر خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ دہلی کے اس تاجر خاندان کی بڑی شان دار تاریخ ہے۔ جس زمانے میں بینک نہیں ہوتے تھے، لوگ انھیں دہلی میں روپیہ دیتے اور وہ ان کو مکہ معظّمہ میں مل جاتا تھا۔ اس زمانے میں دہلی اور مکہ میں ان کا وسیع کاروبار تھا۔ اس خاندان کا حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے متبعین مجاہدینِ ستھیانہ وغیرہ سے بھی قریبی تعلق رہا تھا۔

حضرت شیخ الہندؒ کی گونر حجاز غالب پاشا سے ملاقات میں بھی ان کے والد حافظ عبدالجبارؒ واسطہ بنے تھے۔ وہ اس کے خاندان میں معمر، سمجھ دار اور امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ نے ''نقش حیات'' میں ان کی تعریف کی ہے۔ حضرت سندھیؒ جب مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو شیخ عبدالوہاب دہلویؒ نے ان کی ہر طرح مدد کی۔ مولانا سندھیؒ کے علمی کاموں میں شیخ عبدالوہاب دہلویؒ برابر شریک ہوتے تھے۔ انہی کے تعاون سے حضرت سندھیؒ نے ''مؤطا'' کی شرح ''مسوّٰی'' دو جلدوں میں مکہ مکرمہ سے شائع کی تھی۔ بعض مشائخ کی سندِ حدیث کی اجازت حضرت سندھیؒ نے اِن سے لی۔ جب کہ انھوں نے بھی حضرت سندھیؒ سے تعلیم حاصل کی اور استفادہ کیا۔ پروفیسر محمد سرور صاحب کے بقول ''میں نے اپنے مکہ کے قیام میں، جو

بہت مختصر تھا، کئی بار شیخ عبدالوہاب دہلویؒ کو حضرت مولانا سندھیؒ سے پڑھتے اور استفادہ کرتے دیکھا ہے۔''
(افادات وملفوظات از حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ مرتبہ: پروفیسر محمد سرور۔ ص: 41-42۔ طبع: لاہور)
ان کے استاذ شیخ عبدالستار بن عبدالوہابؒ نے انھیں اپنے وقف کیے ہوئے کتب خانے کا منتظم اور نگران مقرر کیا تھا۔ شیخ عبدالوہاب دہلویؒ کا انتقال ۱۳۸۱ھ/ 1961ء میں ہوا۔ (فیض الملک، ج: 1، ص: 38)

253۔ شیخ عبدالحئ بن ابن سیدی عبدالکبیر کتانی فاسی مالکیؒ مراکش کے شہر ''فاس'' میں جمعہ کے دن ربیع الاوّل ۱۳۰۳ھ/ 1885ء میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنے والد اور بھائی سے تعلیم حاصل کی۔ پھر ۱۳۲۳ھ / 1905ء میں حج کے لیے حرمین شریفین تشریف لائے۔ پھر دوسرا سفرِ حج آپؒ نے ۱۳۵۱ھ/ 1932ء میں کیا۔ اسی موقعے پر انھوں نے حضرت سندھیؒ کو اجازتِ حدیث دی۔ (فیض الملک، ج: 1، ص: 839)

254۔ ان سے مراد شیخ قلندر بخش حسینی جلال آبادیؒ ہیں۔ آپؒ مظفر نگر کے قریب ایک بستی ''جلال آباد'' میں پیدا ہوئے۔ وہیں پرورش حاصل کی۔ انھوں نے حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ سے علم حاصل کیا اور انھیں سے تفقہ اور دینی سمجھ بوجھ پایا۔ ان سے شیخ امداداللہ تھانویؒ نے تعلیم حاصل کی۔ ان کا انتقال ۱۲۶۰ھ/ 1844ء میں ہوا۔'' (نزهة الخواطر، از مولانا عبدالحئ لکھنویؒ، ج 7، ص 390، طبع لکھنؤ)

255۔ شیخ میانجیو نور محمد علوی جھنجھانویؒ: ان کے والدِ گرامی سید جمال الدین محمد تھے۔ ان کی پیدائش جھنجھانہ میں ۱۲۰۱ھ / 1787ء میں ہوئی۔ حضرت میاں جی صاحبؒ اگرچہ عالم نہ تھے، تاہم دینی معلومات اور فارسی زبان پر عبور حاصل تھا اور کچھ عربی زبان بھی جانتے تھے، البتہ تعلیم کے لیے آپؒ دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپس آ کر تھانہ بھون کے قریب قصبہ لوہاری میں قرآن پاک اور فارسی کی تعلیم دینے لگے۔
اسی دوران انھوں نے حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی شہیدؒ سے سہارن پور میں بیعت کی، انھی سے فیض حاصل کیا اور ان کے خلیفہ ہوئے۔ پھر جب سید احمد شہیدؒ سہارن پور تشریف لائے تو حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی شہیدؒ نے قاضی مغیث الدین سہارن پوریؒ کے ذریعے سے حضرت میاں جیو نور محمد کو جھنجھانہ سے بلوا کر حضرت سید احمد شہیدؒ سے بیعت کروایا۔ تحریکِ جہاد وحریت میں اپنے پیر ومرشد کی طرح حضرت میاں جیو بھی شریک ہوئے۔ رَسد اور فنڈ کا انتظام کرنے کے سلسلے میں آپؒ کو ہندوستان آنا پڑا، اس لیے معرکہ بالاکوٹ میں شریک نہ ہوسکے۔ آپؒ کے اجل خلفا میں حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ ہیں۔
ان کا انتقال ۴/ رمضان المبارک ۱۲۵۹ھ/ 1843ء کو ہوا۔ ان کا مزار جھنجھانہ میں ہے۔
(میانجیو نور محمد جھنجھانوی۔ تالیف: نسیم احمد علوی۔ طبع: دارالتحقیق والاشاعت، 33/A، کوئینز روڈ، لاہور، جون 2002ء۔ نیز دیکھئے نزہۃ الخواطر، ج 7، ص 518)

256۔ شیخ وجیہ الدین سہارن پوریؒ: فاضل علما میں سے ایک تھے۔ انھوں نے شیخ عبدالحئ بن ہبۃ اللہ بڈھانویؒ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر انھوں نے بڑی طویل مدت تک سہارن پور میں درس وتدریس میں مشغولیت رکھی۔ ان سے تعلیم حاصل کرنے والوں میں شیخ احمد علی بن لطف اللہ سہارن پوریؒ ہیں۔ (نزہۃ الخواطر، ج 7، ص 522)

257۔ شیخ الفاضل علامہ ابوزاہد اسماعیل بن ادریس رومی ثم مدنیؒ: یہ اصل میں روم میں مقدونیہ کے قریب ایک بستی ''انادول'' کے رہنے والے ہیں۔ دمشق میں انھوں نے کافی عرصہ قیام رکھا۔ یہ روم، شام، مصر، حجاز کے بہت

سے مشائخ کی ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں۔ جن کے ناموں سے میں واقف نہیں ہوں۔ سوائے ان دو مشائخ کے: صالح بن محمد فلانی مدنی مکیؒ اور محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد کربزی دمشقی شافعیؒ۔ وہ ۱۲۱۳ھ/ 1798ء میں مدینہ منورہ تشریف لائے تھے۔ پھر واپس شام چلے گئے تھے۔ پھر کچھ عرصے بعد دوبارہ مدینہ تشریف لائے اور مستقل وہاں قیام فرمارہے، یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوگیا۔

(حاشیہ تحریر کردہ از مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ)

258۔ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ لکھتے ہیں: ''میں اس بات سے واقف نہیں ہوں کہ مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ شاہ ولی اللہ (دہلویؒ) سے روایت کرتے ہوں۔ شاید ہمارے شیخ (مولانا عبیداللہ سندھیؒ) اس سے واقف ہوں۔ مخدوم سندھیؒ کی اسناد کے لیے ''اتحاف الاکابر'' کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اس کا نسخہ ابھی تک مخطوطے کی شکل میں ہے۔ طبع نہیں ہوسکا۔''

259۔ ان سے مراد علامہ محدث صدیق بن علی مزجاجی زبیدی حنفیؒ ہیں۔ ان کی پیدائش ۱۱۵۰ھ/ 1737ء میں ہوئی۔ انھوں نے ''زبید'' شہر میں شیخ محمد بن علاؤ الدین سے صحیح بخاری، سنن ابی داؤد وغیرہ امہاتِ کتبِ حدیث پڑھیں۔ پھر سید سلیمان بن یحییٰ اہدل سے ان تمام کتابوں کو دوبارہ سماع کیا۔ وہ فقہ حنفی کے انتہائی اونچے درجے کے محقق تھے۔ انھوں نے اپنی تمام زندگی ''مخا'' شہر میں تعلیم وتدریس میں گزار دی۔ پھر وہاں سے ۱۲۰۳ھ/ 1789ء میں ''صنعاء'' شہر میں تشریف لائے۔ وہاں امام شوکانیؒ نے ان سے اجازت لی بھی اور انھیں دی بھی۔ امام شوکانیؒ نے ان کے حالات میں لکھا ہے کہ: ''آپؒ بڑے ذہین، فطین، بہت عمدہ سمجھ بوجھ اور عقل و اِدراک کے مالک تھے۔'' ان کا انتقال ''زبید'' شہر میں ۱۲۰۹ھ/ 1794ء میں ہوا۔

(نیل الوطر من تراجم رجال الیمن فی الثّالث عشر، ج:2، ص: 14، طبع بیروت)

260۔ شیخ محدث مرزا حسن علی بن عبدالعلی لکھنویؒ لکھنؤ شہر میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ شیخ حیدر علی بن حمداللہ سندیلوی سے تعلیم حاصل کی۔ پھر دہلی کا سفر کیا اور شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر سے تعلیم حاصل کی۔ ان کو حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے بھی اجازت حاصل تھی۔ انھوں نے حدیث پڑھنے پڑھانے کی طرف بہت زیادہ توجہ دی۔ شیخ محسن یمانیؒ ''الیانع الجنی'' میں لکھتے ہیں کہ:

''وہ علم حدیث میں بڑے متبحر عالم اور اس کے علوم کے بڑے ماہر تھے۔ لوگوں میں یہ بات مشہور تھی کہ وہ امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق عبادت کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔''

(نزهة الخواطر، ج 07، ص 136، طبع لکھنؤ)

261۔ شیخ الفاضل نورالحق بن انوارالحق انصاری لکھنویؒ لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ انھوں نے تمام درسی کتابیں علامہ عبدالعلی لکھنویؒ سے پڑھیں۔ ان کا انتقال اتوار کی رات ۲۳ ربیع الاوّل ۱۲۳۸ھ/ 1822ء کو ہوا۔ (نزهة الخواطر، ج 07، ص 512، طبع لکھنؤ)

262۔ شیخ محدث سخاوت علی بن رعایت علی جونپوریؒ ۱۲۲۵ھ/ 1810ء میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے بڑی کتابیں شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ اور مولانا عبدالحئی بڈھانویؒ سے پڑھیں۔ ۱۲۶۴ھ/ 1848ء میں انھوں نے اپنے خاندان سمیت مکہ مکرمہ ہجرت کی۔ ان کا انتقال ۲۴ر شوال ۱۲۷۴ھ/ جون 1857ء میں ہوا۔

(نزهة الخواطر، ج: 7،ص: 214،طبع لکھنؤ)

263۔ شیخ احمد بن سلیمان اروادی، طرابلسی، خالدی، نقشبندیؒ شام کے شہر طرابلس میں نقشبندی سلسلے کے بڑے مشائخ میں سے تھے۔ ان کا انتقال ۱۲۷۵ھ/ 1858ء میں ہوا۔ ان کی درجِ ذیل تصانیف ہیں: "تاریخ کبیر"، "الفیہ فی علوم الأدب"، "التبر المسبوق فی نهایت السّلوک"، "مفرّجة الكروب بالصّلوٰة على النبيّ المحبّ المحبوب"۔ اور اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں ایک نظم۔

(معجم المؤلّفين، تالیف: عمر رضا کحالہ۔ جلد:1۔ صفحہ: 236۔ طبع: بیروت۔)

264۔ غالبًا ان سے مراد محمد شاکر بن علی بن سعد عمریؒ ہیں۔ ان کی پیدائش ۱۱۵۷ھ/ 1744ء اور انتقال ۱۲۲۲ھ/ 1807ء میں ہوا۔ وہ حنفی فقیہ ہیں اور دمشق کے رہنے والے ہیں۔ ان کو "ابن مقدم سعد" بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی پہچان "ابن العقاد" کے نام سے بھی ہے۔ وہ چھوٹی عمر میں ہی تدریس میں مشغول ہوگئے تھے۔ اکثر معاصرین ان کے شاگرد ہیں۔ انھیں کے نام سے علامہ ابن عابدین شامیؒ نے ایک کتاب "عقود اللآلی فی أسانید العوالی" لکھی ہے۔ علما کا اتفاق ہے کہ وہ اپنے زمانے کے محقق عالم تھے۔ ابن عابدینؒ نے ان کی ایک نظم بھی جمع کی ہے۔ (الأعلام للزركلی، جلد: 7۔ صفحہ 27، طبع: بیروت)

265۔ ان سے مراد شیخ مصطفیٰ بن محمد یونس طائی حنفیؒ ہیں۔ ان کی پیدائش ۱۱۳۸ھ/ 1726ء میں ہوئی اور انتقال ۱۱۹۲ھ/ 1778ء میں ہوا۔ وہ مصر میں پیدا ہوئے۔ فقیہ تھے اور بعض علوم میں بہت بلند درجہ رکھتے تھے۔ ان کی تالیفات میں فقہ حنفی کے مسائل میں "توفیق الرّحمٰن شرح کنز دقائق البیان" دو جلدوں میں۔ "حاشیه علی الأشمونی"، "شرح الشمائل"، "مختصر توفیق البیان بشرح دقائق البیان"۔

(معجم المؤلّفين۔ از عمر رضا کحالہ۔ جلد: 12۔ صفحہ: 685)

266۔ شیخ حسن بن حسن بن عمر شرنبلالی، مصری، حنفیؒ: ان کی کنیت "ابو المحفوظ" ہے۔ ان کا انتقال ۱۱۲۹ھ/ 1717ء میں ہوا۔ وہ بڑے فقیہ اور اصولِ فقہ کے ماہر تھے۔ ان کی تصانیف میں: "غایت التحقیق فی أحکام کیی الحمصه" ہے۔ ان کے والد ابوالاخلاص حسن بن عمار شرنبلالی وفائی حنفیؒ ہیں، جن کی پیدائش ۹۹۴ھ/ 1586ء اور انتقال ۱۰۶۹ھ/ 1669ء میں ہوا۔ وہ فقیہ تھے۔ فقہ انھوں نے شیخ عبداللہ نحریریؒ، محمد محبیؒ اور شیخ علی بن غانم مقدسیؒ سے حاصل کی اور جامعہ ازہر میں درس دینا شروع کیا۔ ان سے علما کی ایک بہت بڑی تعداد نے تعلیم حاصل کی۔ ان کا انتقال قاہرہ میں ہوا۔ ان کی بہت زیادہ تصانیف میں سے "نور الإیضاح"، "حاشیه علی کتاب الدّر و الغرر لملاّ خسرو"، "السّعادات فی علم التّوحید و العبادات" وغیرہ ہیں۔ (معجم المؤلّفين۔ از: عمر رضا کحالہ۔ جلد: 03۔ صفحہ: 315)

267۔ شیخ محدث عبدالرحمٰن بن سلیمان اَہدل یمنی زبیدیؒ: ان کی پیدائش ماہِ ذوالقعدہ میں ۱۱۷۹ھ/ اپریل 1766ء میں ہوئی۔ انھوں نے اپنے والد سے تعلیم حاصل کی۔ انھیں سے ان کو تمام کتابوں کی اجازتِ عام حاصل ہے۔ انھوں نے شیخ عبداللہ بن عمر خلیل زبیدیؒ سے تعلیم حاصل کی اور ان سے بھی اجازت لی۔ اسی طرح شیخ عبداللہ بن سلیمان جوہریؒ سے بھی تعلیم حاصل کی اور ان سے بھی اجازت لی۔ اسی طرح انھوں نے سید عبدالرحمٰن بن مصطفیٰ عیدروس باعلوی مصریؒ، سید مرتضیٰ حسینی زبیدیؒ، مصنف تاج العروس شرح القاموس، شیخ

احمد بن ادریس مغربی حسنیؒ اور شیخ عبدالخالق بن علی مزجاجیؒ وغیرہ سے تعلیم حاصل کی۔ ان کا انتقال شہر ''زبید'' میں ماہِ رمضان ۱۲۵۰ھ/ جنوری 1835ء میں ہوا۔

(نیل الوطر۔ تالیف: محمد بن محمد صنعانیؒ، جلد:2۔صفحہ:30۔طبع: مکتبہ سلفیہ، قاہرہ، مصر)

268۔ شیخ محمد بن محمد بن سنہ فلانی، شنقیطی، عمریؒ: (۱۰۴۲-۱۱۸۶ھ/ 1633-1772ء) آپؒ مغربی سوڈان میں ایک شہر ''فلان'' کی طرف نسبت رکھتے ہیں۔ بڑے محدث، احادیث کے حافظ اور اس کی روایت کرنے والے ہیں۔ (معجم المؤلّفین۔مؤلفہ: عمر رضا کحالہ۔جلد: 11۔صفحہ:221)

269۔ ان سے مراد شیخ عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالرحمٰن کربزی، دمشقی، شافعیؒ (۱۱۸۱-۱۲۶۲ھ/ 1770-1846ء) ہیں۔ ان کا لقب ''وجیہ الدین'' اور کنیت ''ابوالمحاسن'' ہے۔ وہ بڑے عالم اور محدث ہیں۔ دمشق میں پیدا ہوئے۔ حج کرنے کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو ۱۹/ ذی الحجہ ۱۲۶۲ھ/ 8/دسمبر 1846ء کو ان کا انتقال ہوا۔ ان کی ایک بیاض ہے، جس میں انھوں نے اپنی صحیحین اور بعض کتب کی اسانید جمع کی ہیں۔

(معجم المؤلّفین۔ تالیف: عمر رضا کحالہ۔ جلد: 05۔صفحہ: 177)

270۔ ان سے مراد شیخ محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن زین الدین بن عبدالکریم صعدی عطار المعروف کربزیؒ، محدث اور مسند ہیں۔ وہ دمشق میں ۱۳/ شعبان ۱۱۴۰ھ/ 26/ مارچ 1728ء کو پیدا ہوئے۔ جامع بنی امیہ میں حدیث کی درس و تدریس میں مشغول رہے۔ ان کا انتقال ۲۹/ ربیع الاول ۱۲۲۱ھ/ 17/ جون 1806ء کو دمشق میں ہوا۔ ان کی تصانیف میں ابن حجرؒ کی ''شرح اربعین'' جو نامکمل تھی۔ اسی طرح ''**شرح نخبة الفکر لإبن حجر**'' جو نامکمل تھی۔ اور ''**شرح الفیه مصطلح الحدیث لشیخ الإسلام**''۔

(معجم المؤلّفین۔ تالیف: عمر رضا کحالہ۔ جلد: 10۔صفحہ: 152)

271۔ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی حاشیے میں لکھتے ہیں:

''میں کہتا ہوں کہ شیخ صالح فلانیؒ کی کتاب ''**قطف الثّمر**'' کا میں نے مطالعہ کیا ہے۔ میں نے اس میں ان کا امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کرنا نہیں پایا۔ ویسے بھی شیخ صالح کی پیدائش ۱۱۶۶ھ/ 1753ء میں ہے۔ جیسا کہ **معجم المؤلفین** کے مؤلف نے لکھا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی وفات ۱۱۷۶ھ/ 1762ء میں ہوئی ہے۔ اس طرح امام شاہ ولی اللہؒ کی وفات کے وقت اِن کی عمر 10 سال ہے۔ ایسی صورت میں وہ کیوں کر امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کر سکتے ہیں۔ اس لیے میرا خیال یہ ہے کہ عبارت میں غلطی ہوئی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ شیخ صالح فلانی مالکیؒ نے شیخ محمد بن سنہ فلانی سے روایت کی ہے اور انھوں نے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے روایت کی ہے۔ یا ایسا ممکن ہے کہ اجازتِ عامہ کی بنیاد پر مولانا سندھیؒ نے اس کا تذکرہ کر دیا۔ تحقیق کے لیے دیکھیں! حصر الشارد، تالیف: شیخ محمد عابد سندھیؒ۔ یہ ابھی تک مخطوطہ ہے۔ واللہ اعلم

(کتبہٗ غلام مصطفیٰ قاسمی)

272۔ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی حاشیے میں لکھتے ہیں:

''میں کہتا ہوں کہ: اس سے مراد مشہور محدث ابوعلی محمد بن علی شوکانی، مؤلف **نیل الأوطار** وغیرہ نہیں ہیں۔ اس لیے کہ ان کی پیدائش پیر کے دن ۲۸/ ذوالقعدہ ۱۱۷۳ھ/ 1760ء کو ''خولان'' کے قریب (یمن میں)

ایک قصبہ ''شوکان'' ہوئی۔ اور ان کا انتقال ۱۲۵۵ھ/ 1839ء میں ہوا۔ بلکہ ان سے مراد ان کے والد علی شوکانیؒ ہیں۔ اس لیے کہ وہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے ہم عصر ہیں۔ جیسا کہ یہ بات ان لوگوں پر پوشیدہ نہیں ہے، جو اسماء الرجال کی کتابوں سے واقف ہیں۔ باقی حقیقتِ حال اللہ زیادہ جانتا ہے۔''

(کتبہٗ غلام مصطفیٰ قاسمی)

273۔ شیخ محدث محبوب علی بن مصاحب علیؒ مشہور علما میں سے ایک ہیں۔ یکم محرم ۱۲۰۰ھ/ 1785ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ شیخ عبدالقادر دہلویؒ سے تعلیم حاصل کی۔ ان کو حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے بھی بلا واسطہ اجازت حاصل تھی۔ شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے پاس ''ترمذی شریف'' کی قرأت اور سماعت میں حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ ان کے ساتھ شریک تھے۔ ان کا انتقال ۱۰/ ذوالحج ۱۲۸۰ھ/ 1864ء میں دہلی میں ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ (نزھة الخواطر۔ جلد: 7۔ صفحہ: 406)

274۔ ان سے مراد شیخ عالم الکبیر مجاہد نصیرالدین حسینی دہلویؒ ہیں۔ وہ امام شاہ رفیع الدین دہلویؒ کے نواسے ہیں۔ ان کی پیدائش اور پرورش دہلی شہر میں ہوئی۔ انھوں نے حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ سے تعلیم حاصل کی۔ ان کی شادی حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کی صاحبزادی سے ہوئی۔ انھوں نے حضرت شاہ محمد آفاق عمری نقشبندیؒ سے سلسلۂ تصوف حاصل کیا۔ انھوں نے ۱۲۵۰ھ/ 1834ء میں مجاہدین کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ ہجرت کی اور ایک طویل مدت تک سندھ میں قیام کیا۔ پھر سید امام احمد شہیدؒ کے ساتھیوں پر مشتمل مجاہدین کے مرکز ''ستھانہ'' پہنچے تو انھوں نے انھیں اپنا امیر بنا لیا اور ان کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کی۔ ان کا انتقال ۱۲۵۶ھ/ 1840ء کے قریب ہوا۔ (نزھة الخواطر۔ جلد: 7۔ ص: 503)

275۔ شیخ محمد شکور بن امانت علی جعفری، ہاشمی، مچھلی شہریؒ: درس و تدریس کے مشہور علما میں سے ایک ہیں۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت جعفر طیارؓ سے جا ملتا ہے۔ ان کی پیدائش ۱۲۱۱ھ/ 1796ء میں ہوئی۔ پھر انھوں نے دہلی کا سفر کیا۔ حضرت علامہ رشیدالدین کشمیریؒ، مولانا عبدالحیٔ بڑھانویؒ، شاہ رفیع الدین دہلویؒ اور حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے تعلیم حاصل کی۔ حکمت و منطق کے بعض فنون شیخ فضل امام خیرآبادیؒ سے حاصل کیے۔ انھوں نے اپنی آخری عمر میں حرمین شریفین کا سفر کیا۔ حج اور زیارات سے مستفید ہوئے۔ شیخ سید محمد حسین حنفی مفتیِ مکہؒ سے روایات اخذ کیں۔ وہ شیخ طحطاویؒ کے شاگردوں میں سے تھے۔ ان کا انتقال یکم شوال ۱۳۰۰ھ/ 1883ء میں شہر ''مچھلی شہر'' میں ہوا۔ (نزھة الخواطر۔ جلد 7۔ صفحہ 444)

276۔ شیخ محدث عالم علی بن کفایت علی حسینی نگینوی ثم مرادآبادیؒ: فقہائے حنفیہ کے اکابرین میں سے ایک تھے۔ نگینہ شہر میں ان کی پیدائش اور پرورش ہوئی۔ انھوں نے شیخ مملوک علی نانوتویؒ سے تعلیم حاصل کی۔ حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ سے حدیث پڑھی۔ مرادآباد میں رہائش اختیار کی۔ ان سے ایک بڑی مخلوق نے فیض حاصل کیا۔ ان کا انتقال ۲۷/ رمضان ۱۲۹۵ھ/ 1878ء میں ہوا۔

(نزھة الخواطر۔ جلد: 7۔ صفحہ 225)

277۔ شیخ بزرگ علی بن حسن علی مارہرویؒ: معقول و منقول کے مشہور علما میں سے ایک ہیں۔ وہ ''مارہرہ'' میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ ابتدائی علوم اپنے شہر میں حاصل کیے۔ پھر دہلی تشریف لے گئے۔ حدیث کی سند امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے حاصل کی۔ انھوں نے تمام علوم میں مہارت حاصل کی۔ خاص طور پر ریاضی اور

حساب میں ان کو خصوصی مہارت حاصل تھی۔ ان کا انتقال ۲۱ رشوال ۱۲۶۲ھ/ 1846ء میں ہوا۔

(نزهة الخواطر۔ جلد 7۔ صفحہ: 98)

278۔ شیخ محمد بن حسین کتبیؒ: اصل میں مصر سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۲۵۵ھ/ 1839ء میں مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ مسجدِ حرام میں فقہ اور حدیث کی تعلیم دینا شروع کی۔ ۱۲۶۶ھ/ 1850ء میں ان کو والیٔ حجاز نے مکہ کا مفتی مقرر کیا۔ ایک سال تک انھوں نے اِفتا کی خدمات سرانجام دیں۔ اس کے بعد پڑھنے پڑھانے اور تعلیم و تدریس کا سلسلہ قائم رکھا۔ یہاں تک کہ ۱۲۸۱ھ/ 1865ء میں ان کا مکہ مکرمہ میں انتقال ہوا۔ جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے۔ (**موائد الفضل و الکرم الجامعه لتراجم اهل الحرام** (قلمی)۔ تالیف: شیخ عبدالستار بن عبدالوہابؒ۔ ورق: 237۔ موجود مکتبہ الحرم المکی، مکۃ المکرّمہ)

279۔ احمد بن علی شوکانیؒ کی پیدائش ۱۲۱۹ھ/ 1804ء میں ہوئی۔ انھوں نے اپنے والد شیخ الاسلام محمد بن علی شوکانیؒ سے بعض مختصر کتابیں پڑھیں۔ اور ان کی مجلس قرأتِ حدیث میں شریک ہوئے۔ پھر اپنے بڑے بھائی شیخ علی بن محمد شوکانیؒ کی خدمت میں رہے۔ انھیں سے اپنی تعلیم مکمل کی۔ ان کو اپنے والد شیخ الاسلام محمد بن علی شوکانیؒ کی کتابوں سے بہت زیادہ تعلق تھا۔ اپنے والد کے بعد علمائے یمن میں بڑے مرتبے کے آدمی ہیں۔ ان کا انتقال ۱۲۸۱ھ/ 1864ء میں ہوا۔ (نیل الوطر، جلد:1۔ صفحہ:223)

280۔ "**التمهيد**" کے قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں یہاں پر

"**الباب الرّابع في تلخيص الأسانيد إلىٰ ائمّة النهض الهندية لأحياء الجادة القويمة المحمّدية**"

جب کہ کتاب کی مسلسل ترتیب کے مطابق یہ "النوع الرّابع" ہے۔

281۔ شیخ عبدالملک بن عبدالمنعم بن تاج الدین قلعی، حنفیؒ فقیہ ہیں۔ مکہ میں قیام پذیر رہے اور وہیں افتا کا سلسلہ قائم رہا۔ مکہ میں ہی ۱۲۲۹ھ/ 1814ء میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کی کتابوں میں "**الكواكب الدّريه من فتاوىٰ القلعيه**" اور "**بلوغ القصد فى تحقيق مباحث الحمد**" ہیں۔

(**معجم المؤلفين**۔ جلد: 06۔ ص: 185۔ طبع بیروت)

"رجال" کی اکثر کتابوں میں ان کا سن وفات ۱۲۲۸ھ/ 1813ء لکھا ہے۔ چناں چہ شیخ عبدالستار صدیقیؒ نے "**فيض الملك الوهّاب المتعالى**" (جلد:2۔ صفحہ: 979) میں یہی سن وفات لکھا ہے۔ حضرت سندھیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ (آزاد)

282۔ ان سے مراد شیخ عبداللطیف بن علی بیروتی حنفیؒ (نورالدین، فتح اللہ) ہیں۔ یہ فقیہ ہیں اور بیروت اور دمشق میں دارالافتا کے سربراہ رہے۔ ان کا انتقال ۱۲۵۳ھ/ 1837ء میں ہوا۔

(**فهرس الفهارس**۔ جلد: 2۔ ص: 148۔ نیز **معجم المؤلفين** از عمر رضا کحالہ، جلد: 6۔ ص: 13۔ طبع بیروت)

283۔ محمد طاہر سنبلؒ: ان کے والد شیخ محمد سعید سنبل شافعی مکیؒ تھے، جو مسجدِ حرام کے مشہور علما میں سے ایک تھے۔ ان کے درس میں "قاموس" کے شارح سید مرتضیٰ زبیدیؒ بھی حاضر ہوتے رہے، جیسا کہ انھوں نے اپنے اساتذہ کے تذکرے میں بیان کیا ہے۔ شیخ محمد سعید سنبلؒ ہمارے شیخ المشائخ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے ساتھ شریکِ درس رہے ہیں، جو انھوں نے اپنے شیخ، شیخ ابوطاہر مدنیؒ سے ۱۱۴۴ھ/ 1731ء میں لیا تھا۔ ان دونوں حضرات کے درمیان بہت زیادہ محبت تھی، جیسا کہ شیخ محمد سعید بن شیخ محمد سنبل مکیؒ نے اپنی کتاب "**رسالة أوائل كتب**

الحدیث'' کے حواشی میں خود لکھا ہے۔(رسالہ اوائل کتب الحدیث، تالیف: شیخ محمد سعید، ص: 47۔طبع قاہرہ، مصر۔۱۳۲۶ھ) (حاشیہ تحریر کردہ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ)

284۔ ان سے مراد شیخ مصطفیٰ ایوبی بن محمد بن رحمت اللہ حنفی دمشقی اور پھر مدنی ہیں۔ یہ ''ایوبی'' اور ''رحمتی'' کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی پیدائش ۲۴/محرم الحرام ۱۱۳۵ھ/ اکتوبر 1722ء میں دمشق میں ہوئی۔ انھوں نے وہیں پرورش پائی اور شیخ صالح جنینیؒ اور شیخ محمد تدمریؒ وغیرہ سے تعلیم حاصل کی۔ ان کا انتقال مکہ مکرمہ میں ۱۲۰۶ھ/ 1792ء میں ہوا۔ ان کی کتابوں میں سے ''**حاشیہ علی مختصر شرح التنوُّر للعلائی**''، ''**مختصر شرح شهاب خفاجی**'' اور ''**حاشیه علی المنح**'' ہیں۔

(معجم المؤلفین۔ جلد:2۔ص:272)

285۔ شیخ، امام، عالم، محدث مرتضیٰ بن محمد بن قادری بن ضیاء اللہ الحسینی، واسطی، بلگرامی، زبیدی، مصریؒ: یہ ''زبیدی'' کے نام سے مشہور ہیں۔بلگرام میں ۱۱۴۵ھ/ 1732ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے شہر کے اساتذہ سے حاصل کی۔ پھر سندیلہ اور خیرآباد تشریف لائے اور وہاں کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر دہلی کا سفر اختیار کیا اور حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے علم حاصل کیا۔ پھر سورت تشریف لے گئے اور وہاں شیخ خیرالدین بن زاہد سورتیؒ سے علوم حاصل کیے۔ان کے پاس ایک سال رہے۔

پھر۱۱۶۴ھ/ 1751ء میں حجاز تشریف لے گئے اور یمن کے مشہور شہر ''زبید'' میں اقامت گزیں ہوگئے۔ وہاں سید احمد بن محمد مقبول اہدلؒ اور دیگر مشائخ میں سے شیخ عبدالخالق بن ابوبکر مزجاجیؒ اور شیخ محمد بن علاءالدین مزجاجیؒ سے اخذِ علم کیا۔ اس دوران کئی مرتبہ حج کیا۔ مکہ مکرمہ میں سید عبدالرحمٰن عیدروسؒ کی صحبت اختیار کی۔ پھر مصر کا سفر کیا۔ وہاں کے علما سے علوم اَخذ کیے۔ مصر میں ''خانِ صاغہ'' میں رہائش اختیار کی۔ پھر اپنی مشہورِ زمانہ تصنیف ''**تاج العروس شرح القاموس**'' کی تصنیف وتالیف میں مشغول ہوگئے، جس کو چودہ سالوں میں دس جلدوں میں مکمل کیا۔ ان سے کثرت سے علما وفضلا نے سندِ حدیث حاصل کی، حتیٰ کہ سلطان عبدالحمید اوّلؒ نے بھی ان سے کتبِ حدیث کی اجازت حاصل کی۔ ان کی سو سے زائد کتابیں ہیں۔ ان کا انتقال طاعون کی وَجہ سے اتوار کے روز شعبان کے مہینے میں ۱۲۰۵ھ/ 1791ء میں ہوا۔

(نزهة الخواطر، ج:7۔ص:516 تا 525)

286۔ شیخ محمد بن علاءالدین مِزجاجیؒ: مولانا عبدالحیٔ حسنیؒ سید مرتضیٰ زبیدیؒ کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ:

''انھوں نے یمن کے مشہور شہر ''زبید'' میں قیام کیا، جو وہاں کا دارالعلم تھا۔ اس جگہ کے مشائخ میں سے شیخ محمد بن علاءالدین مزجاجیؒ سے اَخذِ علم کیا۔'' (نزهة الخواطر۔ ج: 07۔ص:516)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ مزجاجیؒ یمن کے مشہور علما اور محدثین میں سے تھے۔ چناں چہ شیخ محسن یمانیؒ ''الیانع الجنی'' میں لکھتے ہیں کہ:

''شیخ محمد عابد سندھیؒ نے شیخ یوسف بن محمد مِزجاجیؒ سے ''**سنن ابن ماجه**'' کی روایت کی ہے۔ اور وہ اپنے والد شیخ محمد بن علاءالدین مزجاجیؒ سے روایت کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ''مزجاجی'' میم کے کسرہ، زا ساکن اور جیم کی تکرار کے ساتھ ہے۔ میں نے اسی طرح ایک سے زیادہ جگہوں پر لکھا ہوا دیکھا ہے۔''

(الیانع الجنی۔ص:55-54)

ان کا تذکرہ شیخ عبدالستار بن عبدالوہاب صدیقیؒ نے ''**فیض الملک الوهّاب المتعالی**'' میں کئی جگہ پر کیا ہے، لیکن تفصیلی حالات درج نہیں کیے۔

287۔ شیخ عبدالخالق بن ابوبکر مزجاجیؒ: یہ بھی سید مرتضٰی زبیدیؒ کے یمنی مشائخ میں سے ہیں۔ انھوں نے بھی اسانید پر ایک کتاب ''**نزهة رياض الإجازة**'' کے نام سے لکھی ہے۔جس کا تذکرہ شیخ محسن یمانیؒ نے بخاری شریف کی ایک سند کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے کیا ہے اور اس کتاب کا ایک طویل اقتباس نقل کیا ہے۔

(**اليانع الجنی**۔ص: 27-26)

ان کا تذکرہ شیخ عبدالستار بن عبدالوہاب صدیقیؒ نے ''**فیض الملک الوهّاب المتعالی**'' میں کئی جگہ پر کیا ہے، لیکن تفصیلی حالات درج نہیں کیے۔

288۔ شیخ، امام، عالم، محدث ابوالحسن بن محمد صادق سندھیؒ: یہ ''ابوالحسن سندھی صغیرؒ'' کے نام سے مشہور ہیں۔ سندھ میں پیدا ہوئے۔ پھر مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی۔ شیخ محمد حیات سندھیؒ سے علوم حاصل کیے۔ ایک طویل عرصے تک ان کی صحبت میں رہے۔ پھر حرمین شریفین میں ہی درس و تدریس میں مشغول رہے۔ ان کی بہت سی تصنیفات ہیں، جن میں ''**شرح جامع الاصول**'' اور ''**مختار الأطوار فی أطوار المُختار**'' وغیرہ ہیں۔ ان سے بہت سے علما نے اَخذِ علم کیا ہے۔ ان کا انتقال جمعے کی رات ۲۵ / رمضان المبارک ۱۱۸۷ھ/ 1773ء میں مدینہ منورہ میں ہوا۔ (**نزهة الخواطر**۔ج: 06۔ص: 09-08)

289۔ شیخ فاضل علامہ محمد ہاشم بن عبدالغفور بن عبدالرحمٰن حنفی، ٹھٹھوی، سندھیؒ: فقہ، حدیث اور عربی زبان کے ماہر علما میں سے ایک تھے۔ سندھ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ مولانا ضیاء الدین سندھیؒ سے علوم حاصل کیے۔ پھر حجاز کا سفر کیا۔ وہاں شیخ عبدالقادر بن ابوبکر بن عبدالقادر صدیقیؒ سے علوم حاصل کیے۔ انھوں نے فقہ اور علم حدیث کی طرف بھرپور توجہ دی۔ ان کے بہت سے مباحثات شیخ محمد معین سندھی ٹھٹھویؒ سے رہے۔ انھوں نے بھی کئی کتابیں تصنیف کیں۔ ان کا انتقال ۱۱۷۴ھ/ 1760ء میں ہوا۔

(**نزهة الخواطر**۔ ج: 06۔ص: 74-373)

290۔ شیخ، امام، عالم کبیر، محدث محمد حیات بن ابراہیم سندھی مدنیؒ: مشہور علما میں سے ایک ہیں۔ وہ نسلاً ''چاچڑ'' قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ سندھ کے قدیم شہر ''بکھر'' (سکھر کے قریب قدیم شہر ہے) کے قریب ایک گاؤں ''عادل پور'' میں رہائش پذیر تھے۔ وہیں پیدا ہوئے اور پرورش پائی۔ پھر سندھ کے دارالخلافہ ''ٹھٹھہ'' میں تشریف لے گئے۔ وہاں شیخ محمد معین بن محمد امین ٹھٹھوی سندھیؒ (خلیفہ وتلمیذ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) سے علوم حاصل کیے۔ پھر وہاں سے حرمین شریفین ہجرت کی۔ مدینہ منورہ میں مستقل قیام پذیر ہوئے۔ وہاں شیخ کبیر ابوالحسن محمد بن عبدالہادی سندھی مدنیؒ کی صحبت اختیار کی۔ ان سے علوم حاصل کیے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین بن کر درس و تدریس میں مشغول ہوگئے۔ ان سے بہت سے علما نے اخذِ علم کیا، جن میں شیخ ابوالحسن صغیر سندھیؒ اور سید غلام علی بلگرامیؒ بھی شامل ہیں۔ ان کی بھی کئی تصنیفات ہیں۔ ان کا انتقال بدھ کے روز ۲۶ /صفر ۱۱۶۳ھ/ 1750ء میں مدینہ منورہ میں ہوا۔ ان کو ''**جنت البقیع**'' میں دفن کیا گیا۔

(**نزهة الخواطر**، ج:6، ص: 309)

291۔ شیخ، عالم، صالح ابوالطیب محمد بن عبدالقادر سندھی مدنیؒ: علمائے محدثین میں سے ایک ہیں۔ سندھ میں پیدا

ہوئے۔ وہیں پرورش پائی اور علوم حاصل کیے۔ پھر حجاز کا سفر کیا۔ مدینہ منورہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ انھوں نے علم حدیث شیخ حسن بن علی عجیمیؒ سے حاصل کیا۔ انھوں نے سلسلۂ نقشبندیہ، شیخ محمد سعید کوکنی قرشی نقشبندیؒ سے حاصل کیا۔ وہ نہایت ثابت قدمی سے حنفی مذہب اور نقشبندی طریقے کے مطابق لوگوں کی اصلاح کرتے تھے۔ انھوں نے "**جامع ترمذی**" پر عربی زبان میں عمدہ شرح لکھی ہے۔ ان سے بہت سے علمانے فیض حاصل کیا۔ (**نزهة الخواطر**۔ ج: 06۔ص 17-16)

292۔ شیخ، امام، عالم، علامہ، محدثِ کبیر، ابوالحسن، نورالدین محمد بن عبدالہادی حنفی، سندھی، مدنیؒ: سندھ کے مشہور شہر ٹھٹھہ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ پھر "تُستر" شہر کی طرف سفر کیا۔ وہاں کے تمام مشائخ سے علوم حاصل کیے۔ پھر مدینہ منورہ تشریف لائے اور وہیں سکونت پذیر ہوگئے۔ انھوں نے وہاں سید محمد بن عبدالرسول برزنجیؒ اور شیخ ابراہیم بن حسن کورائی مدنیؒ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر حرمِ نبویؐ شریف میں درس و تدریس میں مشغول ہوگئے۔

انھوں نے بہت عمدہ کتابیں لکھی ہیں، جن میں "**صحّاح ستہ**" پر مشتمل احادیث کی تمام کتابوں پر حواشی لکھے ہیں۔ البتہ "**جامع ترمذی**" کا حاشیہ وہ اپنی زندگی میں مکمل نہیں کرسکے۔ انھوں نے "**مسند امامِ احمدؒ**" پر بھی ایک عمدہ حاشیہ لکھا ہے۔ نیز علامہ ابن ہمامؒ کی مشہور کتاب "**فتح القدیر**" پر بھی "**باب النکاح**" تک ایک حاشیہ لکھا ہے۔

ان کا انتقال ۱۲/شوال ۱۱۳۸ھ/ 1726ء میں مدینہ منورہ میں ہوا۔ ان کے جنازے میں لوگوں کا ایک جم غفیر شریک ہوا۔ یہاں تک کہ عورتیں اور بچے بھی شامل ہوئے۔ مدینہ کے حکام نے ان کا تابوت اپنے ہاتھوں سے اٹھایا۔ ان کو "**جنت البقیع**" میں دفن کیا گیا۔ "**تاریخ جبرتی**" کے مطابق ان کا انتقال ۱۱۳۶ھ/ 1724ء میں ہوا۔ (**نزهة الخواطر**۔ ج: 06۔ص: 08-07)

حضرت سندھیؒ نے ان کا سنِ وفات ۱۱۳۹ھ لکھا ہے۔

293۔ علامہ، الرحلہ، الفہامہ، امام المسند، سید المحدثین، ابوالاخلاص، مولانا، شیخ حسن بن علی عجیمیؒ: ان کی شہرت تمام عالم کے اَطراف واَکناف میں ہے۔ اس لیے کہ ان کے اِردگرد جمع ہونے والے علما ومشائخ اور ان سے ملاقات کرنے والے فضلا واُدبا ہمیشہ بڑی کثرت سے موجود رہتے تھے۔ ان کی ولادت ماہِ ربیع الاول/ ۱۰۵۰ھ/ 1640ء میں مکہ معظّمہ میں ہوئی۔ دنیا بھر میں علما وفضلا کی اسانید عام طور پر ان تک پہنچتی ہیں۔ اسی لیے ان کو "**امام المسند**" کہا جاتا ہے۔ انھوں نے اپنے حالات میں ایک رسالہ "**اسبال السنة الجميل على العبد الذليل**" لکھا ہے۔ ان کا انتقال طائف میں ۷/شوال ۱۱۱۳ھ/ 1702ء کو ہوا۔ (**موائد الفضل و الكرم الجامعه لتراجم اهل الحرم** (قلمی)، از شیخ عبدالستار صدیقی دہلویؒ۔ص: 197)

294۔ شیخ عبدالقادر بن شیخ ابوبکرؒ، مکہ معظّمہ کے مفتی تھے۔ وہ بڑے جید عالم تھے۔ خاص طور پر فقہ میں وہ بڑے فصیح و بلیغ تھے۔ ان کی تصانیف میں "**فتاویٰ**" چار جلدوں میں، "**مجموعہ منشآت**" شامل ہیں۔ ان کا انتقال ۱۱۳۸ھ/ 1725ء میں ہوا۔

ان کے استاذ شیخ عبداللہ طرفہ انصاری مکی شافعیؒ نے اپنے شاگرد کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا ہے، جس میں ان کا نسب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک بیان کیا ہے۔ وہ شیخ محمد طاہر پٹنیؒ کی اولاد میں سے ہیں۔

اس کی وضاحت شیخ عبدالحق دہلویؒ نے اپنی کتاب "اخبار الأخیار" میں کی ہے، لیکن گجرات کے جمہور علما اس بات پر متفق ہیں کہ شیخ محمد طاہر، بوہری خاندان سے تھے۔ بعض علما کا یہ کہنا ہے کہ وہ والدہ کی طرف سے صدیقی تھے۔ دوسرے لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ جب "مہدویہ" نے حضرت علیؓ کی نسبت سے "حیدریہ" کا لقب اختیار کیا تو شیخ نے اپنا لقب "صدیقی" ان کے مقابلے پر اختیار کیا۔ اصل بات یہ ہے کہ بوہری لوگوں کے آباؤ اجداد نئے مسلمان ہونے والوں میں ہیں۔ ہندوستانی لوگ اُن لوگوں کو، جو دین اسلام میں نئے داخل ہوں، "صدیقی" کہہ کر پکارتے ہیں۔ اس لیے کہ انھیں اسلام کی تصدیق کرنے میں صدیق اکبرؓ سے ایک گونہ نسبت حاصل ہے۔" (سبحة المرجان، تالیف: علامہ غلام علی آزاد بلگرامیؒ۔ ص: 44۔ طبع: ہند)

295۔ ان سے مراد شیخ حامد بن علی بن ابراہیم دمشقی حنفیؒ ہیں، جو "عمادی" کے نام سے مشہور ہیں۔ وہ بڑے عالم، فقیہ، ادیب اور شاعر تھے۔ ۱۰/ جمادیٰ الثانیہ (۱۱۰۳ھ/ 1692ء) کو دمشق میں پیدا ہوئے۔ دمشق میں ہی دارالافتا کے نگران رہے۔ ان کا انتقال دمشق میں ۶/ شوال (۱۱۷۱ھ/ 1758ء) کو ہوا۔

ان کی بہت زیادہ تصنیفات میں "فتاویٰ حمادیہ حامدیہ" جس کا نام انھوں نے "مغنی المفتی عن جواب المستفتی" رکھا۔ "اتحاد القمرین فی بیت الرقمتین"، "الإتحاف فی شرح خطبة الکشاف"، "منحة المناح فی شرح بدیع مصباح الفلاح"، "قرة عین الحظ الأوفر فی ترجمة الشیخ محی الدین الاکبر" شامل ہیں۔ اور آپؒ کا ایک دیوان بھی ہے۔

(دیکھئے! معجم المؤلفین۔ جلد 3۔ ص: 180)

296۔ یہاں پر شیخ علاؤالدین سے مراد محمد مِز جاجیؒ (میم پر زیر، زا ساکن) ہیں۔ شیخ مزجاجیؒ سے ان کے بیٹے شیخ یوسف بن محمدؒ روایت کرتے ہیں، جو کہ شیخ محمد عابد سندھیؒ کے استاذ اور شیخ ہیں۔

(الیانع الجنی من أسانید شیخ عبدالغنی۔ ص: 56۔ طبع: دیوبند، انڈیا)

297۔ شیخ خیرالدین بن احمد بن علی بن زین الدین بن عبدالوہاب ایوبی، علیمی، فاروقی، رملی، حنفیؒ: ان کی ولادت ۹۹۳ھ/ 1585ء میں رمضان المبارک کے اوائل میں فلسطین کے شہر "رملہ" میں ہوئی۔ وہ بڑے مفسر، محدث، فقیہ، لغوی، نحوی، صرفی، بیانی، عروضی تھے۔ وہ "درّ مختار" کے مصنف علامہ حصکفیؒ کے استاذ ہیں۔

ان کی تصانیف میں: "فتاویٰ خیریة لنفع البریة"، "مظهر الحقائق الحنفیة من البحر الرائق"، "دیوان شعر"، "مطلب الأدب و غایة الأرب" اور "حاشیة علی الأشباه و النظائر" شامل ہیں۔

ان کی دیگر کتابوں میں "حاشیہ منح الغفار"، "حاشیه علی الکنز للعینی"، "حاشیة الاصباح"، "حاشیه جامع الفصولین" اور اشعار کا ایک دیوان ہے۔ ان کے اور چھوٹے بڑے رسائل بھی ہیں۔ ان کا انتقال ۲۷/ رمضان ۱۰۸۱ھ/ 1671ء میں ہوا۔

(معجم المؤلفین، از عمر رضا کحالہ۔ ج: 04۔ ص: 132 نیز مقدمه مفید المفتی۔ ص: 58۔ طبع: کراچی)

298۔ ان سے مراد شیخ علی بن محمد سالم بن ولی الدین ترکمانیؒ ہیں۔ یہ اصل میں ترکمانستان کے رہنے والے تھے، لیکن ان کی پیدائش دمشق میں ہوئی۔ وہ حنفی فقیہ ہیں۔ ان کو دمشق میں فتویٰ کی امامت حاصل تھی۔ ان کا انتقال ۱۱۰۸ھ/ 1696ء میں ہوا۔ (دیکھئے! معجم المؤلفین۔ عمر رضا کحالہ۔ جلد: 07۔ ص: 199)

299۔ شیخ عبدالرحمٰن مجلد دمشقیؒ: یہ حنفی عالم ہیں۔ ۱۰۳۰ھ کے بعد پیدا ہوئے اور ۱۱۴۰ھ/ 1728ء میں دمشق میں ان

کا انتقال ہوا۔(ایضاً۔ جلد 05۔ص:166)

300۔ شیخ ابوالاخلاص حسن بن عمار مصری، شرنبلالیؒ: ان کی نسبت ''شرنبلالی'' سوادِ مصر کے علاقے ''منوف'' میں ایک شہر ''شبرابلولہ'' کی طرف ہے، لیکن ''شرنبلالی'' کی نسبت خلافِ قیاس ہے۔ وہ اپنے زمانے کے بڑے فقہا اور فضلا میں سے تھے۔ فتاویٰ کے سلسلے میں ان پر بڑا اعتماد کیا جاتا تھا۔ انھوں نے شیخ عبداللہ نحریریؒ، محمد محبیؒ اور علی بن غانم مقدسیؒ سے تعلیم حاصل کی۔ ان سے تعلیم حاصل کرنے والوں میں سید احمد حمویؒ، شیخ احمد عجیمیؒ اور شیخ اسماعیل نابلسیؒ وغیرہ ہیں۔ ان کی تصنیفات میں ''**حاشية على الدر و الغرر**'' اور فقہ حنفی کا مشہور مختصر متن ''**نور الإيضاح**'' شامل ہے۔ ان کا انتقال رمضان/۱۰۶۹ھ/ 1659ء میں ہوا۔

(**الفوائد البهيه**، از مولانا عبدالحئ لکھنویؒ۔ص:58، طبع: نور محمد، کراچی)

301۔ احمد حمویؒ سے مراد شیخ سید احمد بن محمد حسنی/حسینی، حموی، حنفی، مصریؒ ہیں۔ ان کی کنیت ''شہاب الدین'' ہے۔ ان کو علوم کی تمام اقسام و انواع پر پوری دسترس حاصل تھی۔ وہ بڑے مدرّس، فقیہ اور مفتی تھے۔ قاہرہ میں مدرسہ سلیمانیہ اور مدرسہ حسینیہ میں درس دیا کرتے تھے۔ ان کی پچیس سے زائد تصنیفات و تالیفات ہیں، جن میں مشہور تصنیف علامہ ابن نجیم مصری کی مشہور کتاب ''**الأشباه و النظائر**'' کی شرح ''**غمز عيون البصائر**'' ہے۔ یہ کتاب انھوں نے ۱۰۹۷ھ/ 1686ء میں مکمل کی۔ اس کے ایک سال بعد ان کا انتقال ۱۰۹۸ھ/ 1687ء میں ہوا۔

(**معجم المؤلفين**، ج:2، ص:93۔ نیز **حدائق الحنفيه**، از مولانا فقیر محمد جہلمی، ص:526، طبع: المیزان، لاہور)

مولانا عبدالاوّل جونپوریؒ نے اپنی کتاب ''**مفيد المفتي**'' میں لکھا ہے کہ: ''علامہ، فہامہ، فقیہ، سید احمد بن محمد حمویؒ (شیخ) حسن بن عمار شرنبلالیؒ کے شاگردِ رشید اور محشی ''**اشباه**'' ہیں۔''

(**مفيد المفتي**، از مولانا عبدالاول جونپوریؒ۔ص:65۔ طبع: مکتبہ غوثیہ، ملتان)

یہاں پر حضرت الاستاذ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ کو اشتباہ ہوا ہے۔ انھوں نے اس جگہ پر حاشیہ لکھتے ہوئے ایک دوسرے ''احمد حموی'' کا تذکرہ کردیا ہے۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

''احمد حموی کا پورا نام احمد بن حسین بن محمد بن حسن شریف حمویؒ ہے۔ یہ بڑے فقیہ ہیں۔ انھوں نے ایک رسالہ ''**حكم رفع الصوت بالذكر**'' (بلند آواز سے ذکر کرنے کا شرعی حکم) لکھا ہے۔

(**معجم المؤلفين**۔ جلد:01۔ص:207۔ از عمر رضا کحالہ)

یہ احمد حموی دوسرے صاحب ہیں، جو ۱۱۳۲ھ/ 1720ء تک زندہ تھے۔ جیسا کہ عمر رضا کحالہ نے لکھا ہے۔ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ نے ''**معجم المؤلفين**'' کی یہ عبارت نقل کرنے کے بعد ''**مفيد المفتي**'' کی مذکورہ بالا عبارت بھی نقل کی ہے۔ اس طرح نام کے اشتباہ کی وجہ سے ان دونوں شخصیات کو باہم ملا دیا۔ جو درست نہیں ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ شیخ حسن بن عمار شرنبلالیؒ کے شاگرد ''احمد بن حسین شریف حموی'' نہیں، بلکہ ''سید احمد بن محمد حموی مصری شہاب الدینؒ، متوفی ۱۰۹۸ھ'' ہیں۔ (آزاد)

302۔ شیخ، امام، علامہ کبیر، فاضل عبدالحکیم بن شمس الدین سیالکوٹیؒ: ہندوستان کے مشہور علما میں سے ہیں۔ ان کے علم وفضل پر دنیا بھر کے تمام علما کا اتفاق ہے۔ ان کی تصنیفات دنیا بھر میں پھیل گئیں۔ ان کی پیدائش پنجاب کے شہر ''سیالکوٹ'' میں ہوئی۔ وہیں انھوں نے پرورش پائی۔ شیخ کمال الدین کشمیریؒ سے تعلیم حاصل کرنے میں

مشغول ہوگئے۔ ان کی ایک طویل مدت تک صحبت اختیار کی اور انھیں سے علوم وفنون حاصل کر کے فارغ ہوئے۔ ان کا حافظہ بڑا غضب کا تھا۔ان کو تمام مسائل ہر وقت مستحضر رہتے تھے۔ ان کے علم وفضل کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے سلطان شاہ جہاں بادشاہِ ہندوستان نے دو مرتبہ چاندی سے تول کر ان کو عطیہ دیا۔ ان کی تصنیفات دنیا بھر میں علما کے نزدیک مقبول ومعروف ہیں۔ خاص طور پر رومی علما اس کے حصول کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے تھے۔ انھوں نے مختلف علوم وفنون میں ساٹھ سال تک درس وتدریس کی ہے۔ بہت عمدہ تصنیفات وتالیفات لکھی ہیں۔ ان کا انتقال ۱۸ ربیع الاول ۱۰۶۷ھ/ 1656ء میں سیالکوٹ میں ہوا۔ اور وہیں پر دفن ہوئے۔ (نزھة الخواطر۔ج:5۔ص:30-229۔طبع: طیب اکیڈمی، ملتان)

303۔ شیخ عبداللہ بن سعد حنفی لاہوریؒ: انھوں نے بڑی عمر پائی۔ مدینہ منورہ میں قیام فرمارہے۔ ان کے والد کا نام ''سعداللہ'' تھا، جب کہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ''سعدالدین'' تھا۔ ان کی ولادت ۹۸۵ھ/ 1577ء میں ہوئی۔ ان کا انتقال ۱۰۸۳ھ/ 1672ء میں ہوا۔ وہ ایسی شخصیت ہیں کہ جن سے تعلیم وتربیت اخذ کرنے والوں میں مفتیٔ مکہ قطب الدین محمد نہروانیؒ ہیں۔ مولانا عبدالحیٔ حسنیؒ کا کہنا ہے کہ: ''انھوں نے ان سے صحیح امامِ بخاریؒ کی ایسی سندِ عالی حاصل کی ہے کہ دنیا میں اس سند سے زیادہ بلند سند کسی کی مجھے معلوم نہیں۔''

ان سے روایت کرنے والوں میں شیخ ابراہیم بن حسن کردی مدنیؒ ہیں۔ ان سے روایت کرنے والے شیخ سالم بن عبداللہ بصری مکیؒ ہیں۔ یہاں تک کے ان کے ذریعے سے حجاز میں آپؒ کے علوم پھیلے۔ چناں چہ ان کا تذکرہ مذکورہ شیخ ابراہیم نے اپنی کتاب ''**الأمم لإيقاظ الهمم**'' میں کیا ہے۔ عبداللہ بن سالم نے ان کا ذکر اپنی کتاب ''**الإمداد بعلوّ الأسناد**'' میں کیا ہے۔ علامہ مرجاجیؒ نے اپنی کتاب ''**نزهة الرياض الإجازة**'' میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

''یہ بہترین سلسلۂ سند حرمین شریفین میں سوائے ہمارے مشائخ کے شیخ، جیسا کہ شیخ معمر عبداللہ بن سعد لاہوریؒ ہیں، کے کسی اور کے ذریعے نہیں پہنچا۔'' (نزھة الخواطر، ج:5۔ص:253)

304۔ شیخ کبیر علامہ عبداللہ لبیب بن عبدالحکیم سیالکوٹیؒ: انھوں نے اپنے والد سے علم حاصل کیا۔ حدیث کی تعلیم مفتی نورالحق بن شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سے حاصل کی۔ سلطان اورنگ زیب عالم گیرؒ اور ان کے شہزادگان ان کی بہت زیادہ عزت واحترام کرتے تھے۔ ان کی تصنیفات میں ''**التصريح على التلويح**''، ''**تفسير على سورة الفاتحة**'' اور ''**رسالة في حقائق التوحيد**'' شامل ہیں۔ یہ آخری کتاب انھوں نے سلطان اورنگ زیب عالم گیرؒ کے حکم پر لکھی تھی۔ ان کا انتقال رجب کے مہینے میں ۱۰۹۳ھ/ 1682ء میں ہوا، جیسا کہ ''مآثر'' نامی کتاب میں لکھا ہے۔ (نزھة الخواطر۔ ج:5۔ص:253)

305۔ شیخ تاج الدین بن زکریا عثمانی نقش بندی سنبھلیؒ: مشہور اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ ان کی پیدائش ''سنبھل'' شہر میں ہوئی۔ وہیں پرورش پائی۔ شیخ احمد نخلعی مکیؒ اپنے بعض رسالوں میں لکھتے ہیں:

''یہ شیخ تاج الدین اولیاء اللہ اور عارفین میں سے تھے۔ انھوں نے مکہ میں بڑی لمبی مدت تک قیام کیا۔ ۱۰۴۰ھ/ 1630ء میں آپؒ کا انتقال ہوا۔''

یہ وہ بات ہے، جو امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے استاذ شیخ ابوطاہر بن ابراہیم کردی مدنیؒ سے نقل کی ہے۔ ان سے تعلیم حاصل کرنے والوں میں شیخ عبدالباقی بن زین مرجاجی زبیدیؒ، شیخ عبداللہ بن شیخ بن عبداللہ بن

عبدالرحمٰن حضرمی عیدروسیؒ، شیخ عبداللہ بن محمد باقی (باللہ) دہلویؒ اور سید محمود بن اشرف حسینی امروہویؒ ہیں۔ان کے علاوہ بھی ایک بڑی مخلوق نے آپؒ سے استفادہ کیا۔ (نزهة الخواطر. ج:5۔ص:99)

306۔ شیخ ملا علی بن سلطان محمد ہرویؒ: آپؒ ''ملا علی قاری'' کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کا لقب ''نورالدین'' ہے۔ اپنے زمانے کے محقق ومدقق، محدث وفقیہ اور جامع علوم عقلیہ ونقلیہ تھے۔ وہ ''ہرات'' میں پیدا ہوئے۔ مکہ معظّمہ میں آکر خاتمۃ المحققین شیخ احمد بن حجر ہیثمی مکیؒ اور شیخ قطب الدین مکی نہروالی سے علوم پڑھے۔ ان کو مسجع ومقفی عربی عبارت لکھنے پر بڑی قدرت حاصل تھی۔ انھوں نے بے شمار تصنیفات لکھی ہیں۔ان کا انتقال مکہ مکرمہ میں ماہِ شوال ۱۰۱۴ھ/ 1606ء میں ہوا۔ان کی تاریخ وفات ''محقق درست ایمان'' ہے۔

(حدائق الحنفیه، ازمولوی فقیر محمد جہلمیؒ۔ص:22-421)

307۔ ان سے مراد شیخ ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد بن احمد بن بیریؒ مفتی مکہ ہیں۔ آپؒ حرمین شریفین میں علم فتویٰ کے بڑے ماہر لوگوں میں سے ہیں۔ فقہائے حنفیہ کے اکابرین میں سے ایک ہیں۔ ان کی تصنیفات ستر سے زائد ہیں۔ان میں ''**عمدة ذوی البصائر حاشية الأشباه و النظائر**''، ''**شرح مؤطّا إمام محمّد**''، ''**شرح تصحيح القدوری للشّيخ قاسم**''، ''**شرح المنسک الصّغير لعلی القاری**''، ''**شرح منظومة ابن شحنة فی العقائد**'' شامل ہیں۔ان کا انتقال ۱۶/ شوال ۱۰۹۹ھ/ 1688ء میں ہوا۔ ان کو ''**جنّت المَعلیٰ**'' میں حضرت خدیجہؓ کے قریب دفن کیا گیا، جیسا کہ کتاب ''**خلاصة الأثر**'' میں لکھا ہے۔

(طرب الأماثل بتراجم الأفاضل، ازمولانا عبدالحئی لکھنویؒ۔ص:54-253۔مطبوعہ: کتب خانہ نور محمد، کراچی)

308۔ ان سے مراد شیخ عبدالرحمٰن بن مرشد الدین عمری مرشدیؒ ہیں۔ آپؒ حنفی عالم ہیں۔ ''مرشدی'' کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی پیدائش مکہ مکرمہ میں ۵/ جمادیٰ الاولیٰ ۹۷۵ھ/ 1567ء میں ہوئی۔ وہ بڑے عالم اور ادیب تھے۔علوم کی بہت سی اقسام پر ان کو بڑی قدرت حاصل تھی۔ حرمِ مکی کے افتا کی ذمہ داری ان کے سپرد تھی۔ان کو ۹/ ذوالحجہ ۱۰۳۷ھ/ 1628ء میں شہید کردیا گیا۔

ان کی تصنیفات میں: ''**شرح عقود الجمان فی المعانی و البيان للسيوطیؒ**''، ''**الوافی شرح الكافی فی العروض و القوافی**''، ''**حاشية علیٰ تفسير البيضاوی**''، ''**مناح السمر فی منازل القمر**''، ''**جامع الفتاویٰ**'' شامل ہیں۔ اَور بھی ان کی شعروشاعری اور نثر پر کئی یادگار کتابیں ہیں۔

(معجم المؤلفین، ازعمر رضا کحالہؒ۔ ج:05۔ص:164)

شیخ عبدالستار صدیقیؒ لکھتے ہیں کہ: ''مرشدی کی نسبت اس لیے ہے کہ ان کے والد کا نام ''مرشدالدین'' تھا۔ وہ شیراز سے دسویں صدی کے اوائل میں مکہ مکرمہ آئے تھے۔''

(موائد الفضل و الكرم الجامعه لتراجم اهل الحرم (قلمی)، ازشیخ عبدالستار صدیقی دہلویؒ۔ص:108)

309۔ شیخ، عالم، علامہ، محدث، مفتی، قطب الدین محمد بن علاؤ الدین احمد بن محمد بن محمود حنفی، نہروالی، مکیؒ: ان کی نسبت ''نہروالی'' اس لیے ہے کہ ان کے خاندان کا تعلق ہندوستان کے شہر گجرات کے قریب ایک قصبے ''نہروالہ'' کی طرف ہے، جو کہ ''پٹن'' گجرات کاٹھیا واڑ کا پرانا نام ہے۔ وہ بیت اللہ الحرام کے مشہور علما وفقہا میں سے تھے۔ حدیث وفقہ میں ان کو بڑی مہارت حاصل تھی۔ اس لیے ان کو مکی کہا جاتا ہے۔ ان کی ولادت لاہور میں ۹۱۷ھ/ 1511ء میں ہوئی۔انھوں نے اپنے والد اور شیخ عبدالحق سنباطیؒ سے علم کا حصول کیا۔ پھر

مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ وہاں خطیب معمر احمد بن محبّ الدین بن ابوالقاسم نویری مکی اور محدث یمن وجیہ الدین عبدالرحمٰن شعبانی زبیدیؒ وغیرہ سے علوم حاصل کیے۔ پھر وہ ۹۴۳ھ/ 1536ء میں مصر تشریف لے گئے۔ پھر مصر کے علما سے علوم حاصل کیے۔

انھوں نے طریقت کا سلسلہ شیخ علاؤالدین کرمانی نقشبندیؒ متوفی ۹۳۹ھ/ 1532ء سے حاصل کیا۔ ان کو "صحیح بخاری" کی ایسی سندِ عالی حاصل ہے، کہ اس سند سے زیادہ اونچی سند دنیا میں کسی کی نہیں ہے۔ وہ صرف آٹھ واسطوں سے امام بخاریؒ سے ''بخاری شریف'' کی روایت کرتے ہیں۔ مصر سے واپسی پر وہ مدرسہ اشرفیہ مکہ معظّمہ میں مدرّس ہوئے۔ پھر ۹۶۵ھ/ 1558ء میں استنبول تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپس آئے تو سلطان احمد شاہ گجراتی کے مدرسہ واقعہ مکہ مکرمہ میں منتظم اور متولی رہے۔ پھر ۹۷۵ھ/ 1567ء میں مدرسہ حنفیہ سلیمانیہ قائم ہوا، تو اس میں طب، حدیث اور اصولِ فقہ کا درس دیتے رہے۔ خلافتِ عثمانیہ کی جانب سے وہ مکہ معظّمہ کے مفتی اور حرم میں خطیب کی حیثیت سے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ سلطان سلیمان، سلطان سلیم اور سلطان مراد آپؒ کی بڑی عزت و احترام کرتے رہے۔ ان کا انتقال ۹۹۱ھ/ 1583ء میں مکہ مکرمہ میں ہوا۔ انھوں نے کافی تصانیف لکھی ہیں۔

(الیانع الجنی، ص: 23۔ نیز نزہۃ الخواطر۔ ج: 04۔ ص: 254 تا 258)

مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ کو یہاں پر حاشیہ لکھتے ہوئے اشتباہ ہوا ہے۔ انھوں نے "الیانع الجنی'' کی مذکورہ بالا عبارت کے بعد لکھا ہے کہ:

''مولانا عبدالحئ حسنیؒ ''نزهة الخواطر" میں لکھتے ہیں کہ: ''شیخ صالح قطب الدین ذاکر نہروالی گجراتی ''قطبِ جہاں'' کے لقب سے مشہور تھے۔ آپؒ گجرات کے علاقے کے بڑے کِبار مشائخ میں سے تھے۔ ان سے تعلیم حاصل کرنے والوں میں شیخ ولی محمدؒ اور شیخ لشکر محمدؒ بھی تھے۔ حقائق و معارف میں آپؒ کے بہت سے مکتوبات ہیں۔ جنھیں کئی ضخیم جلدوں میں جمع کیا گیا ہے۔ (نزهة الخواطر۔ ج: 4۔ ص: 271)''

یہ درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ ''قطب الدین ذاکر نہروالی گجراتی'' کے حالات ہیں۔ نام کی مشابہت کی وجہ سے مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ نے ان کا تذکرہ یہاں کر دیا، جب کہ ''نزهة الخواطر" میں مولانا عبدالحئ لکھنویؒ نے ''قطب الدین مکیؒ'' کے حالات ''شیخ محمد بن احمد نہروالیؒ'' کے نام سے لکھے ہیں جو اوپر درج کر دیے گئے ہیں۔ (آزاد)

310۔ شیخ علی بن جار اللہ بن محمد بن ابوالیمن محمد ابن ابوبکر بن ابوالبرکات محمد بن ابوالسعود محمد بن ظہیرہ مفتیٔ مکہ، قریشی، مخزمی، ظہیری، حنفیؒ: ''ظہیرہ'' تصغیر کے ساتھ ہے۔ ''بیتِ ابن ظہیرہ'' مکہ مکرمہ کے قدیم خاندانوں میں سے ایک ہے۔ وہ گیارہویں صدی کے اوائل میں مکہ مکرمہ میں "مفتی الحنفیه" تھے۔ امام سخاویؒ فرماتے ہیں کہ: ''خاندانِ بنی ظہیرہ میں سب سے پہلے جو فرد حنفی بنے، وہ شیخ ابوالیمن تھے۔ شیخ علی بن جار اللہ ظہیرہ اپنے زمانے میں حرمِ مکی میں خطیب اور مفتی تھے۔ اور ان کو بڑی شہرت اور بلندی حاصل تھی۔ لوگ دور دراز سے سفر کر کے آپؒ سے فتاویٰ اور علم حدیث کی سند حاصل کرنے آیا کرتے تھے۔ ان کا انتقال ۱۰۱۰ھ/ 1601ء میں ہوا۔ ان کی عمر نوے سال سے زائد تھی۔ وہ اُن لوگوں میں سے ہیں، جنھوں نے اپنے زمانے میں ''محکمۂ شرعیہ'' جاری کیا۔ (موائد الفضل و الکرم الجامعه لتراجم اهل الحرم، (قلمی) ص: 112)

مولانا سندھیؒ نے شیخ علی بن جاراللہ کا سن وفات ۹۸۶ھ (1578ء) لکھا ہے، جب کہ شیخ عبدالستارؒ نے "موائد الفضل" میں ۱۰۱۰ھ (1601ء) لکھا ہے۔ واللہ اعلم (آزاد)

311۔ ان سے مراد شیخ احمد بن محمد بن احمد بن یونس بن اسماعیل بن محمود سعودی مصریؒ ہیں۔ آپؒ "شلبی" کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی کنیت "شہاب الدین" اور "ابوالعباس" ہے۔ وہ بڑے فقیہ اور نحوی تھے۔ ان کی تصنیفات میں فقہ حنفی کی مشہور کتاب "کنز الدّقائق" کی شرح "تجريد الفوائد الرّقائق فی شرح كنز الدّقائق"، "الفوائد السّنيّة علٰى شرح المقدّمة الأزهرية"، "الدُّرر الفرائد علٰى شرح الأجرومية للشّيخ خالد" ہیں۔ یہ دونوں کتابیں نحو میں ہیں۔ اسی طرح "اتحاف الرّواة بمسلسل القضاة"، "مناسک الحجّ" اور "فتاوىٰ"، جنھیں ان کے پوتے علی بن محمدؒ نے جمع کیا ہے۔ شیخ شلبیؒ کی وفات ۱۰۲۱ھ/ 1612ء میں ہوئی۔ (معجم المؤلفين۔ ج: 02۔ ص: 78)

312۔ شیخ محمد بن عمر حانوتی، مصری، حنفیؒ: آپؒ بھی بڑے فقیہ اور ادیب تھے۔ ان کی وِلادت ۱۹/ صفر ۹۲۸ھ/ 1521ء میں ہوئی۔ ان کا انتقال ۱۰۱۰ھ/ 1601ء میں ہوا۔ ان کی تصنیفات میں: "إجابة السائلين بفتوى المتأخّرين" دو جلدوں میں اور "مناقب الشعراء" ہیں۔ (معجم المؤلفين، ج: 11۔ ص: 78)

313۔ شیخ شہاب الدین ابوالعباس احمد بن محمد بن عمر خفاجی، مصری: آپؒ بڑے حنفی عالم، لغوی اور بڑے ماہر ادیب تھے۔ ان کی ولادت مصر میں ۹۷۹ھ/ 1571ء میں ہوئی۔ ان کا انتقال 12/ رمضان المبارک ۱۰۶۹ھ/ 1659ء میں ہوا۔ ان کی تالیفات وتصنیفات بہت زیادہ ہیں۔ (معجم المؤلفين، ج: 2۔ ص: 138)

314۔ شیخ کبیر امام عبدالعزیز بن حسن بن طاہر عباسی، دہلوی، شکر بارؒ: آپؒ چشتی مشائخ میں سے بڑے لوگوں میں سے تھے۔ "شکر بار" کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان کی ولادت شہر جونپور میں ۸۹۸ھ/ 1493ء میں ہوئی۔ ان کے والدِ گرامی کا انتقال بچپن میں ہی ہوگیا تھا۔ ان کی والدہ نے آپؒ کی تربیت کی۔ انھوں نے شیخ محمد بن عبدالوہاب حسینیؒ اور شیخ ابراہیم بن معین حسین ایرجیؒ سے علوم حاصل کیے۔ طریقۂ سہروردیہ انھوں نے شیخ عبدالوہابؒ اور طریقۂ قادریہ شیخ ابراہیمؒ سے حاصل کیا۔ پھر انھوں نے ظفرآباد کا سفر کیا۔ شیخ قاضی خان بن یوسف ناصحیؒ کی تین سال صحبت اختیار کی۔ ان سے طریقۂ چشتیہ حاصل کیا۔ شیخ تاج محمود جونپوریؒ نے بھی ان کو طریقۂ چشتیہ میں اجازت دی تھی۔

یہ تمام فضائل و مراتب حاصل کر کے آپؒ دہلی تشریف لائے۔ رُشد وہدایت کا سلسلہ قائم فرمایا۔ وہاں انھوں نے درس وتدریس اور تفسیر وتصوف کی تعلیم شروع کی۔ ان کی بائیس سے زیادہ تصنیفات ہیں، جن میں فقہ اور تصوف پر کئی کتابیں ہیں۔ ان کا انتقال دہلی میں پیر کے دن ۷/ جمادی الاخریٰ ۹۷۵ھ/ 1567ء میں ہوا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ عام طور پر آپؒ اپنے مکتوبات میں اپنے نام سے پہلے "ذرّۂ ناچیز" لکھا کرتے تھے۔ ان کی موت کے بعد جب اس کے عدد شمار کیے گئے، تو وہ ان کی تاریخ وفات تھی۔

(نزهة الخواطر۔ ج: 04۔ ص: 64-163)

315۔ شیخ، امام، عالم کبیر، محدث علی بن حسام الدین بن عبدالملک بن قاضی خان متقی، شاذلی، مدنی، چشتی، برہان پوری، مہاجرِ مکیؒ: آپؒ شہر برہانپور میں ۸۸۵ھ/ 1480ء میں پیدا ہوئے۔ بچپن سے ہی ان کے والد نے ان کے شیخ بہاؤالدین صوفی برہانپوریؒ سے مرید کرا دیا تھا۔ بالغ ہونے کے بعد آپؒ نے اُن سے خوب فیض

حاصل کیا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ عبدالحکیم بن بہاؤالدینؒ نے ان کو خرقۂ خلافت عطا کیا۔ اس کے بعد انھوں نے ہندوستان کا سفر کیا۔ پھر شیخ حسام الدین متقی ملتانیؒ کی صحبت دو سال تک اختیار کی۔ ان سے تفسیر بیضاوی وغیرہ پڑھی۔ پھر حرمین شریفین تشریف لے گئے اور شیخ ابوالحسن شافعیؒ بکری سے علومِ حدیث حاصل کیے۔ ان سے طریقۂ قادریہ شاذلیہ اور مدینیہ حاصل کیا۔ نیز یہ تمام سلسلے شیخ محمد بن محمد سخاوی مصریؒ سے بھی حاصل کیے۔ علم حدیث انھوں نے شیخ شہاب الدین احمد ابن حجر مکیؒ سے بھی حاصل کیا۔ پھر وہ بیت اللہ الحرام مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہوگئے۔ ان کی کافی تصنیفات ہیں۔ ان کا انتقال منگل کی رات ۲/ جمادی الاولیٰ ۹۷۵ھ/ 1567ء میں مکہ مکرمہ میں ہوا۔ اور حضرت فضیل بن عیاض کی قبر کے قریب ''جنت المعلیٰ'' میں دفن ہوئے۔ (نزھۃ الخواطر، ج:4، ص: 209)

316۔ شیخ عالم کبیر محدث رحمت اللہ بن عبداللہ بن ابراہیم عمری، سندھیؒ، مہاجرِ مدینہ: آپؒ سندھ کے علاقے میں واقع ایک شہر ''دربیلہ'' میں پیدا ہوئے۔ وہیں بڑے عمدہ طریقے سے پرورش پائی۔ پھر اپنے والد کے ساتھ گجرات کا سفر کیا۔ پھر وہاں سے حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ انھوں نے علم حدیث شیخ علی بن محمد بن عراق خطیب مدنیؒ مصنف ''تنزیہ الشریعۃ'' وغیرہ ائمہ حدیث سے حاصل کیا۔ پھر واپس ہندوستان تشریف لائے۔ ان کے ساتھ عبداللہ بن سعداللہ سندھیؒ بھی تھے۔ گجرات میں قیام فرمایا۔ یہاں بہت زیادہ قیام کی وجہ سے وہ ان کا وطن بن گیا۔ انھوں نے وہاں پر بہت سال درس وتدریس کا کام کیا۔ ان سے بہت زیادہ مخلوق نے تعلیم وتربیت حاصل کی۔ جن کی تعداد شمار نہیں کی جاسکتی۔ وہ بہت ہی زیادہ تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرنے والے تھے۔ عزیمت پر عمل کرتے تھے۔ حجاز میں قیام کے دوران شک وشبہ کی وجہ سے کوئی نذر و نیاز قبول نہیں کرتے تھے۔ ان کی بہت ساری تصنیفات ہیں۔ ان کا انتقال ۸/ محرم الحرام ۹۹۴ھ/ 1585ء میں ہوا۔ (نزھۃ الخواطر۔ ج: 04۔ ص: 112)

317۔ شیخ عالم محدث عبداللہ بن سعداللہ متقی، سندھی، مہاجر مدنیؒ: ان کے زمانے میں علم حدیث وتفسیر میں ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں تھا۔ ان کی پیدائش سندھ میں ہوئی۔ وہیں پر آپؒ نے پرورش پائی۔ پھر گجرات کا سفر کیا۔ وہاں انھوں نے ۹۴۷ھ/ 1540ء میں قاضی عبداللہ بن ابراہیم سندھیؒ کی صحبت اختیار کی۔ پھر انھیں کے ساتھ حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ حرمین میں اپنے زمانے کے ائمہ حدیث سے علم حدیث حاصل کیا۔ خاص طور پر شیخ علی بن حسام الدین متقی برہان پوریؒ سے فیض حاصل کیا۔ مدینہ منورہ میں بڑی طویل مدت قیام کیا۔ پھر ہندوستان واپس لوٹے۔ شیخ رحمت اللہ بن قاضی عبداللہ سندھیؒ کی صحبت اختیار کی۔ گجرات میں کافی زمانے تک قیام کیا۔ وہاں درس وتدریس میں مشغول رہے۔ ان سے یہاں پر بہت سے علما نے تعلیم و تربیت حاصل کی۔ ان کی تصنیفات میں ''**جمع المناسک**'' اور ''**حاشیہ علی العوارف للسّہروردی**'' ہیں۔ پھر وہ مکہ مکرمہ واپس تشریف لے گئے۔ وہیں پر ماہِ ذوالحجہ ۹۸۴ھ/ 1576ء میں ان کا انتقال ہوا۔ آپؒ کی تصنیفات بھی کافی ہیں۔ (نزھۃ الخواطر۔ ج: 04۔ ص: 205)

318۔ امام، علامہ، شیخ زین الدین بن ابراہیم بن محمد بن محمد بن محمد بن بکر مصری بن نجیمؒ: آپؒ ''**ابن نُجیم**'' کے نام سے مشہور ہیں۔ قاہرہ میں ۹۲۶ھ/ 1520ء میں پیدا ہوئے۔ وہاں کے علما سے علوم و فیوض حاصل کیے۔

انھوں نے فقہ کی تعلیم شیخ امین الدین بن عبدالعال حنفیؒ، شیخ قاسم بن قطلو بغاؒ، شیخ ابوالفیض سلمیؒ، شیخ برہان الدین کرکیؒ، شیخ شرف الدین بلقینیؒ اور شیخ الاسلام احمد بن یونسؒ المشہور ''ابن شلبی'' سے حاصل کی۔
وہ اپنی ابتدائی زندگی میں ہی علم میں مشغول ہو گئے۔ انھوں نے علم کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ یہاں تک کہ اللہ نے ان پر اس کا دروازہ کھول دیا۔ وہ علم فقہ میں منفرد شخصیت، بہترین قانون ساز اور درس و اِفتا کے اونچے درجے پر فائز تھے۔ ان سے بہت سے لوگوں نے علوم حاصل کیے۔ خاص طور پر آپؒ کے بھائی شیخ عمر ابن نجیمؒ مصنف ''**نهـر الـفـائـق**'' اور علامہ محمد تمر تاشیؒ وغیرہ نے علوم حاصل کے۔ وہ علومِ فقہ پر عبور کے ساتھ ساتھ فقرائے صوفیا کے طرز پر انتہائی زاہدانہ زندگی بسر کرنے والے تھے۔ ان کی بہت سی مشہور تصنیفات ہیں، جن میں ''**بحر الرّائق شرح کنز الدّقائق**''، ''**شرح المنار فی الاصول**'' اور ''**الأشباہ و النظائر**'' جیسی بلند پایہ فقہی کتابیں ہیں۔ جہاں تک کتابوں کے حواشی اور تعلیقات کا تعلق ہے، تو وہ شمار سے بھی باہر ہیں۔
ان کا انتقال بدھ کے دن، رجب کے مہینے میں ۹۷۰ھ/ 1563ء میں ہوا۔ سیدہ سکینہؓ کے قریب دفن ہوئے۔

(مقدمہ ''**الاشباہ و النظائر**''۔ ج:1۔ ص:3-402)

319۔ مخدوم، شیخ عبدالقادر ثانی، اوچیؒ بن سید محمد غوث بن شمس الدین حلبیؒ بن سید شاہ میر بن سید علی بن سید مسعود بن سید احمد بن سید صفی الدین بن سید سیف الدین عبدالوہاب بن غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانیؒ: آپؒ غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کے والد سید محمد غوثؒ ۸۸۷ھ/ 1482ء میں حلب شہر (شام) سے اوچ شریف تشریف لے آئے تھے۔ یہیں ان کی پیدائش ۸۹۲ھ/ 1487ء میں ہوئی۔ انھوں نے اپنے والدِ گرامی سے تربیت اور فیض حاصل کیا۔ پھر انھیں کی جگہ پر ان کے جانشین بنے۔ ان کے ہاتھ پر سینکڑوں ہزاروں لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ وہ اپنے مورثِ اعلیٰ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے حقیقی جانشین اور ان کی نسبت کے امین تھے۔ انھوں نے دنیا کی تمام چیزوں سے استغنا برتتے ہوئے زُہد وفقر کا راستہ اختیار کیا۔ ان کا انتقال ۱۸/ ربیع الاول ۹۴۰ھ/ 1533ء میں اوچ شریف میں ہوا۔ اوچ گیلانی میں ان کا مزار مرجع خلائق ہے۔

(نزہۃ الخواطر، ج:4، ص: 176۔ نیز خطۂ پاک اوچ، از مسعود حسن شہاب، ص: 252 تا 262، طبع: اردو اکیڈمی، بہاولپور)

ان کے صاحبزادے شیخ عبدالرزاق ان کے جانشین بنے اور علوم و افکار کے وارث ہوئے۔ ان کا انتقال ۵/ جمادی الاخریٰ ۹۴۲ھ/ 1535ء میں ہوا۔ وہ بھی اوچ میں مدفون ہیں۔
ان کے صاحبزادے سید حامد گنج بخش گیلانیؒ ہوئے۔ جو ان کے جانشین اور اس سلسلے کے مسند نشین تھے۔ ان کا انتقال ۹/ ذوالقعد ۹۷۸ھ/ 1571ء میں ہوا۔ وہ بھی اس شہر میں مدفون ہیں۔
ان کے صاحبزادے حضرت سید ابوالحسن جمال الدین موسیٰ پاک شہیدؒ ہوئے۔ وہ اپنے والد کے انتقال کے بعد بڑے بھائی سے اختلاف کی وجہ سے اوچ شریف سے ملتان تشریف لے گئے۔ جہاں ۱۰۰۱ھ تک ان کے علوم و فیوض سے ہزاروں لوگ مستفید ہوئے، جن میں خاص طور پر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ہیں۔ ان کو ۲۳/ شعبان ۱۰۰۱ھ/ مئی/ 1593ء میں ایک شخص نے چھپ کر تیر مارا، جس سے وہ شہید ہو گئے۔ ان کو پہلے اوچ شریف میں دفن کیا گیا۔ پھر پندرہ سال کے بعد ان کے صاحبزادے اور جانشین مخدوم سید حامد بخش

ان کا جسدِ خاکی لے کر ملتان تشریف لائے۔ ان کی خانقاہ میں ان کی تدفین کی گئی۔
(دیکھیا ملتان، از ڈاکٹر زاہد علی واسطی۔ص: 322 تا 325۔طبع: بیکن بکس، ملتان)

320۔ ان سے مراد شیخ ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن محمد اسماعیل کرکیؒ ہیں۔ اصلاً کرک کے رہنے والے تھے۔ قاہرہ میں ۸۳۵ھ/ 1431ء میں پیدا ہوئے۔ وہیں پر پرورِش پائی۔ وہیں پر قیام فرما رہے۔ ان کا انتقال ۹۲۲ھ/ 1516ء میں ہوا۔ یہ ''ابن الکرکی'' کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی کنیت ''برہان الدینؒ'' ہے۔ انھوں نے ساری عمر درس وتدریس، تصنیف و تالیف، اِفتا و اِرشاد اور حدیث کا درس دیا۔ نظم ونثر میں ان کی کئی تصانیف ہیں۔ (معجم المؤلفین، از عمر رضا کحالہ۔جلد: 01۔ص: 46)

321۔ شیخ سری الدین، ابوالبرکات عبدالبر بن محمد بن محبّ الدین محمد بن محمد المعروف ابن شحنہ حلبیؒ: ان کی پیدائش منگل کی رات، ۹/ ذوالقعدہ ۸۵۱ھ/ 1447ء میں حلب شہر میں ہوئی۔ وہاں سے وہ قاہرہ تشریف لائے۔ قرآن کریم حفظ کیا۔ انھوں نے شیخ امین اقصرائی، تقی، شمنی، ہائیؒ اور شیخ قاسم بن قطلوبغاؒ سے تعلیم حاصل کی۔ ان کا انتقال ۹۲۱ھ/ 1515ء میں ہوا۔ (الفوائد البھیہ، از مولانا عبدالحئی لکھنویؒ: ص114)

322۔ ان سے مراد شیخ علی بن قوام الدین حسینی جون پوریؒ ہیں۔ آپؒ ہندوستان میں صوفیا کے بڑے مشائخ میں سے ہیں۔ ان کے والد کا انتقال بچپن میں ہی ''سنبھل'' کے قریب ہوگیا تھا، جو کہ اس علاقے کے والی تھے۔ چناں چہ ان کی پرورِش ان کے چچا محمد بن سعیدؒ کے زیرِسایہ ہوئی۔ ان کا تذکرہ شیخ محمد بن فضل محبیؒ نے اپنی کتاب ''خلاصۃ الاثر'' میں شیخ تاج الدین سنبھلیؒ کے تذکرے میں کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ:
''سید علی بن قوام ہندیؒ اکابر اولیاء اللہ میں سے تھے۔ آپؒ کو بہت سے عجیب تجربات حاصل تھے۔ اور جذبِ قوی کے مالک تھے۔ بعض صالحین اور بزرگوں کا کہنا ہے کہ امتِ محمدیہؐ میں قطبِ ربانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بعد کرامات وتصرفات اور خرقِ عادات میں آپؒ جیسا کوئی اور آدمی ظاہر نہیں ہوا۔''
سید علیؒ کی وفات ۶/ صفر ۹۵۵ھ/ 1548ء میں ہوئی۔ (نزھۃ الخواطر۔ج: 04۔ص 245)

323۔ شیخ مولانا عبدالرحمٰن بن احمد بن محمد نورالدین جامیؒ: ان کے والدِ گرامی کا نام نظام الدین احمد دشتی بن شمس الدین محمد ہے۔ وہ قصبہ ''جام'' کے قریب موضع ''خرجرد'' میں ۲۳/ شعبان ۸۱۷ھ/ 1414ء میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق امام محمد بن حسن شیبانیؒ کی اولاد سے ہے۔ ان کے والد شمس الدین احمد بھی علم وتقویٰ کے مشہور لوگوں میں سے تھے۔ ان کے والد اصفہان سے قصبہ ''جام'' میں تشریف لائے۔ پھر کچھ عرصے بعد ہرات میں منتقل ہوگئے۔ انھوں نے علومِ معقولہ اور منقولہ کی ابتدائی تعلیم اسی جگہ اپنے والد سے حاصل کی۔ پھر بہت جگہوں پر اسفار کے ذریعے علما ومشائخ سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد مدرسہ نظامیہ ہرات میں داخل ہوئے اور مشہور علما سے فیض حاصل کیا۔
ابتدائی ذکر واَذکار کی تلقین آپؒ نے شیخ سعدالدین کاشغریؒ سے حاصل کی۔ پھر خواجہ عبیداللہ احرار نقشبندیؒ کی صحبت اور خدمت اختیار کی۔ ان کی صحبت و برکت سے صوفیا کے عظیم مشائخ میں آپؒ کا شمار ہونے لگا۔ ان کی بہت سی کتابیں ہیں، جن میں ''نفحات الانُس''، ''شرح فصوص الحکم''، ''رسالة فی الوجود'' اور نحو کی مشہور کتاب ''الفوائد الضیائیة'' المعروف ''شرح جامی'' وغیرہ ہیں۔ ان کا انتقال جمعہ کے دن

۱۸/محرم ۸۹۸ھ/ 1492ء میں ہوا۔ (الفوائد البهیه، از مولانا عبدالحئی لکھنویؒ۔ص: 86 تا 88۔ نیز دیکھئے! ابتدائیہ حیاتِ صوفیا،ص: 22 تا 36،طبع صادق آباد)

324۔ شیخ محمد مودود لاریؒ علمِ توحید کے بڑے ماہر لوگوں میں سے تھے۔ وہ تفرید و تجرید کو پسند کرتے تھے۔ ان کی وِلادت ۹۰۰ھ/ 1495ء میں ہوئی۔ ان میں اور شیخ امان اللہ پانی پتیؒ میں کافی طویل مدت تک باہمی صحبت رہی۔ شیخ امان اللہؒ نے ان سے علمِ توحید کا استفادہ کیا۔ ''**فصوص الحکم**'' کی کتاب پر تحقیق حاصل کی۔ انھوں نے آگرہ میں ایک طویل مدت تک قیام کیا۔ اس کے بعد شیخ امان اللہؒ کے شدید اصرار پر پانی پت میں سکونت اختیار کی۔ وہیں پر ان کا انتقال ہوا۔

(اخبار الأخیار، از شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ص:227۔طبع:مجتبائی، دہلی)

325۔ مولانا شیخ عبدالغفور بن علی لاریؒ: ان کا لقب ''رضی الدین'' تھا۔ آپؒ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے اَجل تلامذہ میں سے تھے۔ ان کے خلفا میں سے اہم خلیفہ تھے۔ وہ حضرت سعد بن عبادہؓ کی اولاد میں سے تھے۔ علومِ ظاہری اور باطنی کے جامع تھے۔ ان کا انتقال ماہِ شعبان/۹۱۲ھ/ 1506ء میں ہوا۔ ان کی تصنیفات میں ''**الإختصار و الذیل علی نفحات الانس للجامی**'' اور ''**حاشیة علٰی شرح الجامی للکافیة**'' وغیرہ شامل ہیں۔ (معجم المؤلفین، ج:5،ص:269۔ نیز مفید المفتی،ص:126)

326۔ شیخ زین الدین احمد بن محمد بن عبداللطیف شرجی، یمنی، حنفیؒ: ''شرجیہ'' یمن میں قصبہ ''ہیث'' اور شہر زبید کے درمیان ایک بستی کا نام ہے۔ ان کے دادا شیخ عبداللطیف بن ابوبکر بن احمد بن عمر شرجی، زبیدی، یمنی، حنفی، سراج الدینؒ تھے۔ وہ مشہور نحوی فقیہ اور فلکی تھے۔ کئی کتابیں ان کی تصنیف ہیں۔ شیخ عبداللطیف کی پیدائش ۷۴۷ھ/ 1346ء میں ہوئی۔ ان کا انتقال ۸۰۲ھ/ 1400ء میں ہوا۔ (معجم المؤلفین، ج:6،ص:8)
شیخ زین الدین احمد شرجیؒ انھیں کے پوتے ہیں۔ ان کا انتقال مولانا سندھیؒ کی تصریح کے مطابق ۸۹۳ھ/ 1488ء میں ہوا۔

یہاں پر مولانا غلام مصطفٰی قاسمیؒ لکھتے ہیں:

''میرا خیال ہے کہ ان سے مراد احمد بن عبداللطیف شرجی یمنی حنفیؒ ہیں، جن کا انتقال ۷۳۵ھ/ 1334ء میں ہوا۔ اور اللہ زیادہ جانتا ہے۔'' (معجم المؤلفین۔ ج: 01۔ص: 282)

مولانا قاسمی صاحبؒ کا یہ خیال درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ اسی جگہ عمر رضا کحالہ نے ان کا لقب ''شہاب الدین'' لکھا ہے، جب کہ مولانا سندھیؒ نے احمد بن محمد شرجیؒ کا لقب ''زین الدین'' بیان کیا ہے۔ نیز ان کی تاریخ وفات بھی درست نہیں۔ عمر رضا کحالہ نے جس تاریخ وفات کا تذکرہ کیا ہے، وہ صرف ''کتب خانہ سلیم آغا'' کے حوالے سے ہے۔ باقی مآخذ اس سلسلے میں خاموش ہیں۔ اندازہ یہ ہے کہ ان کی تاریخ وفات ۸۳۵ھ/ 1432ء ہوگی۔ جو کاتبین کی غلطی سے 735ھ ہوگی۔ یہ شیخ عبداللطیف شرجیؒ کے صاحبزادے ہیں، جب کہ مولانا سندھیؒ نے جن کا تذکرہ کیا ہے، وہ شیخ عبداللطیف کے دوسرے بیٹے محمد کے بیٹے احمد ہیں، جن کو مولانا سندھیؒ نے ''زین شرجی'' کے نام سے بیان کیا ہے۔ (آزاد)

327۔ علامہ قاسم بن قطلوبغاؒ: ان کی کنیت ''زین الدین'' ہے۔ آپؒ فقہ حنفیؒ کے بڑے عالم، مؤرّخ اور محقق ہیں۔ ان

کی ولادت ۸۰۲ھ/ 1400ء میں قاہرہ میں ہوئی۔ علامہ سخاویؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:
''امام، علامہ، زبان و بیان پر قدرت رکھنے والے، مناظرے کے ماہر اور نقد و جرح پر عبور رکھنے والے تھے۔''
علمائے احناف کے حالات پر آپؒ کی ایک کتاب **"تاج التّراجم فی علماء الأحناف"** ہے۔ نیز **"غریب القرآن و تقدیم اللّسان"** دو جلدوں میں ہے۔ اَور بہت ساری دیگر کتابیں ہیں۔ **''مفید المفتی''** میں لکھا ہے کہ: ''علامہ قاسم بن قطلو بغاؒ نے علمِ حدیث حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، شیخ سراج الدین قاری الہدایہؒ اور شیخ ابن ہمامؒ سے حاصل کیا ہے۔'' ان کی وفات قاہرہ میں ہی ۴/ربیع الآخر ۸۷۹ھ/ 1474ء میں ہوئی۔
(دیکھیے **!الأعلام**، ج:6، ص: 14۔ نیز **مفید المفتی**، ص: 125)

328۔ ان سے مراد شیخ محمد بن سلیمان رومی حنفیؒ ہیں، جو ''کافیجی'' کے نام سے مشہور ہیں۔ تقریباً ۷۸۸ھ/ 1386ء میں ان کی پیدائش ہوئی۔ جو لوگ ۸۰۱ھ/ 1398ء میں ان کی پیدائش کا تذکرہ کرتے ہیں، وہ غلط ہے۔ انھوں نے شیخ شمس سے فتوے کا علم حاصل کیا۔ عقل و بُرہان کی تعلیم امیر حیدر خافیؒ / حیدرہ بن احمد، جو کہ علامہ سعدالدین تفتازانیؒ کے تلامذہ میں سے ہیں اور شیخ عبدالواحد کوتائیؒ وغیرہ سے حاصل کی۔ تیس سال کی عمر کے بعد قاہرہ تشریف لائے۔ شیخ بساطی وغیرہ محققینؒ کے ساتھ مل کر تحقیق و تدریس میں مشغول رہے۔ اس دوران ان کا تذکرہ مشہور ہوگیا۔ ان کے تلامذہ اور فتوے لوگوں میں پھیل گئے۔ لوگوں نے ان سے طبقہ بعد طبقہ فائدہ اٹھایا۔ ان کی تصانیف سو سے زیادہ ہیں۔ ان کی تعریف شیخ حسن بن ابراہیم خالدیؒ شاعر نے بہت عمدہ الفاظ میں کی ہے۔ ان کا انتقال اسہال کی وجہ سے جمعہ کی صبح ۴/ جمادی الثانیہ ۸۷۳ھ/ 1468ء میں ہوا۔
(**''الضوء اللامع'' لأهل القرن التّاسع**، از امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاویؒ، (تلخیص)، ج:7، ص: 259، طبع: دارالجیل، بیروت۔ نیز **بغیة الوُعاة فی طبقات اللُّغویّین و النُّحات**، از امام جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطیؒ، ص: 48، طبع: خانجی، مصر، ۱۳۲۶ھ)

329۔ شیخ احمد بن محمد قسطنطینی سکندری شُمُنّیؒ: آپؒ اصل میں قسطنطنیہ کے رہنے والے تھے۔ ان کی پیدائش سکندریہ قاہرہ میں ہوئی۔ انھوں نے قاہرہ میں پرورِش پائی۔ مالکی المذہب تھے۔ پھر حنفی بن گئے۔ وہ ''شُمُنّی'' کے لقب سے مشہور ہیں، جو کہ مغربی ممالک کے کسی شہر کے قریب ایک آباد علاقے کا نام ہے۔ ان کی وِلادت رمضان المبارک کے آخری عشرے میں ۸۰۱ھ/ 1398ء میں سکندریہ میں ہوئی۔ ان کے مشائخ میں: علامہ بلقینیؒ، شیخ عراقی اور شیخ ہیثمیؒ وغیرہ شامل ہیں۔ ان کی بہت ساری کتابیں ہیں۔

(الضّوء اللامع، تالیف: حافظ سخاویؒ۔ ج: 02۔ ص: 174)

330۔ شیخ سعد بن محمد قاضی سعدالدینؒ: آپؒ مذہبِ حنفی کے بڑے مشائخ میں سے بڑے عالم ہیں۔ خاص طور پر انھوں نے علمِ تفسیر کا عَلَم بلند کیا ہوا تھا۔ وہ ''ابن دیری'' کے نام سے معروف ہیں۔ یہ نابلس شہر میں ''مردا جیل'' میں ایک مکان کی طرف نسبت ہے۔ ان کی وِلادت منگل کے دن ۱۷/رجب ۷۶۸ھ/ 1367ء میں بیت المقدس میں ہوئی۔ وہیں انھوں نے پرورِش پائی۔ اپنے والد اور شیخ کمال شریحیؒ سے علمِ فقہ حاصل کی۔ وہ بہت بڑے امام اور علامہ اور اپنے مذہب کے استحضار کے سلسلے میں علم کے پہاڑ تھے۔ ان کا انتقال قدیم مصر میں ۹/ربیع الآخر ۸۶۷ھ/ 1463ء میں ہوا۔ (الضوء اللامع (خلاصہ)، ج:3، ص: 251)

331۔ محقق کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید المشہور ''ابن ہمام'' سکندری، سیواسیؒ: ان کے والد یورپین ممالک میں سے ''سیواس'' کے قاضی تھے۔ پھر قاہرہ تشریف لائے۔ وہاں اسکندریہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ وہیں پر شیخ ابن ہمامؒ ۷۸۸ھ/ 1386ء یا ۷۹۰ھ/ 1388ء میں پیدا ہوئے۔ وہ بڑے فاضل اور محقق عالم تھے۔ انھوں نے سراج الدین قاری الہدایہ، قاضی محبّ الدین ابن شحنہؒ اور مشہور علما سے علم فقہ حاصل کیا۔ وہ تمام علوم وفنون کے جامع اور محقق عالم تھے۔ تمام عمر وہ درس وتدریس میں مشغول رہے۔ انھوں نے بہت سی بے نظیر کتابیں تصنیف وتالیف فرمائیں۔ جن میں ''**هدايه**'' کی مشہور شرح ''**فتح القدير**'' اور ''**التحرير في الأصـول**''، وغیرہ ہیں۔ وہ انتہائی صاحبِ نسبت اور اونچے اولیاء اللہ میں سے بھی تھے۔ کشف وکرامات میں بہت مشہور تھے۔ عزلت نشینی اور زُہد وتقویٰ میں بہت بلند مرتبے پر فائز تھے۔ ان کا انتقال جمعہ کے دن ۷/ رمضان ۸۶۱ھ/ 1457ء میں ہوا۔ (**الفوائد البهيه**۔ص: 81-180)

332۔ ان سے مراد سید جلال الدین خوارزمی کرلانیؒ ہیں، جو ''**الـكـفـاية**'' کے مصنف ہیں۔ وہ آٹھویں صدی ہجری کے بڑے لوگوں میں سے تھے۔ (**مفيد المفتي**۔ص: 126۔ مطبع: آسی، لکھنؤ۔ 1307ھ)

333۔ حافظ الدین بزازی بن محمد بن محمد کردیؒ: آپؒ ''ابن بزازی'' کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی ولادت ۷۲۹ھ/ 1329ء میں ''کازرین'' میں ہوئی۔ وفات یمن کے مشہور شہر ''زبید'' میں ۸۱۶ھ/ 1413ء میں ہوئی۔ وہ بڑے عالم اور بہت سے علوم پر دسترس رکھنے والے تھے۔ ان کی بہت سے تصانیف ہیں، جن میں ''**قـــرآن حكيم كى تفسير**''، ''**بخارى شريف**'' اور ''**مشارق الأنوار**'' کی شرح شامل ہیں۔

(**معجم المؤلفين**، از عمر رضا کحالہ۔ ج: 03۔ص: 177)

334۔ ان سے مراد محمد بن شہاب بن یوسف بن عمر بن احمد کردریؒ ہیں۔ ان کا لقب ''ناصر الدین'' ہے۔ وہ اصول و فروع اور معقول ومنقول کے جامع تھے۔ ''**فتاوىٰ بزازيه**'' کے مصنف کے والد ہیں۔ انھوں نے فقہ کی تعلیم ''**كفايه شرح هدايه**'' کے مصنف شیخ جلال الدین سے حاصل کی تھی۔

(**حدائق الحنفية**۔ص: 305۔ طبع: نول کشور، لکھنؤ)

335۔ حضرت خواجہ محمد بن محمد بن محمود حافظی بخاریؒ المشہور ''خواجہ پارسا'': آپؒ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندیؒ کے اَجل خلفا میں سے تھے۔ ان کا نسبی تعلق حافظ الدین کبیر محمد بخاریؒ کی اولاد سے ہے۔ اس لیے ان کو ''حافظی'' کہا جاتا ہے۔ ان کی وِلادت ۷۵۶ھ/ 1355ء میں ہوئی۔ انھوں نے اپنے زمانے کے علما سے علوم حاصل کیے اور اپنے ہم عصر لوگوں پر سبقت لے گئے۔ انھوں نے فقہ شیخ ابوطاہر محمد بن محمد بن حسن طاہریؒ سے حاصل کی۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں، جن میں ''**الفصول الستّة**'' اور ''**فـصـل الخطاب**'' ہیں۔ وہ ایک ایسی بہترین تصنیف ہے، جس میں علم لدنی کے حقائق اور نقشبندی طریقے کے دقائق بیان کیے گئے ہیں۔
ان کے تفصیلی حالات شیخ نورالدین عبدالرحمٰن جامیؒ نے اپنی کتاب ''**نـفـحـات الانس**'' میں بیان کیے ہیں۔ وہ ۸۲۲ھ/ 1419ء میں بخارا سے حج و زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ حج سے فراغت کے بعد ان کو بہت سے امراض لاحق ہوگئے، حتیٰ کہ انھوں نے طوافِ وداع سواری پر کیا۔ وہاں سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ ۲۳/ ذوالحجہ، بدھ کے دن مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ زیارتِ روضۂ نبیؐ سے فراغت کے بعد اگلے

دن جمعرات کے روز ۲۴ر ذوالحجہ ۸۲۲ھ/ جنوری 1420ء کو مدینہ منورہ میں انھوں نے انتقال فرمایا۔ جمعہ کی رات حضرت سیدنا عباسؓ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ان کے جانشین آپؒ کے بیٹے خواجہ ابونصر پارسا محمود بن محمد حافظی بخاریؒ ہوئے۔ وہ اپنے والد کے علوم اور طریقۂ نقشبندیہ کے جانشین تھے۔ ان کا انتقال ۸۶۵ھ/ 1461ء میں ہوا۔ ان کی قبر بلخ میں ہے۔ (الفوائد البھیہ۔ص:199)

336۔ علامہ سید شریف علی بن محمد بن علی جرجانیؒ المشہور ''سید شریف'' اور ''سید سند'': آپؒ بہت اونچے درجے کے عالم، تحریر وتقریر میں ماہر، منطق فلسفہ اور فقہ پر عبور رکھنے والے تھے۔ وہ جرجان میں ۲۲ر شعبان ۷۴۰ھ/ 1340ء میں پیدا ہوئے۔تمام علوم وفنون میں مہارت حاصل کی۔ ان کے علامہ تفتازانیؒ کے ساتھ بڑے مناظرے اور مباحثے ہیں۔ انھوں نے صوفیا کا علم اور طریقت کا سلسلہ خواجہ علاؤالدین عطار بخاریؒ سے حاصل کیا، جو کہ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند کے اَجل خلفا میں سے تھے۔ ان کی بے شمار تصنیفات و تالیفات ہیں۔ان کا انتقال شیراز میں بدھ کے دن ۶ر ربیع الاول ۸۱۶ھ/ 1413ء میں ہوا۔

(حدائق الحنفیه، ازفقیر محمد جہلمی، حدیقۂ نہم، ص: 335، طبع: المیزان، لاہور)

337۔ خواجہ علی بن یحییٰ سمرقندی، ثم القرمانی، حنفیؒ: ان کا لقب ''علاؤالدین'' ہے۔ وہ بڑے فقیہ، مفسر اور منطقی ہیں۔ انھوں نے شیخ علاؤالدین بخاریؒ سے علوم حاصل کیے۔ان کی تصنیفات میں **"تفسیر القرآن"** 4 جلدوں میں ہے۔ یہ تفسیر **"سورۃ المُجادله"** تک ہے۔ **"حاشیه علی شرح الشمسیة"**، **"حاشیه علٰی شرح المطالع"** اور **''حاشیه علٰی شرح المؤقف للسّیّد شریف جرجانی"** وغیرہ ہیں۔
ان کا انتقال قرمان کے شہروں میں ایک شہر ''بلارندہ'' میں ۸۶۰ھ/ 1456ء کے آس پاس ہوا۔

(معجم المؤلفین، ازعمر رضا کحالہ۔ ج:07۔ص:261)

یہاں مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ نے حاشیے میں لکھا ہے کہ:
''شاید ان سے مراد علی اسبیجابی سمرقندیؒ (۴۵۴ھ تا ۵۳۵ھ) ہیں۔ فقیہ ہیں۔ ان کا انتقال سمرقند میں ۲۳ر ذوالقعدہ میں ہوا۔ **"مفید المفتی''** میں ہے کہ علی بن محمد بن اسماعیل شیخ الاسلام صاحبِ ہدایہ کے اساتذہ میں سے تھے۔اوران کی تصانیف **''شرح مختصر الطحاوی"** اور **"شرح المبسوط"** ہیں۔ان کا انتقال ۶ر جمادی الاولیٰ ۴۵۴ھ (1062ء) میں سمرقند میں ہوا۔ (قاسمی)''
یہ درست نہیں ہے۔ یہ علی اسبیجابی سمرقندیؒ اور شخص ہیں، جو صاحبِ ہدایہ کے اساتذہ میں سے ہیں، جب کہ یہاں خواجہ علی سمرقندیؒ کا تذکرہ ہے، جو شیخ عبدالرحمٰن جامیؒ (متوفی ۱۸ر محرم ۸۹۸ھ/ 1492ء) کے اساتذہ میں سے ہیں اور علامہ سید شریف علی جرجانیؒ (متوفی ۸۱۶ھ) کے شاگرد ہیں۔ (آزاد)

338۔ احمد بن محمد بن محمد بن سعید ہندی شہاب الدین ابن ضیاء حنفی مکیؒ: کہا جاتا ہے کہ آپؒ ابومحمد صغانیؒ کی اولاد میں سے ہیں۔ وہ بہت طویل عرصے تک مکہ مکرمہ میں قاضی رہے۔ ان کے اساتذہ میں فقیہ خلیل مکیؒ اور شیخ بہاؤالدین بن خلیل مکیؒ ہیں۔ ان کا انتقال ربیع الاول ۸۲۵ھ/ 1422ء میں ہوا۔

(طرب الاماثل بتراجم الافاضل، ازمولانا عبدالحئی لکھنویؒ۔ص:258)

339۔ ان سے مراد یحییٰ بن یوسف سیرامی مصریؒ ہیں۔ **"ھدیة العارفین"** میں ان کا نام ''یحییٰ ابن سیف الدین''

لکھا ہے۔ وہ حنفی، نحوی اور علمِ بدیع و بیان کے ماہر عالم تھے۔ انھوں نے علامہ تفتازانیؒ کی "مُطَوَّل" پر حاشیہ لکھا۔ علم نحو میں "شرح فوائد الضیائیۃ" لکھی۔ ان کا انتقال ۸۳۳ھ/ 1430ء میں ہوا۔

(معجم المؤلفین، از عمر رضا کحالہ۔ ج: 13۔ ص: 236)

340۔ علامہ کبیر شیخ مسعود بن عمر تفتازانیؒ: ان کی وِلادت ۷۱۲ھ/ 1312ء میں ہوئی۔ ان کا انتقال صفر ۷۹۲ھ/ 1390ء میں ہوا۔ ان کو علوم و فنون کی تمام اقسام پر بڑی قدرت حاصل تھی۔ خاص طور پر علومِ بلاغت اور علومِ معقول میں تمام مشرقی ممالک، بلکہ تمام شہروں میں ان کے ہم مثل کوئی عالم نہ تھا۔ ان کی تصانیف بہت زیادہ ہیں۔ (الدّرّ الکامنہ۔ ج: 04۔ ص: 350)

"حدائق الحنفیۃ" میں مولوی فقیر محمد جہلمیؒ لکھتے ہیں کہ:

"علامہ تفتازانی کی ولادت تفتازان شہر میں ۷۲۲ھ/ 1322ء میں ہوئی۔ انھوں نے علوم علامہ قطب اور علامہ عضدالدین سے حاصل کیے۔ امیر تیمور کی مجلس میں آپ صدر الصدور کے منصب پر فائز تھے۔ علامہ کفویؒ کا کہنا ہے کہ: میری آنکھوں نے ان جیسا بڑا عالم نہیں دیکھا۔ علما میں یہ اختلاف ہے کہ علامہ سعدالدین تفتازانی حنفی تھے یا شافعی۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کو فقہ حنفی کی طرف بہت زیادہ رغبت تھی۔ اور فقہ حنفی میں آپؒ نے کئی کتابیں بھی لکھیں۔ اور فقہ حنفی کے قاضی بھی رہے۔ حتیٰ کہ مذہبِ حنفی کی ریاست (سربراہی) آپؒ پر ختم ہوئی۔" (حدائق الحنفیۃ، از مولوی فقیر محمد جہلمیؒ۔ ص: 300۔ طبع: نول کشور، لکھنؤ)

341۔ ان سے مراد شیخ حیدرہ بن احمد بن ابراہیم ہے۔ ان کی کنیت "ابوالحسن" ہے۔ لقب "برہان الدین" ہے۔ ان کی ولادت شیراز میں ۷۸۰ھ/ 1378ء میں ہوئی۔ علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ:

"حیدرہ شیرازی، ثم روسی برہان الدین معانی اور علم بیان اور عربیت کے بڑے عالم تھے۔ انھوں نے علامہ تفتازانی سے علوم حاصل کیے۔ ان سے تعلیم حاصل کرنے والوں میں ہمارے استاذ علامہ محی الدین کافیجیؒ ہیں۔ انھوں نے خود ہم سے اس بات کا تذکرہ کیا ہے۔"

شیخ حیدرہ کا انتقال قاہرہ میں ۸۵۳ھ/ 1449ء میں ہوا۔

(حدائق الحنفیۃ، ص: 320، طبع: نول کشور، لکھنؤ۔ نیز بغیۃ الوُعاۃ، ص: 240)

342۔ علامہ بابرتیؒ کا نام "محمد بن محمد بن محمود بابرتی" ہے۔ وہ متأخرین میں سے بڑے علامہ اور خاتمۃ المحققین ہیں۔ ان کا لقب "اکمل الدین" ہے۔ انھوں نے بڑی اہم تصانیف لکھی ہیں۔ ان کی وفات جمعے کی رات ۱۹/ رمضان المعظم ۶۸۷ھ/ 1288ء میں ہوئی۔ (تاج التراجم (قلمی)، از حافظ قاسم بن قطلو بغاؒ۔ ورق: 28)

علامہ عمر رضا کحالہ لکھتے ہیں کہ: ان کی ولادت ۷۱۰ھ/ 1310ء میں ہوئی۔ پھر انھوں نے حلب کا سفر کیا۔ وہاں ایک طویل مدت قیام فرما رہے۔ پھر قاہرہ تشریف لئے۔ شمس الدین اصفہانیؒ وغیرہ سے علوم حاصل کیے۔ ان کا انتقال ۷۸۶ھ/ 1384ء میں ہوا۔ (معجم المؤلفین۔ ج: 11۔ ص: 298)

مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی تحریر فرماتے ہیں: "میرا خیال ہے کہ 'تاج التراجم' نے جو سن وفات ۶۸۷ھ درج ہے، وہ کاتب کی غلطی ہے۔ صحیح تاریخ وفات ۷۸۶ھ (1384ء) ہے۔ (قاسمی)"

343۔ علامہ، امام المحدث، محی الدین، ابومحمد، حافظ عبدالقادر ابن ابو الوفاء محمد بن محمد بن نصر اللہ بن سالم قرشی، حنفی،

مصریؒ: علامہ قاسم بن قطلوبغاؒ نے لکھا ہے کہ: ان کی پیدائش ۶۷۶ھ/ 1277ء میں ہوئی۔انھوں نے بہت علوم حاصل کیے۔ درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مشغول رہے۔ وہ اہم کتابوں میں "کتاب الغایة فی تخریج الهدایة" اور "الجواهر المضیئة" وغیرہ بہت سی کتابیں ہیں۔ان کا انتقال ۹/ ربیع الاوّل ۷۷۵ھ/ 1373ء میں ہوا۔ (تاج التراجم (قلمی)، ورق: 16)

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ: ان کی ولادت شعبان ۶۹۲ھ میں ہوئی۔ (الدر الکامنہ۔ ج: 2۔ ص: 392)

344۔ شیخ احمد بن عثمان بن محمد کلوتانیؒ: اصل میں "کرمان" کے رہنے والے تھے۔ بعد میں قاہرہ منتقل ہوئے۔ "کلوتانی" کے نام سے مشہور ہوئے۔حنفی عالم اور محدث ہیں۔ان کی ولادت ذی الحج کے اواخر میں ۷۶۲ھ/ 1361ء میں ہوئی۔ ان کا انتقال پیر کے دن، ۱۴/ جمادی الاولیٰ ۸۳۵ھ/ 1432ء میں قاہرہ میں ہوا۔

(الضوء اللامع (مختصراً)۔ ج: 01۔ ص: 378)

345۔ شیخ علی ابن عثمان ابن ابراہیم ماردینیؒ: لقب "علاؤ الدین" ہے۔ "ابن ترکمانی" کے نام سے مشہور ہیں۔ وہ حدیث وتفسیر میں بڑا بلند درجہ رکھتے تھے۔ بڑے باریک بینی والے عالم اور امامِ وقت تھے۔ان کو علم فرائض، علم ریاضی، شعر و شاعری اور تاریخ عالم پر بڑی گہری دسترس حاصل تھی۔ان کی بہت سے تصانیف ہیں۔ ان کا انتقال ۷۵۰ھ/ 1349ء کو عاشورہ کے دن ہوا۔ (الفوائد البهیة ص: 104)

346۔ امام المحقق، صدر الشریعہ (الاصغر) عبید اللہ ابن مسعود بخاریؒ: آپؒ فقہ حنفی کی مشہور کتاب "شرح وقایه" کے مصنف ہیں۔ وہ بڑے فقیہ، اصولی، محدث، مفسر اور منطقی عالم تھے۔انھوں نے علوم اپنے دادا امام تاج الشریعہ محمود ابن صدر الشریعہ (الاکبر) سے حاصل کیے۔ان کی مشہور کتاب "توضیح" بھی ہے۔ ان کا انتقال ۷۴۷ھ/ 1346ء میں ہوا۔ (الفوائد البهیة۔ص: 93، طبع بنارس)

347۔ ان سے مراد شیخ عبد العزیز بن احمد بن محمد علاؤ الدین بخاریؒ ہیں۔ انھوں نے اپنے چچا محمد مایمرغیؒ شاگرد شمس الائمہ محمد کردریؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ نیز انھوں نے حافظ الدین کبیر محمد بخاریؒ کے سلسلۂ سند سے امام محمد کی تصانیف کی تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے بڑی مقبول اور مشہور تصانیف لکھی ہیں۔ان میں "شرح اصولِ بزدوی"، جس کا نام "کشف الاسرار" ہے اور "شرح المنتخب الحُسامی" وغیرہ شامل ہیں۔ان سے فقہ کی تعلیم حاصل کرنے والوں میں شیخ قوام الدین محمد کاکیؒ اور شیخ جلال الدین عمر بن محمد خبازیؒ ہیں۔ان کی وفات ۷۳۰ھ/ 1330ء میں ہوئی۔ (الفوائد البهیه، ص: 80۔ طبع: بنارس، الہند)

348۔ شیخ حسین بن علی بن حجاج بن علی حسام الدین سغناقیؒ: آپؒ "هدایه" کے شارح ہیں۔ انھوں نے "حلب" کا سفر کیا۔ وہاں انھوں نے بزدویؒ کی شرح "الکافی"، لکھی۔ ۷۱۰ھ/ 1310ء میں وہ دمشق تشریف لائے۔ انھوں نے فقہ کی تعلیم امام حافظ الدین محمد بن محمد بن نصرؒ اور امام فخر الدین محمد بن محمد مایمرغیؒ سے حاصل کی۔ان کو قاضی القضاۃ ناصر الدین محمد بن کمال الدین عمر المشہور بابن العدیمؒ سے بھی اجازت حاصل ہے۔ ان کا انتقال ۷/ رجب ۷۱۱ھ/ 1311ء میں "حلب" میں ہوا۔

(تاج التراجم، از علامہ قاسم بن قطلوبغاؒ (قلمی نسخہ از کاتب قاضی محمد مراد سیوستانی سندھی) ورق نمبر: 12)

"حدائق الحنفیه" میں لکھا ہے کہ: "سغناق ترکستان کا ایک شہر ہے۔ان سے شیخ امام الدین محمد بن محمد بن

احمد کاکیؒ اور شیخ جلال الدین کرلانیؒ نے علم فقہ حاصل کیا۔ان کا انتقال رجب ۷۱۱ھ/ 1311ء میں ہوا۔''
(حدائق الحنفیہ، ازفقیر محمد جہلمی ثم لاہوریؒ۔ص:274۔طبع: نول کشور،لکھنؤ۔ 1906ء)

349۔ شیخ احمد بن ابراہیم بن عبدالغنی بن اسحاق سروجیؒ: ان کی کنیت ''ابوالعباس'' ہے۔وہ ''سروج'' کے رہنے والے تھے، جوکہ ''حران'' کے اطراف میں ایک شہر ہے۔انھوں نے فقہ کی تعلیم قاضی القضاۃ ابوربیع سلیمان اور محمد بن عباد خلاطیؒ سے حاصل کی۔شیخ سروجیؒ مفتی اور مدرس تھے۔مصر میں قاضی القضاۃ رہے۔ان سے فقہ کی تعلیم حاصل کرنے والے لوگوں میں امیر علاؤالدین علی بن بلبان بن عبداللہ فارسیؒ، شیخ علاؤالدین علی بن عثمان ماردینی، جو''ابن ترکمانی'' کے نام سے مشہور ہیں،شامل ہیں۔

ان کی تصنیفات میں ''**غاية السّروجي شرح الهداية**''، ''**فتاوٰی سروجية**'' اور ''**نفحات النّسمات في وصول الثّواب إلیٰ الأموات**'' وغیرہ شامل ہیں۔ان کا انتقال رجب ۷۱۰ھ/ 1310ء میں ہوا۔جیسا کہ ''**حدائق الحنفیہ**''،ص 274 پر ہے۔اسی طرح علامہ قاسم بن قطلوبغاؒ ''**تاج التراجم**'' میں لکھتے ہیں کہ:''شیخ سروجیؒ کا انتقال قاہرہ کے مدرسہ صیر فیہ میں جمعرات کے دن ۱۲/رجب ۷۱۰ھ/ 1310ء میں ہوا۔اور آپؒ امامِ شافعیؒ کے مقبرے کے قریب دفن ہوئے۔اور اسی کے مطابق آپؒ کی تاریخ پیدائش ۶۳۷ھ/ 1239ء ہے۔'' (**تاج التراجم** (قلمی)، ورق:5) جب کہ علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب ''**حسن المحاضرہ**'' میں ان کی وفات 701ھ/ 1301ء میں لکھی ہے۔**واللہ أعلم**.

350۔ شیخ امام ابوالبرکات حافظ الدین عبداللہ نسفیؒ: آپؒ ماوراء النہر کے علاقے ''**نسف**'' کے رہنے والے تھے۔انھوں نے فقہ کی تعلیم شمس الائمہ محمد بن عبدالستار کردریؒ، شیخ حمیدالدین ضریرؒ اور فقیہ بدرالدین خواہر زادہؒ سے حاصل کی۔امام محمدؒ کی کتاب ''زیادات'' کی روایت شیخ احمد بن محمد عتابیؒ سے حاصل کی۔ان سے تعلیم حاصل کرنے والوں میں محقق حسین سغناقیؒ ہیں۔ان کی بہت عمدہ تصانیف ہیں، جن میں علم تفسیر میں ''**مدارک التّنزیل و حقائق التّاویل**''، ''**منار الانوار**'' اور ''**کنز الدّقائق**'' وغیرہ شامل ہیں۔ان کا انتقال بغداد میں جمعے کی رات ۷۱۰ھ/ 1310ء میں ہوا۔

(حدائق الحنفیہ، ازمحمد فقیر جہلمی۔ص:273۔اور معجم المؤلفین ازعمر رضا کحالہ۔ج:06۔ص:32)

351۔ محقق محمود ابن ابی بکر ابوالعلا کلاباذی بخاریؒ: ان کی نسبت بخارا شہر میں ایک بڑے محلے ''کلاباذ'' کی طرف ہے۔وہ علومِ عقلیہ اور نقلیہ میں بڑے ماہر عالم اور علم کا سمندر تھے۔انھوں نے سات سو سے زائد مشائخ سے تعلیم حاصل کی، جن میں حافظ الدین کبیر محمد،حمیدالدین علی ضریرؒ، صدرالدین سلیمان ابن وہابؒ وغیرہ شامل ہیں۔حافظ ذہبیؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:''وہ علم حدیث اور اسماء الرجال کے بہت بڑے عارف و ماہر تھے۔ان کے اندر بہت سے فضائل جمع ہیں۔ان سے حدیث روایت کرنے والوں میں ابوحیانؒ اور عبدالکریم برزائیؒ شامل ہیں۔'' ان کی ولادت ۶۴۹ھ/ 1251ء میں ہوئی۔ان کی وفات شہر ماردین میں ۷۰۰ھ/ 1300ء میں ہوئی۔(**الفوائد البهیه**۔ص:172۔طبع: بنارس،الہند)

352۔ ان سے مراد شیخ محمد بن محمد نصر ابوالفضل حافظ الدین کبیر بخاریؒ ہیں۔ان کی ولادت شہر بخارا میں ۶۱۵ھ/ 1218ء میں ہوئی۔وہ بڑے مشائخ میں سے ہیں۔حافظ اور ثقہ ہیں۔ان سے تعلیم حاصل کرنے والوں میں

شیخ محقق حسین سغناقیؒ، احمد بن اسعدؒ، عبدالعزیز ابن احمد بخاریؒ، محمود بن محمد بخاریؒ اور شمس الدین محمود کلاباذیؒ شامل ہیں۔ان کا انتقال بخارا میں ۱۵/شعبان ۶۹۳ھ/ 1294ء میں ہوا۔ (الفوائد البھیہ۔ص:160)

353۔ ان سے مراد شیخ محمد بن محمود جلال الدین عثمانی پانی پتیؒ ہیں، جو''کبیرالاولیاء'' کے نام سے مشہور ہیں۔ انھوں نے بڑے مشائخ کبار کو پایا اوران کی صحبت اختیار کی ہے۔طریقت کا سلسلہ انھوں نے شیخ شمس الدین ترک پانی پتیؒ سے حاصل کیا۔ ان سے سلسلے کی روایت کرنے والوں میں شیخ احمد عبدالحق ردولویؒ اورایک بہت بڑی مخلوق ہے۔ ان کی تصنیفات میں''**زاد الابرار فی الحقائق و المعارف**'' ہے۔ ان کا انتقال ۱۳/ربیع الاول ۷۶۵ھ/ 1363ء میں پانی پت شہر میں ہوا۔ (نزھۃ الخواطر۔ ج:2۔ص:143)

354۔ ان سے مرادعبدالمؤمن بن خلف دمیاطیؒ ہیں۔آپؒ مصر میں دمیاط کے قریب ایک مقام''تولہ'' میں ۶۱۳ھ/ 1216ء میں پیدا ہوئے۔ پھر حجاز، دمشق، حلب، حمات، جزیرہ اور بغداد وغیرہ کا سفر کیا۔ تیرہ سو سے زائد مشائخ سے انھوں نے علم حاصل کیا۔ ۱۱/ذوالقعدہ ۷۰۵ھ/ 1306ء میں ان کا انتقال قاہرہ میں اچانک ہوا۔ ان کی بھی کئی تصانیف ہیں۔ (معجم المؤلفین، ازعمر رضا کحالہ۔ ج:06۔ص 197)

355۔ شیخ محمد بن عبدالستار بن محمد عمادی المعروف''شمس الائمہ کردریؒ: انھوں نے فقہ کی تعلیم ''**ھدایہ**'' کے مصنف برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر سے حاصل کی۔ان سے تعلیم حاصل کرنے والوں میں محمد بن محمود کردریؒ اور حمیدالدین ضریرؒ وغیرہ ہیں۔ ان کی پیدائش ۱۲/ذوالقعدہ ۵۵۳ھ/ 1158ء میں ہوئی۔ ان کا انتقال شہر بخارا میں جمعہ کے دن ۹/محرم الحرام ۶۴۲ھ/ 1244ء کو ہوا۔ان کی بھی کئی تصانیف ہیں۔

(الفوائد البھیہ۔ص: 144۔طبع: بنارس،الہند)

356۔ شیخ عبیداللہ ابن ابراہیم ابن احمد جمال الدین محبوبی عبادیؒ: ان کا سلسلۂ نسب حضرت عبادہ بن صامتؓ تک پہنچتا ہے۔ ان کی ولادت ۵۴۶ھ/ 1151ء میں ہوئی۔ انھوں نے علوم کی تعلیم امام زادہ محمد بن ابی بکرؒ اور شمس الائمہ عماد الدین عمر بن ابی بکر زرنجریؒ سے حاصل کی۔ اور یہ دونوں شمس الائمہ بکر زرنجریؒ کے شاگرد ہیں۔ وہ علامہ سرخسیؒ ،اور وہ علامہ حلوائیؒ کے شاگرد ہیں۔ وہ ایک کامل امام اوراپنے زمانے میں منفرد شخصیت تھے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔جن میں''**شرح جامع الصغیر**'' اور''**کتاب الفروع**'' شامل ہیں۔ ان سے تعلیم حاصل کرنے والوں میں ان کے اپنے بیٹے احمد، والد تاج الشریعہ اور حافظ الدین کبیر محمد بخاریؒ وغیرہ ہیں۔ان کا انتقال ۶۳۰ھ/ 1233ء میں ہوا، جیسا کہ کتاب''**العبر فی خبر من غبر**'' میں ہے۔

(فوائد البھیہ۔ص: 91۔طبع: بنارس، ہند)

357۔ یوسف بن ابوبکر بن محمد بن علی ابویعقوب سکاکی سراج الدین خوارزمیؒ: ان کی ولادت منگل کی رات ۳/جمادی الاولیٰ ۵۵۵ھ/ 1160ء کو ہوئی۔ انھوں نے بہت سے علوم میں مہارت حاصل کی۔ ان کی مشہور تصنیف ''**کتاب المفتاح**'' ہے۔ان کا انتقال ۶۲۶ھ/ 1229ء میں ہوا۔

(تاج التراجم (قلمی)، از علامہ قاسم بن قطلو بغا۔ ورق: 34)

358۔ ان سے مراد علامہ ابوبکر بن مسعود بن احمد علاؤ الدین ملک العلما کاسانیؒ ہیں۔ وہ فقہ کی مشہور کتاب''**البدائع و الصنائع**'' کے مصنف ہیں۔انھوں نے شیخ علاؤ الدین محمد سمرقندیؒ اور ابوالمعین میمون کحولیؒ اور مجد الائمہ

سرخکیؒ سے تعلیم حاصل کی۔ ان سے فقہ کی تعلیم حاصل کرنے والوں میں ان کے بیٹے محمودؒ اور احمد بن محمود غزنویؒ ہیں۔ ان کا انتقال ۱۰/رجب ۵۸۷ھ/ 1191ء میں ہوا۔(الفوائد البهيه۔ص: 53)

359۔ شیخ الاسلام برہان الدین علی ابن ابوبکر مرغینانیؒ: ''مرغینان'' فرغانہ کے شہروں میں سے ایک شہر ہے۔ وہ فقہ کی مشہور کتاب ''هدایه'' کے مصنف ہیں۔ انھوں نے ''کتاب البدایه'' بھی لکھی ہے۔ ''كفاية المنتهى'' 80 جلدوں میں لکھی۔ان کا انتقال ۵۹۳ھ/ 1197ء میں ہوا۔ (تاج التراجم (قلمی)، ورق: 18)

360۔ شیخ حماد بن ابراہیم بن اسماعیل قوام الدین الصفار ابوالمحامد بخاریؒ: ان کے والد اور دادا اہل علم و زُہد کے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ بھی بڑے مشائخ میں سے تھے۔ ان کی ولادت عیدالاضحیٰ کی رات ذوالحجہ ۴۹۳ھ/ 1100ء میں ہوئی۔ انھوں نے اپنے والد سے علوم حاصل کیے۔ شیخ الاسلام اور امام الائمہ بن گئے۔ ان کا انتقال 576ھ/ 1180ء میں ہوا۔

(الجواهر المضيئه۔ تالیف: حافظ عبدالقادر قرشیؒ۔ص: 58،طبع: میر محمد کتب خانہ، کراچی)

361۔ ان سے مراد شیخ عمر بن محمد بن احمد مفتی الثقلین نجم الدین ابوحفص نسفیؒ ہیں۔ان کی ولادت ۴۶۱ھ/ 1069ء کو ہوئی۔ ان کا انتقال ۵۳۷ھ/ 1142ء میں ہوا۔ انھوں نے فقہ کا علم صدرالاسلام محمد بزدویؒ سے حاصل کیا۔ ان کی علم تفسیر اور علم فقہ میں بہت عمدہ کتابیں اور تصنیفات ہیں۔ (فوائد البهيه۔ص 104)

362۔ شیخ علی بن محمد بن علی عمرانی خوارزمی ابوالحسنؒ: ادیب،لغوی اور مفسر ہیں۔ ان کا انتقال ۵۶۰ھ/ 1165ء میں ہوا۔ان کی تصانیف میں ''شماريخ الدّرر في تفسير الآی و السُّوَر'' اور ''أسماء المواضع و البلدان'' شامل ہیں۔ (معجم المؤلفين۔ج: 07۔ص:215)

363۔ امامِ کبیر محمود بن عمر بن محمد بن عمر زمخشریؒ: ان کی کنیت ''ابوالقاسم'' ہے۔ مکہ میں قیام کی وجہ سے ''جاراللہ'' مشہور ہیں۔ ان کو ''فخر خوارزم'' بھی کہا جاتا ہے۔ان کی وِلادت خوارزم کے ایک بڑے قصبے ''زمخشر'' میں رجب/ ۴۶۷ھ/ 1075ء میں ہوئی۔انھوں نے تمام علوم وفنون میں مہارت حاصل کی۔ وہ حنفی المذہب اور معتزلہ کا عقیدہ رکھتے تھے۔خاص طور پر تفسیر، حدیث، فقہ اور اَدب و بیان میں بڑی مہارتوں کا اظہار کیا۔ان کی مشہور تصانیف میں ''تفسير الكشّاف''، ''الفائق في اللُّغة''، اور ''تفسير الحديث و أساس البلاغة'' وغیرہ ہیں۔ان کا انتقال جرجانیہ میں عرفہ کی رات ۵۳۸ھ/ 1144ء میں ہوا۔

(وفيات الأعيان لإبن خلّكان، (خلاصہ) ج:5،ص:168 تا 174۔طبع: دارِصادر، بیروت۔ نیز الفوائد البهيه۔ص:10-209)

364۔ ان سے مراد شیخ ناصر بن ابوالمکارم مطرزی برہان الدین خلیفۃ الزمخشریؒ ہیں۔آپؒ خوارزم کے قریب جرجانیہ میں ۵۳۶ھ/ 1141ء میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے مختلف علوم وفنون میں مہارت حاصل کی۔ ان کا انتقال ۱۰/ جمادی الاولیٰ ۶۱۰ھ/ 1213ء میں ہوا۔ (تاج التراجم۔ورق: 33)

365۔ شیخ بکر بن محمد بن علی بن فضل بن حسن شمس الائمہ زرنجریؒ: آپؒ بہت ماہر امام تھے۔ مذہبِ حنفی کے حفظ اور یاد کرنے میں ضرب المثل تھے۔ ان کے شہر والے لوگوں نے ان کا نام ''ابوحنیفہ اصغر'' رکھا ہوا تھا۔ ان کی پیدائش ۴۲۷ھ/ 1036ء میں ہوئی۔انھوں نے شمس الائمہ عبدالعزیز حلوائیؒ کے سلسلۂ سند سے امامِ اعظم امام

ابوحنیفہؒ کی فقہ حاصل کی۔ ان کا انتقال ماہِ شعبان میں ۵۱۲ھ/ 1118ء میں ہوا۔

(الفو ائد البھیہ۔ص: 45)

366۔ صدر الاسلام بزدویؒ: ان سے مراد شیخ محمد بن محمد بن حسین بن عبدالکریم بن موسیٰ بن مجاہد حنفی بزدویؒ ہیں۔ ان کا لقب ''قاضی الصدر ابوالیسر'' ہے۔ یہ بھی بڑے فقیہ اور اصولی تھے۔ سمرقند کی قضا کا منصب ان کے پاس تھا۔ بخارا میں ان کا انتقال ۹/رجب ۴۹۳ھ/ 1100ء کو ہوا۔ (معجم المؤلّفین، ج: 11، ص: 210)

367۔ فخر الاسلام بزدویؒ: ان سے مراد شیخ علی بن محمد بن حسین بن عبدالکریم بن موسیٰ بزدویؒ ہیں۔ یہ بھی بہت بڑے امام ہیں۔ بہت سے علوم کے جامع اصول وفروع میں ''امام الدنیا'' ان کا لقب ہے۔ ان کی بہت معتبر اور کثیر تصانیف ہیں، جن میں ''مبسوط'' 11 جلدوں میں اور ''شرح جامع کبیر''، ''شرح جامع صغیر'' اور اصولِ فقہ میں ''اصولِ بزدوی'' مشہور ومعتبر کتاب ہے۔ انھوں نے قرآن حکیم کی ایک تفسیر بھی لکھی۔ جس کی 120 جلدیں ہیں۔ ہر جلد بڑی ضخیم ہے۔ ان کی پیدائش ۴۰۰ھ/ 1010ء میں ہوئی۔ ان کا انتقال ۵/رجب ۴۸۲ھ/ 1089ء میں ہوا۔ ان کا تابوت سمرقند لایا گیا۔ وہیں وہ مدفون ہوئے۔

(الفو ائد البھیہ۔ص: 105۔طبع: بنارس، الہند)

368۔ برہان الائمہ برہان الدین کبیر ابومحمد عبدالعزیز بن مازہؒ ہیں۔ انھوں نے علامہ سرخسیؒ سے علم حاصل کیا۔ ان سے تعلیم حاصل کرنے والوں میں صدر السعید تاج الدین احمدؒ، صدر الشہید حسام الدین عمرؒ اور ظہیر الدین کبیر علی بن عبدالعزیز مرغینانیؒ شامل ہیں۔ (الفوائد البھیہ۔ص: 83)

369۔ شمس الائمہ عبدالعزیز بن احمد حلوانیؒ: حلوان ایک شہر ہے، جو دو بستیوں کا نام ہے، جن میں حلوہ تیار ہوتا تھا۔ انھوں نے شیخ حسین بن علی نسفیؒ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ ان سے تعلیم حاصل کرنے والوں میں شمس الائمہ زرنجریؒ وغیرہ ہیں۔ ان کی تاریخ وفات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ملا علی قاریؒ نے ان کی وفات ۴۴۸ھ/ 1056ء میں لکھی ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک ۴۸۷ھ/ 1094ء، جب کہ بعض کے نزدیک ۴۸۶ھ/ 1093ء ہے۔ علامہ ذہبیؒ نے ''سیر أعلام النُّبلاء'' میں ۴۵۶ھ/ 1064ء لکھی ہے۔

(الفو ائد البھیہ۔ص: 81)

370۔ شیخ حسین بن محمد بن خسرو بلخی، ثم بغدادی، حنفیؒ: ان کی کنیت ''ابوعبداللہ'' ہے۔ آپؒ محدث ہیں۔ انھوں نے مسندِ امامِ ابوحنیفہؒ جمع کی ہے۔ اس کی تخریجات کی ہیں۔ ان کا انتقال شوال/ ۵۲۰ھ/ 1126ء میں ہوا، جب کہ علامہ قاسم بن قطلو بغاؒ نے ''تاج التّراجم'' میں لکھا ہے کہ ان کا انتقال ۵۲۲ھ/ 1127ء میں ہوا۔
یہاں مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ نے ''الجواھر المضیئة'' کے مصنف حافظ عبدالقادر قرشیؒ کے حوالے سے ان کی وفات ۲۲۲ھ (837ء) لکھی ہے، جو کہ بالکل غلط ہے۔ (آزاد)

371۔ عبیداللہ بن عمر بن عیسیٰ قاضی ابوزید دبوسیؒ: ان کی نسبت سمرقند کے قریب ایک قصبہ ''دبوسیہ'' کی طرف ہے۔ انھوں نے علم فقہ شیخ ابوجعفر اُستروشنیؒ سے حاصل کی۔ یہ سب سے پہلے عالم ہیں، جنھوں نے علم الاختلافیات وضع کیا۔ آپؒ کی سب سے بہترین کتاب ''الأسرار'' ہے۔ (فوائد البھیہ۔ص: 92)
امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں کہ: امام ابوزید (عبیداللہ ابن عمر) دبوسیؒ پہلے وہ شخص ہیں، جنھوں نے علم

اختلافیات مرتب اور مدوّن کیا۔ ’’دبوسہ‘‘ سمرقند کے قریب ایک بستی کا نام ہے۔
(اتحاف النبیه فیما یحتاج للمحدث و الفقیه، از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔ص:131)

372۔ شیخ عمر بن عبدالکریم ورسکی علامہ بدرالدین بخاریؒ: انھوں نے بخارا میں شیخ شمس الائمہ کردریؒ سے فقہ حاصل کی۔ ان کا انتقال بلخ میں۵۹۴ھ/ 1198ء میں ہوا۔ (الجواهر المضیئه، ج:1،ص: 392)

373۔ شیخ محمد بن حسین بن محمد فخرالدین المعروف ’’فخر القضاۃ‘‘ ابوبکر ارسابندیؒ: ’’ارسابند‘‘ مروشہر کے قریب ایک بستی ہے۔ انھوں نے فقہ کی تعلیم شیخ علاؤالدین مروزیؒ سے حاصل کی۔ وہ بڑے امام اور فاضل تھے۔ مناظرے پر بڑی قدرت حاصل تھی۔ ان کا انتقال ۵۱۱ھ/ 1117ء میں ہوا۔ ان کی تصنیفات میں ’’مختصر تقویم الأدلة للدبوسی‘‘ ہے۔ (الفوائد البهیه۔ص:134۔طبع: بنارس، ہند)

374۔ محمد بن محمود بن محمد ابولمفاخر سدیدی زوزنیؒ: انھوں نے امام محمود حارثی مروزیؒ سے فقہ حاصل کی۔ ان سے فقہ حاصل کرنے والوں میں ان کے صاحبزادے عبدالعزیز ہیں۔ (الجواهر المضیئه، ج:2،ص: 132)

375۔ شیخ عثمان بن علی بن محمد بیکندی بخاریؒ: ’’بیکند‘‘ ماوراء النہر کے علاقے میں بخارا کے قریب ایک شہر ہے۔ یہ بہت بڑے امام اور نہایت فاضل عالم تھے۔ وہ صاحبِ ہدایہ علامہ مرغینانی کے اساتذہ اور مشائخ میں سے ہیں۔ ان کی پیدائش ۴۶۵ھ/ 1073ء میں ہوئی۔ ان کا انتقال ۵۵۲ھ/ 1157ء میں ہوا۔
(الفوائد البهیه، از مولانا عبدالحئی لکھنویؒ۔ص: 98)

376۔ شیخ ابوالعباس جعفر بن محمد مستغفری نسفیؒ: آپؒ بڑے فقیہ، فاضل اور راست باز محدث تھے۔ انھوں نے بہت کتابیں لکھیں۔ مختلف مسائل کو جمع کیا۔ ماوراء النہر کے علاقے میں ان کے زمانے میں فہم حدیث اور تصنیف و تالیف میں ان سے بڑھ کر کوئی شخص نہیں تھا۔ انھوں نے قاضی ابوعلی حسین نسفیؒ سے تعلیم حاصل کی۔ ان کی ولادت ۳۵۰ھ/ 961ء میں ہوئی۔ ان کا انتقال ۴۳۲ھ/ 1040ء میں ’’نسف‘‘ میں ہوا۔ ’’مستغفری‘‘ کی نسبت اس لیے ہے کہ ان کے آباؤ اجداد میں سے ایک شخصیت کا نام ’’مستغفر‘‘ تھا۔ (الفوائد البهیه،ص: 47)

377۔ شیخ طاہر ملقب ’’صدرالاسلام‘‘ بن برہان الدین محمود مصنف ’’المحیط‘‘ و ’’الذخیرة‘‘ بن تاج الدین الصدر السعید احمد بن برہان الدین کبیر عبدالعزیز بن عمر بن مازہؒ: آپؒ فقہائے حنفیہ میں سے بڑے لوگوں میں سے تھے۔ ان کو فقہ کے اصول وفروع پر بڑی دسترس حاصل تھی۔ معقول ومنقول پر بہت زیادہ گرفت حاصل تھی۔ ان کے بہت سے فوائد اور فتاویٰ ہیں۔ انھوں نے اپنے والد ’’محیطِ برہانی‘‘ کے مصنف شیخ برہان الدینؒ اور اپنے چچا حسام الدین عمر الصدر الشہید سے علم حاصل کیا۔ اسی طرح انھوں نے قاضی فخرالدین قاضی خانؒ سے بھی علم حاصل کیا۔ (فوائد البهیه۔ص: 73۔طبع: بنارس، ہند)

378۔ شیخ ابراہیم بن احمد بن ابراہیم بن داؤدؒ: اصلاً بخاری تھے۔ بعد میں بلخ میں قیام پذیر رہے۔ وہیں دفن ہوئے۔ ان کی کنیت ’’ابواسحاق‘‘ اور ’’مستملی‘‘ کے نام سے مشہور ہیں۔ بڑے محدث اور فقیہ تھے۔ ان کا انتقال بلخ میں ۳۷۶ھ/ 986ء میں ہوا۔ (معجم المؤلفین، عمر رضا کحالہ۔ ج:01۔ص:03)

379۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:
’’شیخ ابوعلی حسین نسفیؒ، شیخ ابوبکر محمد بن ابوالفضل (کماریؒ) اور شیخ عبداللہ استاذ سُبذمونیؒ، یہ تمام کے تمام

اصحابِ توجیہ میں شامل ہیں۔اورتمام فقہائے حنفیہ انہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔"سُبذمونی" (سین کے پیش اور با کے فتح اور ذال کے سکون کے ساتھ) یہ بخارا کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے۔"

(اتحاف النّبیه فی ما یحتاج للمحدّث و الفقیه، از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔ص: 131۔طبع: مکتبہ سلفیہ، لاہور)

380۔ شیخ محمد بن فضل ابوبکر کماریؒ: آپؒ بڑے امام اور شیخ جلیل تھے۔روایت میں ان پر بڑا اعتماد اور درایت میں ان کی تقلید کی جاتی تھی۔ بڑے بڑے ائمہ ان کی طرف سفر کرکے علم حاصل کرنے آتے تھے۔مشاہیر اہل فتاویٰ کی کتابیں آپؒ کے فتاویٰ اور روایات سے بھری پڑی ہیں۔انھوں نے فقہ کی تعلیم استاذ عبداللہ سُبذمونیؒ سے حاصل کی تھی۔"کمار" بخارا کے قریب ایک بستی کا نام ہے۔اسی کی طرف ان کی نسبت ہے۔ان کا انتقال ۳۸۱ھ/ 991ء میں ہوا۔ (الفوائد البهیه۔ص: 149)

381۔ شیخ محمد بن عمرو ابوجعفر اُستروشنیؒ: بخارا اور سمرقند کے قاضیوں میں سے ایک ہیں۔وہ اپنے چچا شیخ لقمان استروشنیؒ اور شیخ ابوالحسین محمد بن مظفر حافظ بغدادی سے روایت کرتے ہیں۔ان سے روایت کرنے والوں میں ابوذر محمد بن جعفر بن محمد مستغفریؒ ہیں۔وہ بڑے امام اور بڑے فاضل عالم تھے۔سمرقند کے قاضی تھے کہ ۴۰۴ھ / 1013ء میں ان کا انتقال ہوا۔ (الجواهر المضیئه۔ ج: 2۔ص: 105)

علامہ سمعانیؒ نے لکھا ہے کہ: "استروشنی (الف پر پیش، سین کے سکون اور شین پر فتح) یہ نسبت "اسروشنہ" کی طرف ہے۔اس میں تاء کا اضافہ کرکے بھی بیان کیا جاتا ہے، لیکن تاء کے بغیر بیان کرنا زیادہ صحیح ہے۔

(الأنساب، از علامہ سمعانیؒ۔ص: 221۔طبع: دکن، ہند)

381۔ محمد بن یحییٰ بن مہدی ابوعبداللہ فقیہ جرجانیؒ: صاحبِ ہدایہؒ نے انھیں "اصحابِ تخریج" میں شامل کیا ہے۔ان سے فقہ حاصل کرنے والوں میں شیخ ابوالحسین احمد قدوریؒ اور شیخ احمد بن محمد ناطفیؒ ہیں۔ان کا انتقال ۳۹۸ھ/ 1008ء میں ہوا۔ملا علی قاریؒ نے ان کی تاریخ وفات ۳۹۷ھ/ 1060ء لکھی ہے اور لکھا ہے کہ آپؒ بڑے اونچے علما میں سے تھے۔صاحبِ ہدایہ نے ان کا تذکرہ "باب صفة الصّلوٰة" میں کیا ہے۔امام ابوبکر رازیؒ سے انھوں نے فقہ حاصل کی۔ان کو آخری عمر میں فالج ہوگیا تھا۔انتقال کے بعد ان کو امامِ ابوحنیفہؒ کی قبر کے پاس دفن کیا گیا۔ (الفوائد البهیه۔ص: 162)

383۔ امام ابوالحسن عبیداللہ بن حسین کرخیؒ: انھوں نے فقہ کی تعلیم شیخ ابوسعید بردعیؒ سے حاصل کی۔جنھوں نے امامِ ابوحنیفہؒ کے پوتے شیخ اسماعیل ابن حمادؒ سے تعلیم حاصل کی۔اور انھوں نے اپنے والد اور دادا اِمامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ سے تعلیم حاصل کی۔ائمہ احناف کی سربراہی ان پر اپنے زمانے میں ختم ہوجاتی ہے۔علمائے احناف میں آپؒ کو "مجتهدفی المسائل" میں شمار کیا ہے۔انھوں نے فقہ کی ایک کتاب "المختصر" لکھی۔نیز "شرح جامع صغیر" و "شرح جامع کبیر" بھی لکھی۔ان کی وِلادت ۲۶۰ھ/ 874ء میں ہوئی۔ان کا انتقال ۳۴۰ھ/ 951ء میں ہوا۔ان سے فقہ کی تعلیم حاصل کرنے والوں میں امام ابوبکر جصاص رازیؒ، امام ابوعلی احمد بن محمد شاشیؒ اور ابوحامد احمد تبری اور ابوالقاسم علی تنوخیؒ وغیرہ ہیں۔عراق کے قریب ایک بستی "کرخ" کی نسبت سے آپؒ کو "کرخی" کہا جاتا ہے۔جیسا کہ علامہ سمعانیؒ نے لکھا ہے۔ (الفوائد البهیه۔ص: 92)

384۔ امام عبداللہ بن محمد استاذ حارثیؒ: ان کی پیدائش ۲۵۸ھ/ 872ء میں ہوئی۔آپؒ نے شیخ ابوعبداللہ ابن ابوحفص

کبیرؒ سے تعلیم حاصل کی۔ ان کی مشہور کتاب ''**كشف الأسـرار الشريعة فى مناقب أبى حنيفةؓ**'' ہے۔ ان کا انتقال شوال ۳۴۰ھ/ 952ء میں ہوا۔(**الفوائد البهيه**۔ص: 89)

385۔ شیخ محمد بن محمد بن محمود ابومنصور ماتریدیؒ: آپؒ **امـام الـمُتـكـلّـمين** ہیں۔ انھوں نے فقہ کی تعلیم شیخ ابوبکر احمد جوزجانیؒ کے واسطے سے امام محمدؒ سے حاصل کی۔ ان سے فقہ حاصل کرنے والوں میں حکیم قاضی اسحاق بن محمد سمرقندیؒ، شیخ علی رستغنیؒ اور ابومحمد عبدالکریم بن موسیٰ بزدویؒ ہیں۔''ماترید'' سمرقند میں ایک محلے کا نام ہے۔ان کا انتقال ۳۳۳ھ/ 945ء میں ہوا۔ (**الفوائد البهيه**۔ص:157۔طبع: بنارس)

386۔ شیخ اسماعیل بن عبدالصادق بن عبداللہ خطیبؒ: انھوں نے عبدالکریم ابن موسیٰ بزدویؒ سے تعلیم حاصل کی۔ ان سے تعلیم حاصل کرنے والوں میں صدر الاسلام ابوالیسر محمد بن محمد عبدالکریم بزدویؒ ہیں۔

(**الفوائد البهيه**۔ص: 38)

387۔ شیخ محمد بن فضل بن احمد فراوی صاعدی شافعیؒ: ان کی کنیت ''ابوعبداللہ'' ہے۔ وہ بڑے محدث، واعظ اور فقیہ تھے۔ ان کی پیدائش ۴۴۱ھ/ 1050ء میں نیشاپور میں ہوئی۔ ان کا انتقال ۵۳۰ھ/ 1136ء میں نیشاپور میں ہی ہوا۔ فقہ شافعی پر آپؒ کی کتاب کے علاوہ وعظ وتذکیر کی مجالس بھی ان کی مشہور ہیں۔

(**معجم المؤلفين**، ازعمر رضا کحالہ۔ ج: 11۔ص: 127)

388۔ شیخ عبدالغافر بن اسماعیل بن عبدالغافر فارسی نیشاپوری شافعی ابوالحسنؒ: ان کی پیدائش ۴۵۱ھ/ 1059ء میں ہوئی۔ وہ بڑے محدث، حافظ الحدیث، مؤرّخ، لغوی، ادیب اورفقیہ تھے۔ان کی کتابوں میں ''**مـجـمـع الـغـرائب فى غريب الحديث**'' اور ''**الـمـفـهم فى غريب صحيح مسلم**'' وغیرہ ہیں۔ان کا انتقال نیشاپور میں ۵۲۹ھ/ 1135ء میں ہوا۔(**معجم المؤلفين**۔ ج: 05۔ص: 267)

389۔ ان سے مراد شیخ ابواحمد محمد بن عیسیٰ جلودی نیشاپوریؒ ہیں۔ جیسا کہ شیخ سالم بن عبداللہ بن سالم بصریؒ نے اپنے والد کی اسناد ''**الامداد**'' کی روایت صحیح مسلم میں بیان کیا ہے۔

(**الإمداد بعلوّ الأسناد** از شیخ عبداللہ بن سالم، ص:5، طبع: دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن)

390۔ شیخ محمود ابن احمد جمال الدین بخاری حصیریؒ: ان کے والد بڑے مشہور تاجر تھے۔ ایسے محلے میں رہتے تھے، جہاں ''حصیر'' یعنی چٹائیاں بنائی جاتی تھیں۔ اسی لیے ''حصیری'' مشہور ہوئے۔ وہ بڑے امام اور عالم فاضل تھے۔ انھوں نے حسن بن منصور قاضی خان سے تعلیم حاصل کی۔ ان کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے۔ انھوں نے صحیح مسلم کا سماع نیشاپور میں شیخ مؤید طوسیؒ سے کیا۔ حلب میں شریف ابوہاشمؒ سے اس کا سماع کیا۔ ان کی پیدائش بخارا میں جمادی الاولیٰ/ ۵۴۶ھ/ 1151ء میں ہوئی۔ ان کا انتقال اتوار کے روز، ۸/صفر ۶۳۶ھ/ 1238ء میں ہوا۔ ان کی کئی تصانیف ہیں۔ (**الفوائد البهيه**۔ص: 164)

391۔ ان سے مراد قاضی بِشر ابن ولید کِندیؒ ہیں۔ یہ امام ابویوسفؒ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔ انھوں نے ان سے ان کی کتابوں اور امالی کی روایت کی ہے۔ وہ معتصم باللہ کے زمانے میں بغداد کے قاضی مقرر ہوئے۔ ان کا انتقال ۲۳۸ھ/ 853ء میں ہوا۔(**الفوائد البهيه**۔ص: 44)

392۔ شیخ احمد بن حسین قاضی ابوسعید بردعیؒ: انھوں نے شیخ اسماعیل بن حماد بن امام ابوحنیفہؒ سے تعلیم حاصل کی۔ ان

سے تعلیم حاصل کرنے والوں میں ابوالحسن کرخیؒ، ابوطاہر دبّاسؒ اور ابوعمر طبریؒ ہیں۔ ''بُردِع'' آذربائیجان کے علاقے میں ایک شہر کا نام ہے۔ وہ قرامطہ (کے فرقے) کی حاجیوں کے ساتھ لڑائی کے واقعے میں ۳۱۷ھ/ 929ء میں شہید ہوئے۔ (الفوائد البهيه۔ص: 15)

علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ:

''۳۱۷ھ/ 929ء میں ۸/ذوالحجہ کو اللہ کا دشمن ابوطاہر قرمطی مکہ مکرمہ میں داخل ہوا۔ اس نے مسجدِ حرام اور مکہ مکرمہ کی گلیوں اور بازاروں میں حجاجِ کرام کا قتل عام کیا۔ کعبۃ اللہ کا دروازہ اُکھیڑ ڈالا، جب کہ حجرِ اسود کو توڑ کر اُکھاڑ ڈالا۔ اس کے ساتھ ۹۰۰ آدمیوں کا لشکر تھا، جس نے مسجدِ حرام میں 1700 آدمیوں کا قتل عام کیا۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس واقعے میں 30 ہزار سے زائد لوگ قتل ہوئے ہیں۔ سات دن تک اس کے لشکر نے مکہ میں قیام کیا۔ اس سال کسی نے حج نہیں کیا۔ اسی موقع پر امام احمد بن حسین بردعیؒ، جو بغداد میں حنفیہ کے بڑے شیخ تھے، شہید ہوئے۔''

(العبر فی خبر من غبر، از حافظ ذہبیؒ۔ ج: 02۔ص: 84-183۔مطبعه: الحكومة الكويتيه۔ 1984ء)

393۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ اس پر حاشیہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''امام ابراہیم بن یزید بن قیس بن اسود نخعی ابوعمران کوفی فقیہؒ، متوفی ۹۶ھ/ 714ء: ان کے شاگرد حماد بن ابوسلیمان مسلم اشعریؒ ہیں، جو امام ابراہیم کے جانشین تھے۔ ان کا انتقال ۱۲۰ھ/ 738ء میں ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد امام ابوحنیفہؒ متوفی ۱۵۰ھ/ 767ء ان کے جانشین بنے۔ واللہ اعلم!

(مِنهيه از امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ)

394۔ حجة الله البالغه، باب اسباب إختلاف مذاهب الفقهاء۔ج:1،ص: 8-307۔

حضرت مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ نے یہاں پر حاشیے میں لکھا ہے کہ:

''ہمارے بعض معاصر (مولانا عبدالرشید نعمانی) نے اپنی کتاب ''ما تمس إليه الحاجة لمن يطالع سنن إبن ماجة'' (اب یہ کتاب شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی تحقیق سے ''الإمام إبن ماجة و كتابهُ السنن'' کے نام سے بیروت سے شائع ہوئی ہے۔ آزاد) میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتاب ''حجة الله البالغه'' کی اس عبارت پر ردّ کیا ہے۔ (امام ابن ماجة و كتابۂ السنن۔تالیف: شیخ محمد عبدالرشید نعمانی۔ ص: 68-67۔ ناشر: مكتب المطبوعات الإسلامية، بيروت، لبنان)

میں نے اس کا شافی جواب ''مختصر القدوری'' پر اپنے حاشیے کے مقدمے میں دیا ہے۔

(المقدمة علىٰ مختصر القدوری۔ص: 27 تا 30۔مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی)

جو آدمی اس بحث کی تفصیلات معلوم کرنا چاہتا ہے، تو اس کا مطالعہ کرے۔ (قاسمی)''

395۔ منشی ذکاء اللہ نے ''تاریخ ہندوستان'' میں لکھا ہے:

''شاہ جہاں بارہویں روز ۸/شہر (ماہ) جمادیٰ الثانی ۱۰۳۷ھ مطابق 6/فروری 1668ء کو گھوڑے پر سوار ہوکر دولت خانۂ ارک دارالخلافہ اکبرآباد میں آیا اور ساڑھے تین گھڑی بعد سر پر تاج اور تخت پر قدم رکھا۔ اربابِ سیف وقلم اور اعیانِ دولت وحشم نے مبارک باد دی۔...

جب شاہ جہاں نے تختِ سلطنت پر جلوس کیا، تو اُس کو مراسم ملتِ مصطفوی وشریعتِ محمدی کا، جس میں کچھ خلل پڑ گیا تھا، ایسا پاس ولحاظ تھا کہ اول اُس نے یہ حکم دیا کہ سجدہ کرنے کی تعظیم کا معبودِ حقیقی سزاوار ہے۔ اب آئندہ کوئی دوسرے کے لیے اپنی پیشانی کو خاکِ مذلت پر نہ رکھے۔ یعنی اکبری عہد میں بادشاہ کو جو سجدہ کرنے کا دستور تھا، وہ موقوف کیا۔ ... اور یہ مقرر کیا کہ جس وقت بادشاہ سے ملاقات ہو، تو السلام علیکم کریں۔ اور جب رخصت ہو تو فاتحہ پڑھیں۔''

(تاریخ ہندوستان۔ از منشی ذکاءاللہ۔ ج: ہفتم۔ ص: 53، 55، 56۔ طبع سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور)

396۔ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ حاشیے میں لکھتے ہیں کہ:

''مجھے یہ حوالہ "مآثر الکرام" میں نہیں ملا۔ اور اللہ زیادہ جانتا ہے۔''

397۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے تصنیف کردہ ایک رسالے ''ردّ روافض'' کا عربی زبان میں ترجمہ کیا تھا، جس کا نام "المقدّمة السَنِية فی إنتصار الفرقة السُّنّية" رکھا تھا۔ یہ رسالہ انھوں نے مدینہ منورہ میں قیام کے دوران حضرت شیخ ابوطاہر کردی کی فرمائش پر تحریر کیا تھا۔ اس رسالے میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بارے میں شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

"الرّسالة الّتی أنشاء ها أوحد زمانه، و فرید أوانه، الجهبذ الرّاسخ فی الشّریعة و الطّریقة، و الطّود الشّامخ فی المعرفة و الحقیقة، ناصر السّنة، قامع البدعة، سراج اللّٰه الموضوع یستضیء به مَن شاء مِن عبادهٖ المؤمنین، و سیف اللّٰه المسلول علٰی أعدائه من الکفرة و المبتدعین، الإمام العارف، العالم الألمعی مولانا الشّیخ أحمد الفاروقی، الماتریدی، الحنفی، النّقشبندی، السّهرندی. جزاهُ اللّٰه سبحانهٗ عن المسلمین خیرالجزاء، و أحلّه بحبوبه الخلد، و بوّاهُ حظیرة الرّضا.''

(یہ رسالہ لکھنے والی شخصیت وہ ہے، جو اپنے زمانے میں منفرد ہے۔ اپنے وقت کی یکتا ہے۔ شریعت اور طریقت میں بڑے راسخ اور ماہر عالم ہیں۔ معرفت اور طریقت کے اونچے پہاڑ ہیں۔ سنت کی مدد کو پھیلانے والے ہیں۔ بدعت کا قلع قمع کرنے والے ہیں۔ اللہ کا ایسا چراغ ہیں، جس سے اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، منور کرتا ہے۔ اللہ کے دشمنوں، کافروں اور بدعتیوں کے مقابلے پر اللہ کی کھلی تلوار ہیں۔ امام، عارف، ذہین عالم مولانا شیخ احمد فاروقی ماتریدی، حنفی، نقشبندی، سرہندی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ مسلمانوں کی جانب سے انھیں اچھی جزا دے اور انھیں جنت الفردوس میں پہنچائے اور اپنی رضامندی کے حظیرۃ القدس میں ٹھکانہ دے۔)

اسی رسالے میں حضرت مجدد صاحبؒ کے پانچ تجدیدی امور کا ذکر کرنے کے بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں:

''ان امور کی وجہ سے شیخ کی یہ حالت ہے کہ سوائے مؤمن متقی کے اور کوئی ان سے محبت نہیں کرتا۔ سوائے بدبخت فاسق و فاجر کے کوئی ان سے بغض و عداوت نہیں رکھتا۔''

(المقدّمة السَنِية فی إنتصار للفرقة السُنّية، تصنیف: امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، ص: 43، طبع: حضرت شاہ ابوالخیر اکاڈمی، شاہ ابوالخیر مارگ، دہلی، 1983ء)

398۔ القرآن: 83:4۔

399۔ ایضاً۔

400۔ حضرت خواجہ حافظ سید عبداللہ اکبرآبادیؒ: حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ''انفاس العارفین'' میں لکھا ہے کہ:
''حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سید عبداللہ قصبہ ''کھیڑی'' کے رہنے والے تھے، جو ''بارہہ'' کے نواح میں واقع ہے۔ ان کے والد نے کھیڑی کو وطن بنا لیا تھا۔ کم سنی ہی میں ان کے والدین فوت ہو گئے تھے اور ان کے دل میں اُسی وقت سے خداطلبی کا جذبہ پیدا ہوا۔ جگہ جگہ اولیائے کرام کی تلاش کرتے رہے، یہاں تک کہ پنجاب کے ایک بزرگ کی خدمت میں پہنچے، جو علم قرأت میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے اور صحرائے پنجاب کی ایک مسجد میں اپنا وقت گزار رہے تھے۔ لوگوں کے میل جول اور آمد و رفت سے بالکل فارغ البال اور انتہائی متوکل علی اللہ تھے۔ سید صاحبؒ ان کی خدمت میں رہ کر راہِ حق طلب کرنے لگے۔ ان بزرگ نے سید صاحب سے فرمایا کہ: ''تمھاری تلقین و ہدایت ایک اور بزرگ سے وابستہ ہے، جہاں تم ان شاء اللہ ضرور پہنچو گے۔ البتہ ہاں حفظ قرآن کی نعمت مجھ سے حاصل کیجیے۔..'' جب حفظِ قرآن سے فراغت حاصل ہوئی تو اس بزرگ نے رخصت عطا فرمائی کہ ''جاؤ اور جہاں بھی کوئی صاحبِ ولایت ملے، اُس کی خدمت گزاری میں انتہائی کوشش کرو۔'' یہ سیر کرتے ہوئے ''سامانہ'' میں حضرت شیخ اِدریس سامانی کی خدمت میں جا پہنچے۔ کافی عرصہ ان کی صحبت میں رہے، پھر وہاں سے حضرت شیخ آدم بنوری قدس سرہٗ کی صحبت میں تشریف لے گئے اور کافی عرصہ ان کی خدمت میں رہے۔ ان کے اجل خلفا میں شامل ہوئے۔

والد ماجد (شاہ عبدالرحیم دہلویؒ) نے فرمایا کہ: سید عبداللہ فرماتے تھے: جن دنوں شیخ آدم بنوری قدس سرہٗ نے حج بیت اللہ کا عزمِ مصمم کیا تو میں نے بھی ان کے ساتھ جانے کا ارادہ کرلیا۔ انھوں نے مجھے جانے سے روک دیا۔ اور فرمانے لگے کہ: ''تمھارا اٹھہرانا حکمت پر مبنی ہے، جو تمھیں بعد میں معلوم ہوجائے گا۔ اب معلوم ہوا کہ وہ حکمت تمھاری تربیت سے عہدہ برآ ہونا تھا۔..''

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ: جن دنوں اورنگ زیب عالم گیر اکبرآباد (آگرہ) میں تھا، میں میرزاہد ہرویؒ محتسبِ لشکر سے کچھ اسباق پڑھتا تھا۔ اسی تقریب کے بہانے میں اپنے والد کے ہمراہ میں اکبرآباد گیا تھا۔ سید عبداللہ بھی وہاں موجود تھے۔ انھی دنوں انھیں ایک عارضہ لاحق ہوا اور وہ رحمتِ حق سے واصل ہوئے۔ انھوں نے وصیت کی کہ مجھے مسکینوں کے قبرستان میں دفن کرنا، تاکہ کوئی پہچان نہ سکے۔'' اس سے اندازا ہوتا ہے کہ غالباً آپؒ کی وفات ۱۰۹۹ھ/ 1688ء میں ہوئی۔ (انفاس العارفین۔ تذکرہ حافظ عبداللہ اکبرآبادیؒ۔ ص: 6 تا 14۔ طبع: مجتبائی، دہلی۔ اردو ترجمہ۔ ص: 40 تا 57۔ طبع: دیوبند)

401۔ شیخ، عارف، سید آدم بن اسماعیل کاظمی بنوری قدس سرہٗ: آپؒ مشائخ نقشبندیہ میں بڑے اونچے مرتبے پر فائز تھے۔ سرہند کے قریب بستی ''بنور'' میں پیدا ہوئے۔ طریقت کا ابتدائی سلسلہ انھوں نے مجدد الف ثانیؒ کے صحبت یافتہ حاجی خضر رومانی سے ملتان میں حاصل کیا۔ ان کے حکم سے سرہند میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی خدمت میں تشریف لے گئے اور طویل مدت تک ان کی صحبت اختیار کی۔ وہ ان کے خلیفہ اجل ہیں۔ ان کو سلسلۂ قادریہ کے مشائخ میں حضرت شاہ کمال کیتھلی قدس سرہٗ کا فیض حضرت شیخ محمد طاہر بندگی لاہوری

قدس سرہٗ سے حاصل ہوا۔ اس طرح ان سے نقشبندیہ مجددیہ اور قادریہ مجددیہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ وہ ۱۰۵۲ھ / 1642ء میں لاہور آئے تو آپؒ کے ساتھ دس ہزار علما و مشائخ اور ہر طبقے کے افراد تھے۔ سلطان شاہ جہاں بھی اس زمانے میں لاہور میں تھا۔ اس کو جب معلوم ہوا کہ ان کے ساتھ بہت بڑا اجتماع ہے، تو اس نے اپنے وزیر اعظم نواب سعداللہ خان کو ان کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا۔ (نزھۃ الخواطر۔ ج:5۔ص: 4)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ "انفاس العارفین" میں لکھتے ہیں:

"شاہ جہاں نے اپنے وزیر سعداللہ خان اور ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کو شیخ کی حقیقتِ حال کا پتا چلانے کے لیے بھیجا۔ دونوں شیخ کی خدمت میں پہنچے تو شیخ اس وقت مراقبے میں تھے۔ کافی دیر دروازے پر بیٹھے رہے۔ جب شیخ حالتِ مراقبہ سے باہر نکلے تو دونوں ان کے حجرے میں داخل ہوگئے۔ شیخ ان کی تعظیم بجا نہ لائے۔ یہ دیکھ کر دونوں بزرگوں کا مزاج بگڑ گیا۔ سعداللہ خان نے کہا کہ: "چلو میں تو اہل دنیا ہوں، مشائخ کے نزدیک تعظیم کا مستحق نہیں، مگر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی تو بڑے عالم دین ہیں، ان کی تعظیم ضروری ہے۔"

حضرت شیخ آدم بنوریؒ نے فرمایا: "حدیث میں آتا ہے:

"**العلماء اُمناء الدّین مالم یخالطوا الملوک، فإذا خالطوھم فھم اللّصوص.**"

(علما اُس وقت تک دین کے محافظ ہوتے ہیں، جب تک وہ بادشاہوں سے دور رہیں۔ جب بادشاہوں کی بارگاہوں تک پہنچ جائیں تو وہ علما نہیں، چور ہیں۔)

یہ سن کر دونوں اٹھ کھڑے ہوئے اور شاہ جہاں سے جا کر کہا کہ: "یہ ایک عام اور متکبر فقیر ہے، جو لمبے چوڑے دعوے کرتا ہے، لیکن پٹھان اس کے بے حد معتقد ہیں۔ اسے چھیڑنے سے خوف ہے کہ کہیں فتنہ نہ کھڑا ہو جائے۔" یہ سن کر شاہ جہان بگڑ گیا۔ قاصد کے ہاتھ شیخ کو کہلا بھیجا کہ آپ حج کو چلے جائیں۔ شیخ انتہائی عجلت میں عازمِ مکہ ہوگئے اور سورت سے جہاز میں سوار ہوگئے۔ جب سوار ہوگئے تو بادشاہ کا حکم سورت کے حاکم کو پہنچا کہ اس فقیر کو جلد واپس لوٹائیے، کیوں کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ اس درویش کا باہر جانا میرے ملک کے لیے زوال کا باعث ہوگا۔ حاکم سورت نے معذرت لکھی کہ شاہی حکم پہنچنے سے پہلے حضرت شیخ جہاز پر سوار ہوگئے۔ بہت ہی جلد بادشاہ قید ہوا اور اِدھر شیخ کی وفات مدینہ منورہ میں ۲۳ رشوال ۱۰۵۳ھ/ جنوری 1644ء کو ہوگئی اور حضرت عثمان کے مزار کے قریب جنت البقیع میں آپؒ مدفون ہوئے۔

(انفاس العارفین۔ فارسی۔ص: 13۔ اردو ترجمہ: ص: 56-55)

402۔ شیخ، عالم، کبیر، علامہ عبداللہ بن (خواجہ باقی باللہ) عبدالباقی نقشبندی، کابلی ثم دہلویؒ:

آپ شہر دہلی میں ۷ر رجب ۱۰۱۰ھ/ جنوری 1602ء میں اپنے بڑے بھائی عبیداللہ کی وِلادت کے بعد پیدا ہوئے۔ ان کے والد حضرت خواجہ باقی باللہ کا انتقال ان کے بچپن میں ہی ہوگیا تھا۔ چناں چہ انھوں نے شیخ حسام الدین دہلویؒ کی گود میں پرورش پائی۔ انھوں نے درسی کتابیں شیخ شاکر محمد اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سے پڑھیں۔ پھر سرہند کا سفر کیا۔ بعض کتابیں امامِ ربانی (مجدد الف ثانی) شیخ احمد سرہندی سے پڑھیں اور ان سے طریقت حاصل کی۔ ایک طویل مدت تک ان کی صحبت اختیار کی اور پھر دہلی تشریف لے گئے۔ ان کو حضرت شیخ حسام الدین اور شیخ الہٰ داد نے بھی اجازت عطا فرمائی۔

دہلی آ کر وہ درس و تدریس اور افادہ و استفادہ میں مشغول ہوگئے۔ ان کو شیخ محی الدین ابن عربی کے طریقے

کے مطابق معارفِ الٰہیہ پر بڑی قدرت حاصل تھی۔ان کی کتاب ’’**فصوص الحکم**‘‘ اور ’’**فتوحاتِ مکیہ**‘‘ ان کی نوکِ زبان پر ہر وقت رہتی تھیں۔ انھوں نے ان دونوں کتابوں پر بڑے عمدہ حواشی لکھے ہیں۔ ان کا انتقال بدھ کے روز ۲۵ / جمادی الاولیٰ ۱۰۷۴ھ/ دسمبر 1663ء میں ہوا۔

(نزھة الخواطر۔ ج: 5۔ص: 255)

403۔ شیخ، عالم، محدث محمد افضل سیالکوٹی ثم دہلوی: آپؒ اصل سیالکوٹ کے رہنے والے ہیں اور مشہور محدثین میں سے ہیں۔ انھوں نے حضرت شیخ عبدالاحد بن شیخ محمد سعید سرہندیؒ بن امامِ ربانی مجدد الف ثانیؒ سے تعلیم حاصل کی اور ان سے بہت زیادہ فیض اٹھایا۔ حدیث کی سند بھی انھی سے لی۔ پھر حرمین شریفین کا سفر کیا اور وہاں حضرت شیخ سالم بن عبداللہ بصریؒ کی صحبت اٹھائی۔ پھر واپس ہندوستان تشریف لائے اور دہلی میں مستقل سکونت اختیار کی۔ وہ مدرسہ غازی خان میں حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ ان سے حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں وغیرہ بہت سے علمانے تعلیم حاصل کی اور فیض اٹھایا۔

ان کا انتقال ۱۱۴۶ھ/ 1733ء میں ہوا۔ (نزہۃ الخواطر۔ ج: 6۔ص: 288)

404۔ شیخ محدث عبدالاحد بن محمد سعید بن امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ:

آپؒ اپنے والد کے بیٹوں میں سے پانچویں ہیں۔ ان کے علوم ومعارف کے وارث ہیں۔ ان کی پیدائش سرہند شہر میں ۱۰۵۰ھ/ 1640ء میں ہوئی۔ انھوں نے اپنے والد سے تعلیم حاصل کی اور ان سے علم حدیث اور سلسلۂ طریقت اخذ کیا۔ والد کے انتقال کے بعد انھوں نے اپنے چچا شیخ محمد معصوم سرہندیؒ کی صحبت اختیار کی اور ان سے ان کی نسبتِ خاصہ حاصل کی۔ وہ بڑے عالم اور عارف، نیز بہت عمدہ شعر کہنے والے شاعر تھے۔ شیخ حجۃ اللہ محمد نقشبند سرہندیؒ ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

’’بے شک اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے ہمارے آباؤ اجداد میں علم ومعرفت میں کوئی تفریق نہیں رکھی۔ آج بھی ایک شخص، جس میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں، وہ شیخ عبدالاحد ہیں۔‘‘

ان کا انتقال جمعہ کے دن ۲۷/ ذوالحجہ ۱۱۲۶ھ/ 1714ء میں دہلی میں ہوا۔ ان کے متعلقین نے ان کا تابوت سرہند منتقل کیا۔ وہیں دفن ہوئے۔ (نزہۃ الخواطر، ج: 6، ص: 135۔طبع: دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن)

405۔ ان سے مراد شیخ، عارفِ کبیر، حجۃ اللہ محمد نقشبند بن خواجہ محمد معصوم بن امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ ہیں۔ آپ نقشبندی مشائخ میں بہت اونچے مرتبے کے لوگوں میں سے ہیں۔ ان کی پیدائش سرہند شہر میں جمعہ کے دن ۲۷/ رمضان ۱۰۳۴ھ/ 1625ء میں ہوئی۔ انھوں نے اپنے والد سے تعلیم اخذ کی اور پھر ان کی صحبت میں ہمیشہ رہے۔ یہاں تک کہ ایسے بلند رتبے تک پہنچے کہ ان کے والد کے اصحاب میں سے کوئی بھی اس مقام پر نہیں پہنچا۔ ان کے والد نے ان کے بارے میں ’’قیومیت‘‘ کی خوش خبری دی تھی۔ ان سے سلسلہ اخذ کرنے والے شیخ محمد زبیر نقشبندیؒ اور بہت مخلوق ہے۔ ان کا انتقال ۲۹/ محرم ۱۱۱۴ھ/ 1702ء میں ہوا۔

(نزہۃ الخواطر۔ ج: 06۔ص: 265۔طبع: دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن)

406۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ان کے حالات میں ایک مستقل رسالہ ’’**النُّبذة الإبريزية فی اللّطيفة العزيزية**‘‘ کے نام سے لکھا ہے۔ یہ رسالہ ’’انفاس العارفین‘‘ کا حصہ ہے۔

407۔ شیخ معمر محمد سعید شطاری نقشبندی لاہوریؒ: آپؒ بہت زیادہ عمر والے مشائخ میں سے ایک ہیں۔ انھوں نے سلسلۂ شطاریہ حضرت شیخ محمد اشرف لاہوریؒ سے حاصل کیا اور طریقۂ نقشبندیہ شیخ سعداللہ نقشبندیؒ سے اور سلسلۂ قادریہ سید محمود بن علی حسینی کردیؒ سے مدینہ منورہ میں حاصل کیا۔ انھوں نے دو دفعہ حج اور عمرے کا شرف حاصل کیا۔ ان کی عمر 120 سال سے زائد تھی۔ اس لیے ان کو ''معمر'' کہا جاتا ہے۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ان سے لاہور میں ملاقات کی اور ان سے علوم کی سند حاصل کی۔ انھوں نے ان کے بارے میں اپنی کتاب ''**الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللّٰہ**'' میں ''**الصّالح**''، ''**الثّقہ**'' اور ''**المعمّر**'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ان کا انتقال ۱۱۶۶ھ/ 1753ء میں لاہور میں ہوا۔ (نزہۃ الخواطر۔ ج: 6۔ ص: 323)

408۔ شیخ، عالم کبیر محمد حسین بن محمد مراد بن یعقوب حافظ بن محمود انصاری سندھیؒ: پاک سرزمین سندھ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ علم اپنے والد سے حاصل کیا اور پھر انھی کے ساتھ سرزمین عرب کی طرف ہجرت کی۔ ان کے والد محمد مراد ''شیخ الاسلام'' کے لقب سے مشہور تھے۔ انھوں نے شیخ مخدوم محمد ہاشم بن شیخ عبدالغفور ٹھٹھوی سندھیؒ سے روایت کی ہے۔ شیخ محمد حسین سندھیؒ کی ان کے علاوہ بھی اور اسانید ہیں۔ ان کو علم طب میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ صرف و نحو اور فقہ حنفی اور اس کے اصول اور تمام علوم میں بڑی دسترس رکھتے تھے۔ سرزمین عرب میں ان کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ (**نزھۃ الخواطر**۔ ج: 07۔ ص: 438)

409۔ شیخ یوسف بن علاؤالدین مزجاجی حنفیؒ: ان کی پیدائش قریباً ۱۱۴۰ھ/ 1728ء میں ہوئی۔ انھوں نے یمن کے شہر زبید میں پرورش پائی۔ علوم اپنے والد اور شیخ عبدالخالق بن ابوبکر مزجاجیؒ سے حاصل کیے۔ وہ بڑے عالم اور حافظ محقق اور مشہور رہنما تھے۔ امام شوکانیؒ کے بھی وہ استاد تھے۔

(**نیل الوطر**۔ ج: 02۔ ص: 425۔ تالیف: محمد بن محمد یمنی صنعانی۔ طبع: قاہرہ، مصر)

410۔ شیخ، عالم کبیر، علامہ، مولانا محمد فاضل بدخشی لاہوریؒ: آپؒ بدخشاں کے قریب ایک قصبے ''روستاق'' میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ وہ قاضی عین القضاۃ ہمدانی کی اولاد میں سے ہیں۔ انھوں نے اپنے علاقے کے علما سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر کابل تشریف لائے اور مولانا محمد صادق حلوانی کے پاس طویل زمانہ قیام کرکے تعلیم حاصل کی۔ پھر توران چلے گئے اور وہاں فاضل مرزا جان شیرازی اور ان کے شاگرد ملا یوسف کوسج سے تعلیم حاصل کی اور اکثر درسی کتابیں انھی سے پڑھیں۔ پھر ہندوستان آئے اور اصولِ فقہ اور تفسیر و حدیث وغیرہ شیخ جمال الدین تلوی لاہوری سے حاصل کیا۔ پھر سلطان جہاں گیر کے زمانے میں لشکر کی عدالت کے قاضی مقرر ہوئے اور شاہ جہاں کے سنِ جلوس کے آٹھویں سال تک اس منصب پر فائز رہے۔ پھر غالباً ۱۰۴۴ھ/ 1634ء میں اس خدمت سے استعفیٰ دے دیا اور وظیفے اور زمین کی آمدنی پر قناعت اختیار کی۔ پھر انھوں نے لاہور میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا، جس سے بہت سے علما نے فیض حاصل کیا۔ ان کا انتقال لاہور میں ۱۰۵۰ھ/ 1642ء میں ہوا۔ ان کا مزار بھی لاہور میں ہے۔

(نزہۃ الخواطر۔ ج: 05۔ ص: 415)

411۔ شیخ، عالم کبیر، علامہ جمال الدین تلنبوی لاہوریؒ: آپؒ لاہور کے بڑے مشہور اساتذہ اور محدثین و مفسرین میں سے ہیں۔ ان کے معاصرین میں سے درس و تدریس اور افادے میں کوئی بھی ان کے برابر نہیں پہنچ سکا۔

انھوں نے قرآن حکیم حفظ کیا اور شیخ اسماعیل بن ابدال شریف حسنی اُچی سے علم حاصل کیا۔ پھر شیخ اسحاق بن کاکولاہوریؒ اوران کے شاگرد شیخ سعداللہ سے تعلیم حاصل کی اوران کی کافی طویل مدت تک صحبت اختیار کی، یہاں تک کہ علوم وفنون میں بہت ماہر ہوگئے۔ انھوں نے باقی تمام عمر علوم کے پھیلانے میں صرف کردی۔ اپنے زمانے میں لاہور شہر کی علمی سربراہی صرف ان کو ہی حاصل تھی۔ لوگ دوردراز کے شہروں سے علوم حاصل کرنے کے لیے ان کے پاس آتے تھے اور کثیر تعداد میں علما نے ان سے استفادہ کیا۔ وہ بہت عمدہ طریقے سے بات سمجھاتے تھے۔ نرم اور میٹھی گفتگو کرتے تھے۔ بحث ومباحثے میں آپؒ کا اندازِ گفتگو انتہائی سچائی اور نرمی لیے ہوتا تھا۔ ان کو تمام علوم میں مکمل گرفت حاصل تھی۔ خاص وعوام میں آپؒ کی بڑی مقبولیت تھی۔ ابوالفیض ناگوری نے ''**سواطع الإلهام**'' بے نقط تفسیر لکھی تو اُس میں ان سے مدد لی۔

(نزہۃ الخواطر۔ ج:05۔ص:128)

412۔ شیخ عمر بن عبدالقادر غزیؒ، المعروف ''مشرقی'': آپؒ قاضیوں میں سے ہیں۔ غزۂ ہاشم میں ان کو حنفیہ کی قضا پر مقرر کیا گیا تھا۔ ان کی تصانیف میں ''**الدر و العقيان فى طبائع الإنسان**'' ہے۔ ان کا انتقال ۱۰۷۴ھ/ 1663ء میں ہوا۔ (**معجم المؤلفين**۔ تالیف: عمر رضا کحالہ۔ ج:07۔ص:292)

413۔ شیخ عبدالغنی بن اسماعیل نابلسیؒ: آپؒ نقشبندی، قادری اور حنفی عالم ہیں۔ ''نابلسی'' کی نسبت سے مشہور ہیں۔ بڑے عالم، ادیب، نثر نگار، شعرگوئی پر قدرت رکھنے والے، صوفی اور علوم کی تمام اقسام پر دسترس رکھنے والے تھے۔ ان کی پیدائش ذوالحجہ ۱۰۵۰ھ/ 1641ء میں دمشق میں ہوئی اور پھر بغداد تشریف لے گئے۔ دوبارہ شام تشریف لائے اور پھر وہاں سے فلسطین، لبنان منتقل ہوگئے۔ پھر مصر اور حجاز کا سفر کیا اور پھر آخر زمانے میں دمشق میں مستقل قیام پذیر ہوگئے۔ یہاں تک کہ ان کا ۲۴؍شعبان ۱۱۴۳ھ/ 1731ء کو انتقال ہوا۔ ان کی بہت تصانیف ہیں۔ ''**مجموعۂ فتاوىٰ**'' فقہ حنفی میں اور ''**جواهر النصوص فى حل كلمات الفصوص لإبن عربى**'' تحریر کی۔ (حوالہ بالا۔ ج:5۔ص:271)

414۔ ان سے مراد شیخ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن علاؤالدین بابلی شافعی حافظ الرحلہؒ ہیں: آپؒ حدیث وفقہ کے بہت مشہور علما میں سے ہیں۔ انھوں نے شیخ نور زیادیؒ کی بہت زیادہ صحبت اختیار کی اور انھیں سے تعلیم حاصل کی۔ نیز شیخ سالم سنہوری اور ان کے ماموں شیخ سلیمان بن عبدالدائم اور شیخ محمد حجازی، شیخ برہانی لقانی اور شیخ احمد بن عیسیٰ وغیرہ سے بھی تعلیم حاصل کی۔ ان سے تعلیم حاصل کرنے والی لاتعداد جماعتیں ہیں۔ ان کی تمام مرویات اور ان کے مشائخ کی ایک پوری فہرست ہے، جسے ان کے شاگرد علامہ عیسیٰ مغربی نے جمع کیا ہے۔ ان کا انتقال ۱۰۷۷ھ/ 1666ء میں ہوا۔ (**خلاصة الأثر**۔ ج:04۔ص:39)

415۔ ان سے مراد شیخ محمد بن شریف کورانی شافعیؒ ہیں۔ آپؒ بڑے مفسر اور حکیم تھے۔ ان کی تصنیفات میں ''**حاشيه علىٰ انوار التنزيل للبيضاویؒ**'' فن تفسیر میں، اور ''**حاشية علىٰ تحافة الفلاسفة**'' اور ''**حاشية على الإشارات للطوسى**'' فلسفہ وغیرہ میں ہے۔ ان کا انتقال یمن میں ۱۰۷۸ھ/ 1667ء میں ہوا۔

(**معجم المؤلّفين**۔ ج:10۔ص:68)

416۔ شیخ عبدالکریم بن ابوبکر بن ہدایت اللہ حسینی کورانی شافعیؒ: آپؒ مدینہ منورہ میں تشریف رکھتے تھے۔ بڑے مفسر

اور واعظ تھے۔ ان کی تصنیفات میں قرآن حکیم کی تفسیر، تین جلدوں میں ہے، جو سورۃُ النحل تک پہنچی تھی۔ ایک کتاب مواعظ میں ہے۔ان کا انتقال ۱۰۵۰ھ/ 1640ء میں ہوا۔

(معجم المؤلفین۔عمر رضا کحالہ۔ج:05۔ص:314)

417۔ ان سے مراد شیخ سلطان بن احمد بن سلامہ مزّاحی، مصری، شافعیؒ ہیں۔ "مزّاح" مصر میں ایک بستی کا نام ہے۔ آپؒ علامۃ الزمان اور خاتمۃ الحفاظ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے علوم شیخ نور زیادی اور بہت سے لوگوں سے حاصل کیے۔ ان کی مجلس اور دعا کی برکت سے بہت سے لوگوں نے نفع اٹھایا۔ان سے تعلیم حاصل کرنے والوں میں بڑے محقق علما شامل ہیں، جن میں شیخ شمس بابلی اور شیخ ابراہیم کردی وغیرہ ہیں۔ ان کا انتقال ۱۰۷۵ھ/ 1665ء میں ہوا۔ (خلاصة الاثر۔ ج:02۔ص:120)

418۔ اس جماعت کے تمام افراد کے تذکرے کی تفصیل کے لیے دیکھئے: "بغیة الطالبین" تصنیف: شیخ احمد نخلیؒ، مطبوعہ دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن۔

419۔ اس سند کی شخصیات کے تذکرے کے لیے دیکھئے: شیخ عبداللہ بن سالم مصریؒ کی اسانید پر کتاب "الإمداد" مطبوعہ دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن۔

420۔ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ اس پر حاشیہ تحریر کرتے ہیں:

''میں کہتا ہوں کہ: "الأمم" میں یہ لکھا ہے کہ: ''ہم نے سماعت کرتے ہوئے ایک بڑی نسبت رکھنے والے نیک بندے، معمر، صوفی عبداللہ بن ملا سعداللہ لاہوری، نزیل مدینۂ منورہ — اللہ تعالیٰ اس کے شرف میں اضافہ کرے — سے ان کی تمام ثلاثیات کی روایت کی۔''

(الأمم لإيقاظ الهمم۔تصنیف: شیخ ابراہیم بن حسن کردی کورانی،ص:5،طبع: دائرۃ المعارف۔حیدرآباد دکن)

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے شیخ سے بالمشافہ روایت سنی ہے۔ (قاسمی)''

421۔ شیخ محمد اسماعیل بریالوی سندھیؒ: آپؒ شہر ''بھریالو' (سندھ) کے رہنے والے ہیں۔ انھوں نے حضرت شیخ سعدی لاہوریؒ سے سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ حاصل کیا۔ان کا انتقال ۸/ربیع الاوّل ۱۱۷۴ھ/ 1761ء میں ہوا۔

(حوالہ بالا۔ص:392)

422۔ ان سے مراد شیخ کبیر سعدی بلخاری لاہوریؒ ہیں۔آپؒ ہندوستان کے مشہور مشائخ میں سے ایک ہیں۔ وہ اپنی عمر کے آٹھویں سال میں تھے کہ جب ان کی ملاقات حضرت شیخ آدم بنوری قدس سرہٗ سے ہوئی۔آخر تک ان کی صحبت میں رہے۔اپنے زمانے کے اساتذہ سے علم حاصل کیا اور سلسلۂ طریقت حضرت شیخ آدم بنوریؒ سے حاصل کیا۔ ان کے ساتھ ہی حجاز تشریف لے گئے اور ان کی وفات تک مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے۔پھر ہندوستان واپس آئے اور لاہور میں قیام پذیر رہے۔ان سے بہت سے علما و مشائخ نے فیض حاصل کیا۔ان کو بڑی قبولیت حاصل ہوئی۔ ان کا انتقال بدھ کے دن ۳/ربیع الاول ۱۱۰۸ھ/ 1696ء میں عالم گیر کے زمانے میں ہوا۔ (نزهة الخواطر۔ ج:6۔ص:105)

لاہور میں ''سعدی پارک'' کے نام سے محلّہ انھیں کے مزار کی وجہ سے مشہور ہے۔

423۔ امام قطب الدین سہالویؒ: شیخ، عالم، علامہ قطب الدین بن عبدالحلیم بن عبدالکریم انصاری سہالویؒ معقول و

منقول کے یگانۂ روزگار علما میں سے ایک تھے ۔لکھنؤ کے قریب ایک بستی ''سہالی'' میں پیدا ہوئے۔بچپن سے ہی علوم حاصل کرنے میں مشغول ہوئے اور تیس سال کی عمر میں تمام علوم کے حاصل کرنے سے فارغ ہو گئے۔ پھر چشتی سلسلۂ طریقت قاضی گھاسی بن داؤ الہ آبادیؒ سے حاصل کیا اور کافی عرصہ اُن کی صحبت میں رہے ۔اس کے بعد درس وتدریس شروع کی۔ ان کی بہت سے تصانیف ہیں ۔ انھیں ۱۲۰۳ھ/ 1789ء میں جب کہ ان کی عمر 63 سال تھی، شہید کردیا گیا۔ (نزھة الخواطر، ج:6،ص: 237)

424۔ امیر ابوالعلاء اکبر آبادی: ان کے والد ابوالوفا بن عبدالسلام کرمان کے حسینی مشائخ میں سے تھے۔ ان کے ننھیالی مورثِ اعلیٰ خواجہ محمد فیضی بن خواجہ ابوالفیض بن خواجہ عبداللہ بن خواجہ عبیداللہ احرار تھے۔آپ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد اپنے نانا حضرت خواجہ محمد فیضی کی زیرنگرانی پرورش پا کر جوان ہوئے۔خواجہ محمد فیضی اکبر اعظم کی سلطنت کے اہم رکن راجہ مان سنگھ کے مصاحب تھے۔سلطنتِ مغلیہ میں آپ کا اثر ورسوخ تھا۔خواجہ محمد فیضی کے انتقال کے بعد آپؒ ان کی جگہ راجہ مان سنگھ کے لشکر میں اکبری دربار کے ساتھ وابستہ رہے۔ اکبر کے انتقال کے بعد جب وہ جہانگیر سے ملے تو اس نے بھی ان کو اپنے خصوصی مصاحبین میں شامل کرلیا۔لیکن کچھ عرصے بعد جہانگیر سے ایک معاملے میں اختلاف کے سبب اور خواب میں تین بزرگوں کے اشارے سے انھوں نے سلطنت وحکومت سے علاحدگی اختیار کرلی۔ پھر کچھ عرصہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے مزار پر رہ کر روحانی فیوضات وبرکات حاصل کیں۔پھر اپنے ننھیالی چچا امیر عبداللہ بن حضرت خواجہ عبیداللہ احرار کی صحبت میں رہ کر نقشبندی سلسلے کی اجازت اور تربیت حاصل کی۔سلطنتِ مغلیہ میں امرائے حکومت میں شامل رہنے کی وجہ سے ''امیر'' آپ کے نام کا حصہ بن گیا۔

ان کا انتقال ۹ رصفر ۱۰۶۱ھ/ 02رفروری 1651ء کو ہوا۔ان کے خلیفہ اجل شیخ ولی محمد نارنولیؒ تھے اور ان کے خلیفہ اجل خلیفہ ابوالقاسم اکبر آبادیؒ ہیں، جو حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ کے پیر ومرشد اور اجل مشائخ میں سے ہیں۔حضرت سندھیؒ کا اشارہ انھی کی طرف ہے۔

425۔ سید مبارک بن فخرالدین حسینی بلگرامیؒ: آپؒ عالم اور محدث ہیں۔ ان کی پیدائش ۱۰۳۳ھ/ 1624ء میں ہوئی۔ انھوں نے بعض درسی کتابیں شیخ طیب بلگرامی سے اپنے شہر میں ہی پڑھیں۔ پھر دہلی کا سفر کیا اور باقی تمام کتابیں خواجہ عبداللہ بن خواجہ باقی باللہ نقشبندی دہلویؒ سے پڑھیں۔ حدیث کا علم شیخ نورالحق بن شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور شیخ ابورضا بن اسماعیل سے حاصل کیا۔ پھر اپنے شہر بلگرام تشریف لائے اور تعلیم و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ ان سے علم حاصل کرنے والوں میں شیخ عبدالجلیل بلگرامیؒ اور دیگر بہت سے علما ہیں۔(نزہۃ الخواطر۔ ج:06۔ص:248۔طبع دائرۃ المعارف۔حیدرآباد دکن)

426۔ مفتی عنایت احمد کاکورویؒ: ان کی پیدائش ۱۲۲۸ھ/ 1813ء میں ہوئی۔ انھوں نے مولانا حیدر علی ٹونکی اور مولانا نورالسلام دہلویؒ سے تعلیم حاصل کی۔ ایک طویل مدت تک ان کی صحبت میں رہے۔ ان کی تصنیفات میں ''**علم الصّیغه**''مشہور کتاب ہے۔ان کا انتقال ۱۲۷۹ھ/ 1862ء میں ہوا۔

(نزہۃ الخواطر۔ ج:07۔ص:341)

427۔ پانچویں دور کا اختتام سلطان فیروز شاہ تغلق کی تاریخ وفات یعنی ۳رمضان ۷۹۰ھ/ 23راکتوبر 1388ء پر

ہو جاتا ہے۔(تاریخ ہندوستان۔از منشی ذکاء اللہ، ج:2۔ص:206،طبع: سنگ میل پبلشرز، لاہور)
چھٹے دور کا آغاز اسی سن سے ہوتا ہے۔اس دور کے ابتدائی دس سال طوائف الملوکی میں گزرے اور ۸۰۱ھ/ 1399ء میں امیر تیمور نے ہندوستان پر حملہ کرکے پچھلے دور کے تمام نقوش مٹا دیے۔ چھٹے دور کا اختتام سلطان بہلول لودھی کی حکومت قائم کرنے پر ہوا۔ ۱۷/ربیع الاول ۸۵۵ھ/ 1451ء کو لودھی نے ہندوستان کی حکومت کا نظم ونسق سنبھالا ہے۔(حوالہ بالا،ص:330)

428۔ سلطان محمد شاہ تغلق نے ۷۴۴ھ/ 1343ء میں مصر میں خلیفہ عباسی کی غائبانہ بیعت کا اعلان کیا اور سکّے میں اپنے نام کے بجائے خلیفہ کا نام کندہ کرایا۔اپنا ایلچی بھیج کر خلافت کا منشورِ حکمت اور خلعتِ خلافت منگوایا۔ خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔خطبے میں سے اُن تمام بادشاہوں کا نام نکلوا دیا، جنھوں نے خلیفہ کے حکم کے بغیر سلطنت کی تھی، یہاں تک کہ اپنے باپ کا نام بھی نکلوا دیا۔(حوالہ بالاص:127)

429۔ ''التمہید'' کے مطبوعہ اور قلمی نسخوں میں یہاں پر امیر تیمور کی وفات کا سن ۸۰۲ھ لکھا ہے، غالبًا یہ کاتبوں اور خوش نویسوں کی غلطی ہے۔صحیح تاریخ ۱۷/شعبان ۸۰۷ھ/ 1405ء ہے۔(حوالہ بالا، ج:3۔ص:25)
یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں حضرت سندھیؒ تاریخِ وفات کے بجائے ہندوستان سے امیر تیمور کی واپسی کا سن بتلانا چاہتے ہوں۔کاتبوں نے اسے تاریخِ وفات بنا دیا ہو۔(آزاد)

430۔ امیر تیمور لنگ ہندوستان پر حملے کے ارادے سے رجب ۸۰۰ھ/ مارچ اپریل 1398ء میں سمرقند سے روانہ ہوا، کوہستان کے پہاڑوں میں فتح اور غلبہ پاتا ہوا ۸/محرم ۸۰۱ھ/ستمبر 1398ء کو دریائے سندھ پار کرکے ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ دریائے جہلم سے ہوتا ہوا تلمبہ، ملتان، دیپالپور کو فتح کرتا ہوا پانی پت، دہلی پہنچا اور ۷/ربیع الثانی ۸۰۱ھ/ 1398ء کو دہلی فتح کرلیا۔ چند دن قیام کے بعد میرٹھ فتح کرتا ہوا ہردوار فتح کیا اور پھر جموں تک کوہِ شوالک کے تمام پہاڑوں کو فتح کرتا ہوا اپنے امیروں کے ذریعے سے لاہور پر قبضہ کیا۔ ۲۰/رجب ۸۰۱ھ/ 1399ء کو واپس دریائے سندھ عبور کرکے سمرقند چلا گیا۔
(تفصیل کے لیے دیکھئے! تاریخ ہندوستان۔ج:02۔ص:245 تا 290)
امیر تیمور نے نہ صرف ہندوستان فتح کیا، بلکہ مختصر سی مدت میں اپنی چھتیس سالہ حکمرانی کے زمانے میں ماوراء النہر کے تمام علاقے، خوارزم، ترکستان، خراسان، عراق، آذربائیجان، فارس، کرمان، خوزستان، مصر، شام، روم تمام معلوم دنیا کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ اور تمام علاقے فتح کرنے کے بعد واپس سمرقند پہنچ کر ۸۰۷ھ / 1405ء میں بہت بڑا جشن منایا۔ جشن کے فوراً بعد دنیا کے بڑے ملک چین کو فتح کرنے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ سردی کے سخت موسم کے باوجود سمرقند سے تین سو میل دور لاکھوں لشکر لے کر ''اترار'' کے قریب خیمہ زن تھا کہ موت نے آلیا۔ ۱۷/شعبان، بروز بدھ ۸۰۷ھ/ 1405ء میں اس کا انتقال ہوا اور لاش سمرقند واپس لاکر ۲۲/شعبان کو دفن کی گئی۔(تاریخ ہندوستان۔ج:03۔ص:20 تا 25)

431۔ منشی ذکاء اللہ نے ''تاریخ ہندوستان'' میں لکھا ہے کہ:
''سلطان سکندر لودھی کے عہد سے پیش تر مسلمان بادشاہوں کے زمانے میں ہندوؤں میں فارسی زبان پڑھنے کا رواج نہ تھا۔ جب سلطان کو نوکری کے لیے فارسی خوان ہندوؤں کی ضرورت ہوئی تو اُس نے فرمایا کہ:

''کدام ہندو بچہ است کہ فارسی مے داند؟'' (کون سا ہندو بچہ ہے، جو فارسی جانتا ہے؟)
جواب ملا کہ: ''کوئی نہیں۔'' اس پر اس نے ہندوؤں سے درخواست کی کہ وہ فارسی زبان پڑھیں۔ چناں چہ شودروں میں سے کائستوں نے، جو پہلے سے سنسکرت کی لکھائی کی اُجرت سے گزر اوقات بسر کرتے تھے، بہ سر وچشم اس حکم کو قبول کیا۔ اپنے حاکموں کی زبان سمجھنے کی وجہ سے مسلمانوں کے عہدِ سلطنت میں اُن کا پہلے سے زیادہ عروج ہو گیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں ہندوؤں کو مسلمانوں کے علوم سے ایسی آگاہی ہو گئی کہ وہ ان علوم کا درس دینے لگے۔ پنڈت ڈوگرمل تو شاعر بھی ہو گئے۔
بادشاہ کو تصنیفات کا ایسا شوق تھا کہ وہ ہر علم میں کتابیں علما سے تصنیف کرواتا۔ اُس نے اپنے حکم سے مہاویدک کا ترجمہ سنسکرت سے فارسی زبان میں کرایا۔ اُس نے خراسان اور ہندوستان کے طبیبوں کو جمع کیا۔ دونوں طرح کی طب کی کتابوں سے اُس نے انتخاب کرایا۔ اس کا نام ''طبِ سکندری'' رکھا، جو ایک معتبر کتاب علم طب میں سمجھی گئی۔'' (تاریخ ہندوستان۔ جلد: 02۔ ص: 79-378)

432۔ بابا گرونانک کی پیدائش 1469ء کی ہے اور ان کا انتقال 1539ء کو ہوا۔ یہ شیخوپورہ کے قریب ہندو کھتریوں کے ایک خاندان میں پیدا ہوئے۔ نوجوانی میں انھوں نے دولت خان لودھی کے پاس بہ طورِ اکاؤنٹنٹ ملازمت کی، جو شمالی ہندوستان کے قصبے سلطان پور کا حاکم تھا۔ اسی عرصے میں 18 یا 22 سال کی عمر کے دوران نانک نے مذہبی تجربہ کیا اور ایک مسلم گویے کے ہمراہ بصیرت کی تلاش میں طویل اسفار کیے۔ بالآخر 1520ء میں شمالی ہندوستان کے خطے پنجاب میں واپس آئے۔
ان کی زندگی کے باقی سال لاہور سے شمال کی جانب واقع ایک گاؤں ''کرتار پور'' میں بسر ہوئے۔ اوّلین روایات کے مطابق نانک نے بغداد اور مکہ مکرمہ کے سفر بھی کیے۔ بعد میں دیگر جگہوں کی سیاحت بھی کی۔ نانک کی تعلیمات کو مختصراً ایک عقیدۂ نجات کے طور پر بیان کیا جا سکتا ہے۔
(عالمی انسائیکلوپیڈیا۔ ج: 2۔ ص: 2055۔ طبع: فیصل ناشران، لاہور)

433۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی سوانح ''تذکرۃ الرشید'' میں ''ارشادات'' کے ضمن میں حضرت گنگوہیؒ کا ایک ارشاد بیان کیا گیا ہے:
''ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ: ''شاہ نانک، جن کو سکھ لوگ بہت مانتے ہیں، حضرت بابا فریدالدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا میں سے ہیں۔ چوں کہ اہل جذب سے تھے، اس وجہ سے اُن کی حالت مشتبہ ہو گئی۔ مسلمانوں نے کچھ ان کی طرف توجہ نہ کی۔ سکھ اور دوسری قومیں (اُن کے) کشف وکرامات دیکھ کر اُن کو ماننے لگے۔''
(تذکرۃ الرشید۔ ج: 02۔ ص: 232۔ طبع: مکتبہ مدنیہ، اردو بازار، لاہور)

434۔ **القرآن: سورۃ احزاب، آیت نمبر 38۔**

435۔ شیخ، امام، علامہ شہاب الدین احمد بن شمس الدین عمر الزاوی، قاضی القضاۃ، ملک العلما، ہندی دولت آبادیؒ:
ان کی پیدائش ۷۰۰ھ/ 1301ء کے بعد دولت آباد دہلی میں ہوئی۔ انھوں نے علوم قاضی عبدالمقتدر بن رُکن الدین شُریحی کندیؒ اور مولانا خواجگی دہلویؒ سے حاصل کیے۔ یہاں تک کہ فقہ، اصولِ فقہ اور عربی پر عبور حاصل کیا اور علوم میں امام قرار پائے۔ پھر جونپور چلے گئے اور وہاں سلطان ابراہیم شرقی نے انھیں قاضی

القضاۃ مقرر کردیا۔ ان کی بہت عمدہ تصنیفات ہیں۔ان کی وفات ۲۵ ر رجب ۸۴۹ھ/ 1445ءکو جونپور میں ہوئی۔ انھیں مسجد سلطان ابراہیم شرقی کے جنوب میں دفن کیا گیا۔ (نزھۃ الخواطر، ج:3،ص: 15)

436۔ قاضی، امام، عالم کبیر، علامہ عبدالمقتدر بن محمود بن سلیمان شریحی، کندی، تھانیسیری، ثم دہلویؒ: ان کی پیدائش تھانیسر میں ہوئی۔ دارالحکومت دہلی میں پرورش پائی۔ شیخ شمس الدین محمد بن یحییٰ اَوَدھی کی صحبت میں رہے۔ ان سے درسی کتابیں پڑھیں۔علم فقہ میں ''اصولِ بزدوی'' اور ''تفسیرِ کشّاف'' شیخ نصیرالدین محمود بن یحییٰ اودھیؒ سے پڑھیں۔طریقت کا سلسلہ بھی انھی سے حاصل کیا۔انھوں نے اپنی زندگی کے اکثر اوقات درس وتدریس اورافادہ میں گزارے۔ ان سے تعلیم حاصل کرنے والوں میں اُن کے پوتے شیخ ابوالفتح بن عبدالحیٔ بن عبدالمقتدر، قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ اور دیگر بہت سے علما ہیں، جنھوں نے ان سے استفادہ کیا۔ ان کا انتقال ۷۹۱ھ(1389ءمیں ہوا۔ (نزہۃ الخواطر۔ ج: 02۔ص: 73 تا 88۔طبع: ملتان)

437۔ شیخ علاؤ الدین علاؤالحق لاہوری بنگالیؒ شیخ اسعد لاہوریؒ کے بیٹے ہیں۔ پہلے ان کا شمار اُمرا اوراراکین سلطنت میں ہوتا تھا، بعد میں وہ سب کچھ ترک کر کے شیخ سراج الدین عثمان اوَدھیؒ (خلیفہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ) کے مرید ہوئے۔مرشد کی اتنی خدمت کی کہ دیکھنے والے حیران ہوتے تھے۔شیخ جلال الدین تبریزیؒ کی طرح اپنے مرشد کا کھانا گرم کرنے کے لیے انگیٹھی اپنے سر پر اٹھائے رہتے تھے،حتیٰ کہ ان کے سر کے بال جل گئے۔مرشد سے فیض حاصل کرنے کے بعد وہ ان کے جانشین ہوئے۔

بادشاہِ وقت نے ان کو بنگال کا دارالخلافہ ''گوڑ'' چھوڑ کر سنار گاؤں میں رہنے کا حکم دیا۔ان کی وفات ۸۰۰ھ/ 1398ء میں ہوئی اور ان کا مزار ''پنڈوہ'' (ضلع مالدہ، مغربی بنگال) میں ہے، جو گوڑ سے سات میل کے فاصلے پر بڑی زیارت گاہ ہے۔ ان کے جانشین ان کے فرزندِ ارجمند شیخ نورالحق المعروف نورقطبِ عالم تھے۔ ان کے ذریعے سے آپؒ کا فیض پورے بنگال میں پھیلا۔ان کا انتقال ۸۱۳ھ/ 1410ء یا ۸۱۸ھ/ 1415ء میں ہوا۔ ان کا مزار بھی پنڈوہ ضلع مالدہ، مغربی بنگال میں ہے۔

(آبِ کوثر، از شیخ محمد اکرام،ص: 06-305۔طبع: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور)

438۔ شیخ عبدالباری صدیقی امروہیؒ: ان کے والدِ گرامی شیخ ظہوراللہ اور دادا شیخ عبدالہادی امروہیؒ ہیں۔ وہ اپنے دادا کے خلیفہ اورتربیت یافتہ ہیں۔ان کا انتقال ۱۱ر شعبان ۱۲۲۶ھ/ 1811ء میں ہوا۔ان کا مزار امروہہ میں ہے۔ (تسلسلاتِ امدادیہ۔ از ڈاکٹر ماجد علی خان۔ص: 78۔طبع: سہارنپور)

449۔ شیخ عبدالہادی صدیقی امروہیؒ: انھوں نے شیخ عضدالدین امروہیؒ سے سلسلۂ چشتیہ کی تربیت حاصل کی۔ ان کا انتقال ۴ر رمضان ۱۱۹۰ھ/ 1776ءکو ہوا۔ان کا مزار بھی امروہہ میں ہے۔ (حوالہ بالا)

440۔ شیخ، فقیہ ابوسعید بن نورالدین بن عبدالقدوس گنگوہیؒ: آپؒ شیخ جلال الدین عمری تھانیسری کے نواسے ہیں۔ ان کی پیدائش اور پرورش گنگوہ میں ہوئی۔ انھوں نے سلسلۂ طریقت حضرت شیخ نظام الدین تھانیسریؒ سے حاصل کیا۔ان سے تعلیم حاصل کرنے والوں میں شیخ محبّ اللہ الٰہ آبادی اورشیخ محمد صادق گنگوہیؒ اور دیگر بہت سے حضرات ہیں۔ ان کا انتقال ۱۰۴۹ھ/ 1439ءکو گنگوہ میں ہوا اور وہیں دفن ہیں۔

(نزھۃ الخواطر۔ ج: 05۔ص: 19۔طبع: حیدرآباد دکن)

441۔ شیخ الاجل امام عبدالقدوس بن اسماعیل بن صفی ردولوی ثم گنگوہیؒ: آپؒ ہندوستان کے مشہور مشائخ میں سے ہیں۔ ان کی پیدائش اور پرورش ردولی میں ہوئی۔ صرف ونحو کی بعض کتابیں انھوں نے ملا فتح اللہ سے پڑھیں۔ پھر بحث ومناظرہ چھوڑ کر شیخ احمد بن داؤد عمری ردولویؒ کی قبر کے مجاور بن گئے اور ایک لمبے عرصے تک اس کے مجاور رہے۔ پھر علم ظاہری حاصل کیا اور پھر سلسلۂ طریقت اُن کے پوتے شیخ محمد بن احمد بن احمد ردولوی سے حاصل کیا۔ پھر وہ شاہ آباد منتقل ہوگئے اور وہاں سے گنگوہ آکر مستقل قیام کیا۔ وہ بہت اونچے مقامات کے حامل تھے۔ ان سے بہت کرامات صادر ہوئیں۔ اتباعِ سنت پر پورا عمل کرتے تھے۔ ان کی بہت سی تصنیفات بھی ہیں۔ "**عوارف المعارف**" کی ایک بسیط شرح اور تصوف کی کتاب "**التعرّف**" پر حاشیہ لکھا۔ ان کے بہت سے رسائل آپؒ کے شاگردوں نے جمع کیے ہیں۔ ان کا انتقال ۲۲/ جمادی الاخریٰ ۹۴۴ھ/ 1537ء میں گنگوہ میں ہوا۔ (نزھة الخواطر۔ ج:04۔ص:78-177)

442۔ شیخ، عالم، فقیہ، زاہد نظام الدین بن عبدالشکور عمری، بلخی، تھانیسریؒ: آپؒ چشتیہ مشائخ میں سے ایک ہیں۔ انھوں نے علم وعمل اور ریاضت ومجاہدے کو ایک جمع کردیا تھا۔ ان کے چچا اور سسر شیخ جلال الدین عمری تھانیسریؒ ہیں۔ ان کے بعد آپؒ ان کے جانشین بنے۔ انھوں نے ۱۰۰۷ھ/ 1598ء میں حجاز کا سفر کیا اور ۱۰۲۰ھ/ 1611ء میں واپس ہندوستان لوٹے۔ پھر تھانیسر میں درس وافادہ میں مشغول رہے۔

جب خسرو بن جہانگیر نے اپنے والد کے خلاف بغاوت کی۔ تھانیسر سے گزرا اور ان سے ملاقات کی۔ اس پر جہانگیر ناراض ہوگیا اور اُس نے ان کو ہندوستان سے جلاوطن کردیا تو وہ بلخ تشریف لے گئے۔ وہاں وہ طویل زمانے تک عبادت اور افادہ میں مشغول رہے۔ ان سے بہت سے علما نے فیض حاصل کیا۔ سلطان امام قلی ازبک ہر ہفتے ان کے پاس آتا تھا اور برکت حاصل کرتا تھا۔ انھوں نے چند بڑی تصنیفات لکھی ہیں، جن میں سے مشہور "**شرح اللّمعات للعراقی**"، "**شرح السّوانح للغزالی**"، "**تفسیرِ نظامی**"، "**رسالة الحقیقة**" اور "**رسالة البلخیه**" ہیں۔ ان کے جانشین حضرت ابوسعید گنگوہی ہوئے۔ ان کا انتقال 26/ شوال ۱۰۲۴ھ/ 1615ء یا ۱۰۳۶ھ/ 1626ء کو بلخ میں ہوا۔ (نزھة الخواطر۔ ج:05۔ص:53-452)

443۔ شیخ، صالح، معمر جلال الدین محمود عمری تھانیسریؒ: آپؒ بڑے مشائخ میں سے ہیں۔ قرآن پاک حفظ کیا اور علم میں مشغول رہے۔ اپنے زمانے کے علما میں سب سے زیادہ بحث ومباحثے میں مشغول رہے۔ پھر ایک طویل زمانے تک درس وتدریس اور افتا کیا۔ تصانیف وتالیفات کیں۔ پھر حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ سے سلسلۂ طریقت حاصل کیا۔ اُن کے خلیفہ اور جانشین بنے۔ ان کی عمر 93 سال ہوئی۔ بڑی ریاضتِ شدیدہ کی زندگی بسر کی۔ ان کا انتقال ۱۴/ ذوالحجہ ۹۶۹ھ/ 1561ء یا ۹۸۹ھ/ 1581ء میں ہوا۔ (نزہۃ الخواطر، ج:4، ص:66)

444۔ شیخ امام احمد بن عمر داؤد عدوی عمری شیخ عبدالحق ردولویؒ: آپ مشہور اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ زہد وتقویٰ میں ان کے زمانے میں ایسا اَور کوئی نہیں ہے۔ ان کی پیدائش اور پرورش سرزمین "اَوَدھ" (ایودھیا) کے ایک بڑے قصبے "ردولی" میں ہوئی۔ انھوں نے اپنے بھائی شیخ تقی الدین کے ساتھ دہلی کا سفر کیا۔ پھر وہاں سے پانی پت تشریف لے گئے، جہاں ان کی ملاقات شیخ جلال الدین محمود گازرونی سے ہوئی۔ وہ ان کی صحبت میں رہے اور ان سے سلسلۂ طریقت حاصل کیا۔ ان کے بعد وہ شیخ کبیر بنے۔ ان کا انتقال ۱۵/ جمادی الاخریٰ

۸۳۶ھ/ 1433ء میں ردولی میں ہوا اور وہیں دفن ہیں۔ (نزھۃ الخواطر۔ ج:03۔ص: 07)

445۔ شیخ فتح اللہ بن نظام الدین صوفی اَوَدھیؒ: آپؒ علوم عربیہ اور علم فقہ اور اصولِ فقہ کے مشہور علما میں سے ہیں۔ انھوں نے دارالحکومت دہلی کی جامع مسجد میں ایک طویل زمانے تک درس دیا۔ ان سے تعلیم حاصل کرنے والوں میں شیخ محمد بن قاسم اودھی ہیں، جنھوں نے "آداب السّالکین" لکھی ہے۔ شیخ محمد بن عیسیٰ جونپوری اور بہت سے علما ہیں۔ پھر اس سلسلے کو چھوڑ کر شیخ صدرالدین احمد بن شہاب دہلویؒ خلیفہ حضرت خواجہ نصیرالدین محمود کی صحبت میں ذکر ومراقبہ میں مشغول رہے۔ یوں ان پر علم ومعرفت کے دروازے کھل گئے۔ ان کا انتقال ۲۷/ ربیع الثانی ۸۲۱ھ/ 1418ء میں ہوا۔ ان کی قبر اپنے شہر اَوَدھ (ایودھیا) میں ہے۔

(نزھۃ الخواطر۔ ج:03۔ص: 87-86)

446۔ شیخ عبدالحکیم بن شیخ باجن ہندیؒ: آپؒ اپنے والد شیخ باجن کے خلفا میں سے ہیں۔ ان کی قبر اپنے والد کے روضے میں ہے۔ ان کے بڑے خلفا میں سے شیخ احمد رئیس اور ملک شیر خلوتی بن مالک ہیں۔

(اذکارِ ابرار ترجمہ گلزارِ ابرار۔ص: 265۔طبع: مفید عام، آگرہ)

447۔ شیخ الاسلام، امام سید جلال الدین بن سید احمد کبیر بن سید جلال الدین (بخاری سرخ) بخاری، اُچیؒ: ان کا لقب "مخدوم جہانیاں جہان گشت" ہے۔ ان کی پیدائش ۱۴/ شعبان ۷۰۷ھ/ 19/ جنوری 1308ء بروز جمعرات کو اُچ شریف میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے خاندان کے بزرگوں سے حاصل کی۔ حدیث کا درس شیخ جمال سے لیا۔ پھر ملتان تشریف لائے اور شیخ رُکن الدین ابوالفتح کی زیرنگرانی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ پھر استفادۂ علمی کے لیے حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ مکہ مکرمہ میں امام عبداللہ یافعی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے بہت سیر وسیاحت فرمائی۔ تین سو سے زیادہ بزرگوں سے ملے اور ان سے فیوض وبرکات حاصل کیے۔ کئی سال مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں رہے۔ عراق، عرب، شام، مصر، بلخ، خراسان وغیرہ کی سیر وسیاحت فرمائی۔ پورے ہندوستان میں اسفار کے ذریعے سے لاکھوں خاندانوں کو مسلمان کیا۔ اسی لیے ان کا لقب "جہان گشت" قرار پایا اور اپنے بزرگوں کی جانب سے "مخدوم جہانیاں" کا لقب ملا۔ ان کا وصال ۱۰/ ذالحجہ ۷۸۵ھ/ 2/ فروری 1384ء بروز بدھ کو اوچ شریف میں ہوا اور وہیں آپؒ کا مزار ہے۔

(سوانح حضرت مخدوم جہانیاں جہان گشت۔ مؤلفہ: پروفیسر محمد ایوب قادری۔ طبع: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ ہمارے جدِامجد ریاست رائے پور کے راجہ کے بیٹے بھی حضرت مخدوم جہانیاں جہان گشت کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور انھوں نے ان کا اسلامی نام راؤ جمال الدین رکھا۔ (آزاد)

448۔ علامہ، محدث، عیسیٰ بن قاسم بن یوسف سندھی برہان پوریؒ: آپؒ علمائے ربانیین میں سے ایک ہیں۔ ان کی پیدائش سرزمین برار کے علاقے "ایرج" میں ۹۶۲ھ/ 1555ء میں ہوئی۔ ان کے والد کا انتقال ۹۸۰ھ/ 1572ء میں ہوگیا۔ اس کے بعد وہ اپنے چچا کے پاس برہان پور چلے گئے۔ ان سے اور دیگر علما سے علم حاصل کیا اور طریقت کا سلسلہ شیخ لشکر محمد شطاری برہان پوریؒ سے حاصل کیا۔ اُن کے بعد رُشد وہدایت کا سلسلہ ان سے چلا۔ آپؒ درس وتدریس اور مخلوق کو فائدہ پہنچانے میں مشغول رہے۔ ان سے تعلیم حاصل

کرنے والوں میں آپؒ کے بیٹے عبدالستار، فتح محمد، برہان الدین برہان پوریؒ وغیرہ ہیں۔ شیخ اسماعیل بن محمود شطاری سندھیؒ اور بہت سی خلقِ خدا نے ان سے فیض اٹھایا۔(نزھة الخواطر۔ج:05۔ص:29)

449۔ شیخ حسین خوارزمیؒ: شاید ان سے مراد علامہ حسین خوارزمی ہیں، جن کا انتقال ۸۸۰ھ/ 1436ء کے آس پاس ہوا ہے۔ ان کا لقب ''کمال الدین'' ہے۔ انھوں نے **"قصیدہ بُردہ شریف"** کی بھی ایک شرح لکھی ہے، جیسا کہ حاجی خلیفہ نے **"کشف الظنون"** میں ذکر کیا ہے اور اُن سے عمر رضا کحالہ نے **''معجم المؤلفین''** میں بیان کیا ہے۔ (معجم المؤلفین. ج:03۔ص:232)

450۔ شیخ، الرحالہ، امیر کبیر سید علی بن شہاب بن محمد بن علی حسینی ہمدانی کشمیریؒ: آپؒ حضرت اسماعیل بن علی بن محمد بن علی بن حسین کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کی پیدائش ۱۲/ رجب ۷۱۴ھ/ 1314ء میں ہوئی۔ انھوں نے علوم شیخ نجم الدین محمد اذکائیؒ سے پڑھے اور انھی سے علم حدیث حاصل کیا۔ طریقت کا سلسلہ انھوں نے شیخ شرف الدین محمد بن عبداللہ مزوقانی اور شیخ تقی الدین علی دوسی سے حاصل کیا۔ یہ دونوں حضرات شیخ رُکن الدین احمد بن محمد المعروف علاؤالدولہ سمنانی کے خلفا میں سے ہیں۔ اس کے بعد وہ دنیا کی سیاحت کے لیے نکل کھڑے ہوئے اور بڑے بڑے مشائخ کو آپ نے پایا۔

جب آپ واپس خراسان تشریف لائے تو ان کے درمیان اور امیر تیمور گورگان کے درمیان حکمت کے معنی کی تشریح میں اختلاف ہو گیا۔ اس لیے وہ اُسے چھوڑ کر ۷۷۳ھ/ 1371ء میں کشمیر میں تشریف لے آئے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ۷۸۰ھ/ 1378ء میں کشمیر آئے۔ ان کے ساتھ مریدین کی سات سو کے قریب افراد پر مشتمل جماعت تھی۔ کشمیر میں رہنے والوں کی اکثریت ان کے ہاتھ پر ہی مسلمان ہوئی۔ ان کی وفات یاغستان کی سرزمین میں ''تیراہ'' کے مقام پر ہوئی۔ ان کے خلفا نے آپؒ کا جسدِ مبارک بدخشاں کے قریب ''ختلان'' کے علاقے میں منتقل کیا اور وہیں پر ان کو دفن کیا گیا۔ ان کا انتقال ۷۸۶ھ/ 1384ء میں ہوا۔

(نزھة الخواطر۔ج:02۔ص:87)

451۔ امام، شیخ محمد حلبی بن شمس الدین نصر بن شاہ میر بن علی بن مسعود بن ابوالعباس احمد بن صفی الدین بن امام عبدالوہاب بن امام عبدالقادر جیلانیؒ: آپؒ مشائخ قادریہ میں سے ایک ہیں۔ ان کی پیدائش حلب شہر میں ہوئی۔ پھر انھوں نے سیر و سیاحت کرتے ہوئے عرب، ایران، ترکستان، خراسان اور ہندوستان کی سرزمین کا سفر کیا اور ایک سے زیادہ مرتبہ حج اور زیارات سے مشرف ہوئے۔ انھوں نے ہندوستان کے سفر کے دوران ایک مدت تک لاہور شہر میں قیام فرمایا اور پھر کچھ مدت تک ناگور میں قیام فرما رہے اور وہاں ایک مسجد بھی بنائی۔ پھر واپس سفر کر کے حلب تشریف لے گئے اور اپنے والدِ گرامی سے ہندوستان میں قیام کی اجازت طلب کی، لیکن انھوں نے اپنی زندگی میں اجازت نہ دی۔ یہاں تک کہ والد کے انتقال کے بعد ہندوستان تشریف لائے اور ملتان میں قیام فرما ہوئے۔ پھر ۸۸۷ھ/ 1482ء میں بہاولپور کے قریب اُچ شریف میں مستقل سکونت اختیار فرمائی۔ یہاں تقریباً 36 سال تک سلسلۂ قادریہ کا فیض انسانیت تک عام کیا۔ ان کا انتقال ۹۲۳ھ (1517ء) کو اُچ شریف میں ہوا اور وہیں ان کا مزار ہے۔

(نزھة الخواطر۔ج:04۔ص:264۔طبع: ملتان)

452۔ عالم، صالح، شیخ عبدالرشید بن محمد سعید حسینی، بخاری، ملتانی: آپؒ شیخ جلال الدین حسین بن احمد حسین بخاری کی اولاد میں سے ہیں۔ انھوں نے شیخ نظام الدین کاکورویؒ سے تعلیم حاصل کی اور اُن کی صحبت میں بیس سال تک رہے۔ انھیں سے درسی کتابیں پڑھیں اور انھیں سے سلسلۂ طریقت حاصل کیا۔ امامِ ربانی مجدد الف ثانی نے ان سے ''تفسیر بیضاوی'' پڑھی ہے۔ (نزہۃ الخواطر۔ ج:05۔ص:230)

453۔ خواجہ خواجگان، امام سید بہاؤالدین نقشبندؒ: ان کی ولادت باسعادت ۴/محرم الحرام ۷۱۸ھ/ 1317ء کو ''قصرِ عارفان'' میں ہوئی، جو بخارا شہر سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ بچپن سے ہی ان پر ولایت کے آثار اور کرامت و ہدایت کے انوار ظاہر تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت اور آدابِ طریقت کی تعلیم سید امیر کلال سے حاصل ہوئی۔ حضرت امیر کلال سے صحبت حاصل کرنے کے بعد وہ مولانا عارف دیک کرانیؒ کی خدمت میں سال ہا سال تک رہے اور اُن سے فیض حاصل کیا۔ سلسلۂ نقشبند کا آغاز ان سے ہی ہوا ہے۔ انھوں نے ہی اس سلسلے کے بنیادی اصول اور طریقۂ کار وضع کیا ہے۔ ان کا انتقال ۳/ربیع الاوّل ۷۹۱ھ/ 1389ء میں ہوا۔ ان کا مزارِ مبارک ''قصرِ عارفان'' میں ہے۔ (تذکرہ مشائخ نقشبند۔ ص:101 تا 134)

454۔ شیخ علی بن محمد المعروف ''ابن غانم'' مقدسی، حنفی، مصریؒ: ان کی پیدائش اوائل ذالقعدہ ۹۲۰ھ/ 1514ء میں مصر میں ہوئی اور انتقال جمادی الآخر ۱۰۰۴ھ/ 1596ء میں ہوا۔ وہ بڑے فقیہ، لغوی، محدث ہیں۔ ان کی تصنیفات میں ''**كنز الدّقائق**'' کی شرح، ''**حاشيه على القاموس فيروز آبادىؒ**'' اور ''**تعليق على الأشباه و النّظائر لإبن نجيمؒ**'' شامل ہیں۔ (**معجم المؤلّفين**۔ ج:07۔ص:195)

455۔ شیخ رمضان بن عبدالحق عکاریؒ: ان کی پیدائش ۹۸۴ھ/ 1576ء میں ہوئی اور انتقال ۱۰۵۶ھ/ 1646ء میں ہوا۔ وہ حنفی فقیہ ہیں۔ اہل دمشق میں سے ہیں۔ انھوں نے کئی تصنیفات لکھی ہیں۔

(الأعلام. خیرالدین زرکلی۔ ج:03۔ص:60)

456۔ محقق ابن ہمامؒ نے فقہ حنفی کی عظیم کتاب ''**هدايه**'' کی بہترین شرح ''**شرح فتح القدير للعاجز الفقير**'' کے نام سے لکھی ہے۔ افسوس کہ یہ شرح مکمل نہ ہوسکی، اور ''**كتاب الوكاله**'' تک ہی لکھی جاسکی۔ ابن ہمامؒ کے بعد اس کا تکملہ ''**نتائج الأفكار في كشف الرموز و الأسرار**'' کے نام سے شیخ شمس الدین احمد بن قودر المعروف ''قاضی زادہؒ'' نے لکھا ہے۔ (آزاد)

457۔ القرآن: 38:12۔

458۔ شیخ حسن بن شمس الدین محمد شاہ بن محمد بن حمزہ فناری چلپیؒ: ان کی پیدائش ۸۴۰ھ/ 1436ء میں ہوئی۔ انھوں نے علوم ملا فخر الدین، ملا طوسی اور ملا خسرو سے حاصل کیے۔ صحیح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی کے بعد شاگردوں سے پڑھی۔ ان کی تصنیفات میں ''**حواشي على التلويح**''، ''**حواشي شرح الوقايه**''، ''**حواشي شرح التلخيص**''، ''**حواشي شرح المواقف**'' اور ''**حواشي تفسير البيضاوي**'' ہیں۔ ان کا انتقال شہر ''بروسہ'' میں جمادی الاخری ۸۸۶ھ/ 1481ء میں ہوا۔

(**حدائق الحنفيه** از مولوی فقیر محمد جہلمی۔ ص:338۔ طبع: نول کشور)

459۔ امام قوام الدین امیر کاتب اتقانی فارابیؒ: ان کی کنیت ''ابوحنیفہ'' ہے۔ نہر سیحون کے پار ایک علاقے ''فاراب''

کے رہنے والے ہیں۔ انھوں نے شیخ احمد بن اسعد اور شیخ حمیدالدین علی ضریر شمس الائمہ کردری کے واسطے سے صاحبِ ہدایہ سے تعلیم حاصل کی۔ وہ حنفیہ میں لغت، عربی اور فقہ کے بڑے سردار ہیں۔ ان کا انتقال ۷۵۸ھ / 1357ء میں ہوا۔ (الفوائد البهيه۔ص: 24۔طبع: یوسفی)

460۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے "رسالہ دانش مندی" میں علامہ جلال الدین دوانی تک اپنی سند اس طرح بیان کی ہے: ''اس بندے نے فن دانش مندی اپنے والد (شیخ عبدالرحیم دہلویؒ) سے حاصل کیا، انھوں نے میرزاہد ہرویؒ سے، انھوں نے ملا محمد فاضل بدخشی سے، انھوں نے ملا یوسف قراباغی سے، انھوں نے مرزا جان سے، انھوں نے ملا محمود شیرازی سے اور انھوں نے ملا جلال الدین دوانی سے الخ۔''

(رسالہ دانش مندی، از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، طبع: مطبع احمدی، دہلی)

461۔ شیخ ابوالمواہب عبدالوہاب شعرانیؒ: ان کی پیدائش قلقشندہ میں ہوئی اور وہیں تربیت پائی۔ وہ شافعیہ کے بڑے فقیہ ہیں۔ تصوف کے پھیلاؤ کے لیے ان کی زندگی وقف ہوئی۔ ان کی بڑی عمدہ تصنیفات ہیں، جن میں "الميزان الكبرىٰ"، ''الجواهر و الدرر الكبرى'' اور "لواقح الأنوار فی طبقات السادة الأخيار'' ہیں۔ ان کا انتقال قاہرہ میں ۹۸۳ھ/ 1565ء میں ہوا۔ (المنجد فی الأعلام)

462۔ امام شیخ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر سیوطیؒ: ان کی پیدائش، پرورش اور انتقال قاہرہ میں ہوا۔ ان کو علوم کی تمام اقسام میں بڑی قدرت حاصل تھی۔ انھوں نے 51 اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ علم کی تلاش میں تمام عالم عرب اور ہندوستان میں گھومے۔ ان کی تصنیفات کی تعداد پانچ سو کے قریب ہے۔ ان کا انتقال قاہرہ میں ۹۱۱ھ/ 1505ء میں ہوا۔ (المنجد فی الاعلام)

463۔ شیخ الاسلام زکریا بن محمد ابویحییٰ انصاریؒ: آپؒ مصر کے مشرق میں ایک جگہ ''سنیکہ'' میں پیدا ہوئے۔ وہ شافعیوں کے بڑے فقہا میں سے ہیں۔ ان کو لسانی علوم پر بڑی قدرت حاصل تھی۔ مصر کے حاکم اشرف قائیتبائی نے اپنی حکومت کا قاضی القضاۃ مقرر کیا تھا۔ ان کا انتقال قاہرہ میں ۹۲۶ھ/ 1520ء میں ہوا۔ (المنجد فی الأعلام)

464۔ سلطان خسرو شاہ بن بہرام شاہ بن مسعود شاہ بن سلطان مودود بن سلطان محمود غزنوی نے اپنے والد سلطان بہرام شاہ کی وفات کے بعد حالات کی خرابی کے باعث غزنی چھوڑ کر لاہور آنے کا فیصلہ کیا۔ اُس نے یہاں اپنی حکومت قائم کی۔ اس طرح اس کے زمانے میں غزنوی سلطنت، غزنی سے لاہور منتقل ہوگئی۔

اس حوالے سے منشی ذکاء اللہ ''تاریخ ہندوستان'' میں لکھتے ہیں:

''سلطان بہرام شاہ نے جب وفات پائی تو بہ اتفاقِ امر خسرو شاہ تختِ (سلطنت) پر بیٹھا، لیکن جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ غزنی میں علاؤالدین غوری آن پہنچا ہے، تو وہ مع اہل عیال کے ہندوستان کو روانہ ہوا اور لاہور میں اقامت (اختیار) کی۔ یہاں ہندوؤں نے اس کی نہایت تعظیم وتکریم کی۔ ان سب کو اس بات کی خوشی تھی کہ ان کے شہر میں ایک سلطنت قائم ہوگئی۔ اس طرح غزنی کی سلطنت ہندوستان میں منتقل ہوگئی۔''

(تاریخ ہندوستان از منشی ذکاء اللہ۔ ج:1، ص: 43-342۔ طبع: سنگِ میل، لاہور)

465۔ یہ بات طے ہے کہ سلطان خسرو شاہ کی حکومت کا آغاز اس کے والد سلطان بہرام شاہ کی وفات سے ہوا۔

البتہ سلطان بہرام شاہ کے سن وفات میں اختلاف ہے۔ بعض روایات کے مطابق اس کا انتقال ۵۴۲ھ / 1147ء میں ہوا، جب کہ دوسری روایت کے مطابق اس کا انتقال ۵۴۷ھ / 1152ء میں ہوا۔
مولانا سندھیؒ نے پہلے سنِ وفات کو ترجیح دی ہے، البتہ منشی ذکاء اللہ کے مطابق دوسری روایت صحیح ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''صحیح روایت کے موافق ۵۴۷ھ / 1152ء میں اس (سلطان بہرام شاہ) کی وفات ہوئی۔ اس کی سلطنت کی مدت کوئی (سالِ وفات ۵۴۲ھ / 1147ء کے مطابق) 35 سال اور کوئی (سالِ وفات ۵۴۷ھ / 1152ء کے مطابق) 41 سال بتاتا ہے۔'' (حوالہ بالا)

466۔ سلطان خسرو شاہ کے بعد اس کے بیٹے سلطان خسرو ملک نے لاہور پر تقریباً 27 سال (۵۵۵ھ / 1160ء تا ۵۸۲ھ / 1186ء) حکومت کی۔ اس کے زمانے میں سلطان شہاب الدین غوری نے ۵۸۲ھ / 1186ء میں لاہور فتح کرلیا اور یوں غزنوی حکومت کا غزنی کے بعد لاہور سے بھی خاتمہ ہوگیا اور غوری حکومت آغاز ہوا۔ مولانا سندھیؒ نے پانچویں دور کا آغاز غزنویوں کی لاہور پر حکومت سے کیا ہے۔

467۔ محمد قاسم فرشتہ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ:

''(سلطان شہاب الدین غوری کی شعبان ۶۰۲ھ / 1206ء میں شہادت کے بعد) سلطان محمود بن غیاث الدین غوری نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی قطب الدین (ایبک) کو ''مَلِک'' سے ''سُلطان'' بنا دیا اور آزادی اور خودمختاری کے فرمان کے ساتھ چتر اور بادشاہی کے دیگر لوازمات بھی اس کے لیے ہندوستان بھجوا دیے۔ قطب الدین اس فرمان اور خلعت کا استقبال کرنے کے لیے (دہلی سے) لاہور تک آیا۔ اور اپنے آقا کی طرف سے اپنی وفاداری کی یہ قدر و منزلت دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ یہ خلعت لے کر قطب الدین (ایبک) نے ۱۸/ ذوالقعدہ ۶۰۲ھ / جون 1206ء کو لاہور میں اپنی تخت نشینی کی رسومات ادا کیں اور اپنی خودمختاری اور سلطان محمود بن غیاث الدین کے فرمان کا اعلانِ عام کرکے لاہور سے دہلی واپس آ گیا۔''

(تاریخ فرشتہ (مترجم)۔ ج: 01۔ ص: 60-159۔ طبع: دوست ایسوسی ایٹس، لاہور)

468۔ شیخ علاؤالدین علی احمد صابر کلیریؒ: ان کی ولادت باسعادت ۱۹/ ربیع الاوّل ۵۹۲ھ / 1196ء کو ہرات میں ہوئی۔ ان کا اسم گرامی ''علی احمد'' ہے اور ان کا لقب ''علاؤالدین''، ''مخدوم'' اور ''صابر'' ان کے خطابات ہیں۔ پانچ سال کی عمر میں ۱۷/ ربیع الاوّل ۵۹۷ھ / 1201ء کو ان کے والدِ گرامی کا انتقال ہوگیا۔ ان کی والدہ ماجدہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر قدس سرہٗ کی بڑی ہمشیرہ ہیں۔ والد کے انتقال کے بعد والدہ ماجدہ نے ان کی تعلیم وتربیت پر کافی توجہ دی۔ ''اجودھن'' (پاکپتن) میں ان کی تعلیم وتربیت حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی نگرانی میں ہوئی۔ عربی، فارسی کے علاوہ انھوں نے فقہ، حدیث، منطق اور معانی وغیرہ علوم میں کامل دسترس حاصل کی۔ ان کی والدہ ماجدہ کا انتقال ۲/ محرم ۶۱۴ھ / 1217ء کو ہوا۔
اس کے بعد مسلسل تقریباً 40 سال حضرت بابا فریدؒ کی صحبت میں رہے اور پھر ۱۴/ ذوالحجہ ۶۵۰ھ / 1253ء کو حضرت بابا صاحبؒ نے ان کو خلافت عطا فرمائی۔ کلیر شریف کی ولایت ان کے سپرد کی۔ وہ اپنے پیر و مرشد کے حکم پر ساری عمر کلیر میں قیام فرما رہے۔ اس کے قریب ایک جنگل میں تقریباً چالیس سال یادِ الٰہی میں مشغول رہے۔ ان کی وفات ۱۳/ ربیع الاوّل ۶۹۰ھ / 1291ء کو کلیر شریف میں ہوئی۔ ان کا مزار شریف

مرجع خاص و عام ہے۔ ان کے خلیفہ حضرت شمس الدین ترک پانی پتیؒ ہوئے، جن سے سلسلۂ چشتیہ صابریہ جاری ہوا۔ (تذکرہ اولیائے پاک و ہند، از ڈاکٹر ابوظہور الحسن شارب، ص:74 تا 81، طبع: فیصل ناشران، لاہور)

ان کے سلسلۂ نسب کے بارے میں عام تذکرہ نگار یہی بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی اولاد میں سے ہیں۔ چناں چہ "سیر الأقطاب"، ''خزینة الأصفیاء''، ''تذکرہ اولیائے پاک و ہند''، ''تاریخ مشائخ چشت'' اور ''تذکرۂ جلیل؛ سوانح حیات مخدوم پاک صابر کلیریؒ'' وغیرہ میں اسی رائے کو ترجیح دی گئی ہے۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ البتہ مولانا عبدالحئ لکھنویؒ نے ''مہر جہاں تاب'' کے حوالے سے "نزھة الخواطر" میں لکھا ہے کہ:

"کان إسرائیلی النّسب من ذرّیّة سیّدنا موسٰی علٰی نبیّنا و علیه السّلام. سعد بصحبة الشّیخ فرید الدّین مسعود اجودھنی فی شبابهٖ." (نزھة الخواطر، ج:1۔ص:191)

(علی احمد صابرؒ نسب کے اعتبار سے بنی اسرائیل میں سے حضرت سید موسیٰ علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ اپنی جوانی کے زمانے میں انھوں نے شیخ فرید الدین مسعود اجودھنیؒ کی صحبت کی سعادت حاصل کی۔)

ہماری معلومات کے مطابق دستیاب تذکروں میں کسی نے ان کے نسب کے سلسلے میں یہ ذکر نہیں کیا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرت علی احمد صابر کلیریؒ کی نسبتِ طریقت میں موسوی جلال پایا جاتا تھا۔ ان کی جلالی طبیعت کے پیش نظر موسیٰ علیہ السلام کی نسبتِ جلالی کا ذکر تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔ ''مہر جہاں تاب'' کے مصنف کو اس سے اشتباہ ہوا ہے اور انھوں نے ''نسبتِ طریقت'' کو ''سلسلۂ نسب'' کے ساتھ جوڑ دیا۔ وہیں سے ان کے ''اسرائیلی النسب'' ہونے کا اشتباہ پیدا ہوا۔ و اللہ اعلم.

آج کل ''کلیر شریف'' ہندوستان کے صوبہ اُترا کھنڈ کے ضلع ہردوار کی تحصیل رُڑکی کا ایک اہم قصبہ ہے، جب کہ پہلے یہ صوبہ یوپی کے ضلع سہارن پور میں شامل تھا۔

469۔ سید اسماعیل بن سید ابدال بن نصر بن محمد بن موسیٰ بن عبدالجبار بن ابوصالح نصر بن عبدالرزاق بن امام محی الدین جیلانی، لاہوری قدس سرہٗ: آپؒ بھی بڑے اجل مشائخ میں سے ہیں۔ اپنے زمانے کے مشہور علما میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان کو علم فقہ، اصولِ فقہ اور علم کلام اور عربی زبان پر بڑی مہارت حاصل تھی۔ پہلے وہ لاہور میں قیام فرما رہے اور وہاں کے علما نے ان سے فیض حاصل کیا، پھر دارالحکومت دہلی تشریف لے گئے اور وہاں بھی ایک زمانے تک قیام پذیر رہے۔ پھر رنتھــنبــور تشریف لے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ ان سے فیض حاصل کرنے والوں میں شیخ محمد بن حسن جونپوری، شیخ عبدالملک بن عبدالغفور پانی پتی، علامہ جمال الدین لاہوری رحمہم اللہ اور علما اور مشائخ کی کثیر تعداد ہے۔ ان کا انتقال ۹۹۴ھ/ 1586ء میں ہوا۔

(دیکھئے! نزھة الخواطر۔ ج:04۔ص: 34-33۔طبع: ملتان)

470۔ سید شاہ قمیص بن ابوالحیات بن محمود بن محمد بن احمد بن داؤد بن علی بن ابوصالح نصر بن عبدالرزاق بن امام عبدالقادر جیلانی، قادری، ساڈھورویؒ: آپؒ ہندوستان کی سرزمین کے مشہور مشائخ میں سے ہیں۔ وہ بنگال سے تشریف لائے اور خضر آباد، دہلی میں قیام فرما ہوئے۔ شیخ عالم نصر اللہ دہلویؒ نے اپنی بیٹی کا نکاح ان سے کیا۔ انھوں نے دہلی میں مستقل سکونت اختیار کی اور وہیں پر ان کو بڑی قبولیت حاصل ہوئی۔ ان سے تعلیم و

تربیت حاصل کرنے والوں میں شیخ عبدالرزاق دہلویؒ محدث مشہور ''شیخ بہلول'' اور بہت سے علما و مشائخ شامل ہیں۔ان کا انتقال ۳/ذوالقعدہ ۹۹۲ھ/ 1584ء میں بنگال میں ہوا۔ وہاں سے ان کا جسدِ مبارک خضر آباد، دہلی میں منتقل کیا گیا اور وہاں پر ان کی تدفین ہوئی۔(حوالہ بالا۔ج:4۔ص:242)

471۔ شیخ عبدالقادر خامس کا سلسلہ یہ ہے: سید عبدالقادر آخرین خامس، بن سید شمس الدین محمد صالح بن سید حامد بن سید شمس الدین بن عبدالقادر رابع بن سید حامد گنج بخش بن سید عبدالرزاق بن سید عبدالقادر اُچی۔

(ماہنامہ طلوعِ آفتاب، لاہور۔ص:09۔شمارہ: مئی 2011ء)

472۔ حضرت الامام، غوث الاعظم، محی الدین، شیخ عبدالقادر بن ابوصالح بن موسیٰ بن عبداللہ جیلانیؒ:

ان کی پیدائش ایران کے مشہور قصبے ''جیل'' میں یکم/رمضان المبارک ۴۷۰ھ/ 1078ء کو ہوئی۔انھوں نے تحصیلِ علم کی ابتدا بغداد سے کی اور تمام علوم وفنون میں تکمیل حاصل کی۔ ان کے اساتذہ میں ابوالوفاء علی بن عقیل، ابومحمد بن حسین بن محمد، شیخ ابوغالب محمد بن حسن باقلانی، شیخ ابوسعید بن عبدالکریم اور شیخ ابوالغنائم محمد بن علی بن محمد رحمہم اللہ ہیں۔طریقت کا سلسلہ انھوں نے شیخ ابوسعید بن مبارک مخزومیؒ سے حاصل کیا۔ انھوں نے ۵۲۰ھ/ 1126ء میں وعظ ونصیحت کا سلسلہ شروع کیا اور تقریباً چالیس سال ان کی صحبت اور فیض سے لاتعداد لوگوں کو فیوض و برکات حاصل ہوئیں۔ ان کی تصنیفات میں ''**فتوح الغیب**''، ''**الفتح الرّبّانی**''، جو مواعظ اور ملفوظات کا اہم مجموعہ ہے اور ''**غنیة الطّالبین**'' ہیں۔ان کا وصال 91 سال کی عمر میں ۱۱/ربیع الثانی ۵۶۱ھ/ 1166ء کو بغداد میں ہوا۔ باب الازج میں ان کو دفن کیا گیا۔

(**نفحات الاُنس** ازمولانا عبدالرحمٰن جامیؒ، اردو ترجمہ حیاتِ صوفیا، ازمولانا محمد ادریس انصاری، ص:42-641۔ طبع صادق آباد۔ نیز **فیوضِ یزدانی** اردو ترجمہ **الفتح الرّبانی** ازحضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ص:9 تا 11۔طبع: کراچی۔ نیز **البدایه و النهایه**۔ ج: 12۔ص:252۔طبع: بیروت)

473۔ امام سید عبدالرزاق بن امام شیخ عبدالقادر بغدادی جیلانیؒ: ان کی پیدائش ۱۸/ذوالقعدہ ۵۲۸ھ/ 1134ء میں ہوئی۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والدِ گرامی سے حاصل کی اور پھر بہت سے مشائخ سے حدیث، فقہ، تفسیر کی تعلیم حاصل کی۔ ان سے روایت کرنے والے محدثین اور مشائخ بھی بہت سے ہیں۔ وہ حافظ الحدیث تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب پر محقق فقیہ تھے۔ ان کا انتقال ۶/شوال ۶۳۰ھ/ 1233ء میں ہوا۔ ان کو امام احمد بن حنبلؒ کے مقبرے میں بابِ حرب میں دفن کیا گیا۔

(**تاریخ الأعظمیه**۔تالیف: خطاط ولید الاعظمی۔ص:495۔طبع: بیروت)

474۔ شیخ کمال الدین کیتھلیؒ: آپؒ سلسلۂ قادریہ کے مشائخ میں بڑا اونچا مقام رکھتے ہیں۔ انھوں نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کے سلسلے سے بڑا فیض پایا ہے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے حضرت غوث الاعظمؒ کی روحانیت سے بھی بہت زیادہ فیوض و برکات حاصل کیے ہیں۔ ان سے فیوضات حاصل کرنے والوں میں ان کے پوتے شاہ سکندر بن عماد کیتھلیؒ اور امامِ ربانی مجدد الف ثانیؒ کے والدِ گرامی شیخ عبدالاحد سرہندیؒ ہیں۔ خود امامِ ربانی مجدد الف ثانیؒ نے بھی اپنے بچپن میں ان کی زیارت کی ہے۔ انھوں نے حضرت مجددؒ کو خوش خبری بھی سنائی تھی۔ان کا انتقال ۹۷۱ھ/ 1563ء میں ''کیتھل'' میں ہوا۔

(نزھۃ الخواطر۔ ج: 04۔ص: 246۔طبع: ملتان)

475۔ شیخ، فاضل، علامہ، سید ابراہیم بن معین الدین بن عبدالقادر حسینی ایرجی ثم دہلویؒ: آپؒ اپنے زمانے کے مشہور علما میں سے ہیں۔ انھوں نے ظاہری علم شیخ علیم الدین محدثؒ سے حاصل کیا اور سلسلۂ طریقت شیخ بہاؤالدین عطا جینڈیؒ سے حاصل کیا۔ ان کے لیے شیخ بہاؤالدینؒ نے ایک رسالہ ”اذکار و اشغال“ لکھا تھا۔ وہ دہلی میں تقریباً ۹۲۰ھ/ 1514ء میں داخل ہوئے۔ انھوں نے بہت بڑا کتب خانہ جمع کیا تھا، جس میں ہر علم وفن کی کتابیں جمع کیں۔ انھوں نے کتابوں کی تصحیح اور ان کے مشکل مقامات کے حل کے سلسلے میں بہت زیادہ محنت اور کوشش کی۔ ان کے حل شدہ مقامات کو دیکھ کر مطالعہ کرنے والا دقیق مشکل مقامات کی آسانی سے تحقیق کرسکتا ہے۔ وہ قوالی وغیرہ کے سماع سے پرہیز کرتے تھے۔ ان سے فیض حاصل کرنے والوں میں شیخ رکن الدین بن شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ، شیخ عبدالعزیز بن حسن دہلویؒ، شیخ نظام الدین بن سیف الدین کاکورویؒ اور بہت سے علما شامل ہیں۔ ان کا انتقال ۹۵۳ھ/ 1546ء میں دہلی میں ہوا۔ ان کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے مقبرے میں امیر خسرو کی قبر کے قریب دفن کیا گیا۔ (نزھۃ الخواطر۔ ج: 4۔ ص: 7-6)

476۔ شیخ بہاؤالدین بن ابراہیم بن عطاء اللہ انصاری، شطاری جینڈیؒ: ہندوستان کے مشہور مشائخ میں سے ایک ہیں۔ ان کی پیدائش اور پرورش سرہند کے قریب ایک ریاست ”جیند“ میں ہوئی۔ انھوں نے بہت سے علوم حاصل کیے۔ عربی میں مہارت پیدا کی۔ اصولِ فقہ اور فقہ میں فقاہت پیدا کی اور بہت سے مشائخ کی صحبت اختیار کی۔ اس سلسلے میں مختلف شہروں کے اسفار کیے۔ پھر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان کو حج بیت اللہ کی زیارت کی توفیق عطا فرمائی اور وہاں سے کامیاب لوٹے۔ انھوں نے سلسلۂ قادریہ شیخ احمد شریف جیلانی شافعیؒ سے حرمِ محترم میں حاصل کیا اور ہندوستان واپس لوٹے۔ ”مالوہ“ کے حکمران غیاث الدین خلجیؒ کے زمانے میں وہ ”مندو“ میں داخل ہوئے اور وہاں ایک طویل عرصے تک قیام پذیر رہے۔ پھر احمد آباد کا سفر اختیار کیا۔ انھوں نے اذکار و اشغال میں ایک رسالہ لکھا تھا، جسے انھوں نے شیخ ابراہیم بن معین ایرجیؒ کے لیے تحریر کیا تھا۔ ان کا انتقال ۹۲۱ھ/ 1515ء میں ہوا۔ ان کی قبر دولت آباد (حیدر آباد دکن) میں ہے۔

(نزھۃ الخواطر۔ ج: 04۔ ص: 55۔ طبع: ملتان)

477۔ شمس الدین حدادؒ: یہ ہمارے سلسلۂ عالیہ قادریہ قدوسیہ امدادیہ رحیمیہ کے مشائخ میں سے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے خلیفہ ہیں۔ ان کے حالاتِ زندگی ہمیں دستیاب نہیں ہوسکے۔

478۔ حضرت شیخ محی الدین محمد بن علی ابن العربی: آپؒ ۱۷؍ رمضان ۵۶۰ھ/ 1165ء کو مرسیہ اندلس میں پیدا ہوئے۔ ان کا انتقال جمعرات کے روز ۲۸؍ ربیع الآخر ۶۳۸ھ/ 1240ء کو ہوا۔

(تفصیلی تذکرے کے لیے دیکھیں! نفحات الانس، اردو ترجمہ: حیاتِ صوفیا، ص: 683 تا 693)

479۔ حضرت شیخ صدرالدین محمد بن اسحاق قونویؒ: ان کی کنیت ”ابوالمعالی“ ہے۔ علوم کے جامع تھے۔ علامہ قطب الدین شیرازیؒ علم حدیث میں ان کے شاگرد تھے۔ انھوں نے کتاب ”جامع الاُصول“ خود اپنے قلم سے لکھی۔ ان کے والد کی وفات کے بعد ان کی والدہ نے حضرت شیخ محی الدین اکبر سے نکاح کیا۔ اس لیے انھوں نے حضرت شیخ اکبر کی خدمت اور صحبت میں تربیت پائی۔ انھوں نے مسئلہ وحدت الوجود کی عقل اور شرع کے

مطابق تشریح کی۔ ان کی تحقیقات کے بغیر اس مسئلے کو سمجھنا آسان نہیں۔

(تفصیلی تذکرے کے لیے دیکھیں! نفحات الانس، اردو ترجمہ: حیاتِ صوفیا، ص: 693 تا 696)

480۔ شیخ، شہاب الدین، ابوحفص عمر بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عمویہ قرشی، تیمی، بکری، سہروردیؒ:
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کی ولادت رجب/ ۵۳۳ھ/ 1139ء میں سہرورد میں ہوئی۔ وہ بڑے فقیہ اور صوفی تھے اور بہت سے علوم پر عبور رکھتے تھے۔ پھر بغداد تشریف لے آئے۔ آخری عمر میں نابینا ہوگئے تھے۔ تصوف میں ان کی نسبت اپنے چچا شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردیؒ سے تھی۔ وہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی صحبت میں بھی رہے اور ان کے علاوہ بہت سے مشائخ سے ملے ہیں۔ سہروردی سلسلہ انھیں کے ذریعے سے جاری ہوا۔

ان کی تصانیف میں "**عوارف المعارف**"، "**رشف النّصائح**" اور "**أعلام الهدیٰ**" وغیرہ ہیں۔ "**عوارف المعارف**" انھوں نے مکہ مکرمہ میں لکھی۔ جب کوئی مسئلہ انھیں سمجھ نہ آتا تو خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے، خانۂ کعبہ کا طواف کرتے اور حق جاننے کی توفیق کی دعا کرتے تو مسئلہ کھل جاتا۔ وہ اپنے وقت میں بغداد کے شیخ الشیوخ تھے۔ ان کا انتقال یکم/محرم الحرام ۶۳۲ھ/ 1234ء کو بغداد میں ہوا۔

(**معجم المؤلفین**، ج: 7، ص: 313۔ نیز **نفحات الانس**۔ اردو ترجمہ حیاتِ صوفیا، ص: 27-626)

481۔ **سُبحة المرجان** از غلام علی آزاد بلگرامی۔ تذکرہ قاضی عبدالمقتدر دہلویؒ۔ ص: 30۔
دیکھیے! www.al-mostafa.com

482۔ شیخ، امام، عالمِ کبیر، زاہد، مجاہد سیّد نصیرالدین محمود بن یحییٰ بن عبداللطیف حسینی، یزدی، دہلوی ثم اوَدھیؒ:
ان کی پیدائش اور پرورش سرزمین "اوَدھ" میں ہوئی۔ ان کی عمر جب 9 سال کی تھی تو ان کے والد فوت ہوگئے۔ انھوں نے اپنی ماں کی گود میں پرورش پائی۔ درسی کتابیں مولانا عبدالکریم شیروانیؒ سے پڑھیں۔ اُن کے بعد مولانا افتخارالدین محمد گیلانی سے پڑھا۔ "ہدایہ" حضرت فخرالدین ہانسوی سے پڑھی، جب کہ بعض کتابیں شیخ شمس الدین محمد بن یحییٰ اوَدھیؒ سے پڑھیں۔ 25 سال کی عمر میں علوم سے فارغ ہوئے۔ پھر حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا دہلویؒ سے سلسلۂ طریقت حاصل کیا اور ان کی صحبت میں ایک طویل مدت تک رہے۔ ۷۲۴ھ/ 1323ء میں ان کو حضرت سلطان المشائخ نے اپنا خلیفہ بنایا۔ جب اُن کا انتقال ہوا تو اُن کے مسند نشین بنے۔ ان سے سلسلۂ طریقت کا فیضان بہت زیادہ پھیلا۔ بہت سے علما نے ان سے فیض حاصل کیا۔ ان کا انتقال ۱۸/ رمضان المبارک ۷۵۷ھ/ 1356ء میں دہلی میں ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ (**نزهة الخواطر**، ج: 2، ص: 63-162، طبع: ملتان۔ نیز **سُبحة المرجان**۔ ص: 30)

483۔ **سُبحة المرجان**۔ از غلام علی آزاد بلگرامیؒ۔ تذکرہ قاضی عبدالمقتدر دہلویؒ۔ ص: 30۔
دیکھیے! www.al-mostafa.com

484۔ شیخ، عارف، کبیر سراج الدین عثمان چشتی، اوَدھیؒ: آپؒ بڑے اولیاء اللہ میں سے ایک ہیں۔ اپنی جوانی کے زمانے میں دہلی میں داخل ہوئے اور سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی صحبت پائی۔ جب دہلی تشریف لائے تو اگرچہ ان کی صورت و سیرت بہت عمدہ تھی، لیکن علم حاصل نہیں کرسکے۔ اس پر ان کو بڑا

افسوس ہوتا تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ: ''جاہل شیخ شیطان کا کھلونا ہوتا ہے۔'' چناں چہ مولانا فخر الدین زرّادیؒ ان کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ انھوں نے علم صرف میں ان کے لیے ایک کتاب لکھی، جس کا نام ''عثمانیہ'' رکھا۔ جب تک ''غیاث پور'' میں رہے تو تعلیم میں مشغول رہے، پھر شیخ رکن الدین اندرپتی سے ''کافیہ'' اور ''قدوری'' وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ پھر حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ کے وصال کے بعد تین سال تک علم میں مشغول رہے، یہاں تک کہ علوم میں مہارت حاصل کی اور تدریس اور فتاویٰ کی اہلیت اپنے اندر پیدا کی۔ پھر وہ بنگال تشریف لے گئے، وہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو ولایت کے ایسے مرتبے تک پہنچایا کہ جس سے بلند مرتبے کا سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ وہ اور ان کے تربیت یافتگان کے ذریعے سے بنگال میں اتنی مخلوق نے فیض اٹھایا کہ جو قطار وشمار میں بھی نہیں آسکتا۔ یہاں تک کہ ہندوستان کے اطراف کے علاقوں میں کوئی علاقہ ایسا نہیں، جہاں ان کے سلسلۂ طریقت کا فیض نہ پہنچا ہو۔ لوگ ان کے ذکر سے برکت حاصل کرتے تھے اور دنیوی اور اخروی ترقی پاتے تھے۔ ان کا انتقال 758ھ/ 1356ء میں ہوا۔

(نزهة الخواطر۔ ج: 02۔ ص: 80-79۔ طبع: ملتان)

485۔ امام فرید الدین گنج شکر، شیخ کبیر، مسعود بن سلیمان بن شعیب بن احمد بن یوسف بن محمد بن فرخ شاہ عمری چشتی، اجودھنیؒ: ان کے دادا شعیب تاتاریوں کے فتنے کے زمانے میں ہندوستان کی سرزمین میں آئے تھے اور قصبہ کھتوال کے قاضی مقرر ہوئے۔ ان کی پیدائش ۵۶۹ھ/ 1173ء میں ہوئی۔ بچپن میں ہی وہ ملتان تشریف لے گئے اور اپنے زمانے کے اساتذہ سے علوم حاصل کیے۔ وہاں مولانا منہاج الدین ترمذیؒ سے کتابیں پڑھیں۔ وہیں ان کی ملاقات حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے ۵۸۴ھ/ 1188ء میں ہوئی۔ انھیں کے ساتھ دہلی تشریف لے آئے اور ایک مدت اُن کی صحبت اختیار کی۔ اُن سے سلسلۂ طریقت حاصل کیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے ان کی ملاقات ہوئی اور انھوں نے اُن کے ساتھ رہنے کا ارادہ کیا تو انھوں نے علوم کی تکمیل کرنے کا حکم فرمایا۔ چناں چہ وہ قندھار گئے اور پانچ سال تک علوم حاصل کرتے رہے۔

اس دوران انھوں نے شیخ شہاب الدین عمر بن محمد سہروردیؒ، شیخ سیف الدین باخرزیؒ، شیخ سعد الدین حمویؒ اور شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ اور بہت سے دوسرے مشائخ سے علوم و فیوض حاصل کیے۔ پھر دہلی آئے اور حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی صحبت میں رہے۔ پھر شہر ہانسی چلے گئے اور بارہ سال وہاں سخت مجاہدات کرتے رہے۔ پھر واپس اپنے آبائی قصبے کھتوال آگئے۔ کچھ عرصہ وہاں رہے، پھر ''اجودھن'' (پاک پٹن) تشریف لے آئے اور وہیں انھوں نے مریدین اور سالکین کی رُشد و ہدایت کا کام کیا۔ انھوں نے ''عوارف المعارف'' پر بہت عمدہ حاشیے اور تعلیقات لکھی ہیں۔ ان سے سلسلۂ چشتیہ چہار دانگ عالم میں پھیلا۔ ان کا انتقال ۵/محرم الحرام ۶۶۴ھ/ 1265ء میں ہوا۔ ان کا مزار پاک پٹن میں مرجع عام وخاص ہے۔

(نزهة الخواطر۔ ج: 01۔ ص: 232 تا 234)

486۔ شیخ کبیر شمس الدین بن احمد بن عبد المؤمن ترکمانی، پانی پتیؒ: آپؒ حضرت خواجہ احمد علویؒ کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت محمد بن حنفیہ تک پہنچتا ہے۔ انھوں نے علوم اپنے علاقے ترکستان میں حاصل

کیے۔ پھر شہروں کی سیاحت کے لیے نکل کھڑے ہوئے اور ماوراء النہر کے علاقے میں بڑے مشائخ کی صحبت اٹھائی۔ پھر ہندوستان آئے اور حضرت شیخ علاؤ الدین علی احمد صابر کلیریؒ سے چشتیہ سلسلے کا فیض حاصل کیا۔ ایک طویل مدت تک اُن کی صحبت میں رہے۔ انھوں نے انھیں وصیت کی تھی کہ اُن کی وفات کے بعد پانی پت میں سکونت اختیار کریں۔ چناں چہ انھوں نے اُس شہر میں قیام کیا اور رُشد و ہدایت کا سلسلہ ان سے آگے پھیلا۔ ان سے فیض حاصل کرنے والوں میں حضرت شیخ جلال الدین محمود عثمانی پانی پتی ہیں، جو ان کے جانشین ہوئے۔ ان کا انتقال ۱۰/ جمادیٰ الاخریٰ ۷۱۶ھ/ 1316ء میں ہوا۔ (نزہۃ الخواطر، ج:2، ص:54)

487۔ سلطان المشائخ نظام الدین اولیا بدایوانی دہلویؒ: آپؒ کا نامِ نامی محمد بن احمد بن علی بخاری ہے۔ آپؒ کی پیدائش ۶۳۴ھ یا ۶۳۶ھ/ 1237ء یا 1239ء میں ہوئی۔ پانچ سال کی عمر تھی کہ آپؒ کے والدِ گرامی فوت ہو گئے۔ آپؒ کی والدۂ ماجدہ نے تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا۔ دہلی میں علوم حاصل کیے اور محقق عالم بنے۔ اسی لیے آپؒ نظام الدین بحّاث کے نام سے مشہور تھے۔ بیس سال کی عمر میں پاک پٹن میں حضرت شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر قدس سرہٗ سے بیعت ہوئے۔ چند سال کی محنت اور ریاضت اور عبادت کی تکمیل کر کے حضرت بابا فریدؒ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ پاک پٹن سے واپس تشریف لا کر دہلی میں غیاث پور میں قیام کیا، جہاں آج بھی آپؒ کا مزار ہے اور یہ بستی نظام الدین اولیا کے نام سے مشہور ہے۔ سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ آپؒ کے ذریعے سے آگے پھیلا ہے۔ آپؒ کا انتقال نوے سال کی عمر میں ۱۸/ ربیع الثانی ۷۲۵ھ/ 1325ء کو ہوا۔

(حدائق الحنفیہ، ص:305)

488۔ امام قطب الدین بختیار کاکی دہلویؒ: آپؒ کی ولادت باسعادت قصبہ اوش میں ۵۸۲ھ/ 1186ء میں ہوئی۔ آپؒ کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے امام جعفر صادقؒ سے ملتا ہے۔ آپؒ کی عمر ڈیڑھ سال تھی کہ والدِ گرامی سیّد کمال الدین احمد بن سیّد موسیٰ انتقال فرما گئے۔ والدہ نے پرورش کی۔ ظاہری تعلیم کی تکمیل کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہٗ سے بیعت ہوئے اور سترہ سال کی عمر میں اُن سے اجازت اور خلافت کا خرقہ حاصل کیا۔ آپؒ حضرت خواجہ اجمیریؒ کے سب سے پہلے خلیفہ ہیں اور انھیں کے حکم سے دہلی میں قیام فرما رہے۔ ایک مرتبہ کسی شخص سے یہ شعر سنا ع

کشتگانِ خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

یہ شعر سن کر چار روز تک حالتِ سُکر میں رہے اور پانچویں روز ۲۴/ ربیع الاوّل ۶۳۲ھ/ 1234ء کو انتقال فرمایا۔ قصبہ مہرولی دہلی میں آپؒ کا مزار مرجع عوام وخواص ہے۔

(تاریخ مشائخ چشت، از مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، ص:171، طبع: مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی)

489۔ شیخ الاسلام، امام خواجہ معین الدین حسن حسینی چشتی اجمیریؒ: آپؒ کے والدِ گرامی کا نام غیاث الدین سجزی تھا۔ آپؒ کا سلسلۂ نسب گیارہویں پشت پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ سے ملتا ہے۔ آپؒ کی پیدائش قصبہ سجز علاقہ سیستان ایران میں ۵۳۷ھ/ 1143ء میں ہوئی۔ آپؒ حضرت شیخ عثمان ہارونیؒ کے مرید تھے اور انھیں کے اجل خلیفہ ہیں۔ آپؒ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اسرارہم کے مصاحب اور معاصر رہے ہیں۔ آپؒ ہندوستان کے امام الطریقت تھے۔

آپؒ ہی کے ذریعے ہندوستان میں علومِ معرفت کا افتتاح ہوا اور سلسلۂ چشتیہ ہندوستان بھر میں آپؒ کے ذریعے سے پھیلا۔ آپؒ کا لقب ''خواجہ غریب نواز'' ہے۔ آپؒ کا انتقال ۶ر رجب ۶۳۳ھ/ 1236ء کو اجمیر شریف میں ہوا۔ (حوالہ بالا، ص: 165۔ نیز حدائق الحنفیہ، حدیقۂ ہفتم، ص: 277)

490۔ شیخ نجم الدین کبریٰ، ابوالجناب، احمد بن عمر بن محمد خوارزمی، خیوکی، امام شہیدؒ: ان کا لقب ''کُبریٰ'' ہے اور یہ اس لیے تھا کہ جوانی میں جب وہ علوم حاصل کرنے میں مصروف تھے تو جس کے ساتھ بھی مناظرہ اور مباحثہ کرتے، اس پر غالب آ جاتے۔ اس سبب سے لوگوں نے ان کو ''طامّة الکُبریٰ'' (سب سے بڑی آفت والا) کا لقب دیا۔ پھر ''طامّہ'' (آفت) کو حذف کر دیا گیا اور ''کُبریٰ'' مشہور ہو گیا۔ انھوں نے بہت سے مشائخ سے فیض حاصل کیا، جن میں شیخ اسماعیل قصری، شیخ عمار یاسر اور شیخ روزبھان کبیر مصری قدس سرہم ہیں۔ پھر شیخ عمار یاسر نے ان کو خوارزم میں طریقت کا سلسلہ پھیلانے کے لیے بھیجا۔ یہاں انھوں نے بہت سے لوگوں میں اصلاح و تربیت کا کام کیا۔

جب تاتاریوں نے چنگیز خاں کی قیادت میں خوارزم پر حملہ کیا اور سلطان محمد شاہ خوارزمی یہاں سے بھاگ گیا تو وہ تاتاریوں کے مقابلے میں نکلے اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت ۶۱۸ھ/ 1221ء میں ہوئی۔ ان سے فیض حاصل کرنے والوں میں شیخ مجد الدین بغدادیؒ، شیخ سعد الدین حمویؒ، شیخ رضی الدین علی لالاؒ، شیخ سیف الدین باخرزیؒ، شیخ نجم الدین رازیؒ وغیرہ ہیں۔

(نفحات الانس، از حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامیؒ، اردو ترجمہ حیاتِ صوفیا۔ ص: 567 تا 573۔ طبع: صادق آباد)

491۔ امام ابوالنجیب عبد القاہر بن عبد اللہ بن محمد بن عمویہ عبد اللہ بن سعد بن حسین بن قاسم صدیقی، سہروردیؒ: آپؒ اپنے زمانے میں عراق کے مشہور مشائخ میں سے ہیں۔ ان کی پیدائش سہرورد میں تقریباً ۴۹۰ھ/ 1096ء میں ہوئی۔ وہ بغداد تشریف لائے اور مدرسہ نظامیہ میں شیخ اسعد میھنی وغیرہ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر صوفیا کے طریقے پر عمل پیرا رہے۔ انھوں نے بغداد میں شہر کے مغربی جانب اپنی خانقاہ بنائی۔ وہ مدرسہ نظامیہ میں ایک مدت تک درس بھی دیتے رہے۔ اس دوران بہت زیادہ لوگوں نے ان کی طرف رجوع کیا اور فیض پایا۔ ان سے روایت کرنے والوں میں حضرت ابوسعد سمعانیؒ ان کے بھتیجے شیخ شہاب الدین عمر حفص سہروردیؒ ہیں۔ ان کا انتقال بغداد میں جمعہ کے دن عصر کے وقت ۱۷ر جمادی الاخریٰ ۵۶۳ھ/ 1168ء میں ہوا اور ان کو ان کی خانقاہ میں دفن کیا گیا۔ (وفیات الأعیان۔ ج: 03۔ ص: 05-204۔ طبع: بیروت)

492۔ شیخ سیّد امیر کلال بن سید حمزہ بخاریؒ: ان کی پیدائش قصبہ سوخار میں ہوئی، جو بخارا سے چھ میل کے فاصلے پر ہے۔ وہیں ان کا انتقال ہوا۔ انھوں نے شیخ محمد بابا سماسیؒ سے فیض حاصل کیا۔ 20 سال ان کی صحبت میں رہے۔ ان کے چار خلفا شیخ محمد بہاؤ الدین شاہ نقشبندؒ، شیخ عارف بیگ کرالیؒ، شیخ یادگار کنسرونیؒ اور شیخ جمال الدین دہستانیؒ ہیں۔ ان کا مزار سوخار میں مرجع خاص و عام ہے۔

(انوار القدسیه فی مناقب السادات النقشبندیه۔ ص: 123۔ طبع: مصر)

493۔ شیخ معمر خواجہ بابا محمد سماسیؒ: آپؒ حضرت خواجہ علی رامیتنی الملقب ''عزیزان'' کے خلیفہ ہیں۔ انھوں نے بڑی لمبی عمر پائی۔ ان کے خلیفہ اور جانشین حضرت سید میر کلال قدس سرہٗ ہیں۔ انھوں نے حضرت خواجہ بہاؤ الدین

نقشبند کو بھی اپنی فرزندی میں قبول کیا تھا اوران کی ابتدائی تربیت کی تھی۔ اپنے بعد ان کی تربیت اپنے خلیفہ اور جانشین کے سپرد کی۔ ان کا انتقال ۱۰/ جمادیٰ الاخریٰ ۷۵۵ھ/ 2/ جولائی 1354ء کو ہوا۔ سماس (طوس، ایران) میں ان کا مزار مرجع خاص وعام ہے۔(نفحات الانس۔ اردو ترجمہ حیاتِ صوفیا۔ ص: 506۔ نیز تذکرہ مشائخ نقشبند، ص: 91۔ نیز الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، ص: 14)

494۔ شیخ علی رامیتنیؒ: آپؒ حضرت شیخ ابوالخیر فغنویؒ کے خلفا میں سے ہیں۔ وہ بڑے اونچے مقامات اور بہت سی ظاہری کرامات کے مالک ہیں۔ ان کا انتقال ۲۸/ ذوالقعدہ ۷۱۵ھ/ 23/ فروری 1316ء کو ہوا۔ ان کی قبر خوارزم میں ہے۔ (نفحات الانس، ص: 341، اردو ترجمہ حیاتِ صوفیا، ص: 505۔ نیز تذکرہ مشائخ نقشبند، ص: 85)

495۔ شیخ محمود ابوالخیر فغنویؒ: آپؒ حضرت خواجہ عارف ریوگریؒ کے خلفا میں سے ہیں۔ آپؒ کا انتقال ۱۷/ ربیع الاول ۷۱۷ھ/ 30/ مئی 1317ء کو ہوا۔ ان کا مزار وابکنہ میں مرجع خاص و عام ہے۔

(نفحات الانس، ص: 341، اردو ترجمہ حیاتِ صوفیا، ص: 505۔ نیز تذکرہ مشائخ نقشبند، ص: 84)

496۔ شیخ عارف ریوگریؒ: آپؒ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کے تین خلفا میں سے ایک ہیں۔ ان کا انتقال یکم/ شوال المکرّم ۶۱۶ھ/ 10/ دسمبر 1219ء کو ہوا۔ ان کا مزارِ مبارک ریوگر میں مرجع خاص و عام ہے۔ ریوگر ازبکستان کے مشہور شہر بخارا سے 18 میل اور غجدوان سے 3 میل کے فاصلے پر ہے۔

(نفحات الانس، ص: 341، اردو ترجمہ حیاتِ صوفیا، ص: 505۔ نیز تذکرہ مشائخ نقشبند، ص: 84)

497۔ امام (خواجہ) عبدالخالق بن عبدالجمیل غجدوانیؒ: آپؒ سلسلۂ نقشبندیہ کے بانی اور مؤسس اول ہیں۔ ان کی پیدائش غجدوان میں ہوئی، جو کہ بخارا سے 18 میل دور ایک بڑا قصبہ ہے۔ ان کا سلسلۂ نسب امام مالک بن انسؓ تک پہنچتا ہے۔ ان کے والد شیخ عبدالجمیل روم کے بڑے علما اور اماموں میں سے تھے۔ ان کی والدہ شہزادی تھیں۔ ان کے والد اپنے اہل وعیال کے ہمراہ روم سے ماوراء النہر کے علاقے میں تشریف لائے اور غجدوان میں آباد ہوگئے۔ انھوں نے شیخ علامہ صدرالدین سے بخارا میں علوم وفنون حاصل کیے۔ جب ظاہری علوم سے فارغ ہوگئے تو حضرت شیخ یوسف بن ایوب ہمدانی، جس زمانے میں بخارا میں قیام پذیر تھے، اُن کی صحبت میں مجاہدات اور ریاضات میں مشغول ہوگئے۔ ان کا انتقال غجدوان میں ۱۲/ ربیع الاوّل ۵۷۵ھ/ 24/ اگست 1179ء کو ہوا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ۶۱۶-۱۷ھ/ 20-1219ء میں ان کا انتقال ہوا۔

(نفحات الانس، ص: 502 تا 505 وحاشیہ التّمهيد۔ نیز تذکرہ مشائخ نقشبند، ص: 74)

498۔ شیخ علاؤ الدین، حافظ مغلطائی بن قلیج، ترکی، حنفیؒ: آپ ۶۸۹ھ/ 1290ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانے کے امامِ حدیث اوراس کے فنون میں حافظ، عارف اور علم فقہ وانساب وغیرہ میں علامۂ زمان، مدقق، صاحبِ تصانیفِ کثیرہ تھے۔ چناں چہ ایک سو کتاب سے زیادہ انھوں نے تصنیف فرمائیں، جن میں سے "تلویح شرح صحیح بخاری" اور "شرح ابن ماجه" مشہور ومعروف ہیں۔ ان کی وفات ماہِ شعبان ۷۶۲ھ/ 1361ء میں ہوئی۔ (حدائق الحنفیه از فقیر محمد جہلمیؒ۔ ص: 18-317۔ طبع: لاہور)

499۔ امام ابومدین شعیب بن حسن اندلسی، تلمسانی، مغربیؒ: آپؒ مشاہیر صوفیا میں سے ہیں۔ وہ اصلاً اندلس کے رہنے والے ہیں۔ پھر فاس میں اقامت پذیر ہوگئے اور جایا میں سکونت اختیار کی۔ ان کا انتقال تلمسان میں

۵۹۴ھ/ 1198ء میں ہوا۔ (الأعلام للزرّکلی۔ ج: 03۔ص: 244)

500۔ امام، عالم، عارفِ ربانی یوسف بن ایوب ہمدانیؒ: ان کی کنیت ابو یعقوب ہے۔ ابتدا میں وہ بغداد تشریف لے گئے اور شیخ ابواسحاق شیرازیؒ کی مجلس میں رہے۔ پھر اپنے زمانے کے علما سے ظاہری علوم حاصل کیے۔ انھوں نے بغداد، اصفہان، سمرقند میں ایک بڑی جماعت سے حدیث کا سماع کیا۔ مشہور ہے کہ تصوف میں ان کی نسبت شیخ ابوعلی فارمدیؒ سے ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شیخ عبداللہ جوینیؒ اور شیخ حسن سمنانیؒ کی صحبت میں بھی رہے۔ پھر کچھ عرصہ مرو میں سکونت اختیار کی۔ وہاں سے ہرات آ گئے۔ ان کا انتقال ہرات اور مرو کے راستے میں ۵۳۵ھ/ 1334ء میں ہوا۔ ان کا مزار مرو میں مشہور ومعروف ہے۔

(نفحات الانُس۔ اردو ترجمہ حیاتِ صوفیا۔ ص: 500۔ طبع: صادق آباد)

501۔ حافظ قطب الدین شیخ عبدالکریم بن محمد بن عبدالنور حلبیؒ: انھوں نے شیخ شمس الدین محمود بن ابوبکر کلاباذیؒ سے تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے بہت سے حضرات سے احادیث کا سماع کیا۔ کتابیں جمع کیں۔ ان کی پیدائش ۱۶/ رجب ۶۶۳ھ/ 1265ء کو ہوئی۔ ان کا انتقال یکم/ رجب ۷۳۵ھ/ 1334ء میں ہوا۔

(الفوائد البهیه۔ ص: 42۔ طبع: یوسفی، لکھنؤ)

502۔ شیخ سراج الدین عمر بن اسحاق بن احمد ابوحفص ہندی، غزنویؒ: آپؒ بڑے امام، علامہ اور بحث وتحقیق پر گہری نظر رکھنے والے عالم تھے۔ انتہائی ذہین اور بے نظیر حافظہ رکھتے تھے۔ انھوں نے فقہ کی تعلیم امام وجیہ الدین دہلویؒ، شمس الدین خطیب دولیؒ، ملک العلما سراج الدین ثقفی اور شیخ رکن الدین بدایونیؒ سے حاصل کی۔ ان کا انتقال ۷۶۳ھ/ 1362ء میں ہوا۔ (الفوائد البهیه۔ ص: 60)

503۔ "الفوائد البهیه"۔ از مولانا عبدالحیؒ لکھنویؒ۔ ص: 211۔ طبع: کراچی۔

504۔ امام جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف بن محمد زیلعیؒ: یہ امام، محدث اور بڑے فاضل آدمی تھے۔ انھوں نے شیخ فخر الدین زیلعیؒ شارح کنز اور قاضی علاؤ الدین بن ترکمانی وغیرہ سے علوم حاصل کیے۔ انھوں نے حدیث کی کتابوں کے مطالعے کو اپنے اوپر لازم کرلیا تھا، یہاں تک کہ انھوں نے فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ کی تخریج کی۔ جس کی تعریف حافظ ابن حجرؒ نے بھی کی ہے۔ ان کا انتقال ۷۶۲ھ میں ہوا۔

(ذیل طبقات الحفاظ للامام سیوطیؒ، ج: 3، ص: 240، طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت)

505۔ مقدمہ المسوّی فی احادیث المؤطا۔ ج: 01۔ ص: 23۔ طبع: بیروت۔

506۔ امام، شیخ محمد بن محمد بن عمر حسام الدین اخسیکثیؒ: آپؒ بڑے فاضل امام تھے۔ انھوں نے شیخ محمد بن عمر نوجہ بازیؒ اور محمد بن محمد بخاریؒ سے تعلیم حاصل کی۔ اصولِ فقہ میں آپؒ کی ایک مشہور کتاب "مختصر الحسامی" ہے۔ ان کا انتقال ۲۲/ ذوالقعدہ ۶۴۴ھ/ 1247ء میں ہوا۔ (الفوائد البهیه۔ ص: 188۔ طبع: کراچی)

507۔ اعلام الأخیار من فقهاء مذهب النّعمان. از محمود بن سلیمان کفویؒ، متوفی ۹۹۰ھ/ 1582ء۔

508۔ امام قاضی ابوالخیر ناصر الدین عبداللہ بن عمر بیضاویؒ: آپؒ مشہور مفسر قرآن ہیں۔ شیراز کے قریب ایک بستی بیضا میں پیدا ہوئے۔ شیراز کے قاضی رہے۔ ان کی اہم ترین تفسیر "انوار التنّزیل وأسرار التّاویل" ہے۔ ان کی کئی دیگر تصانیف بھی ہیں۔ ان کا انتقال ۶۸۵ھ/ 1286ء میں ہوا۔ (المنجد فی الأعلام)

509۔ شیخ تاج الدین محمد بن حسین بن عبد اللہ ابو الفضائل ارمویؒ: آپؒ بڑے فقیہ اور اصولِ فقہ کے ماہر اور قضاۃ میں سے تھے۔ ان کی مشہور تصنیف ''**حاصل المحصول فی اصول الفقه**'' ہے۔ ان کا انتقال بغداد میں ماہِ محرم ۶۵۶ھ/ 1258ء میں ہوا۔ (**معجم المؤلفین**۔ از عمر رضا کحالہ۔ ج: 9۔ ص: 244)

510۔ امام فخر الدین رازیؒ: ان کا پورا نام ابوعبداللہ محمد بن عمر بن حسین قرشی طبرستانی شافعیؒ ہے۔ ان کی پیدائش ۲۵/ رمضان ۵۴۴ھ/ 1150ء میں ہوئی۔ انھوں نے علومِ حکمت شیخ مجد الدین جیلیؒ سے حاصل کیے۔ علم اصول اپنے والد ضیاء الدین عمرؒ سے حاصل کیے۔ فقہ کی تعلیم بھی اپنے والد سے حاصل کی۔ تمام علوم میں مہارت اور رسوخ حاصل کیا۔ ان کی بہت سی تصنیفات ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور کتاب ''**التّفسیر الکبیر**'' ہے، جس کا نام ''**مفاتیح الغیب**'' ہے۔ امام رازیؒ کا انتقال ہرات میں پیر کے دن یکم/ شوال ۶۰۷ھ/ 1210ء کو ہوا۔ (**کلمة النّاشر، التفسیر الکبیر لامام فخر الدین رازیؒ**، طبع: تہران)

511۔ **وفیات الأعیان لإبن خلّکان**۔ ج: 4۔ ص: 250۔ طبع: بیروت۔

512۔ امام ابوحامد محمد بن محمد غزالی طوسیؒ: ان کی کنیت ''ابوحامد'' اور لقب ''زین الدین'' ہے۔ وہ بڑے متکلم اسلام تھے۔ ''حجۃ الاسلام'' ان کا لقب ہے۔ خراسان کے قریب طوس کے نزدیک ایک بستی میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے طوس اور نیشاپور میں علوم کی تکمیل وتحصیل کی۔ اس کے بعد نظام الملک سے ملاقات ہوئی۔ نظام الملک نے مدرسہ نظامیہ بغداد کی تدریس ان کے سپرد کی۔ ۴۸۴ھ/ 1091ء میں بغداد گئے۔ وہاں بہت عزت اور قدر ومنزلت پائی۔ اس کے بعد اپنے اختیار سے تعلیم وتدریس کا یہ سلسلہ منقطع کردیا اور زہد وانقطاع کے طریقے کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا۔ ۴۸۸ھ/ 1095ء میں حج ادا کیا۔ پھر شام واپس آئے، ایک مدت تک وہاں رہے۔ پھر بیت المقدس تشریف لے گئے، پھر مصر چلے گئے اور اسکندریہ میں کافی دیر تک قیام رہا۔ اس دوران مخلوق سے خلوت اختیار کی اور مفید کتابیں لکھیں۔ ان کو تصوف، فقہ، علم کلام اور علم فلسفہ میں اعلیٰ درجے کی مہارت حاصل تھی۔ مدرسۂ نظامیہ بغداد میں پڑھاتے رہے۔ انھوں نے فلاسفہ کے ردّ میں ایک اہم ترین کتاب ''**تہافة الفلاسفه**'' لکھی، جس میں اُن کے نظریات کا بڑی اچھی طرح ردّ کیا۔ تصوف اور فلسفے پر ان کی اہم ترین کتابیں ''**المنقِذ من الضّلال**'' اور ''**إحیاء علوم الدّین**'' ہیں۔ ان کا انتقال ۱۴/ جمادی الاخریٰ ۵۰۵ھ/ 1111ء میں ہوا۔ (**نفحات الانس**، اردو ترجمہ، ص: 94-493۔ نیز **المنجد فی الاعلام**)

513۔ امام ابوالحسن علی اشعریؒ: ان کی پیدائش بصرہ میں ۲۶۰ھ/ 874ء میں ہوئی۔ علم کلام کے مشہور اماموں میں سے ہیں۔ انھوں نے عقائد اور علم کلام میں اشعری مذہب کی بنیاد رکھی۔ پہلے یہ معتزلی تھے، پھر اُن کے خلاف نمایاں کردار ادا کیا۔ انھوں نے تین سو کے قریب کتابیں لکھی ہیں، جن میں ''**الإبانه عن أصول الدّیانه**''، ''**اللّمعه فی الرّدّ علیٰ أهل الزیغ و البدعة**'' اور ''**مقالات الإسلامیّین**'' مشہور ہیں۔ ان کا انتقال ۳۲۴ھ/ 936ء میں بغداد میں ہوا۔ (**المنجد فی الأعلام**)

514۔ علامہ شیخ قطب الدین محمود بن مسعود شیرازیؒ: ان کی پیدائش ۶۳۴ھ/ 1236ء میں ہوئی۔ انھوں نے علوم و فنون شیخ نصیر الدین طوسیؒ سے حاصل کیے۔ امام ذہبیؒ کہتے ہیں کہ: آپؒ عجم کے بڑے عالم تھے۔ وہ اپنے زمانے میں معقولات کے امام تھے۔ انتہائی ذہین اور فطین شخص تھے۔ ان کی تصنیفات ''**شرح المختصر ابن**

حاجب"، "شرح المفتاح'' اور "شرح کُلّیات القانون" ہیں۔ ان کا انتقال تبریز میں رمضان ۷۱۰ھ/ جنوری 1311ء کو ہوا۔

بعض لوگوں کا یہ خیال کہ ''قطب شیرازی'' دو ہیں: ایک طوسیؒ کا شاگرد، جس نے ''شرح القانون"، لکھی۔ دوسرا وہ جس نے "مفتاح''، اور "مختصر" کی شرح اور "حکمۃ الإشراق، لکھی۔ لیکن یہ خیال قطعاً غلط ہے، بلکہ یہی ایک قطب شیرازی ہیں، جن کی یہ تمام تصنیفات ہیں۔

(منہیات الفوائد البھیہ۔ از مولانا عبدالحئی لکھنویؒ۔ ص: 53۔ طبع: یوسفی، لکھنؤ)

515۔ امام علامہ نصیرالدین محمد طوسیؒ: ایران کے شہر طُوس میں 1200ء میں پیدا ہوئے۔ آپؒ بڑے ریاضی دان، فلکیات کے ماہر اور آذربائیجان میں فلکی رسدگاہ کی بنیاد رکھنے والے ہیں۔ فلسفہ، علم الطب، علم ہیئت میں ان کی بہت سی کتابیں ہیں، جن میں "تجرید الکلام"، "شرح الإشارات" وغیرہ شامل ہیں۔ ان کا انتقال بغداد میں 1273ء میں ہوا۔ (المنجد فی الأعلام)

516۔ شیخ ابوعلی حسین ابن سیناؒ: 980ء میں بخارا کے قریب ایک بستی اخشنہ میں پیدا ہوئے۔ آپؒ عرب فلاسفہ اور اطبا میں سے بڑے فلسفی اور طبیب ہیں۔ ارسطو کے فلسفے اور اُس کی درس و تدریس میں بہت مشغول رہے۔ جدید افلاطونی فلسفے سے بھی متأثر رہے۔ ان کا میلان مشرقی حکمت کے حامل صوفیوں کی طرف رہا ہے۔ ان کی مشہور کتابیں؛ طب میں "القانون"، فلسفے میں "الشّفاء" اور منطق میں ''الإشارات و التنبیھات" ہیں۔ ان کا انتقال ہمدان میں 1037ء میں ہوا۔ (المنجد فی الأعلام)

517۔ حافظ علاؤ الدین مغلطائی بن قلیج بن عبداللہ بن حنفی: ان کی پیدائش ۶۸۹ھ/ 1290ء میں ہوئی۔ ان کا انتقال ۱۴رشعبان ۷۶۲ھ/ 1361ء کو ہوا۔

(ذیل طبقات الحفاظ للذھبی، للامام سیوطیؒ، ج: 3، ص: 241۔ نیز ذیل طبقات الحفاظ لابی الفضل تقی الدّین ابن فھد المکّی، ج: 3، ص: 91، طبع: دارلکتب العلمیہ، بیروت)

518۔ القول الجمیل (اردو)۔ از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔ فصل 11۔ ص: 197۔ طبع رحیمیہ مطبوعات۔

519۔ حجّۃ اللّٰہ البالغہ۔ از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، المبحث الخامس مبحث البرّو الإثم، باب الإیمان بأنّ العبادۃ حقّ اللّٰہ تعالیٰ علیٰ عبادہٖ، ج: 1، ص: 204 تا 206، طبع: بیروت۔

520۔ شیخ الاسلام ابواسماعیل عبداللہ بن ابومنصور محمد انصاری ہرویؒ: ان کی پیدائش ۲ر شعبان ۳۹۶ھ/ 4رمئی 1006ء بروز جمعہ کو ہوئی۔ وہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ انھوں نے سب سے پہلے حضرت ابوعاصمؒ سے فیض حاصل کیا۔ قاضی ابومنصور اور جاروزیؒ سے لکھنا پڑھنا سیکھا۔ ان کا حافظہ بہت قوی تھا۔ ان کو تین لاکھ احادیث ایک ایک ہزار سندوں کے ساتھ یاد تھیں۔ قرآن حکیم کی تفسیر انھوں نے خواجہ عمار یحیٰ عمارؒ سے حاصل کی۔ ان کا انتقال ۴۸۱ھ/ 1088ء میں ہوا۔

(نفحات الانس، اردو ترجمہ حیاتِ صوفیہ۔ ص: 457۔ طبع: صادق آباد)

521۔ امام، شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ: ان کی پیدائش ۳۷۶ھ/ 986ء میں ہوئی۔ وہ فقہ، تفسیر، حدیث، اصول اور علم تصوف میں بڑے عالم تھے۔ وہ عرب علاقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر خراسان آگئے

اور یہاں نیشاپور میں شیخ ابوعلی حسن بن علی نیشاپوری المعروف ''ابوعلی دقاق'' کی صحبت میں رہے۔ انھوں نے ان کوعلم کی طرف متوجہ کیا۔ پھر وہ شیخ ابوبکر محمد بن ابوبکر طوسیؒ کے درس میں جانے لگے۔ پھر استاذ ابواسحاق اسفرائنیؒ سے تعلیم حاصل کی۔ اسی کے ساتھ ساتھ حضرت ابوعلی دقاقؒ سے فیض حاصل کرتے رہے۔ انھیں کی بیٹی سے ان کی شادی ہوئی۔ ان کی کئی کتابیں ہیں۔ انھوں نے بہت سے مشائخ سے بغداد اور حجاز میں احادیث کی سماعت بھی کی۔ ان کا انتقال ۴۶۵ھ/ 1072ء میں ہوا۔

(وفیات الأعیان۔ ج: 03۔ ص: 205 تا 208۔ طبع: بیروت)

522۔ شیخ، عالم، سید یعقوب بن علی حسینی، کاظمی، زنجانی، لاہوریؒ: آپؒ علم وتقویٰ کے مشہور افراد میں سے ایک ہیں۔ ۵۳۵ھ/ 1140ء میں لاہور آئے اور یہیں پر سکونت اختیار کی۔ رشد و ہدایت کا سلسلہ قائم کیا۔ ان سے بہت سے علما اور مشائخ نے فیض حاصل کیا۔ ان کا انتقال ۱۶/ رجب ۶۰۴ھ/ 1208ء میں ہوا۔

(نزهة الخواطر۔ ج: 1۔ ص: 240۔ طبع: ملتان)

523۔ شیخ، امام، عالم، فقیہ، زاہد، ابوالحسن علی بن عثمان بن ابوعلی جلابی، ہجویری، غزنوی ثم لاہوریؒ عرف ''داتا گنج بخش'': علم ومعرفت کے مشہور بزرگوں میں سے ہیں۔ انھوں نے شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلانیؒ سے فیض حاصل کیا۔ ایک طویل مدت تک ان کی صحبت میں رہے۔ پھر انھوں نے حرمین شریفین کی زیارت کی اور شیخ ابوالعباس احمد بن محمد اشقانیؒ سے بعض علوم حاصل کیے۔ اسی طرح انھوں نے شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ، شیخ ابوسعید بن ابوالخیر مہنویؒ، شیخ ابوعلی فضل بن محمد فارمدیؒ اور بہت سے علما ومحدثین سے فیوضات حاصل کیے۔ ایک طویل مدت ان کی صحبت میں رہے۔ پھر ہندوستان آئے اور لاہور شہر میں قیام کیا۔ ان کی مشہور اور معتبر کتاب ''**کشف المحجوب**'' ہے، جس میں انھوں نے تصوف کے حقائق اور لطائف بیان کیے ہیں۔ ان کا انتقال ۲۰/ ربیع الثانی ۴۶۵ھ/ 1072ء میں شہر لاہور میں ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ آپؒ کا مزار مشہور ومعروف ہے۔ (نزهة الخواطر۔ ج: 1۔ ص: 15-114۔ طبع: ملتان)

524۔ سلطان العارفین امام ابوسعید فضل اللہ بن ابوالخیرؒ: آپؒ سلطان العارفین ہیں اور طریقت میں ان کے شیخ، شیخ ابوالفضل بن حسن سرخسیؒ ہیں۔ انھوں نے شیخ ابوالعباس سے فیض حاصل کیا۔ وہ بہت اونچے مرتبے کے آدمی تھے۔ ان کے تفصیلی حالات عارف جامی نے ''**نفحات الانس**'' میں لکھے ہیں۔ ان کا انتقال جمعہ کی رات عشا کی نماز کے وقت ۴/ شعبان ۴۴۰ھ/ 1048ء کو ہوا۔ ان کی عمر ایک ہزار مہینے کی ہوئی۔

(نفحات الانس، اردو ترجمہ حیاتِ صوفیہ۔ ص: 431 تا 442)

525۔ امام ابوعبدالرحمٰن محمد سلمی، نیشاپوریؒ: ان کی پیدائش ۳۲۵ھ/ 937ء میں ہوئی۔ وہ بڑے صوفی، محدث، حافظ، مفسر اور مؤرخ تھے۔ انھوں نے مرو اور نیشاپور میں احادیث لکھیں اور کئی دفعہ بغداد گئے اور وہاں خرسان کے مشائخ کی احادیث بیان کیں۔ ان کی مشہور کتابوں میں ''**طبقات الصّوفیہ**''، ''**عیوب النّفس**'' اور ''**حقائق تفسیر القرآن**'' وغیرہ ہیں۔ ان کا انتقال ۴۱۲ھ/ 1021ء میں ہوا۔

(معجم المؤلفین۔ از عمر رضا کحالہ۔ ج: 09۔ ص: 258)

526۔ امام محمد بن ابواحمد چشتیؒ: آپؒ اپنے والد کی وفات کے بعد اُن کی مسند پر بیٹھے۔ وہ انتہائی متقی، زاہد اور پرہیز

گار آدمی تھے۔ انھوں نے سلطان محمود غزنویؒ کے ساتھ سومنات کے جہاد میں حصہ لیا تھا اور انھوں نے اس جنگ میں ان کی چند کرامات بھی دیکھی تھیں۔ (نفحات الانس فارسی۔ص: 298۔طبع: نول کشور)

527۔ **الإنتباه فی سلاسل أولیاء اللّٰه**۔ از شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔ص: 130۔طبع: دہلی۔

528۔ امام ابوبکر محمد بن ابراہیم کلاباذی بخاریؒ: آپؒ بڑے محدث ہیں۔ان کو بہت سے علوم پر عبور حاصل تھا۔ان کی تصنیفات میں ''**بحر الفوائد**''، ''**کتاب التعرُّف لمذهب التصوُّف**'' اور ''**حدیث اربعین**'' وغیرہ ہیں۔ان کا انتقال ۳۸۰ھ/ 990ء میں ہوا۔(**معجم المؤلفین**، ج: 08۔ص: 13-212۔طبع: بیروت)

529۔ حضرت خواجہ امام ابوالحسن علی بن احمد خرقانی قدس سرہٗ: آپؒ بہت اونچے بزرگوں میں سے ہیں۔ ان کی ولادت ۳۵۲ھ/ 963ء میں ہوئی۔ سلطان محمود غزنویؒ نے بھی ان سے ملاقات اور زیارت حاصل کی ہے۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو وصیت فرمائی کہ:

''میری قبر تیس گز گہری کھودنا! تاکہ حضرت سلطان ابو یزید بسطامی قدس سرہٗ کے قبر سے اونچی نہ رہے۔''

چناں چہ ایسا ہی کیا گیا۔ ان کا وصال خرقان میں عاشورہ کے دن ۱۰رمحرم الحرام ۴۲۵ھ/ 5ردسمبر 1033ء کو ہوا۔ آپؒ کا مزار مبارک خرقان میں ہے۔''خرقان'' ایران میں استر آباد کے راستے پر بسطام کے دیہات میں سے ایک گاؤں کا نام ہے۔ یہ گاؤں حضرت خواجہ ابوالحسن علی بن احمد خرقانی قدس سرہٗ کا مرکزِ فیض ہے۔

(تذکرہ مشائخ نقشبند،ص: 18)

530۔ **الأنساب للسّمعانی**۔ص: 173۔طبع: لندن۔لیکن اس کتاب میں ''**انشاء اللّٰه تعالیٰ**'' کا لفظ نہیں ہے۔

531۔ **إتحاف النّبیه فیما یحتاج إلیه المحدّث و الفقیه**۔ از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔ص: 121۔طبع: لاہور۔

532۔ **اعلام الأخیار من فقهاء مذهب النعمان. از محمود بن سلیمان کفوی.**

533۔ **الإرشاد إلی مهمّات علم الأسناد**۔از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔ص: 9۔طبع: مطبع احمدی، دہلی۔

534۔ تلخیص از تاریخ فقہ اسلامی، تالیف: علامہ شیخ محمد خضری بک، اردو ترجمہ،ص: 192، طبع: دارالاشاعت، کراچی

535۔ (حاشیہ تحریر کردہ از حضرت سندھیؒ:)

میں نے ''مسئلہ خلق قرآن'' کے بارے میں جس بحث کا تذکرہ کیا ہے۔اس حوالے سے خطیب بغدادیؒ لکھتے ہیں: ''ہمیں خبر دی ابوعبداللہ احمد بن عبداللہ کاتب نے، انھیں خبر دی ابراہیم بن یحییٰ مزکی نے، ان سے روایت کیا ابوالعباس محمد عبدالرحمٰن سرخسی نے، وہ فرماتے ہیں کہ: ہم سے بیان کیا عبداللہ بن جعفر بن خاقان مروزی سلمیؒ نے، انھوں نے فرمایا کہ: ''ابوقدامہ کہتے ہیں کہ: بغداد کے تمام اہل الرائے اور رافضی امام احمد بن حنبل کی مخالفت میں ایک دوسرے کے معاون تھے۔ سوائے (قاضی) بشر بن ولید کندی کے، جو اہل عرب میں سے تھے۔'' انتہیٰ (دیکھئے! تاریخ بغداد از حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی، ج: 7،ص: 85، طبع: دارالکتب العلمیہ، بیروت) عبیداللہ (سندھی)

536۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ نے ''**القول الجمیل فی بیان سواء السّبیل**'' کے ''**حاشیۂ مِنهیه**'' میں لکھا ہے کہ:

''طریقت کے تمام سلسلوں کا نتیجہ ''نسبت'' کا حصول ہے۔ پھر اس نسبت کی دو قسمیں ہیں:

(1 تشبّہ بالملائکہ، 2 تطلُّع الی الجبروت) پھر ''تطلُّع الی الجبروت'' کی چند اقسام شمار کی ہیں۔ پھر ان اقسام کا قاعدہ کلیہ بتلایا ہے۔ ان باتوں پر اچھی طرح غور وفکر کرو تا کہ تم کامیابی حاصل کرسکو۔''
(القول الجمیل، از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، فصل: 7، حوالہ جات و حواشی، ص: 141، اردو ترجمہ)، طبع رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

537۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے ''القول الجمیل'' کے حاشیے میں لکھا ہے کہ:
''میں نے حضرت والد صاحب مصنف قدس سرہٗ سے سنا ہے کہ: ''صحابہ اور تابعین کی نسبت کے بارے میں فیصلہ کن قول یہ ہے کہ وہ ''نسبت احسانیہ'' ہے۔ اور یہ نسبت، ''طہارت'' اور ''نسبتِ سکینہ'' سے مرکب ہے۔ نیز اس میں ''سماحت''، ''تقویٰ'' (اِخبات الی اللہ) اور ''عدالت'' کی برکات بھی شامل ہیں۔ ان حضراتِ صحابہ کے کلام کا اصلی محمل اور ان کے خاص و عام کا اولین مطمحِ نظر یہی نسبت ہے۔ اب حضراتِ صحابہؓ کے احوال و اقوال کو، جو کچھ ہم نے بتایا ہے، اسی پر محمول کرنا چاہیے۔ جیسا کہ ان کے تمام حکایات اور قصص و واقعات اس کی گواہی دیتے ہیں۔
میں نے حضرت مصنف (والدِ گرامی) قدس سرہٗ سے سنا ہے، وہ فرماتے تھے کہ: ''میں نے آئمہ اہل بیتؓ کی ارواح کا مشاہدہ کیا کہ وہ ایک دوسرے کے دامن میں چنگل مارے ہوئے ہیں۔ اور عالمِ ارواح میں ان کا سلسلہ عجیب رسوخ و پختگی اور بہترین طریقے سے حظیرۃ القدس کے ساتھ متصل ہے۔ اور ہم نے یہ بھی مشاہدہ کیا کہ ان حضرات کی باتیں خارج کی نسبت سے عالمِ ارواح کے باطن در باطن میں زیادہ تر موجود ہیں۔'' و اللّٰہ أعلم (حاشیہ القول الجمیل، اردو، ص: 141)

538۔ رواہ مالکؒ فی المؤطّا، "باب النّظر فی الصّلوٰۃ إلیٰ ما یشغلک عنھا".
ص 83۔ طبع قدیمی کتب خانہ، کراچی۔

539۔ القرآن: 33:38۔

540۔ رواہ البخاری، باب من جلس فی المسجد، حدیث نمبر 660، ص 140، طبع بیروت۔

541۔ تذکرۃ الحُفّاظ. امام ذہبیؒ۔ ج: 01۔ ص: 13۔ طبع: دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

542۔ رواہ النّسائی، باب البکاء فی الصّلوٰۃ، حدیث نمبر 1214، ص 197، طبع بیروت۔
اس حدیث پر حاشیے میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ لکھتے ہیں کہ:
''حدیث میں آیا ہے کہ: ''جو آدمی اللہ کے خوف سے رویا، وہ اُس وقت تک دوزخ میں داخل نہ ہوگا، جب تک کہ دودھ تھن کی شکل اختیار نہ کر جائیں (یہ عربوں کا ایک محاورہ ہے کہ کسی بات کے محال ہونے کے لیے یہ مثال استعمال کرتے ہیں۔ یعنی دودھ کبھی بھی تھن کی شکل اختیار نہیں کرتے۔ اس لیے اُس کا دوزخ میں جانا محال ہے۔) اور حضرت ابوبکر صدیقؓ بہت زیادہ رونے والے فرد تھے۔ آپؓ جب قرآن حکیم پڑھتے تھے تو اتنا روتے تھے کہ آنسو آنکھوں سے نہ تھمتے تھے۔ اور حضرت جبیر ابن مطعم نے فرمایا کہ: ''جب میں نے یہ آیت: ''أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ'' (35:52) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تو خوف سے میرا دل اُڑ گیا۔'' (حاشیہ القول الجمیل، اردو، ص: 142)

543۔ رواہ البخاری، باب رؤیا الصالحین، حدیث نمبر 6983، ص 1415، طبع بیروت، لبنان۔

544۔ رواہ مالکؒ فی المؤطا، باب فی الرّؤیا، ص 724، طبع قدیمی کتب خانہ، کراچی۔

545۔ القرآن: 64:10۔

546۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے ''القول الجمیل'' حاشیے میں لکھا ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سالکوں کے خواب کی تعبیر بیان فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ صبح کی نماز کے بعد مسجدِ نبویؐ میں تشریف فرما ہوتے۔اور ارشاد فرماتے کہ تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے؟'' تو اگر کوئی خواب بیان کرتا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تعبیر بیان فرماتے تھے۔''

(حاشیہ القول الجمیل، اردو، ص: 142)

547۔ رواہ البخاری، باب نزول السّکینہ و الملائکہ عند قرأۃ القرآن، حدیث نمبر 5018، ص 1058، طبع بیروت۔

548۔ رواہ التّرمذی، باب و من سرّہ الحجر، حدیث نمبر 3127، ص 863، طبع بیروت۔

549۔ رواہ التّرمذی، باب مناقب البراء ابن مالک، حدیث نمبر 3854، ص 1044، طبع بیروت۔

550۔ القول الجمیل فی بیان سواء السبیل۔از امام شاہ ولی اللہ دہلوی (اردو ترجمہ) فصل: 7، ص: 133 تا 140۔

551۔ حاشیہ تحریر کردہ از حضرت سندھیؒ:

''شیخ ابوالفضل عبدالواحد بن شیخ عبدالعزیز تمیمیؒ: ابن جوزی نے ان دونوں باپ بیٹے کا تذکرہ حنابلہ کے تیسرے طبقے میں کیا ہے۔ اور شیخ ابوسعید مخرمیؒ کا تذکرہ ساتویں طبقے میں کیا ہے۔ اور قطب (شیخ عبدالقادر جیلانی) کا تذکرہ فقہائے حنابلہ کے مسلک کو اختیار کرنے والوں کے آٹھویں طبقے میں سے کیا ہے۔ واللہ اعلم۔عبیداللہ (سندھی)''

552۔ سید الطائفہ ابوالقاسم جنید بن محمد بن جنید قواریری بغدادیؒ: ان کا آبائی خاندان ''نہاوند'' کا رہنے والا ہے۔ان کی پیدائش اور پرورش بغداد میں ہوئی۔ وہیں انھوں نے علم حدیث، فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ امام ابوثورؒ سے فقہ حاصل کی اور شیخ حارث محاسبیؒ، شیخ سری سقطیؒ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ وہ اپنے زمانے میں شیخ وقت تھے اور علم الاحوال و الکلام میں یکتائے روزگار تھے۔ ان کا طریقہ وعظ ونصیحت کا تھا۔ ان کی بہت سی کرامات منقول ہیں۔ابوالقاسم کعبیؒ ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

''میری آنکھوں نے ان جیسا آدمی نہیں دیکھا۔علم حدیث لکھنے والے ان کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کے الفاظِ حدیث لکھتے تھے۔ فلاسفہ ان کی خدمت میں ان کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کے معانی اور مفاہیم کے پُر از حِکم ہونے کی وجہ سے حاضر ہوتے تھے۔ متکلمین ان کے علم سے رہنمائی لینے کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ ان کی گفتگو لوگوں کے فہم، ان کے کلام اور ان کے علم سے بہت مختلف اور بلند پایہ ہوتی تھی۔''

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

''شیخ جنید بغدادیؒ وہ پہلے آدمی ہیں، جنھوں نے سلسلۂ طریقت وضع کیا اور اس کے قوانین اور قواعد مرتب اور مدون کیے۔ پھر بعد میں آنے والے تمام سلسلہ ہائے طریقت کے لوگ ان قوانین کی تشریح کرتے رہے۔اس

طرح انھوں نے قوتِ حال کا دروازہ کھول دیا۔"

(**التفهيمات الإلٰهيه**، تفہیم نمبر 139، ج:2،ص: 158،طبع: حیدر آباد، سندھ)

ان کا انتقال ۲۹۸ھ/ 911ء میں ہوا۔ ان کی نمازِ جنازہ میں ساٹھ ہزار انسانوں نے شرکت کی تھی۔

(تاریخ بغداد۔تالیف: خطیب بغدادی۔ ج: 4۔ص:249 تا 256۔طبع: دار الکتب العلمیہ، بیروت)

553۔ امام ابوعبداللہ، احمد بن محمد بن حنبل شیبانی، مروزیؒ: ان کی پیدائش بغداد میں ربیع الاوّل ۱۶۴ھ/ نومبر 780ء میں ہوئی۔ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ ان کی پیدائش مرو میں ہوئی اور دودھ پینے کے زمانے میں ہی ان کو بغداد لایا گیا۔ وہ امام المحدثین ہیں۔ ان کو ایک لاکھ احادیث زبانی یاد تھیں۔

وہ امامِ شافعیؒ کے خاص اصحاب میں سے تھے۔ مصر جانے تک امام شافعیؒ کی صحبت میں رہے۔ امامِ شافعیؒ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ:

"میں بغداد سے جا رہا ہوں اور اپنے پیچھے احمد بن حنبل سے زیادہ فقیہ اور متقی کسی آدمی کو چھوڑ کر نہیں جا رہا۔"

ان کو معتصم باللہ کے زمانے میں "خلقِ قرآن" کے مسئلے میں بڑی آزمائش سے گزرنا پڑا۔ ان کو ۲۲۰ھ/ 835ء میں رمضان کے آخری عشرے میں کوڑے مارے گئے اور قید کیا گیا۔ واثق باللہ نے ان کو نظر بند رکھا۔ متوکل باللہ کے زمانے میں ان کی یہ آزمائش ختم ہوئی۔

ان سے علم حدیث حاصل کرنے والوں کی بہت بڑی جماعت ہے، جن میں امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ، امام مسلم بن حجاج نیشاپوریؒ وغیرہ ہیں۔ ان کا انتقال ۱۲/ ربیع الاوّل ۲۴۱ھ/ 31/ جولائی 855ء کو جمعہ کے دن، چاشت کے وقت ہوا۔ بابِ حرب کے مقبرے میں ان کو دفن کیا گیا۔ ان کے جنازے میں آٹھ لاکھ انسانوں نے شرکت کی، جن میں ساٹھ ہزار عورتیں تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ: جس دن ان کا انتقال ہوا، اُس دن بیس ہزار عیسائی، یہودی اور مجوسی مسلمان ہوئے۔

(**وفيات الاعيان لإبن خلكان**۔ج: 01۔ص: 65-63۔طبع: دارِ صادر، بیروت)

554۔ شیخ ابوعلی رودباریؒ: ان کا نام احمد بن محمد ہے اور یہ کسریٰ ایران کی اولاد میں سے ہیں۔ اصل میں بغداد کے رہنے والے ہیں، پھر مصر میں رہائش پذیر ہوگئے۔ اہل مصر کے مشہور مشائخ میں سے ہیں۔ وہیں ان کا انتقال ۳۲۲ھ/ 934ء میں ہوا۔ حضرت ذوالنون مصریؒ کے قریب "قرافہ" میں دفن ہوئے۔ انھوں نے حضرت جنید بغدادیؒ، نوریؒ اور ابوحمزہ بغدادیؒ کی صحبت اٹھائی ہے۔ وہ حدیث کے حافظ تھے۔ ظریف الطبع اور طریقت کے عارف اور ماہر تھے۔ یہ اپنے مشائخ پر بڑا فخر کیا کرتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ: "تصوف میں میرے شیخ جنید بغدادیؒ ہیں، فقہ میں شیخ ابوالعباس بن سریج اور ادب میں شیخ ثعلب اور حدیث میں ابراہیم حربی ہیں۔"

(طبقات الکبریٰ، از شیخ عبدالوہاب شعرانی۔ ج:1۔ص: 106۔طبع: مصر)

555۔ شیخ ممشاد دینوریؒ: آپؒ بڑے مشائخ میں سے ہیں۔ صوفیا کے تیسرے طبقے سے ان کا تعلق ہے۔ انھوں نے یحییٰ ابن الجلا اور ان سے بڑے مشائخ کی صحبت اٹھائی ہے۔ وہ بڑی بلند حالت نِسبت رکھتے تھے۔ وہ حضرت جنید بغدادیؒ، رویمؒ اور نوریؒ وغیرہ حضرات کے ہم زمانہ تھے۔ ان کا انتقال ۲۹۷ھ/ 910ء میں ہوا۔

(طبقات الکبریٰ، از شیخ عبدالوہاب شعرانی۔ ج:1۔ص: 102۔ نیز نفحات الانس اردو۔ص: 200)

556۔ سلطان العارفین شیخ ابو یزید طیفور بن عیسیٰ بن آدم بن سروشان بسطامیؒ: آپؒ صوفیا کے پہلے طبقے کے بزرگوں میں سے تھے۔ وہ شیخ احمد خضرویہ، شیخ ابوحفص اور شیخ یحییٰ معاذ کے ہم زمانہ تھے۔ انھوں نے شیخ شقیق بلخیؒ کی زیارت کی ہے۔ حضرت بایزیدؒ کے شیخ، شیخ کردیؒ تھے۔ ان کے دل میں اپنے شیخ کا اتنا ادب تھا کہ مرنے سے پہلے انھوں نے وصیت کی کہ: ''میری قبر شیخ کی قبر سے نیچی رکھنا۔''

شیخ حافظ ابونعیم اصفہانی لکھتے ہیں کہ:

''آپ محدودات کے دائرے سے غائب ہوکر محسوسات ومعدومات کے موجد کی طرف متوجہ تھے۔ مخلوق سے جدا اور حق کی موافقت کرنے والے تھے۔ ان کی عبارات بہت گہری اور پوشیدہ معانی کی جامع تھی۔ ان کو سمجھنے والے کے لیے بڑی ترقی کا باعث ہیں اور اس کے انکار کرنے والے کے لیے بڑا فتنہ پیدا کرنے والی ہیں۔ ان کا انتقال ۲۶۱ھ/ 875ء میں ہوا۔

(حیاتِ صوفیا، ص: 151۔ نیز حلیة الأولیاء للحافظ ابونُعَیم اصفهانی، ج: 10، ص: 34، طبع: بیروت)

557۔ امام احمد بن محمد بن احمد ابوحسین بغدادی قدوریؒ: ان کی پیدائش ۳۶۲ھ/ 973ء میں ہوئی۔ وہ بغداد کی ایک بستی ''قدورہ'' کی طرف نسبت رکھتے ہیں۔ اپنے زمانے میں علمائے احناف کے سربراہ تھے۔ انھوں نے شیخ محمد بن یحییٰ جرجانیؒ، امام جصاص رازیؒ اور امام کرخیؒ کے واسطے سے امام محمدؒ کی فقہ پر تعلیم وتربیت حاصل کی۔ وہ فقہ کی مشہور کتاب ''المختصر للقدوری'' کے مصنف ہیں۔ ان کا انتقال ۵/ رجب ۴۲۸ھ/ 24/ اپریل 1036ء کو اتوار کے روز ہوا۔ ان کی دیگر تصنیفات میں ''شرح مختصر الکرخی'' اور ''التّجرید'' سات جلدوں میں ہے۔ اسی طرح ''کتاب التّقریب'' بھی ان کی ایک اہم تصنیف ہے۔

(الفوائد البهیه فی تراجم الحنفیه۔ ص 31-30۔ طبع: کراچی)

558۔ امام ابوبکر احمد بن علی جصاص رازیؒ: ان کی پیدائش ۳۰۵ھ/ 918ء میں بغداد میں ہوئی۔ انھوں نے شیخ ابوسہل زجاجؒ اور امام ابوالحسن کرخیؒ سے علوم حاصل کیے۔ بغداد میں درس وتدریس کے منصب پر فائز ہوئے۔ انھیں اپنے زمانے میں علم کی ریاست حاصل تھی۔ ان سے علوم حاصل کرنے والوں میں شیخ ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ جرجانی استاذ امام قدوری اور شیخ ابوالحسن محمد بن احمد زعفرانیؒ ہیں۔ ان کی بہت عمدہ تصانیف ہیں، جن میں ''احکام القرآن''، ''شرح مختصر الطّحاوی'' وغیرہ ہیں۔ ان کا انتقال ۷/ ذوالحجہ ۳۷۰ھ/ 13/ جون 981ء کو ہوا۔

(تفسیر أحکام القرآن للجصّاص، ترجمة المصنّف، ج: 1، ص: 1، طبع سہیل اکیڈمی، اردو بازار لاہور)

559۔ شیخ عتبہ: ان سے مراد شیخ عتبہ بن خثیمہ بن محمد ابوالہیثم نیشاپوریؒ ہیں۔ یہ بہت سے قاضیوں اور فقہا کے استاد ہیں۔ فقہ، درس وتدریس اور فتویٰ میں بے نظیر شخصیت کے مالک تھے۔ خراسان میں کوفیوں (احناف) کے مذہب پر کوئی قاضی ایسا نہیں، جس کی نسبت ان کی طرف نہ جاتی ہو۔ انھوں نے قاضی الحرمین احمد بن محمد نیشاپوریؒ سے علوم حاصل کیے اور ان سے فقہ کی تعلیم حاصل کرنے والی ایک جماعت، جن میں عماد الاسلام صاعد بن محمد بن احمدؒ اور ہیثم بن ابوالہیثمؒ ہیں۔ (الفوائد البهیه۔ ص: 115۔ طبع: نور محمد، کراچی)

560۔ شیخ ابوطاہر محمد بن محمد بن سفیان دباسؒ: آپؒ عراق میں اہل سنت والجماعت کے بڑے ائمہ اور فقہا میں سے

تھے۔ انھوں نے قاضی ابو حازم عبدالحمیدؒ کے واسطے سے امام محمدؒ سے فقہی تعلیم حاصل کی۔ وہ امام عبیداللہ کرخیؒ کے ہم عصر لوگوں میں سے ہیں۔ حفظِ روایات میں آپؒ کی بڑی تعریف کی گئی ہے۔ شام کے منصبِ قضا پر بھی وہ فائز رہے۔ وہاں سے مکہ تشریف لے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ "الأشباہ و النّظائر" کے مصنف نے قواعدِ فقہیہ کی تشکیل میں ان کی ایسی حکایات بیان کی ہیں، جو ان کی ذہانت و فطانت پر دلالت کرتی ہیں۔ (الفوائد البهیه۔ص: 187۔طبع: کراچی)

561۔ امام، شیخ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب بن حارث سبذمونیؒ: ان کی پیدائش آخر ربیع الاوّل ۲۵۸ھ/ فروری 872ء میں ہوئی۔ انھوں نے امام محمدؒ سے دو واسطوں سے فقہی تعلیم حاصل کی۔ امام سمعانیؒ کہتے ہیں کہ:
''آپؒ بہت زیادہ کثیر الحدیث تھے اور اس حوالے سے بڑے مشہور اساتذہ میں سے ہیں۔''
ان کی تصنیفات میں "کشف الآثار الشّریفه فی مناقب ابی حنیفهؒ" ہیں۔
سمعانی کہتے ہیں کہ: ''سبذمون'' بخارا کے قریب ایک قصبے کا نام ہے۔''
امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے رسالہ "الانتباہ" (اتحاف النّبیه فیما یحتاج للمحدّث و الفقیه) میں ان کو ''اصحاب الوجوہ'' میں سے شمار کیا ہے۔
(الانتباہ (اتحاف النّبیه فیما یحتاج للمحدّث و الفقیه)، ص: 286۔طبع: مکتبہ سلفیہ، لاہور)
''اصحاب الوجوہ'' کی تشریح کرتے ہوئے امام شاہ ولی اللہ (دہلویؒ) "الإنصاف" میں لکھتے ہیں:
''اصحابِ وجوہ'' کا درجہ ''مجتہد منتسب'' اور ''مجتہد مذہب'' کے درمیان ہے۔ وہ فقہی علوم میں اس طرح مشغول ہوتے ہیں کہ مجتہدین کے دیے ہوئے فقہی جوابات کو تفصیلی دلائل کی روشنی میں سمجھتے ہیں اور ان کے ماخذ کی تحقیق و تنقیح کرتے اور ان میں ترجیح کا تعین کرتے ہیں۔ یہ بہت اونچے درجے کا کام ہے۔''
(الإنصاف فی بیان سبب الاختلاف، ص: 43، طبع: ہیئت الاوقاف حکومت پنجاب پاکستان)
علامہ سبذمونیؒ کا انتقال شوال ۳۴۰ھ/ 952ء میں ہوا۔ (الفوائد البہیہ۔ص: 104 تا 106)

562۔ شیخ امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ طحاوی ازدیؒ: آپؒ بڑے جلیل القدر امام اور تمام عالم میں مشہور ہیں۔ ان کی پیدائش ۱۰ ربیع الاوّل ۲۲۹ھ/ دسمبر 843ء کو اتوار کی رات ہوئی۔ انھوں نے زیادہ تر تعلیم اپنے ماموں شیخ اسماعیل بن یحییٰ مزنیؒ تلمیذ امام شافعیؒ سے حاصل کی۔ امام طحاویؒ کی امام اعظم امام ابوحنیفہؒ کی کتابوں پر بڑی گہری نظر تھی۔ انھوں نے فقہ کی تعلیم شیخ ابوجعفر احمد سے حاصل کی۔ پھر شام جا کر وہاں کے قاضی القضاۃ شیخ ابوخازم عبدالحمیدؒ سے امام محمدؒ کی فقہ پر عبور حاصل کیا۔
امام طحاویؒ احادیث اور روایات کے بڑے ائمہ میں سے ہیں۔ ان کی بڑی اہم جلیل القدر تصانیف ہیں، جن میں ''أحکام القرآن''، ''معانی الآثار''، "مشکل الآثار"، "شرح جامع کبیر" اور بہت سے دیگر تصانیف ہیں۔ مصر کی سرزمین میں ایک بستی "طحیه" کی طرف نسبت کی وجہ سے وہ ''طحاوی'' کہلاتے ہیں۔
امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ ''بُستان المحدِّثین'' میں لکھتے ہیں کہ: ''ان کی تصنیف "مختصر الطّحاوی" ان کے مجتہد ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ وہ مذہب حنفی کے مقلدِ محض نہیں تھے۔''
ان کا انتقال ۳۲۱ھ/ 933ء میں ہوا۔ (الفوائد البهیه۔ص: 31 تا 34۔طبع: کراچی)

563۔ شیخ، امام ابوجعفر محمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر بلخی، ہندوانیؒ: آپؒ بڑے شیخ اور جلیل القدر امام ہیں۔ان کا تعلق اہل بلخ سے ہے۔ زہد وتقویٰ، ذہانت و فطانت اور فقہ و فتاویٰ میں ان کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ ان کو فقہ میں اونچا مقام حاصل ہونے کی وجہ سے ''ابوحنیفہ صغیر'' بھی کہا جاتا ہے۔ انھوں نے بلخ میں احادیث پڑھائیں۔ مشکل مسائل میں فتاویٰ دیے اور اُلجھے ہوئے مسائل کی توضیح کی۔انھوں نے امام ابوبکر اعمشؒ سے فقہ حاصل کی۔فقیہ ابواللیثؒ، نصر بن محمدؒ اور ایک بہت بڑی جماعت نے آپؒ سے فقہ کا علم حاصل کیا۔ان کا انتقال بخارا میں ۳۶۲ھ/ 973ء میں ہوا۔(الفوائد البھیہ۔ص: 179۔طبع: کراچی)

564۔ مسلم شریف میں اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عن جابر ابن سمرة، قال: إنطلقتُ إلٰى رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه و سلّم و معى أبى، فسمعتهٗ يقول: ''لا يزال هٰذا الدّين عزيزًا منيعًا إلٰى إثنى عشر خلفية.'' فقال: كلمة صمّنيها النّاس، فقلت لأبى: ما قال؟ قال: كلّهم من قريش. (كتاب الإمارة۔حدیث نمبر 4710)

بخاری شریف میں اس کے الفاظ یہ ہیں:

''يكون إثنا عشر اميرًا كلّهم من قريش.'' (كتاب الاحكام، حدیث نمبر 23-7222)

565۔ امام، ابوالحسن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن حسین بن علیؓ بن ابوطالب: ان کی پیدائش ۱۲۹ھ/ 747ء میں منگل کے روز طلوعِ فجر سے پہلے ہوئی۔ان کا زیادہ تر قیام مدینہ منورہ میں رہا۔ خلیفہ مہدی عباسی نے ان کو وہاں سے بغداد بلوا کر گرفتار کرلیا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد رہا کر کے واپس مدینہ بھیج دیا۔ ہارون الرشید کے زمانۂ خلافت تک وہ مدینہ منورہ میں رہے۔رمضان ۱۷۹ھ/ نومبر 795ء میں ہارون الرشید جب عمرے کے لیے آیا تو وہاں سے واپسی پر امام موسیٰ کاظمؒ کو اپنے ساتھ بغداد لے گیا اور ان کو دوبارہ جیل میں بند کردیا۔ یہاں تک کہ قید کی حالت میں ہی ان کا وہاں انتقال ۲۵/رجب ۱۸۳ھ/ 3/ستمبر 799ء میں ہوا۔ ان کا مزار بغداد میں ہے۔ (وفیات الاعیان لابن خلکان، ج: 5،ص: 308 تا 310)

566۔ امامِ اعظم امامِ ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان کوفیؒ: ان کے پوتے اسماعیل بن حماد نے ان کا سلسلۂ نسب اسی طرح بیان کیا ہے۔ نیز انھوں نے بیان کیا کہ:

''ہم آزاد فارسی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور اللہ کی قسم ہم پر کبھی غلامی نہیں آئی۔ وہ فرماتے ہیں کہ: میرے دادا ۸۰ھ/ 699ء میں پیدا ہوئے اور ان کے والد ثابت حضرت علیؓ کی خدمت میں بچپن میں حاضر ہوئے تھے تو انھوں نے ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے برکت کی دعا فرمائی تھی۔ ہمیں پوری امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کی ہمارے بارے میں دعا کو قبول کرلیا۔''

اسماعیل بن حماد یہ بھی کہتے ہیں کہ:

''امامِ اعظم کے دادا نعمان بن مرزبان وہ شخص ہیں، جنھوں نوروز مہرجان کے دن حضرت علیؓ بن ابوطالب کی خدمت میں فالودہ پیش کیا تھا تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ: ''ہمارا مہرجان روزانہ ہونا چاہیے۔''

امامِ ابوحنیفہؒ نے چار صحابہ: حضرت انس ابن مالکؓ،عبداللہ بن ابواوفیؓ سے کوفہ میں صحبت پائی۔ حضرت سہل بن سعد سعدیؓ سے مدینہ میں ملاقات ہوئی۔ حضرت طفیل بن عامر بن واصلہؓ سے مکہ مکرمہ میں زیارت کی۔

امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد کہتے ہیں کہ:
''آپؒ نے صحابہؓ کی ایک جماعت سے ملاقات بھی کی ہے اوران سے روایت بھی کی ہے۔''
امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ نے امام حماد بن ابوسلیمانؒ سے فقہ حاصل کی اور حضرت عطا بن ابور باح، ابواسحاق سبیعی، محارب بن دثار اور ہیثم بن حبیب اور نافع مولیٰ عبداللہ ابن عمر، ہشام ابن عروہ وغیرہ سے احادیث روایت کی ہیں۔ امام اعظمؒ سے روایت کرنے والوں میں امام عبداللہ ابن مبارک، امام وکیع بن جراح، امام قاضی ابویوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی وغیرہ حدیث اور فقہ کی روایت کرتے ہیں۔ امام اعظمؒ بہت بڑے عالم، عامل، زاہد، عبادت گزار، اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والے، متقی، پرہیزگار اور ہر دم اللہ کی طرف متوجہ رہنے والے تھے۔
بنوامیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد کے زمانے میں کوفہ کے گورنر یزید بن عمر بن ہبیرہ نے امام اعظمؒ کو کوفہ کا قاضی مقرر کرنے کا فیصلہ کیا تو امام صاحبؒ نے منصبِ قضا قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر اس نے امام اعظمؒ کو ایک سو دس کوڑے لگوائے۔ روزانہ دس کوڑے لگتے تھے اور اس کے بعد پوچھا جاتا تھا، لیکن وہ انکار کر دیتے تھے۔ آپؒ کے پوتے اسماعیل بن حماد کہتے ہیں کہ: ''ایک دفعہ میں اپنے والد حماد کے ساتھ کوفہ کے ایک محلے کناسہ سے گزرا، تو وہ رونے لگے۔ میں نے پوچھا: اے ابا جان! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا کہ: یہ وہ جگہ ہے، جہاں ابن ہبیرہ نے میرے والد کو دس دن تک روزانہ دس دس کوڑے لگوائے۔ اس لیے کہ وہ منصبِ قضا قبول کرلیں، لیکن انھوں نے یہ منصب قبول کرنے سے انکار کر دیا۔''
امام احمد بن حنبل کو جب کوڑے لگے تو اُن کو امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ یاد آئے اور ان پر آپؒ نے رحمت کی دعا کی اور رونے لگے۔''
خلیفہ ابوجعفر منصور نے امام اعظمؒ کو کوفہ سے بغداد منتقل کر دیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ آپؒ کو وہاں کا قاضی بنائے، لیکن امام صاحبؒ نے انکار کر دیا۔ خلیفہ نے قسم اٹھائی کہ وہ انھیں ضرور قاضی بنا کر رہے گا۔ امام ابوحنیفہؒ نے قسم اٹھائی کہ وہ کبھی قاضی نہیں بنیں گے۔ خلیفہ کے وزیر اعظم ربیع بن یونس نے امام ابوحنیفہؒ سے کہا کہ: امیر المؤمنین نے قسم اٹھائی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: ''امیر المؤمنین کے لیے اپنی قسم کا کفارہ ادا کرنا میری نسبت سے زیادہ آسان ہے۔'' خلیفہ ابوجعفر منصور نے آپؒ کو جیل میں ڈال دیا۔
امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ بہت خوش شکل اور حسین آدمی تھے۔ آپؒ کی مجلس بہت عمدہ ہوتی تھی۔ اپنے ساتھیوں اور شاگردوں کے ساتھ بہت ہی مہر و محبت اور کرم سے پیش آتے تھے۔ آپؒ لوگوں سے بہت عمدہ اور بہترین لہجے میں گفتگو کرنے کے عادی تھے۔
امامِ شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: ''امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ: کیا آپؒ نے امام ابوحنیفہؒ کو دیکھا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ: ''ہاں! میں نے ایک ایسے آدمی کو دیکھا ہے کہ اگر وہ تمھارے ساتھ اس ستون کے بارے میں یہ بحث کریں کہ یہ سونے کا بنا ہوا ہے تو اس پر دلائل کے انبار لگا سکتے ہیں۔''
امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: ''تمام لوگ ان پانچ آدمیوں کے خوشہ چین ہیں۔ جو آدمی فقہ میں مہارت حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ امام ابوحنیفہؒ کی عیال میں سے ہے اور ان کا خوشہ چین ہے۔ ابوحنیفہؒ وہ آدمی ہیں، جن کو فقہ

کی توفیق ہوئی ہے۔ جو شعر وشاعری میں مہارت حاصل کرنا چاہے تو وہ زہیر ابن ابوسلمہ کا خوشہ چین ہے۔ جو سیر اور مغازی میں مہارت حاصل کرنا چاہے، تو اُسے محمد بن اسحاق کا خوشہ چین ہونا چاہیے۔ اور جو نحو میں مہارت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے (امام) کسائی کا خوشہ چین ہونا چاہیے۔ اور جو تفسیر میں مہارت حاصل کرنا چاہے، اُسے مقاتل بن سلیمان کا خوشہ چین ہونا چاہیے۔''

امام ابوحنیفہ مجتہدین مطلق میں سے بڑے بلند مقام پر فائز ہیں۔ آپؒ کا انتقال ماہِ رجب ۱۵۰ھ/ اگست 767ء میں بغداد میں قید کی حالت میں ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ: جس دن آپؒ کا انتقال ہوا، اُسی دن امام شافعیؒ کی پیدائش ہوئی۔ (وفیات الاعیان لابن خلکان۔ ج: 05۔ ص: 405 تا 414۔ طبع: بیروت)

567۔ تذکرۃ الحُفّاظ۔ از امام ذہبیؒ، ج: 01۔ ص: 126۔ طبع: دارالکتب العلمیہ، بیروت۔

568۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''القول الجمیل'' میں لکھتے ہیں:

''اگر فن حدیث کے اصولوں پر جانچا جائے تو (حضرت حسن بصری کا حضرت علیؓ سے براہِ راست علم حاصل کرنے میں) بڑی بحث اور گفتگو ہے۔'' (ص: 102)

نیز حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ ''القول الجمیل'' کے حاشیے میں لکھتے ہیں کہ:

''تاریخی اعتبار سے حضرت حسن بصریؒ کی ملاقات، حضرت علیؓ سے ثابت نہیں ہے۔''

(القول الجمیل (اردو ترجمہ) فصل 05۔ ص: 109۔ طبع: رحیمیہ، لاہور)

اس حوالے سے حضرت الامام شاہ ولی للہ دہلویؒ نے ''الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللّٰہ'' میں بھی لکھا ہے اور اس کے جواب میں ایک رسالہ ''فخر الحسن''، مولانا فخر الدین فخر جہان نے بھی تحریر کیا ہے۔ نیز امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ''قرّۃ العینین فی تفضیل الشّیخین'' میں بھی اس حوالے سے گفتگو کی ہے۔

راقم سطور نے اس موضوع پر ''سوانح شاہ عبدالرحیم رائے پوری'' کے دسویں باب میں ''امیر المؤمنین حضرت علیؓ سے حضرت حسنؒ بصری کا سلسلۂ صحبت'' کے عنوان سے تفصیلی بحث کی ہے۔

(سوانح شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، از مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ، صفحات 575 تا 586، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور، دوسرا ایڈیشن اگست 2016ء)

569۔ امام زید بن علی بن حسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب: ان کی کنیت ابوالحسن ہے اور ان کی والدہ سندھی ہیں۔ ہشام بن عبدالملک کے زمانۂ خلافت میں ۱۲۲ھ/ 740ء میں انھوں نے حکومت کے خلاف خروج کیا۔ ان کے مقابلے پر یوسف بن عمر ثقفی اور عباس مری کو بھیجا گیا۔ ان میں سے ایک آدمی نے انھیں تیر مارا اور اسی حالت میں آپؒ شہید ہوگئے۔ اور آپؒ کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔ (معارف ابن قتیبہ، ص: 216، طبع: دارالکتب)

570۔ روض النّضیر شرح مجموع الفقہ الکبیر، از شرف الدین حسین بن احمد صنعان، طبع: کتبہ خانہ مؤسسہ علمی، فرہنگی دارالحدیث، قم، ایران۔

571۔ ''اسعاف المبطّأ برحال المؤطا''، ملحق مؤطا امام مالک۔ تالیف: امام سیوطیؒ۔ ص: 744۔ طبع: قدیمی کتب خانہ، کراچی۔

572۔ تہذیب التہذیب، از حافظ ابن حجر عسقلانی ج: 02۔ ص: 177۔ طبع: دارالحدیث، قاہرہ، مصر۔

573۔ **عقیدۂ ارجاء** کی حقیقت اور اس سلسلے میں امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ "**التّفهيماتِ الإلٰهيه**" میں لکھتے ہیں:

''ارجاء'' کی دو قسمیں ہیں:

ایک قسم یہ ہے کہ انسان ایسا عقیدہ رکھے کہ ''جو شخص زبان سے اسلام کا اقرار کرے اور دل سے اس کی تصدیق کرے، اس کو گناہوں کی وجہ سے کوئی سزا نہیں ہوگی۔'' اس عقیدے کا حامل فرد اہل سنت و الجماعت کے دائرے سے خارج ہو جاتا ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ انسان کا یہ اعتقاد ہو کہ ''اگرچہ ''عمل''، ''ایمان'' کا حصہ نہیں ہے، لیکن عملی طور پر ہونے والے گناہوں کی وجہ سے وہ سزا و جزا کا مستحق ہوتا ہے۔''

ارجاء کی یہ قسم وہ ہے، کہ یہ عقیدہ رکھنے والا فرد اہل سنت و الجماعت کے دائرے سے خارج نہیں ہوتا۔

دوسری قسم کا مسلک رکھنے والے لوگوں میں امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ بھی ہیں اور وہ اہل سنت و الجماعت کے بڑے اور ان کے ائمہ میں سے ہیں۔ ہاں! البتہ اُن کے مذہب کو اختیار کرنے والے اور فروعی مسائل میں اُن کی اتباع کرنے والوں کی آرا اس سلسلے میں مختلف ہیں۔

حنفیوں میں ''معتزلہ'' بھی ہیں، جیسا کہ جبائی، ابوہاشم، (علامہ) زمخشری وغیرہ ہیں۔ ان میں ''مرجۂ'' بھی ہیں اور ان کے علاوہ دیگر فرقوں سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی ہیں۔ یہ تمام لوگ فقہی فروعات میں امامِ ابوحنیفہؒ کے متبعین میں سے ہیں، لیکن یہ تمام لوگ اُن کے اعتقادی اصول کی اتباع نہیں کرتے، بلکہ اپنے مذہب کو پھیلانے کے لیے اپنے غلط عقائد امامِ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ وہ لوگ امامِ ابوحنیفہؒ کے بعض اقوال کو اپنی تائید میں استعمال کرتے ہیں۔

اسی لیے امام ابوحنیفہؒ کو ماننے والوں میں سے اہل حق حضرات اس کی وضاحت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، جیسا کہ امامِ طحاویؒ وغیرہ ہیں۔ انھوں نے امامِ ابوحنیفہؒ کا مذہب صاف طور پر بیان کیا اور جو غلط باتیں ان کی طرف لوگوں نے منسوب کر دی تھیں، ان کی تردید کی۔''

(التّفهيماتِ الإلٰهيه، از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ج:1۔ تفہیم نمبر 12۔ ص: 34-33۔ طبع: حیدرآباد، سندھ)

574۔ **أعلام الأخيار من فقهاء مذهب النعمان. از محمود بن سليمان كفوى، المتوفى ۹۹۰ھ/ 1582ء۔**

575۔ "**الجواهر المضيئة فى طبقات الحنفية**'' میں بشر بن غیاث مریسی کے تذکرے میں یہ عبارت نہیں ہے۔ ممکن ہے عبدالقادر قرشی نے کسی اَور کتاب میں اس کا ذکر کیا ہو۔

576۔ القرآن: 5:105۔

577۔ امام ابراہیم بن میمون صائغ مروزیؒ: یہ امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ اور عطا ابن ابورباحؒ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں حسان بن ابراہیمؒ، امام نسائیؒ اور امام ابوداوٗدؒ ہیں۔

امام نسائی "سنن نسائی'' میں ان کے بارے میں کہا کہ: ''ان سے حدیث لینے میں کوئی حرج نہیں۔''

یحیٰی ابن معین کہتے ہیں کہ: ''یہ ثقہ ہیں۔''

ابن حبانؒ نے بھی ان کا تذکرہ ثقہ لوگوں میں کیا ہے۔ امام سمعانیؒ کہتے ہیں کہ: یہ بڑے فقیہ اور فاضل آدمی تھے۔ ابومسلم خراسانی نے انھیں ۱۳۱ھ/ 749ء میں مرو میں شہید کر دیا تھا۔

(الجواھر المضیئۃ۔ج: 01۔ص: 50-49)

علامہ ذہبیؒ نے "سیر اعلام النبلاء" میں لکھا ہے کہ:

''یزید نحوی نے فرمایا کہ: میرے پاس ابراہیم صائغؒ آئے اور مجھ سے کہا کہ: ''کیا تو یہ دیکھ نہیں رہا ہے کہ یہ طاغوتی جماعت کیا کام کر رہی ہے؟ کیا ہمارے اہل علم کے سوا لوگ اس (ابومسلم خراسانی) کے ساتھ مال و دولت کی وجہ سے نہیں ہیں؟''

میں نے ان سے کہا کہ: ''کاش میں جانتا کہ میرے اچھی بات کہنے اور بُری بات کے روکنے پر وہ (ابومسلم خراسانی) میرے ساتھ گفتگو کرے گا یا قتل کرے گا تو میں ایسا ضرور کرتا، لیکن مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں ہم پر مصیبت نہ آ جائے۔ میں بوڑھا آدمی ہوں اور مصیبت برداشت کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے۔''

اس پر (ابراہیم) صائغ نے کہا کہ: ''میں اس سے باز آنے والا نہیں ہوں۔'' چناں چہ وہ (ابومسلم خراسانی) کے پاس گئے اور صحیح بات کا حکم دیا اور غلط باتوں سے روکا تو اس نے انھیں قتل کر دیا۔''

(سیر اعلام النبلاء۔ ج: 5۔ تذکرہ ابومسلم خراسانی۔ ص: 334۔ طبع: دارالکتب العلمیہ بیروت)

578۔ احکام القرآن۔ از امام ابوبکر احمد بن علی بصاص رازیؒ۔ تفسیر سورۃ آلِ عمران. "باب فرض الأمر بالمعروف و النھی عن المنکر"۔ ج: 02۔ ص: 33۔ طبع: سہیل اکیڈمی، لاہور۔

579۔ ابومحمد حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ: اپنے والدِ گرامی امیرالمؤمنین حضرت علی بن ابوطالب کے بعد آپؓ کی بیعت کی گئی اور آپؓ خلیفۃ المسلمین مقرر ہوئے۔ انھوں نے کوفہ میں نے ۴۱ھ/ 661ء میں قیام فرمایا۔ ان کے ذریعے سے مسلمانوں کی جماعتوں کے درمیان صلح ہوئی۔ صلح کے بعد خلافت حضرت امیر معاویہؓ کی طرف منتقل ہوگئی۔ آپؓ کی خلافت کا زمانہ چھ مہینے اور پانچ دن ہے۔

امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ: حضرت امیر معاویہؓ سے صلح کے بعد حضرت حسنؓ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس میں حمد وصلوٰۃ کے بعد فرمایا:

''سب سے بہترین دانائی تقویٰ ہے اور سب سے زیادہ حماقت اجتماعیت کو توڑنا ہے۔ یہ معاملہ، جس میں حضرت معاوؓیہ کا اختلاف تھا، یہ ایک ایسا سیاسی حق ہے، جو یا تو ایسے آدمی کے پاس چلا گیا، جو مجھ سے زیادہ حق دار تھا، یا میرا حق تھا اور میں نے اسے حضرت امیر معاویہؓ کے لیے اس ارادے سے چھوڑ دیا، تاکہ امت کی بھلائی ہو اور مسلمانوں کا خون بہنے سے محفوظ رہے۔''

اس کے بعد حضرت حسنؓ مدینہ میں قیام پذیر رہے، یہاں تک کہ آپؓ کا انتقال ربیع الاوّل ۴۹ھ/ 669ء میں ہوا۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ آپؓ کا انتقال ۵۰ھ/ 670ء میں ہوا۔ حضرت سعید بن العاصؓ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔ (وفیات الاعیان لإبن خلقان، ج:2،ص: 66-65)

580۔ حضرت زید بن علی (زین العابدین) بن حسین بن علی بن ابوطالب نے اپنے متبعین سے ان الفاظ سے بیعت لی: ''ہم تمھیں دعوت دیتے ہیں کتاب اللہ اور سنتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ظالمین سے جہاد کرنے، کمزوروں

کا دفاع کرنے اور غریب اور محروم لوگوں کو عطا کرنے اور بیت المال کے مال کو تمام لوگوں پر مساوی طور پر تقسیم کرنے، ظلم کو ختم کرنے اور اہل بیت کی مدد کرنے کی۔''

اس پر تقریباً پندرہ سے چالیس ہزار آدمیوں نے آپ سے بیعت کی، لیکن جب لڑائی کا موقع آیا تو اکثر لوگ آپؒ سے بیعت توڑ کر الگ ہوگئے۔ ان سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بارے میں اعتراضات کرنے شروع کردیے اور امام جعفر صادق کی اتباع کا دعویٰ کرنے لگے۔ اس پر امام زیدؒ نے ان لوگوں کو ''رافضی'' قرار دیا۔ سب سے پہلے رافضی کا لقب امامِ زیدؒ نے ہی انھیں دیا۔ ساتھیوں کے الگ ہوجانے کی وجہ سے امامِ زیدؒ اور چند ساتھی باقی بچے اور لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔

(الكامل في التّاريخ لإبن الأثير۔ ج: 05۔ ص: 233 و 43-242۔ طبع: بیروت)

581۔ حضرت زید بن علیؒ کی شہادت کے بعد ان کے بیٹے یحییٰ بن زیدؒ کوفہ سے خراسان چلے گئے تھے۔ آپؒ بلخ میں ہریش بن عمر کے پاس قیام پذیر رہے اور وہاں سے اپنی تحریک خراسانیوں میں چلاتے رہے۔

یوسف بن عمر ثقفی والیٔ عراق نے خراسان کے والی کو لکھ کر انھیں گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ نصر نے گرفتار کرکے انھیں خراسان سے نکال دیا تو یہ سرخس چلے گئے۔ وہاں کچھ دن قیام پذیر رہے، وہاں سے بھی انھیں نکال دیا گیا تو یہ بیہق چلے گئے۔ پھر نیشاپور تشریف لے آئے۔ وہاں کے حاکم سے ان کی لڑائی ہوئی۔ ان کے ساتھ ستر آدمی تھے۔ اس طرح یہ شکست کھا گئے اور انھیں ۱۲۵ھ/ 743ء میں شہید کردیا گیا۔ (ایضاً۔ ص: 271)

582۔ حضرت امام نفس ذکیہ، مہدی، محمد بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علیؓ بن ابوطالب: آپؒ نے ۲۸؍ جمادی الآخر ۱۴۵ھ/ 762ء کو مدینہ منورہ میں ابوجعفر منصور کے خلاف جدوجہد کا اعلان کیا اور مدینہ منورہ کے گورنر رباح کو گرفتار کرکے مسجد نبویؐ میں اپنی امامت کا اعلان کیا اور خطبہ ارشاد فرمایا۔ اور محمد بن حسن بن معاویہ کو مکہ کا گورنر مقرر کیا، قاسم بن اسحاق کو یمن اور موسیٰ بن عبداللہ کو شام میں گورنر مقرر کیا۔

خلیفہ منصور نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ مدینہ پر حملہ کیا اور کئی دن کی جنگ کے بعد پیر کے دن ۱۴؍ رمضان ۱۴۵ھ/ 762ء کو انھیں شہید کردیا۔ امام مالکؒ بن انسؓ نے نفس زکیہؒ کی حمایت میں لوگوں کو بیعت کرنے کی ترغیب دی تھی، اس لیے ابوجعفر منصور نے ان کو کوڑے لگوائے۔ (ایضاً۔ ص: 529 و 554)

583۔ امام ابراہیم بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علیؓ بن ابوطالب: آپؒ نے یکم؍ رمضان ۱۴۵ھ/ 762ء کو بصرہ میں ابوجعفر منصور کے خلاف جدوجہد کا اعلان کیا اور بصرہ پر قابض ہوکر لوگوں سے بیعتِ عام لی۔ اہواز اور اس کے تمام علاقوں پر منصور کے عمال کو شکست دے کر قبضہ کرلیا۔ چناں چہ بصرہ، فارس، واسط اور عراق کا بڑا حصہ ان کی حکومت کے قبضے میں آچکا تھا۔ رمضان کا پورا مہینہ فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔

رمضان کے آخر میں جب نفس زکیہ محمد مہدیؒ کی شہادت کی خبر ملی تو اس سے خلیفہ منصور کے عاملوں میں دوبارہ لڑنے کی ہمت پیدا ہوئی۔ چناں چہ امام ابراہیم ان کا مقابلہ کرنے کے لیے نکلے اور ایک بہت بڑا لشکر لے کر دارالخلافہ کوفہ پر چڑھائی کی۔ منصور کی فوجوں سے لڑائی میں پہلے پہل کامیابی ہوئی اور پھر شکست ہوگئی۔ آخر ۲۵؍ ذوالقعدہ ۱۴۵ھ/ 762ء کو امام ابراہیمؒ کو شہید کردیا گیا۔ (ایضاً۔ ص: 560 تا 571)

584۔ امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ نے نفس زکیہ محمد مہدیؒ اور ابراہیم بن عبداللہؒ کی حمایت میں فتویٰ دیا تھا، اس لیے منصور

نے انھیں گرفتار کرکے بلایا اور بغداد میں لے جا کر قید کر دیا۔ شہر بغداد کی تعمیر کا سلسلہ جاری تھا، اس میں آپؒ سے اینٹوں کو گنوانے کی مشقت لی جانے لگی۔

(تاریخ اسلام۔ تالیف: اکبر شاہ نجیب آبادی۔ ج: 02۔ ص:322۔ طبع: نفیس اکیڈمی، کراچی)

585۔ **القرآن**: 41:9۔

586۔ **القرآن**: 91:9۔

587۔ **احکام القرآن۔ تفسیر سورة برأة. باب فرض النفير و الجهاد**۔ ج: 03۔ ص: 117۔

588۔ ایضاً۔ ج: 03۔ ص: 118۔

589۔ ایضاً۔ **تفسیر سورة برأة. باب فرض النفير و الجهاد**۔ ج: 03۔ ص: 119۔

590۔ **احکام القرآن. تفسیر سورة البقره. باب فرض الجهاد**۔ ج: 01۔ ص: 63-262۔

591۔ **القرآن**: 111:9۔

592۔ **احکام القرآن. تفسیر سورة البقره. باب فرض الجهاد**۔ ج: 01۔ ص: 263۔

593۔ خرمیت: یہ مجوسیوں کا ایک گروہ ہے، جو تناسخ اور آواگون کا قائل ہے اور محرمات کو مباح سمجھتا ہے۔ ایران کی ایک بستی ''خرمہ'' کی طرف منسوب ہے۔ ''مزدکیت'' بھی انھی کی طرح ہے، لیکن اس مذہب میں خرمیہ کے پیش رو کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ثنویت سے مراد دو خداؤں کا ماننا ہے۔

594۔ **احکام القرآن**۔ ج: 02۔ ص: 34۔

595۔ (حاشیہ تحریر کردہ از حضرت سندھیؒ:)

''امام ابوحفص: میں کہتا ہوں کہ امام ابوحفص کبیرؒ کا انتقال ۲۱۷ھ (832ء) میں ہوا۔ ان کے بیٹے ابوحفص صغیرؒ کا انتقال ۲۶۴ھ (878ء) میں ہوا۔ امام (عبداللہ بن محمد بن یعقوب حارثی) بخاریؒ کا انتقال ۲۵۶ھ (870ء) میں ہوا۔ (سندھی)''

596۔ حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ:

''امام ابوحنیفہؒ نے حضرت انس بن مالکؓ کی زیارت ایک سے زیادہ مرتبہ کی ہے، جب کہ وہ کوفہ تشریف لائے تھے۔ ابن سعد نے سیف ابن جابر سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے امام ابوحنیفہؒ سے یہ بات سنی ہے۔ نیز انھوں نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ بڑے امام، متقی، عالم اور عمل کرنے والے انتہائی عبادت گزار، بلند مرتبت شخصیت تھے۔ وہ بادشاہ کے ہدایا وغیرہ قطعاً قبول نہیں کرتے تھے، بلکہ تجارت کرتے تھے اور اس سے کمائی کرتے تھے۔ (**تذکرة الحُفّاظ**۔ ج: 01۔ ص: 27-126۔ طبع: دار الکتب العلمیہ، بیروت۔)

597۔ حافظ امام ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ:

''امام مزنی نے فرمایا کہ: قوم حدیث کے لیے امام ابو یوسف کی اتباع کرتی ہے۔''

(**تذکرة الحُفّاظ**، ج:1۔ ص: 214۔ طبع: دار الکتب العلمیہ، بیروت۔)

598۔ نیز حافظ عبد القادر قرشیؒ نے لکھا ہے کہ:

''یحییٰ ابن معین امام زفر بن ہذیل کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: وہ ثقہ اور ہر قسم کی غلطی سے محفوظ ہیں۔ ابن

حبان فرماتے ہیں کہ: آپؒ بڑے فقیہ، حافظ الحدیث تھے۔غلطی بہت کم کرتے تھے۔ آپ کے والد اہل اصفہان میں سے ہیں۔ ابونعیم (اصفہانی) فرماتے ہیں کہ: آپ ثقہ ہیں، غلطیوں سے محفوظ ہیں۔ اپنے بھائی کی میراث کے سلسلے میں بصرہ میں داخل ہوئے تو اہل بصرہ آپؒ کے دامن سے وابستہ ہوگئے اور آپ کو وہاں سے جانے سے روک دیا۔ آپ کی پیدائش ۱۱۰ھ/ 728ء میں ہوئی اور آپ کا انتقال ۱۵۸ھ/ 775ء میں ہوا۔ آپؒ کی کل عمر 48 سال ہے۔ (الجواھر المضیئہ۔ ج: 01۔ص: 243۔طبع: میر محمد، کراچی)

599۔ حاشیہ الجواھر المضیئہ۔ ج:1۔ص: 244۔ نیز الفوائد البھیہ۔ص: 76۔

600۔ الجواھر المضیئہ۔ از عبدالقادر قرشی۔ ج: 01۔ص: 193۔

"الفوائد البھیہ" میں یہ اضافہ بھی ہے کہ امام حسن بڑے تیز فہم، ذہین اور فقیہ آدمی تھے۔ آپ کا انتقال ۲۰۴ھ/ 819ء میں ہوا اور اسی سال حسن بن مالک اور امام شافعی کا بھی مصر میں انتقال ہوا۔ (ص: 60)

601۔ امام عبدالقادر قرشیؒ نے مزید لکھا ہے کہ: "امام حماد بن نعمانؒ سے ان کے بیٹے اسماعیل بن حماد نے فقہ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ان کا انتقال ۱۷۰ھ/ 787ء میں ہوا۔ (الجواھر المضیئہ. ج: 01۔ص:226)

602۔ تذکرۃ الحُفّاظ، ج:1،ص: 214۔

603۔ امام ذہبیؒ نے "تذکرۃ الحُفّاظ" میں یہ بھی لکھا ہے کہ "امامِ شافعیؒ نے فقیہ محمد بن حسنؒ سے روایات لی ہیں۔"
(تذکرۃ الحُفّاظ. ج: 01۔ص: 265۔طبع: دارالکتب العلمیہ، بیروت)

604۔ (امام عبداللہ) ابن مبارکؒ: ان کی پیدائش ۱۱۸ھ/ 736ء یا اس کے بعد ہوئی۔ان سے روایت کرنے والوں میں بہت سی مخلوق ہے، جس کا شمار نہیں ہوسکتا۔ خاص طور پر ان میں عبدالرحمٰن بن مہدیؒ، یحییٰ ابن معینؒ، حبان ابن موسیٰ، ابوبکر ابن شیبہؒ، ان کے بھائی عثمان ابن ابوشیبہؒ، احمد ابن منیعؒ وغیرہ ہیں۔شعبہ فرماتے ہیں کہ: ابن مبارکؒ جیسا امام المسلمین کبھی ہمارے سامنے نہیں آیا۔
(مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے! تذکرۃ الحُفّاظ۔ ج: 01۔ص: 03-202۔طبع: دارالکتب العلمیہ، بیروت)

605۔ تھذیب التھذیب۔ از حافظ ابن حجر عسقلانی۔ ج: 07۔ص: 334۔طبع: دارالحدیث، قاہرہ، مصر۔

606۔ تذکرۃ الحُفّاظ۔ از امام ذہبی۔ ج: 02۔ص: 17۔طبع: دارالکتب العلمیہ، بیروت۔

607۔ ایضاً۔ ج: 02۔ص: 104۔

608۔ تاریخ بغداد، از حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادیؒ، ج:6،ص: 288، تذکرہ اسماعیل بن فضل بن موسیٰ بلخی، نمبر 3319، طبع دارالکتب العلمیہ، بیروت 2003ء

609۔ امام وکیع ابن جراح کی پیدائش ۱۲۹ھ/ 747ء میں ہوئی۔ انھوں نے احادیث کی سماعت ہشام بن عروہ، اعمش، اسماعیل بن ابوخالق، ابن عون، ابن جریج، سفیان ثوری اور اوزاعی سے کی ہے۔ان سے روایت کرنے والوں میں عبداللہ ابن مبارک، احمد بن حنبل، علی بن مدینی، یحییٰ ابن معین، اسحاق، زہیر اور ابوشیبہ کے دونوں صاحبزادے وغیرہ ہیں۔امام احمد بن حنبل ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: میں نے وکیع جیسا انسان نہیں دیکھا۔ (تذکرۃ الحُفّاظ۔ج: 01۔ص: 24-223۔طبع: دارالکتب العلمیہ، بیروت)

610۔ تذکرۃ الحُفّاظ۔ ج:2۔ص: 128۔طبع: دارالکتب العلمیہ، بیروت۔

611۔ ایضاً، ج:1۔ص: 127۔

612۔ تذکرۃ الحُفّاظ میں لکھا ہے کہ: یحییٰ بن زکریا مدائن میں عہدۂ قضا پر فائز تھے اور وہیں ۱۸۲ھ/ 798ء میں ان کا انتقال ہوا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ۱۸۳ھ میں ہوا۔ ان کی عمر 63 سال ہوئی۔ (ج:1۔ص:196)

613۔ (امام عبدالقادر) قرشیؒ نے لکھا ہے کہ: یحییٰ ابن زکریا امام احمد بن حنبل، یحییٰ ابن معین، قتیبہ، ابوبکر ابن ابوشیبہ اور حسن بن عرفہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور ابن معین فرماتے ہیں کہ: اپنے زمانے میں حضرت ابن عباسؓ پر علم کی انتہا تھی۔ پھر اپنے زمانے میں عامر شعبی پر انتہا تھی، پھر اپنے زمانے میں امام (سفیان) ثوریؒ پر علم کی انتہا تھی، پھر اپنے زمانے میں یحییٰ ابن ابوزائدہ پر علم مکمل ہوا۔ (الجواهر المضیئه۔ ج: 02۔ص: 212)

614۔ امام عبدالقادر قرشیؒ نے لکھا ہے کہ: ابن ابو حاتم فرماتے ہیں کہ: قاسم بن معن ثقہ اور سچے آدمی ہیں۔ لوگ ان سے حدیث اور شعر روایت کرتے ہیں۔ ان کا انتقال ۱۷۵ھ/ 791ء میں ہوا۔ احادیث کے اصحاب السنن نے بھی آپ سے روایت کی ہے۔ (الجواهر المضیئه۔ ج: 01۔ص:412)

615۔ تذکرۃ الحُفّاظ۔ تالیف: امام ذہبیؒ۔ ج:1۔ص: 175۔طبع: دارالکتب العلمیہ، بیروت۔

616۔ امام عبدالقادر قرشیؒ نے لکھا ہے کہ: امام حفص کا انتقال ۱۹۴ھ/ 810ء میں ہوا اور ان کی پیدائش ۱۱۷ھ (735ء) کی ہے۔ آپ قضا کے منصب پر ۱۷۷ھ/ 793ء میں فائز ہوئے۔ آپ کی عمر 77 سال ہوئی۔
(الجواهر المضیئه۔ ج: 01۔ص:222۔طبع: میر محمد، کراچی)

617۔ مقدمہ فتح الباری شرح بخاری۔ از حافظ ابن حجر عسقلانیؒ۔ص: 398۔طبع: دارالفکر، بیروت۔

618۔ ذیل الجواهر المضیئه۔ ج:2،ص: 555۔طبع: میر محمد، کراچی۔

619۔ تذکرۃ الحُفّاظ۔ تذکرہ مکی بن ابراہیم بلخیؒ۔ ج:1،ص: 268۔طبع: دارلکتب العلمیہ، بیروت۔

620۔ مقلمه فتح الباری۔ از حافظ ابن حجر عسقلانی۔ص: 479۔طبع: دارالفکر، بیروت۔

621۔ ذیل الجواهر المضیئه۔ ج:2۔ص: 555۔طبع: میر محمد، کراچی۔

622۔ تذکرۃ الحُفّاظ۔ تذکرہ ابوعاصم ضحاکؒ۔ ج:1۔ص: 268۔طبع: دارلکتب العلمیه، بیروت۔

623۔ الجواهر المضیه۔ تالیف: امام عبدالقادر قرشی۔ ج: 02۔ص: 212۔طبع: میر محمد، کراچی۔

624۔ تذکرۃ الحُفّاظ۔ ج:1۔ص: 24-223۔طبع: دارالکتب العلمیه، بیروت۔

625۔ ایضاً، ص:27-126۔

626۔ الجواهر المضیه۔ ج:02۔ص:78-177۔طبع: میر محمد، کراچی۔

627۔ حافظ ابویعلی معلّٰی بن منصور رازی ثم بغدادیؒ: حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ: انھوں نے امام مالک، سلیمان ابن ہلال، لیث ابن سعد اور شریک اور ان کے طبقے کے علما سے حدیث کی سماعت کی ہے۔ اور ان سے روایت کرنے والوں میں ابوثور، ابوخیثمہ، امام رماوی، عباس دوریؒ وغیرہ ہیں۔ آپؒ علم کے محفوظ برتنوں میں سے ایک ہیں۔ یحییٰ ابن معین نے آپ کو ثقہ کہا ہے۔
(دیکھیے! تذکرۃ الحُفّاظ۔ ج: 01۔ص:276۔طبع: دارلکتب العلمیه، بیروت)

628۔ سنن ابو داؤد۔ از امام ابوداؤد۔ باب المستحاضۃ یغشاھا زوجھا۔ حدیث نمبر 309۔طبع: دار الکتب

العلميه، بيروت۔
629۔ الجواهر المضيه. تالیف: امام عبدالقادر قرشی۔ ج: 01۔ص: 67-166۔ طبع: میر محمد، کراچی۔
630۔ تاریخ بغداد، تذکرہ قاضی بشر بن ولید کندی۔ ج: 7، ص: 84۔
631۔ الجواهر المضيه. تالیف: امام عبدالقادر قرشیؒ۔ ج: 02۔ص: 71-70۔ طبع: میر محمد، کراچی۔
632۔ تذكرة الحُفّاظ. تذکرہ محمد بن عبداللہؒ۔ ج: 1۔ص: 272۔ طبع: دار لكتب العلميه، بيروت۔
633۔ مقلمه فتح البارى۔ از حافظ ابن حجر عسقلانی۔ ص: 440۔ طبع: دارالفکر، بیروت۔
634۔ عن عبدالله (بن مسعود) عن النّبيّ صلّى الله عليه و سلّم: خير النّاس قرنى، ثمّ الّذين يلونهم، ثمّ الّذين يلونهم، ثمّ يجيء من بعدهم قوم: تسبق شهادتهم أيمانهم، و أيمانهم شهادتهم. (رواه البخارى. كتاب الرقاق. حديث نمبر: 6429. و عن عمران بن حصين، حديث 2651)
635۔ إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء. المقصد الأوّل، فصل چهارم، أحاديثِ خلافت، مسند عبدالله بن مسعودؓ، جلد أوّل، ص: 87-286۔ وفصل ہشتم در فضیلتِ شیخین۔ ج: 02۔ص: 566۔
636۔ تذكرة الحُفّاظ. تذکرہ عامر بن شراحیل شعبیؒ۔ ج: 01۔ص: 63۔ طبع: دارالكتب العلميه، بيروت۔
637۔ ازالة الخفاء عن خلافة الخلفا (عربی اردو مترجم) ج: 04۔ص: 151 تا 155۔
638۔ تذكرة الحُفّاظ. تذکرہ عبداللہ بن مسعودؓ۔ ج: 01۔ص: 16۔ طبع: دارالكتب العلميه، کراچی۔
639۔ حجة الله البالغه، باب اسباب إختلافِ مذاهب الفقهاء۔ ج: 01۔ص: 08-307۔ طبع: بیروت۔
640۔ حلية الأولياء. ج: 01۔ص: 134۔ نيز ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء۔ ج: 02۔ص: 21۔
641۔ همعات، از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔ ہمعہ نمبر 02۔ص: 16 تا 20۔ طبع: شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد۔
648۔ (حاشیہ تحریر کردہ از حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ:)

''میں کہتا ہوں کہ: مسلمانوں میں فلسفہ اور حکمت کا ارتقا، یونان میں فلسفے کے ارتقا کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے جس چوتھے دور کا تذکرہ کیا ہے، وہ افلاطون کے دور سے مشابہت رکھتا ہے۔ پانچواں دور ارسطو کے دور سے مشابہت رکھتا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا چھٹا دور مذہبِ افلاطونی کے بانی افلاطون سکندری کے دور سے مشابہت رکھتا ہے، جو کہ اس سے پہلے کے دونوں فلسفیوں کی رائے کا جامع ہے۔ عبیداللہ (سندھی)''

کتابیات

(کتبِ مقدسہ)

☆ القرآن الحکیم

☆ مؤطّا إمام مالک

☆ صحیح بخاری. طبع بیروت

صحیح مسلم، طبع بیروت

☆ سنن ابوداؤد. طبع بیروت

☆ سنن نسائی، طبع: بیروت

سنن ترمذی، طبع: بیروت

☆ مشکوٰۃ المصابیح

(الف)

☆ آبِ کوثر، از شیخ محمد اکرام، طبع: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور

☆ آثار الصّنادید، مؤلفہ: سرسید احمد خان، طبع: سینٹرل بک ڈپو، اردو بازار، جامع مسجد دہلی، 1965ء

☆ ابجد العلوم، نواب صدیق حسن قنوجی بھوپالی، طبع مکتبہ قدوسیہ، لاہور، 1983ء

☆ اتحاف النُّبَلاء۔ مصنفہ: نواب صدیق حسن قنوجیؒ۔ مطبوعہ: نظامی، کانپور۔ ۱۲۸۸ھ

☆ اتحاف النّبیہ فیما یحتاج للمحدّث و الفقیہ، از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، طبع: مکتبہ سلفیہ، لاہور

☆ اثبات المولّد و القیام، از: محمد اقبال مجددی، مطبوعہ: استنبول

☆ احکام القرآن، از امام ابوبکر احمد بن علی جصاص رازیؒ، طبع: سہیل اکیڈمی، لاہور

☆ الإرشاد إلیٰ مہمّات علم الأسناد، امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، طبع: سجاد پبلشرز، حسین منزل، پیسہ اخبار، لاہور، فروری 1960ء

☆ اخبار الأخیار، از شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ۔ طبع: مجتبائی، دہلی

☆ اذکارِ ابرار ترجمہ گلزارِ ابرار، طبع: مفید عام، آگرہ

☆ ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، جمع کردہ مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور، جولائی 2014ء

☆ **ارواحِ ثلاثہ، قصص الأکابر لحصص الاصاغر**، افادات مرتبہ: مولانا اشرف علی تھانویؒ، ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان

☆ **إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء** ۔ از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، طبع قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی

☆ استاذ الکل مولانا مملوک العلی نانوتویؒ، از مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی، طبع: حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، کاندھلہ، ضلع مظفرنگر، طبع بارِاوّل: مارچ 2009ء۔

☆ **اسعاف المبطّأ برحال المؤطا، ملحق مؤطا امام مالک** ۔ تالیف: امام سیوطیؒ ۔ طبع: قدیمی کتب خانہ، کراچی ۔

☆ اسلام کا اقتصادی نظام، از حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، طبع مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور

☆ **الأشباه و النظائر**، علامه، شيخ زين الدين المعروف ابن نجيم، طبع: بيروت

☆ **الأعلام للزركلی**، طبع: بیروت

☆ **أعلام الأخيار من فقهاء مذهب النعمان.** از محمود بن سلیمان کفوی، متوفی ۹۹۰ھ/ 1582ء

☆ **الأُمم لإيقاظ الهمم**، تصنیف: شیخ ابراہیم بن حسن کردی کورانی، طبع: دائرۃ المعارف ۔ حیدرآباد دکن

☆ امالی عزیزیہ از حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ۔

☆ **الإمداد بعلوّ الأسناد** از شیخ عبداللہ بن سالم، طبع: دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن

☆ **الانتباه فی سلاسل اولياء الله و أسانيد وارثی رسول الله صلّی الله عليه و آلهٖ و سلّم**، امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، طبع: مجتبائی، دہلی

☆ **الأنساب**، از علامہ سمعانیؒ، طبع: دکن، ہند

☆ **الإنصاف فی بيان سبب الاختلاف**، از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، طبع: هيئت الاوقاف بحكومت الپنجاب پاکستان

☆ **انفاسِ رحیمیہ** (مکتوبات امام عبدالرحیم دہلویؒ) طبع مجتبائی، دہلی ۱۳۳۳ھ/ 1915ء

☆ **انفاس العارفين**، از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، اردو ترجمہ از سید محمد فاروق قادری، طبع مکتبہ الفلاح،

دیو بند، انڈیا

☆ **الأنوار القدسیه فی مناقب السادۃ النقشبندیه، طبع مطبع السعادت،** ۱۳۴۴ھ، مصر

(ب)

☆ **براهینِ قاطعه.** ازمولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی

☆ برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علما کا کردار، از ایچ بی خان، علی گڑھ یونیورسٹی گزٹ، طبع قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد

☆ **البدور البازغه،** از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد، سندھ

☆ **بغیة الوُعاۃ فی طبقات اللُّغویّین و النُّحات،** از امام جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطیؒ، طبع: خانجی، مصر، ۱۳۲۶ھ

☆ **بُغیة الطّالبین،** تصنیف: شیخ احمد نخلیؒ، مطبوعہ دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن

☆ **بوارق المعرفه، مشموله انفاس العارفین،** مطبوعہ مطبع احمدی، متعلق مدرسہ عزیزی، دہلی، 1897ء

(پ)

☆ پرانے چراغ، از مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، طبع مجلس نشریاتِ اسلام کراچی

(ت)

☆ تاریخ اسلام، تالیف: اکبر شاہ نجیب آبادی، طبع: نفیس اکیڈمی، کراچی

☆ **تاریخ الأعظمیه،** تالیف: خطاط ولید الاعظمی، طبع: بیروت

☆ تاریخ بغداد، تالیف: حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادیؒ، طبع: دارالکتب العلمیہ، بیروت

☆ **تاج التراجم،** از حافظ قاسم بن قطلو بغاؒ قلمی نسخہ از کاتب قاضی محمد مراد سیوستانی سندھی

☆ تاریخ مشائخ چشت، از مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، طبع: مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی

☆ تاریخ فرشتہ از محمد قاسم فرشتہ (مترجم)، طبع: دوست ایسوسی ایٹس، لاہور

☆ تاریخ فقہ اسلامی، تالیف: علامہ شیخ محمد خضری بک، اردو ترجمہ، طبع: دارالاشاعت، کراچی

☆ **التاج المکلل،** از نواب صدیق حسن بھوپالی، طبع: **شرف الدین الکتبی و اولاده**

☆ تاریخ ہندوستان، منشی ذکاء اللہ دہلویؒ، طبع سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور

☆ **تذکرۃ الحُفّاظ،** امام ذہبیؒ، طبع: دارالکتب العلمیہ، بیروت

☆ تذکرۃ الرشید، از حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی، مطبوعہ مکتبہ مدنیہ لاہور، ۱۴۰۶ھ

☆ تذکرہ اولیائے پاک و ہند، از ڈاکٹر ابوظہور الحسن شارب، طبع: فیصل ناشران، لاہور

☆ تذکرہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی، ڈیرہ اسماعیل خان، مؤلفہ: محمد نذیر رانجھا، مطبوعہ: جمعیت پبلی کیشنز، لاہور

☆ تذکرہ مشائخ نقشبند۔ از علامہ نور بخش توکلی۔ طبع: لاہور

☆ **تسلسلاتِ امدادیہ،** از ڈاکٹر ماجد علی خان۔ طبع: سہارن پور

☆ **التعلیق الممجد علی مؤطا الامام محمدؒ،** ابوالحسنات عبدالحئی لکھنوی، طبع کراچی، 1961ء

☆ **التفهيمات الإلٰهية،** از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، جلد اول، طبع حیدرآباد، سندھ

☆ **التمهيد لتعريف ائمة التجديد.** از امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مطبوعہ سندھی اَدبی بورڈ، حیدرآباد، سندھ

☆ **تهذيب التهذيب،** از حافظ ابن حجر عسقلانی۔ طبع: دارالحدیث، قاہرہ، مصر

(ج)

☆ **الجزء اللّطيف،** مشمولہ **انفاس العارفین،** مطبوعہ مطبع احمدی، دہلی، 1897ء

☆ جماعتِ مجاہدین، از غلام رسول مہر، طبع کتاب منزل، لاہور

☆ **الجواهر المضيئه.** تالیف: حافظ عبدالقادر قرشیؒ۔ طبع: میر محمد کتب خانہ، کراچی

(ح)

☆ **حارق الأشرار،** منظومہ: شیخ فتح اللہ، شامل **مجموعہ تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان۔** طبع: دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی

☆ **حِجَجُ الكِرامه،** مؤلفہ نواب صدیق حسن قنوجیؒ

☆ **حجة اللّٰه البالغه،** از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، طبع: دیوبند

☆ **حدائق الحنفيه،** از مولانا فقیر محمد جہلمی، طبع: نول کشور، لکھنؤ۔

☆ **الحطه فی ذكر الصحاح السته،** نواب صدیق حسن قنوجی بھوپالی، طبع دارالجیل، بیروت۔

☆ **حلية الأولياء للحافظ ابو نُعَيم اصفهانی،** طبع: بیروت

☆ **الحيات بعد الممات،** سوانح میاں نذیر حسین محدث دہلوی، مؤلفہ فضل حسین بہاری، طبع مکتبہ

اثریہ، شیخوپورہ، 1984ء

☆ حسن العزیز، تالیف: مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ مطبوعہ تھانہ بھون

(خ)

☆ خطۂ پاک اوچ، از مسعود حسن شہاب، طبع: اردو اکیڈمی، بہاولپور

☆ خطبات و مقالات مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مرتبہ: مولانا مفتی عبدالخالق آزاد دائے پوری، طبع: دارالتحقیق والاشاعت، 33/A کوئینز روڈ لاہور

☆ خزانۂ عامرہ، علامہ غلام علی آزاد بلگرامی

☆ **خزينة الأصفياء**، از مفتی غلام سرور لاہوریؒ، طبع: مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور

☆ **الخير الكثير**، از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، طبع: شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد

(د)

☆ رسالہ دانش مندی، از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، طبع: مطبع احمدی، دہلی

☆ **الدّر الكامنه**، حافظ ابن حجر

☆ دیکھ لیا ملتان، از ڈاکٹر زاہد علی واسطی۔ طبع: بیکن بکس، ملتان

(ذ)

☆ **ذيل الرّشحات**، از شیخ مراد بن عبداللہ قزانی

☆ **ذيـل طبقات الحفاظ لابى الفضل تقى الدّين ابن فهد المكّى، طبع: دارلكتب العلميه، بيروت.**

☆ **ذيل طبقات الحفاظ للامام سيو طیؒ**، طبع دارالکتب العلمیہ، بیروت

(ر)

☆ **رساله اوائل كتب الحديث**، تالیف: شیخ محمد سعید، طبع قاہرہ، مصر۔ ۱۳۲۶ھ

☆ رسائل (مکتوبات) حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ (اردو ترجمہ)، مطبوعہ خانقاہ سراجیہ، کندیاں، ضلع میانوالی

☆ رودِکوثر، از شیخ محمد اکرام، تذکرہ خواجہ محمد باقی باللہ، طبع: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور۔

☆ **روض الـنّـضيـر شـرح مجموع الفقه الكبير**، از شرف الدین حسین بن احمد صنعان، طبع: کتبہ خانہ مؤسسہ علمی، فرہنگی دارالحدیث، قم، ایران

(س)

☆ سبحة المرجان فی آثارِ ھندوستان، سید غلام علی آزاد بلگرامی، (انٹرنیٹ ایڈیشن)
www.al-mustafa.com

☆ سلک الدّرر، فی أعیان القرن الثانی عشر، تالیف: السّیّد محمد الخلیل المرادی.

☆ سِیَرُ المتأخرین، از طباطبا، طبع نول کشور 1314ھ

☆ سیّد احمد شہید، از غلام رسول مہر، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

☆ سیرت سید احمد شہیدؒ، از غلام رسول مہر، مطبوعہ: لکھنؤ

☆ سیر اعلام النبلاء للذھبی، طبع: دارالکتب العلمیہ بیروت

☆ سوانح حضرت مخدوم جہانیاں جہان گشت۔ مؤلفہ: پروفیسر محمد ایوب قادری۔ طبع: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی

☆ سوانح شاہ عبدالرحیم رائے پوری، از مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور، دوسرا ایڈیشن اگست 2016ء

(ش)

☆ شاہ ولی اللہ اوران کا فلسفہ۔ مرتبہ: پروفیسر محمد سرور مرحوم۔ طبع: سندھ ساگر اکیڈمی لاہور

☆ شاہ ولی اللہ اور اُن کی سیاسی تحریک، از امام عبیداللہ سندھیؒ، طبع اوّل، ناشر مطبوعہ کتاب خانہ پنجاب، لاہور، 1942ء

☆ شاہ ولی اللہؒ سے امام عبیداللہ سندھیؒ تک، از ڈاکٹر ظہیرالحق دین پوریؒ، طبع: دین پور، خان پور

(ص)

☆ صراطِ مستقیم، از سید احمد شہیدؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ، اردو ترجمہ: مولانا محمد اکرم، مطبوعہ: اسلامی اکیڈمی، اردو بازار، لاہور

(ض)

☆ ضمیمہ خوانِ خلیل از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، مطبوعہ سہارن پور

☆ الضّوء اللامع لأھل القرن التّاسع، از امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاویؒ، طبع: دارالجیل، بیروت

(ط)

☆ **طبقات الکبریٰ،** از شیخ عبدالوہاب شعرانی، طبع: مصر

☆ **طرب الأماثل بتراجم الأفاضل،** از مولانا عبدالحیؒ لکھنویؒ۔ص: 54-253۔مطبوعہ: کتب خانہ نور محمد، کراچی

(ع)

☆ عالمی انسائیکلو پیڈیا۔ طبع: فیصل ناشران، لاہور

☆ **العبر فی خبر من غبر،** از حافظ ذہبیؒ۔ **مطبعه: الحکومة الکویتیه،** 1984ء

☆ **عجالۂ نافعه،** از حضرت الامام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، طبع نور محمد کارخانۂ تجارت، آرام باغ، کراچی

☆ عملِ صالح المعروف شاہ جہاں نامہ، از محمد صالح کمبوہ، جلد اردو ترجمہ ڈاکٹر ناظر حسن دہلوی، مطبوعہ اردو سائنس بورڈ، لاہور

☆ **عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، ابواب المهدی۔** مصنّفہ: علامہ محمد شمس الحق عظیم آبادی، طبع: دارالحدیث القاہرہ، مصر، 2001ء

(ف)

☆ فتاویٰ عزیزیہ، از حضرت امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، طبع مجتبائی، دہلی، انڈیا

☆ مقدمہ فتح الباری از حافظ ابن حجر عسقلانی، طبع: دارالفکر، بیروت

☆ **فهرس الفهارس**

☆ **فیض الملک الوهّاب المتعالی بأبناء أوائل القرن الثالث عشر و التّوالی،** تالیف: شیخ عبدالستار بن عبدالوہاب صدیقی ہندی مکیؒ، مطبوعہ: مکہ مکرمہ

☆ **الفوائد البهیه فی تراجم الحنفیة،** از مولانا عبدالحیؒ لکھنویؒ، طبع: نور محمد، کراچی

☆ **فیوض الحرمین،** امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، مطبع احمدی دہلی۔ بمع اردو ترجمہ، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز، کراچی

☆ **فیوضِ یزدانی** اردو ترجمہ **الفتح الربانی** از حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، طبع: کراچی

(ک)

☆ کابل میں سات سال، ذاتی ڈائری از حضرت سندھیؒ، طبع: مکی دارالکتب، لاہور

☆ کتاب الہند از البیرونی، "تحقیق مافی الہند"، طبع دائرۃ المعارف عثمانیہ، حیدرآباد دکن (انڈیا)

☆ **الکامل فی التّاریخ لإبن الأثیر**، طبع: بیروت

☆ کلیاتِ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، مرتبہ: سید اصغر حسین، مطبوعہ: مطبع قاسمیہ، دیوبند، ۱۳۴۰ھ۔ طبع ثانی: مجلس یادگار شیخ الاسلام پاکستان، کراچی، اشاعت: 1996ء

☆ کمالاتِ امدادیہ در قصص الاکابر لحصص الاصاغر، مرتب: مولانا اشرف علی تھانویؒ، طبع ملتان

(ق)

☆ قاسم العلوم از حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، اُردو ترجمہ: پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی، طبع: خیابان پریس، اُردو بازار، لاہور

☆ **القول الجلی فی ذکر آثار الولی. مؤلّفه:** مولانا محمد عاشق پھلتیؒ، فارسی، عکس قلمی نسخہ، مطبوعہ شاہ ابوالخیر اکیڈمی، دہلی

☆ **القول الجمیل فی بیان سواء السبیل**، از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، طبع مکتبہ رحمانیہ، لاہور

(م)

☆ **مأثر الکرام**، سیّد غلام علی آزاد بلگرامی، طبع مفید عام، آگرہ (انڈیا) 1910ء

☆ مجمع السلاطین

☆ مجموعہ وصایا اربعہ از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، مرتبہ: محمد ایوب قادریؒ، طبع شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد

☆ مخزنِ فیضان، ملفوظات حضرت سائیں محمد راشد روضہ دھنی مع تاریخ خاندانِ راشدیہ پیرانِ پگاڑا۔ مترجم: حکیم ابوالحسان۔ طبع: جمعیت علمائے سکندریہ، درگاہ شریف، پیر جو گوٹھ، خیرپور، سندھ

☆ **المسوّٰی من أحادیث المؤطا، الإمام ولی الله دهلویؒ، مطبوعه جمعیة السلفیة بمکة المکرمة**، ۱۳۵۱ھ۔

☆ **معجم المؤلّفین**، تالیف: عمر رضا کحالہ، طبع: بیروت

☆ مکتوباتِ امام ربانی، مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ، طبع ادارہ اسلامیات، لاہور

☆ مکاتیب سید احمد شہیدؒ، عکس قلمی نسخہ، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، لاہور، نومبر 1975ء

☆ **مفید المفتی**، مولانا عبدالاوّل جونپوریؒ، طبع: کراچی/ مکتبہ غوثیہ، ملتان/ مطبع: آسی، لکھنؤ

☆ **المقدّمة السَنِیة فی إنتصار للفرقة السُنّیة**، تصنیف: امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، طبع: حضرت شاہ ابوالخیر اکاڈمی، شاہ ابوالخیر مارگ، دہلی، 1983ء

☆ مقدمہ ترجمہ قرآن حکیم، مشمولہ: شیخ الہندؒ کا اصل مقدمہ ترجمہ قرآن حکیم، مرتبہ مولانا نور الحسن راشد

کاندھلوی، ناشر: مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، کاندھلہ ضلع شاملی، جنوری 2016ء
☆ المقدمة علیٰ مختصر القدوری، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ آرام باغ، کراچی
☆ مناقب السّادة النقشبندیه
☆ منهاج السّنه، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، مکتبہ شاملہ
☆ موضح الفرقان، ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ بمع تفسیر عثمانی۔ مطبوعہ: دارالقرآن، اردو بازار، لاہور
☆ مواهب الجلیل فی مختصر الشیخ خلیل، المکتبة الشاملة.
☆ مولانا عبیداللہ سندھیؒ افکار و خدمات از مولانا دین محمد وفائی، مرتبہ: ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری، ص 25-24۔ طبع: المحمود اکیڈمی، اردو بازار لاہور
☆ میانجیو نور محمد جھنجھانویؒ، تالیف: نسیم احمد علوی، طبع: دارالتحقیق والاشاعت، 33/A، کوئینز روڈ، لاہور، جون 2002ء

(ن)

☆ نُزهة الخواطر و بهجة المسامع و النواظر، مولانا سید عبدالحیؒ لکھنوی، طبع: طیب اکیڈمی، ملتان
☆ نفحات الاُنس، از مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ، اردو ترجمہ از مولانا محمد ادریس انصاری، حیاتِ صوفیا، طبع: صادق آباد۔
☆ نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار، محمد بن علی بن محمد شوکانی، طبع درالاحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، 1999ء
☆ نیل الوطر من تراجم رجال الیمن فی الثّالث عشر، محمد بن علی بن محمد شوکانی، طبع درالاحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان

(ہ)

☆ هدية الشيعه، از مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، طبع حقانیہ، کراچی
☆ همعات، از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔ طبع: شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد۔

(و)

☆ وفيات الأعيان لإبن خلّكان، طبع: دارِصادر، بیروت
☆ واقعاتِ دارالحکومت دہلی، از بشیر احمد، مطبوعہ: دہلی۔ ۱۳۳۷ھ/ 1919ء
☆ وقائع سیّد احمد شہید، عکس قلمی نسخہ، مطبوعہ: سید احمد شہید اکیڈمی لاہور، 2007ء

(ی)

☆ **الیانع الجنی من أسانید شیخ عبدالغنی، مطبوعه علیٰ هامش کشف الاستار عن رجال معانی الآثار**، از شیخ محسن بن یحییٰ بکری تُرہٹی یمانی، طبع دارالاشاعت بدیوبند، الہند

☆ یدِ بیضا، تذکرہ حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ، تالیف: میاں خلیل احمد دین پوری، طبع: امیر جماعت درگاہ عالیہ، دین پور، ضلع رحیم یارخان

رسائل

☆ ماہنامہ الرشید ساہیوال، دارالعلوم دیوبند نمبر

☆ سہ ماہی مجلّہ ''شعور وآگہی'' لاہور

☆ ماہنامہ طلوعِ آفتاب، لاہور، شمارہ: مئی 2011ء

☆ ماہنامہ ''القاسم'' دیوبند

مخطوطات

☆ امالی عبیدیہ قلمی، مکتوبہ مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ۔ محفوظہ لائبریری اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

☆ **التّمهید لتعریف أئمّة التّجدید**، عکس ابتدائی مسودہ قلمی تحریر کردہ: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی

☆ **التمهید لتعریف ائمّة التجدید**، قلمی نسخہ، موجود کتب خانہ دارالعلوم دیوبند، کتاب نمبر 8748

☆ **رسالة فی التواریخ**، از شاہ رفیع الدین دہلویؒ، قلمی مخطوطہ، محفوظ لائبریری جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی

☆ **موائد الفضل و الکرم الجامعه لتراجم اهل الحرام** (قلمی)، تالیف: شیخ عبدالستار بن عبدالوہابؒ۔ موجود مکتبہ الحرم المکی، مکة المکرّمہ

—— **ختم شُد** ——

"زیرنظر تصنیف میں چودھویں صدی ہجری کے معروضی تقاضوں کے پس منظر میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور ان کی جماعت کی تاریخی جدوجہد کا بھی نہایت مربوط و عمیق تجزیہ کیا گیا ہے، جو صاحب تصنیف حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے شایانِ شان ہے کہ وہ نہ صرف صاحب قلم ہیں بلکہ مردمیدان بھی ہیں۔ انھوں نے اپنے دور کی تاریخ کو محض رقم ہوتے نہیں دیکھا بلکہ وہ تاریخ بنانے والوں کی صف اول میں تھے۔

وہ برعظیم کی حالیہ تاریخ کی وہ منفرد شخصیت ہیں جنھوں نے اپنے دور کے انقلابات کو نہ کسی کی زبان سے سنا اور نہ کسی لکھنے والے کی تحریر سے سمجھا، بلکہ ان کو اپنی نظروں کے سامنے تشکیل پاتے دیکھا۔ انقلاب برپا کرنے والوں سے براہِ راست گفتگو کی۔ ان کے اچھے پہلوؤں کی ستائش کی تو ان کے عروج، بلکہ بھرے ہوئے زمانے میں ان کی کوتاہیوں اور خامیوں کی بھی نشان دہی کی۔ اپنے دور کے ناقابل شکست تصور ہونے والے انقلابات کے بانیوں کے ساتھ حضرت سندھیؒ کے براہ راست رابطوں اور مکالموں نے ان کو اپنے استاد حضرت شیخ الہند کی ذات اور مشن پر اعتماد میں حددرجہ اضافہ کیا اور پھر وہ تاحیات امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی فکر و بصیرت کے ابلاغ میں حددرجہ یکسو ہو گئے۔

مولانا سندھیؒ اپنے استاذ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے ذریعے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے متعارف ہوئے۔ اس طرح کہ انھوں نے نہ صرف ان کی فکر کو سمجھا، بلکہ ان کے بعد کی بزرگ شخصیات کا بھی مطالعہ کیا اور ان تمام حضرات کے فکر کا عصری تقاضوں کے پس منظر میں تجزیہ کیا۔ یوں انھوں نے ایک مربوط منہج فکر کے خدوخال واضح کیے۔ انھوں نے تاریخ کی نامور شخصیات کے احوال و افکار تلاش کر کے انقلابی فکر کے سوتے دریافت کیے اور اس حقیقت کو بے نقاب کیا کہ دین حق کی بنیادی اٹھان ہی فرسودگیٔ فکر کا خاتمہ ہے۔ قرآن حکیم، دین حق کے دیگر فرسودہ افکار اور فاسد نظاموں پر عادلانہ و حکیمانہ غلبے کو مقصد بعثتِ نبوی قرار دیتا ہے۔ چناں چہ ہر دور میں فرسودگی، رجعت پسندی، شعور دشمنی، جہالت، تذلیل انسانیت اور سماجی تفریق و تقسیم پر مبنی افکار اور نظاموں سے دین حق کی مزاحمت رہے گی۔ چناں چہ ہر دور کی خداپرست اور باصفا شخصیات اپنے دور کو اجتماعی نقطۂ نظر سے بہتر سے بہتر راستہ پر گامزن رکھنے کے لیے کمربستہ رہیں۔ ان کی لغت میں اپنے لیے رخصت کی کوئی گنجائش نہیں تھی، وہ ہمیشہ راہِ عزیمت پر گامزن رہے۔"

ڈاکٹر مفتی سعیدالرحمٰن
پروفیسر موسیٰ پاک شہید چیئر/ سابق چیئرمین، شعبہ علوم اسلامیہ
بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
00-92-42-36307714, 36369089 www.rahimia.org
info@rahimia.org /rahimiainstitute